مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری کی مختصر افسانوں کے مجموعے

سیلابِ اشک یا تصویر

دردانگیز افسانے (۱) پرستارِ محبت عورت کا دل وفا محبت کے خزائن سے مالامال ہے۔ یہ سبق آموز افسانہ جو کٹر سے کٹر انسان کی آنکھیں نمناک کردیگا اسکا ثبوت ہے اور بے انتہا مقبول ہوا ہے (۲) بلوچن کے تین رنگ۔ ایک خوددار لڑکی وفاداری اور انتقام اور احسان کے جوہر دکھا کر محو حیرت کردیتی ہے (۳) طلاقن کا سفید بال۔ میاں بیوی کے تعلقات کیا چیز ہیں۔ خودداری اور ایثار کسے کہتے ہیں۔ ضمیر و ایمان کیا کام کرتا ہے اس فلسفیانہ نہایت دردانگیز افسانہ سے معلوم ہوگا کہ جس نے کتنے ہی گھر تباہی سے بچا ڈالے (۴) حج اکبر جس سے معلوم ہوگا کہ ماں کا دل کس قسم کی محبت سے لبریز ہوتا ہے۔ اور سچی خوشی کسے کہتے ہیں (۵) عدل گلبدن شہنشاہ بابر کی لخت جگر شہزادی گلبدن بیگم کی شجاعت۔ عدل و کرم احسان و عفو کے حیرت انگیز کارنامے۔ (۶) بے قصور بچی۔ بے انتہا مؤثر افسانہ (۷) ثریا کا تخیل۔ ہر افسانہ کے ساتھ زر کثیر صرف کرکے فوٹو بلاک کی تصاویر لگائی گئی ہیں جو مشہور مسٹر سمیع نے تیار کی ہیں۔ قیمت ایک روپیہ چار آنہ

طوفانِ اشک

یعنی رواج کی چوکھٹ پر مظلوم عورتوں کی قربانیاں ۱۲ دل ہلادینے والی کہانیاں قیمت

رواج کی بھینٹ	محروم وراثت	اس ہاتھ دے	مینے کیا دیکھا
کلنگ کا ٹیکہ	سوتیلی ماں کا آخر وقت	تفسیر عبادت	شہید معاشرت
بیوی کی صحنک	توصیف کا خواب	نئی دلہن	طوفان اشک

گلدستۂ عید

عید کی دعا۔ عید کی خوشی۔ ام جعفر کی عید۔ ترکن ماما کی عید پچاس سال پہلے کی عید۔ کنواری بچی کی عید ایسے ایسے ۱۴ سبق آموز افسانے اور مضامین صرف عید کے متعلق ہیں سچی خوشی کس طرح میسر ہوتی ہے رمضان شریف میں کیا کرنا چاہیے عید کس طرح منائی جاتی ہے اسکا جواب گلدستہ عید میں ملیگا جو بہترین علمی عیدی ہے ہر وقت پڑھنے کی چیز ہے قیمت ۱۲/

نانی عشو

آپ کتنے ہی سنجیدہ کیوں نہ ہوں ناممکن ہے کہ نانی عشو پڑھتے یا سنتے وقت آپ کے پیٹ میں مارے ہنسی کے بل نہ پڑجائیں علامہ محترم نے ہنسی کے مضامین بھی لکھے تو وہ جادو کیا کہ تمام ہندوستان میں ان کا ڈنکا بج گیا۔ نانی عشو اور دوسرے ایسے ہی ظرافت آمیز مگر نتیجہ خیز افسانے غیر معمولی مقبولیت حاصل کرچکے ہیں اب انہیں کتابی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔ عرب ورگلشن۔ رفاعی۔ سجدہ ندامت پڑھ کر ایک موقعہ پر آپ کی آنکھوں سے آنسو نکلنے لگیں گے تو دوسرے موقعہ پر ہنسی ضبط نہ ہوسکے گی ڈیڑھ سال میں چار مرتبہ چھپ چکی ہے قیمت صرف ۱۰/

جوہرِ عصمت

۱۴ سبق آموز افسانے (۱) مظلوم بیوی کا پاک جذبہ۔ عرفان ایک شریف و معزز خاندان کا شخص بری صحبتوں کی وجہ سے لاکھ کا گھر خاک کرکے جیل خانہ پہنچنے والا ہوتا ہے کہ مظلوم بیوی کی کوششوں سے اس طرح رہائی حاصل کرتا ہے کہ پڑھنے والے دنگ رہجاتے ہیں (۲) بھنور کی دلہن۔ بلوچی قوم کے مرد و عورت کے بلند کیریکٹر، ازدواج ثانی پر نہایت موثر بحث۔ محبت کا جواب اور انتقام بے انتہا دلاویز افسانہ (۳) اگلی نعمتیں ہزاروں برس پہلے کے تمدن کا ایک دلچسپ مرقع۔ شجاعت جان نثاری، وفاداری اور سچی محبت کے حیرت انگیز مناظر (۴) فسانہ تنویر۔ ملکہ تنویر کی درد و غم بھری کہانی (۵) بیگناہ کا قتل۔ محبت کی چوکھٹ پر کسان لڑکی کی قربانی (۶) بھاوج کا کینہ۔ دولت و عصمت کا مقابلہ (۷) مامون کا دربار اور ایک سچی عورت (۸) عدل جہانگیری۔ شہنشاہ جہانگیر کا انصاف (۹) بلبل کی شہادت (۱۰) ملکہ شہرزاد۔ شہزادی کی عصمت کی کسوٹی پر (۱۱) برقع کی مستحق خدا کی لاٹھی بے آواز ہے (۱۲) غلط فہمی (۱۳) خاتمہ بالخیر قیمت

شہیدِ مغرب

طرابلس اور مراکش میں مسلمان اور عیسائیوں کے مقابلے۔ اسلام اور نصرانیت کے معرکے مسلمان عورتوں کی ناموس اسلام پر قربانیاں مسلمانوں کی ترقی کا راز اور تنزل کے اسباب۔ شدھی اور تبلیغ کا اثر۔ دس دردانگیز افسانے یہ ہیں:

دو آسمانی مسافر	شہید مغرب	شہید طرابلس	طرابلس سے صدا
عرب سیدانی	سیاہ داغ	افراط و تفریط	صدائے دلگداز
	کلوننتیاں	سیمہ [illegible]	

اگر آپ کو سیاست سے شوق ہے تو شہید مغرب دیکھیے۔ اگر جوش ایمان آپ کے دل میں ہے اور اسلامی خون رگوں میں دوڑ رہا ہے تو شہید مغرب کا مطالعہ کیجیے۔ کنواری لڑکیاں نہ منگائیں قیمت ایک روپیہ

رودادِ قفس

حضرت علامہ محترم کی دردناک اور دردانگیز نظموں کا مجموعہ۔ مظلوم سینہ روضۂ اقدس اسلم کا خط شوہر کے نام۔ ماں کا پیام سرخاب کا دم واپسیں۔ التجا بیٹوں کی فریاد۔ بچپن کی یاد، عید کا کرتہ۔ سہیلی کا خط وغیرہ وغیرہ نظمیں ہیں جنکا ہر شعر کلیجہ کے پار ہوتا ہے۔ یہ معمولی نظمیں نہیں ہیں بلکہ وعظ عورتوں کے جگر خراش نالے ہیں مسلمان لیڈروں کے عبرت انگیز معاشرتی ہیں علامہ محترم کو جذبات نگاری میں جو کمال حاصل ہے وہ ان نظموں میں نمایاں ہیں یہی وہ نظمیں ہیں جنہیں پڑھ کر دل [illegible]

محصول ڈاک بذمہ خریدار — **مینجر رسالہ عصمت دہلی** — محصول ڈاک بذمہ خریدار

THE ISMAT, DELHI. Vol. XLV No. 7 January 193

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رسالہ عصمت دہلی

جلد ۴۶ | بابت ماہ جنوری ۱۹۳۱ء | نمبر ۱

۱۳ تصویریں

فہرست مضامین

چندہ سالانہ پیشگی مع محصول ڈاک وغیرہ

قسم خاص جو آرٹ کاغذ پر چھپتا ہے یعنی جس کا غذ پر تصاویر چھپتی ہیں - دس روپے ملکر روساء سے پچیس روپے - والیان ریاست سے سو روپے - فی پرچہ ایک روپیہ

قسم اول (جو سبز چکنے کاغذ پر چھپتا ہے) پانچ روپے - فی پرچہ آٹھ آنے -

قسم دوم (جس کے مضامین تصاویر ٹائیٹل وغیرہ کا کاغذ معمولی ہلکا ہوتا ہے) ساڑھے تین روپے فی پرچہ چھ آنہ

ان قواعد کی پابندی کیجئے

...ہ آپ کی اور ہماری سہولت ہو اور آپ کو کبھی ہم سے شکایت کا موقع نہ ملے
عصمت ہمیشہ نہایت پابندی وقت سے ۳۰ تاریخ کو شائع ہو کر تیسری
...تھی تاریخ تک ہندوستان کی تمام خریدار بہنوں کو پہنچ جاتا ہے۔
...شاعت میں خدا کے فضل سے کبھی دیر نہیں ہوتی لیکن اگر ڈاک خانہ کی
...لطی سے وقت پر پرچہ نہ ملے تو ۵ تاریخ کے بعد مگر ۱۵ تاریخ تک کارڈ لکھ کر
...نمبر خریداری کے حوالہ سے دوبارہ پرچہ منگالیں اس کے بعد قیمتاً ملے گا۔
(۲) اگر ایک مقام سے دوسرے مقام پر تبادلہ ہو جائے تو خریداری نمبر
کے حوالہ سے فوراً دفتر کو تبدیلی پتہ کی اطلاع دیدیجائے۔ کئی کئی ماہ بعد پتہ
بدلوانا دفتر کو نقصان پہنچاتا ہے۔ کیونکہ صحیح پتہ نہ ہونے کی وجہ سے
پرچے تلف ہو جاتا ہے اور خریدار بہن کو شکایت رہتی ہے کہ دفتر سے نہیں
بھیجا گیا۔ حالانکہ تمام خریداروں کو ۳۰ تاریخ کو رسالہ بھیجا جاتا ہے۔
(۳) ہمیں جب خط لکھیں خریداری نمبر ضرور لکھدیں ورنہ تعمیل میں کئی
دن لگ جائیں گے۔ اگر آپ کو خریداری نمبر یاد نہ رہا ہو یا آپ نے نوٹ نہ کیا
ہو تو جوابی پوسٹ کارڈ بھیجکر دفتر سے معلوم کر لیجئے کیونکہ بغیر خریداری نمبر
لکھے آپ کے خط کی تعمیل فوراً نہ ہو سکے گی۔
(۴) جواب طلب امور کے لئے جوابی پوسٹ کارڈ یا ایک آنہ کا ٹکٹ بھیجئے۔
(۵) منی آرڈر کی کوپن پر خریداری نمبر اور پتہ بھی درج فرمائیے۔
(۶) اختتام سال کی اطلاع ایک ماہ پہلے دیدیجاتی ہے۔ اگر کسی بہن کو
آئندہ خریدار رہنا نہیں ہے تو دفتر کو مطلع کر دیں اور اگر بدستور پرچہ جاری
رکھنا ہے تو منی آرڈر کے ذریعہ آئندہ سال کا چندہ بھیجیں جو بیبیاں اس کا
کچھ جواب نہیں دیتیں انہیں وی پی بھیجا جاتا ہے۔ وی پی کی واپسی عصمت
کو سخت نقصان پہنچاتا ہے۔ اگر کوئی بات دریافت طلب ہو تو بھی وی
پی ضرور وصول کر لینا چاہئے۔
(۷) عصمت کا سالانہ چندہ پیشگی مع محصول ڈاک وغیرہ پانچ روپے ہے
لیکن جو متمول ہمدرد بیبیاں عصمت کی مالی مدد کرتی ہیں ان کے لئے
قسم خاص آرٹ کاغذ پر چھاپا جاتا ہے جسکا عام چندہ ۸ روپے ہے کم استطاعت
بیبیوں کے لئے قسم دوم معمولی ہلکے کاغذ پر چھاپا جاتا ہے اس کا چندہ
سالانہ صرف ساڑھے تین روپے۔ ممالک غیر سے سالانہ چندہ قسم اول ۱۰ شلنگ
قسم دوم ۶ شلنگ ہے۔

منیجر

عصمت کی لاج

جن معزز خواتین اور حضرات نے گذشتہ دو ماہ میں اپنے
پرچے کو خریدار دئے ان کے نام دلی شکریہ کے ساتھ درج
ذیل کئے جاتے ہیں

سعیدہ خاتون صاحبہ امرتسر — ۳ خریدار
محترمہ مس بیگم جان صاحبہ موہان — ۲ خریدار
سردار محمدی بیگم صاحبہ آف لونسی کلایہ — ۲ خریدار
اہلیہ سید اسحق حسین صاحب کھیری — ۲ خریدار
مسز شہاب الدین صاحب آئی سی ایس سلیم — ۲ خریدار
محترمہ اختر بنت محمد احمد صاحب ڈپٹی پوسٹ ماسٹر حیدرآباد — ۲ خریدار
رضیہ سلطانہ صاحبہ تھانہ بمبئی — ۲ خریدار
مسز سید اوصاف علی صاحب گیا — ۲ خریدار

جنہوں نے صرف ایک ایک خریدار بنا[یا]

تعداد ۵۰

مسز شیخ رحمت اللہ خانصاحب رئیس لاہور محبوب بیگم صاحبہ خریدار
محمد عبدالسلام خانصاحب عالم پور دکن۔ ص خ۔ مسز احمد خان بنارس
بیگم سید حشمت علی خانصاحب سیتاپور۔ عبداللہ خانصاحب تحصیلدار
کالاباغ۔ اسداللہ صاحب بیدر دکن۔ ا۔ ب بنت خان عطا
جیلانی خاں صاحب مرحوم دہوگڑی۔ قاری رشید الدین احمد صاحب
ایم اے باندہ۔ بنت شمس الدین صاحب مرزاپور۔ بنت خان
بہادر میر سجاد حسین صاحب بجنور۔ اہلیہ خواجہ محمد ابراہیم صاحب گیا
بیگم محمد اسحق صاحب ڈپٹی کلکٹر سکھر۔ شاہجہاں بیگم صاحبہ سیونی۔
مس خان بہادر نبی بخش محمد حسین صاحب علیگڈھ۔ بلقیس بیگم
صاحبہ کاشانۂ الفت دکن۔ مہر النساء صاحبہ ہمشیرہ غلام دستگیر صاحب
کڈپہ۔ مسز ملک محمد اکرم صاحب آف شمس آباد۔ مسٹر علی احمد دہلی۔ سید
جلیل بن سید جلیل الحی صاحب بھوپال۔ محترمہ آمنہ تسنیم صاحبہ بنت غلام

سنہ ۱۹۳۰ء کی رخصت

کل کشور خیال میں آیا مجھے نظر
بوڑھا سا ایک شخص نہایت نحیف و زار

تھے بال سب سفید کمر تھی جھکی ہوئی
ہاتوں میں اک جریب عبا ساری تار تار

چہرے پہ جھرّیاں سی مگر پھر بھی دلفریب
شان ایسی جسپہ دبدبۂ قیصری نثار

بل ابروؤں پہ غصہ وغم سے پڑے ہوئے
ہر طرز سے عیاں کہ ہے محزون و دل فگار

آنکھوں میں اشک لب پہ فغاں دل میں اضطراب
افسردگی کی ساری علامات آشکار

رکھتا کہیں تھا پڑتا تھا جاکر کہیں قدم
تھا ایسا بدحواس و پریشان و بے قرار

سمجھا میں اس کو دیکھ کے ہے یہ کوئی حکیم
یا ہے یہ بے وطن کوئی معزول تاجدار

بڑھ کر ادب سے میں نے کیا پھر اسے سلام
تھا دل میں خوف ہو نہ کہیں اسکو ناگوار

پوچھا یہ پھر کہ " اسم گرامی جناب کا؟
کیوں اختیار کی ہے وطن سے رہِ فرار؟"

اک آہ سرد کھینچ کے بولا وہ مرد پیر
سن تیس ۳۰ ہوں جو دہر میں کل تک تھا باوقار

پہونچا ہے اختتام پہ فرماندہی کا دور
یہ شرم ہے کہ کچھ نہ کیا میں نے زینہار

پہونچا نہ میری ذات سے انساں کو کوئی فیض
اصلاح ایک بھی تو نہ آئی بروئے کار

قوموں میں اب بھی ہیں وہی جھگڑے وہی فساد
اب بھی زمیں ہے خون سے انسان کے لالہ زار

پیاسا لہو کا بھائی کے ہے بھائی آج بھی
مزدور و مایہ دار کی ہے جنگ برقرار

ہے آج بھی زمانے میں "طاقت" کا نام "حق"
کمزور آج بھی ہے جہاں میں ذلیل وخوار

"انساں" ہے اب بھی دہر میں انسان کا غلام
ہے زیردست اب بھی زبردست کا شکار

ہے برہمن کو شودر سے اب تک وہی عناد
گوروں کی اب بھی کالوں سے نفرت ہی برقرار

عنقا ہے اب بھی حق وصداقت جہان میں
باطل کا اب بھی دہر میں قائم ہے اعتبار

القصہ! دور کر نہ سکا میں خرابیاں
ناکام و نامراد چلا ہوں بحال زار

تاریخ احترام سے لے گی نہ میرا نام
چھوڑی ہی کب ہے میں نے کوئی ایسی یادگار

لو! سامنے سے اب وہ سن اکتیس ۳۱ آگیا
یہ کہتے کہتے سال گذشتہ چلا گیا

سعید احمد

چند باتیں

خدا کا نام لیکر اس پرچہ سے عصمت سنہ ۱۹۳۱ء میں قدم رکھتا ہے۔ سنہ ۱۹۳۰ء بھلا برا جیسا تھا گذر گیا۔ اب سنہ ۱۹۳۱ء کا دور دورہ ہے خدا اسلامی دنیا اور خواتین عالم پر اپنا فضل و کرم کرے اور عصمت اور عصمتی بہنوں کے لئے انکے عزیزوں کی سلامتی میں یہ نیا سال مبارک و مسعود ثابت ہو۔

اخبارات و رسائل نئے سال کا پہلا پرچہ عام طور پر شاندار نکالتے اور اپنے ناظرین سے شروع سال میں بہت کچھ وعدے کرتے ہیں عصمت وعدوں کا قائل نہیں جو کچھ ممکن ہوتا ہے ہر ماہ پیش کرتا رہتا ہے۔ سنہ ۱۹۳۱ء میں بھی جو کچھ امکان میں ہوگا پیش کرنے سے دریغ نہ کریگا۔ سنہ ۱۹۲۹ء سنہ ۱۹۲۸ء سے بہتر رہا اور سنہ ۱۹۳۰ء سنہ ۱۹۲۹ء سے۔ کیا تعجب ہے کہ جن جن بہنوں نے اب تک اپنے پرچہ کی اشاعت بڑھانے میں حصہ نہیں لیا۔ وہ سنہ ۱۹۳۱ء میں توجہ فرمائیں۔ اور سنہ ۱۹۳۱ء سنہ ۱۹۳۰ء سے بڑھ جائے۔ جنوری سنہ ۱۹۳۰ء کے پرچہ میں اسی صفحوں کے مضامین تھے جنوری سنہ ۱۹۳۱ء میں ۸۸ صفحوں کے ہیں کئی مضامین باریک لکھوائے گئے ہیں۔ گویا ۱۰۰ صفحوں سے زیادہ کے مضامین دے جا رہے ہیں۔ اس سے زیادہ حوصلہ اور ایثار موجودہ اشاعت میں ممکن نہیں۔ ہاں ترقی اشاعت کے ساتھ ساتھ پرچہ میں نئی نئی دلچسپیاں پیدا ہوتی جائیں گی۔

اس پرچہ کے صفحے بڑھا کر "دوربین" ایک اور مستقل عنوان قائم کیا جاتا ہے اور اس کے تحت میں ہر ماہ خواتین کے مطلب کی ملکی اور غیر ملکی ضروری خبریں درج ہوتی رہیں گی۔ امید ہے کہ تمام بہنیں اس مستقل عنوان کو پسند کرینگی۔

سالگرہ نمبر ۱۹۳۱ء میں جیسا کہ دسمبر سنہ ۱۹۳۰ء کے پرچہ میں اعلان ہو چکا ہے صرف وہی مضامین شائع ہو سکیں گے جو ۲۸ فروری تک دفتر میں موصول ہو جائیں گے۔ سنہ ۱۹۲۹ء کے اور اس سے پہلے کے سالگرہ نمبروں میں کئی اچھے اچھے مضامین صرف اس وجہ سے درج نہ ہو سکے کہ تاریخ مقررہ کے بعد ہمیں ملے اسلئے عصمت کی مخصوص نامہ نگار بہنوں کے علاوہ اور جو جو خواتین سالگرہ نمبر کیلئے مضامین و تصاویر بھیجنے چاہیں یاد کر کے ۲۸ فروری سے پہلے روانہ فرمائیں۔ اس سال بھی سالگرہ نمبر میں عصمتی بہنوں کے بچوں کی تصاویر شائع کیجائیں گی۔

ماہ گذشتہ یہ اعلان ہو جانے کے باوجود کہ نومبر کا پرچہ ختم ہو چکا کئی بہنوں نے دوبارہ طلب فرمایا ہے۔ افسوس ہے کہ اب نومبر کا پرچہ کسی قیمت پر فراہم نہیں ہو سکتا۔ جن بہنوں کو پرچہ وقت مقررہ پر نہ ملے۔ وہ اسی ماہ کی پندرہ تاریخ تک خریداری نمبر کے حوالہ سے دوبارہ طلب فرمالیں۔ ورنہ بعد میں ممکن ہے کہ ختم ہو جائے۔ اور نومبر کے پرچہ کی طرح ہم نہ بھیج سکیں

اڈیٹر

عصمت سنہ ۱۹۳۰ء میں

عصمت کے وجود سے سنہ ۱۹۳۰ء میں ہندوستانی خواتین کو کیا فائدہ پہنچا۔ اور جو توقعات عصمت سے قائم کی گئی ہیں سنہ ۱۹۳۰ء میں وہ کہاں تک پوری ہوئیں اس کا بہتر جواب عصمتی بہنیں ہی دے سکتی ہیں۔ مگر مناسب ہوگا کہ ہم بھی سنہ ۱۹۳۰ء کی کارگزاری پر نظر ڈالکر دیکھیں کہ ہمارے ذمہ جو فرائض عائد ہوتے ہیں وہ کس حد تک پورے ہوئے۔

عصمت کی زندگی کا جہاں یہ مقصد ہے کہ ہندوستانی خواتین کو امور خانہ داری کی ذمہ داریوں سے باخبر کرے اور ایک اچھی بیٹی ایک اچھی بیوی ایک اچھی ماں اور ایک اچھی عورت کی حیثیت سے اپنے فرائض خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دینے کے طریقے بتائے وہاں عورت کے جائز حقوق پر مردوں کو متوجہ کرنا بھی ہمیشہ سے عصمت کی نمایاں خصوصیت رہی ہے۔ چنانچہ سنہ ۱۹۳۰ء کے پرچوں کو سامنے رکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ عصمت اس فرض کی ادائگی میں کسی مخالفت کی ذرہ برابر پرواہ کئے بغیر سینہ سپر رہا۔ اور خلع، وراثت، بچپن کی شادی وغیرہ پر نہایت معقول بحثیں ملک کے سنجیدہ طبقہ کے سامنے پیش کیں جو عصمتی حلقہ میں نہایت پسندیدگی اور دلچسپی کی نظر سے دیکھی گئیں۔

ہمیں مسرت ہے کہ اس سال بھی عصمت کے معاشرتی اور تمدنی مضامین کا معیار بلند رہا اور جہاں ساس بہو کے تعلقات شادی بیاہ کی رسمیں، شادی کی غرض، پردہ، تعلیم نسواں جیسے پرانے عنوانات پر نئے خیالات دلچسپ پیرایہ میں شائع کئے وہاں پامال مضامین سے پاک رہا۔ خانہ داری کے مضامین میں بچوں کی تربیت اور پرورش پر خصوصیت کے ساتھ اس سال بعض مضامین قابل قدر شائع ہوئے۔ دستکاری کے مضامین بہت کافی شائع ہوئے لیکن غیر مفید مضامین کی اشاعت کی پوری احتیاط کی گئی۔ صنعت وحرفت پر ان مضامین میں اس بات کا خیال رکھا گیا کہ حقیقتاً کارآمد ہوں مشرق اور مغرب کی خواتین کیا کیا کام کر رہی ہیں۔ یا شریف پردہ نشین خواتین کیا کیا کام کر سکتی ہیں۔ اس موضوع پر اس سال جو مضامین شائع ہوئے ہیں انہیں حلقۂ عصمت میں خوب مقبولیت ہوئی۔ اور ہمارے پاس انکی تعریف میں کتنے ہی خطوط آئے۔

تندرستی وصحت کے متعلق قریب قریب ہر پرچہ میں کم سے کم ایک کارآمد مضمون شائع کیا گیا۔ ان میں ترجمے بھی تھے۔ اور طبعزاد مضامین بھی اور ذاتی تجربے بھی۔ بعض عنوانات پر گو گذشتہ سالوں بھی مضامین شائع ہو چکے ہیں مگر سنہ ۱۹۳۰ء کے مضامین کو طرز بیان کے لحاظ سے دلنشین کہا جا سکتا ہے بعض مضامین اپنے موضوع کے اعتبار سے بالکل نئے شائع ہوئے۔ عہد گزشتہ کی خواتین کے حالات وہی شائع کرنے کی کوشش کی گئی جو پہلے شائع نہ ہوئے تھے۔ اور جو خواتین کے لئے سبق آموز کہے جا سکتے ہیں۔ تاریخ وسیرت

میں اس سال مغلیہ تاریخ کے اچھوتے اوراق کا بے نظیر باتصویر مضمون شائع ہوا ہے جس پر عصمت جس قدر فخر کرے کم ہے۔ سیر و سیاحت کے مضامین بھی کافی شائع ہوئے اور اپنی اپنی جگہ سب دلچسپ ہیں البتہ ان میں یہ کمی رہ گئی کہ تصاویر ان کے ساتھ شائع نہ ہو سکیں۔ اخلاقی اور تعلیمی مضامین قابل بیان ہیں مختصر ادبی اور تنقیدی مضامین سال گذشتہ سے زیادہ بھی شائع ہوئے اور اچھے بھی اور تفریحی یعنی سنجیدہ ظرافت کے مضامین کے اعتبار سے تو سنہ ۳۰ء نہایت کامیاب رہا۔ البتہ مذہبی مضامین گو اپنی اپنی جگہ سب اچھے ہیں۔ تاہم شمار میں اتنے نہیں جتنے ہونے چاہیئے تھے۔

افسانے شاید اس کثرت سے پہلے کبھی ہمیں موصول نہیں ہوئے جتنے اس سال۔ لیکن ہم نے عصمت کے افسانوں کی خصوصیت کو ملحوظ رکھ کر صرف وہی نتیجہ خیز اور سبق آموز افسانے شائع کئے جو پڑھی لکھی بیگمات شروع کر کے دلچسپی کے ساتھ ختم کر سکتی ہیں اور کسی نہ کسی لحاظ سے جنہیں خواتین ہند کے لئے مفید کہا جا سکتا ہے۔ یہی اصول نظموں کے انتخاب میں بھی رہا۔ اور گو سال گذشتہ کی نسبت شمار میں زیادہ نہ ہوں مگر اس سال کی بیشتر و اکثر نظمیں پیچیدگی۔ رنگینی لفاظی کے عیب سے پاک۔ کسی نہ کسی پہلو سے خواتین کے لئے مفید ہیں۔

ہمارے لئے یہ بھی کچھ کم باعث مسرت نہیں کہ اس سال بھی عصمت میں بعض ایسے ایسے قیمتی مضامین شائع ہوئے جن سے خواتین کی معلومات میں نہایت اچھا اضافہ ہوا۔ جیسے مریخ میں آبادی۔ یورپ میں دین۔ جرمنی ڈاکٹر کا تجربہ فن پرواز۔ جن پیکر انسانی میں وغیرہ وغیرہ۔

غرض مضامین کے لحاظ سے ہم مسرت کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ سنہ ۳۰ء بھی عصمت کا کامیاب سال ہے اور اس کامیابی کا سہرا عصمت کے ان مخصوص نگاروں کے سر ہے جن کے قلب کو خدا نے ہندوستانی خواتین کی بہتری اور ترقی کے درد کی بیش بہا دولت سے مالامال کیا ہے۔ خدا کا ہزار ہزار شکر و احسان ہے کہ اس سال بھی حضرت علامہ راشد الخیری قبلہ کے گراں بہا افسانے اور مضامین قریب ہر پرچہ میں شائع ہوئے عصمت کو ہندوستان بھر کے تمام رسائل میں یہ ایسا امتیاز حاصل ہے کہ ہم اس پر جس قدر بھی فخر کریں بجا ہے عصمت کی قدیمی قلمی معاونین میں محترمات و۔ ا۔ صاحبہ۔ صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ۔ زہرہ بیگم صاحبہ فیضی۔ بلقیس جمال صاحبہ۔ مہر النساء صاحبہ۔ فاطمہ ستار خیری صاحبہ۔ رابعہ پنہاں صاحبہ۔ فاطمہ بیگم صاحبہ بنگلوری۔ سردار محمدی بیگم صاحبہ۔ فاطمہ بیگم صاحبہ منشی فاضل نے خانہ داری کی سینکڑوں ذمہ داریوں کے باوجود مثل سابقہ سنہ ۳۰ء میں بھی تمام سال عصمت کو یاد رکھا اور اپنے اپنے گراں قدر مضامین سے عصمت کی دلچسپی بڑھانے میں نمایاں حصہ لیا یہ معزز خواتین بزم عصمت کی رونق ہیں اور ہزاروں عصمتی بہنیں ان کی ممنون ہیں کہ اپنے اپنے پاکیزہ قابل قدر خیالات سے مستفید فرمایا۔ ہمیں بڑی مسرت ہوتی اگر ان خواتین کی فہرست میں محترمات مسز یوسف الزماں خورشید آرا بیگم۔ ظفر جہاں بیگم اور لطیف بیگم صاحبہ کے نام بھی ہوتے ان بیبیوں کے اس سال مضامین ضرور چھپے مگر بہت کم۔ حالانکہ گذشتہ چار سال میں ان کے افسانوں۔ نظموں اور معاشرتی تمدنی اور صنعت و حرفت کے مضامین کو حلقہ عصمت میں خاص مقبولیت حاصل ہوئی ہے

ہمیں یہ دیکھ کر بھی افسوس ہوتا ہے کہ ۱۹۳۰ء میں عصمت کی
کئی قابل مضمون نگار خواتین بالکل خاموش رہیں۔ جیسے
محترمات کنیز محمد بیگم منشی فاضل۔ نذر سجاد حیدر صاحبہ۔ مسز غلام
رسول صاحبہ۔ حامدہ بیگم صاحبہ خیری۔ نواب قمر جہاں بیگم صاحبہ۔
عظمت النساء صاحبہ اور انیس فاطمہ صاحبہ۔ ان معزز بیگمات کو
عصمت سے سچی محبت ہے۔ اسلئے انکی خاموشی تعجب انگیز ہے۔
اور عصمت مخلصانہ شکایت کرنیکا حق رکھتا ہے۔ ہمیں بڑی مسرت
ہوگی اگر ۱۹۳۰ء کی یہ محترم خواتین ۱۹۳۱ء میں تلافی کردینگی

۱۹۳۰ میں جہاں بلقیس صمد بیگم صاحبہ اور الیس کے صغرا
سبزواری صاحبہ جیسی قدیمی لکھنے والی بیبیوں کے مضامین شائع
ہوئے وہاں نئی نئی لکھنے والی خواتین کی تعداد میں بھی معقول
اضافہ ہوا۔ محترمات شہربانو۔ عطیہ نصرت خانم۔ بنت بلدیو پرشاد
اقبال جہاں شرافت بیگم اور گ۔ ن کی تحریروں سے ہونہاری
ٹپک رہی ہے اور اگر برابر لکھتی رہیں تو یہ بہنیں آئندہ چلکر
بہت ناموری حاصل کریں گی۔ محترمہ نوشابہ خاتون قریشی
بی اے کی نظمیں اور محترمہ مس حجاب اسمٰعیل کے چھوٹے چھوٹے
دلاویز خیالی مضامین اپنے اپنے رنگ میں بے انتہا قابل
تعریف ہوتے ہیں ہمیں امید ہے کہ ۱۹۳۱ء میں ان خواتین
کے مضامین تعداد میں بھی زیادہ شائع ہوں گے۔

عصمت کے مخصوص مضمون نگار مردوں میں مولوی
محمد ظفر صاحب کے دونوں مستقل مضامین سیر بین اور
خانہ داری قریب قریب ہر پرچہ میں شائع ہو کر مقبول ہوئے
پروفیسر ستار خیری کا ہم کس طرح شکریہ ادا کریں کہ سات سمندر
پار سے مفید معلومات سے پُر ایسے ایسے قابل قدر مضامین
اس سال بھی بھیجے جن کی دھوم مچ گئی۔ حضرت عزیز لکھنوی
اور ڈاکٹر سعید احمد صاحب بریلوی کی موثر اور دلاویز نظمیں اور
اور مسٹر عبدالحی عباسی اور مولوی عبدالرحمن علوی کے دلچسپ مضامین
اس سال بھی کافی شائع ہوئے اور عصمتی بہنوں نے وقعت کی نظر سے
دیکھے۔

عصمت نے ۱۹۳۰ء میں جہاں کافی تعداد میں نئی نئی ہونہار
لکھنے والی خواتین پیدا کیں وہاں مضمون نگار مردوں میں دو
حضرات کا ایسا اضافہ ہوا ہے کہ یہاں ذکر کرنا ضروری ہے۔
ڈاکٹر نصیر الدین احمد میڈیکل افسر ای ای آر۔ اور مولوی نصیر الدین
ہاشمی۔ ڈاکٹر صاحب کا پہلا ہی مضمون بے انتہا مقبول ہوا
اور حقیقت یہ ہے کہ نہایت محنت اور قابلیت سے لکھا ہوا ہے
حکومت ہند جسکا سلسلہ دسمبر کے پرچہ سے شروع ہوا ہے عصمتی
بہنوں کے لئے نئی لیکن ایک ضروری چیز ہے عصمتی بہنوں کو یہ معلوم
ہو کر خوشی ہوگی کہ ڈاکٹر صاحب عصمت کی قلمی اعانت کا مستقل وعدہ
کر چکے ہیں اور انکے لئے کئی بے انتہا اہم اور ضروری موضوعات پر نہایت
قیمتی مضامین لکھ رہے ہیں مولوی نصیر الدین صاحب نے سیاحت
یورپ کے جو جو حالات عصمتی بہنوں کے سامنے پیش کئے ان سے معلومات
میں نہایت دلچسپ اضافہ ہوتا ہے ہمیں امید ہے کہ یہ دونوں حضرات
ہمیشہ عصمت کی ایسی ہی قیمتی قلمی اعانت فرماتے رہیں گے۔

عصمت ابتدا ہی زمانہ سے باتصویر رسالہ ہے پہلے زیادہ تر
مشہور مشہور مقامات اور دلکش مناظر کی تصاویر شائع ہوتی تھیں
کبھی نامور خواتین یا خانہ داری کے متعلق تصاویر بھی چھپتی تھیں۔
میرے زمانہ ادارت کے شروع میں ہر ماہ ایک تصویر دی گئی جو افسانوں
کے متعلق ہوتی تھیں یا جس میں کسی خاص انسانی کیفیت کا اظہار

کیا جاتا تھا یعنی صرف ایک تصویر پر ہر ماہ کافی لاگت آجاتی تھی کیونکہ نہ صرف بلاک ہی خود تیار کرانا پڑتا تھا بلکہ تصویر بھی مخصوص طور پر عصمت کے لئے بنوانی پڑتی تھی ہم چاہتے تھے کہ عصمت کی یہ خصوصیت ہمیشہ قائم رہے لیکن بہنوں کا تقاضا تھا کہ تصاویر دوسرے پرچوں کی طرح شمار میں زیادہ ہوں۔ ہم دوسرے پرچوں کی شائع شدہ تصاویر عصمت میں چھاپنا پسند نہ کرتے تھے لیکن بہنوں کے اصرار پر ہمیں یہ اصول چھوڑنا پڑا اور دوسرے اخبارات بالخصوص اخبار ریاست سے کئی کئی تصاویر ہر ماہ شائع کرنیکا انتظام کیا۔ بہنوں کا مشورہ صحیح ثابت ہوا اور پرچہ کی اشاعت نے غیر معمولی ترقی کی اسوقت یعنی ۳۰ء سے زیادہ تر ایسی تصاویر ہی شائع ہو رہی ہیں۔ لیکن ہر تصویر کے انتخاب میں ہمیشہ اس بات کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے کہ شریف تعلیم یافتہ ہندوستانی خواتین کے مذاق کی ہو۔ اسلئے کہ عصمت اخبار نہیں سوشل رسالہ ہے ملکی اور غیر ملکی خبروں کی جو کمی ہے ان تصاویر سے بڑی حد تک پوری کی گئی۔ ساتھ ہی ان کے ہر سال کی طرح ۳۰ء میں بھی کثیر روپے کے صرف سے کئی تصویریں اور بہت سے بلاک مخصوص طور پر عصمت کیلئے بنوائے گئے اور بیرون ہند سے بھی انتظام کیا گیا۔ مسٹر فیضی رحمین مسٹر سمیع منشی اسمٰعیل جیسے مصوروں کے کام کے بہترین نمونے شائع کرنے کے علاوہ جرمنی کی پیشہ ور عورتیں ہوائی جہاز، مغلیہ خاندان شاہی کے متعلق وہ فوٹو جو رنگون میں کھینچے گئے عام طور پر قدر و وقعت کی نظر سے دیکھے گئے تصاویر کے سلسلہ میں یہ کہنا بھی بیجا نہ ہوگا کہ کم و بیش دو سو تصاویر اس سال چھپیں اور اتنی تصاویر شاید ہندوستان کے کسی زنانہ پرچہ میں کسی ایک سال میں شائع نہیں ہوئیں۔

۳۰ء کی دونوں جلدیں ملا کر صرف مضامین کے نو سو ساٹھ ۹۶۰ صفحے دئے گئے ہیں اور چونکہ ہر پرچہ میں کئی کئی مضامین باریک لکھوائے گئے۔ اسلئے قریبًا گیارہ ۱۱۰۰ سو صفحوں کے مضامین ۳۰ء میں شائع ہوئے اور ہم سمجھتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ اتنی ہی عصمت سے توقع ہو سکتی تھی۔

اصلی چیز تو عصمت کی معنوی خوبیاں ہیں لیکن حسن ظاہری میں بھی عصمت کسی پرچہ سے پیچھے نہیں رہا۔ عصمت کے ٹائیٹل کی خوبصورتی میں جو ابتدائی زمانہ سے مشہور ہے نئے ڈیزائن نے چار چاند لگا دئے ہیں۔ کاغذ جو بہتر سے بہتر میسر آسکتا ہے استعمال کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح چھپائی لکھائی بھی پسندیدہ ہے ۳۰ء میں بھی عصمت کا ہر پرچہ نہایت پابندی وقت سے شائع ہوا اور کسی ماہ کے پرچہ میں ایک دن کی بھی تاخیر اشاعت نہیں ہوئی۔ عصمتی بہنوں کی توجہ سے گو خاطر خواہ نہیں لیکن کچھ نہ کچھ اشاعت میں بھی ترقی ہوئی۔ اور گو عصمت کی اشاعت اسوقت ہندوستان بھر کے تمام زنانہ پرچوں میں سب سے زیادہ ہے لیکن روپیہ اسقدر صرف ہو رہا ہے کہ جلد سے جلد پوری پانچہزار اشاعت ہو جانیکی اشد ضرورت ہے اور ہمیں امید ہے کہ وہ دن بھی دور نہیں کہ عصمتی بہنیں اپنے رسالہ کے پانچہزار خریدار کر دینگی۔

المختصر ۳۰ء بحیثیت مجموعی عصمت کا نہایت کامیاب سال رہا اور یہ محض خدا کا فضل و کرم اور عصمتی بہنوں کی توجہ اور عنایت ہے۔ ورنہ ہماری قابلیت، ہمارا اثر۔ ہمارا سرمایہ جو کچھ ہے بس ہم ہی جانتے ہیں۔

۳۱ء کا عصمت ہماری انتہائی کوشش ہو گی کہ ۱۹۳۰ء سے بہتر ہو۔ خدا ہمارے ارادوں میں کامیابی عطا فرمائے۔ آمین

رازق الخیری

غدر کی ماری شہزادیاں

بیسلہ میں میلہ

ازمصور غم حضرت علامہ راشد الخیری قبلہ
(سلسلہ کے لیے نومبر کا رسالہ دیکھیے)

دوپہر تک تو ہم راستہ پر چلے۔ بیمار کی وجہ سے آگے نہ چلا گیا۔ باری باری کرکے تھوڑی تھوڑی دور سب لیجا رہے تھے۔ دھوپ تیز ہوگئی تو ہمارے تھکنے سے پہلے ہی بیمار کی حالت ردی ہوگئی۔ آنکھیں بند ہوگئیں اور سانس نام کو رہ گیا۔ خالہ کبرای نے دیکھ کر کہا "ارے خدا کے لئے ٹھیرو ذرا ننھے دولہا کو تو دیکھو کیا ہو رہا ہے" میں آگے تھی ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے کلیجہ میں گھونسا مارا۔ جان نکل گئی۔ ٹھٹکی تو کیا دیکھتی ہوں کہ منکا تک ڈھل گیا ہے۔ کیکر کے کمبخت درخت کے نیچے جہاں کانٹے ہی کانٹے پڑے تھے ٹھیرے۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے زمین صاف کی انکو لٹایا۔ دوپٹوں سے پنکھے جھلے تو خالہ نے کہا کہ پھیپڑیاں بندھی ہوئی ہیں۔ دو گھونٹ پانی کے ہوں تو حلق تر ہوجائے۔ شاید آنکھ کھولیں۔ مگر وہاں پانی کہاں۔ میں تو خدا کی قدرت کی اس دن ایسی قائل ہوئی کہ عمر بھر یاد رکھوں گی۔ رو رو کر چاروں طرف دیکھ رہی تھی کہ سامنے سے دو گورے کندھوں پر بندوق رکھے آتے دکھائی دیئے ہم سب کی روح فنا ہوگئی۔ ان میں سے ایک آگے بڑھا۔ ہم نے آنکھیں بند کرلیں۔ اور کلمہ درود پڑھنے لگے کہ اب یہ گولی ماردیں گے۔ وضو بھی نصیب نہ ہوا۔ چھپنے کی کہیں جگہ نہیں بچنے کا موقعہ نہیں۔ کھڑے کانپ رہے تھے کہ گورے سر پر آپہونچے اور پوچھا۔ ہرن ہرن ہرن آیا ہرن آیا ہرن آیا۔ خالہ کبرا نے ہمت کی اور کہا "نہیں صاحب ہمنے نہیں دیکھا۔ یہ سنکر انہوں نے بیمار کو دیکھا اور پانی کی چھاگل دیکر کہا پانی۔ پانی" پانی۔ ۔ ۔ ۔ ہم لرزتے رہے۔ اور دونوں گورے پانی دے چلتے ہوئے۔ ہم نے جس طرح ہوا۔ چلّوؤں میں پانی لیکر بیمار کے حلق میں ٹپکایا۔ اور اس نے ذرا آنکھ کھولی تو جان میں جان آگئی۔ خدا اپنی قدرت کے کیا تماشے دکھاتا ہے۔ ملک الموت کو رحمت کا فرشتہ بنادیا۔ بھوک کے مارے ہم بلبلا رہے تھے کہ ہمارے سامنے ایک زخمی ہرن لنگڑاتا ہوا آیا اور گر پڑا۔ خالہ نے اسے پکڑ لیا تو سامنے سے ایک گڈریا بکریاں چراتا آیا اور کہنے لگا "یہ زخمی ہے۔ مرجائیگا۔ لاؤ ذبح کردوں"۔ ہم نے کہا "تو مسلمان ہے" اس نے کلمہ پڑھا۔ ہم نے کہا "بسم اللہ" اسنے چاقو نکال کر ذبح کیا۔ ہمکو تو خبر تھی نہیں۔ سامنے ہی گاؤں تھا۔ بھاگا ہوا گیا اور سب چیزیں لے آیا۔ اسی نے کھال اتاری۔ اسی نے آگ جلائی۔ اسی نے ہنڈیا دی وہ ہمارا مہمان ہوا اور ہم اس کے مہمان ہوئے

سب نے ملکر خوب کھایا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ گڈریے کا یہ لڑکا اٹھارہ بیس برس کا ہوگا۔ گاؤں کا رہنے والا جسکو شہر کی آب و ہوا چھو تک نہ گئی۔ کیسا نیک اور شریف کہ قلعہ کے ایک لڑکے کو یہ بات نصیب نہ تھی۔ ہم کھا چکے تو چار گھڑی دن باقی تہا۔ ارادہ کیا کہ آگے بڑھیں۔ مگر اس نے نہ جانے دیا۔ مجھے اس کے بھولپن پر بہت ہنسی آئی کہنے لگا میرا چھوٹا سا گھر ہے۔ ہم دو ماں بیٹے اس میں رہتے ہیں۔ تم لوگ رات کو مزے سے سو رہیں میں بھی رہونگا۔ شام کو وہ اپنی ماں کو بھی لے آیا۔ اور دو گھڑے پانی بھی بھر دئیے ایسی محبت کے لوگ میں نے تو عمر بھر نہیں دیکھے۔ جب ہم جانیکا نام لیتے وہ لڑکا منہ بنا کر کھڑا ہو جاتا اور کہتا کہ مکئی اور باجرا خدا کا دیا بہت ہے۔ یہیں رہو اور کھاؤ۔ اللہ سب مشکل آسان کریگا۔

میرے میاں نے دولہا جن کی حالت اتنی خراب ہوگئی تھی کہ بچنے کی امید کیا گھڑی ساعت پر تھے۔ بغیر دوائی ٹھنڈائی کے ایسے اچھے ہوئے کہ اچنبا ہوگیا۔ بخار اتر گیا اور جنگل کی ہوا اور پانی نے وہ طاقت دی کہ سب دنگ رہ گئے۔

بیچارے امرو نے ہمارے واسطے نہر کے کنارے ایک جھونپڑی ڈالدی۔ وہ دونو ماں بیٹے بھی وہیں آ گئے۔ یہاں چھوٹا سا باغیچہ تھا۔ کوئی سات آٹھ نیم کے درخت تھے اور دو تین املی اور جامن کے۔ ہم یہاں خوش تھے۔ مگر ایک بات کا مجھ پر بڑا بوجھ تھا۔ کہ اس غریب سے رشتہ نہ ناتا۔ مفت کی روٹیاں توڑ رہے ہیں۔ خالہ نے ایک دن اس سے کہا کہ تم مجھکو تھوڑا ریشم اور ایک کرتہ کی ململ لا دو۔ وہ جا کے لے آیا تو انہوں نے تین چار ہی دن میں ایسا کاڑھا کہ وہ تو وہ جس نے دیکھا وہی تعریف کرنے لگا۔ اب تو یہ کیفیت ہوئی کہ چاروں طرف سے لوگ آنے لگے اور ہماری کڑھائی کی دور دور خبر پہونچ گئی امرو نے خرچ لینے سے انکار کر دیا تو ہم نے یہ ترکیب کی کہ اس کا کپڑا مفت کاڑھ دیتے تھے اور وہ اسکو بیچکر لاتا تو دام نہ لیتے اس طرح اس کا خرچ بھی پورا ہوتا اور ہمارا بھی۔

اب ہماری گذران خوب ہونے لگی۔ معلوم ہوا کہ شہر یہاں سے بیس اکیس کوس ہے اور امن چین بھی ہوگئی ہے۔ مگر دل کچھ ایسے مر گئے تھے کہ جانے کو جی ہی نہ چاہتا تھا۔ دم دم کی خبریں آنے جانے والوں سے معلوم ہوتی رہتی تھیں۔ جسکو پوچھا یہ ہی پتہ چلا کہ پھانسی ہوگئی یا بھاگ گیا۔ چچا حشمت میں جان پڑی تھی کئی آدمیوں سے کہا کہ انکی خبر لاؤ۔ مگر کسی کو گھر ہی نہیں ملا۔ آخر ایک دن ننھے دولہا ہی دل کڑا کر کے پہونچے ایلوں کی گاڑیاں شہر جا رہی تھیں اور ان کا چودھری امرو کا پھوپا تھا۔ وہ بھی ساتھ ہو لیا اور دو بجے سے یہ لوگ روانہ ہوگئے کہ نو دس بجے تک منڈی پر پہونچ جائیں گے۔ اور سویرے ہی سویرے پہنچ گئے بارہ ایک بجے چل کھڑے ہونگے رات کو نہیں گیارہ بجے گاڑیاں لوٹیں تو تھے۔ دولہا نے کہا کہ شہر تو آدھے سے زیادہ کھد گیا۔ گھروں کا پتہ ہے۔ نہ گھر والوں کا۔ چچی حشمت کا گھر تو باقی ہے مگر ان کا پتہ نہیں۔ برابر میں ایک ردی والا رہتا ہے اس سے اتنا معلوم ہوا کہ بال بچوں کو لیکر کہیں نکل گئے۔ اب تک کوئی خبر نہیں کہ جیتے ہیں یا مر گئے۔ ہاں ایک مخبر نے یہ بھی کہا کہ ان کے چھوٹے لڑکے کو تو پھانسی ہوگئی۔ حسن تو میری گودیوں کا کھیلا ہوا تھا۔ سنتے ہی جان نکل گئی۔ روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔ شہر جانے کا اول تو ارادہ ہی نہ تھا۔ اور اگر تھوڑا بہت خیال کبھی بھولے بسرے آ بھی جاتا تھا تو اب بالکل ہی نفرت ہوگئی۔

برجیس دلہن اپنی داستان یہاں تک پہنچا کر پان کھانے کے واسطے اٹھیں تو گوہری متیوں میں بیگم کی وہی صدا پھر گونجی

"لپٹیں آ رہی ہیں موتیا کی"

اتنا کہہ کر بیگم نے جیبوں سے کپڑے اٹھائے تو تمبو خوشبو سے مہک اٹھا گوہر آرا بیگم نے کہا پہلے درود پڑھو اور پھر حضور کے واسطے ترقی عمر کی دعا۔

پڑھنے والی لڑکیوں کی صحت

شریفوں کے بچے عموماً دبلے پتلے زرد زرد اور دائم المریض سے دکھائی دیتے ہیں۔ اور بڑھتے بھی کم ہیں۔ اب سے پچاس برس پہلے قد و قامت کا جو اوسط تھا اب وہ نہیں نظر آتا۔ جسے دیکھئے کسی نہ کسی شکایت میں مبتلا ہو گا۔ اگر کوئی خاص شکایت نہ ہو تو بھی بڑھنے کی عمر میں ٹھٹھرا ہوا رہنا اور جسم پر گوشت نہ ہونا ہی کیا کم ہے۔ یہ بجائے خود ایک شکایت ہے۔ اب تلک یہ حالت صرف لڑکوں کی تھی۔ لڑکیوں کا بڑھنا اور تندرست رہنا ان کے مقابلہ میں عام طور پر مانا ہوا تھا۔ اور لکڑی کی بیل اور لڑکی کی بیل ہر وقت کی کہاوت تھی لیکن اب جب سے لڑکیوں پر بھی پڑھائی کی محنت پڑنی شروع ہوئی ہے۔ ان بچاریوں کی بھی وہی حالت ہے کہ زندہ دلی اور چونچالی بھی ان میں سے رخصت ہوتی جاتی ہے۔ وہ اگر کسی تقریب میں شریک ہونگی یا اپنی کسی دلچسپی کے کام کو بھی ذرا زیادہ دیر تک کرینگی تو ایسی تھک جائیں گی کہ صورت سے بیمار معلوم ہونے لگیں گی درد سر دوران سر۔ اختلاج قلب ان شکایتوں سے میرے نزدیک آج کل دس میں ایک لڑکی بھی بچی ہوئی ہو تو غنیمت سمجھنا چاہیے۔ ابھی تعلیم عام نہیں ہوئی ہے اور صحت اس رفتار سے ہمارا ساتھ چھوڑ رہی ہے۔ کہ معلوم ہوتا ہے کہ پچاس ساٹھ برس بعد شاید سو میں ایک بھی ایسی نظر نہیں آئے گی جسے تندرست کہہ سکیں۔ اس کا سبب بعد کوئی چاہے کچھ ہی کیوں نہ کہے میں تو یہی کہونگی کہ لڑکیوں پر محنت حد سے زیادہ پڑ رہی ہے جس کی وہ متحمل نہیں ہو سکتیں۔ لڑکیوں اور لڑکوں کے خوراک لباس اور عام اخراجات میں جو کھلا ہوا فرق ہندوستان میں روا رکھا جاتا ہے اس سے اگر قطع نظر بھی کر لیجائے تو ان کے روزانہ صبح سے شام تک کے کاموں ہی کو دیکھنے ہی سے پتہ چلتا ہے کہ لڑکی غریب کو سانس لینے کی بھی فرصت نہیں ملتی۔ ایک متوسط گھر کے لڑکے اور لڑکی کو دیکھئے اور مقابلہ کیجئے کہ کس نے کتنا کتنا کام کیا اور کون زیادہ آرام و راحت کا مستحق ہے۔ صبح اٹھکر وہ نماز کے بعد جھاڑو دیتی ہے۔ ناشتہ تیار کرتی ہے۔ سب کو کھلا کر برتن دھوتی ہے ابھی مصالحہ پیسکر فارغ نہیں ہوتی کہ بھائی آکر کہتا ہے۔ اے ہے آپا تم نے میری اچکن میں بٹن نہیں ٹانکا دیکھو میں نے کل سے کہدیا تھا۔ ہاں میں بھول گئی تھی۔ خیر ابھی تو تمہارے اسکول جانے میں دیر ہے ابھی اٹھکر ٹانکے دیتی ہوں۔ کیا کروں کہیں گوشت کو دیر نہ ہو جائے۔ غرض مارا مار کر کے غریب نے آگ جلائی۔ گوشت چڑھایا۔ بٹن ٹانکنے بیٹھی تھی کہ ماں کے اوپر چھوٹے بچے نے دودھ ڈال دیا۔ بھاگ کر پانی کا لوٹا

لائی اسے دھلوایا صاف کرایا۔ پھر جاکر بٹن پورا کیا۔ باورچی خانے میں آئی آٹا گوندھنے کی تیاری کر رہی تھی کہ باپ نے آواز دی" ارے بھئی تنی یہاں میز پر ایک خط پرسوں کا آیا ہوا رکھا تھا وہ تم نے کہاں رکھدیا" جاکر وہ ڈھونڈا۔ دیکر واپس آنے لگی تو باپ نے کہا"بھئی ذرا ہمیں پان دینا" پان بنا کر دیا۔ ساتھ ہی خیال آیا۔ ابھی کچہری کے لئے بھی پان بنیں گے اور کتھا کلیا میں ختم ہوگیا ہے۔ اسے بھرا پان دھو کر رکھے۔ پھر جاکر آٹا گوندھا۔ اب ترکاری بنا رہی ہے۔ اور دھوپ کو دیکھتی جارہی ہے کہ ابھی اسکول کی ڈولی آتی ہوگی۔ ماں نے پکار کر کہا"بس بیٹا اب تم یہ چھوڑ دو اور اپنے اسکول کی تیاری کرو۔" اماں میں تیار ہوں بس کپڑے بدلنے ہیں۔ اور کنگھی نہیں کروگی؟"جی نہیں کل ہی تو کی تھی۔" اچھا خیر تم نے ناشتہ اپنے ساتھ کے لئے باندھ لیا"جی نہیں اماں۔ میں نے اسوقت اچھی طرح کھالیا ہے۔ اب تو مجھے بھوک نہیں لگے گی" تمھی تمہاری بھی عادت بڑی بُری ہے۔ جہاں کھانے کا نام آیا اور بس نہیں۔ دوسروں کا بھی کھانا پینا تلخ کئے ڈالتی ہو۔ لڑکی ترکاری بنا چکی دھوتے میں کہتی ہے" اماں میں کیا کروں مجھے بھوک ہی نہیں لگتی۔ آخر دیکھئے پرسوں تو آپ نے ساتھ کردیا تھا۔ مگر وہ یوں کا یوں ہی چلا آیا۔ میرا اسکول میں کچھ کھانے کو جی ہی نہیں چاہتا" اتنے میں کہاروں کی آواز آتی ہے۔ اور یہ الٹے سیدھے دو چھپکے منہ پر لگا کر پھرتی کے ساتھ کپڑے بدلتی ہے اور سوار ہوجاتی ہے۔ چلتے وقت ماں چاہتی ہے کہ پیسے دیدے لیکن اتفاق سے روپیہ بھُنا ہوا نہیں نکلتا۔ اور اگر ہوتا بھی تو کیا تھا۔ وہ لیجاتی اور چپ چاپ جمع کرلیتی۔ جب اسکول میں ہنڈکلیا یا کسی اور چیز کے لئے چندہ ہوتا یا اس کا خود کسی خوبصورت چیز لینے یا بنانے کو دل چاہتا۔ اور ماں اس خرچ کو غیر ضروری سمجھتی۔ یہ جمع کئے ہوئے پیسے کام آجاتے۔ اچھا اب اسکول پہنچیں۔ گھنٹی میں جو کچھ دیر ہوئی اس میں بیٹھکر کل کا جو کام باقی تھا وہ پورا کیا۔ گھنٹی ہوئی اپنے درجے میں داخل ہوئی۔ استانی کی نگاہ پہلے بالوں پر اور پھر کپڑوں پر پڑتی ہے۔" دیکھو لڑکیوں میں کتنی تاکید کرتی ہوں کہ تم لوگ روز کنگھی کیا کرو۔ لیکن کتنی لڑکیاں اس کی پابندی کرتی ہیں۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ اتنی بڑی ہوکر تمہیں اپنے ہاتھ منہ کی صفائی کا خیال بھی نہو۔ میں بال بنانے کو نہیں کہتی۔ مگر صاف تو رہو یہ تو بدتمیزی ہے کہ سر جھاڑ منہ پہاڑ اکھڑے ہوئے" اب یہ بیچاری شرمندہ بھی ہے اور حیران بھی کہ منہ دھونے کے بعد تو میں نے خوب گیلے گیلے ہاتھ پھیر کر بال صاف کرلئے تھے۔ پھر بھی استانی جی خفا ہورہی ہیں۔ اب کل سے ضرور کنگھی کیا کروں گی۔ چلئے پڑھائی شروع ہوگئی۔ چھوٹی بچیاں دوپہر کی چھٹی میں کھیلنے لگیں کسی نے کچھ لیکر کھایا کسی کے گھر سے کھانا آگیا۔ اس کا جی چاہتا ہے کہ چپکی ہوکر لیٹ جائے اور سو رہے۔ مگر اسکول میں ایسا

کونسا ٹھکانہ ہے۔ برابر کی لڑکیوں میں بات چیت کرنے سے بھی دل بہلتا ہے۔ بس یہی ایک تفریح اس کی قسمت کی تھی۔ دس پندرہ منٹ ہوا کی طرح نکل گئے۔ اٹھکر وضو کیا نماز پڑھی۔ اس سے ذرا طبیعت میں تازگی آئی۔ اور دوسرے وقت کا کام کچھ آسان ہوگیا۔ ڈھائی تین بجے چھٹی ہوئی۔ اب فکر ہے کہ آج کام بہت ہے۔ لاؤ جب تک اسکول میں ہوں خالی کیوں رہوں۔ تھوڑا بہت یہیں کرلوں۔ لیکر بیٹھی تو سہی۔ مگر ہاتھ ٹھنڈے پڑے ہوئے ہیں۔ منہ پر ہوائیاں اُڑ رہی ہیں۔ اس محنت نے اور چکرا دیا۔ ڈولی آئی گھر پہونچیں۔ کھانا کھایا صبح سات بجے کا یونہی سُٹر پٹر ناشتہ کئے گئے اب جا کر چار ساڑھے چار بجے اطمینان سے کھانا نصیب ہوا جو اصول کے مطابق تیسرا وقت ہونا چاہئے تھا۔ اب کھا پی کر دل چاہتا ہے کہ ذرا آرام کرے۔ مگر شام کے کاموں کا ہجوم ہے۔ ماں دن بھر کی تھکی ہاری ہے۔ دوسرے چھوٹا بچہ بھی کھنکھنا رہا ہے۔ کیا کرے آخر پھر یہ بہادر اٹھتی ہے اور سب سے پہلے باپ کے آرام کا سامان مہیا کرتی ہے۔ کہ وہ کچہری سے آنے پر حیران نہو۔ پھر عصر کی نماز پڑھکر کھانا پکانے میں مصروف ہوجاتی ہے۔ غرض آٹھ نو بجے رات کو اسے یہ موقعہ ملتا ہے کہ اپنا اسکول کا کام کرے۔ گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے وہ کرتی ہے پھر عشا کی نماز پڑھکر کہیں گیارہ بجے رات کو سوتی ہے۔ اسوقت سے لیکر ساڑھے پانچ یا حد چھ بجے تک اس کے آرام کا وقت ہے۔ یہ ہے ایک بارہ تیرہ برس کی لڑکی کا دستور العمل۔ گویا چوبیس گھنٹے میں سے صرف سات گھنٹے وہ سوتی ہے۔ باقی تمام وقت اسے مستعدی سے کام کرتے گذرتا ہے۔

اب اسی عمر کے لڑکے کو لیجئے۔ اول تو نماز کے پابند بہت کم ہوتے ہیں اور اگر ہوئے بھی تو وہی ساڑھے پانچ چھ بجے اٹھے۔ نماز پڑھی۔ گھنٹہ سوا گھنٹہ اسکول کا کام کیا۔ پھر ناشتہ کرکے بازار کا ایک پھیرا کیا۔ گوشت دودھ وغیرہ لے آئے۔ پھر اگر زیادہ محنت کرائی جاتی ہے تو ایک گھنٹہ ماسٹر صاحب کے پاس گذارا ورنہ یہ وقت عموماً چھوٹے بھائی بہنوں کے ساتھ کھیل کود میں نکل جاتا ہے۔

نو بجے اسکول جانے کی تیاری شروع کی کتابیں وغیرہ ٹھیک ٹھاک کیں کہ آج کون کونسی لیجانی ہیں پھر کھانا کھایا کپڑے بدلے اور چلدئے۔ گھنٹی ہونے سے دو چار منٹ پہلے پہونچ گئے۔ دوپہر کی تفریح میں اگر اسکول قریب ہوا تو گھر ہی آگئے ورنہ وہیں کچھ لیکر کھالیا۔ چار بجے گھر آئے۔ کھانا کھایا اور پھر ہاکی کا بلا لیکر جو کھیلنے کو نکلے تو مغرب کے بعد گھر میں آئے۔ بہت کیا تو لالٹین جلالی پلنگ ٹھیک کرالئے۔ آٹھ بجتے بجتے کھانے سے فارغ ہوکر اسکول کا کام شروع کردیا۔ اور نو ساڑھے نو بجے سو رہے۔ اب خیال کیجئے کہ انہیں سونے کو بھی زیادہ وقت مل گیا۔ اور باقی وقت میں بھی لگاتار کام نہیں کرتے ہے بلکہ کوئی گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ صبح اور دو گھنٹہ شام کو ان کی تفریح میں گذرے۔ مختصر یہ کہ لڑکی سولہ سترہ گھنٹے

برابر کام اور محنت میں لگی رہی اور لڑکے کو صرف بارہ تیرہ گھنٹے کرنا پڑا۔ وہ بھی یک لخت نہیں بلکہ وقفہ دے دیکر۔ شاید اس کے جواب میں یہ کہا جائے کہ لڑکیاں اسکول کسی نہ کسی سواری پر جاتی ہیں اور لڑکے پیدل مگر یہ سواری پر جانا کسی طرح اس پیدل جانے سے آسان اور آرام دہ نہیں ہوتا۔ ڈولی میں اکثر چار پانچ لڑکیاں ہوتی ہیں۔ چھوٹی ہوتی ہیں تو چھ سات تک بٹھادی جاتی ہیں۔ اور اسی طرح یکہ میں ٹھسم ٹھس ہوتی ہے۔ اس وقت کام سے تو ضرور بچی ہوتی ہیں۔ مگر بیچاریاں آرزو کرتی ہیں کہ کاش ہم بھی لڑکوں کی طرح پیدل جاتے آرام سے ہلکے ہلکے ٹہلتے ہوئے ہوا کھاتے ہوئے باہر کی سیر کرتے ہوئے۔ پھر ایک گھٹا تو اور بے آرامی پر کیا موقوف ہے۔ یکہ کے جھٹکے وہ قیامت ہوتے ہیں کہ خدا کی پناہ بعض کمزور لڑکیاں تو شام کو گھر آکر ایسی بے سُدھ ہو کر پڑ جاتی ہیں کہ دیکھکر تکلیف ہوتی ہے اور کہیں پندرہ بیس منٹ بعد اس قابل ہوتی ہیں کہ بات کریں اور انہیں ڈولی خاص کر مریضوں کی سواری اور بہت آرام کی چیز سمجھی جاتی ہے۔ مگر اس میں بھی کہاروں کے ہر قدم کے ساتھ اچھلنے کی تکلیف کچھ کم نہیں ہوتی۔ شاید اوروں کی یہ حالت نہ ہو۔ مگر مجھے تو ڈولی یکہ سے بھی زیادہ تھکا دیتی ہے اور جب لگاتار کئی دن ڈولی میں بیٹھنا پڑے تو میری طبیعت خراب ہونے لگتی ہے۔ اور اختلاج شروع ہو جاتا ہے۔ ایک یہ بھی مشکل ہے کہ اتنی اتنی لڑکیوں کو اسکول اور گھر پہنچاتے ہوئے کافی دیر لگتی ہے۔ اور اتنی دیر برابر سب کا گشت ہوتا رہتا ہے۔ شام کو جب پیٹ خالی ہوتا ہے تو تھکے ہوئے دماغ کی ان سواریوں سے شامت آجاتی ہے۔ اور صبح کے وقت جب لڑکیاں کھانا کھا کر سوار ہوتی ہیں تو چکر متلی وغیرہ ستاتے ہیں بعض بعض دفعہ اسکول پہنچکر طبیعت خراب ہو جاتی ہے اور کبھی راستہ ہی میں۔ غرض ان سواریوں کی حقیقت بیٹھنے ہی پر کھلتی ہے جن پر اکثر لڑکے رشک کیا کرتے ہیں اور بہنوں سے کہتے ہیں کہ تم تو آرام سے سواری پر جاتی ہو اور ہم پیدل مصیبت بھگتتے ہیں۔ اسی وجہ سے اکثر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ عیسائی استانیاں جو پردہ کی پابند نہیں ہوتیں اسکول کی طرف سے سواری ملنے پر بھی پیدل آنے کو ترجیح دیتی ہیں اور یہ مصیبت نہیں اٹھاتیں۔ کاش بھوپال کا سا انتظام اور شہروں میں بھی ہو جاتا کہ لڑکیاں برقع اوڑھکر اسکول کی خادمہ کے ساتھ آجایا کرتیں۔ تو اسکول بڑے خرچ سے بچتے اور لڑکیاں ان آفتوں اور وقت ضائع ہونے سے نجات پاتیں۔ وہاں سلطانیہ اور آصفیہ اسکول میں تو موٹر رہی ہے۔ لیکن حمیدیہ اسکول میں (جو خاص طور پر دینی تعلیم کے لئے ۱۹۲۷ء میں جاری کیا گیا ہے یہی انتظام ہے سرکار عالیہ مرحومہ کا ارادہ اسی طریقہ سے رواجی پردہ اٹھوانے کا تھا لیکن ابھی لوگ نو دس برس سے زیادہ عمر کی لڑکیوں کو یوں نہیں بھیجتے۔ غرض لڑکیوں کی صحت خراب ہونے کے یہ تین بہت بڑے

سبب ہیں۔ سخت محنت۔ غذا کی کمی۔ مناسب آرام نہ ملنا۔ اس کے بعد تنگ مکان خراب ہوا اور ایسی ہی بیسیوں چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں۔

اسی سال گرمیوں کا ذکر ہے کہ ایک ڈاکٹر صاحب نے اپنے بھائی کے بچوں کو دیکھکر بتایا کہ یہ بچے کھیلتے کودتے بہت ہیں اور انہیں اس کے مطابق کھلایا پلایا نہیں جاتا۔ یا تو ان کے لئے سیر سیر بھر دودھ مقرر کیا جائے اس سے یہ طاقتور اور مضبوط ہو جائیں گے۔ یا اگر یہ نہ ہو سکے تو پھر انہیں اس قدر کھیل کود سے روکا جائے۔ ورنہ یہ اسی طرح دُبلے اور کمزور ہوتے جائیں گے۔ چنانچہ انہیں روز دوپہر کو سلانا شروع کیا گیا۔ اور چند ہی روز میں ان کی حالت سنبھل گئی۔ اسوقت یہ بات سب کی سمجھ میں آگئی کہ وہ جو کچھ غذا کھاتے ہیں وہ بجائے ان میں گوشت وخون پیدا کرنے کے اور ان کا وزن بڑھانے کے صرف ضائع شدہ چیزوں کا بدل پورا کر دیتی ہے۔ اسکی مثال ایسی ہے کہ دیگچی کے نیچے صرف اتنی آگ جلائی جائے جس سے وہ گرم تو رہے لیکن پک کر تیار نہ ہو سکے۔ اسی طرح ایسے لوگ جن کو مناسب غذا نہیں ملتی اور محنت کافی پڑتی ہے۔ صرف زندہ رہتے ہیں۔ نہ وہ طبعی طور پر بڑھتے ہیں اور نہ ان میں طاقت ہوتی ہے۔ جب ہم اپنے بچوں کی پرورش اس طرح کرتے ہیں تو آئندہ نسلوں کا کیا حشر ہوگا۔

و - ا

(بقیہ صفحہ ۱۶) اور ذلیل لوگوں سے پاک ہو لیکن یہ سب خیال کیونکر ہو جبکہ سرے سے ہمدردی ہی مفقود ہے۔ غریبوں کے اکثر ذہین ہونہار بچے صرف تنگدستی کے سبب سے اعلیٰ تعلیم پانے سے محروم رہتے ہیں۔ اگر صاحب حیثیت لوگ ان کی مدد فرمائیں تو یہی بچے آگے چلکر قابل۔ عالم۔ ادیب۔ مقرر۔ شاعر۔ فلاسفر بنکر ہماری قوم میں مثل مہر درخشاں چمکیں۔ کچھ عرصہ ہوا کہ ایک نہایت متمول صاحب نے اپنی لاڈلی بیٹی کے شوق پر اسکی گڑیا کی شادی پر قریب ڈیڑھ دو سو روپے خرچ کئے اسی زمانہ میں ان سے کسی مقامی اسکول کے لئے دس روپے چندہ طلب کیا گیا تو ان کی بارگاہ سے صاف جواب مل گیا۔ کاشکہ انکو اپنی شکستہ حال قوم کا کچھ بھی درد ہوتا تو وہ ایسا کبھی نہ کرتے۔ خدا نے انسان کو دولت صرف اپنی آسایش وفضول شوق پورا کرنے کے لئے نہیں دی ہے۔ بلکہ اسکے نادار بندوں کی امداد کے لئے دولت عطا کی ہے اور اسے نیکی خریدنیکا ذریعہ بنایا ہے لیکن افسوس کہ انسان اپنی غفلت سے نیکی خریدنے کی بجائے برائی خریدتا ہے

جن لوگوں میں ہمدردی کا مادہ ہوتا ہے۔ ان کی دولت سے دوسرے لوگ بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اسلئے وہی دل احترام کے قابل ہے جو ہمدردی سے پُر ہے۔ اور جو دل اس سے خالی ہے اس کی حقیقت ایک پتھر کی سی ہے۔ اسی لئے " خدا دل دے تو دل کے ساتھ درد محبت بھی۔

صفیہ مدحت خانم

قومی ہمدردی

اسلام نے ہمیں اخوت کی تعلیم دیکر ایثار و ہمدردی کا سبق سکھایا تھا لیکن افسوس ہے کہ ہم نے اس بیش بہا تعلیم کو بھلا کر ایثار و ہمدردی کی جگہ خود غرضی و بیدردی اختیار کر رکھی ہے۔ خود غرضی کے ہم ایسے خوگر ہو گئے ہیں کہ ہمکو بجز اپنی بھلائی کے دوسرے کی بہبودی کا خیال بھی نہیں آتا۔ اسی خود غرضی کے سبب ہماری قوم اس پستی کی حالت میں پڑی ہوئی ہے۔ دوسری قوموں کو دیکھیے کہ صرف اسی ہمدردی کے سبب وہ کیسی ترقی کر رہی ہیں ان میں اپنی قوم کی ہمدردی اتنی بڑی ہوئی ہے کہ وہ ہر وقت اپنی قوم کی بھلائی کے کاموں میں لگی ہوئی ہیں، ان کے یہاں کے دولتمند لوگ صرف اپنی ہی ذات پر دولت خرچ نہیں کرتے بلکہ انکی دولت زیادہ تر ان کی قوم پر خرچ ہوتی ہے۔ مگر ہمارے ہاں یہ حال ہے کہ امیر اپنی تفریح کے لئے فضول کاموں میں بھی دولت بیدریغ خرچ کرتے ہیں لیکن قوم کے لئے ایک پیسہ نہیں نکلتا۔ اور نہ ان سے قوم کو کسی قسم کی اعانت پہنچتی ہے۔ ہماری قوم میں جتنے دولتمند ہیں۔ گنتی کے چند ہیں جنکو اپنی قوم کا درد ہے نہیں معززاور دولتمند لوگ دعوتوں اور تقریبوں میں بے انتہا روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ اور اکثر لوگ جو گورنمنٹ سروس میں کسی اعلیٰ عہدہ پر مامور ہوتے ہیں یوروپین سوسائٹی میں عزت حاصل کرنے کے لئے انکو ڈونیشن دینے میں دل کھول کر صرف کرتے ہیں لیکن سخت افسوس ہے کہ اگر کبھی ان سے قومی کاموں میں چندہ کے لئے دس پانچ روپے بھی طلب کئے جائیں تو بہت کم کامیابی ہوتی ہے۔ ہمارے کتنے یتیم خانے قومی درسگاہیں وغیرہ کس مپرسی کی حالت میں پڑے ہیں۔ کارکنان بیچارے اپنے امکان بھر اس کی ترقی کی کوشش کرتے ہیں لیکن ترقی کے لئے روپے کی بھی ضرورت ہے۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ جنکو خدا نے دولت دی ہے وہ اس طرف توجہ ہی نہیں کرتے اور جنکو ایسی ہمدردی ہے ان کے پاس اتنی دولت نہیں کہ کافی امداد کر سکیں۔ پھر اسکی حالت سنبھلے تو کیونکر سنبھلے۔ ہماری قوم میں غربا یتیم بیوہ محتاجوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ یہ لوگ نہایت مصیبت و تنگی سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ کیا اچھا ہو کہ متمول لوگ اپنی توجہ ان کی حالت زار کی طرف مبذول کریں۔ اور یتیم خانے۔ غریب بیوؤں کے لئے ایسی درسگاہیں کھولیں جس میں یتیم بچوں کی پرورش و تعلیم کا سامان ہو۔ اور بیواؤں کو دستکاری وغیرہ کی تعلیم دیجائے اور انکو اپنا ذریعہ معاش خود پیدا کرنے کے قابل بننے میں مدد دیجائے اور محتاج خانے بنائے جائیں جس میں ضعیف اور ایسے محتاج لوگوں کی امداد کیجائے جو اپنا وسیلہ معاش پیدا کرنے کے بالکل ناقابل ہیں اس طرح بھیک مانگنے کے اس ذلیل طریقہ کا بھی سدباب ہو اور ہٹے کٹے مکار لوگ خیرات نہ ملنے کے سبب کمانے پر مجبور رہوں اور قوم ایسے بیکار

(باقی دیکھیے صفحہ ۱۵ پر)

وہ ہمکو انساں عطا کر

ایک چینی نظم کا ترجمہ

اے خالقِ ارض و سما وہ ہمکو انساں عطا کر

انسان ہوں جو نام کے ۔ ہوں آدمی وہ کام کے ۔ پابند ہوں احکام کے ۔ شیدائی ہوں اسلام کے
بندوں کی ہے یہ التجا ۔ وہ ہمکو انساں کر عطا

رکھتے ہوں عزم آہنی ۔ حاصل جنہیں علم الیقیں ۔ سینے ہوں وہ حصن حصیں ۔ جن میں تزلزل ہی نہیں
جن کے قدم قطب نما ۔ وہ ہمکو انساں کر عطا

احساسِ عزت جن میں ہو ۔ اور دل کی قوت جن میں ہو ۔ اصلی صداقت جن میں ہو ۔ نسلی شرافت جن میں ہو
ہر فعل جن کا بے ریا ۔ وہ ہمکو انساں کر عطا

جو ہوں نہ لالچ کا شکار ۔ جن کا سچائی ہو شعار ۔ وعدوں پہ جو ہوں استوار ۔ ہر بات جن کی پائدار
اے صاحب جود و سخا ۔ وہ ہمکو انساں کر عطا

جن کے مقاصد پاک ہوں ۔ جو صاحبِ ادراک ہوں ۔ حق گوئی میں بیباک ہوں ۔ جو چست ہوں چالاک ہوں
ہوں فی الحقیقت رہنما ۔ وہ ہمکو انساں کر عطا

الفت سے ہو جنکا خمیر ۔ ہو سادگی جن کی نظیر ۔ ہوں قوم کے سچے مشیر ۔ پاکیزہ ہو جن کا ضمیر
ہوں پاک باطن باحیا ۔ وہ ہمکو انساں کر عطا

جو شاکرِ تقدیر ہوں ۔ جو حاکمِ تدبیر ہوں ۔ جو خلق کی تصویر ہوں ۔ جو حیدر و شبیر ہوں
جو قوم پر سے ہوں فدا ۔ وہ ہمکو انساں کر عطا

ایسے نہوں جو ڈر گئے ۔ مرنیکا کیا ہے مر گئے ۔ باقی رہے یا سر گئے ۔ جو کہدیا وہ کر گئے
ہو موت بھی وجہ بقا ۔ وہ ہمکو انساں کر عطا

کارِ رسالت ہو چکا ۔ دورِ خلافت ہو چکا ۔ فقدانِ راحت ہو چکا ۔ اسلام غارت ہو چکا
درپیش ہو پھر کربلا ۔ وہ ہمکو انساں کر عطا

میر مہدی علی شہید (حیدرآباد دکن)

حکومت ہند

(سلسلہ کے لئے دیکھو دسمبر ۳۰ئہ کا پرچہ)

حکومت کی مشینری

اس محکمہ حکمراں کی پیچیدہ مشین کے طریقہ کار سے واقف ہونا نہایت دلچسپ و مفید ہے اس پیچیدہ مسئلہ کو آسانی سے سمجھنے کے لئے ایک گاؤں کی حکومت سے ضلع کی اور پھر کئی ضلعوں کو ملا کر ڈویزن (DIVISION) کی اور پھر تمام صوبہ کی مکمل طرز حکومت کا حال معلوم کرنا ضروری ہے۔ چونکہ محکمہ حکمرانی کا اولین فرض تحصیل محاصل ہے۔ اور تحصیل کے لئے امن وامان ضروری اور امن وامان کے لئے عدل و انصاف لازمی ہے۔ اس لئے اس محکمہ کے کام تین بڑے حصوں میں منقسم ہوتے ہیں۔

(۱) محکمہ تحصیل جو محصول وغیرہ جمع کرتا ہے۔

(۲) محکمہ انتظامیہ جو اصل حکومت کرتا ہے اور جس کے قبضہ میں پولس وغیرہ بھی ہوتی ہے۔

(۳) محکمہ عدالت۔ فوجداری و دیوانی۔

یہ بتادینا ضروری ہے کہ تحصیل و محکمہ انتظامیہ اور عدالت فوجداری کی ذمہ داریاں گاؤں کے حاکم سے لیکر ضلع کے حاکم تک ایک ہی شخص کے ذمہ ہوتی ہیں۔ ضلع کی حکومت کے آگے محکمہ عدالت جدا ہوتا ہے۔ اور محکمہ حکومت جس میں تحصیل و انتظام دونوں شامل رہتے ہیں علیحدہ۔ عدالت دیوانی گاؤں کی حکومت کے بعد سے ضلع کی حکومت تک جدا حاکم کے قبضہ میں رہتی ہے۔ اور ضلع کی حکومت کے آگے صیغہ فوجداری سے لیکر ہائی کورٹ تک جاتی ہے۔ صوبہ کی حکومت میں پہونچکر "تحصیل" ایک ممبر کے اختیار میں ہوتی ہے اور "انتظام" دوسرے ممبر کے اختیار میں۔

گاؤں کی حکومت

یہ حکومت پنچایت یا پٹیل یا مکھیا کے قبضہ میں ہوتی ہے۔ یہ گورنمنٹ کی طرف سے مقرر کردہ حاکم یا پنچ ہوتے ہیں۔ مدراس میں پنچایت کا طریقہ بہت ترقی یافتہ صورت اختیار کرچکا ہے۔ گاؤں کی حکومت میں یہ خصوصیت ہے کہ اس میں جو محکمہ انتظامیہ و عدالت دیوانی و فوجداری کے اختیارات تمام ایک ہی شخص یا پنچایت کو ملے ہوئے ہیں۔ محصول کے جمع کرنے میں بھی یہ گاؤں کی حکومت تحصیلدار کی پوری مدد کرتی ہے۔ اس مکھیا کو پچاس روپے تک کے مقدمہ طے کرنیکا اختیار ہوتا ہے۔ اور فوجداری میں چند گھنٹے کی قید یا نیل جرمانہ کے اختیارات ہیں۔ پنچایت اگر دونوں فریقین راضی ہوجائیں تو دسو روپے تک کا فیصلہ کرنیکا مجاز رکھتی ہے۔

تعلقہ یا تحصیل کئی گاؤں ملاکر ایک تعلقہ یا تحصیل بنتا ہے۔ اسکا حاکم تحصیلدار یا مجسٹریٹ کہلاتا ہے۔ اس کے نیچے نائب تحصیلدار، ڈپٹی مجسٹریٹ وسب ڈپٹی مجسٹریٹ ہوتے ہیں۔ تحصیلدار کو سکینڈ کلاس درجہ دویم) مجسٹریٹی کے اختیارات ہوتے ہیں۔ یہ اپنے تعلقہ کا محصول بھی وصول کرتا ہے اور فوجداری کے مقدمات بھی طے کرتا ہے۔ اور امن وامان قائم رکھنے کا بھی ذمہ دار ہے۔ دیوانی کے مقدمات کے لئے جدا حاکم ہوتا ہے جسکو "منصف" کہتے ہیں اور اس کے اوپر "سب آرڈینیٹ جج" ہوتا ہے۔

ضلع چار سے دس تک تعلقے ملکر ضلع بناتے ہیں۔ ضلع کا حاکم ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ یا کلکٹر کہلاتا ہے۔ آخرالذکر نام محصول جمع کرنے کے لحاظ سے اور اول الذکر عدالت فوجداری اور تمام حکومت کے اختیارات ہونے کی وجہ سے دیا گیا ہے۔ اسکے نیچے سب ڈویزنل مجسٹریٹ (ایس۔ ڈی۔ او) ہوتے ہیں۔ اس حاکم کو درجہ اول کے اختیارات ہوتے ہیں (فرسٹ کلاس مجسٹریٹ) یہ ہزار روپے جرمانہ اور دو سال تک کی قید مجسٹریٹوں کی اپیل سننے اور مقدمات کو سشن سپرد کرنے کے اختیارات رکھتا ہے۔ امن وامان قایم رکھنے کے لئے پولیس سپرنٹنڈنٹ اسکی ماتحتی میں آتا ہے۔ گو محکمہ پولیس کا افسر اعلی بالکل ایک جداگانہ ہستی ہوتا ہے۔ لیکن ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو حاکم ضلع ہونے کی حیثیت سے پولیس پر پورا اختیار ہے اور پولیس سپرنٹنڈنٹ کو امن وامان قائم رکھنے کے لئے مجسٹریٹ کو راستے دیتے کے علاوہ اس کے حکم پر چلنا پڑتا ہے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ یا ایس ڈی او کو انڈین سول سروس کا ہونا ضروری نہیں۔

ضلع کی دیوانی عدالت کا حاکم سب آرڈینیٹ جج ہوتا ہے۔ گویا گاؤں کی حکومت کے بعد سے محکمہ عدالت دیوانی بالکل علیحدہ ہوتا ہے۔ اور محکمہ عدالت فوجداری عام حاکم کے تحت میں رہتا ہے۔ ضلع کی حکومت کے آگے دیوانی وفوجداری دونوں ملجاتے ہیں۔ اور ان کی سماعت ایک ہی جگہ سشن یا ڈسٹرکٹ جج کی عدالت میں ہوتی ہے۔

ڈویزن یا کمشنری چار سے آٹھ ضلعوں کی ایک کمشنری ہوتی ہے۔ اس کا حاکم کمشنر کہلاتا ہے اس کمشنر کے اختیار میں محکمہ تحصیل اور عام حکومت وامن وامان ہوتا ہے۔ محکمہ عدالت سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ کمشنر حقیقتاً ضلع اور صوبہ کی حکومت کی درمیانی کڑی ہے۔

ضلع کے مقدمات دیوانی وفوجداری کی اپیل اور ضلع کے قانونی معاملات پر مکمل اختیارات ایک علیحدہ حاکم کو جس کو سشن وڈسٹرکٹ جج کہتے ہیں ہوتے ہیں۔ ان ججوں کا تقرر گورنمنٹ کے اختیار میں ہے۔ گو ہائی کورٹ کی سفارش کو بہت بڑا دخل ہے۔ سشن جج یا تو آئی سی ایس (I C S) یا صوبہ کے عدالتی حکام یا بیرسٹروں میں سے کوئی ایک مقرر کیا جاتا ہے۔

بورڈ آف ریونیو محکمۂ تحصیل کی تمام کارروائی کمشنر "بورڈ آف ریونیو" یا فائننس کمشنر کے سپرد کردیتا ہے۔ یہ بورڈ لگان، مالگذاری وشاہی سالانہ آمد کے تمام کام انجام دیتا ہے اور ضروری معاملات کو ریونیو سکریٹری (REVENUE SECRETARY) کے سپرد کردیتا ہے۔ جو ممبر کونسل کو پیش کرکے کونسل کے اجلاس میں جہاں گورنر صدر ہوتا ہے طے کرلیتا ہے

ہائی کورٹ یہ صوبہ کی سب سے بڑی عدالت ہوتی ہے۔ یہ عموماً بالکل آزاد وخود مختار محکمہ ہے۔ اس کا سب سے بڑا جج چیف جسٹس کہلاتا ہے۔ اور باقی جج پوئین" جج کہلاتے ہیں۔ ان کا تقرر خود شہنشاہ کرتا ہے۔ ایک تہائی حصہ ان میں سے ولایت کے بیرسٹروں میں سے انتخاب کیا جاتا ہے اور چند یہاں کے بیرسٹر بھی ہوتے ہیں جو اپنی لیاقت اور خدمتگذاری کے صلہ میں جج ہائی کورٹ بنادئے جاتے ہیں۔ ہائی کورٹ میں ہر قسم کی اپیل ہوتی ہے۔ یہاں کا فیصلہ آخری مانا جاتا ہے۔ یہاں کی اپیل پریوی کونسل (PRIVY COUNCIL) کے علاوہ کہ جو لندن میں ہے اور کسی جگہ نہیں ہوسکتی۔ پریزیڈنسی کے شہر کلکتہ، بمبئی ومدراس میں "پریزیڈنسی کورٹ" ہوتے ہیں۔ جو شہر میں سشن جج کا درجہ رکھتے ہیں انکی اپیل بھی ہائی کورٹ میں ہوتی ہے۔ سندھ اور صوبۂ متوسط میں جوڈیشل کمشنر" کی عدالت اور اودہ میں چیف کورٹ" دیگر صوبوں کی ہائی کورٹ کا درجہ رکھتی ہے۔

کمشنری کے علاوہ محکمے ضلع وصوبہ میں چند ایسے محکمہ بھی ہیں جو ڈیپارٹمنٹ" کہلاتے ہیں۔ اور جن کی حکومت کا علیحدہ حاکم ہوتا ہے۔ جو سیدھا کونسل کے ممبر اور وزراء کے تحت میں ہوتا ہے اور کمشنر سے سوائے عندالضرورت معاملات کے اور کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ ان میں سے بڑے بڑے صیغے یہ ہیں۔

صیغۂ پولیس اس کا حاکم اعلیٰ انسپکٹر جنرل آف پولیس کہلاتا ہے۔ یہ تمام صوبہ کی پولیس کے اندرونی انتظامات وحکومت کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس کے تحت میں ہر ضلع کے سپرنٹنڈنٹ پولیس اور اس کے نیچے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ہوتے ہیں۔ ڈپٹی کے بعد انسپکٹر اور پھر سب انسپکٹر اور جمعدار اور سپاہی کا درجہ آتا ہے ایک تحصیلدار اور سب انسپکٹر پولیس حکومت میں درجہ کے لحاظ سے ہم پایہ ہوتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ چونکہ تحصیلدار کو مجسٹریٹی کے اختیارات بھی ہوتے ہیں۔ اس لئے اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ یہ صیغہ سیدھا ایگزیکٹیو کونسل کے ایک ممبر کے تحت میں آتا ہے۔ وزراء سے اسکو کچھ تعلق نہیں۔

صیغۂ طب وحفظان صحت اس کا افسر اعلیٰ "سرجن جنرل" کہلاتا ہے۔ اسکو صوبہ کی کل طبی ضروریات ہسپتالوں پاگل خانوں وغیرہ کا حاکم سمجھنا چاہئے۔ اس کے ماتحت "سول سرجن" اور "اسسٹنٹ" و سب اسسٹنٹ سرجن کام کرتے ہیں۔ اس صیغہ کا تعلق زیادہ تر وزراء سے ہے۔

صیغہ جنگلات یہ چیف کنزرویٹر آف فارلیسٹ کے قبضہ میں ہوتا ہے۔ اسکے نیچے کنزرویٹر رینجر وغیرہ ہوتے ہوتے ہیں۔ یہ بھی سیدھا سیکریٹری کے ذریعہ کونسل کے ممبر یا وزرار کے تحت میں کام کرتا ہے

وزرار کی خود مختار حکومت

سپرد کردہ محکمات کی تعداد زیادہ اور وزرار کی کم ہونے کی وجہ سے کئی کئی محکموں کی ذمہ داری ایک وزیر کے سر آپڑی ہے مثال کے طور پر پنجاب میں وزیر خود مختار مقامی حکومت حفظان صحت کا انتظام، وزیر زراعت انجنیری اور کو اوپریٹو کا کام اور وزیر تعلیم صنعت و حرفت کی ترقی کا بھی ذمہ دار ہوتا ہے۔

رعایات کا اثر رعایات کا جو اثر صوبہ کی حکومت پر پڑا اس کی ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ پہلے صوبہ کے تمام حکام کو گورنمنٹ خود مقرر کرتی تھی۔ اور ان کے تقرر و اخراج کے اختیارات اور انکی تنخواہ وغیرہ کا انتظام والسرائے کے دفتر سے ہوتا تھا۔ رعایات کے بعد جو محکمات وزرار" کے تحت میں آ ئے ان کے حکام کا تقرر بھی ان کے اختیار میں آگیا۔ اس طرح سررشتہ تعلیم وطب۔ زراعت و انجنیری اور جانوروں کے علاج کے محکمہ کے افسران کا تقرر صوبہ کی حکومت کی طرف سے وزرار کے ذریعہ ہونے لگا۔ اور ان کے اخراج و تنخواہ وغیرہ کے اختیارات بھی صوبہ کی حکومت کو مل گئے۔ عدالت و مجسٹریٹ کی طرف سے ڈپٹی مجسٹریٹ وغیرہ بھی صوبہ کے ملازم قرار پائے۔ بمبئی اور برما میں جنگلات کے حکام بھی صوبہ کے افسران میں گردانے گئے۔ اور یہ قریب قریب سب ہندوستانی مقرر کئے جانے لگے۔ صیغہ طب وحفظان صحت اور سررشتہ تعلیم میں وزرار نے بہت نمایاں اور ہمت افزا ترقی کی۔ ان محکموں میں جن کے افسر گو صوبہ میں کام کرتے ہیں۔ لیکن جنکا تقرر و اخراج و تنخواہ وغیرہ مرکزی حکومت کے اختیار میں ہے۔ ایک نمایاں تبدیلی یہ کی گئی کہ اس میں ہندوستانی افسروں کی تعداد بڑھایا جانا منظور کرلیا گیا۔ اور تخمینہ کیا جاتا ہے کہ آئی۔سی۔ ایس جنگلات و پولیس سروس میں دس برس کے اندر ہندوستانی افسروں کی تعداد انگریزی افسروں کی برابر ہوجائے گی۔ (پولیس میں تخمینہ ہے کہ یہ تعداد بیس سال میں ہوسکے گی۔) فی الحال ان ملازمتوں میں ایک تہائی اور ایک چوتھائی سے زیادہ ہندوستانی افسر نہیں ہیں۔

وزرار کے سپرد "مقامی خود مختار حکومت" کو ترقی دینے کی ذمہ داری بھی عائد کی گئی ہے۔ اس مقامی حکومت سے گورنمنٹ کا خیال ہے کہ ہندوستانی اپنے وسیع ملک پر حکومت کرنے کی عادت و قابلیت پیدا کرنے لگیں گے۔ اور عام رعایا کو حکومت کی سیاسی امداد اور اپنی ملکی و قومی ذمہ داری کے احساس کا سبق دیا جا سکیگا۔

مقامی خود مختار حکومت یہ شہروں میں "میونسپلٹی" اور دیہاتوں میں "ڈسٹرکٹ بورڈ" اور پریزیڈنسی کے بڑے شہر کلکتہ بمبئی و مدراس میں "کورپوریشن" کے نام سے مشہور ہیں۔

میونسپلٹی

سب سے پہلے کلکتہ اور مبئی میں آج سے ڈہائی سو سال پیشتر انگریزوں نے اپنے تجارتی مقامات کے انتظام کے لئے انگریز اور ہندی تجار کے ذریعہ میونسپلٹی قائم کی۔ جیسے جیسے انگریزی حکومت بڑہتی گئی اور بڑے بڑے شہر ان کے قبضہ میں آتے گئے۔ شہروں میں میونسپلٹیاں قائم ہوتی گئیں۔ آج سے تقریباً پچاس سال پیشتر میونسپل کے لئے ممبروں کے انتخاب کرنیکا حق عام رعایا کو ملگیا تہا لیکن سنہ ۱۹۱۸ء تک اس کا صدر ہمیشہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ (کلکٹر) ہوتا تہا۔ جو اپنے دوسرے حکومت کے ساتھ ساتھ میونسپلٹی کے کاموں پر بھی پورا پورا اختیار رکھتا تہا۔ سنہ ۱۹۱۵ء سے جب رعایات ملیں تو میونسپلٹی وزراء کے تحت میں دیدی گئی۔ اور اب اس کا صدر ممبروں ہی میں سے منتخب کیا جانے لگا۔ گورنمنٹ کو سوائے اشد ضرورت کے میونسپلٹی کے کام میں دخل اندازی کا کوئی حق نہ رہا۔ شہروں کی میونسپلٹیاں اور دیہاتوں کے ڈسٹرکٹ بورڈ اپنے شہر اور ضلع کے گاؤں کی تعلیم حفظان صحت وصفائی وغیرہ وغیرہ کا خود انتظام کرنے لگے۔ چنگی۔ گاڑی پانی۔ مکان حیثیت درآمد و برآمد وغیرہ پر مقامی ٹیکس ومحصول لگا کر روپیہ جمع کرکے اسکو رفاہ عام کے کاموں سڑکوں۔ پلوں۔ روشنی اور دیگر متمدن زندگی کی ضروریات پر خرچ کرنے لگے۔ مبئی وکلکتہ و مدراس میں کورپوریشن کی آمدنی دو اور تین کروڑ روپے سالانہ تک کی ہے۔ ان بڑے شہروں کے علاوہ تمام ہندوستان میں سات سو انچاس میونسپلٹیاں ہیں۔
گاؤں کی پنچایت اور اس کے اختیارات کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ یہ بھی ایک طرح کی خود مختار حکومت کی ابتدا اور "سوراج" کا پہلا زینہ مقرر کیا گیا ہے۔

سکریٹریٹ

میر منشی صاحبان کا دفتر کل صوبہ کے حکام خواہ وہ وزراء کے تحت میں ہوں یا ممبروں کے اپنے کام کی رپورٹ کو اپنے محکمے کے سکریٹری (میر منشی) کے سپرد کردیتے ہیں۔ چونکہ محکمے بہت سے ہیں اور میر منشی کم۔ اسلئے کئی کئی محکموں کا کام ایک میر منشی کرتا ہے۔ یہ میر منشی اپنے محکمے کی اونچ نیچ اور اندر و باہر سے کماحقہ واقف ہوتا ہے۔ یہ "مخصوص" محکمات کے معاملات کو ایکزیکیٹیو کونسل کے ممبروں اور سپرد کردہ حکومت کے مسائل کو "وزراء" کے روبرو پیش کرتے ہیں۔ سکریٹری گورنر سے بھی ملاقات کرتے ہیں۔ اور ضروری معاملات کی گورنر کو اطلاعات کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح یہ "سکریٹریٹ" صوبہ کے مقامی حکام اور گورنر کے مشیر حکام و وزراء کے درمیان کام کرتا ہے۔ اور گویا صوبہ کی حکومت کا دفتر ہوتا ہے۔ وزراء اور ممبروں کے احکام و فیصلے اور صوبے کے حاکموں کی ضروریات اور رپورٹیں تمام سیکریٹریوں کے ذریعہ آتی جاتی ہیں۔ چند محکمے جنکو "ڈیپارٹمنٹ" کہتے ہیں مثلاً پولس، طب و جنگلات وغیرہ سکریٹریٹ سے علیحدہ ہیں اور صرف ایک گورنمنٹ سکریٹری اور ممبر یا وزیر سے سیدہا تعلق رکہتے ہیں۔ سکریٹریوں کے محکمے اور ذمہ داریاں علیحدہ علیحدہ مقرر کی گئی

ہیں۔ مثال کے طور پر سکریٹری تعلیم۔ سیاسی سکریٹری وغیرہ وغیرہ ان سکریٹریوں کو "سکریٹری ٹو دی گورنمنٹ" کہتے ہیں۔ منسلک نقشہ ایگزیکٹیو کے محکمہ عدالت و تحصیل مجسٹریٹی و پولس، وطب وغیرہ کا خلاصہ ظاہر کرتا ہے۔ غور سے ایک نظر ڈالنے پر اس پیچیدہ سیاسی مشینری کا ایک حد تک اندازہ ہو جائیگا۔

سائمن کمیشن کی تجاویز

ایگزیکیٹو کونسل "سپرد کردہ" اور "مخصوص" محکمے نہ رہیں گے تمام صوبہ کی حکومت "وزرا" کے قبضہ میں ہونی چاہئے۔ یہ وزرا، گورنر کے مشیر کی حیثیت سے علیحدہ ایک مجلس قائم کریں گے جس کو "کیبی نٹ" (MINISTER CABINET) کہیں گے۔ اس کا صدر گورنر ہوگا۔ وزرار کا تقرر گورنر کریگا۔ پہلے ایک چیف منسٹر منتخب کیا جائیگا۔ پھر اس کی مدد سے جتنے وزرا ر گورنر چاہے گا۔ کونسل کے ممبروں میں سے چن لیگا اور جتنے چاہیگا حکام اور دوسرے لوگوں میں سے۔ لیکن لیجسلیٹو کو ان سب پر اختیار رہیگا۔ چند چھوٹے وزرار اور بڑھا دئے جائیں گے۔ گورنر کو ان معاملات کے علاوہ جنکا ذکر کونسل کے بیان میں کیا گیا ہے۔ اور ہر معاملہ میں اپنے وزرار کی رائے پر عمل کرنا لازمی ہوگا۔ اگر لیجسلیٹو جو وزرار کی ہر بات کی نکتہ چینی اور منظوری دینے والی جماعت ہوگی کسی معاملہ پر نامنظوری دیدے یا کسی ضروری خرچ کی اجازت نہ دے تو اس حالت میں اگر وہ غیر اختیاری اخراجات ہیں تو گورنر خود پاس کر دیگا۔ اور اگر اختیاری ہے تو یا تو پھر کونسل کو دوبارہ پاس کرنیکا موقع دیا جائیگا ورنہ وزرار اپنی مرضی سے کام چلائیں گے یا پھر وزارت" بدلدی جائیگی تا کہ لیجسلیٹو کی مرضی کی وزارت پیدا کرلیجائے کیبی نٹ کے جن اجلاس میں گورنر حاضر نہ ہوگا اس کے فیصلے کیبنٹ سکریٹری" گورنر کے پیش کریگا اور جن پر گورنر کو اعتراض ہوگا وہ پھر کیبی نٹ میں بحث کے لئے پیش کئے جائیں گے۔ اس طرح گویا تمام حکومت وزرار کے قبضہ میں ہو جائیگی لیکن وزرار کا تقرر گورنر کے قبضے میں ہوگا۔ وہ خواہ پبلک کے انتخاب کردہ ممبروں میں سے وزیر بنائے یا اپنی مرضی کے لوگوں میں سے لیکن وزراء کے انتخاب کے بعد ان کی رائے پوری قوت رکھے گی۔ اگر کونسل اور وزارت کبھی خود مختار حکومت کی اہلیت کا ثبوت نہ دے تو گورنر تمام معاملات اپنے قبضہ میں لے لیگا۔ اور خود ہی اپنے مددگار مقرر کرنے کا مختار ہوگا۔ باقی حکومت کی جس قدر مشنری ہے اپنی حالت پر قائم رہے گی صرف ہائی کورٹ کو صوبہ کی حکومت سے نکالکر مرکزی بنا دیا جائیگا۔

صوبہ کی ایگزیکٹیو حکمران مشنری

گورنر

ایگزیکٹیو کونسل (زیر تحت گورنر)

وزراء (خود مختار)

(سکریٹریٹ)

(پریوی کونسل لندن)

ڈیپارٹمنٹ

(بورڈ آف ریوینیو)

(محکمہ انتظامیہ و تحصیل)

(کمشنر)

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ (کلکٹر)

سب ڈویژنل مجسٹریٹ (ایس-ڈی-او)

تحصیلدار (مجسٹریٹ)

ڈپٹی و سب ڈپٹی مجسٹریٹ

(محکمہ عدالت)

فوجداری — دیوانی

جوڈیشل کمشنرز کورٹ — (ہائی کورٹ) — (چیف کورٹ اودھ)

چیف جسٹس و پوئینی جج

سیشن و ڈسٹرکٹ جج — (پریزیڈنسی کورٹ بمبئی - کلکتہ - مدراس)

(محکمہ فوجداری) — (دیوانی)

سب آرڈینیٹ جج

منصف

گاؤں کا مکھیا یا پنچایت

صیغہ پولیس: انسپکٹر جنرل، سپرنٹنڈنٹ، ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ، انسپکٹر، سب انسپکٹر، ہیڈ، سپاہی

صیغہ طب: سرجن جنرل، سول سرجن، اسسٹنٹ سرجن، سب اسسٹنٹ سرجن، کمپونڈر ڈریسر وغیرہ

جنگلات: چیف کنزرویٹر، کنزرویٹر، رینجر وغیرہ (RANGER)

چیف کمشنری کی طرز حکومت

یہ سب مرکزی حکومت کے قبضہ میں ہوتی ہیں۔ ان کا حاکم اعلیٰ چیف کمشنر کہلاتا ہے۔ اپنی مقامی حالت یا کسی اور کسی سیاسی وجہ سے یہ چھ چیف کمشنریاں قائم کی گئی ہیں۔ صوبۂ سرحدی ہندوستان کی شمال و مغربی سرحد اور افغانی حملوں کی روک تھام کی غرض سے ۱۹۰۱ء میں صوبۂ پنجاب کی حکومت سے نکال کر چیف کمشنر کے ذریعہ مرکزی حکومت کے قبضہ میں لے لیا گیا۔ بلوچستان ایک بالکل علیحدہ جگہ واقع ہونے کے لحاظ سے چیف کمشنری

بنایا گیا۔ اجمیر میرواڑہ گورنریوں سے بالکل جدا۔ راجپوتانہ کی ریاستوں کے درمیان واقع ہونے کی وجہ سے علیحدہ چیف کمشنر بنا دیا گیا۔ صوبہ آگرہ واودھ قریب ہے لیکن اجمیر میرواڑہ کے باشندے اس سے متحد نہیں ہونا چاہتے رعایات کا اثر اجمیر میرواڑہ پر صرف اس قدر پڑا کہ وہاں سے ایک ممبر انتخاب کرکے اسمبلی میں بھیجا جاتا ہے۔ یہ تینوں کمشنریاں چونکہ ریاستوں سے گھری ہوئی ہیں۔ اس لئے ان کا چیف کمشنر وائسرائے کا ایجنٹ ہی (اے جی جی) ریاستوں کے لئے ہوتا ہے اور اپنے اس عہدہ ایجنٹ ٹو دی گورنر جنرل" کے ذریعہ ریاستوں کے پولٹیکل ایجنٹ اور ریزیڈنڈٹس کی مدد سے ریاستوں کے بین الحکومت معاملات کی نگرانی کرتا رہتا ہے اور وائسرائے کے حضور ریاستوں کے مسائل کی جوابدہی کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ دہلی کی چیف کمشنری صرف اس لئے قائم کی گئی ہے کہ ہندوستان کے پایہ تخت کی حکومت کسی گورنری میں نہ رہے۔ کورگ نے چونکہ "ٹیپو" سلطان کے خلاف انگریزوں کا ساتھ دیا تھا۔ اس لئے صوبہ مدراس سے اہمیت دینے کے لئے جدا کمشنری قائم کرکے اسکو اپنی لیجسلیٹو کونسل تک قائم کرنیکا اختیار دیدیا۔ کالا پانی (انڈمین ونیکوبار) بالکل علیحدہ جزیرے ہونے کی وجہ سے ایک چیف کمشنری بنا دئے گئے۔ کیا آپ کالے پانی کے چیف کمشنر سے ہمدردی نہیں کرینگی کہ جو بلا قصور کالے پانی بھیجا جاتا اور وہاں رکھا جاتا ہے۔

صوبہ سرحدی اس صوبہ میں پانچ ضلع ایسے ہیں کہ جہاں برٹش قوانین جاری ہیں۔ اور پانچ ایسے جنکا انتظام برائے نام حکومت کے قبضہ میں ہے۔ یہاں کے قوانین بالکل مختلف ہیں۔ پولٹیکل ایجنٹ صاحب قریب قریب تمام معاملات پر حکومت کرتے ہیں۔ یہاں دیوانی وفوجداری کے معاملات کو طے کرنے کے لئے مقامی پنچایت جس کو جرگہ کہتے ہیں قائم ہے۔ یہ پٹھانوں کے "جرگے" تمام معاملات کو طے کرکے سزا وغیرہ بھی خود ہی تجویز کرتے ہیں۔ خون تک کے مقدمات وغیرہ کا فیصلہ اور چودہ سال تک کی سزا تجویز بھی پیش کرنیکا جرگوں کو اختیار ہے۔ یہاں کے پولٹیکل ایجنٹ کو سزائے موت تک کے اختیارات ہیں۔ یہاں نہ "رعایات" دی گئی ہیں نہ کوئی اور باقاعدہ حکومت کے طریقے ہیں پشاور میں ۱۹۲۷ء میں میونسپلٹی قائم کی گئی ہے۔ جسکا پریزیڈنٹ گورنمنٹ خود مقرر کرتی ہے۔ پولٹیکل ایجنٹ کے فیصلوں کی اپیل نہیں ہوسکتی ہے۔ امن وامان کے لئے معمولی پولیس کے علاوہ "سرحدی" پولس بھی رکھی گئی ہے

بلوچستان یہاں بھی "جرگے" حکومت کا کام کرتے ہیں۔ یہاں کا "عام جرگہ" سرحدی جرگہ کی طرح کام کرتا ہے لیکن ان کی ذمہ داریاں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مقرر کردیتا ہے۔ اس کے علاوہ اور قسم کے جرگے بھی وہاں ہیں۔ ایک "ضلع کا جرگہ" دوسرا "بین الاضلاعی" جرگہ تیسرا "مخصوص جرگہ" جو ملزم کی خواہش پر

بنایا جاتا ہے۔ اور ایک شاہی جرگہ جو کہ سال میں ایک دفعہ کل بلوچستان کے معاملات کا جو دوسرے قسم کے جرگوں میں طے نہ ہو سکے ہیں فیصلے کرتا ہے۔

اجمیر میرواڑہ اس کا پایہ تخت اجمیر ہے اور یہاں تمام گورنمنٹی قانون جاری ہیں۔ لیکن غیر آئین ضلع ہونے کی وجہ سے یہاں کی آئین سازی اور نفاذ قوانین مرکزی حکومت" کے قبضہ میں ہیں۔ یہاں کے مقدمات کی اپیل الہ آباد ہائی کورٹ میں ہوتی ہے۔

دہلی یہاں کا چیف کمشنر میونسپلٹی اور دسٹرکٹ بورڈ کے کاموں میں خاصہ حصہ لیتا ہے۔ اور کونسل آف سٹیٹ کا نامزد ممبر ہوتا ہے۔

کورگ یہ دوسری چیف کمشنریوں سے اپنی لیجیسلیٹو کونسل رکھنے کی وجہ سے ممتاز ہے۔ میسور ریاست کا ریزیڈنٹ یہاں کا چیف کمشنر اور اس کی کونسل کا صدر ہوتا ہے۔

کالا پانی یہاں کا چیف کمشنر جنم قیدیوں کی رہائش کی جگہ کو ایک "نوآبادی" بنانے کی تجویزوں میں مشغول ہے

ریاستوں کی حکومت

ریاست کی اندرونی حکومت خود مختارانہ اور مختلف ریاستوں میں مختلف پیمانہ پر ہے۔ ریاست کی پولیس فوج، عدالتیں وغیرہ علیحدہ ہوتی ہیں۔ پوسٹ اور ٹیلیگراف وغیرہ عموماً برٹش گورنمنٹ کے ہوتے ہیں۔ خارجی تعلقات کے انتظام کے لئے ریزیڈنٹ دپولیٹیکل ایجنٹ ہوتے ہیں۔ یہ حکام ریاستوں اور گورنمنٹ کے درمیان ایک اہم رشتہ قائم کرتے ہیں۔ گورنمنٹ کو شہنشاہیت کا حق حاصل ہے اور وہ حسب ضرورت ریاست کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی کر کے ایک والئے ریاست کو صلاح و مشورہ اور گدی تک سے اتار دینے کا حق رکھتی ہے۔

چیمبر آف پرنسیز "والیان ریاست کی کونسل" جب ہندوستان کو رعایات ملیں تو ریاستوں کے لئے اس کونسل کو بنائے جانے کی تجویز ہوئی۔ اس کے کل ایک سو بیس ممبر ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک سو آٹھ وہ والیان ریاست ہیں جو اپنی اہمیت و ریاست کی وجہ سے ممبر ہونے کا حق رکھتے ہیں۔ اور ایک سو ستائیس ریاستوں کو کل ۱۲ نمائندے منتخب کر کے بھیجنے کا حق ہے۔ صدارت وائسرائے کے ذمہ ہے۔ ایک چانسلر اور ایک پرو چانسلر ممبران میں سے انتخاب کیا جاتا ہے۔ ان نوابوں اور راجاؤں کی کونسل نے اپنے روزانہ عام کاروبار کے لئے ایک علیحدہ کمیٹی بھی قائم کر لی ہے جو چانسلر و پرو چانسلر کو ملا کر سات ممبروں کی ہے

یہ اس کونسل کا کام صلح و مشورہ بحث و مباحثہ اور ضروری مسائل پر تنقید و نکتہ چینی کے بعد گورنمنٹ تک پہنچاتی ہے۔ یہ مسائل قدرتی طور پر وہ ہوتے ہیں کہ جو ریاستوں کے اندرونی، باہمی اور گورنمنٹ کے تعلقات سے واسطہ رکھتے ہوں۔ اس کونسل کا ممبر ہونا والیٔ ریاست کی مرضی اور گورنمنٹ کی منظوری پر منحصر ہے۔

غیر متمدن حلقوں کی حکومت

ان کی حکومت کی طرز انوکھی ہے۔ ضرورت کے مطابق بنتے اور بگڑتے رہتے ہیں۔ انکی حکومت گورنر کے ذریعہ خود والسرائے کرتا ہے۔ کونسل وغیرہ کو اس حکومت میں دخل اندازی کرنیکا اختیار نہیں ہے۔ مدراس آسام وصوبہ متوسط یہ اپنا ایک نمائندہ کونسل میں بھیجتے ہیں۔ ان حلقوں میں بعض مقابلۃً ترقی یافتہ بھی ہیں جن میں گورنمنٹی قانون کا اجرا ہو سکتا ہے۔ اور بعض جگہ مثلاً صوبہ بہار و اڑیسہ میں وزراء کو بھی کچھ اختیارات ہیں۔

سائمن کمیشن کی تجاویز

(چیف کمشنریاں) صوبہ سرحدی میں لیجسلیٹو کونسل بنائی جائے۔ باقی تمام اپنی حالت پر رہیں صرف اپنے نمایندے مرکزی حکومت کی اسمبلی میں بھیجنے لگیں

(غیر متمدن اراضی) کچھ تو معمولی صوبوں میں ملادئے جائیں۔ باقی گورنر کے ذریعہ والسرائے کی حکومت میں رہیں۔

(ریاست ہائے ہند) یہ اگر چاہیں تو ہندوستان کی "فیڈرل" حکومت میں ایک خود مختار حصہ دار کی حیثیت میں شریک ہو سکتی ہیں۔ ایک ایسی مرکزی کونسل کا بھی قیام ہو سکتا ہے کہ جہاں ہندوستان کی عام پبلک اور ریاست کے نمایندے یا خود والیان ریاست ضروری معاملات پر بحث و مباحثہ کر سکیں گے۔

ہندوستان کی سیاسی تقسیم

(ریاستیں، چیف کمشنریاں وغیر متمدن حلقے)

(کپتان) نصیر الدین احمد

"ہائے"

یوں تو ہر طبقے نے ایک نہ ایک اوہام کو اپنا مرکزِ اعتقاد بنا لیا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جسقدر مذہبِ اسلام نے شرک و بدعت کو ممنوع قرار دیا ہے۔ اسی قدر ہندی مسلمان ہمسایہ قوم کی صحبت میں اس کے گرویدہ ہیں۔ اور ایسی ایسی عجیب وغریب چیزیں رائج کر لی ہیں کہ جن کے مفہوم پر اگر غور کیا جائے تو بجز جہالت کے اور کوئی پہلو نہیں نکلتا۔ لیکن میں نے دوچار تعلیم یافتہ خاندانوں میں بھی ایسی لغویات کا دخل دیکھا ہے۔ جس کی وجہ پر اگر توجہ کیجائے تو تربیت ہی کا نتیجہ نکلتا ہے۔ چنانچہ میرے پہچان والوں میں ایک صاحب ماشاءاللہ تعلیم یافتہ گریجویٹ ہیں اور ان کی بیگم صاحبہ کو بھی علمی شغف ہے۔ ایک روز میرے والد نے ذکر کیا کہ ان صاحب کے بچہ کے گلے میں ایک چاندی کا سکہ پڑا ہے جس پر ہندی میں لفظ "ہائے" کندہ ہے۔ میں ششش وپنج میں پڑ گئی کہ لفظ ہائے کو چاندی پر کندہ کرا کر گلے میں پہنانے کے کیا معنی؟ بار بار میرے دل میں یہی خیال آتا تھا۔ کیونکہ ابھی میری محدود معلومات لفظ "ہائے" کی وسعت تک نہیں پہنچی تھی۔ آخر میں نے اپنے دل میں خیال کر لیا کہ والد صاحب اچھی طرح نہیں پڑھ سکے ہوں گے۔ وہ لفظ ہائے نہیں بلکہ "ہری" ہوگا۔ جو ان کی ملازمہ نے پہنا دیا ہوگا۔ اور انہوں نے بھی ملازمہ کی دلشکنی کے خیال سے رہنے دیا ہوگا۔ لیکن میں انسانی فطرت کے مطابق شام کا بےچینی سے انتظار کرنے لگی۔ تاکہ میں خود جاکر دیکھوں مجھے معلوم ہو رہا تھا یا وہ دن غیر معمولی بڑا تھا۔ خدا خدا کر کے شام ہوئی اور میں ان صاحب کے ہاں گئی تو دیکھا کہ ایک پلنگ پر بچہ اونی کپڑوں میں لپٹا لپٹایا پڑا تھا میں نے جاتے ہی اٹھا لیا۔ اور مجھے بچہ کا گلا ٹٹولنا پڑا۔ میرے ہاتھ میں دس پندرہ نہیں تو سات آٹھ تعویذوں کی ایک حمائل آگئی۔ میری طرف بدقسمتی سے اندھیرا تھا۔ اسوجہ سے ذرا مشکل ہوئی لیکن وہ سکہ اس میں نظر نہ آیا میں نے دوبارہ ٹٹولا تو دوسری حمائل ملی جس میں کچھ چاندی جڑے ہوئے تعویذ تھے۔ اسی کے بیچ میں ایک کنڈے سے لگا ہوا سکہ نظر آیا جس کے جھڑے ہوئے گھنگرو اس کے "موروثی" ہونے کا ثبوت دے رہے تھے۔ میں نے بغور دیکھا تو واقعی ہندی میں بڑے الفاظ میں نہایت شان سے لفظ "ہائے" کندہ تھا۔ آخر میں نے بچہ کی والدہ سے پوچھ ہی لیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ "ہمارے بزرگوں کا عقیدہ ہے کہ یہ پہنانے سے ہائے نہیں لگتی" میں نے غم والم کرب واضطراب کے موقع پر لوگوں کو "ہائے وائے آہ۔ اُف" کرتے سنا تھا۔ لیکن گلے میں پہنانے کا مطلب میں اب بھی نہ سمجھ سکی اور بےساختگی میں میرے منہ سے

نکل گیا" ہائے نہ لگ جائے؟ انہوں نے فرمایا" تندرست بچوں کو نظر لگ جاتی ہے جسے دوسرے الفاظ میں ہائے لگ جانا بھی کہتے ہیں۔ اس لئے میری خوشدامن صاحبہ نے یہ پہنایا ہے" اب میں پوری طرح سمجھی۔ جب تعلیم یافتہ لوگوں میں یہ حال ہے تو ہم جہلا کو ہرگز مورد الزام قرار نہیں دے سکتے۔ مقام تاسف ہے کہ دوسری اقوام تو سائنس تہذیب و تمدن اور روشن زمانہ کی سہولتوں کی وجہ سے ہمارے مذہب سے فائدہ اٹھائیں اور ہم تمام بری باتیں اپنے طبقہ میں رائج کریں۔ خدا محفوظ رکھے۔ یہ ہے ہماری حالت۔

شرافت بیگم بنت محمد سعید خاں

زلزلہ کے لطیفے

کلکتہ میں شب کو زلزلہ ہونے کے سبب دو چار واقعات ایسے پیش آئے جن سے مجھے بیحد ہنسی آئی۔ میں نے سوچا عصمتی بہنوں کی تفریح کے واسطے لکھ بھیجوں۔

(۱) سینٹ جیمس کالج کے ایک کمرے میں تین چار بورڈر سو رہے تھے کہ یکایک ان لوگوں کی چارپائی نے جنبش کی ایک لڑکے کی نیند جاتی رہی اس نے مارے غصہ کے اپنے پاس والے کمسن لڑکے کو ایک طمانچہ اس زور سے رسید کیا کہ بیچارہ گھبرا کر رونے لگا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ زلزلہ ہے۔

(۲) دو انگلش لڑکیاں ایک کمرے میں سو رہی تھیں کہ یکایک پلنگ نے جنبش کی دونوں نے سمجھا کہ چور آیا بڑی بہن تو دوڑ کر پولیس کے پکارنیکو باہر گئیں۔ چھوٹی بہن جھٹ الماری کھول روپے اور گنی کا بکس نکالکر جسکو بیچاری نے اپنے پوکٹ منی سے جمع کیا تھا) باہر دوڑیں وہاں بھی وہی حالت تب سمجھیں کہ زلزلہ ہے۔

(۳) میں اور میری خالہ زاد بہن بیخبر سو رہی تھیں کہ یکایک پلنگ کے ہلنے سے میں نے نیند میں پوچھنا شروع کیا بہن کیسی طبیعت ہے تم کانپتی کیوں ہو کیا جاڑا معلوم ہو رہا ہے۔ جب اس نے کہا جی نہیں تب میں گھبرا کر اٹھ بیٹھی دیکھا کہ تمام چیزیں ہل رہی ہیں میں نے اس زور سے چیخکر کہا۔ اماں زلزلہ آرہا ہے کہ سب لوگ دوڑ کر انگنائی میں چلے گئے۔ صرف ہمارے والد نہ اٹھے کچھ دیر بعد میرے چھوٹے بھائی نے کہا" ابا کو نہیں جگایا۔ اسوقت تک زلزلہ ختم ہو چکا تھا۔ انہوں نے کہا" آج یہ حالت ہے خدا جانے حشر کے دن کیا ہوگا۔

(۴) ایک بہن کو مارے دحشت کے جو دہڑکن شروع ہوئی تو قریب مہینہ بھر کے رہی۔

(۵) چند بیبیاں چونکہ دو منزلہ میں رہتی تھیں اور مکان میں صحن نہ تھا پلنگ کی چادریں گھسیٹ کر سر پر ڈال سڑک پر جا کھڑی ہوئیں۔

مس رقیہ ایوب خاں

قدامت پرستی

بھائی عبدالحی صاحب عباسی نے جون ۳۰ ء کے عصمت میں " ہمارا تمدن خطرہ میں " کے عنوان سے ایک مضمون سپرد قلم فرمایا ہے جس میں مغرب کی کورانہ تقلید کی مذمت کی ہے۔ لیکن ساتھ ہی اپنے تمدن کے خطرہ کا اظہار کیا ہے۔ جس تمدن کی تباہی بھائی صاحب کو محض خطرہ میں نظر آتی ہے واللہ اعلم وہ کونسا تمدن ہے۔ اور کہاں ہے۔ ہمارا تمدن نہیں بلکہ ہر ملک کا تمدن وہ ہوتا ہے جو زمانہ کی موافقت کر کے غیر ملکی تاثرات کو قبول کر کے رنگ بدلتا رہتا ہے۔ اور وہی دراصل " ہمارا " ہے۔ بھائی صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ آرام و تکلیف کو نظر انداز کر کے لوگ فیشن پر مرے مٹتے ہیں۔ میری دانست میں ہم یہ کہنے کے ہرگز مستحق نہیں۔ خود دیکھ لیجئے کہ محض فیشن پرستی کی بدولت بڑے بڑے آدمی اپنے سر کے پٹھے نہیں کٹواتے تھے۔ اور اسی طرح تمام وہ لباس بھی ترک نہیں کرتے تھے جو سخت تکلیف دہ اور خراب تھا۔ قصہ مختصر فیشن کا ہر شخص دلدادہ رہا ہے اور رہے گا۔ آپ بھی اگر ان باتوں پر اعتراض کر رہے ہیں تو فیشن پرستی کی بنا پر وہ خواہ نیا فیشن ہو یا پرانا مگر فیشن ضرور ہے بغیر فیشن کے زندگی بیکار ہے۔ جو شخص دوسروں کو فیشن ایبل بتا کر ان پر اعتراض کر رہا ہے دراصل اس کا اعتراض فیشن پرستی پر مبنی ہے اور وہ خود پرلے درجہ کا فیشن پرست ہے۔

بال کٹانے کا معاملہ آج کل سب سے زیادہ قابل اعتراض کہا جا رہا ہے۔ کیوں جناب کیا میں عرض کر سکتا ہوں کہ یہ تو بہت ہی عمدہ چیز ہے۔ کیونکہ تمام تر فیشن کا مرکز بال ہی ہوتے ہیں۔ اگر جناب اس کے مخالف ہیں تو بسم اللہ۔ جب بال ہی نہ ہوں گے تو فیشن کہاں سے آئے گا۔ جتنے بھی آدمی آج کل عورتوں کے بال کٹانے کی مخالفت کر رہے ہیں وہ سب سے زیادہ فیشن کے دلدادہ نہیں بلکہ فیشن پرست ہیں۔ ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ ایسا بھی فیشن کیا کہ تکلیف اور آرام کا فیشن کے پیچھے کچھ خیال نہیں کیا جائے۔ اور پھر دوسری طرف یہ کہتے ہیں کہ بال نہ کٹاؤ۔ اگر انصاف سے دیکھئے تو جتنا آرام بال صفا کرا دینے میں ہے۔ اتنا بال رکھانے میں نہیں ہوتا۔ لہذا بال رکھکر تکلیف مول لینا اور وہ بھی محض فیشن کی بدولت کہاں کی عقلمندی ہے۔

بھائی صاحب موصوف کے جذبات کی قدر کرتے ہوئے میں اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بھائی صاحب نے جہاں تمام کارآمد باتیں اپنے مضمون میں لکھی ہیں وہاں مضمون سے قدامت پرستی کی بو بھی آتی ہے اگر واقعی ہمارا مسلک " خذ ما صفا و دع ما کدر " ہے جیسا کہ ہونا چاہئے تو سب سے پیشتر ہمیں اپنی عورتوں کے

بال کٹوانا [illegible] ایسی بات اگر کسی قوم کے فیشن میں ہو فوراً لے لینا چاہیے۔ اور بال کٹانے سے بہتر [illegible] اور کوئی دوسرا فیشن نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہم چونکہ سب سے پیشتر مسلمان ہیں۔ لہذا ہمارا فرض اولین یہ ہو گا کہ جو کام بھی ہم کریں۔ اس سے پیشتر سوچ لیں اور دیکھ لیں کہ ہمارا مذہب کیا کہتا ہے۔ لہذا آئیے ہم سب سے پہلے دیکھیں کہ اس بال کٹانے کے بارہ میں ہمارا پیارا مذہب کیا کہتا ہے۔

قرآن= جب ہم قرآن کریم کو دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس میں بال کٹانا ممنوع نہیں۔ لہذا از خود یہ فعل جائز ہوا۔

حدیث۔ سب سے پیشتر ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آیا نصاریٰ کی تتبع بالوں کے معاملہ میں کرنا کیسا ہے اس معاملہ پر روشنی صحیح مسلم کی ایک حدیث سے پڑتی ہے جس میں صاف لکھا ہے کہ حضور انور اپنے بال رکھنے میں عیسائیوں کی "پیروی" (یہ لفظ مترجم کا ہے) کرتے ہوئے کسی زمانہ میں سر کے آگے کے بال پریشان صورت میں ماتھے پر پڑے رکھتے تھے۔ اور مانگ نکالنا حضور نے بعد میں شروع کیا۔ لہذا یہ ثابت ہوا کہ مسلمان لوگ اگر بالوں کے معاملہ میں عیسائیوں کی پیروی کریں تو عین سنت رسول اللہ ہے۔

اب اس معاملہ کے طے ہونے کے بعد ہمکو دوسری احادیث دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ لیکن پھر بھی ناظرین کی دلچسپی کے لئے ذیل کی وہ مشہور حدیث نقل کرتا ہوں جس کی وجہ سے سال بھر ہوا۔ اردو اور انگریزی پریس میں میری بہت ٹانگ گھسیٹی جا چکی ہے۔

ابو سلمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم کی بیبیاں بال کٹاتی تھیں اور کانوں تک رکھتی تھیں۔ (صحیح مسلم) میں یہ نہیں کہتا کہ حضور کے ہاں کی سب مستورات کا یہی دستور تھا۔ کیونکہ دوسری احادیث سے صاف پتہ چلتا ہے کہ چوٹی بھی رکھی جاتی تھی۔ خود حضور کبھی بال کندھے تک رکھتے تھے۔ اور کبھی منڈوا ڈالتے تھے۔ لہذا کسی وقت اور کسی صورت میں بال بھی کٹے رہتے ہوں گے۔ یہ ابو سلمہ حضرت بی بی عائشہ کے محرم تھے لہذا ان کا بیان چشم دید ہے۔ اور اس سے زیادہ معتبر راوی مل نہیں سکتا۔ ایسی صورت میں کہ یہ حدیث موجود ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ جو عورتیں بال کٹائیں ان کو کافر اور مرتد کیوں بنایا جائے۔ ذرا انصاف سے دیکھئے کہ ہم فیشن پرست ہیں یا وہ جو بال رکھانے کے موئد ہیں۔ اب ذرا بال رکھنے کے نقصانات اور فوائد پر نظر ڈالئے۔

نقصانات۔ سب سے بڑا نقصان تو یہ ہے کہ ان بالوں کی پرورش پر لاکھوں روپیہ سالانہ ضائع کیا جاتا ہے۔ طرح طرح کے تیل ڈالے جاتے ہیں۔ اور یہ سب کیوں؟ محض اس لئے کہ جوؤں

کی پرورش کے لئے بہترین فارم کھولا جائے۔ روزانہ بہت کم دھوئے جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کا دھونا ایک وبال جان سے کم نہیں۔ لہٰذا اس بیکار چیز سے جسکو کہ چوٹی کہتے ہیں قمیص کی پشت خراب جاتی ہے۔ اور سر کی چکنائی سے تکیہ اور دوپٹہ میلا ہوکر مستقل طور پر ایک عجیب قسم کی تعفن دیتا ہے جس کے دماغ اس طرح عادی ہوجاتے ہیں کہ محسوس ہی نہیں کرتے۔ پھر جوئیں دیکھنے کا غلیظ مشغلہ کہ پکڑ پکڑ کر میدان ناخن پر قتل کیجاتی ہیں۔ پھر ملازمہ کا تو حال ہی نہ پوچھئے۔ ہنڈیا میں جھک کر دیکھتی ہے اور بھاپ لگ کر جوں مر کر ہنڈیا میں داخل ہوکر زیرہ کی کمی کو پورا کرتی ہے سر کھجاتی جاتی ہے۔ اور آٹا گوندھتی جاتی ہے۔ نہ غریب کو وقت ملتا ہے کہ سر کے کیڑے نکالے اور نہ پیسہ ملتا ہے کہ صابون اور سوڈے سے ہفتہ میں ایک دن تو سر دھو کر صاف کرے۔ ذرا غور تو کیجئے کہ ایک ملازمہ کی لڑکی کے سر میں سے ایک سو نواسی جوئیں ایک وقت میں نکلیں۔ ان سب گندگیوں پر غور کیجئے اور پھر اسپر غور کیجئے کہ یہ سب کچھ کیا جاتا ہے نہ اس وجہ سے کہ مذہب کہتا ہے بلکہ اس لئے کہ فیشن پرستی کیجائے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ بال کٹائے جائیں۔ کیونکہ دراصل بال تو نسوانی حسن کا جزو اعظم ہیں۔ اور انہی پر تمام تر حسن و فیشن کا دار و مدار ہے۔ اب ذرا بتائیے کہ فیشن پرستی میں کورانہ قدامت پسندی سے کون کام لے رہا ہے۔

فائدے: سب سے بڑا فائدہ تو صفائی کا ہے۔ اگر بیگم صاحبہ فیشن پرستی کو چھوڑ کر بال رخصت کردینگی تو ملازمہ بھی راضی ہوجائے گی۔ ورنہ وہ ہرگز ہرگز نہ تو خود کٹائے گی اور نہ اپنی لڑکی کے کٹائے گی ایسا کرنے سے ذرا جوئیں کم کھانے میں آئیں گی۔ صابون اور تیل کے اخراجات آدھے سے کم رہجائیں گے اور یہ کفایت بیگم صاحبہ اور ان کے بچوں کے کام آئیگی۔ ایک کنگھا اور برش برسوں چلیگا۔ جوؤں کے نکالنے اور بالوں کی گتھی سلجھانے میں جو وقت ضائع ہوتا ہے۔ اگر صرف اتنا ہی وقت چرخہ پر اگر کہیں صرف ہوجائے تو ہندوستانیوں کی فتح ہے۔ گتھیاں پڑ پڑ کر جو سر کی گندگی سے ٹوٹے ہوئے بال دوسرے بالوں میں چپکے رہجاتے ہیں وہ روزانہ کھانے میں نہ آئیں گے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ نوالہ میں بال تھا جب اسے نگل گئے۔ تب ہونٹھ پر بال سرسرایا۔ پکڑ کر گھسیٹتے جو ہیں تو حلق میں گدگدی کرتا ہوا شیطان کی آنت کی طرح چلا آرہا ہے۔ اور بہت دھیرے دھیرے کھینچا جا رہا ہے تاکہ کہیں کمبخت ٹوٹ نہ جائے۔ خوش عقیدہ تنے ہیں کہ سوچ لیتے ہیں کہ اس کے ساتھ کوئی جوں نہ تھی۔ تعجب ہے کہ ایسا ہونے پر بھی اس نامراد فیشن کو نہیں چھوڑتے۔ اب ذرا ان تمام باتوں پر غور کیجئے اور انصاف کیجئے کہ بال کٹوانا کہاں تک مفید ہے۔

بدقسمتی سے اگر ایک طرف ایک فرقہ کورانہ تقلید پر تلا ہوا ہے تو دوسرا کورانہ تائید پر تلا ہوا ہے۔ اگر ایک طرف یہ ہے کہ ہر نئی چیز باعث رحمت ہے تو دوسری طرف والے ہر نئی چیز کو ذلت سمجھتے ہیں۔ جبتک یہ افراط

تفریط نہیں جائیگی اور تعصب نہیں جائے گا۔ اسوقت تک کوئی مفید کار بات نہیں ہو سکتی۔ سب سے بڑی مصیبت ایک اور ہے اور وہ یہ کہ اگر کسی نے فیشن کو چھوڑنے کی نیت سے بال کٹائے تو اسپر الزام یہ کہ یہ بھی فیشن ہے اگر سر گھٹا دیا جائے تب بھی کہا جائیگا کہ یہ بھی فیشن ہے جنکو فیشن سے جلن ہے اُن سے میں کہتا ہوں کہ آئیے اس فیشن کی جڑ یعنی بالوں کو ہی کاٹ ڈالیں۔ کیونکہ قدیم اور جدید دونوں فیشنوں کا دار و مدار تمامتر اسی پر ہے اور ان کے کٹنے سے فیشن کی جڑ ہی مٹ جائیگی۔ مگر اس کا جواب کیا ہے کہ جب ایسا ہوگا تو لوگ کہدیں گے یہ بھی فیشن ہے۔ دوسرا قصہ پوشاک کا ہے۔ اس میں بھی بھائیصاحب انتہا سے زیادہ مبالغہ چاہتے ہیں۔ ان کو یہ بھی گوارا نہیں کہ آدھی آستین کی قمیص یا جمپر عورتیں پہنیں۔ بھائیصاحب لکھتے ہیں کہ "یہ صرف خیال ہی خیال ہے کہ بال کٹا ہوا سر اونچی فراک و جانگیا و موزہ میں لڑکیاں زیادہ خوبصورت معلوم ہوتی ہیں"۔ یہ تو صرف خیال رہا اب کچھ واقعہ بھی ہوگا جسکو ہم ٹھوس حقیقت یا اصلیت کہہ سکیں گے۔ وہ آخر کیا ہے اور کہاں ہے؟ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ وہ کیا ہے۔؟ میری دانست میں شاید حقیقت اور اصلیت یہ ہے کہ پانچ برس کی لڑکی کے آٹھ جگہ کان چھدے ہوں۔ اس میں ڈہائی تولہ سونا لٹک رہا ہو۔ ناک میں نتھنی اور بلاق ہو۔ مجنوں کا سا نیچا کرتہ پہنے ہو۔ اور چھا بڑ جھلا ڈیڑہ ڈیڑہ ہاتھ چوڑے پائچے کا غرارہ (یا غیارہ یا زیلپن) دار پہنے ہو۔ اور سر کے چھوٹے چھوٹے بالوں میں سڑا ہوا سیاہ رنگ کا مباف ڈالکر مصنوعی چوٹی بنی ہو۔ دونوں ہاتھ سے دوپٹہ سنبھال کر ناک سڑکتی جاتی ہو۔ گلا ایک تنگ و تاریک کالر سے گھٹا ہوا اور قمیص کی آستین کلائی کے گٹے تک آکر تمام خربوزہ اور آموں میں بھری ہوں۔ اگر دوڑنا چاہے تو پائچے میں الجھ کر دہم سے گریں۔ کیوں حضرت کیا یہی اصلیت ہے اور وہ محض خیال ہی ہے۔

ان دونوں میں اگر فرق معلوم کرنا ہو تو میونسپلٹی کے موت کے رجسٹر کو دیکھو۔ ایسی لڑکیاں جوانی کو پہنچکر دق کا شکار ہوتی ہیں۔ اور جانگیا اور بوٹ پہننے والیاں چھوٹی عمر میں خوب دوڑنی بھاگتی ہیں۔ نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ ان کے لڑکے کوہ ہمالیہ کی چوٹی پر پہنچتے ہیں۔ رہ گئی برہنگی اور بیحیائی تو وہ واقعی قابل نفرت ہے۔ لہذا دونوں طرف کی انتہا پسندی پر لعنت بھیجیے۔ کیونکہ ان دو راستوں کے علاوہ ضرور کوئی تیسری راہ بھی ممکن ہے۔ اور یہ نہایت آسان ہے کہ مغربی کپڑوں کو آسانی سے اپنی ضروریات کے موافق مشرقی کر لیا جائے۔ اور وہ اصل کر لیا ہے۔ ہندوستان بھر میں کیا کوئی عورت ایسی بتائی جا سکتی ہے جس نے مشرقیت کو چھوڑ کر سولہ آنے مغربی لباس اختیار کر لیا ہو۔ میں نے تو کسی کو نہیں دیکھا۔ اگر کوئی ایسا کرے اور کر کے اپنی حدود سے تجاوز کرے۔ جب آپ کا اعتراض بجا ہے۔ ورنہ نہیں۔ آج کل ہم اس کا رونا رو رہے ہیں کہ مغربی لباس ایسے نہیں جن میں گریبان اور گلا کھلا رہتا ہے۔ اور نصف پشت کا حصہ بھی کھلا رہتا ہے۔ میں یہ

کہتا ہوں کہ اب سے پچاس برس پہلے ہندوستانیوں کا بھی قومی لباس ایسا ہی تہا۔ اور اب بھی ہے۔ پھر اس کے
علاوہ حضور اکرم کے زمانہ میں بہی لباس ایسا تہا کہ قمیصوں کے گریبان اس طرح کھلے رہتے تھے کہ گردن کے نیچے کا
حصہ اور پیٹھ کھلی رہتی تھی۔ اس کی روک تھام حضور نے قطعی نہ کی۔ کیونکہ کپڑے کے معاملہ میں کوئی خدائی حکم اگر آجاتا تو
اور اس میں رخصت نہ ہوتی تو بوجہ کم مائگی کے دن رات خلاف ورزی قرآن کرتے گزرتی۔ لہذا اس بارہ میں جو خدائی
حکم نازل ہوا وہ یہ تھا کہ اپنے دوپٹے کے آنچل گریبانوں پر عورتیں ڈال لیں۔ مگر غور کرنے کی بات ہے کہ قمیصوں کے
گریبانوں کی کتر چھانٹ پر خدا اور اس کے رسول نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اور عورتیں بدستور ویسی ہی قمیصیں
پہنا کیں جنکا رونا آج ہم رو رہے ہیں۔ دراصل علاج اس کا شرم وحیا کی تلقین تہا جو اس زمانہ میں کیا گیا اور
یہی اب بھی ہونا چاہیئے۔ بجائے اس کے کہ الٹے سیدہے لباس پر اعتراض کئے جائیں اور وہ بھی محض اپنی فیشن
پرستی کی وجہ سے کہ ہائے ہمارا پرانا فیشن چھوٹا جا رہا ہے اور دنیا ہمارے فیشن کی تقلید نہیں کرتی۔ اگر مغربی
یا مشرقی لباس کرکے کہا جائے کہ ان میں سے کونسا ساتر ہے اور کونسا غیر ساتر۔ تو یہ کہنا غلط ہوگا۔ کیونکہ دونوں
لباسوں میں اس قسم کے لباس موجود اور مستعمل ہیں جو برہنگی کو مات کرتے ہیں۔ ٹھیٹ ہندوستانی لباس ہی
برہنگی کے معاملہ میں یورپ کے بدترین نیم برہنہ لباس سے بڑھ چڑھ کر ہو سکتا ہے۔ کبھی کسی کی زبان سے نہیں
نکلتا کہ تمام وہ ہندوستانی لباس بھی خراب ہیں جو صحیح معنوں میں ساتر نہیں ہیں۔ دراصل اپنی فیشن پرستی
کی وجہ سے تمام تر لوگ مغربی لباسوں کی مذمت پر تلے ہوئے ہیں۔ بہت معمولی کوشش سے مغربی لباس
کی خوبیاں لیکر ہمارے لباس مغربی ہونے پر بھی ساتر ہو سکتے ہیں۔ اگر تعصب سے کام لیا جائیگا۔ اور کہنی
[illegible] ہاتھ بھی نہ کھولنے کی تلقین محض اس بنا پر کیجائے گی کہ مغربیت ہے تو خواہ مخواہ کی افراط و تفریط پیدا ہو کر
صورت حال بد سے بدتر ہو جائیگی۔ ہمیں دراصل مغربیت کی ضرور تقلید کرنی چاہیئے۔ اور کورانہ انکار سے
کام نہیں چلیگا۔ کیونکہ مغرب والے ہم سے عقل و دولت اور فہم غرض ہر چیز میں آگے ہیں اور ان کی سمجھ بوجھکر
اگر ہم تقلید کریں گے تو فائدہ ہوگا۔ مگر اس سے یہ مطلب میرا ہرگز نہیں کہ میں کورانہ تقلید کرانا چاہتا ہوں۔
محض قدامت پرستی کی وجہ سے مسلمانوں نے برسوں سائنس اور فلسفہ جدید سے کنارہ کیا۔ اور محض قدامت پرستی
ہی کی وجہ سے اب ہر چیز خواہ اچھی ہو یا بری اگر مغربی ہے تو اس میں کانٹے نظر آرہے ہیں۔ اگر مغربیت سے
ہم اس بری طرح بھاگیں گے جس طرح کہ ہم سے کہا جا رہا ہے تو ہم فنا ہو جائیں گے۔ کیونکہ تمام علم و ہنر کا منبع ہی
آج کل مغرب بنا ہوا ہے۔ اور دراصل مغرب کی خرابیاں ہی ہمارے لئے باعث نصیحت ہو سکتی ہیں۔ مشرق
اور مغرب کی بحث کو چھوڑ کر لباس اور فیشن کے بارہ میں کوئی معیار قائم کیجئے۔ مگر کچھ بھی ہو خدا کے واسطے

جب تک کہ ہندوستان مفلس ہے۔ اسوقت تک کے لئے تمام جدید و قدیم فیشن پرستی کی جڑ یعنی عورتوں
بالوں کو رخصت کردیجئے۔ مجھے یقین ہے کہ فیشن کی دلدادہ بہنیں میرا یہ مضمون پڑھکر برافروختہ ہوکر میرے
سر یہ الزام تھوپیں گی کہ یہ خود فیشن پرست ہے۔ اور در پردہ نئے فیشن کا حامی ہے۔ اور بابڈ ہیر BOBBED HAIR
کی تبلیغ کر رہا ہے جس سے مجھے قطعی انکار نہیں کیونکہ جتنا حق کسی اور کو کسی خاص فیشن کے بارہ میں حاصل ہے اتنا ہی
دوسرے کو کسی دوسرے فیشن کے بارہ میں ہونا چاہیئے۔

مرزا عظیم بیگ چغتائی - (بی اے ایل)

مرزا عظیم بیگ صاحب کا یہ مضمون ابھی مسلمانوں کا ایک فریق قدامت پرستی کی طرف شدت سے راغب ہے
بادی النظر میں کچھ زیادہ وقیع نہیں معلوم ہوتا۔ مگر حقیقتاً جو دلائل مرزا صاحب نے پیش کئے ہیں وہ قریب قریب
تمام معقول ہیں۔ اور حق رکھتے ہیں کہ ہر معقول پسند دماغ اس رائے پر سنجیدگی سے غور کرے۔ معاشرت
میں کسی نئی رسم کا رواج ہمیشہ متنازع رہا ہے۔ خواہ وہ کتنی ہی ضروری اور لازمی کیوں نہ ہو۔ چونکہ یہ فطرت
انسانی ہے اسلئے مرزا صاحب کی تجاویز سے متفق ہوجانے کے بعد بھی آسانی سے ممکن نہیں کہ مسلمان ان کی
رائے پر عمل شروع کردیں۔ مسلمانوں کا یہ مرض روز بروز ترقی کر رہا ہے کہ وہ اپنی ہر بحث میں خواہ اس کا مذہب سے
ذرہ بھر بھی تعلق نہ ہو۔ قرآن وحدیث کا حوالہ ضرور دیدیتے ہیں۔ مرزا صاحب کے طرز تحریر کا جہانتک ہم نے مطالعہ
کیا ہے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس مضمون میں مرزا صاحب اس طرف صرف اس لئے گئے ہیں کہ ان کا تخاطب ایسی
ہی جماعت سے ہے۔ مگر ہماری رائے میں اس چیز نے مرزا صاحب کے دلائل کو کچھ زیادہ قوی نہیں کیا۔ مرزا
صاحب جو کچھ فرمارہے ہیں کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان اسپر غور نہ کریں۔ اور اگر جواب اتنا ہی معقول ہو تو نہ دیں۔
اور اگر مضمون اتنا ہی صحیح ہو تو کوئی سبب نہیں کہ شائع نہ کیا جائے۔

ہم اس بحث کو اپنی بہنوں پر چھوڑتے ہیں کہ وہ اس مضمون کو غور سے پڑھیں اور جس سنجیدگی سے مرزا صاحب
نے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے اسی طرح اس کی تائید یا تردید کریں۔ ہاں ہم کو مرزا صاحب سے ایک بات کہنی ہے
اور وہ یہ کہ حسن کا معیار مختلف ممالک میں مختلف ہوتا ہے کہیں بڑے دانت خوبصورت سمجھے جاتے ہیں۔ کہیں
چھوٹے کہیں موٹے ہونٹ پسندیدہ ہیں۔ کہیں پتلے۔ پس کیا مرزا صاحب اپنی اس پرانی مثل پر چند لمحہ کے واسطے
توجہ فرما سکتے ہیں کہ جس کو پیا چاہے وہی سہاگن۔ اگر شوہر بڑے بالوں کو پسند کرتا ہے تو بیوی بڑے بال رکھے
اور چھوٹوں کو پسند کرتا ہے تو چھوٹے۔

یہ ہم صرف اپنا خیال ظاہر کرتے ہیں اگر ضرورت ہوئی تو ہمارا قطعی فیصلہ فریقین کے مضامین کی اشاعت کے بعد ہوگا۔

اڈیٹر

دھوبی کھڈ کی سیر

یہ مقام ہمارے گھر سے کچھ زیادہ دور نہیں ہے۔ وہاں جانے میں ہمیں کچھ دقت نہیں اٹھانی پڑتی جب جی چاہتا ہے ان پرلطف مناظر کی سیر کر لیتے ہیں۔

ایک مرتبہ میری نہایت عزیز ملاقاتی بہنیں سہ پہر کی چائے پر ہمارے ہاں تشریف لائی ہوئی تھیں۔ سب کی رائے ہوئی کہ چائے سے پیشتر دھوبی کھڈ کی سیر کر آئیں۔ چنانچہ ہم لوگ برقعے اوڑھ پہاڑوں میں سے ہوتے ہوئے اس طرف کو روانہ ہو گئے۔ ماہ نومبر کے آخر میں جبکہ خزاں کا دور دورہ ہر جگہ شروع ہو جاتا ہے۔ بچھڑی کے پہاڑ اس سے مطلق اثر پذیر نہیں ہوتے۔ یہی وجہ تھی کہ ہم سرسبز و شاداب پہاڑوں کے مناظر کا لطف اٹھاتی ہوئیں دھوبی کھڈ کی طرف جا رہی تھیں۔ چونکہ جاتے وقت اترائی تھی بغیر کسی قسم کی تکان محسوس کئے ہم لوگ منزل مقصود تک پہنچ گئے۔

دھوبی کھڈ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہاں آبشار کی طرح پہاڑ سے پانی گرتا ہے جس جگہ سے پانی گرتا ہے اسکی بلندی تقریباً بیس پچیس گز ہوگی۔ آگے نالی کی طرح پانی بہتا ہوا کچھ فاصلے پر جا کر ایک دوسرے آبشار کی صورت میں چھ سات گز نیچے گرتا ہے وہاں سے بہتا ہوا آگے نکل جاتا ہے۔ چونکہ یہاں پر دھوبی لوگ کپڑے دھوتے ہیں اور بھٹی وغیرہ بھی یہیں چڑھاتے ہیں۔ اسلئے یہ مقام دھوبی کھڈ کے نام سے مشہور ہے۔ پس ہم پہلے آبشار کو طے کرتے ہوئے دوسرے آبشار پر پہنچیں۔ آہ کیا دلکش منظر تھا۔ چاروں طرف ہرے بھرے درخت اسپر پانی کی دھن دھنانی مگر سریلی آواز کانوں میں ایک شیریں نغمہ پیدا کر رہی تھی ہم لوگ دنیا و مافیہا سے بے خبر ایک محویت کے عالم میں اس گڑھے کے کنارے جسپر پانی کی دھار گرتی ہوئی آگے کو نکل جاتی ہے بیٹھی ہوئی تھیں ہماری نگاہیں پانی میں کھیل رہی تھیں اسوقت ہم میں سے ہر ایک کے چہرے فرط مسرت سے کھلے جاتے تھے اور ہمارے روحانی انبساط کا پتہ دے رہے تھے گویا رنج و غم سے کبھی کوئی واسطہ ہی نہیں پڑا۔ درحقیقت قدرتی مناظر میں وہ لطیف شے موجود ہے جو مغموم سے مغموم انسان کو محو حیرت بنا کر قرب و جوار کے تمام رنج و آلام سے ناآشنا کر دیتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ہم نے بھی اپنے تمام تفکرات کو اسی بہتے ہوئے پانی کی لہروں کے ساتھ بہا دیا ہے اسوقت ہم پر ایک رقت سی طاری ہو گئی تھی۔ کیا اچھا معلوم ہوتا ہے یہ منظر واٹر فال (بچھڑی کی ایک دوسری سیرگاہ کا نام) سے زیادہ دلکش اور دلربا ہے۔ میری سہیلی نے للچائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ کر کہا گو یہ بات غلط تھی کیونکہ واٹر فال کی دلربائی ایک علیحدہ چیز ہے۔ تاہم مناظر قدرت کا لطف اٹھاتے ہوئے میں نے اسکی تائید کی کیونکہ مجھے اسکی بات صحیح معلوم ہوئی۔ لیکن آہ اس روحانی مسرت اور حقیقی سکون کا سلسلہ اسوقت ٹوٹا جب ہمیں ضروریات نے واپس لوٹنے پر مجبور کیا۔ میں چونک گئی! اور ہم میں سے ہر ایک ایک دوسرے کا منہ تکنے لگی۔ بالآخر مجبوراً ناچار حسرت بھری نظر ڈالتی ہوئی واپس لوٹیں۔ ابھی زیادہ فاصلہ طے نہیں کیا تھا کہ ہمارا ایک ایک پاؤں ایک ایک من وزن کا ہو گیا اور ٹانگیں چلنے سے جواب دینے لگیں۔ شاید ان لطیف مناظر کو چھوڑنا انہیں بھی ناگوار گذرا ہو۔ ہمیں تکان بہت زیادہ محسوس ہوئی اور ہم سب نے راستہ میں جا

دوسری شادی

جمالِ ہمنشیں حصہ دوم یعنی محترمہ خاتون اکرم جنت مکانی کے مختصر افسانوں کا شا... ستان خاتون" جس کا دسمبر
کے پرچہ میں اعلان ہوا تھا شائع ہو چکا ہے۔ آج ہم نہایت مسرت سے اس کا ایک افسانہ اس پرچہ میں ... ے ہیں تاکہ جنت مکانی کی زندگی میں
عصمت جن بیبیوں کی نظر سے نہیں گذرتا تھا یا جنھوں نے مرحومہ کی بے نظیر تصانیف کا مطالعہ نہیں کیا وہ بھی اندازہ کر سکیں کہ گلستان خاتون
کس قدر بلند پایہ افسانوں کا قابلِ قدر مجموعہ ہے۔ "اڈیٹر"

نو بجے رات کو پائیں باغ میں نیلے آسمان۔ روشن ستاروں اور چمکدار چاند کی صاف ستھری چاندنی میں زرینہ کبھی اپنی مہتابی پر لیٹتی کبھی اٹھکر اپنے پر فضا باغ کی روشوں پر ٹہلنے لگتی۔ کسی پھول کو توڑ کر بستر پر پھینکدیتی۔ کسی کو توڑ کر جوڑے میں لگا لیتی۔ کسی کی پتیاں نوچ نوچ کر الگ کر دیتی۔ ڈالیوں کو زور شور سے ہلاتی۔ کلیوں کو چھوتی۔ اور انگلیوں سے دبا کر انہیں زبردستی کھلانا چاہتی۔

وہ انہیں شرارتوں میں مصروف تھی کہ پھاٹک کی طرف سے آہٹ معلوم ہوئی۔ جلدی سے ایک گلاب کو توڑ کر ایک درخت کی آڑ میں ہو گئی۔ برقع میں لپٹی لپٹائی عورت جونہی قریب پہنچی وہ پھول کھینچ مارا۔ وہ غریب چونک پڑی اور تعجب کی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ دو تین آوازیں بھابی بھابی کر کے دیں مگر سوائے خاموشی کے اور کچھ جواب نہ ملا۔ تو یہ کہکر "نہ معلوم کہاں غائب ہو گئیں" برقع اتارنے لگیں۔ زرینہ نے چپکے چپکے دبے پاؤں پیچھے سے آکر آنکھیں بند کر لیں زرینہ کی نند زبیدہ نے کہا "بھابی ہیں" زرینہ نے ہاتھ ہٹا لئے اور دونوں نند بھاوجیں بیٹھ گئیں۔

زرینہ "میں نے تمہارے آتے ہی اتنا بڑا گلاب بطور تحفہ پیش کیا۔ مگر تم بڑی احسان فراموش ہو۔ تم نے اس کو اٹھا تک بھی نہیں"

زبیدہ "واہ خوب اچھی قدر کی۔ میں تو اتنی رات گئے اتنی دور سے اپنی نیند خراب کر کے آئی کہ چلو کئی دن ہو گئے ملاقات نہیں ہوئی۔ مل آؤں۔ یہاں آتے ہی بات نہ چیت۔ سلام نہ دعا۔ مصافحہ نہ مزاج پرسی۔ الٹی مار کھانی پڑی کب کا بدلہ لیا۔ اور کہاں کا قاعدہ نکالا۔ مہمان نوازی کوئی تم سے سیکھ جائے۔ میرے تو شانے میں درد ہونے لگا اتنے زور سے پھول لگا۔

زرینہ۔ معلوم ہوتا ہے کہ دشمنوں کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ ڈاکٹر کو بلوانا پڑا۔ مگر اتنی رات گئے تو وہ آنے سے رہے۔ صبح بلواؤں گی۔ خیر صاحب ٹوٹنا بھی میں ہی سہ لوں گی

زبیدہ:۔ ایسا چکمہ کسی اور کو دیجئے۔ میں ان باتوں میں آنے والی نہیں ہوں اپنے ہی گھر علاج کرا لوں گی۔

زرینہ:۔ ہاں بھلا تم میاں کو چھوڑنے والی ہو خبر نہیں کہ اتنی دیر بھی کس طرح ٹھیری ہوئی ہو۔"

زبیدہ:۔ (ہنس کر) ور کیا ہاں! کہو زہرہ۔ ثریا اور شکیلہ وغیرہ آئیں تھیں؟ مجھے ملے تو ایک ہفتہ ہو گیا۔"

زرینہ:۔ ہاں پرسوں آئی تھیں۔ زہرہ کے میاں اپنی رخصت ختم کر کے ملازمت پر چلے گئے۔ اس لئے کچھ الجھی سی تھیں۔ میں نے خوب مذاق اڑایا اور سب کو ہنساتے ہنساتے لٹا دیا۔"

زبیدہ:۔ "تمہیں ایسی ہی باتیں سوجھا کرتی ہیں۔ متانت و سنجیدگی تو تم میں ہے ہی نہیں اس کا ذرا خیال نہیں کہ کوئی برا نہ مان جائے۔ تمہیں تو ایک بات مل جائے ہنسنے ہنسانے سے کام۔"

زرینہ:۔ اونھ تم یونہی کہا کرتی ہو۔ کوئی برا مان کر میرا کیا بگاڑے گا۔ اپنے گھر خوش رہے گا۔"

زبیدہ:۔ تو میں بھی بگڑ گئی۔ اب اپنے گھر جا رہی ہوں۔"

زرینہ:۔ واہ اور کچھ نہیں تو اسی بہانے گھر جانے کا ذکر شروع کر دیا۔ بڑی ہوشیار ہو آج رہ جاؤ۔ کل چلی جانا۔

زبیدہ:۔ نہیں بھابی کل مجھے ضروری کام ہے۔ اس لئے نہیں رک سکتی۔ آج جانے دو پھر کسی دن آؤں گی تو اطمینان سے رہوں گی۔ ایلو وہ گیارہ بج رہے ہیں۔" (کھڑے ہو کر) اچھا خدا حافظ۔"

(۲)

انسان سوچتا کچھ ہے نکلتا کچھ ہے۔ کرتا کچھ ہے ہوتا کچھ ہے اور۔ یہ کسے معلوم تھا کہ ایک ذرا سی بات لبس کی گانٹھ ہو جائیگی۔ اور یہ مذاق اصلیت کا پہلو اختیار کر لیگا۔ بھولی لڑکی کو خبر نہ تھی کہ بعض اوقات ہنسی میں بھی رونا ہو جاتا ہے۔

زرینہ۔ ایک نادان۔ بھولی۔ ہنس مکھ اور پر مذاق لڑکی تھی۔ اس کی ہر بات میں ظرافت کا رنگ جھلکتا۔ ہر حرکت میں چلبلا پن اور ہر کام میں شوخی ہوتی تھی۔ اس کو خدا نے اپنی عنایت سے وہ سب چیزیں عطا کی تھیں جو ایک خوش نصیب عورت میں ہونی چاہئیں۔ شفیق ماں باپ۔ قدردان ساس سسرے۔ چاہنے والا شوہر محبت کرنے والے رشتہ دار۔ دولت۔ عزت۔ حکومت غرض سب چیزیں میسر تھیں۔ وہ ماں باپ کی نیک بیٹی۔ شوہر کی غمگسار بیوی۔ ساس سسروں کی فرمانبردار بہو اور رشتہ داروں کے پورے حقوق ادا کرنے والی بہمہ صفت موصوف لڑکی تھی۔ تحصیلدار صاحب اس سے خوش تھے۔ اور برابر اپنی ملازمت پر ہمراہ رکھتے تھے۔ خوش قسمتی سمجھو یا اتفاق کہ زبیدہ کے میاں خورشید جو نائب تحصیلدار تھے۔ وہ اور جمشید دونوں ایک ہی تحصیل میں ملازم تھے۔ ان نند بھاوجوں میں ملنے کا اتفاق اکثر ہوتا رہتا تھا۔ دونوں میں بیحد محبت و یگانگت تھی۔ چونکہ جمشید و خورشید دونوں سالے بہنوئی روشن خیال اور انگریزی تعلیم یافتہ تھے عورتوں کی عزت و وقعت ان کی نظروں میں تھی

س آزادی دے رکھی تھی، اس لئے زرینہ اور زبیدہ کا آنا جانا ملنا جلنا ہر جگہ تھا۔ عزیزوں میں۔ رشتہ داروں میں
یوں میں برابر میل ملاقات تھی۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ زرینہ اور زبیدہ ثریا کے ہاں سے ہوتی ہوئی اپنے ماموں زاد بھائی کی بیوی سے ملنے
ہشاش بشاش گئی اور ہنسی خوشی واپس آئی۔ آکر کپڑے بدل رہی تھی کہ تحصیلدار صاحب کو نیچی گردن کئے سر جھکائے
ر چپتے دیکھا۔ پوچھا "کس فکر میں ہو۔ کیا سوچ رہے ہو؟" تحصیلدار صاحب بیچارے کو ایک اہم مقدمہ کا فیصلہ لکھنا
سی کشمکش و پیچ میں مبتلا۔ اسی کے فکر میں گرفتار تھے۔ بولے "تمہارے بتانے کا نہیں ہے۔ تم سن کر کیا کرو گی"۔
نے اپنی عادت کے موافق مذاق سے کہا۔ میں سمجھ گئی۔ تم دوسری شادی کی فکر میں ہو۔

تحصیلدار صاحب "ہاں ہوں تو سہی پھر کہو"۔

زرینہ "تو پھر کر لو نہ! ڈرلتے کس کو ہو۔ کوئی نصیب ہی نہ ہوئی۔ ملی تو میں ہی ملی"۔

تحصیلدار صاحب اس جملہ کو طنز سمجھے انہیں غصہ آگیا اور کھڑے ہو کر بولے۔ لو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اب
ری شادی کر کے تم کو دکھا دونگا۔ کہ مجھے دوسری ملتی ہے یا نہیں"۔ تحصیلدار صاحب شطرنج میں اوپر تلے کئی
ھا کر آئے تھے۔ کچھ تو اسکی جھنجھلاہٹ تھی کچھ فیصلہ کا فکر۔ دورے پر جانے کا خیال غرض جل بھن تو پہلے ہی
تھے بیچاری بیوی پر غصہ اترا۔ دوسرے روز خود دورے پر چلے گئے۔ اور زرینہ بھائی کے ہاں پہنچی۔

اس واقعہ کی خبر رفتہ رفتہ خاصی پھیل گئی۔ زبیدہ کو تو ساری حقیقت دوسرے ہی روز معلوم ہوگئی تھی
بیلہ۔ حمیدہ کو بھی بہت جلد خبر ہوگئی۔ زبیدہ بیچاری کے اختیار میں کیا تھا۔ اول تو بڑا بھائی۔ دوسرے اب
ے پر۔ کہے تو کس سے اور سنے تو کون؟ سب روزانہ گھڑی دو گھڑی کے لئے آتے۔ مگر جب ثریا کو ادھر تو
یں ہونے لگی دقت۔ کیونکہ جوان بیٹی کا ساتھ تھا گھر میں چھوڑ کر آئے تو مشکل۔ ساتھ لئے پھرے تو جگ ہنسائی
ی حالت دیکھی تو پژمردہ، دن کا کھانا نہ رات کی نیند، سر میں کنگھی نہ بالوں میں تیل، کپڑے چوہوں کی سی
میلے چکٹ، سر میں درد چہرہ زرد۔ بیماروں کا سا بدن۔ مردوں کی سی صورت۔ نہ باتوں میں ظرافت رہی
ہیں لطافت۔ باتیں کرو تو سنیں نہیں۔ سمجھاؤ تو اثر نہیں۔ اس لئے اس نے کہا کہ دو دو۔ چار چار روز کے
ب سہیلیاں اپنے ہاں رکھیں۔ تاکہ کچھ تو دل بہلے۔

زرینہ اپنے اس مذاق پر رہ رہ کر پچھتاتی اور وہ غور کرتی تھی کہ کیا میرے الفاظ ایسے سخت تھے جو انہیں
وار گزرے۔ میں نے تو مذاق میں کہا تھا۔ زرینہ ہر وقت کا مذاق ٹھیک نہیں۔ زبیدہ نے اس روز کہا
س کا ذرا خیال نہیں کہ کوئی برا مان جائے گا۔ زرینہ نے جواب دیا کہ پھر کیا ہوگا۔ اب یہ کتنی بڑی بات ہوگئی

تو یہ ہے۔ اب کسی سے بھی مذاق نہیں کرنے کی۔ اس دن ایک ذراسی بات کا بتنگڑ ابن گیا۔ لیکن کیا ایسی باتیں
ہوتی نہیں ؟ وہ کون سے میاں بیوی ہیں جو آپس میں بھی مذاق نہیں کرتے ؟ یوں محرم ہی کی پیدائش ہو جائیں
تو اور بات ہے۔ زندگی کا مقصد ہنسی خوشی سے رہنا ہے۔ روتی بسورتی زندگی گذاری تو کیا خاک گذاری
میں نے کوئی ایسا قصور نہیں کیا ہے جس کے لئے معافی مانگنے کی ضرورت ہو۔ میں نے ان کے کسی کام سے
غفلت نہیں کی۔ جب کہیں آئی گئی پہلے ان کے کھانےکا اور حقہ پان کا انتظام کر کے۔ انہیں میری عدم موجودگی
میں کبھی کسی طرح کی تکلیف نہیں ہوئی۔ خدا معلوم کس کا غصہ کہاں کی خفگی مجھ پر اتاری۔ نہ معلوم کب کے بھرے
بیٹھے تھے۔ اور یہ غبار کب سے دل میں بھرا تھا۔ اور یہ مواد کتنے عرصے سے جمع تھا۔ جو یوں پھوٹ نکلا۔ میری
زبان سے اتنا نکلنا زہر ہوگیا۔ یوں بات بات پر زبان پکڑی جائے تو زندگی اجیرن اور نباہ مشکل ہو جائے۔
اچھی بات ہے ذرا دوسری کر کے بھی دیکھ لیں۔ مزا معلوم ہو جائیگا۔ قدر عافیت کھل جائیگی۔ ساری ہیکڑی
بھول جائیں گے۔ کوئی کچھ ہی کہے مگر میں نے کوئی ایسی خطا نہیں کی جس کے لئے معافی مانگوں۔

ملزم دنیا کی نظروں میں قصوروار ہوتا ہے لیکن اپنی نگاہ میں وہ بالکل بے قصور اور بیگناہ۔ جج کی ہر سزا
اس کی رائے میں ظلم اور زیادتی ہے۔ چور چوری کرتا ہے۔ دوسرے اس کے فعل پر لعنت ملامت کرتے اور
برا کہتے ہیں لیکن وہ کہتا ہے کہ جب دوسروں کے پاس چیز ہے تو میں کیوں فاقے مروں۔ تکلیف اٹھاؤں
اور اس میں سے حصہ نہ لوں۔ خونی خون کرتا ہے۔ لیکن پھانسی پر چڑھتے وقت تک وہ اپنے آپ کو مظلوم اور
بیگناہ ہی جانتا ہے۔ وہ یہی کہتا ہے کہ مقتول نے مجھے اتنا غصہ ہی کیوں دلایا کہ میں اس کو مارنے پر مستعد ہوا۔
غرض دنیا میں ایسے منصف مزاج انسان بہت کم ہیں جو اپنی خطا کو مان لیں۔ بعض چاہے دل میں قائل۔ نادم
اور معترف ہو جائیں۔ مگر زبان سے اقرار گناہ ایک ایسا جرم ہے جس کے مرتکب وہ ہرگز نہیں ہوتے۔ جب
بڑے بڑوں کی یہ کیفیت ہو تو ایک خوددار عورت سے یہ توقع کیونکر ہو سکتی تھی کہ شوہر سے معافی مانگ لے۔ اور
اپنی غلطی پر نادم ہو۔

(۳)

تحصیلدار صاحب پورے دو ہفتہ بعد دورے سے لوٹے۔ دوسری شادی کا ارادہ سنکر سب متعجب ہوئے
کوئی بیوی کا قصور بتاتا۔ کوئی مردوں کی بیوفائی اور طوطا چشمی کے راگ الاپتا۔ کسی کی رائے میں دونوں ملزم تھے غرض
جتنے منہ اتنی باتیں۔ اس زمانہ میں جب کہ اچھے لڑکوں کا کال ہے۔ ایسے لڑکے کو جو بی اے ہو اور تحصیلدار۔ چڑھی
اور دو۔ دو۔ لڑکی کی کیا کمی۔ ادھر ادھر نسبت کا ذکر چھڑنا تھا کہ مخفی طریقہ پر پیغاموں کا تانتا بندھ گیا۔ زرینہ کی بہن
ثریا کے شوہر مسٹر علیم کے ایک گہرے دوست قمر تھے۔ ایک دن وہ تحصیلدار صاحب کے ہاں آئے اور باتوں باتوں

میں اس ذکر کو خاص طور سے چھیڑ کر کہنے لگے

آپ مسٹر علیم کے یہاں کیوں نہیں پیغام دیتے۔ آپ تو ان کو بخوبی جانتے ہونگے۔ یہاں کے رئیس اعظم اور تعلیم یافتہ اشخاص میں سے ہیں۔ تعلیم نسواں بھی ان کے یہاں خاص طور پر ہے۔ یہاں اگر آپ شادی کرنا چاہتے ہیں تو ان سے اچھا گھر کوئی آپ کو نہ ملے گا۔ وہاں سب باتیں ہیں۔ دولت۔ صورت۔ لیاقت۔ ہنر سلیقہ سب چیزیں آپ کو ملیں گی۔ تحصیلدار صاحب نے یاد دلایا کہ مسز جمشید اور مسز علیم میں بہت دوستانہ ہے اسلئے امید نہیں کہ میری درخواست منظور کریں۔ قمر نے بہت جوش سے کہا کہ میں تو منظور کرا دونگا۔ آپ رقعہ لکھیں میں منظوری لیکر ہی وہاں سے اٹھونگا۔ آپ ہیں کس خیال میں میرے کہنے کو بھلا وہ ٹال سکتے ہیں۔" تحصیلدار صاحب نے اسکو بہت غنیمت خیال کیا۔ اور اسی وقت ایک رقعہ لکھکر انہیں دیدیا۔

کیا مزے کی شادی تھی کہ چٹ منگنی اور پٹ بیاہ۔ صبح کو ذکر ہوا دوپہر کو منظوری آئی شام کو تاریخ مقرر ہو گئی۔ دوسرے دن جمعرات تھی سامان کی طیاری کرنے کے لئے وقت رکھا گیا۔ تیسرے دن جمعہ کو عصر اور مغرب کے درمیان نکاح تجویز ہوا۔ تحصیلدار صاحب نے چپ چپاتے نکاح کے لئے کہا اور تمام لغو اور فضول رسمیں ترک کر دینے کی درخواست کی۔ ثریا اور اس کے شوہر نے بلا عذر ان کی ہر بات کو نہایت خوشی سے مان لیا۔

نکاح کے دن صبحکو تحصیلدار صاحب نے زبیدہ کو بلا کر جب سب حال سنایا تو اسے سخت حیرت ہوئی۔ یہ سن کر تو اور بھی حیران اور متعجب ہوئی کہ نسبت بھاوج کی چاہنے والی سہیلی اور ثریا کے ہاں ٹھیری ہے۔ بھاوج کی وکیل بنکر بھائی کو سمجھانے لگی۔ اس نے آخری کوشش بھر کی لیکن یہ سعی بھی بے سود و لاحاصل نکلی۔ سامان ٹھیک ٹھاک کرنے کے لئے بلائی گئی تھی۔ مگر سامان ہی ایسا کونسا تھا۔ اسے دے کر گھر کی صفائی تھی۔ کیونکہ گھر تو گھر والی کے دم سے ہوتا ہے جب وہی نہیں تو پھر گھر کیسا۔ تمام چیزیں درہم برہم ہو رہی تھیں۔ سب کو درست قرینے سے رکھوایا اور دو تین گھنٹے میں سب ٹھیک کرا دیا۔

تحصیلدار صاحب نکاح کیلئے گئے اور زبیدہ اطمینان سے بیٹھی تو اسے زرینہ کا دھیان اور ثریا کا خیال آیا کہ انہوں نے اپنی بھلائی کے سامنے سہیلی کا لحاظ ذرا بھی نہ کیا۔ آنکھوں پر ٹھیکری رکھکر خلوص و محبت الفت و یگانگت سب پر پانی پھیر دیا۔ آج کل کسی پر بھروسہ کرنا انتہا درجہ کی حماقت ہے میں اور بھابی انہیں اپنا ہمدرد اور غم گسار سمجھتے۔ مشفق اور رفیق مانتے عقلمند اور تجربہ کار جانتے تھے۔ اس لئے اس دن انہیں پورا واقعہ سنا دیا ورنہ اگر ہم یہ جانتے تو اس کی ہوا تک تو انہیں لگنے نہ دیتے۔ اور آج جو وہ خوشی سے پھولے نہیں سماتی ہونگی۔ اس کی نوبت ہی نہ آنے پاتی۔

مگر افسوس ہمیں کیا خبر تھی کہ وہ مروت کی گردن پر کند چھری پھیر رہی ہیں اور دوستی کے پردے میں دشمنی اور رفاقت

کی آڑ میں کدورت پیدا کر رہی ہیں۔ مگر دراصل ان بیچاری کا بھی اتنا قصور نہیں ہے۔ گو ان کو ایسا چاہیے نہیں تھا مگر وہ اپنی بیٹی نہ دیتیں تو بھائی کہیں اور کر لیتے۔ جب اپنے ہی دام کھوٹے تو پرکھنے والے کا کیا دوست۔ وہی اگر نہ کرتے تو وہ کیوں نکر کرتیں۔ سارا قصور تو انہیں کا ہے۔ اور میں ثریا کو کیا برا کہہ رہی ہوں۔ میں کونسا اچھا کام کر رہی ہا ہزار بھائی نے کہا اور مجبور کیا مگر مجھے اس شادی میں شریک ہونا نہیں چاہئے تھا۔ بھابی سنیں گی اور سنیں گی کیا اب تک سن بھی لیا ہوگا۔ وہ دل میں مجھے کیا کہہ رہی ہونگی۔ اب کچھ بھی کہوں ان کا دل ہرگز صاف نہیں ہوگا۔ میں نے بہا بڑی غلطی بلکہ زیادتی کی زیادتی بھی ایسی کہ بھابی کے سامنے میں سر تک نہیں اٹھا سکتی۔

(۴)

زبیدہ ان ہی خیالات میں غرق تھی۔ کبھی ثریا پر لعنت بھیجتی۔ کبھی بھائی کو ملزم ٹھیراتی کہ ماما نے آ کر اطلاع دی "با صاحب دلہن کی پینس آگئی۔ وہ چونک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ کھانا پکانے کا حکم دیا۔ مگر ان خیالات میں ایسی محو ہوئی دوبارہ پوچھنا یا جا کے دیکھنا تک نصیب نہیں ہوا۔ دلہن کو اتروانے گئی۔ وہاں پہنچتے ہی کیا دیکھا کہ ثریا دلہن کو ا رہی ہیں۔ زبیدہ کو دیکھتے ہی وہی پرانی بے تکلفی سے بڑھکر گلے لپٹ گئیں۔ زبیدہ جلد علیحدہ ہوگئی اور بولی "چلئے دلہن کے کمرے میں تشریف لے چلئے"۔ ثریا نے اس کی رکھائی کو پوری طرح محسوس کیا۔ اور بے اختیار ہنس کر "چلئے"۔ دلہن بیچاری جھکی جھکائی مسند پر بیٹھی تھی۔ ثریا نے کہا۔ کہ "اب ذرا دولھا میاں کو تو بلوائیے۔ ان کے کہنے موجب میں نے کوئی رسم نہیں کی حتی کہ آرسی مصحف بھی نہیں ہوا۔ اب رونمائی کی رسم انہی سے شروع ہو"۔

زبیدہ "یہاں بیٹھا ہی کون ہے جو رونمائی کریگا۔ رہ گئیں آپ تو میری سو دفعہ کی دیکھی دکھائی ہیں"۔

ثریا "کیا دیکھی ہوئی کو نہیں دیکھتے؟ آپ تو چھوٹی ہیں رونمائی کچھ نہیں دینی پڑے گی۔ گھبرائیے نہیں مجھے ا گھنٹہ میں گھر جانا ہے۔ ان کو بلوائیے وہ آجائیں تو پھر میں جاؤں"۔

زبیدہ "صبح چلی جائیگا۔ جلدی کیا ہے۔ اب آپ آئی ہیں تو رات بھر رہیے۔ جا رحیما بھائی کو بلا لا۔ کہنا خوشدامن صاحبہ یاد فرما رہی ہیں"۔

تحصیلدار صاحب آنکھیں بند کئے آرام کرسی پر لیٹے سوچ رہے تھے کہ پہلی شادی بھی کس قدر دلچسپ تھی وہ خوش چہل پہل یاد رکھنے کے قابل ہے۔ ابا۔ اماں کتنے مسرور تھے۔ زبیدہ کتنی خوش تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ ان سب کو کو دولت مل گئی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ زرینہ سے سب خوش بھی بہت تھے۔ خبر نہیں اس کے تعلقات کیسے ہوں گے میں بھی کتنا بیوقوف ہوں کہ تعلقات کو سوچ رہا ہوں۔ اس کی خبر ہی نہیں کہ اس شادی کی حقیقت معلوم ہوگئی کیا کہیں گے۔ ضرور مجھ سے ناراض ہوجائیں گے۔ میں نے سخت نالائقی کی جو بغیر ان لوگوں کی مرضی کے شادی

میں تو اب کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔ میں کیونکر معذرت کروں گا۔ اور کیا عذر پیش کر سکوں گا۔ زرینہ کا کونسا قصور بتاؤنگا۔ اس نے تو کبھی کوئی غلطی یا بے توجہی نافرمانی نہیں کی جو ایسی سخت سزا کی مستوجب ہوتی۔ اس دن نہ معلوم مجھے کیوں غصہ آگیا اور میں قسم کھا بیٹھا جس کے پورا کرنے کے لئے مجھے یہ کرنا پڑا۔ آپس میں اکثر ایسی باتیں ہوجایا کرتی ہیں۔ اسپر اس قدر بگڑ بیٹھنا سراسر حماقت ہے۔ میں نے شادی کرلی۔ دوسری بیوی لے آیا۔ مگر اس کے حقوق سے دست بردار نہیں ہوسکتا۔ مگر اب کس دل اور کس منہ سے اس سے وہی سلوک کرونگا۔ جو پہلے کرتا تھا۔ مشکل تو یہ ہے کہ اب دونوں میں سے ایک کو بھی میری محبت کا یقین نہیں ہونیکا۔ دونوں مجھے بیوفا۔ ظالم۔ تنک مزاج شوہر سمجھیں گی۔ ایک سے اچھی طرح پیش آؤنگا تو دوسری کے دل میں غبار کدورت ہوگا۔ دوسری کو خوش کرونگا تو پہلی ناراض۔ غرض میری جان تو عجیب مخمصے میں پھنس گئی۔ سکھ۔ چین۔ اطمینان اور بےفکری سب رخصت ہوئی۔ جب بے اطمینانی و فکر ہر دم رہیگا تو ملازمت کیا خاک ہوگی اور فیصلہ کیا پتھر لکھونگا جس طرح اپنا فیصلہ کیا ہے اسی طرح مقدمے والوں کا بھی کرونگا۔ غلط۔ سلط۔ الٹا۔ پلٹا لکھنے کا جو نتیجہ ہوگا وہ ظاہر ہی ہے غرض گھر لٹ گیا۔ نوکری لٹ گئی۔ میری حالت تو دھوبی کے کتے کی مصداق ہوگئی۔ کہ گھر کا رہا نہ گھاٹ کا" تحصیلدار صاحب لیٹے کئے پر پچتا رہے تھے۔ مگر کب؟ جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ تیر کمان سے نکل چکا اور سب معاملہ ختم ہوگیا۔ رحیما طلبی کا پیغام لیکر پہنچی۔ انکار کرنیوالے تھے مگر یہ سوچ کر کہ جو کیا وہ بھگتو جو پڑی وہ سہو" کہا" تو چل کر پردہ کروا۔ میں آتا ہوں" میز سے ٹوپی اٹھاکر سر پر رکھی اور چل کھڑے ہوئے۔ مگر چہرہ غمازی کر رہا تھا۔

ثریا کو پردہ کرتے دیکھکر زبیدہ نے ٹوکا" ایں۔ اب بھی آپ پردہ کرتی ہیں"۔ ثریا نے جواب دیا" ہاں بوا! مجھے تو شرم آتی ہے۔ زبیدہ نے تعجب کی نظروں سے دیکھا۔ مگر منہ سے کچھ نہ بولی۔

تحصیلدار صاحب آکر بموجب حکم مسند پر رونمائی کے لئے بیٹھ گئے اور زبیدہ انکی پیٹھ کے پیچھے کھڑی ہوگئی۔ ثریا کی انا نے دلہن کا گھونگٹ اٹھا دیا

تحصیلدار صاحب کو مہینہ بھر کی غائب تصویر مسکراتی ہوئی نظر آئی وہ ہنسکر کھڑے ہوگئے! اور زبیدہ دوڑ کر زرینہ کو لپٹ گئی

تحصیلدار صاحب " آپنے تو خوب چکمہ دیا"

ثریا آپ نے قسم ایک مذاق کی بات میں کھائی تھی۔ اس لئے وہ پوری بھی مذاق ہی میں ہونی چاہیے تھی اب میں آپکو دوسری شادی کی دلی مبارکباد دیتی ہوں۔ اور خدا سے دعا کرتی ہوں کہ آپ دونوں کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے اور خدا نہ کرے جو کبھی تیسری شادی کی ایسی نوبت آئے"

تحصیلدار صاحب۔ اطمینان رکھئے انشاء اللہ تعالیٰ اب ایسا نہ ہوگا میں سمجھ گیا کہ میری قسمت میں یہی لکھی ہیں۔ تیسری کیا اگر چوتھی کروں جب بھی یہی نکلیں گی"

رامائن کا ایک ورق

رامچندر جی سیتا جی سے کہتے ہیں

کنول کے پھول سے بھی ہو کہیں تم نازنیں سیتا
تمہیں لیجاؤں جنگل میں اتم اس قابل نہیں سیتا

تمہارے پاؤوں کی نرم تر یہ انگلیاں سیتا
کہاں یہ پھول اور صحرا کی وہ ریگ طپاں سیتا

تمہاری سیج پہ کلیاں بچھی ہیں جس کی چادر میں
وہاں کانٹے چبھیں گے دم بدم اس جسم انور میں

یہ فرش مخملیں جن پر یہاں تم پاؤں رکھتی ہو
ادہر بچھتی ہیں آنکھیں جس طرف سے تم گزر جاؤ

وہاں کانٹے بچھے ہوں گے تمہاری راہ سنگیں ہیں
چبھیں گے خار صحرا ہائے کیسے پائے رنگیں ہیں

کہاں یہ قصر جنت آفریں تم حور ہو جس کی
وہاں چھپر کا سایہ بھی نہوگا میری شہزادی

پڑیں گی بارشیں جس وقت اب اس کا بیاں کیا ہو
بھلا کس طرح تم برداشت کر لوگی بتاؤ تو

کڑی جب آگ جیسی دہوپ ہوگی سخت گرمی کی
کہاں پیڑوں کے سایوں میں بھلا تم چھپ کے بیٹھوگی

وہ ٹھنڈی برف جیسی رات ہوگی جبکہ جاڑوں کی
گوارا کس طرح کر لوں کہ تم سردی میں سکڑو گی

ہزاروں یہ کنیزیں دست بستہ ہیں جو خدمت میں
ہمہ تن رات دن مصروف ہیں سامان راحت میں

نہ جانے کیسی مشکل ہو کہاں جنگل میں جاؤ گی
ہیں نازک پھول جیسے ہاتھ محنت کس طرح ہوگی

یہ ہیرے آج جو زینت ہیں اس جسم منور کے
بھلا جنگل میں ہم سیتا تمہیں کیسے پہنائیں گے

لباس بیش قیمت جسم رنگیں سے اتارو گی
رہے گی پھول سے تن پر گراں کھدر کی اک ساری

سہیلی تم وہاں ویرانہ میں کس کو بناؤ گی
بھلا ہنس بول کر کس سے ذرا دل کو لگاؤ گی

نہ جاؤ ساتھ تم میرے یہ ضد اچھی نہیں سیتا
کہاں جنگل کی سختی اور کہاں یہ نازنیں سیتا

کہاں محلوں کی شہزادی کہاں صحرا کی دشواری
کہاں مسکن مصائب کا کہاں یہ نازنین دیوی

سیتا جی جواب دیتی ہیں

سر آنکھوں پر تمہارا حکم ہے میرے پتی مجکو
یہاں زندہ رہوں گی کس طرح کچھ یہ تو بتلاؤ

نہ درشن ہوں گے جب ہر صبح اس روئے منور کے
کٹے گی زندگی کس طرح اس بدبخت سیتا سے

اگر تم ہو وہاں تو پھر مجھے جنگل میں منگل ہے
مجھے پھولوں سے بڑھکر ہیں لہو آشام وہ کانٹے

یہی ہوجائیگی زینت میرے عہد جوانی کی
کروں گی رات دن جنگل میں میں سیوا سوامی کی
رہو تم جا کے جنگل کی جنوں پرداز دنیا میں
مجھے کس طرح چین آئے گا قصر لالہ افزا میں
رہوں پھولوں میں میں اور رہو تمہاری سیج کانٹوں پر
مجھے ملجائے کو نہ قبر کا اس سے تو ہے بہتر
کڑی دہوپوں میں تم جلتے رہو محلوں میں میں بیٹھوں
خدایا ایسے جینے سے تو میں بن موت مرجاؤں
پڑے بارش تمہارے سر پہ میں ہوں قصر عشرت میں
اٹھاؤ برف سی سردی میں سوؤں خواب راحت میں
کنیزہ تو رہے آرام سے آقا ہو مشکل میں
بھنور میں تم پھنسو جا کر رہوں میں خشک ساحل میں
وہ طپتی ریت ہو گی نرم فرش مخملیں مجھکو
مرصع چھت سے بڑھ کر ہوگا چرخ نیلمیں مجھکو
اگر کانٹوں پہ بستر ہوگا میں راحت سے سوؤں گی
یہاں تو فرش گل پر شمع بن کر جان کھوؤں گی
نہ ہوں گی گر کنیزیں تو کنیزہ خود بنوں گی میں
ہر اک دشوار محنت پوری ہمت سے کروں گی میں
نہ پہنوں گی اگر ساری میں زریں کیا حرج ہوگا
مرصع زیوروں کی بھی مجھے بالکل نہیں پروا
میرا زیور میرا سرتاج ہے میرے پتی مجھکو
اسی کے دم سے ہے جنت بداماں زندگی مجھکو
سہیلی اپنی میں جنگل کی چڑیوں کو بناؤں گی
سحر کی بلبلوں کی ہو کے ہم آہنگ گاؤں گی
سنوں گی ساز صحرا میں میں کوئل کے حسین نغمے
میں چشموں کے کنارے بیٹھ کر کھیلوں گی موجوں سے
یہاں گرمی رہی تو چند دن کا اور ہے جینا
نہ پاؤ گے کبھی صحرا سے آ کر تم مجھے زندہ
پتی! دنیا ہو تم میری شہنشاہی ہو تم میری
جواہر لعل و ہیروں سے مجھے اب ہوگئی سیری
نہ ہو تم ہی تو پھر ان موتیوں میں کیا دمک ہوگی
تمہارے دم سے ہیں ساری بہاریں میری دنیا کی
کھلیں گے پھول تو کانٹے میرے سینہ میں کھٹکیں گے
کرینگی بلبلیں نالے لگیں گے دل میں چرکے سے
خدا کے واسطے ایسا ستم مجھپر نہ تم توڑو
مجھے ہجراں نصیبی کے لئے تنہا نہ تم چھوڑو

محبت کی فتح

محبت ہے تو تم نے مجھ سے سیتا جیت لی بازی
چلو ہمراہ میرے سوئے صحرا پیاری شہزادی
محبت نے تمہاری دلکو ایسی تقویت بخشی
مصیبت کوئی تمکو کچھ مصیبت ہی نہیں لگتی
محبت نے کیا صیقل تمہاری تاب عصمت کو
محبت نے منور کردیا بھولی طبیعت کو
گذر جائیں گی صدیاں نام ہوگا پر ترا زندہ
ترا نقش وفا ہر شب جبین شب پہ چمکے گا
کرینگی تیری اس الفت کا باہم بلبلیں چرچا
ہنسیں گے پھول تیرا نام سنکر صبحدم سیتا
دیا تم نے مجھے کچھ ایسا پیغام وفاداری
کہ سیلاب محبت روح پہ میری ہوا طاری
وفا کا نقش ایسا مرتسم ہے شیشۂ دل پہ
کہ سینہ میں مرے اٹھتا ہے اک شعلہ سا رہ رہ کر

چلو جنگل کو جنت اپنی الفت سے بنائیں گے
وفا کا گیت دونوں مل کے صبح و شام گائیں گے

بلقیس جمال (بریلوی)

آ۔ اپنی ماں کے لال

آ! پیارے شفیق! اپنی امی کے پھول آ! کہ تیری امی تیری [یاد] میں بے چین و مضطرب ہے۔ آ پیارے شفیق اپنی امی کے لخت جگر آ تیری امی تیری جدائی میں دھاروں رو رہی ہے! دیکھ وہ دونوں ہاتھ پھیلائے تجھے گود میں لینے۔ تجھے بھینچ بھینچ کر پیار کرنے کے لئے کیسی بیقرار ہے۔

آ۔ اپنی امی کے کھلونے آ۔ اور اپنی امی کے سینہ سے [لپٹ] جا۔ اسکے دل میں تیری یاد کی آگ لگ رہی ہے آ۔ اور اس کا کلیجہ ٹھنڈا کر دے

عید آ رہی تھی اس نے تیرے لئے کیسے اچھے کپڑے چھپا چھپ [کر] سئے کیسے ننھے منھے کھلونے تیرے لئے منگائے۔ کیوں پیارے شفیق تو روٹھ کیوں گیا۔ کیا سفید کفن ریشمی کپڑوں سے اچھا ہے کیا قبر کا کونہ کھلونوں سے زیادہ خوبصورت ہے۔

تیری امی راتوں کو روتی ہوئی جنگل میں نکل جاتی ہے اور تیری قبر پر پہنچکر منہ رکھ دیتی ہے۔ آنکھیں ملتی ہے کلیجہ سے لگاتی ہے مگر تجھے کچھ خبر نہیں! کیا قبر کی گود میں ماں کی گود سے زیادہ میٹھی نیند آتی ہے۔

اپنی امی سے روٹھ کر جنت کے باغوں میں تو حوروں کی گود میں کھیل رہا ہے کیا حوریں تیری امی سے زیادہ تجھے چاہتی ہیں کیا [ان] کے دل میں تیری امی کے دل سے زیادہ تیری محبت ہے۔ نہیں شفیق زمین کی اور آسمان کی کوئی مخلوق تیری امی سے زیادہ تجھے نہیں چاہتی آ! اپنی امی کے کلیجہ سے چمٹ جا۔ آ۔ اس کا دل ٹھنڈا کر۔ اس کی آنکھیں روشن کر۔

آمنہ نازلی

اخلاقی جواہرات

جس طرح کمزور آدمی زور آور دشمن سے ڈرتا ہے اسی طرح ہمیشہ سستی اور کاہلی سے ڈرو۔ سستی کو ہرگز اپنے قریب نہ آنے دو۔ سست آدمی اپنے آپ کو برباد کر دیتا ہے۔

ہمیشہ کسی نئے نیک کام کا خیال رکھو۔ تاکہ ہماری زندگی سے دوسروں کو فائدہ پہنچے۔ ہر انسان روزانہ صبح کو اٹھتا ہے۔ کھاتا پیتا ہے۔ کوئی دفتر جاتا کوئی اسکول جاتا کوئی گھر ہی میں رہتا ہے۔ یہ ہر ایک آدمی کرتا ہے لیکن اچھا وہ ہے جو دوسروں کے ساتھ بھلائی اور نیکی کرے۔

وعدہ نہ کرو اور اگر کر لو تو پھر پورا کرو۔ ورنہ تم دوسروں کی نگاہ میں ذلیل ہو جاؤ گے۔ وعدہ خلافی سیرۃ کی کمزوری ہے۔

جوانی میں روپیہ کماؤ اور جمع کرو تاکہ بڑھاپے میں آرام سے زندگی گذرے۔

کفایت شعاری سب سے اچھا اصول ہے جتنی آمدنی ہو خرچ اس سے کم ہو جس کے ہاں یہ اندازہ نہ ہو وہ غریب آدمی ہے

اپنے کام کو ہمیشہ پوری توجہ سے کرو۔ بے پروائی سے خدا بچائے۔ بہت بڑی نقصان پہنچانیوالی عادت ہے۔

ہر ایک کام میں خدا پر بھروسہ رکھو اور اسی سے مدد چاہو لیکن اپنی طرف سے کامیابی کے لئے پوری کوشش کرلو۔

قرض دیتے وقت دوستی رہتی ہے۔ روپیہ واپس لیتے وقت دل اچھے سے برے ہوتے ہیں۔

آج کا کام کل پر کیوں رکھتی ہو۔ آج ہی کر ڈالو۔ ممکن ہے کل نہ کر سکو اور کل کل کہتے وقت نکل جائے۔ وہی لوگ کامیاب ہیں جو سستی کو پاس نہیں آنے دیتے۔ اور جو کچھ آج کرنا ہے آج ہی کر لیتے ہیں۔

صغرا ہمایوں مرزا

حیدرآباد دکن

خواتین ہند کی سیاسی جدوجہد

خواتین یورپ زندگی کے ہر شعبے میں مردوں کے دوش بدوش سیاسیات میں بھی ترقی کر رہی ہیں۔ اس سال پارلیمنٹ کی کئی ممبر ہیں۔ ان کو مردوں کے برابر پارلیمنٹ میں رائے دینے کا حق حاصل ہے لیکن اس شعبہ سیاسیات میں ہندوستان کی عورتیں آج کل کسی سے پیچھے نہیں۔ اگرچہ ترک موالات تقریباً عرصہ بارہ سال سے ہندوستان میں جاری ہے۔ لیکن پہلے خواتین میں چند ایسی تھیں جنہوں نے اس میدان میں عملی حصہ لیا ہو۔ سوائے مسز سروجنی نائیڈو اور چند خواتین کے جو کانگریس کی ممبر تھیں۔ مسز سروجنی نائیڈو ہندوستان کی سیاسی ہستیوں میں ایک بڑا درجہ رکھتی ہیں۔ وہ کانگریس کی صدارت بھی کر چکی ہیں اور ہندوستان کی آزادی کے لئے یورپ و امریکہ میں سینکڑوں مرتبہ تقریریں کی ہیں۔ دوسری اور بہت سی خواتین بھی سیاسیات میں دخل رکھتی تھیں لیکن مسز سروجنی نائیڈو کے مانند ان کو اب تک عملی میدان میں آنے کا موقعہ ہی نہیں ملا تھا

اب سال بھر سے ہندوستان کی سیاسیات نے پھر پلٹا کھایا ہے۔ جب مہاتما گاندھی گورنمنٹ سے سوراج مانگتے مانگتے تھک گئے تو انہوں نے اسکو حاصل کرنے کا دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ انہوں نے قوم کے سامنے سول نافرمانی کی اسکیم پیش کی جسکا مطلب بغیر کسی تشدد کے گورنمنٹ سے قطع تعلق کر لینا ہے۔ اور اس اسکیم کی کامیابی کے لئے انہوں نے مردوں اور عورتوں کی عملی امداد حاصل کی۔

مہاتما گاندھی کی شروع سے یہ تبلیغ تھی کہ ملکی صنعت کو ترقی دیجائے۔ مثلاً ہندوستان میں کروڑوں روپے کا کپڑا باہر کے ملکوں سے آتا ہے۔ ان کی یہ کوشش ہے کہ اگر ہندوستانی بدیشی کپڑے کو پہننا چھوڑ کر دیسی کپڑے استعمال کریں تو ملک کا اتنا روپیہ غیر قوموں کے ہاتھ میں جانے سے بچ جائیگا۔ اور اسی طرح ہندوستان میں کروڑوں روپیہ کی شراب خرچ ہو جاتی ہے۔ اگر لوگ شراب پینا چھوڑ دیں تو اس کی بھی بہت سی بچت ہو گی اور جو باہر کے ملک اس ذریعہ سے مالدار ہو رہے ہیں تو یہ طریقہ انکی بیجا آمدنی کا سدباب ہے۔ اس کے ساتھ انہوں نے قانون نمک کو بھی توڑ دینے کا ارادہ کیا اور اسکا ذمہ دار مردوں کو ٹھیرایا اور عورتوں کے ذمہ بدیشی کپڑے کا مقاطعہ اور شراب خانوں کی ناکہ بندی تفویض کی۔ اس کام کا بیڑا سینکڑوں سربرآوردہ خواتین نے اٹھایا۔ اور میدان عمل میں اتر آئیں۔ آئے دن اخبارات میں انکے روزمرہ کے واقعات اور کارنامے دیکھنے میں آتے ہیں۔ ان خواتین نے میدان عمل قطعہ گجرات کو قرار دیا۔ چند روز پہلے اخبار میں لکھا تھا کہ سورت کے قریب دیمارا نامی مقام پر رضا کار خواتین کی کوششوں سے تاڑی کی دو کانیں بند کر دی گئیں اور رضا کار خواتین ہر روز شام کو تاڑی کی دوکانوں کے دروازوں پر بیٹھی ہوئی چرخہ کاتا کرتی ہیں اور قومی گیت بھی گایا کرتی ہیں۔ گیت کا خلاصہ یہ ہے "اپنے عزیز مادر وطن کی خاطر حق وصداقت اور امن وامان کی جنگ شروع کی ہے۔ بہادروں کو چاہئے کہ وہ میدان جنگ میں جوش وخروش سے بھرے ہوئے اور کودتے پھاندتے داخل ہوں اور بطیب خاطر اپنی جانیں قربان کر دیں اور بزدلوں کو چاہئے کہ اگر وہ موت سے ڈرتے ہیں تو جنگلوں میں بھاگ کر پناہ گزیں ہوں اسی طرح سے بہت سی خواتین ملک کے مختلف حصوں میں دورہ کر رہی ہیں اور ہر جگہ کھادی پہننے اور چرخہ کاتنے کی تبلیغ کر رہی ہیں۔

سعید النساء بیگم حیدرآباد دکن۔

نانی عشو کے پہلے شوہر

دادا لال بھجکڑ

از مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری ظلہ

داداکے دونو بچوں چچا ہیلی اور خالہ ہیلی کے متعلق ولدیت یا
لدیت کا پتہ لگانا تو مشکل ہے کیونکہ نہ تو داداکے نکاحوں کا شمار
ہے۔ نہ نانی کے۔ البتہ اسوقت یہ دو بچے انکے ہاں کوارے موجود
ۓ خواہ دادا کے ہوں یا نانی کے یا دونوں کے۔

خالہ ہیلی کی عمر خیر سے تیس سال کے قریب تھی۔ اور اگر
داکا قدم بیچ میں نہ ہوتا اور شوہر بھی لگاتار ہی مرتے رہتے تو نہ
علوم کتنے ہو چکے ہوتے۔ مگر دادا کا نام سنکر ذلیل سے ذلیل
ور فقیر سے فقیر بھی کانوں پر ہاتھ دہرتا۔ ایک دن دوپہر کا ذکر
ہے کہ دادا فرمانے لگے لاؤ مہندی لگالوں۔ ڈاڑہی بجگلہ ہوگئی
ر دیکھنا سردی زیادہ ہے مہندی اچھی طرح گرم لو اور پانی بھی سونگا
ونتا ہوا تم جانتی ہو میں نزلہ کا مریض۔ ذرا ٹھنڈک پہونچی اور چھینک
ئے ہی نزلہ ہوا اور پھر میرا نزلہ مہینوں کی خبر لاتا ہے۔ دق اور
ل بھی اس سے پناہ مانگتے ہیں۔

نانی) نہیں خدا نہ کرے دق اور سل کا کیا ذکر ہے مہندی گرم کردیتی ہوں

دادا) لاحول ولا جب ہی تو کہتا ہوں اور میں کیا کہتا ہوں
دا کہتا ہے اس کا رسول کہتا ہے کہ بیوی اللہ دے تو پڑہی لکھی اور
ہیں تو جاہل بیوی سے تو رنڈوا بہتر۔ اب تم نے طب تو پڑہی
ہیں تم کیا جانو۔ لاحول ولا۔ ایک ذراسی لاپرواہی کا کیا نتیجہ
وتا ہے۔ لو سنو

نانی) نہیں میں نہیں سنتی مجھے کیا حکیم بننا ہے۔

دادا) لاحول ولا۔ لاحول ولا۔ لاحول ولا۔ خدا جاہل کے پڑوس
یں بھی نہ رکھے۔ لاحول ولا۔

نانی) لو مہندی لگاؤ۔

دادا مہندی لگا رہے تھے اور طب کے نکات فرما رہے
ے کہ بدن کی ساتویں جلد کے نیچے ایک پردہ ہے جو ہر وقت لب
ب کرتا رہتا ہے وہ اس قدر گرم ہے کہ اگر آدمی اسپر ہاتھ رکھے
تو جھلس جائے۔ نزلہ اصل میں وہاں سے شروع ہوتا ہے۔

اِدہر یہ فقرہ ختم ہوا اُدہر دروازہ پر دادا دادا کی آوازیں
شروع ہوئیں دادا نے فرمایا کون ہے جواب ملا ذرا باہر تشریف لائیے

(دادا) میں اسوقت نماز پڑہ رہا ہوں۔

نانی) بارہ بجے زوال کا وقت یہ کونسی نماز۔

دادا) اچھا تم ہٹ جاؤ۔

نانی چھپ گئیں دروازے کے آدمیوں کو آواز دی تو دو شخص
ہنستے ہوئے اندر آئے اور کہا خلیفہ ممدو نے یہ رقعہ بھیجا ہے آپکی صاحبزادی کا
دادا نے رقعہ کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور فرمایا ارے بیٹی یہ شادی کا
رقعہ ہے۔ نہ لال رومال اور نہ سرخ کاغذ۔ اور نہ اللہ کا نام اور نہ اسکے رسول
کا لو صاحب اپنی بیگم کا ذرا رقعہ سنو (نانی سے)

اسم حقیر محمد فقیر والد محمد عابد جد عبد الصمد عم حافظ ضیغم تا نا مرزا
بھاتا ماموں سید شانو ابن جملہ بزرگان بزمرہ چابک سواران ملازم شاہی
بودند۔ والدۂ حقیر فقیر جناب ہندی بیگم صاحبہ درکار و بار مطبخ ثانی خود
نداشتہ بودند۔ عمر نوشہ سہ بار بست وار و (تین بیسی) و الدعا جز در
پرورش اسپاں نام آور بودہ اند۔ آمدنی ملتمس بذریعہ علاج اسپان و سگاں
و گوسفندان و بلبلیاں از ضروریات ہزار بار زیادہ است۔ زوجہ اول و ثانی
و ثالث و رابع پنجم ششم ہفتم ہشتم نہم دہم و گیارہم و بارہم کہ جملہ یک درجن بودہ
فوت شدہ بودند۔ و الدعاجز صاحب جائداد بود۔ الا در صورت لحم یعنی
مالک جانوران۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف۔

دادا نے بہت غور و خوض کے بعد فرمایا اچھا لڑکا جانوروں کا
حکیم ہے۔ لاحول ولا۔

(آنیکوالا) لڑکا۔ حضرت وہ تو آپ کے بھی والد ہیں۔ آپ کی ڈاڑہی
میں سرخی ہے وہاں تو رہی تو رہے

(دادا) ہاں بڑے بدتمیز ہو۔ گھر چڑہ کر لڑنے آئے ہو۔ اٹھا ؤ یہ رقعہ
وقعہ ہے وحدت نکلو میرے گھر سے

(دوسرا) حضت یہ تو بیوقوف ہے۔ رقعہ تو میں لایا ہوں۔ اسے تو راستہ میں پکڑ لیا تھا۔ بات یہ ہے کہ دادا آج کل کے لونڈے ادب تمیز کیا جانیں۔

(دادا) ہاں میاں ہاں سچ کہتے ہو عذر سے پہلے (نانی اماں اندر سے) اب تم عذر کو تو چھوڑ دو۔ رقعہ کا جو جواب دینا ہو وہ دو۔

(دادا) لاحول ولا دیکھا حضت کمبخت بات ہی نہیں کرنے دیتی ذرا بولا اور ٹانگ لی۔ اچھا بھائی یوں کرو تم بھی نیچے ہو اور معلوم ہوتا ہے ادھر بھی کوئی بڑا بوڑھا نہیں ہے۔

(دوسرا) جی ہاں دولہا ان کے گھوڑے کتے اور بکریاں۔

(دادا) بھائی تم جانتے ہو میرا رشتہ تو سارے شہر سے ہے اور ملاقات تو ہندوستان بھر سے سمجھو لو یہ رقعہ وہ دفعہ مشاطہ بھی لاچکی ہے۔ مگر میری سمجھ میں نہیں آیا۔ بات یہ ہے کہ لڑکی اول تو سیدانی اور پھر آٹھوں گانٹھ کمیت۔ انگریزی فارسی اردو عربی ہندی سنسکرت مرہٹی کہیں بند نہیں۔ رنگت میدہ شہاب۔ صورت انار دانہ چیتے کی سی کمر مرگ کی سی آنکھ لڑکی نہیں حور ہے۔ اب میں مشورہ تو سب ہی سے کرونگا تم جانتے ہو لاٹ صاحب سے لیکر بھنگی لاحول ولا سب میرے مرید میں پرسوں ہی کا تو ذکر ہے تم نے سنا ہوگا جنگی لاٹ سے لالہ چند ولال کی گائے مرگئی۔ ہندو بگڑ گئے تھانہ دار بھی جان پر کھیل گیا ہتھکڑی لے پہونچگیا لاٹ کی کوٹھی پر۔ ادھر پولیس کے سپاہیوں نے بندوقیں بھرلیں ادھر فوج آگئی۔ آخر لاٹ صاحب کو سوجھ گئی کہ لاؤ دادا کو۔ دو بجے رات کے برقنداز آیا۔ پیٹ میں درد۔ گردوں میں درد ہاتھ میں درد پاؤں میں درد سر میں درد کمر میں درد مگر بھائی گرتا پڑتا پہونچا اور بیچ بچاؤ کیا۔ لاحول ولا۔

(پہلا) مگر دادا کسی اخبار میں تو آیا نہیں۔

(دادا) لاحول ولا یہ باتیں اخبار میں جایا کرتی ہیں اے میاں تمہارے برتے پر سرکار حکومت نہیں کر رہی اچھا تو تم بازار میں جاؤ میں ذرا نماز پڑھ لوں۔ ایک تولال کا غذ لاؤ پچاس ٹکلیاں اور سرخ روشنائی

(دوسرا) ابھی لاتے ہیں۔

یہ دونوں بازار گئے اور دادا نے نانی سے کہا "پیغام تو اللہ نے گھر بیٹھے اچھا بھیجدیا۔ لڑکا کتوں کا حکیم ہے۔ لو پانی لاؤ ذرا دیکھ بھال کر ڈالنا۔ نانی اٹھکر پانی لائیں۔ دادا تاکید کررہے تھے کہ خوب گرم ہو ٹھنڈک کا وقت ہے پانی گرم کیا ابل رہا تھا۔ نانی نے جو تلی باندھی تو دادا تڑپ کر چیخ اٹھے "ارے مار ڈالا۔ مار ڈالا"

(نانی) میں تو پہلے ہی کہہ رہی تھی کہ ذرا دیکھ لو۔ کلّو نیر اور ہونٹوں پہ

آبلے پڑ گئے۔ شہد کی مکھیوں نے پہلے ہی کاٹ لیا تھا۔ چہرہ کپّا ہوگیا ہائے ہائے کر رہے تھے کہ دونوں آدمی آپہونچے۔

دادا نانی پر چیخ رہے تھے۔ ادھر آدمیوں کی آواز ادھر دادا کا غصہ گھبرا کر جو مڑیں تو لوٹا ہاتھ سے چھوٹ کر دادا کے مغز پر۔ اب جو ارے ارے کا شور مچا تو گھر کیا محلہ گونج گیا۔ دو چار آدمی پڑوس کے اور دو آنیوالے اندر گھس گئے۔ نانی کوٹھری میں پہنچیں۔ دادا ایک ایک کے آگے ہاتھ جوڑ رہے ہیں کہ نانی نے خون کیا ہے اب میں تو بچتا نہیں۔ اسکو کوتوالی پہونچاؤ۔ پڑوسی سمجھا رہے ہیں مگر دادا کی سمجھ میں خاک نہیں آتا۔ نانی کانپ رہی ہیں لیکن باہر نہیں آتیں۔

(دادا) ارے کیسے مرد ہو اس خونی عورت کو باہر نکالو میری زبان بند ہو رہی ہے۔ گردن تک کا دم نکل چکا اس نے جان کر قتل کیا ہے۔ دفعہ دو ہزار میں پکڑ لو۔ لاحول ولا (دونوں آنیوالے) دادا ہمکو کیا حکم ہے۔ یہ سامان آگیا۔

(دادا) ارے اللہ کے بندوں! یہ ستم یہ ظلم مردے پر اتنی زیادتی یہ رونیکا وقت ہے یا شادی کا نیل ڈھلگیا آنکھیں پھر گئیں زبان میں دم باقی ہے خیر یہ کام بھی کرتا جاؤں۔ لاحول ولا۔ لکھو پہلے یا فتاح اس کے بعد بسم اللہ شریف اس کے بعد پوری الحمد پھر درود شریف۔

(ایک) حضرت کاغذ تو بس یہ ہے۔

(دادا) لاحول ولا ارے میاں میرے بستہ میں سے مکہ شریف کے کاغذوں کی کاپی رکھی ہے وہ لو۔

(دوسرا) دادا اس نے تو جب سے ہی انگریزی پڑھی ہے یہ الحمد کیا جانے

(دادا) لاحول ولا۔ نماز میں کیا پڑھتے ہو۔

(پہلا) آجتک تو پڑھی نہیں۔

(دادا) پھر مسلمان کا ہے کے ہو؟

(دوسرا) دادا آپ رقعہ سیدھا سادا لکھوائیے۔ اب ان باتوں کی ضرورت نہیں۔

(دادا) لاحول ولا۔ جاؤ کاتب کو بلا کر لاؤ۔ مگر کاتب حافظ ہو نہیں تو سیدھی سادی لڑکی اور کہیں ڈھونڈ ہو خوبصورت تعلیم یافتہ سیدانیا کیا مفت ملیگی اور ہاں کاتب باوضو ہو۔

(دوسرا) منشی محمد کو بلا لوں۔ مگر وہ بے نمازی ہیں۔ اچھا یوں کرتا ہوں سامنے والی مسجد کے امام جی کو لاتا ہوں۔

(باقی آئندہ)

لڑکیوں کی تعلیم

رہتی جو فکر ہمکو تعلیم دختراں کی
ہوتی کچھ اور ہی پھر توقیر خاندان کی

ہم اہل فضل ہوتے اہل کمال ہوتے
کیوں جبہ سائی کرتے غیروں کے آستاں کی

جو قوم کر رہی ہے توقیر صنف نازک
حاصل ہیں کچھ اسی کو خوش بختیاں جہاں کی

ناکارہ ہے سراسر جاہل اگر ہے دختر
پژمردہ شاخ گل ہے گویا وہ گلستاں کی

برق غضب ہے واللہ بے علم ہے جو بیوی
اللہ بچائے زد سے اس تیر بے کماں کی

ہے بدنصیب بچہ گر ماں ہے اس کی جاہل
ہے سانپ کا نشیمن گود اسکو اپنے ماں کی

ویران ہے وہ خانہ جس کے مکیں ہوں جاہل
ہے علم کی تجلی سے منزلت مکاں کی

ہے طلب علم لازم مسلم پہ مسلمہ پر
حکم نبی کو بھولے ذلت ملی جہاں کی

ڈرتی ہوں قوم مسلم برباد ہو نہ جائے
اب ساعت آگئی ہے اک سخت امتحاں کی

سب کی نگاہ میں ہم اب خوار ہو رہے ہیں
بدلی ہوئی نظر ہے اب ہم سے آسماں کی

اے خفتہ بخت مسلم بیدار ہو خدارا
اے محو خواب غفلت یہ نیند ہے کہاں کی

روشن ہے خوب تجھ پر اپنی شکستہ حالی
تفسیر ہے تو اپنی نکبت کے داستاں کی

احساس پھر بھی اپنی ہستی کا کچھ نہیں ہے
اللہ ہی جانے چھائی ہے بیخودی کہاں کی

وقت آرہا ہے دشمن بھی اپنے دوست ہونگے
خاک وفا سے ہوگی تعمیر اب جہاں کی

عبرت وہ جہاں ہے درماندگی مسلم
گویا یہ موج مضطر ہے بحر بیکراں کی

علم و ہنر کی دولت بہنو ہے ایسی دولت
رہزن کا ڈر نہ جسکو حاجت ہے پاسباں کی

مردوں سے کیا کریں ہم امید دستگیری
ان تیروں سے ہیں پیدا اب لرزشیں کماں کی

اظہار مدعا کو منہ میں زبان تو ہے
بتلاؤ کیا ضرورت پھر تمکو ترجماں کی

گلدستے علم کے تم خود بزم میں سجاؤ
واللہ تم آپ زینت ہو اپنے بوستاں کی

فاطمہ بیگم (منشی فاضل)

بچوں کا لباس و انتظام و حفاظت

بڑوں کی بہ نسبت بچے موسم کی تبدیلی کو زیادہ محسوس کرتے ہیں اسلئے کپڑے ایسے پہنانے چاہئیں جو نرم و گرم اور ڈھیلے ہوں اور گردن وغیرہ ڈھک جائے کمزور بچوں کو زیادہ نرم اور ہلکے کپڑے پہنائیں۔ بچوں کے رہنے کا مکان صاف ہوادار ہو۔ شب کو درختوں اور پھولوں کے گملے وغیرہ سے انہیں الگ رکھیں۔ ان کی خوشبو اور مرطوب ہوا مضر ہے۔ بچوں کے لئے ہوا نہایت پاک ہلکی اور برابر حرارت کی ہو۔ ایک سال کے بچے کو سوا پندرہ گھنٹے روزانہ ضرور سونے دیں اور سوتے سے کبھی نہ جگائیں۔ بچہ عموماً ایک وقت چار گھنٹے سوتا ہے۔

بہت سی مائیں صرف اس لئے بچوں کو افیون کہلاتی ہیں کہ سردی سے بھی بچے اور خوب سوتا رہے یاد رہے کہ افیون کھلانا نہایت مضر ہے۔ اکثر بچوں کی مامائیں چپکے سے افیون کھلاتی ہیں تاکہ بچہ سوتا رہے اور مجھے آسانی ہو۔ جب بچہ زیادہ سوئے تو ماؤں کو لازم ہے کہ تدارک کریں اسکی شناخت یہ ہے کہ بچہ خوب سوئیگا جگاؤ تو اونگھیگا سوتے میں سانس بے قاعدہ اور کم چلیگا۔ اُٹھکر دودھ نہ مانگیگا۔ آنکھوں کی پتلیاں چھوٹی معلوم ہوں گی۔ گر یہ آثار ہوں تو ماماؤں پر سختی کرنی چاہئے۔ تاکہ ایسا نہ کریں

بچے کے دودھ کے دانت چار یا چھ ماہ میں نکلنے شروع ہوتے ہیں کمزور بچوں کو زیادہ عرصہ بعد نکلتے ہیں جب دانت نکلتے ہیں تو انہیں تکلیف ہوتی ہے۔ اسوقت تازی ہوا کھلائیں سر کھلا رکھیں۔ غذا عمدہ و کافی دیں۔ اور گرم پانی سے غسل دیا کریں۔ ان کاموں سے دانت بسہولت نکلتے ہیں گر قبض ہو تو ارنڈی کا تیل (کاسٹر آئل) ایک چمچہ بھر دینا مفید ہے۔ بیمار ہو تو دودھ میں قدرے لائم واٹر ملا کر دینا چاہئے۔ تین چار ماہ کے بچہ کو ٹیکا ضرور لگوائیں اور ہر سال ٹیکا لگوایا کریں اس سے چیچک کا خوف نہیں رہتا۔ یہ بیماری نہایت بُری اور خطرناک ہوتی ہے۔ مگر برسات میں نہ لگوائیں۔ زخم پر کپڑا بھگو کر رکھیں۔ جب زخم خوب ابھر جائے تو اکسائڈ آف زنگ اور بوراسک ایسڈ ہموزن لیکر زخم پر چھڑک دیا کریں اس سے سوزش دور ہوگی۔ بچوں کے کھانے کا وقت ضرور مقرر کریں۔ بیوقت کھلانا یا دودھ پلانا مضر ہے۔ جس قدر بچہ بخوشی کھائے کھانے دیں زبردستی زیادہ نہ کھلانے کی کوشش کریں ورنہ یا تو قے ہوجائیگی یا بچہ کی طبیعت خراب ہو جائیگی اسی سبب سے اکثر شیرخوار بچے دودھ اگلا کرتے ہیں کیونکہ وہ نادان ہوس کے مارے برابر پیتا رہتا ہے۔ مگر معدہ قبول نہ کرکے واپس بھیجدیتا ہے جس چیز کو بچہ شوق سے کھائے حتی الامکان وہی شے کھلانا چاہئے۔ لیکن اسی حالت میں کہ وہ شے مضر نہو۔

ایس کے صغرا بیگم سبزوار یہ کلکتہ

عصمتی دستر خوان قومی اصلاح کی بنیاد ہے

آج کل ترقی یافتہ ممالک میں جہاں عورتیں ملکی۔ قومی۔ سیاسی۔ اور تعلیمی ترقیات کے میدان میں سرعت کے ساتھ دوڑ کر مردوں کے ہم پلہ ہونے کی درپے نظر آ رہی ہیں۔ وہاں اپنے نسائی فرض کو معراج ترقی پر پہنچانے کے لئے بھی تمدنی و معاشرتی امور میں فن خانہ داری کے ہر صیغہ کو کمال کے درجہ تک پہنچانے کی حد درجہ شایق نظر آتی ہیں۔ اور اس فن کے جزو اعظم پکوان پر بھی خاص توجہ سے کام لے رہی ہیں۔ جن پر انسانی زندگی وصحت وطبیعت کی تر وتازگی وراحت کا سب سے بڑا دار ومدار ہے۔ کہ جسم ودماغ کا نشوونما تعلیم وتربیت اور عمدہ ماحول کے سوا لطیف ومرغوب الطبع غذا کا محتاج مانا گیا ہے۔ اور لطیف ومرغوب غذا عمدہ پخت وپز پر موقوف ہے۔ چنانچہ اس کا بین ثبوت انگلستان میں لندن۔ برسٹل۔ ریڈنگ میں اس فن کی یونیورسٹیاں ہیں آسٹریلیا۔ نیوزیلینڈ اور جنوبی افریقہ کی بعض یونیورسٹیوں نے بھی عورتوں کو فن خانہ داری کی ڈگریاں دینی شروع کر دی ہیں اسی طرح پولینڈ سوئٹزرلینڈ۔ ٹرکی۔ ڈنمارک۔ برازیل اور چین میں بھی اس تعلیم کی ضرورت کو محسوس کیا جا رہا ہے۔ اور اسکے لئے حکومت مدد دینے کو بھی تیار ہے۔ امریکہ میں تو ابتدائی مدرسوں ہی میں بچیوں کو فن خانہ داری کی تعلیم دئے جانے پر خاص توجہ کیجا رہی ہے۔ تاکہ بچپن ہی سے انہیں خانہ داری کی مشق ہو جائے۔ فرانس کے پایہ تخت پیرس میں تو ایک ایسی درسگاہ ہے جس کی نظیر یورپ میں بھی نہیں مل سکتی۔ جہاں سترہ برس سے لیکر پچیس برس تک کی لڑکیاں لیجاتی ہیں اور چند ماہ کی قلیل مدت میں خانہ داری کے تمام شعبوں کی تعلیم بلا کسی کتاب کے محض زبانی اور عملی تجربات کے ذریعہ دیجاتی ہے۔ مثلاً اس بات کا سلیقہ کہ ہفتہ وار یا ماہوار آمدنی کو خوراک۔ لباس۔ مکان کا کرایہ اور ضروری اخراجات میں کس طرح تقسیم کر سکیں۔ تھوڑی آمدنی میں بخوبی گذارا کس طرح ہو۔ اسی طرح ایک چیز کو مختلف طریق وذائقے کے ساتھ کس طرح پکایا جائے۔ بچا ہوا کھانا کس کام میں لایا جائے۔ وہ کونسی ترکیب ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے کمرہ کو سجایا بھی جائے اور رہائش کے لئے بھی کافی جگہ نکل سکے۔ اور روپیہ بھی کم خرچ ہو۔ بچوں کی نگہداشت معمولی امراض کا علاج وتیمارداری وغیرہ۔ کتنے خوش قسمت ہیں وہ گھرانے جن کی لڑکیاں اس درسگاہ سے خانہ داری کے کل شعبوں میں طاق ہو کر نکلیں گی تو ان کی زندگی خصوصاً ازدواجی زندگی کیسی کامیاب وخوشگوار ثابت ہوگی اور کیسی قابل فخر ہے وہ ہستی جس نے اپنی جنس کی اس کمی کو محسوس کر کے اس قسم کے درسگاہ کی بنیاد ڈالی اور اپنے آمدنی کے کثیر حصے سے اسکو چلا بھی رہی ہیں جن کا اسم باسمی میڈم روز نتھال ہے۔ جرمنی میں بھی اب اور علوم وفنون کے مقابلوں کے ساتھ پکوانوں کے بھی مقابلہ ہونے لگے ہیں جن میں ہزاروں عورتیں اظہار کمال کے لئے شریک ہوتی ہیں۔ جہاں خاص خاص قسم کے کھانوں کے علاوہ روزمرہ کے کھانے جیسے شوربا۔ گوشت۔ آلو۔ چاول اور کافی وغیرہ تیار کرنے میں اپنے جوہر دکھاتی ہیں اور ہزاروں کے انعامات کے ساتھ خطابات بھی حاصل کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک عرصہ ہوا وہاں کے ایک مدرس کی بیوی نے "پکوان کی ملکہ" کا خطاب دو ہزار کے انعام کے ساتھ حاصل کر لیا تھا۔

غرض خانہ داری جو انسانی زندگی کا ایک لازمہ ہے یورپ اور وہاں کی عورتوں نے اس گر کو خوب سمجھ لیا ہے۔ اور ادنیٰ سے لیکر اعلیٰ تک ہر فرقہ کی مستورات اس فن میں بھی کمال حاصل کرنے کی شائق پائی جاتی ہیں۔

سویڈن کی شہزادی مارتھا جو ناروے کے ولی عہد کی بیوی ہونے کی حیثیت میں شاہی طرز کی زندگی و تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ فن خانہ داری کی بھی ایسی ماہر ہیں کہ ہر قسم کا کھانا پکانا عمدہ جانتی ہیں اور یہ آپ کی والدہ محترمہ کی تربیت کا اثر ہے جو سویڈن کی ملکہ ہیں لیکن شاہی زندگی میں بھی فن خانہ داری میں کامل مہارت رکھتی ہیں۔

اسی طرح ہالینڈ کی شہزادی جولیانہ علاوہ اور علوم و فنون کے قانون دانی میں بھی شہرت رکھتی ہیں۔ تاہم ان تمام خوبیوں کے ساتھ اپنی والدہ ملکہ ولہلمینہ اور نانی ملکہ ایما کی زیر تربیت امور خانہ داری میں بھی خاص واقفیت رکھتی ہیں

ہندوستان دور حاضرہ میں مغربیت پسند واقع ہوا ہے۔ خصوصاً یہاں کی عورتیں تو تقلید یورپ کو فخر سمجھتی ہیں مگر اس قسم کے مفید و کار آمد صفات جو قدرت نے نسائیت کے لئے ضروری گردانی ہیں۔ ہرگز اخذ نہیں کرتیں۔ لہذا جو تقلید وہ کرتی ہیں بہروپئے کے سوانگ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی کہ خذ ما صفا کے سنہری اصول پر بھولے سے بھی عمل نہیں ہوتا۔

البتہ تعلیم انگریزی کا شوق حد سے متجاوز۔ جس کا ہونا ایک حد تک اس زمانہ میں ضرور بھی ہے لیکن عملی اعتبار سے صحیح طریقہ پر انگریزی گفتگو کرنا تک کار سے وارد۔ ہاں فیشن میں عریانی تک پہنچی ہوئی بے پردگی و بیحیائی۔ فضول خرچی میں وہ ید طولی کہ اپنی و مرد کی آمدنی غائب۔ خانہ داری سے کوسوں دور۔ چھوٹی موٹی بیماریوں میں پہلے تو بے پروائی اور پھر ڈاکٹروں کے رحم پر۔ اولاد سے تو سبک دوشی کی تمنا۔ پھر پرورش اولاد کیا معنی۔ کھانا پکانے کے نام سے اختلاج قلب اور مذہب کا تو پتہ ہی نہیں یہ طور و طریق ہندوستانی نئی پود کے کچھ ایسے ہوگئے ہیں کہ مستقبل قریب ہی میں یہ مفلس ہندوستان تباہی کے عمیق گڑھے میں یہ کہتے ہوئے گرتا نظر آئیگا۔ کہ ع اے روشنی یورپ تو بر من بلا شدی۔

اس کا سبب زیادہ تر ہندوستان کا وہ طریق تعلیم ہے جو فطرت کے خلاف لڑکوں اور لڑکیوں میں ایکساں طریق پر سکولوں میں رائج ہے۔ کیا کوئی اس سے انکار کرسکتا ہے کہ قدرت نے مرد و عورت کی وضع حیات انسانی کے لئے الگ الگ مقصد کے واسطے نہیں بنائی۔ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو پھر کیا اس طریق تعلیم کو اقتضائے فطرت کے مطابق کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہندوستان کے لڑکے لڑکیوں کی تعلیم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بیسویں صدی کے آغاز سے تو جبکہ مدرسوں کے ذریعہ لڑکیوں کی بھی تعلیم ہونے لگی ہے۔ لڑکی کے والدین اپنی تربیت کے فرض سے بھی بالکل بے فکر ہوگئے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ تو سکولوں میں خانہ داری سکھائی جاتی ہے اور نہ ہی گھروں میں جو نسائی زندگی کا لازمہ ہے جس سے لڑکیوں کی زندگی خصوصاً ازدواجی زندگی تباہی خیز ثابت ہو رہی ہے۔ یہ لڑکیاں جس گھر کا چراغ بنکر بننے کے لئے جاتی ہیں وہاں بجائے روشنی کے اندھیرا ہی ہوجاتا ہے۔ زن و شوہر اور ساس بہو کے جھگڑوں کے اسباب میں خانہ داری سے ناواقفیت یعنی پھوہڑپن کو بھی بڑی حد تک دخل ہے۔ اور یہ انفرادی جھگڑے ہی قوم و ملک کے لئے تباہی کا سامان ہیں۔ یہ کہاوت اسوقت کے لئے بالکل موزوں ہو گئی ہے کہ "کھانا ہوٹلوں میں اور مرنا اسپتالوں میں"

پس ضرورت ہے کہ جلد اور بہت جلد اس تباہ کن فضا کو روک دیا جائے اور اس کے روکنے کے اسباب میں فن خانہ داری اور اس کا جزو اعظم پکوان خاص توجہ کا محتاج ہے۔ خوش نصیبی سے اب بھی ہندوستان کے طول و عرض میں بہت سے قدیم گھرانوں کی مستورات ایسی ہیں جن کے سینوں میں یہ علم محفوظ چلا آتا ہے۔ اسے جلد سے جلد یکجا کر کے کتابی صورت میں قلم بند کر دیا جائے۔

خدا کا شکر ہے کہ اس زمانہ میں ایسے کام کے لئے جناب مولوی رازق الخیری صاحب اڈیٹر رسالہ عصمت مستعد نظر آتے ہیں جن کا ہمیں دلی شکریہ کے ساتھ استقبال کرنا چاہیے کہ آپ نے پچھلے سال اس ضرورت کو محسوس کرکے اپنی اہلیہ آمنہ نازلی صاحبہ کو اس کام کے لئے آمادہ کردیا کہ وہ ہندوستان جیسے وسیع ملک کے اکثر حصوں سے بڑے بڑے گھرانوں کی معزز خواتین کو متوجہ کرکے پکوان جیسے شریف و ضروری فن کو جو شاہی وقت (جبکہ اس فن کی قدر و منزلت تھی) سے اسوقت تک سینہ بسینہ چلا آتا ہے یکجا قلمبند کرکے آئندہ نسل۔ قوم اور ملک کی خاطر کتابی صورت میں محفوظ کردیں۔ اسی طرح ملک کی خواتین نے بھی آمنہ نازلی صاحبہ کی آواز پر لبیک کہا اور اپنے اپنے ہاں کے طریقہ پخت و پز کے کئی کئی آزمودہ تراکیب مع صحیح اوزان و اجزا کے لکھکر آپ کو بھیجدیں۔ ادہر آمنہ نازلی صاحبہ نے یہ التزام کرلیا کہ جس قدر پکوانوں کی ترکیبیں موصول ہوتی گئیں۔ اس میں تجربہ کی ہوئی تراکیب کو اخذ کرکرکے طباعت کا جامہ پہنانا شروع کردیا۔ اور اپنے اس خیال کے بعد چند ہی ماہ میں اس فن کا پہلا حصہ "عصمتی دسترخوان" کے نام سے ۲۲۸ صفحہ کی کتاب کی صورت میں پیش کردیا۔ جس میں تقریباً چار سو دس پکوانوں کی ترکیبیں درج ہیں۔ جن میں سے چند چیزیں بغرض تجربہ میں نے اور میری بہن اقبال بیگم قاضی وکیل ہائی کورٹ بمبئی نے تیار کیں اور کھانیوالوں نے اس کے ذائقہ کو ٹھیک پایا ان تراکیب کو لکھنے والی بہنیں صرف اٹھاسی ہیں۔ مگر اس کتاب میں یہ بات دیکھکر بڑی خوشی ہوتی ہے کہ اب بھی بڑے بڑے اور امیر گھرانوں کی تعلیم یافتہ مستورات اس فن میں خاص امتیاز رکھتی ہیں جنہوں نے کافی تعداد میں قسم قسم کے پکوانوں کی صحیح ترکیبیں لکھی ہیں ہم ان کے نام ان کی قدر دانی اور نئی پود کی ترغیب و رہنمائی کے لئے یہاں لکھنا مناسب سمجھتے ہیں۔ "عصمتی دسترخوان" میں حیدرآباد دکن کی محترمہ بہن خیر النسا بیگم صاحبہ قابل ستایش ہیں کہ آپ نے مختلف پکوان کی ۶۲ ترکیبیں لکھکر سب میں پہلا نمبر حاصل کیا۔ عزیزہ نواب زادی رضیہ سلطان زمان صاحبہ کا نام ۴۴ ترکیبوں کے ساتھ دیکھکر یہ کہے بغیر نہیں رہا جاتا کہ اس زمانہ کی مغربی فضا میں بھی ایک امیر گھر کی نازپروردہ اولاد ماں بہنوں کی خانگی تربیت کے اثر سے اپنے نسائی جوہر میں شہزادی مارتھا کے مقابلہ کی کہی جاسکتی ہیں۔ اور اسی طرح ۳۲ تراکیب لکھنے والی بہن محترمہ ایچ۔ ایس محبوب صاحبہ بھوپال اور ۲۲ ترکیبیں لکھنے والی محترمہ بہن مسز عبدالوحید صاحبہ لکھنؤ بھی خصوصیت کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان کے بعد بیگم قاضی عظیم الحق صاحبہ نے اٹھارہ۔ بنت نعمت الٰہی صاحبہ نے چودہ۔ بنت بلدیو پرشاد صاحبہ نے تیرہ۔ "عصمتی دسترخوان" کی نوعمر مولفہ نے بارہ اور مس اقبال حسین صاحبہ نے گیارہ ترکیبیں لکھکر اپنے سگھڑاپے کا شمار کرادیا۔ انکے علاوہ اناسی بہنوں کی مدد کا مجموعہ "عصمتی دسترخوان" کا پہلا حصہ ہے جو ہندوستان کے گوشہ گوشہ کے کھانوں کا ذائقہ چکھاتا ہے جس میں انواع و اقسام کے انگریزی۔ ایرانی۔ بنگالی کشمیری اور ہندوستانی وغیرہ پکوان کی ترکیبیں ہیں اور شروع میں چند بہنوں کے اس فن کے متعلق مفید و کارآمد مضامین بھی ہیں۔ مگر اس فن کے لئے وسیع پیمانہ پر اور بہت سے معلومات یکجا بہم پہنچانے کی ضرورت ہے۔ گو اس فن کی چند کتابیں جیسے اتالیق نسواں محترمہ محمدی بیگم صاحبہ کی کتابیں خانہ داری اور خوان نعمت اور مرحومہ م۔ ب۔ صاحبہ لکھنوی کی کتاب خوان دعوت وغیرہ اس وقت تک اپنے اپنے مذاق میں بہت کچھ کارآمد ہیں تاہم جبکہ جناب مولوی رازق الخیری صاحب نے اس کام کو اٹھایا ہے ایسے موقعہ کو غنیمت جانکر ہم یہ تمنا رکھتے ہیں کہ جہاں آپ نے صرف پکوان کے متعلق مختلف ضروریات کا خیال عصمتی دسترخوان کے دوسرے حصہ کی طباعت میں رکھا ہے جیسے (۱) بچوں کے کھانے (۲) بیمار کے کھانے (۳) ناشتہ کی چیزیں (۴) مختلف ممالک کے مشرقی و مغربی کھانے (۵) ہنڈکلیا وغیرہ۔ وہاں مذکورہ بالا مغربی ممالک کی درسگاہوں کے اصول خصوصاً پیرس کے میڈم روزنتھال کی درسگاہ کے خانہ داری کے شعبوں کو ملحوظ رکھا جائے اور

نیز اس باب میں بھی خصوصیت کے ساتھ اضافہ ہو کہ غذا کے کیمیائی اجزا اور ان کے خواص علمی طریق پر معلوم ہوں مثلاً کون کون سے اجزا مختلف غذاؤں کے لئے ترکیب پا سکتے ہیں۔ فلاں چیز ثقیل کیوں ہے اور فلاں چیز زود ہضم کیوں ہے۔ کونسی غذا کو آپس میں ملا کر کھانا مفید ہے اور کونسی غذاؤں کا ایک ساتھ استعمال مضرت رساں۔ دماغی محنت کرنیوالوں کو کونسی غذا صحت بخش ہوا کرتی ہے اور جسمانی محنت کرنیوالوں کو کس قسم کی غذا کی ضرورت ہے۔ ایک چیز کو مختلف طریقہ و ذائقہ سے کس طرح پکایا جائے۔ گرمی سردی کے موسم میں کونسی غذا مفید اور کونسی مضر ثابت ہوا کرتی ہے اور گرم و سرد ممالک کے لحاظ سے وہاں کے باشندوں کو کس قسم کی غذا مفید ثابت ہوگی وغیرہ۔ تاکہ اس قسم کی معلومات ہر ملک اور ہر موسم و ہر قسم کی طبیعت کے لئے کارآمد ہو سکے۔ جس سے "عصمتی دسترخوان" خانہ داری کے اہم جزو اعظم یکپوان کے ہر شعبوں پر حقیقی معنوں کے ساتھ حاوی ہو سکے۔ اور قومی اصلاح کی بنیاد ثابت ہو

اگر ہماری اس تجویز پر توجہ ہوئی اور جناب مولوی راز ق الخیری صاحب نے اس قسم کی معلومات اور مسالہ جات فراہم کر کے محترمہ بہن آمنہ نازلی کے اس کام میں امداد فرمائی تو ہم گورنمنٹ ہند سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ اس پایہ کی کتاب کو تعلیم نسواں کے کورس میں داخل کر دے۔ اور نیز اس کی تیاری کے لئے مالی امداد سے بھی دریغ نہ فرمائے کہ فی زمانہ تعلیم نسواں کے لئے اس قسم کی کتابوں کی بہت کچھ ضرورت ہے۔

سردار محمدی بیگم بنت مرحوم نواب آف دائی لونی۔

محترمہ محبوب جہاں بیگم عصمتی دسترخوان کی تعریف کرنے کے بعد اپنے خط میں تحریر فرماتی ہیں!

ایک ایسی کتاب کی سخت ضرورت ہے جس میں بتایا جائے کہ حیوانی و نباتاتی غذاؤں میں سے کس کس کے کیا اثرات ہیں۔ اور کونسی غذا کس موسم میں مفید ہوتی ہے۔ اگر ہم ان غذاؤں کو استعمال کریں تو ان کی کتنی مقدار مفید ہوگی۔ لڑکیاں باورچی خانہ کس طرح صاف رکھیں۔ گوشت ترکاریوں کی نگہداشت کا بہترین طریقہ کیا ہے۔ کونسی مختلف چیزیں ایک ساتھ کھانے سے نفع ہوتا ہے۔ اور کن چیزوں کے ملا کر کھانے سے نقصان پہنچتا ہے۔ کونسی چیز کس موسم میں خریدنا چاہیئے۔ گوشت ترکاریاں۔ نیز دالیں کس قسم کی خریدیں اور کس طرح ان کو رکھیں کہ زیادہ دنوں تک رہیں۔ اور بگڑنے نہ پائیں۔

محبوب جہاں بھوپال

محترمہ سردار محمدی بیگم صاحبہ کی قابل قدر رائے اور محترمہ محبوب جہاں کا مفید مشورہ تمام عصمتی بہنوں کی طرف سے دلی شکریہ کا مستحق ہے۔ محترمہ آمنہ نازلی صاحبہ ایسی مفید کتاب کو نہایت خوشی کے ساتھ مرتب کرنے کے لئے تیار ہیں اور ہمیں اُمید ہے کہ جس طرح عصمتی دسترخوان جیسی کارآمد کتاب عصمتی بہنوں نے شائع کرا دی اسی طرح اس ضروری کتاب کی تیاری میں بھی حصہ لیں گی اور حقیقتاً کارآمد اور مفید مضامین ان ہدایتوں کا خیال رکھ کر جو عصمتی دسترخوان اور اس کے دوسرے حصوں کے لئے شائع ہو چکی ہیں ابھی سے بھیجنے شروع کر دیں گی۔ تاکہ یہ مفید کتاب جلد سے جلد شائع ہو سکے عصمتی بہنوں کا یہ زبردست کارنامہ ہوگا۔

اڈیٹر

خود بینی اور قوت ارادی

خدا پناہ میں رکھے تلون مزاج آدمی سے ناک میں دم کر دیتا ہے۔ شروع شروع میں لوگ اس کی سحر بیانی حاضر جوابی
درلسانی سے اس کی طرف دوڑے دوڑے چلے آتے ہیں۔ لیکن واسطہ پڑنے پر معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ کسی کی حقیقت
نے سامنے نہیں سمجھتا۔ سب سے زیادہ عاقل اور معاملہ فہم وہ اپنے ہی کو جانتا ہے۔ کوئی کچھ کہے وہ کیوں تسلیم
رنے لگا جبکہ اس کا یقین ہے کہ مجھ سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ دوسرے شخص کی مجال نہیں کہ کچھ کہہ سکے۔ کسی کی شامت
آئی اور کچھ کہدیا تو خوب آڑے ہاتھوں لیا جاتا ہے۔ وہ بوچھاڑ ہوتی ہے وہ گرے ہوئے رکیک الفاظ
بکے جاتے ہیں کہ سننے والا مارے غیرت کے خاموش ہوجائے۔ بس خود بیں آدمی تو یہ سمجھتا ہے کہ "ہمچو من دیگرے
نیست" جو ہوں بس میں ہوں۔ میری رائے اور میرے خیالات سب کیلئے درست ہیں۔ جو کچھ میں کہتا ہوں وہی سیدھی راہ ہے
وہی صحیح راستہ ہے ایسے شخص کو نہ تو رات کو چین کی نیند آتی ہے نہ دن کو اطمینان مل سکتا ہے۔ بس وہ اس خیال میں جلتا رہتا ہے
کہ سب میرے کہے پر میرے بتائے ہوئے راستہ پر کیوں نہیں چلتے۔ ایسے لوگ اچھے اچھے کام کر سکتے اور عمدہ عمدہ مشورے
دے سکنے کی قابلیت رکھتے ہیں اور سلجھے ہوئے خیالات بھی رکھتے ہیں۔ مگر تنگ مزاجی اور تلون اور خود بینی سے پریشان
بھی کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگ اس قدر اکھڑے مزاج رفتہ رفتہ ہوجاتے ہیں کہ سیدھی اور صلاحیت کی بات بھولے سے بھی انکے
منہ سے نہیں نکلتی ہے۔ اور اگر کوئی صلاحیت کی بات کرتا ہوگا تو اسکو بھی سن نہیں سکتے۔ ان لوگوں کا یہ مقولہ ہے کہ
نفاق ہو یا اتفاق رہے جو بات ہو صفائی قلب سے کہہ گذرنا ہی چاہیئے۔ اس میں رکنے یا ہچکنے کی کوئی ضرورت
نہ موقع مصلحت کا کچھ خیال۔ ورنہ مکاری میں داخل ہے۔ میرا خیال ہے کہ چاہے سچ سے سچ بات ہو مگر اہل دنیا
سننے کو تیار نہیں اس نے بہتر راستہ تو یہی ہے کہ نہ فداکاری سے کام لو نہ مکاری سے۔ میانہ روی کو مدنظر رکھو۔ جو کہو
الفاظ تول کر کہو اور جو کرو سوچ سمجھ کر اور طبیعت پر قابو پا کر۔ یہ کہنا بالکل سچ ہے کہ برا مزاج زحمت ہے اور اچھا مزاج رحمت۔ خدا
نے ہر انسان کو قوت ارادی ایسی زبردست طاقت دی ہے کہ برے سے برا مزاج اور بری سے بری عادت اسکی بدولت درست ہوسکتی ہے
خود بین انسان کو اپنی برائی کا احساس ہوجائے اور قوت ارادی سے کام لے تو خود بھی خوش رہ سکتا ہے اور دوسروں کو بھی اس سے
آرام و خوشی مل سکتی ہے۔ یہ کتنی اچھی عادت ہے کہ رات کو سوتے وقت دن بھر کے کاموں پر انسان غور کرے اور بری باتوں کو چھوڑنیکی
ٹھان لے۔ یقیناً قوت ارادی سے اس شخص کو اپنے نفس پر فتح حاصل ہوگی اور انسان کا سب سے بڑا دشمن زیر ہوجائیگا۔ بقول ذوق ع بڑے موذی
کو مارا نفس امارہ کو گر مارا۔ بعض شرابیوں نے محض قوت ارادی سے یک لخت شراب چھوڑ دی۔ سینکڑوں مثالیں ہیں کہ قوت ارادی سے کتنے ہی
بدچلن نیک چلن بن گئے اور اخلاق کی تمام راہیں کھل گئیں جس کے پاس حسن اخلاق ہے اسکے سب زرخرید غلام بنجاتے ہیں اور جس نے کسی حالت میں

حیدرآباد دکن میں زنانہ تعلیم

ایک وہ زمانہ تھا، جبکہ عام طور سے تعلیم نسواں کو معیوب خیال کرتے تھے۔ اسکے بعد صرف مدرسے کی تعلیم معیوب تصور ہونے لگی۔ مگر آجکل عام طور سے ہندوستان میں اسی کا رواج ہو رہا ہے، روز بروز مدارس کی تعداد زیادہ ہوتی جاتی ہے۔

ہندوستان سے قطع نظر کرکے مجھے صرف حیدرآباد کی زنانہ تعلیم کے متعلق کچھ کہنا ہے، امید ہے کہ عصمتی بہنیں دلچسپی سے ملاحظہ کریں گی،

یوں تو حیدرآباد میں ایک زمانہ سے زنانہ تعلیم کا رواج ہے۔ اسکے متعلق ابتدائی، ثانوی مدارس قائم تھے، مگر گذشتہ چند سالوں میں، یا یوں کہیئے کہ اعلیحضرت حضور پُر نور نواب سر میر عثمان علیخاں بہادر خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ کے سریر آرائے سلطنت ہونے کے بعد جو کچھ ترقی ہوئی وہ قابلِ اظہار ہے،

ماہرین تعلیم نے، تعلیم کے تین درجے قرار دیئے ہیں۔ ابتدائی، ثانوی، اعلےٰ، ابتدائی تعلیم کے لیئے نہ صرف بلدۂ حیدرآباد بلکہ اضلاع و مفصلات میں بھی کثرت کے ساتھ مدارس قائم کیئے گئے ہیں۔ جنکی صحیح تعداد سردست نہیں بتا سکتی۔ اسیطرح ثانوی تعلیم کا حال ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے ان دونوں مدارس پہلے کی بہ نسبت بہت قائم ہوئے ہیں،

پہلے اعلیٰ تعلیم کے لیئے یہاں کوئی انتظام نہ تھا۔ جسکے لیئے باہر جانے کی ضرورت ہوتی تھی، اب عثمانیہ یونیورسٹی کے تحت کالج کا افتتاح ہو چکا ہے۔ جہاں بی۔ اے تک تعلیم ہوتی ہے۔ آئے دن ایسی خواتین کی تعداد کا اضافہ ہوتا جاتا ہے جو کالج کی ڈگری حاصل کرتی ہیں،

کالج کی صدر (پرنسپل) ایک انگریز خاتون ہیں مگر یہ اسلام قبول کر چکی ہیں۔ ان کا نام "مس آمنہ پوپ" ہے یہ کیمبرج کی ام۔ اے ہیں، ان کے علاوہ انگریزی، عربی، فارسی، اردو، تاریخ، فلسفہ وغیرہ کی تعلیم کیلئے یورپین اور دیسی قابل خواتین مقرر ہیں، جو دلدہی اور شفقت کے ساتھ تعلیم دیتی ہیں، اس کالج میں پردہ کا پورا انتظام ہے۔ لڑکیاں بند موٹروں اور گاڑیوں میں آتی جاتی ہیں،

ہندوستان بھر میں یہ کالج اپنی نوعیت کا تنہا کالج ہے کیونکہ عثمانیہ یونیورسٹی سے ملحق ہونے کے باعث انگریزی زبان کے لازمی ہونے کے سوا باقی تمام فنون کی تعلیم اُردو میں ہوتی ہے،

دوسرا ایک ہائی اسکول "محبوبیہ گرل اسکول" ہے اسمیں سینئیر کیمبرج تک تعلیم ہوتی ہے اور خاصکر تعلیم عمدہ طریقہ سے دی جاتی ہے۔ یہ مدرسہ ایک علمی جماعت کے تحت ہے۔ جسکی صدر لیڈی حیدری جیسی ہمدرد خاتون ہیں۔ یہاں

متعدد انگریزی خواتین تعلیم کے لیے مقرر ہیں جو بیش قرار ماہوار پاتی ہیں، اگرچہ یہ مدرسہ مرحوم اعلیحضرت کے زمانہ میں قائم ہوا تھا، مگر اعلیحضرت کے زمانۂ حکومت میں اسکی خاص ترقی ہوئی ہے۔ لائق خواتین کے لیے بیش قرار ماہوار مقرر کی گئی اور عمدہ و اعلیٰ شان عمارت تعمیر کی گئی،

پہلے زمانہ میں کوئی نارمل اسکول نہیں تھا جسکی وجہ تربیت یافتہ معلّمہ کا ملنا دشوار تھا۔ مگر اب حیدرآباد۔ اورنگ آباد میں ایسے دو مدرسے قائم کئے گئے ہیں جسمیں معلمہ گری کی تعلیم دی جاتی ہے۔ حیدرآباد کا مدرسہ تعلیم المعلمات کی صدر مسز ڈاکٹر سید عبدالجبار ہیں جو کلکتہ کی ہیودن ہیں اور بمبئی یونیورسٹی سے بی۔ اے۔ ایل۔ ٹی کی ڈگری حاصل کی ہوئی ہیں،

سرکاری مدرسوں کے علاوہ امدادی مدرسے اور مشن اسکول بھی بکثرت سے قائم ہیں، اور پھر بعض خاندان میں مسلمان شرفا اپنے گھروں میں جو تعلیم دیتے ہیں وہ اسکے علاوہ ہے،

ریاست کے ان مدرسوں میں ہزاروں لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں۔ اور لاکھوں روپیہ ان پر صرف ہوتا ہے۔ وہ دن دُور نہیں کہ حیدرآباد کی وسیع ریاست میں زنانہ تعلیم کافی وسعت حاصل کریگی اور عورتوں کی جہالت جو کچھ بھی ہے وہ بالکل معدوم ہو جائے گی،

حیدرآباد میں بہت سی اعلیٰ تعلیمیافتہ اور روشن خیال خواتین موجود ہیں، آج سے پہلے صرف دو ایک غیر مسلم خواتین کو یورپ جانے کے لیے سرکاری وظیفہ دیا گیا تھا۔ مگر اب ہر سال خواتین کے لیے بھی وظیفہ مخصوص کیا جاتا ہے۔ پہلی مرتبہ گذشتہ سال میں تین مسلمان خواتین سرکاری وظیفہ سے لندن روانہ کی گئیں، جس میں سے دو طریقۂ تعلیم کی سند کے لیے، اور ایک ڈاکٹری کے لیے، غرض کہ اب مسلمان خواتین بھی یورپ کی تعلیم سے مستفید ہونے لگی ہیں۔

زنانہ نصاب (کورس) بھی زیر غور ہے۔ امید ہے کہ ہماری ضروریات کے موافق کورس مقرر کیا جائیگا بہر حال اعلیحضرت کے زمانۂ حکومت میں جہاں مردوں کی تعلیم میں ترقی ہوئی ہے اسیطرح عورتوں کی تعلیم میں بھی ہوئی ہے۔ خدا ایسے بادشاہ کا سایہ مدتوں سلامت رکھے، آمین۔

مس حفیظ جمال عبدالرؤف آصف آباد دکن

دانتوں کی صفائی

جسقدر تہذیب ہندوستان میں ترقی پذیر ہورہی ہے اسیقدر لوگ اپنے دانتوں کی طرف سے بے پرواہی اختیار کررہے ہیں دنیا کے تمام کام انسان سے ہی چل سکتے ہیں۔ اور یہ تمام کاروبار اسی وقت چل سکتا ہے، جبکہ صحت بہت اچھی ہو، ہماری صحت کا بہت کچھ انحصار دانتوں پر منحصر ہے۔ لیکن مشکل یہ درپیش ہے کہ عموماً لوگ اس بات سے قطعی لاعلم ہیں کہ دانتوں کی حفاظت کیسے کرنی چاہیئے،

مغربی ممالک نے دانتوں کی طرف بہت توجہ دی ہے۔ ان ممالک میں سول ہسپتال کے قریب ہی ڈینٹل ہسپتال کھلے ہوئے ہیں۔ ان آدمیوں کو ملازمت ملنی دشوار ہوتی ہے جنکے دانت میلے ہوں، ان فوجیوں کو فوج میں بھرتی نہیں کیا جاتا جنکے دانت شکستہ یا بدنما ہوں۔ وہ لڑکے کمپٹیشن (Compition) میں کامیاب نہیں سمجھے جاتے جنکے دانت گندے یا خراب ہوں۔ غرض کوئی آدمی بھی میلے دانتوں سے کسی کام کے لائق نہیں، کیونکہ ان کو علم ہے کہ دانتوں کی خرابی سے ہزارہا نہیں بلکہ کروڑہا امراض پیدا ہوجاتے ہیں۔ لیکن ہمارے ہندوستان میں دانتوں کی کچھ پروا نہیں کی جاتی؛ نہ یہاں کوئی ایسا ذریعہ ہے۔ جس سے پبلک متاثر ہوکر اپنے دانتوں کی طرف متوجہ ہو۔ اس بنا پر دانتوں کے امراض بکثرت بڑھ رہے ہیں۔

جب ہمارے دانت درست نہ ہونگے تو خوراک بغیر چبائے نگلنی پڑیگی۔ بغیر چبائے نگلنے سے منہ کا لعاب جو غذا کے ہضم ہونے میں مدد دیتا ہے غذا کے ہمراہ نہ جاسکے گا۔ ایسی غذا معدہ میں جاکر ہضم نہ ہوگی۔ جسکا نتیجہ بدہضمی قبض وغیرہ کی شکایتیں پیدا ہوں گی،

جب غذا معدہ میں جاکر ہضم نہ ہوسکے گی تو جگر بھی کچھ کام نہ کرسکے گا۔ ان دونوں کے کام چھوڑ دینے سے تازہ خون جسم میں پیدا نہ ہوسکے گا۔ تازہ خون کے نہ بن سکنے سے طرح طرح کے مرض لاحق ہوجانیکا خطرہ ہے۔ علاوہ ازیں دانت بولنے میں کافی مدد دیتے ہیں۔ ہارمونیم باجے کی مانند جبکہ ایک سُر نہ ہونے سے باجے کی خوبی نہیں رہتی۔ اسیطرح ہماری بول چال کا دار و مدار ان ہی دانتوں کی عمدگی پر موقوف ہے۔

دانت خراب ہونے کی کئی وجوہ ہیں۔ زیادہ مٹھاس اور گوشت کے استعمال سے دانت خراب ہوجاتے ہیں۔ انڈے اور مہین غذا بھی دانتوں کو مشقت سے محروم رکھتی ہے۔ گرم گرم کھانا، بہت سرد پانی اسکے بعد پی فوراً پی لینا دانتوں کو کمزور کردیتا ہے۔

دانتوں کی کمزوری کا بڑا سبب یہ ہے کہ اُن کو اچھی طرح سے صاف نہیں کیا جاتا۔ اس لئے اگر کوئی شخص مضبوط اور تندرست
رہنا چاہتا ہے تو اسکے لئے ضروری ہے کہ اپنے دانتوں کی صفائی اپنے خزانہ سے بھی زیادہ دل و جان سے کرے،
سب سے ضروری امر یہ ہے کہ ہمکو دانتوں کی صفائی کے متعلق کافی واقفیت بہم پہنچانی چاہیئے۔ اور جہانتک
ممکن ہو سکے دانتوں کو صاف رکھنے کی پوری کوشش کرنی چاہیئے،

(۱) ہر روز صبح کو مسواک کسی عمدہ درخت کی استعمال کرنی چاہیئے۔ نیم اور کیکر کی مسواک بہترین خیال کی جاتی ہے

(۲) زیادہ کہانے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ تاکہ معدہ بوجھل ہو کر غذا ہضم نہ کر سکے، اس سے دانتوں کو نقصان پہنچتا ہے

(۳) کہانے کے بعد دانتوں کو ضرور صاف کرنا چاہیئے۔ تاکہ خوراک جو دانتوں کی جڑوں میں رُک جاتی ہے صاف ہو جائے
کہانیکے بعد کسی پھل کا کہانا نہایت مفید ہے۔ سیب صبح کے وقت کہانا نہایت فائدہ مند خیال کیا جاتا ہے،

(۴) جو چیزیں دانتوں کو ترش کرتی ہیں اُن سے احتیاط کریں

(۵) زیادہ ٹھنڈی اور زیادہ گرم چیزوں کو تھوڑے وقفہ کے بعد ہرگز نہیں کہانا چاہیئے،

(۶) رات کو سوتے وقت لسٹرین (Listrine) یا ہائی ڈروجن پراکسائیڈ کی کلیاں کرنی چاہئیں، کیونکہ رات کو دہن
کو تازہ ہوا میسر نہیں ہوتی۔ اس لئے کیڑے رات کو عموماً بڑھتے ہیں، اس دوائی سے منہ صاف رہتا ہے،

(۷) پیروسائڈ پوڈر (Pyorrhocide Powder) دانتوں اور مسوڑوں کے لئے بہترین پوڈر
ہے۔ اسکے روزانہ استعمال سے دانتوں اور مسوڑہوں کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ بلکہ دانت صاف اور چمکدار رہتے ہیں۔

(۸) اگر دانت میں کسی قسم کی تکلیف محسوس ہو تو فوراً کسی قابل دانتوں کے ڈاکٹر سے مشورہ لینا چاہیئے،

بہرحال ہمکو اپنے دانتوں کی طرف پوری توجہ کرنی چاہیئے۔ کیونکہ ان کی صفائی پر ہماری صحت کا دارومدار ہے، دانت
جسم انسانی کے لئے نہایت ضروری اور مفید گوہر نایاب ہیں،

اقبال جہاں (بہاولپور۔ اسٹیٹ)

مکھیاں

دنیا کی تمام قومیں راہِ ترقی پر گامزن ہیں اور نہایت سُرعت کے ساتھ آگے بڑھتی چلی جا رہی ہیں۔ مگر ہماری غفلت شعاری کا عالم اب بھی وہی ہے جو پہلے تھا۔ اہلِ یورپ و امریکہ کی ترقی کا سب سے بڑا راز تندرستی کے اصولوں کی واقفیت و پابندی میں مضمر ہے۔ کسی قوم یا ملک کی دولت اسکے افراد ہیں، اگر ان کی تندرستی اچھی ہے تو وہ ملک و قوم کو اپنی محنت و جفاکشی سے مالا مال کر دیتے ہیں۔ اگر اُن کی تندرستی خراب ہے تو ملک اور قوم کی زیادہ تر دولت بیمار افراد پر صرف ہو جاتی ہے۔ جس سے ملک و قوم کو بے حد نقصان پہنچتا ہے کیونکہ یہی روپیہ ہزار ہا قومی کاموں میں صرف ہو کر قوم کی فلاح اور بہبودگی کا باعث ہو سکتا ہے۔ ہر سال ہندوستان میں، ہیضہ، تپ دق، چیچک، اسہال۔ میعادی بخار (ٹائی فائڈ) کا لا آزار متعدی خناق (ڈپتھریا) سے ہزارہا خاندان تباہ، صدہا گھر بے چراغ ہو جاتے ہیں، مگر ایسی ہستیاں بہت کم ہونگی جنہوں نے اس اہم ترین مسئلہ پر غور کیا ہوگا، اور سچی کوشش کی ہوگی کہ ان امراض کے پھیلنے کی وجوہ اور روکنے کی تدابیر معلوم کریں۔ اب سے ایک صدی قبل یورپ ان بیماریوں کا آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ ہزاروں جانیں ہر سال تلف ہوتی تھیں مگر آج ان بیماریوں کا وہاں نام بھی سُننے میں نہیں آتا۔ اسکی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہاں کا ہر فرد بشر ان امراض سے بچنے اور ان کو روکنے کی تدابیر جانتا ہے اور ان پر عمل پیرا رہتا ہے۔ کسی قوم کی صحت ہرگز اچھی نہیں رہ سکتی خواہ اُن میں کتنے ہی قابل حکما اور ڈاکٹر موجود ہوں جبتک کہ اسکے عوام الناس میں اپنی تندرستی قائم رکھنے اور وبائی امراض سے بچنے کا سچا جذبہ پیدا نہیں ہوتا، جنگ عظیم میں لاکھوں انسانی جانیں تلف ہوئیں۔ سائنسداں مہلک ترین آلہائے ہلاکت تیار کر رہے ہیں مگر یہ امر آپ کے لیئے باعث تعجب ہوگا کہ ہر سال ہندوستان میں جتنا انسانی جانوں کا نقصان مکھیوں کی بدولت ہو رہا ہے نہ کسی لڑائی میں نہ کسی توپ و تفنگ سے ہوا اور نہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ تمام مذکورہ بالا امراض پھیلانے کا باعث زیادہ تر مکھیاں ثابت ہوئی ہیں، مکھیاں بیمار کے پاخانہ تھوک، قے پر، جنمیں لاکھوں کی تعداد میں بیماری کے جراثیم موجود ہوتے ہیں جو صرف خوردبین سے نظر آسکتے ہیں بیٹھتی ہیں انکے جسم اور پیروں کے بالوں پر جو بہت باریک ہوتے ہیں ہزارہا جراثیم چمٹ جاتے ہیں۔ پھر یہی جراثیم آلود مکھیاں کھانے پینے کی اشیا پر بیٹھتی ہیں۔ اسطرح ان بیماریوں کے مہلک و زہریلے جراثیم کھانے میں داخل ہو جاتے ہیں، نازک اور کمزور اشخاص ایسے جراثیم آلود کھانے کو کھا کر بیماریوں کا بآسانی شکار بن جاتے ہیں، اور اسطرح بعض اوقات یہ امراض وبائی صورت اختیار کر لیتے ہیں،

افسوس ہے کہ باوجود ان ناقابلِ تلافی نقصانات کے ہماری آنکھوں پر غفلت کے پردے چھائے ہوئے ہیں، اور ہم میں اب تک ملک کو ان تباہ کن امراض سے بچانے کا سچا جذبہ پیدا نہیں ہوا۔ ہر شخص انفرادی طور سے ان امراض سے بچنے کی کوشش کرے

تو ملک کو ان برباد کن بیماریوں سے نجات مل سکتی ہے۔ اگر حسب ذیل امور کا لحاظ رکھا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ امراض قریب قریب

بالعدم نہ ہو جائیں ،

(۱) مذکورہ بالا امراض کے مریضوں کے پاخانہ تھوک یا قے کو جلا دینا چاہیئے ۔ یا زمین میں گڑھا کھود کر دبا دینا چاہیئے

اُگالدان اور پاخانہ کے برتن کو قاطع جراثیم ادویات مثل فنائل لوشن سے خوب دھلوانا چاہیئے ، اگر زمین پر تھوکا ہو یا رفع حاجت

کی ہو تو وہاں بھی فنائل لوشن چھڑکنا لازمی ہے ۔ اگر چونہ بچھا دیا جائے تو وہ بھی کافی ہوتا ہے ، ایسے مریضوں کے کھانے کے برتن

تو لازمی طور سے اور اگر سونے کا کمرہ بھی علیحدہ ہو تو بہتر ہے ۔ تمام اشیاء خوردنی حفاظت سے ڈھک کر رکھنی چاہیئیں ، کہ ان پر

کوئی مکھی نہ بیٹھ سکے ۔ مٹھائی اور دیگر کھانے کی چیزیں جن پر مکھیاں بیٹھی ہوں نہ خریدنی چاہیئیں ۔ کیونکہ اگر اس امر کی احتیاط کیجائیگی

تو دوکاندار بھی کھانے کی اشیاء احتیاط سے ڈھک کر رکھیں گے ،

(۲) ایسی تدابیر اختیار کی جائیں جو کہ اس مضمون میں آگے بتائی گئی ہیں کہ مکھیاں پیدا نہ ہوں ۔ کیونکہ باوجود دکانداروں کی

احتیاط کے اگر مکھیاں ہونگی تو ضرور ان امراض کے پھیلانے میں کامیاب ہو جائیں گی ،

مادہ مکھی ایسی جگہ انڈے دیتی ہے جہاں پر نمی و غذائیت اسکے بچوں کے نشو و نما کے لیئے موجود ہو ۔ بالکل خشک جگہ پر انڈوں

سے بچے نہیں نکل سکتے ۔ عام طور سے مکھیاں کوڑیوں پر جہاں روٹی کے ٹکڑے ترکاریوں کے چھلکے اور انسانی فضلہ موجود ہوتا

ہے انڈے دیتی ہیں وہاں بیٹھنے سے انکے پروں اور پیروں میں بیماریوں کے جراثیم لگ جاتے ہیں جسکی وجہ سے بیماری پھیلنے کا

احتمال رہتا ہے ۔ ایک مکھی ایک مرتبہ میں ایک سو بیس سے لیکر ۵۰۰ پانچسو تک انڈے دیتی ہے ۔ اگر کم از کم انڈوں کی تعداد ایک سو بیس

لی جاوے تب بھی ایک مکھی سے سات ہفتہ کے اندر تقریباً چار لاکھ بتیس ہزار (۴۳۲۰۰۰) مکھیاں پیدا ہو سکتی ہیں !

ایک مکھی اپنی دوران زندگی میں پانچ چھ مرتبہ انڈے دیتی ہے ۔ انڈے سے چوبیس گھنٹہ کے اندر ایک باریک سا کیڑا نکل

آتا ہے جو غلاظت پر نشو و نما پا کر پانچ سات دن میں پوری مکھی بنجاتا ہے ۔ ایک ہفتہ کے بعد یہ مکھی انڈے دینے کے قابل ہوجاتی

ہے ۔ مکھیوں کی پیدائش کے غذائیت کی نمی و حرارت کی بھی ضرورت ہے ۔ یہ تمام چیزیں انکو ہندوستان میں موسم برسات

میں میسر آجاتی ہیں ۔ جسکی وجہ سے اس موسم میں انکی بہتات ہوتی ہے ۔ اور اسی وجہ سے اس موسم میں ہیضہ جیسا موذی مرض نمودار

ہوتا ہے ۔ لہذا ان کی پیدائش روکنے کا بہترین طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ مکھیوں کو کوئی ایسی جگہ نہ ملے جہاں ان کے بچے انڈوں سے

نکلکر نشو و نما پا سکیں ، لہذا اس امر کا انتظام کیا جائے کہ مکان کا کوڑا اور انسانی فضلہ پہلے سڑکوں پر ڈھکنے دار ٹینوں یا کنبوں

میں جمع کیا جاوے اور پھر بہ حفاظت روزانہ شہر سے باہر لے جا کر جلا دیا جائے ۔ جیسا کہ یورپ کے تمام اور ہندوستان کے

بعض بعض شہروں میں ہوتا ہے ۔ اگر یہ ناممکن یا مشکل ہو تو زمین میں گڑھے آبادی سے باہر کھدوا کر کوڑا دبوا دینا چاہیئے ۔ کوڑا جمع

کرنے سے اول تو مکھیوں کی افزائش ہوگی ۔ دوم یہ کہ وہ بطور کھاد بھی زیادہ مفید ثابت نہ ہوگا ، کیونکہ بارش اور دھوپ سے اسکے

مفید اور کار آمد اجزا زائل ہو جائیں گے ،

مکان کی صفائی پر جسقدر زور دیا جائے کم ہے۔ اگر مکانات میں صفائی نہ ہوگی تو مکھیوں کا کم ہونا ناممکن ہے۔ باوجود اس احتیاط کے یہ مشکل ہے کہ مکھیاں بالکل نیست و نابود ہو جائیں لیکن کم ضرور ہو جائیں گی۔ ایسی صورت میں یہ احتیاط کرنی چاہیئے کہ کمروں کے دروازوں اور کھڑکیوں پر چقیں لگائیں، تاکہ مکھیاں اندر داخل نہ ہو سکیں۔ امیر لوگ اپنے کمروں دروازوں اور کھڑکیوں پر لوہے کی باریک جالیاں لگوائیں۔ جیسے عام طور سے ریلوے اسٹیشن پر ویٹنگ روم کے دروازوں پر نصب ہوتی ہیں۔ باورچیخانہ اور مکان کے کمروں میں مکھی مار کاغذ رکھ دیئے جائیں تاکہ جو مکھیاں باوجود اس احتیاط کے اندر داخل ہو جائیں اس کاغذ پر بیٹھنے سے مر جائیں۔ ان مکھیوں کو جلا دیا جائے تو بہتر ہے ،

اگر ان معمولی باتوں کی احتیاط رکھی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمارا ملک ہیضہ پیچش۔ اسہال۔ میعادی بخار وغیرہ جیسے موذی امراض سے ایک حد تک محفوظ نہ رہے۔ میرے خیال میں عوام الناس کو وبائی امراض سے بچنے کا طریقہ بتانا، اور اُن کے دلوں میں ان پر کاربند ہونے کا شوق پیدا کرنا قوم و ملک کی بہترین خدمت ہے ،

رشیدہ خاتون کیرانوی از شملہ

ترکیب رنگ سازی

ایک ضروری تصحیح

(بحوالہ رسالہ عصمت بابت ستمبر ۱۹۳۰ء کے صفحہ ۲۲۰ پر)

فاس فائن Phosphine ایک قسم کی گیس یا ہوا ہوتی ہے جو کہ کاسٹک سوڈا اور فاسفورس Phosphorus کو گرم کرنے سے تیار ہوتی ہے، یہ بڑی خطرناک گیس ہے جو کہ فوراً جل اٹھتی ہے اسکو شیشے کی صراحی میں تیار کیا جاتا ہے۔ دونوں چیزیں ڈال دی جاتی ہیں پھر کول گیس Coal gas کے ذریعہ صراحی میں سے خارج کر دی جاتی ہے۔ اور گرم کیا جاتا ہے۔ یہ گیس ربڑ یا شیشہ کی نلکی کے ذریعہ سے پانی کے اندر سے باہر لائی جاتی ہے۔ اور جیسے ہی بلبلہ ہوا میں آتا ہے آگ بن جاتا ہے۔

(۲)

(بحوالہ عصمت اکتوبر ۱۹۳۰ء۔ صفحہ ۳۴۳)

چینی کے برتن جوڑنے کی ترکیب

لتھرج ۲ حصہ۔ شیل نل ۲ حصہ۔ سفید سکہ ایک حصہ وغیرہ وغیرہ :-

سفید سکہ غالباً وائٹ لیڈ (White lead) کا ترجمہ کر دیا گیا ہے۔ وائٹ لیڈ کو اُردو میں سفیدہ کہتے ہیں۔ نسخہ لکھتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ عام سمجھ ہو اور اس قسم کے ترجمے دوسروں کو دھوکہ میں ڈالدیتے ہیں ایسی چیزیں جب بازار سے منگوائی جائیں تو ناکامی ہوتی ہے۔

میاں محمد شریف۔ ایم۔ سی۔ علیگ۔ میرٹھ

بینک کا سُود

عصمت کے شاید ستمبر کے پرچہ میں کسی بہن نے یہ دریافت کیا تھا کہ آیا بینک کا سود جائز ہے یا ناجائز، دو پرچوں میں فدوی نے اسکے جواب کا انتظار کیا مگر غالباً کسی نے اسکی طرف توجہ نہ کی۔ اس لیئے میں اپنی مختصر معلومات روانہ کرتا ہوں

سُود، سود کی بحث کا پتہ بہت قدیم زمانہ سے چلتا ہے۔ وید۔ قرآن۔ انجیل۔ توریت۔ ان سب میں اسکا ذکر موجود ہے۔ افلاطون اور ارسطو کی کتابوں میں بھی اسکا ذکر ملتا ہے۔ روما کے قانون ساز بھی اسکا بیان کرتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں سود مذہباً حرام تھا اور اب بھی اسکی بعض صورتیں بالکل حرام ہیں۔ قدیم زمانہ میں قرض لیکر لوگ پیداواری کے کام میں نہیں لگاتے تھے۔ بلکہ اس سے حاجتیں پوری کی جاتی تھیں۔ لوگ قرض دیکر غریبوں اور محتاجوں کو اپنے قابو میں کرلیا کرتے تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ چونکہ قرض لینے والے زیادہ تر ایک ہی قبیلہ کے لوگ نہ ہوتے تھے اس لیئے آپسمیں ناچاقیاں نہ ہوتیں۔ محبتیں کم نہ ہوتیں اور اسطرح سے خاندان کا شیرازہ ڈھیلا نہ ہوجاتا تھا۔ روما کے اکثر قانون سازوں نے سود کی انتہائی شکل یعنی (ربوا) کو قانوناً ناجائز قرار دیا ہے۔ اور یہ ہمارے اسلام میں بھی ناجائز ہے اور آج کل کا قانون بھی اسکا مخالف ہے۔

ان تمام بندشوں اور پابندیوں سے بچنے کے لیئے لوگ عجیب عجیب ترکیبیں کرتے تھے۔ کبھی تحفوں کی صورت میں سود لیا جاتا تھا اور کبھی قرض لینے والا ساہوکار کے ہاتھ چیز سستی بیچکر پھر اسی چیز کو زیادہ قیمت دیکر واپس لے لیتا۔

اب ہمارے زمانہ میں جبکہ دولت کے ذخیروں کو بجائے ضرورتیں پوری کرنے کے مزید دولت پیدا کی جاتی ہے تو خصوصاً بنکوں اور دیگر کمپنیوں کے سود کی وہ شکل نہیں رہی جو قدیم زمانہ کے ساہوکاروں کے زمانہ میں تھی، لوگ اب اپنی اپنی چھوٹی پونجیوں کو کاروبار میں لگانے لگے۔ اور مشترکہ سرمایہ کی انجمنیں قائم ہوئیں۔ اور اسطرح منافع میں حصہ داروں کو جو حصہ ملتا ہے وہ لگائی ہوئی رقم کا سود ہوتا ہے جو حقیقی معنوں میں منافع ہے اس تجارت کا جو یہ انجمنیں سال بھر کرنے کے بعد حصہ داروں میں تقسیم کرتی ہیں، بالکل یہی صورت بنکوں کی بھی ہے۔ ذیل میں بنکوں کے چند کام درج کرتا ہوں جسکے دیکھنے سے واضح ہوجائیگا کہ آیا بنک کا منافع سود ہے یا کسی تاجر کمپنی کی شرکت کا منافع،

نمبر ۱۔ کل جمع شدہ رقم کا کچھ حصہ سرمایہ میں محفوظ رکھ کر بقیہ سے کاروبار کرنا،

بینک کے عام طور پر کاروبار یہ ہوتے ہیں،

بٹہ لیکر ہنڈیاں دینا۔ گاہکوں کیلیئے کچھ منافع پر حصے خریدنا۔ گورنمنٹ یا دوسری پکی اور مضبوط جماعتوں کے قرضے کے تمسکات خریدنا جس سے سالانہ اچھا خاصہ منافع مل جاتا ہو،

نمبر ۲۔ دوسرے ممالک کو یہاں سے ہنڈیاں بھیجنا کچھ معاوضہ پر،

مذکورہ بالا تجارتی کاروبار ہے جو بینک جمع شدہ روپیہ سے تجارتی کمپنی کے طور پر تجارت کرتا ہے اور منافع حصہ داروں میں تقسیم کردیتا ہے۔ آگے عزیز بہن اسکی اہمیت پر خود غور کریں اور اپنے آپ تصفیہ کرلیں کہ آیا یہ سود حقیقی وہی سُود ہے جسکو کہ میں پہلے پہل بیان کرچکا ہوں اور جو واقعی بُرا ہے، خریدار نمبر ۲۷ ۵

سنگار و آرائش بھی شامل ہے

خانہ داری

خوبصورتی کا لیپ:۔ جلد میں روپ پیدا کرنے اور اس سے بدرنگی دور کرنے کے لئے چہرہ پر لیپ لگائے جاتے ہیں۔ باداموں کا سفوف پیالہ بھرکے اس میں پروکسائڈ آف ہیڈروجن اتنی ملائیں کہ وہ گاڑھی لئی بن جائے اور روز واٹر ملا کے اسے پتلا کرلیں حتیٰ کہ کریم کی شکل ہو جائے۔ پھر نا کپڑا لیکر چہرہ کے برابر کاٹ لیں۔ اسمیں آنکھ ناک اور منھ کے لئے چھوٹے چھوٹے سوراخ بنالیں۔ اس لئی کو ہموار طریقہ سے کپڑے پر پھیلالیں اور چہرہ پر اچھی طرح چپکالیں۔ فلالین کا ایک ٹکڑا گرم پانی میں ڈبو کر نچوڑلیں اور چہرہ کے کپڑے پر رکھدیں۔ جب ٹھنڈا ہونے لگے پھر گرم فلالین کا کپڑا رکھدیں، یہ طریقہ پاؤ گھنٹہ تک جاری رکھیں پھر لیپ اتار کے صاف شیر گرم پانی سے چہرہ دھولیں خوب خشک کرکے تھوڑی سی کریم رگڑیں اور چہرہ پر ٹھنڈا پانی بہاکے معاملہ ختم کردیں،

جلد بہت خشک ہو تو بادام روغن کا لیپ فائدہ دیگا۔ پرانے فلالین کا ٹکڑا لے کے اسمیں منھ۔ناک۔آنکھ کے لئے سوراخ بنالیں۔ اور اسپر روغن بادام قدرے گرم کرکے لگائیں اور چہرہ پر آدھ گھنٹہ اس کپڑے کو لگائے رکھیں۔ بعد میں کھال پر لگا ہوا تیل کسی ملائم کپڑے سے پونچھ دیں۔ چہرہ اسوقت نہ دھوئیں۔ صبح کو نیمگرم پانی سے دھوکر صابن لگائیں،

جلد کو سفید کرنے کے لئے آلو کا لیپ مفید ہے۔ کچا چھیلا ہوا آلو لے کر اس سے جلد کو حلقہ کی صورت میں ملیں۔ اسے کچل کے پڑے پر پھیلاکے چہرہ پر رات کے وقت لگائیں تاکہ عرق جلد میں جذب ہوسکے۔ صبح کو روئی وِچ ہیزل میں ڈبو کر چہرہ صاف ردیں اور بعد میں منھ دھولیں،

چہرہ سرخ رہتا ہو تو تھوڑا سا دودھ گرم کریں اور ٹھنڈا کرکے اسکے اوپر کی جھلی اتارلیں اور ایک فلالین کے ٹکڑے پر پھیلائیں ر چہرہ پر لگائیں؛

صابن کے ردّی ٹکڑے:۔ صابن کے ٹوٹے پھوٹے ٹکڑے پھینکنے کی بجائے کسی پرانے برتن میں تھوڑا سا پانی بھر کے لدیں۔ پھر ابال لیں حتیٰ کہ خمیر نمالئی ہو جائے۔ کسی دوا فروش سے تین آنہ قیمت کا لکوِڈ امیونیاک فورٹس خریدلیں۔ پھر صابن کی اس لئی ڈیڑھ پاؤ نہایت گرم پانی میں ہلالیں۔ پھر یہ فورٹس ملاکے خوب ہلائیں اونی چیزوں کو دھوتے وقت اس مرکب میں سے تھوڑا سا کر پانی میں ملالیں۔ کپڑے نہایت ملائم ہونگے۔ غسلخانہ میں بوتل میں بھر کے رکھ لیں، پانی میں ملاکے نہانے سے طبیعت میں زگی پیدا ہوتی ہے،

اگر روغن کپڑا (آئل کلاتھ) خراب ہو جائے تو پانی کے برتن میں سریش گھلالیں۔ جب تک پگھلے چولھے پر رہنے دیں۔ کپڑے

کو اس پانی سے دھوئیں اور سوکھنے دیں۔ رات کو فلالین کا ٹکڑا اس پانی میں ڈبو ڈبو کے اس کپڑے پر پھیریں، صبح تک سرشیں کا پانی کپڑے پر سخت ہو جائیگا اسے شہد کی مکھی کے موم اور تارپین سے مالش کریں،

پیشانی پر بل :- صاف پیشانی ہر ایک کے حصے میں نہیں آئی، لیکن کوشش کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اچھی پیشانیاں محض غفلت اور بری عادت سے خراب ہو جاتی ہیں۔ بہت سی عورتوں کو ابرو چڑھا چڑھا کے ہنسنے یا باتیں کرنے کی عادت ہو جاتی ہے۔ اور یہ تو عام عادت ہے کہ فکر یا غصہ یا محویت کے وقت ہم ابروؤں کو سکیڑ لیتے ہیں۔ آج کل بہت سی پندرہ سولہ برس کی لڑکیوں کی پیشانیوں میں بلوں کے نشان نظر آتے ہیں حالانکہ نوجوانی میں ان سے کیا واسطہ!

یہ نفضول بل حسن بگاڑ دیتے ہیں انکی طرف فوراً متوجہ ہونا چاہیئے، کسی ٹھنڈی کریم میں اپنی انگلیاں ڈبوئیں اور دونوں ہاتھوں کے پوروں کو ناک کے اوپر رکھیں اور انہیں نرم و مضبوط حرکت سے کنپٹیوں تک کھینچتے لے جائیں۔ ایسا پھر کریں، رفتہ رفتہ رفتار اور دباؤ کو زیادہ کرتے جائیں۔ حتیٰ کہ پیشانی تمتمانے لگے اور پورے ملائم روئی جیسے معلوم ہونے لگیں اسوقت پوروں کو ابروؤں کے عین پیچھے رکھیں اور کھال کو پیشانی کی ہڈی پر آگے پیچھے کھینچیں حتیٰ کہ گردش کا احساس کھال میں بخوبی ہونے لگے۔ اب ہتھیلیوں سے ابروؤں کے اردگرد زور سے تھپکیں اور کھال پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے دیں۔ آخر میں سکیڑنے والا لوشن جیسے سپرٹ آف کیمفر لگالیں،

اس عمل کو روزانہ ایک دو ہفتہ جاری رکھیں۔ پیشانی صاف اور سفید ہو جائیگی،

زہریلے ڈنک کا فوری علاج :- اگر کاٹنے والا جانور پاگل نہ ہو تو اسکے کاٹنے کا علاج بطور خود فوری کیا جا سکتا ہے اگر جانور کے پاگل ہو جانیکا ذرا بھی شبہ ہو تو اس بات کا خاص خیال رکھا جائے۔ اکثر جانور ٹانگ یا ہاتھ پر کاٹا کرتے ہیں تو ایک پیچ دار پٹی زخم سے اوپر باندھی جائے تاکہ خون کا دوران رک جائے، پھر زخم کو چوس لیا جائے، ہمیں کچھ اندیشہ نہیں۔ البتہ اگر منھ یا مسوڑھے میں کسی جگہ کھال چھلی ہوئی ہے اُسوقت ضرور ڈر ہے۔ اسکے بعد گرم پانی میں کوئی اچھی زہر مار دوا ڈالیں (دوائیں اکثر پانی میں وبائی اثر دور کرنے کے لیئے ڈالی جایا کرتی ہیں) ڈال کے زخم دھو لیا جائے یا بغیر چوسنے کے زخم پر فوراً ہی کوئی ایٹوڈین کا مرکب لگا دیا جائے۔ پھر فوراً کسی ڈاکٹر کو بلا لیا جائے۔ اسکے آنے تک مریض کو گرم رکھنا چاہیئے، اور اُسے طاقت بخش چیزیں دی جائیں

اگر بھڑ جیسا کیڑا کاٹ جائے تو ڈنک کی جگہ کوئی جلا الکلی والا مرکب جیسے امونیا یا کیڑا دھونے کا سوڈا یا سوڈیم بائی کاربونیٹ لگا دیا جائے۔ نہایت زہریلے بھڑ کے ڈنک پر آئیڈین گلیسرین کا لیپ مفید ثابت ہوتا ہے۔ یہ لیپ دن میں دو دفعہ کیا جائے۔ ایسے کیڑوں کے ڈنک سے بچنے کے لیئے لیونڈر یا وربینا (verbena) یا تھائم (thyme) کا تیل لگانا مفید ہے

جرابوں کی دو جوڑیاں پہننا مچھروں کے ڈنک سے بچنے کی بہترین تدبیر ہے۔ یہ جرابیں کیسی ہی باریک کیوں نہ ہوں مچھر اِن میں سے ڈنک مارنا پسند نہیں کرتا۔

سانپ جیسے زہریلے جانور کے کاٹے کے لئے ایسی ہی تدبیر کی جائے جو پاگل جانور کے کاٹے کے لئے بتائی گئی ہے۔

سپنج کی صفائی۔ اگر سپنج کو استعمال کے بعد نمک کے گرم پانی میں نکال کے سوکھنے کے لئے لٹکا دیں تو وہ زیادہ عمر تک کارآمد رہیں گے۔ اور اُن میں میل کچیل بھی جمع نہ ہوگا۔ سپنج اگر زیادہ میلا اور خراب ہو تو اُسے بھوسی کے پانی میں چند گھنٹے بھیگا رہنے دیں۔ ٹھنڈا ہونے پر اسے چند مرتبہ نچوڑیں تاکہ ہر طرف سے ہمیں ملائمت آجائے، اور گندگی نکل جائے۔ کسی دوسرے برتن میں پانی میں تھوڑا سا سوڈا یا مٹھی بھر نمک گھول کے اس سپنج کو ڈال دیں اور پانی کی دھار سے اسے دھوئیں۔ حتیٰ کہ بالکل صاف ہوجائے۔

ایک اور طریقہ بھی ہے۔ پانی میں کافی امونیا ملا کے رات بھر سپنج اسمیں پڑا رہنے دیں۔ بعد میں پانی سے صاف کرلیں۔ پھٹے ہوئے سپنج کو ترکی تولیہ کی ایک ڈھیلی تھیلیا میں سی کے استعمال کرنے سے اسکی عمر بڑھ جاتی ہے۔ سپنج کو کسی رسی یا تار سے نہیں لٹکانا چاہیئے۔ ورنہ ٹوٹ جائیگا۔ کسی ٹوکری یا بوئیے میں جسمیں ہوا آسانی سے آجاسکے رکھدینا چاہیئے۔

بیمار کتا۔ کتے کی ایک عجیب صفت یہ ہے کہ جب وہ بیمار پڑتا ہے تو وہ بہت غمگین رہتا ہے، وہ اُمید بالکل چھوڑ بیٹھتا ہے۔ اس سے زیادہ پیار اور چوچلا کرو تو وہ اور بھی مایوس ہوتا چلا جاتا ہے، اسکے سامنے رنج و فکر میں "ہائے۔ مرے کتے تجھے کیا ہوگیا" ہرگز نہ کہا جائے، اسکی بجائے اسکا دل بڑھانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

اسے کوئی مفید چیز کھانے کو دی جائے وہ اسے کھانا پسند نہ کریگا۔ زبردستی اسکے منہ میں غذا اپنے ہاتھوں سے ٹھونسنا کتے اور کھلانے والے دونوں کو سخت ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ اسکی بس ترکیب یہی ہے کہ ایسا بہانہ کرو کہ تم یہ غذا اسے دینا نہیں چاہتے، اسے اسکے اتنا قریب رکھدو کہ اسے اسکی خوشبو آجائے، لیکن اسے اپنے ہاتھ سے ڈھکے رکھدو، یا اُسپر کوئی پتلا سا کاغذ رکھدو، ایک بیمار کتے کو اسکی مقررہ رکابی میں کھانا دیا گیا۔ لیکن اُس نے اسمیں سے کھانا چھوڑ دیا کیونکہ اُس کے مالک نے یہ غلطی کی کہ ایک دوا اسمیں ڈال کے اسے زبردستی کھلائی تھی۔ بعد میں اسکے مالک نے دوسری رکابیاں استعمال کیں اور اسے بہکا بہکا کے اسے کھانے پر لگا دیا۔

کمزور کتے کے لئے کچا انڈا بہت اچھا ہے۔ زبردستی کھلانے میں بھی یہ آسانی سے گلے سے نیچے اُتر جاتا ہے۔ اگر کتا اتنا بیمار نہ ہو کہ اُسے گوشت کھلانے کی ممانعت ہو تو تھوڑا سا گائے کا کچا قیمہ اسے قوت دیتا ہے۔ کتے کچے جگر کو پسند کرتے ہیں۔ جلدی بیمار ہونے کے کتوں کو گرم کا پانی اور سبزیاں بہت مفید ہیں۔ چھوٹی سی عمر سے کتوں کو سبزیاں کھانے کی عادت ڈالی جائے تو بعد میں وہ

انہیں پسند کرنے لگتے ہیں۔ کتوں کو میوے بھی مفید بتائے جاتے ہیں، ایک کتا ٹماٹر اور سنگترے کا عاشق تھا۔ دودھ روٹی کتے کے لئے اچھی نہیں۔ لیکن دودھ کی کھیر وغیرہ بیمار کتے کے لئے مفید اور دلپسند ہے،

دُھلائی:۔ امونیا سوڈا اور ریہ کی قسم کے تیز مصالحے روئی اور سوت پر استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن یہ اُون اور ریشم کو بالکل خراب کر دیتے ہیں۔ ان پر سہاگہ یا سوڈیم پر بوریٹ استعمال کرنا چاہئے۔ اور وہ بھی جلدی، تیزاب (ایسڈ) روئی اور سوت کو خراب کر ڈالتے ہیں۔ لیکن اون اور ریشم کو کم نقصان پہنچاتے ہیں، نبترین اور میتھلیٹڈ سپرٹ چراغ یا آگ سے دُور کھلی جگہ میں استعمال کرنے چاہئیں،

جس ریشمی کپڑے پر دھبے پڑ گئے ہوں سال ولیٹائل (Sal volatile) اسے درست کر دیتا ہے۔ دھبہ پر اسکے کچھ قطرے ڈالدو اور اگر ضرورت پڑے تو چند منٹ کے بعد پھر ڈالدو، دھبے دور ہوجائیں گے اور کپڑے کا اصلی رنگ بحال ہوجائیگا،

سفید ریشم کے دھبوں کو کلورافارم سے دور کردو، ایک پانی کے برتن میں امونیا کی ایک چمچہ اور تھوڑا سا صابن گھولو اور کپڑے کو اسمیں بار بار ڈبوؤ حتی کہ صاف ہوجائے۔ اسے نچوڑو دونوں ہاتھوں کے بیچ میں بھیچ کے پانی نکالا جاسکتا ہے۔ پھر شیر گرم پانی میں لٹکالو اور سایہ دار جگہ میں سوکھنے کے لئے لٹکا دو۔ جب قدرے نمی باقی ہو تو اسپر دو کپڑے پھیلا کے گرم استری کردو۔ حتی کہ بالکل سوکھ جائے۔

ریشمی کام وغیرہ کے کپڑے سپرٹ شراب سے صاف کئے جا سکتے ہیں۔ شراب ایک پیالی میں ڈالو اور اونٹ کے بالوں کا برش اس میں ڈبوؤ۔ اور ریشمی کام پر پھیر دو، بُرش کو ہر دفعہ شراب میں ہلا ہلا لو کہ میل نکل جائے،

دن میں ان کیمیائی مصالحوں کو استعمال کرتے ہوئے یہ یاد رکھو کہ شراب وغیرہ کی حالت میں کھلی روشنی کے سامنے نہ ہونے دیا جائے۔

محمد ظفر

سیر بین

ایک رقاصہ کی جوتیاں :- روس کی ایک مشہور رقاصہ گو اب ادھیڑ ہے لیکن وہ ورزش کی بدولت اب بھی کمسن معلوم ہوتی ہے۔ وہ پچھلے دنوں ہندوستان آئی تھی۔ وہ ہر سال دو ہزار ناچ کی جوتیوں کے جوڑے استعمال کرتی ہے۔ روزمرہ کے استعمال کی جوتیاں اس تعداد میں شامل نہیں۔ ہر خاص ناچ کے لئے علٰحدہ ہی جوتہ چاہئے۔ چونکہ ان جوتیوں کی قیمت ایک گنی سے ۱۵ شلنگ تک ہوتی ہے، اس لئے جوتیوں کا سالانہ خرچ ایک ہزار پونڈ ہے۔ یہ صرف پاپوش کا خرچ ہے۔ کپڑوں وغیرہ کے خرچ کا اندازہ کیا جائے تو معلوم ہو جائے کہ اس مشہور رقاصہ کی بدولت بہت سے وہ دوکاندار آرام کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

حاسد عورت کا انتقام :- ایک ہالینڈ کے رہنے والے کی بیوی فرانسیسی تھی۔ جسکی عمر ۴۷ سال تھی۔ ۲۴ یا ۲۵ برس تک اپنے شوہر کے ساتھ محبت سے رہتی رہی اور کبھی کوئی جھگڑا نہ ہوا۔ شوہر کو یہی معلوم رہا کہ وہ بہترین بیوی ہے۔ وہ شکار اور دیگر تفریحی مشاغل کی بڑی شائق تھی، گھوڑے کی سواری کا بھی اسے بڑا شوق تھا۔ اسے بہت سی زبانیں آتی تھیں اور مہذب عورت بھی جاتی تھی،

شوہر کو معلوم بھی نہ ہوا۔ اسکی ایک ۳۴ سالہ شکار و تفریح کے اڈیٹر سے دوستی ہوگئی، اسکی شادی کو دس سال ہوچکے تھے۔ لیکن وہ اپنی بیوی کے ساتھ مل جلکر نہ رہتا تھا۔ نہ اسے خرچ دیتا تھا۔ آخر میں ان دونوں کا سلوک ہوگیا اور دونوں ایک جگہ رہنے کا انتظام کرنے لگے۔ اس نے اپنی دوستی کا اپنی بیوی سے ذکر بھی کر دیا تھا۔

فرانسیسی عورت کو اس اتحاد کا بڑا رنج ہوا۔ اس نے ایک ریوالور کا لائسنس لیا۔ جس روز اڈیٹر گھر سے نکلا اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں اس عورت سے ملنے جا رہا ہوں تمہیں اعتراض تو نہیں ہے۔ اس نے کہا نہیں جب وہ اس عورت سے ملا تو اس نے اسے رشک و حسد کے مارے مار ڈالا،

عدالتی تحقیقات کے دوران میں اس عورت کے ہاتھ کا ایک خط ملا جسمیں اسے نہایت محبت و پیار سے لے اپنے پاس بلایا تھا۔ دو ایک مرتبہ وہ پہلے بھی اسکی جان لینے کی کوشش کر چکی تھی۔ اسے میاں بیوی کا باہمی سلوک پسند خاطر نہ ہوا چونکہ خود اس سے قطع تعلق ہوتا تھا۔ آخر اس نے بلا کے اسے مار ڈالا اور پھر خود بھی خودکشی کر لی،

مفلس حسینہ:۔ بڈاپسٹ کے ایک قہوہ خانہ میں ایک بڑے سردار کی بیوی نہایت حسین تھی۔ ایک کاؤنٹ اُسپر فریفتہ ہوگیا۔ وہ اُسے پیرس لے گیا۔ یہاں پر اُسکے حسن وجمال کی استقدر شہرت ہوئی کہ وہ اُمرا کی توجہات کی مرکز مرکز بن گئی۔ لاکھوں کے جواہرات اس پر برسائے جانے لگے۔ پیرس اور وائنا میں اس کے محل موجود تھے۔ مونٹی کارلو میں ایک خوشنما کوٹھی تھی۔ بحیرۂ روم میں ایک بجرا اسکے لیئے تیار رہتا تھا۔ اور اسکے گھوڑ دوڑ کے گھوڑے چاندی کی ناندوں میں قیمتی شراب پیتے تھے۔ گرانڈ ڈیوک نکولس اور لوئی شاہ بویریا کی نظریں بھی اُسپر جمی ہوئی تہیں،

جب اسکے حسن کا زوال شروع ہوا تو اُسے جوئے کا شوق ہوگیا۔ لڑائی کے شروع میں اُسے نظر بند کردیا گیا اور وہ صحت و دولت کے لحاظ سے برباد ہو کے بڈاپسٹ واپس آگئی۔ یہاں اُس نے زبانیں سکھانے کے ذریعہ روزی کمانے کی کوشش کی،

وہ مفلس و قلاش مری۔ گو اس کے کاغذات میں ایک مالدار فرانسیسی رئیس کے دستخطی کئی چک ملے،

بعض عورتوں کے جرائم:۔ فرانس میں عورتوں کو سزا دینے میں عدالتیں نرمی برتتی رہی ہیں لیکن بعض جرائم ایسے خوفناک تھے کہ وہاں کی عدالتیں بھی ملزم عورتوں کو پھانسی دیئے بغیر نہ رہ سکیں،

ایک عورت ہیلن جیگا دو نامی نے سنہ ۱۸۳۳ء سے سنہ ۱۸۵۱ء تک ۲۶ قتل کیئے۔ آٹھ آدمیوں کے قتل کا اقدام کیا۔ اور بہتیا چوریاں کیں۔ زہرخورانی اُس کا خاص مشغلہ تھا۔ جہاں جاتی موت کا ایک سلسلہ اپنے پیچھے چھوڑ جاتی، جو اُسے ستاتا، یا اُسمیں نقص نکالتا اُسے زہر دے ڈالتی۔ صورت شکل اسکی نہایت خراب تھی۔ لیکن تعجب ہے کہ لوگ اسے نوکر رکھ لیتے اور اُسے اپنا شوق پورا کرنے کا موقعہ دیتے۔ سنہ ۱۸۵۱ء میں اس پر مقدمہ چلا۔ اسکی حرکات و سکنات قابل نفرت تھیں اور وہ بڑی گندی ثابت ہوئی۔ اُسے پھانسی کی سزا دی گئی۔ جب اُسے قتل گاہ لے چلے تو اُس نے کہا کہ مجھے اس نفرت انگیز کام پر فلاں عورت نے لگایا۔ جب پولیس نے اس عورت کا بعد میں پتہ چلایا تو وہ ایک اپاہج نکلی جسکی زندگی ایسی نیک اور پارسایانہ گذری تھی کہ اُسے ولی کہنا درست تھا۔ چلتے چلتے اُس نے ایک بے گناہ کو اس طرح پھنسانا چاہا۔

ایک اور عورت جین اپنے شوہر سے محبت کرتی تھی۔ اُسے وہم ہوا کہ جوانی کے ڈھلتے ہی شوہر کی نظروں سے گر جاؤں گی اتفاق دیکھیے اسکی ایک پرانی سہیلی کی ایک مالدار جوان سے جو نابینا تھا شادی ہوئی۔ اُس نے اپنی سہیلی کو مبارکباد دی۔ اندھا ملے تو یاور بھی اچھا ہے، مبارک ہو۔ وہ تمہیں بڈھی ہوتے تو نہ دیکھے گا۔ یہ خیال خود اس کے دل میں جم گیا۔ اور اپنے شوہر کو اندھا کرنے کی اُسے سوجھی۔ اپنے ایک دوست کو شوہر کی آنکھوں میں تیزاب ڈالنے کے لیئے گانٹھا۔ لیکن یہ کوشش ناکام ہوئی اور اس عورت کو ۱۰ سال قید بامشقت کی سزا ملی،

۱۸۹۵ء میں ایک عورت پرائینٹ درپ میں پر اس جرم میں مقدمہ چلا کہ اُس نے اپنی بہن، چچا، اور بھائی کو زہر دے کے مارڈالا تاکہ بیمہ کا روپیہ اُسے ملجائے جس سے وہ اپنا قرضہ اتار دے جو اسکی فضول خرچی سے دن بدن ٹرھتا چلا جارہا تھا۔ اُسے سزائے موت دیگئی لیکن بادشاہ نے اُسے عمر قید کی سزا میں تبدیل کردیا،

ایک لڑکی میری نے اپنی آقا بیگم کو محض اس بات پر گلا گھونٹ کے ماردیا کہ اس نے اُسے بُرا بھلا کہا تھا۔ ایک بیگناہ آدمی اس کے بدلہ میں پھنس گیا اور سزایاب ہوا۔ چار سال بعد اُس نے خود ایک موقعہ پر اقبال کیا جب جا کے کہیں اس غریب کو چھٹکارا نصیب ہوا۔

ایک اور عورت ڈوڈ بیٹ نے ایک لڑکی کو مارڈالا اور اسکی چار چھوٹی چھوٹی بہنوں کو نہایت بُری طرح ستایا کئی کئی دن تک انہیں پلنگ سے باندھے رکھا انہیں بھوکے مارا۔ پیٹا اور گھنٹوں ایسی اندھیری اور نم دار کوٹھری میں بند رکھا جسمیں چوہے کثرت سے تھے۔ اُسے صرف دو ہی سال کی سزا ملی۔ اور لطف دیکھئے کہ ملکہ وکٹوریہ اس سے اسقدر خوش کہ انہوں نے اسکے اُستانی بنائے جانے کی سفارش کی،

جانوروں پر مقدمے:۔ دو تین سو سال پیشتر یورپ میں جانوروں پر قتل کے مقدمے چلتے تھے اور پھانسی دی جاتی تھی۔ کیونکہ اُن کے مروجہ عقیدہ کے مطابق جانور ذی عقل شمار ہوتے تھے لہذا قابلِ سزا تھے۔ تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ ان جانوروں کو عدالت میں حاضر ہونا پڑتا تھا۔ ان کے لیئے وکیل جاتا تھا اور استغاثہ کی طرف سے لائق وکلا پیش ہوتے تھے،

۱۴۵۷ء میں فرانس کے ایک قصبہ میں ایک سورنی نے ایک پانچ سالہ لڑکا مار ڈالا اسکے چھ بچے بھی اس کے شریک جرم کی حیثیت سے زیر حراست تھے۔ گواہوں نے حلف پر بیانات دیئے۔ سورنی کو درخت سے پچھلی ٹانگ سے لٹکا کے پھانسی دیئے جانے کا حکم دیا گیا۔ اسکے بچے اس سزا سے بچ گئے۔ کیونکہ شہادت کافی نہ تھی۔ مالک نے ان کی طرف سے ضمانت دی کہ اگر مزید شہادت سے ان کا مجرم ہونا پایا گیا تو وہ انہیں عدالت میں پیش کردیگا،

۱۴۹۹ء میں ایک سانڈ کو ایک کسان کے ۱۴ سالہ لڑکے کو زخمی کرکے مارڈالنے کے جرم میں درخت سے لٹکا کے پھانسی دیئے جانے کی سزا دیگئی،

۱۶۲۱ء میں ایک گائے کو لیپزگ کے نزدیک ایک عورت کو مارنے کے جرم گولی سے ماردیئے جانے یا ذبح کیئے جانے کی سزا دی گئی،

بعض دفعہ سزاؤں میں تخفیف بھی کردی جاتی تھی۔ تین سورنیوں کے ساتھ دو سوروں کو بھی ایک بچہ کے مارڈالنے کے جرم سزا ملی تھی۔ برگنڈی کے ڈیوک نے دونوں سوروں کو معاف کردیا۔

سنہ ۱۷۵۰ء میں فرانس میں ایک گدھے کو جسے سزائے موت ملی تھی اسکی سابقہ نیک چلنی کی وجہ سے معاف کر دیا گیا۔

اربوں روپیہ خوبصورتی پر:۔ کاروبار میں ہر جگہ بے رونقی نظر آ رہی ہے۔ اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ لیکن بناؤ سنگار کی دوکانیں وہاں زور شور سے چل رہی ہیں اور ہر طرف نئی نئی دوکانیں کھلتی چلی جا رہی ہیں۔ نیویارک میں انجمن حسنِ قومی کا جلسہ ہوا اسمیں اعلان کیا گیا کہ امریکہ کی عورتیں بناؤ سنگار پر سوا دو ارب روپیہ سالانہ خرچ کر رہی ہیں ،

تحقیقات سے معلوم ہوا کہ ان دوکانوں کے گاہک اس لیئے بڑھ رہے ہیں کہ کسب معاش کے اس سخت زمانہ میں عورتوں کو بھی روزی کمانا مشکل ہو رہا ہے۔ وہ سمجھتی ہیں کہ اگر وہ حسین اور دلکش نظر آئیں گی تو انہیں ملازمت آسانی سے مل جائیگی۔ اور اپنی جگہ قائم بھی رہ سکیں گی۔ اس لیئے وہ جوان نظر آنے کی کوشش کرتی رہتی ہیں۔

اس تحقیقات نے ایک اور فریب دار بات ظاہر کی ہے کہ وہاں ایسے مردوں کی تعداد بھی بڑھتی جا رہی ہے جو ان سنگار کی دوکانوں پر محض اس لیئے جا رہے ہیں کہ وہ بھی جوان نظر آئیں ،

امریکہ میں بچہ بیویاں:۔ امریکہ کی تعلیمی رپورٹ سے یہ معلوم کر کے بڑی حیرت ہوئی کہ ہندوستان کی طرح وہ ملک بھی اوائل عمر کی شادی میں مبتلا ہے۔ سپرنٹنڈنٹ مدارس لکھتا ہے کہ ۸۴۳ لڑکے اور لڑکیاں جنمیں زیادہ تعداد لڑکیوں کی ہے پچھلے سال محض اس لیئے مدرسہ سے خارج کی گئیں کہ ان کی شادی ہو گئی تھی۔ ان میں ایک لڑکی کی عمر بارہ اور دوسری کی تیرہ سال کی تھی۔ ان دونوں کی شادی اس چھوٹی سی عمر میں کر دی گئی تھی ،

چودہ سال کی عمر میں بیس لڑکے اور لڑکیاں شادی کرانے کے لیئے مدرسہ چھوڑ گئے۔ اور پندرہ سال کی عمر میں ۸۳ لڑکے لڑکیوں نے شادی کی خاطر مدرسہ ترک کیا۔

پھریا کی فتح:۔ گھگروں نے پھریا کی صورت اختیار کر لی ہے۔ مرد کپڑوں میں لپٹے ہوئے ہیں ، اور مغربی عورتیں تقریباً عریاں ہیں۔ جرمنی میں ایک عدالت نے پھریا کے حق میں فیصلہ دیا ہے۔

دو سال ہوئے ایک ہوٹل کے منیجر نے ایک ملازمہ کو محض اس وجہ سے برطرف کر دیا کہ وہ پھریا پہنے تھی۔ اس کے شوہر نے منیجر پر جرمانہ کا دعوی کیا۔ عدالت نے شوہر کو ڈیڑھ سو روپئے دلاتے ہوئے لکھا کہ ملازمہ کا لباس وقت کے فیشن کو ظاہر کرتا تھا اور تقاضائے وقت چھوٹی پھریا کے حق میں تھا۔ اس لیئے ملازمہ نے جو لباس پسند کیا بالکل جائز اور موزون تھا۔

محمد ظفر

تربیت گاہ بنات کا جشنِ معراج

اس سال جشن معراج کا اعلان گو پندرہ روز پیشتر ہوا تھا۔ مگر رات کا وقت اور سردی کی شدت۔ میں سمجھتی تھی کہ بہت ہی کم بہنیں جلسہ میں شریک ہوسکیں گی۔ مگر میں کسی طرح ان محترمات کا شکریہ ادا نہیں کرسکتی جو دربار رسالت میں تمام تکلیفوں کو راحت سمجھکر آئیں اور اپنی بچیوں کو گلے سے لگایا۔ بلاوا باوجودیکہ صرف عصمتی بہنوں اور باقی بچیوں تک محدود تھا۔ پھر بھی مدرسہ کے دالان اور کمرے کھچاکھچ بھرے ہوئے تھے۔ میں چونکہ دردسر میں مبتلا تھی اس لئے مجھے دلی رنج ہے کہ میں ان بہنوں سے مل بھی نہ سکی جو جلسہ شروع ہونے کے بعد تشریف لائیں۔ اور ختم ہوتے ہی اپنی موٹروں میں روانہ ہوئیں۔ دو ڈھائی بجے رات کے اس سردی میں جانا یقیناً تکلیف دہ تھا۔ اور مجھے ملاقات نہ ہونے کا سخت افسوس ہے

بیگم ملک زماں مہدی خاں صاحب ڈپٹی کمشنر رہتک۔ بیگم حامد مختار شاہ صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس گجرات۔ بنت خان بہادر مولوی تاج الدین صاحب رائے بیہا۔ مس ایس علیخاں صاحب میرٹھ۔ بیگم صاحبہ حاجی محمد غلام حسن صاحب مجسٹریٹ پشاور۔ بیگم نواب محمود علی خاں صاحب میرٹھ۔ آمنہ عفت صاحبہ مظفرنگر کا اپنی بچیوں کے سر پہ دست شفقت رکھنا اور اپنی شرکت سے انکے جلسہ کی رونق بڑھانا میرے دلی شکریہ کا مستحق ہے۔

مجھے یہ دیکھکر بیحد خوشی ہوئی کہ تربیت گاہ کی سابق طالبات میں سے بھی تین بچیاں اپنی بہنوں کے اس جلسہ میں شریک ہوئیں۔ بشیر النسا سہارنپور۔ رشیدہ بیگم بجنور سعیدی بیگم انبالہ کے ساتھ میری دلی دعائیں ہیں کہ وہ ہمیشہ خوش رہیں

بچیوں نے دن بھر کی محنت کے بعد مدرسہ کو دلہن بنادیا تھا۔ در و دیوار پر انواع واقسام کے پھول لگے ہوئے تھے۔ باہر گلی میں ایک خوبصورت دروازہ سنہری روپہلی کام سے مزین تھا۔ چاروں طرف سنہری حرفوں میں تربیت گاہ بنات کا جشن معراج" لکھا ہوا تھا۔ جھنڈیاں دورویہ آراستہ تھیں۔ روپہلی اور سنہری ٹھپہ مدرسہ کے در و پر لپٹا ہوا تھا۔ کالنسوں اور طاقوں میں گلدستے اور پھول لگے ہوئے تھے اور سلمہ ستارہ کے کام کا ایک بڑا شیشہ رکھا ہوا تھا جس میں لکھا ہوا تھا "شاہوں کا شاہ اس دم مہمان ہے ہمارا" امروز شاہ شاہاں مہمان شدست مارا

مطبوعہ پروگرام کے موافق کھانے سے آٹھ بجے فراغت ہوگئی تھی اور ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے نماز عشا ختم ہو کر جلسہ شروع ہوا۔ میری تحریک اور عزیزہ حامدہ بیگم صاحبہ کی تائید پر نواب بیگم صاحبہ پاٹودی جو تربیت گاہ کی قدیم محسنہ ہیں اور باوجودیکہ طبیعت ناساز تھی اور روزہ بھی تھا اور ان کے ہاں خود جلسہ میلاد تھا صدر قرار پائیں۔

سب سے پہلے یتیم سکشن کی طالبہ قیصر جہاں نے لیسین شریف کی تلاوت کے بعد سبحٰن الذی کی ابتدائی آیتیں معراج کے

متعلق پڑہیں۔ اس کے بعد سب لڑکیوں نے ملکر حمد ونعت پڑہی۔ سوا نو بجے حاجیہ زاہدہ بیگم صاحبہ نے روضہ اقدس کی نعت اور اپنے سفر حج کا حال سنایا حاجیہ صاحبہ کو حقیقتاً روضہ رسول سے عشق ہے ان کا بیان اس قدر دردانگیز ہے کہ بعض بہنیں بہت متاثر ہوئیں اسکے بعد واجدہ بیگم نے دُعا اور التجا پڑہی۔ اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی دُعا ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم پر تقریر فرما کر ثابت کیا کہ یہ ہی دُعا نور محمدی تھا۔ اس کے بعد رفیعہ بیگم خوشحال سکیشن کی لڑکی نے واقعہ مولود نظم میں نہایت خوش الحانی سے بیان کیا۔ ٹھیک دس بجے سردار بیگم بنت سید امیر علی صاحب کھڑی ہوئیں اور اس درد سے نظم پڑہی کہ مہمانوں کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے اس کے بعد واجدہ بیگم نے حضور اکرم سے پہلے عرب کی جو کیفیت تھی وہ بیان کی اور "آمنہ کے لال" میں سے ولادت کا کچھ حصہ پڑھا گیارہ بجکر بیس منٹ پر چاء پی گئی اور پونے بارہ بجے یتیم سکیشن کی لڑکیوں نے نعت اور معراج کے متعلق نظمیں پڑھیں سوا بارہ بجے حاجیہ زاہدہ بیگم صاحبہ نے معراج کے متعلق تقریر فرمائی جس کے بعد آمنہ نازلی سلمہا نے فلسفہ معراج پر بحث کی اور ایک بجے عشرت زمانی بیگم نے ثبوت معراج میں مضمون پڑھا۔ سوا بجے یتیم سکیشن کی سب سے چھوٹی بچی حلیمہ نے نہایت درد سے حضور اکرمؐ کی شان میں ایک نظم پڑہی جس سے بیویاں اس قدر متاثر ہوئیں کہ دو لڑکیاں روتے روتے بیہوشی کے قریب پہونچ گئیں اسکے بعد واجدہ بیگم خیریہ نے ولادت کا ذکر کیا اور سلام پڑھا دعا اور التجا کی

بجائے شیرنی اور تبرک کے چنبلی کے پھول محترم مہمانوں میں تقسیم کئے گئے اور جلسہ ختم ہوا

بیگم راشد الخیری

قربان جاؤں

آج کل جبکہ مسلمان لڑکیاں روحانیت کے نام سے ہزاروں کوس بھاگ رہی ہیں مذہب کا نام لینا اور عقیدت کا ذکر کرنا بھی گناہ ہے میں آپ بیتی صرف اس لئے لکھتی ہوں کہ وہ محترم بہنیں اور لڑکیاں جو جشن میلاد میں مجھکو بیمار دیکھ کر خیریت کیواسطے تاکید فرما گئی تھیں چونکہ علیحدہ علیحدہ خط لکھنا مشکل ہے انکو مفصل حال معلوم ہو جائے

مجھکو وسط نومبر میں نزلہ کی شکایت ہوئی تین یا چار روز کے بعد زکام کو تو آرام ہو گیا مگر اس کی یادگار درد سر باقی رہا۔ جو بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہونچ گیا کہ طلوع آفتاب سے تین چار بجے تک سر اٹھانا مشکل تھا۔ حکیموں کا علاج پندرہ روز تک کیا کیونکہ نزلہ میں ہمیشہ میں دن میں کئی دوائیں پیتی ہوں۔ مگر تکلیف روز بروز زیادہ ہوتی گئی۔ مجبوراً ڈاکٹروں کی طرف توجہ کی اس سے بھی فائدہ نہ ہوا بعض صاحبوں کی رائے ہوئی کہ آدہی سیسی کے درد کے واسطے جھاڑ پھونک اور گنڈے تعویذ مفید ہوتے ہیں لیکن میں نے توجہ نہ کی اور ڈاکٹروں کی دوا استعمال کرتی رہی یہاں تک کہ اٹھارہ دسمبر جشن معراج کی رات آ پہونچی۔ رات بھر کا جاگنا بھلے چنگے آدمی کے واسطے درد پیدا کرتا ہے مگر یہ کس طرح ممکن تھا کہ مہمان تکلیف اٹھا کر تشریف لائیں اور میں سو جاؤں۔ میں خاموش بیٹھی رہی اور دو بجے رات کے جب سلام پڑھا جا چکا اور بچیوں نے دعا شروع کی تو میں بھی اپنی تکلیف کیواسطے شریک دعا ہوئی۔

تھوڑی دیر بعد صبح ہوئی آفتاب طلوع ہوا۔ مگر خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ درد جو کسی طبیب سے اچھا ہوا نہ ڈاکٹر سے کہاں گیا۔ میں اپنی بہنوں اور بچیوں سے صرف اتنا کہتی ہوں کہ اگر خدانخواستہ ان کو کوئی تکلیف ہو تو اسی ذوق و شوق سے مجلس میلاد منعقد کریں جو بہنیں جشن میں تشریف لانیوالی تھیں یہ سنکر خوش ہونگی کہ درد کا اب پتہ بھی نہیں اور میں قربان جاؤں اس آقا کے جس کے مقدس نام کی برکت سے یہ تکلیف رفع ہوئی۔

بیگم راشد الخیری

دستِ کرم

تربیت گاہ بنات اور یتیم سیکشن کیلئے عصمتی بہنوں اور بھائیوں نے جو روپیہ پچھلے تین ماہ میں بھیجا اسکی تفصیل یہ ہے

بذریعہ محترمہ مس ایم بی فریدالدین احمد حیدرآباد ۵۰۰ صہ
(تفصیل آیندہ پرچہ میں شایع ہوگی۔)

ایم محبوب عالم صاحب صبور بھاگلپور ۵۰ صہ
مسز ایچ جی صادق صاحبہ پٹیالہ ۵۰ صہ
والدہ صاحبہ خلیفہ سید سعید حسن صاحب پٹیالہ ۳۰ صہ
مسز خان بہادر عبدالعزیز صاحب میسور ۳۰ صہ
مولوی عنایت حسین صاحب انجنیر کیمبل پور صہ
صغریٰ بیگم صاحبہ بنت پرنسپل عشرت حسین صاحب ہردوئی صہ
خانصاحب عبدالرشید خانصاحب اسسٹنٹ ریونیو کمشنر بلوچستان ۲۰ صہ
محمد ادریس صاحب جریا ہمیرپور ۲۰ صہ
سردار کرم خانصاحب میانوالی ۲۰ صہ
عبدالرزاق صاحب کہر اعظم گڈھ صہ
سلیم خاں صاحب ہبتول سی پی للعہ
مسز ام اے۔ شکور صاحبہ رنگون سدعہ

جنہوں نے دس دس روپے بھیجے

ایچ۔ ایس بی بی گل صاحبہ میرٹھ۔ شیخ گل محمد صاحب جموّں مولوی ممتاز علی صاحب پنڈرا بلاسپور۔ مولوی عبدالحمید صاحب رتناگری۔ بیگم مرزا اعزازالدین احمد صاحب لدھیانہ۔ سید عبدالقیوم صاحب ڈسنہ پٹنہ۔ بی بی بلقیس بانو صاحبہ نٹر کونہ نیمن سنگھ۔ جی ام قادری صاحب بی۔ این آر کلکتہ۔ بیگم مرزا صمصام الدین احمد خانصاحب مظفر گڈھ۔ سید احمد حسین صاحب ای اے سی ایوت محل برار۔ حکیم محمود علی صاحب لوڑھکی سیالکوٹ۔ بنت شیخ منظور علی صاحب رائے سین بھوپال۔ بیگم فضل الدین وکیل گجرانوالہ۔ بشیر بہادر صاحب شمس آباد۔ اٹک۔ ایس جی جیلانی صاحب پورٹ بلیر۔ بیگم حامد مختار شاہ صاحب گجرات۔ بنت نواب محمود علی خان صاحب میرٹھ۔ محبوب خانصاحب بجنور

دس روپے سے کم مگر پانچ روپے سے زیادہ جن حضرات اور خواتین نے عطا فرمائے

میاں محمد علی صاحب کوئٹہ ۲۰ے۔ میمونہ بیگم صاحبہ ایلیہنس وا میرٹھ ۶ے معرفت مرزا رحیم بیگ صاحب اورنگ آباد دکن ۶ے اہلیہ مولوی عبدالقادر صاحب مرحوم حیدرآباد دکن ۶ے (ماہوار)۔ الیف وزارت علی صاحب سلوا احمد نگر ۶ے۔ منشی لیاقت حسین صاحب بھنگالہ ۶ے معرفت بیگم حامد مختار شاہ صاحب گجرات ۶ے۔ اہلیہ مولوی عبدالقادر صاحب سب جج حیدرآباد دکن ۶ے (چندہ ماہوار)۔

جنہوں نے پانچ پانچ روپے بھیجے

مس جسٹس فضل علی صاحب پٹنہ۔ عبدالصمد خانصاحب پھولپور اعظم گڈھ۔ بنت خانصاحب حاجی غلام حسن صاحب داناپور پٹنہ۔ ام عبدالرحمن صاحبہ ائی گنڈی۔ چودہری حبیب اللہ خانصاحب احمد پور بہاولپور۔ کپتان جی ایم صدیقی صاحب امیٹھی لکھنؤ۔ محمد ریاض رسول صاحب بدایوں۔ مسز شیخ محمد سعید صاحب حصار۔ مولوی نصیر الحق صاحب جج بھوپال۔ فرخندہ بیگم صاحبہ مظفر گڈھ۔ ڈاکٹر احمد اللہ خاں صاحب باغپت۔ بنت امجد علی صاحب خیرپور سندھ۔ بنت خان بہادر تاج الدین صاحب نئی دہلی۔ مسز شیخ محمد سعید صاحب حصار۔ بنت نعمت الٰہی صاحب زبیری بھوپال۔ مولوی عبدالغنی خانصاحب راولپنڈی۔ فخرالدین احمد صاحب گونڈہ۔ مسز عطاء الرحمن صاحب پٹنہ ۲۵ (۵ ماہ کا چندہ) مسز فدائی صاحب ڈپٹی کلکٹر غازی پور آٹھ روپے (چار ماہ کا چندہ) مسز سید مظہر صاحب زبیری مارہرہ۔ ایک پارسل کپڑوں کا۔

راشد الخیری

مہمان
میزبان
SAMI.
مہمان = جنکو یہ معلوم ہے کہ کمرہ میں صرف اپنے رشتہ داروں کی ہی تصاویر لگائی جاتی ہیں) یہ تمام آپ کے رشتہ دار ہوں گے ؟
میزبان (کھسیانی ہوکر) جی نہیں۔ میرے میاں خفیہ پولیس میں ہیں یہ اُن بدمعاشوں کی تصاویر ہیں جو مفرور ہیں۔

جنٹلمین (جس نے کسی اور عورت کے خیال سے اپنی ٹوپی سلام کرنیکے لئے اتاری تھی) آداب عرض۔ معاف کیجیے۔
معزز عورت = میں ایسے جنٹلمین کو خیرات نہیں دے سکتی جو ہٹا کٹا ہو۔
SAMI.

استانی: لڑکیوں مغل خاندان کا تو کچھ حال بیان کرو۔
ایک چھوٹی لڑکی: استانی جی میری والدہ نے منع کر دیا ہے کہ خبردار کبھی کسی کے خاندان کا ذکر نہ کرنا گناہ ہے

ٹیبل کلاتھ کا پھول

یہ پھول میز پوش کے چاروں کونوں پر اور رومال پر ایک طرف ریشم سے کاڑھنے سے بہت خوبصورت معلوم ہوتا ہے ڈالی اور پتیاں گہرے سبز رنگ کے ریشم سے اور جڑ کے پاس کا پھول نارنجی ریشم سے اور بیچ کا پھول گہرے گلابی ریشم اور باز کے پھول ہلکے گلابی ریشم سے کاڑھیں

اشفاق جہاں بیگم مرزا پور

انڈے پر کارچوب

انڈے پر کارچوب بنانیکے لیے حسب ذیل اشیا کی ضرورت ہے سوئیاں چاندی کی۔ سلمہ ستارہ۔ موتی ترکیب پہلے انڈے کے دونوں سروں پر سوراخ کرلیں۔ مگر سوراخ بہت بڑا نہو۔ موٹی سوئی سے سوراخ کریں۔ پہلے انڈے کو خوب ہلا کر ایک جانب منہ لگا کر پھونکیں۔ پھونکنے سے دوسری جانب سے تھوڑی تھوڑی سفیدی و زردی باریک دہار سے نکلے گی۔ اس طرح سے جبتک انڈا بالکل خالی نہوجائے تو اسوقت تک ہلا ہلا کر پھونکتے جائیں۔ جب انڈا خالی ہوجائے تو ایک پیالہ میں پانی لیکر انڈے کو اس میں رکھکر منہ سے اوپر پانی کھینچیں۔ جب انڈے میں پانی آجاے تو اسکو ہلا کر پھر منہ سے پھونکے۔ پانی نکل جائیگا۔ اسی طرح انڈے کو خوب دہو کر تھوڑی دیر دہوپ میں رکہدیں جب خشک ہوجائے تو ایک پھریری عطر کی سوئی سے انڈے میں داخل کردیں۔ تاکہ خراب نہو۔ پھر انڈے پر نشان حسب پسند پھول پتیوں کے بنا کر آہستگی سوراخ کریں۔ اگر انڈا بہت خشک ہوگیا ہو تو اوپر سے ایک کپڑا تر کرکے لپیٹ دیں تاکہ کچھ نرمی آجائے۔ مگر سوراخ کرتے وقت سوئی کو زور سے نہ دبائیں نہیں تو انڈا ٹوٹ جائیگا۔ جب سوراخ ہوجائیں تو چاندی کی سوئی سے کارچوب بنائیں۔ سوئی انڈے کی لمبائی دیکھکر باریک بنوانی چاہیے۔ باریک اس لئے کہ جس جگہ سوئی کو موڑنا ہو تو باآسانی مڑسکے۔ مگر اس کا خیال ضروری ہے کہ انڈے پر زیادہ زور نہ پڑے۔ جب تیار ہوجائے تو ایک موتی بیضوی وضع کا نچلے حصہ میں لگایا جائے جیسا کہ نقشہ میں ہے اور اوپر کی جانب دہاگہ میں سلمہ لگا کر گھنڈی بنائی جائے۔ انڈا جب تیار ہوجائے تو اوپر بھی تھوڑا عطر یا لیونڈر چھڑک دینا چاہیے۔ تاکہ کیڑا نہ لگنے پائے۔ یہ انڈے مسہریوں اور چھت گیریوں میں لٹکے بہت اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ کبوتر۔ مرغی۔ بڑی بطخ اور چھوٹی بطخ ہر ایک کے انڈوں پر یہ کارچوب بھلا معلوم ہوتا ہے امید کہ عصمتی بہنیں اس ترکیب سے فائدہ اٹھائینگی ایک آسان نقشہ بھی بنادیا ہے۔

بنت عبد الجلیل صاحب وکیل گلبرگہ

موتیوں کا پردہ

محترمہ فاطمہ بیگم صاحبہ منشی فاضل نے اپنے مضمون پردہ نشین خواتین کی دستکاریوں میں موتیوں کے پردے کا ذکر بھی کیا ہے۔ میں ذیل میں مفصل ترکیب لکھتی ہوں امید ہے کہ بہنیں فائدہ اٹھائیں گی۔

پردہ کا چھوٹا نقشہ دیا گیا ہے۔ جس قدر بڑا بنانا چاہیں اسی طرح بن سکتا ہے۔ ڈیڑہ انچہ چوڑی لکڑی میں نصف نصف انچہ پر سوراخ کرالینا چاہیے۔ لیکن یہ خیال رہے کہ سوراخ نو۔ اٹھارہ۔ ستائیس چھتیس وغیرہ رہیں۔ تاکہ موتیوں کی لہر خراب نہ ہو۔ پہلے ٹوئن (موٹا سوت) کا لمبا لچھا بنالیں پھر اسے اس طرح موم دیں کہ ایک موم کے ٹکڑے کو آگ کے قریب کریں۔ جب وہ ذرا پگھل جائیں تو ٹوئن کے لچھے پر خوب پھیریں۔ اسی طرح کرتے جائیں حتی کہ اسپر خوب موم ہوجائے اگر موم کم ہوگا تو موتیوں سے سوت کٹ جانے کا احتمال ہے پھر جس قدر لمبا پردہ بنانا ہو اسی قدر لمبے دوہرے تاگے برابر برابر کاٹ لو۔ اور اس طرح لکڑی میں ڈالو کہ پہلے نیچے کی طرف سے تاگہ سوراخ میں ڈالو۔ پھر اسی تاگہ کو اوپر سے دوسرے سوراخ میں ڈالکر نیچے لے آؤ۔ تاگے کے دونوں سرے نیچے رہنے چاہئیں۔ پھر ریتی سے لمبے موتی (کانچ کی نلیاں) اس طرح کاٹ لو کہ پہلے بیچ میں سے دو دو ٹکڑے کرلو جس قدر درکار ہوں پھر لمبی سلاخ کا چوتھائی حصہ کاٹ لو۔ اس قسم کی سلاخیں اوپر ہی ڈالی جائیں گی۔ گول موتی موٹے موٹے اور بھر کے ہونے چاہئیں۔ باریک موتی خوبصورت معلوم نہیں ہونگے یہ موتی بڑے شہروں میں دو روپے پونڈ (نصف سیر) ملتے ہیں اور سلاخوں کا ایک ڈبہ چار چھ آنہ میں ملتا ہے بمبئی یا کلکتہ میں

نوٹ: اگر کسی بہن صاحبہ کی سمجھ میں ترکیب نہ آئے تو بذریعہ عصمت اپنا پتہ لکھکر مجھ سے دریافت کرسکتی ہیں۔

سستے ملتے ہیں

ترکیب

پہلی قطار۔ گول موتی ۔ ۲ سلاخ کا چوتھائی حصہ ایک سلاخ کا نصف ٹکڑا۔ ایک سلاخ کا تہائی حصہ ایک (جس میں سے چوتھائی حصہ کاٹا گیا تھا) ایک پوری سلاخ پھر ایک تہائی سلاخ۔ نصف ٹکڑا ایک سلاخ کا چوتھائی حصہ ایک۔ گول موتی ۲۔ اسی طرح پوری قطار۔ دوسری قطار۔ گول موتی ۲۔ پوری سلاخ ایک۔ لیکن اوپر جہاں پہلی قطار میں گول موتی ڈال چکے ہیں وہاں اب نہیں ڈالنا چاہئے صرف سلاخ ڈالدینا چاہئے۔ تیسری قطار گول موتی دو نصف سلاخ ایک۔ چوتھی قطار ایک گول لال موتی ایک نیلا ایک لال ایک نصف سلاخ ایک۔ پانچویں قطار گول موتی دو پوری سلاخ ایک۔ چھٹی قطار دو گول موتی نصف سلاخ ایک۔ ساتویں قطار ایک گول لال موتی ایک نیلا ایک لال ایک نصف سلاخ آٹھویں قطار گول موتی دو پوری سلاخ ایک۔ نویں قطار۔ گول موتی دو نصف سلاخ ایک۔ دسویں قطار ایک لال گول موتی ایک نیلا ایک لال۔

اب نقشہ کا پردہ ختم ہوگیا۔ ہر ایک لڑی میں پوت کے چھوٹے چھوٹے گچھے بنا کردو یا ویسے ہی مضبوط گرہ لگا دو۔

نوٹ پہلی قطار میں جو ترکیب لکھی گئی ہے اسے اسطرح بنائیں کہ ایک لڑی میں دو موتی ڈالیں پھر دوسری میں سلاخ کا چوتھائی حصہ تیسری میں سلاخ کا نصف ٹکڑا وغیرہ وغیرہ۔ نقشہ سے بھی بہت مدد ملے گی جس میں لال موتی خالی دائرے ہیں اور نیلے موتی بھرے ہوئے دائرے۔

شرافت بیگم ۔ سی پی۔

دُوربین

گول میز کانفرنس

یہ خبر تو غالباً عصمت کی تمام قدردان خاتونوں کو معلوم ہو چکی ہوگی کہ آجکل لندن میں انگریزوں اور ہندوستانیوں کی ایک مشترکہ کانفرنس ہو رہی ہے جسے گول میز کانفرنس کہا جاتا ہے۔ اور جس میں یہ کوشش کیجا رہی ہے کہ ہندوستان کے لئے آئندہ طرز حکومت کا انتخاب کیا جائے لیکن ہمارا خیال ہے کہ ہماری بہت سی وہ بہنیں کہ جو باقاعدہ اخبار نہیں دیکھتیں اس کانفرنس کے حالات سے ناواقف ہونگی اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اطلاع کے لئے اس اشاعت میں ہم اس کانفرنس کے حالات مختصر طور پر بیان کر دیں

اس کانفرنس کی شرکت کے لئے ہندوستان سے بہت سی دیسی ریاستوں کے فرمانروا اور ہندو اور مسلمان زعماء قوم گئے ہوئے ہیں۔ یہ امر بحث طلب ہے کہ یہ زعما ہندوستان کے یا جن جماعتوں میں سے انہیں منتخب کیا گیا ہے ان جماعتوں کے صحیح نمایندے ہیں یا نہیں کیونکہ ایک فریق کہتا ہے کہ انہیں انکی جماعتوں کی طرف سے منتخب نہیں کیا گیا اور نہ ہندوستانیوں کو ان کے انتخاب میں دخل دینے کا کوئی موقعہ ملا۔ بلکہ خود حکومت ہند نے اپنے طور پر تقریباً ہر جماعت کے آدمیوں کو منتخب کر کے ولایت بھیجدیا ہے۔ مگر یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ جو لوگ کانفرنس کی شرکت کے لئے بھیجے گئے ہیں وہ بالعموم سب کے سب اچھے اور ملک و قوم کے بہی خواہ ہیں۔

جب یہ لوگ ہندوستان سے روانہ ہوئے تھے تو عام طور پر یہ اندیشہ تھا کہ یہ لوگ بے خوفی اور آزادی کے ساتھ ہندوستان کی رائے عامہ کا اظہار کانفرنس میں نہ کرینگے۔ اور اس طرح ہندوستان کے مطالبات کمزور ہو جائینگے لیکن اب جبکہ ان لوگوں کی وہ تقریریں اخبارات میں شائع ہوئیں جو انہوں نے کانفرنس میں کی تھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے متعلق عوام کی بدگمانیاں کچھ زیادہ صحیح نہ تھیں کیونکہ ان سب نے بالاتفاق ہندوستان کے لئے جو طرز حکومت مانگا ہے وہ یہ ہے کہ حکومت برطانیہ سے ہندوستان کا تعلق تو باقی رہے لیکن اپنے تمام اندرونی معاملات میں یہ ملک اسی قدر خود مختار اور آزاد ہو جیسے کینیڈا اور آسٹریلیا وغیرہ ہیں۔ اور اسی حالت کا نام ڈومی نین اسٹیٹس ہے۔

دیسی فرمانرواؤں کا حسن تدبر

یہ دیکھکر ہر شخص کو حیرت ہو رہی ہے کہ ہندوستان کے راجاؤں اور نوابوں نے اپنے ذاتی فائدہ اور نقصان کی طرف سے آنکھیں بند کر کے ملک کی عام رائے کا احترام کیا اور اس بات پر رضامند ہو گئے کہ ملک میں فیڈرل یعنی وفاقی طرز حکومت قائم ہو جائے جسکا یہ مطلب ہے کہ ہندوستان کے تمام صوبے اور اسی طرح دیسی ریاستیں اپنے اندرونی معاملات میں خود مختار رہیں اور تمام ایسے معاملات میں کہ جن کا تعلق پورے ہندوستان سے ہے وہ اس ملک کی مرکزی حکومت کے ماتحت ہیں

کانفرنس میں عورتوں کی نمایندگی

اس کانفرنس میں ہندوستان کی عورتوں کی نمایندگی کرنے کے لئے ایک ہندو اور ایک مسلمان خاتون بھی بھیجی گئی ہیں مسلمان خواتین ہند کی نمایندگی کا فرض بیگم شاہنواز صاحبہ انجام دے رہی ہیں۔ اور مقام مسرت ہے کہ آپ نے کانفرنس میں جو پرزور اور پراثر تقریر کی تھی وہ عام طور پر بہت پسند کی گئی اور انگلستان کے تقریباً تمام ذی اثر اخبارات نے آپ کی تقریر کے متعلق نہایت اچھی رائے ظاہر کی ہے اپنی عصمتی بہنوں کی دلچسپی کی خاطر ہم بیگم شاہنواز صاحبہ کی تقریر کے چند اقتباسات یہاں درج کئے دیتے ہیں آپنے فرمایا

سرزمین مشرق جسے عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ اس میں تبدیلی نہیں ہوا کرتی وہ اب بدلنے والی نہیں رہی ہے آج سے دس سال پیشتر کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آسکتی تھی کہ کوئی ہندوستانی عورت لندن میں آکر اس قسم کے جلسوں میں شرکت کرسکتی ہے لیکن آج ہندو عورت ہی نہیں بلکہ ایک سختی سے پردہ کی پابند مسلمان خاندان کی عورت بھی اپنے اہل وطن کے ساتھ میز کے گرد بیٹھکر اپنے ملک کے لئے ایک مناسب دستور اساسی بنوانے میں حصہ لے رہی ہے۔"

ہمیں یہ دیکھکر مسرت ہوئی ہے کہ ہمارے دیسی فرمانروا مادر وطن کے سپوت بیٹے ثابت ہوئے اور وہ ایک آل انڈیا فیڈریشن میں شریک ہوجانے پر تیار ہوگئے ہمارے ملک کی سرسبزی اور خوشحالی کا مبارک زمانہ اسی وقت آسکتا ہے کہ جب ہندوستانی ہند اور برطانوی ہند دونوں اپنے مشترک مقصدوں کو سامنے رکھکر آپس میں ایک دوسرے سے محبت کا سلسلہ اور رابطہ قائم کریں خلوص دل کے ساتھ آپ سے استدعا کرتی ہوں کہ کم سے کم ایسا ہونا چاہئے کہ ہم اپنے ملک کو کچھ ایسی اصلاحات واپس لیکر جائیں کہ جنہیں ہم اپنے نوجوانوں کے سامنے پیش کرکے یہ کہہ سکیں کہ دیکھو اس ترقی کے دور میں کوئی ملک دوسرے ملک سے الگ اور بے تعلق رہ کر زندہ نہیں رہ سکتا۔ تمہارے تعلقات برطانیہ جیسی دولت متحدہ کے ساتھ قائم ہیں۔ برطانیہ کی طرف سے تمہیں دعوت دیگئی ہے کہ دوسری نوآبادیوں کے برابر کی حیثیت کے ساتھ تم اس اتحاد میں شریک ہوجاؤ اب اس سے زیادہ تم اور کیا چاہتے ہو میں برطانوی نمایندوں سے اور اپنے اہل وطن سے التجا کرتی ہوں کہ وہ باہمی اشتراک اور تعاون کی خواہش کے ساتھ اس مجلس کی کارروائیوں میں حصہ لیں ان کے پیش نظر ایک ہی مقصد اور ایک ہی نصب العین ہو اور وہ یہ کہ ہندوستان کیلئے ایک مناسب دستور اساسی مرتب کیا جائے ایسا دستور اساسی کہ جو ہندوستان جیسے قدیم ملک کی جائز خواہشوں کو پورا کرسکے۔"

ہندوستان اور زخمی اور درد و تکلیف میں مبتلا ہندوستان ہماری طرف آنکھیں لگائے ہوئے ہے، بلکہ ساری دنیا اسی انتظار میں ہے کہ کب ہم نیک نیتی اور ہمت کا مرہم لگا کر مجروح ہندوستان کے زخموں کا علاج کرتے ہیں ہمیں چاہئے کہ ہم دنیا کو مایوس نہ کریں۔ خدائے تبارک وتعالی ہماری کوششوں کو مشکور فرمائے۔"

ہندوستانی نمایندوں کی ایک آواز

اس کانفرنس کی سب سے زیادہ حیرت انگیز بات جس پر نہ صرف تمام انگریزوں کو بلکہ خود بہت سے ہندوستانیوں کو بھی تعجب ہے یہ تھی کہ اگرچہ ہندوستانی

نمایندے سب مختلف جماعتوں سے منتخب کئے گئے تھے اور ان میں بعض ایسے بھی تھے جو اپنی فرقہ وارانہ ذہنیت کے لئے بہت کچھ بدنام ہیں۔ پھر بھی ان سب میں کسی قسم کا ذرا سا بھی اختلاف نہ تھا۔ اور سب نے کچھ اس طرح تقریریں کیں کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا ایک منہ سے ایک ہی آواز نکل رہی ہے۔ ٹائمس آف لنڈن جو ولایت کا سب سے زیادہ معتبر اور گویا نیم سرکاری اخبار ہے اس نے بھی حیرت کے ساتھ یہ لکھا کہ ہندوستانی نمایندوں میں کامل اتفاق اور یکجہتی نمایاں تھی اور انہوں نے گذشتہ پانچ دنوں میں ہندوستانی قومیت کے استحکام کے متعلق برطانیہ کی رائے عامہ کو ایک ایسا سبق دیا ہے کہ جو کبھی نہیں بھلایا جا سکتا۔

مسلمانوں کا طرزِ عمل

ہندوستان میں چونکہ بعض مسلمان اہل الرائے سیاسی تحریک سے الگ رہے تھے اسلئے اندیشہ تھا کہ گول میز کانفرنس میں پہنچکر بھی شاید انکی طرف سے کچھ باتیں ایسی نکلیں کہ جو ہندوستان کے مفاد کے خلاف پڑیں لیکن مسلمانوں میں حب وطن کا جذبہ انکے تمام دوسرے خیالات پر غالب آیا۔ اور حق یہ ہے کہ کانفرنس میں انکے طرزِ عمل نے اچھی طرح ثابت کر دیا کہ جہاں تک وطن کی محبت اور وطن کی عزت کا تعلق ہے وہ کسی دوسری قوم سے پیچھے نہیں ہے کانفرنس کے اجلاس میں شریک ہونے سے پہلے خود ہندوستان میں اور اس کے بعد لنڈن میں کئی مرتبہ اس بات کی کوشش کی گئی تھی کہ کانفرنس سے پہلے ہی ہندو مسلم سوال کا کوئی حل تلاش کر کے اس فرقہ وارانہ نفاق کو دور کر دیا جائے جس کی بدولت ہندوستان جنت نشان ہونے کے کچھ عرصہ تک اچھا خاصہ دوزخ بنا رہا لیکن افسوس کہ بعض مہاسبھائی ہندو اس راہ میں برابر روڑے اٹکاتے رہے اور ڈاکٹر مونجے اور راجا نرندر ناتھ صاحبان تو اب بھی ہندو مسلم اتحاد پر آمادہ نہیں ہوئے ہیں حالانکہ لبرل خیالات کے اور سب ہندوؤں نے محمد علی جناح کی وہ چودہ شرطیں مان لی ہیں جو انہوں نے مسلمانوں کی طرف سے پیش کی تھیں۔

مولنا محمد علی کانفرنس میں

جو مسلمان نمایندے منتخب کر کے کانفرنس میں بھیجے گئے ہیں ان میں مسلمانوں کے مشہور سیاسی لیڈر اور مرحومہ بی اماں کے لائق فرزند مولانا محمد علی صاحب بھی ہیں افسوس کہ انکی علالت نے آپ کو بیحد پریشان کر رکھا ہے لیکن اس ناسازیٔ طبع کے باوجود آپ نے کانفرنس میں ایک بہت ہی زوردار تقریر کی اور صاف صاف کہدیا کہ میں تو کامل آزادی کا حامی ہوں لیکن اگر میں یہاں سے ہندوستان کے لئے کوئی ایسی چیز جو آزادی کی ہم معنی ہو لیکر نہ لوٹ سکا تو میں اب ایک غلام ملک میں واپس نہ جاؤنگا اور آپ لوگوں کو مجھے قبر کے لئے زمین دینی پڑے گی۔ آپ نے اپنی تقریر میں یہ بھی واضح کر دیا کہ وہ کم سے کم اختیارات کہ جنہیں آپ ہندوستان کی آزادی کا ہم معنی خیال کرتے ہیں یہ ہیں کہ جس طرح لارڈ ریڈنگ نے گذشتہ موقعہ پر تحریک آزادی میں حصہ لینے اور حکومت سے ترک تعاون کرنے کے جرم میں مولنا کو جیلخانہ بھیجدیا تھا اسی طرح مولنا کو یعنی ہندوستان کو یہ اختیارات حاصل ہو جائے کہ اگر لارڈ ریڈنگ یا کوئی دوسرا وائسرائے کوئی غلطی کرے تو اسے جیلخانہ بھیج سکیں اس فقرے کی دلچسپی اسلئے بہت بڑھ گئی تھی کہ خود لارڈ ریڈنگ بھی اس کانفرنس میں شریک تھے اور سامنے ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ صحیح ہے مولنا محمد علی صاحب کی تقریر میں وہ زبردست اور ناقابل تردید دلیلیں نہ تھیں جو انکی تحریر و تقریر کا خاصہ ہیں اور زیادہ تر انگریزوں کے جذبات کو ابھارنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی جابجا ظرافت کی چاشنی تھی جس کا اس قسم کے سنجیدہ جلسوں پر بہت کم اثر

ہوتا ہے بلکہ دلیلوں کی کمی کے باوجود ان کی تقریروں میں ایک خاص زور تھا۔ اور اس سے یہ اثر ضرور پڑتا تھا کہ تقریر کرنیوالے کے دل میں آزادی کا عشق اور وطن کی محبت بہت کافی موجود ہے۔

تازہ ترین اطلاعات

لندن سے ۲۰ ردسمبر کے چلے ہوئے تاروں کے ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ سوائے راجا نریندر ناتھ اور ڈاکٹر مونجے کے باقی تمام ہندوؤں نے جو گول میز کانفرنس میں شریک ہیں مسلمانوں کی شرطیں منظور کرلی ہیں اور ایک خط جس پر ان سب کے دستخط ہیں مرتب کر کے مسلمان نمایندوں کے پاس بھیجدیا ہے۔ ہندوؤں کے اس طرح راضی ہوجانے کے بعد اب مسلمانوں کو بھی اس بات کے ماننے میں تامل نہ ہوگا کہ ملک میں مخلوط انتخاب کی رسم کو قبول کرلیں۔ سنا گیا کہ سکھ نمایندوں نے بھی ملک کے مفاد کی خاطر ان سب شرائط کو منظور کرلیا ہے اور اب وہ بھی اس سمجھوتے میں شریک ہوگئے ہیں۔

ہز ہائنس آغاخان اور بیگم شاہ نواز

لندن سے ۲۲ ردسمبر کے چلے ہوئے تار یہ خبر لائے ہیں کہ ہز ہائنس آغاخان مخلوط انتخاب کو کسی طرح پسند نہیں کرتے اور اس تجویز پر غور کرنے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں۔ اور مسز بیگم شاہ نواز بھی اس بات پر اڑی ہوئی ہیں کہ پنجاب میں اکیاون فی صدی کی بجائے مسلمانوں کی چون فیصدی کی اکثریت تسلیم کیجائے۔ اور اسی نسبت سے انہیں صوبہ کی کونسل میں نشستیں ملیں تو وہ تصفیہ کو قبول کرینگی۔

تونس کے مظلوم مسلمان

تونس شمالی افریقہ میں ایک مختصر سا ملک ہے جس کی آبادی بیشتر مسلمان ہے اور جس پر مدتہائے دراز سے فرانس کی حکومت ہے۔ ایک تازہ اطلاع سے معلوم ہوا ہے کہ وہاں کے مسلمانوں کی حالت بہت ہی قابل رحم ہے۔ وہ تمام ملکی اور قانونی حقوق سے محروم ہیں اور ہر قسم کے ٹیکس وغیرہ ادا کرنے کے باوجود انہیں کسی قسم کی بھی آزادی حاصل نہیں ہے۔ اور یہ تمام پابندیاں ان پر صرف اس لئے عائد ہیں کہ وہ عیسائی نہیں ہیں مسلمان ہیں نہ وہ کوئی تحریر شائع کرسکتے ہیں اور نہ جلسے کرنے کی اجازت ہے۔ بہت سے مسلمانوں کو حکومت صرف اس لئے جلاوطن کرتی ہے کہ حکومت کے پنجے اس ملک پر خوب مضبوطی کے ساتھ جم جائیں۔

سیاسی لیڈروں کی علالت

مہاتما گاندھی کے سوائے اور تقریباً سارے مشہور لیڈر جو آجکل جیلخانوں میں ہیں کسی نہ کسی بیماری میں مبتلا ہیں۔ پنڈت موتی لال نہرو، پنڈت مدن موہن مالوی، ڈاکٹر انصاری، مولانا ابوالکلام آزاد اور مسٹر پٹیل سب بستر علالت پر پڑے ہیں ملک و قوم کی خاطر ان تکلیفیں اٹھانیوالوں کو خدا جلد سے جلد صحت دے۔

دہلی کی خواتین کی بھوک ہڑتال

گذشتہ چند روز کے عرصہ میں دہلی میں اڑتالیس رضاکار عورتیں شراب کی دکانوں پر پہرہ دینے کے الزام میں گرفتار ہوکر سزایاب ہوئی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان سب کو چونکہ بالکل معمولی قیدیوں کی طرح جیل میں رکھا گیا ہے اس لئے گذشتہ ہفتہ کی شام سے انہوں نے کھانا ترک کردیا ہے۔ بہت سے اور قیدیوں نے بھی انکی ہمدردی کے خیال سے اس بھوک ہڑتال میں ان کا ساتھ دیا ہے۔ ان خواتین میں اکثر نہایت معزز خاندانوں کی

عورتیں شامل ہیں اور سوامی شردھانند آنجہانی کی پوتی کماری کوشلیا دیوی اور ایک اور خاتون جن کا نام کماری پدما دیوی ہے بہت ہی کم سن ہیں۔ ان دونوں نوجوان لڑکیوں کی حالت سنا گیا ہے کہ تشویشناک ہوگئی ہے کل ۲۳ دسمبر کو باشندگان دہلی نے ان خواتین کی گرفتاری پر اور پولیس کے تشدد کے خلاف احتجاج کرنے کی غرض سے ایک عظیم الشان جلسہ بھی کیا تھا جس میں شہر کے معزز ہندو مسلمان شریک تھے

مسلمان ہوا باز

شکر کا مقام ہے کہ مسلمان نوجوانوں کو بھی ہوا بازی کے فن سے دلچسپی پیدا ہو چلی۔ مسٹر مراد کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہ اپنے چھوٹے سے جہاز میں ۲۱ دسمبر کو کلکتہ سے صبح کے وقت روانہ ہوئے اور شام کو الہ آباد پہونچ گئے اور اب الہ آباد سے دہلی آنے کا قصد ہے۔

ایک افسوسناک حادثہ

ملک کے بعض نوجوان افسوس ہے کہ حب وطن کے جوش میں نہایت غلط راستہ پر پڑ گئے ہیں اور انہوں نے قتل و غارت کو اپنا شعار بنا لیا ہے ابھی چند روز ہوئے کہ صوبہ بنگال کی سکریٹریٹ میں قتل کا ایک حادثہ ہو چکا تھا۔ اب معلوم ہوا کہ ایک نوجوان طالب علم نے ہز ایکسی لینسی گورنر پنجاب پر پستول سے قاتلانہ حملہ کیا لیکن شکر کا مقام ہے کہ ہز ایکسی لینسی کے اگرچہ زخم تو آئے ہیں لیکن جان بچ گئی۔ سنا گیا ہے کہ حملہ آور گرفتار ہو گیا ہے۔ اور اس نے اپنے جرم کا اقبال بھی کر لیا ہے۔ اس طرح بعض حکام کی جان لینے کی کوشش کرنا حد سے زیادہ قابل نفرت فعل ہے جس سے کچھ حاصل بھی نہیں ہو سکتا تھوڑی دیر کے لئے اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ چند شوریدہ سر نوجوان اس طرح دو چار یا دس بیس انگریز افسروں کو قتل بھی کر دیں تب بھی کیا کسی طرح اس کا یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ ہندوستان آزاد ہو جائے اس قسم کی حرکات کو حماقت اور جنون کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

آتشبازی کے حادثے

شب برات آئی اور آتش بازی کے حادثوں کی المناک خبریں آنی شروع ہو گئیں اسوقت تک کئی مقامات سے ایسی خبریں آ چکی ہیں اور ایک لڑکے کی حالت تو معلوم ہوا ہے کہ بہت ہی نازک ہے۔ خدا جانے مسلمانوں کو کب عقل آئیگی اور کب وہ اس جاہلانہ اور احمقانہ رسم کو ترک کرینگے۔

ہندوستانی اکاڈیمی کی تجاویز

الہ آباد میں جو ہندوستانی اکاڈیمی قائم ہوئی ہے اور جو اردو اور ہندی زبانوں کی ترقی کیلئے کوشاں ہے اسکے جنرل سکریٹری صاحب نے اعلان کیا ہے کہ اکاڈیمی کی سالانہ اردو کانفرنس ماہ فروری سنہ ۱۹۳۱ء میں منعقد ہوگی اس کانفرنس کا مقصد یہ ہوگا کہ اردو اور ہندی کے ماہرین علم و ادب ایک جگہ جمع ہو کر دونوں زبانوں کی ترقی کے وسائل پر آپس میں تبادلہ خیالات کرینگے اس جلسہ میں ملک کے مشہور ادیبوں کو بھی دعوت دیگئی ہے کہ وہ ادب کے متعلق مضامین پر تقریریں کریں۔

افغانستان کے امن پذیر حالات

افغانستان کی خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اب وہاں کی حالت پورے طور پر اطمینان بخش ہے اور ہز مجسٹی شاہ محمد نادر خاں نے اپنی بیدار مغزی سے حالات کو اپنے موافق بنا لیا ہے۔ کابل میں ایک نیا مدرسہ کھولا گیا ہے جس میں قواعد جنگ کی تعلیم دیجاتی ہے۔ اپنی ایک تقریر میں اعلیحضرت نے فرمایا کہ باشندگان افغانستان من حیث القوم بہادر اور جنگجو ہیں اور یہ توقع ظاہر کی کہ افغانستان کی خوشحالی اور ترقی کی کوشش میں ہر شخص اعلیحضرت کا ہاتھ بٹائیگا اور آخر میں دعا کی کہ خدا افغانستان کو اس قدر طاقتور بنا دے کہ وہ اپنے دوستوں کے لئے ایک پھول اور اپنے دشمنوں کے حق میں کانٹا ثابت ہو۔

بزمِ عصمت

میں یہ خبر دلی مسرت کے ساتھ عصمتی بہنوں کو دیتی ہوں کہ میرے بھائی جان سید امجد علی صاحب کو بروز شنبہ بتاریخ ۹ر دسمبر خدا نے فرزند ارجمند عطا فرمایا ہے۔ خوشی میں پانچ روپیہ عصمت کے وار فنڈ کے لئے ارسال ہیں۔ کوئی بہن بچہ کا تاریخی نام بذریعہ عصمت تجویز فرمائیں ہمیشہ احسان مند رہوں گی خصوصیت سے بہن خورشید آرا صاحبہ سے درخواست ہے۔ سعیدہ فیروز بانو سہارنپور

ہمیں یہ معلوم ہو کر بے انتہا رنج ہوا کہ ہمارے مکرم دوست مولوی محمد ظفر صاحب کے والد ماجد مولوی محمد خضر صاحب نے ماہ گذشتہ میں انتقال کیا۔ مرحوم عصمت کے سچے قدر دان اور بہت سی خوبیوں کے بزرگ تھے۔ ہمیں اس صدمہ جانکاہ میں مولوی محمد ظفر صاحب سے دلی ہمدردی ہے۔ خدا انہیں ضبط وصبر کی طاقت عطا فرمائے اور مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ ایڈیٹر

آج میری محترمہ نانی اماں صاحبہ کی سالانہ فاتحہ تھی فضول کاموں میں روپیہ صرف کرنے کی بجائے مبلغ نو روپیہ کی حقیر رقم تربیت گاہ بنات کی بچیوں کے لئے ارسال خدمت ہے۔ کسی کار خیر میں صرف کیجئے۔ اور ایک ایک پارہ قرآن مجید کا پڑھوا کر مرحومہ کی روح کو ثواب پہنچائیے۔ نام امیر النسا بیگم ہے۔

و نیز محترمہ بہن لطیف بیگم صاحبہ کی خدمت میں عرض ہے کہ دو سال سے چار سال تک کے بچوں کے اونی موزے بنانے کی آسان ترکیب بذریعہ عِصمت معلوم کرائیں مشکور ہوں گی۔

مس رشید فاطمہ (از سیلو دکن)

تربیت گاہ بنات کی بچیوں نے جشن معراج منایا بہت ہی خوشی ہوئی۔ اس خوشی میں پیارے عِصمت کو ایک خریدار دیتی ہوں۔ آسیہ خاتون پٹنہ

اپنی بیوی کے غسل صحت کی خوشی میں پانچ روپیہ کا منی آرڈر ارسال خدمت ہے۔ مہربانی فرما کر اس کو تربیت گاہ کے یتیم بچیوں کے مصرف میں لائیے۔ حاجی علی بن حاجی عبدالستار مناخیری کوچین

محترمہ ہاجرہ خاتون صاحبہ (جبل پور) ۷ نومبر کے پرچہ میں گردش کے متعلق دریافت فرمایا ہے۔ جواب میں عرض ہے کہ ہڈی کا کروشیا ہاتھی دانت کی مانند سفید رنگت کا ہوگا۔ اور ویسے اب سلولائیڈ کے گردش وغیرہ بھی ملتے ہیں۔ جو قریبًا اسی کی مانند سفید رنگت کے ہوتے ہیں۔

محترمہ بہن مسز سعید محمود صاحبہ مہربانی فرما کر مطلع فرمائیں کہ آپ کی بچی اب کیسی ہے کچھ افاقہ ہوا یا وہی حال ہے۔ مجھے اکثر اس کا خیال ہے مگر اس لئے براہ راست بذریعہ خط دریافت حال نہ کر سکی کہ غالبًا آپ آج کل شملہ نہ ہوں گی۔ لطیف بیگم۔ لاہور

ایک عصمتی بہن نے دسمبر ۱۹۳۰ء کے پرچہ میں تحریر کیا تھا کہ میرے چہرے پر سرخ دانے نکل آئے ہیں اور بعض سیاہ ہو جاتے ہیں۔ اس کا نہایت مفید نسخہ ذیل میں درج کرتی ہوں۔

بورک ایسڈ ۲ ڈرام۔ زنک آکسائڈ ۲ ڈرام۔ ہائیڈرا یڈامین ۱۵ گرین۔ فورک آئیڈائڈ (ملفوریٹ) ۱۰ گرین۔ وہائٹ ویزلین ایک اونس پہلے پاؤڈر کو باریک کریں اس کے بعد وہائٹ ویزلین ملادیں۔ نہایت بہترین کریم طیار ہوگا۔ خوشبو جیسی آپ کو پسند ہو ملا لے دیں۔ دواخانہ میں نسخہ لکھکر بھیجدینے سے دوا تیار ہوئی مل سکتی ہے۔

جس کی گردن میں درد شروع ہو کر تمام سر میں پھیل جاتا ہو اس کے لئے یہ نسخہ نہایت بہترین ہے۔ اسپرین ۳ گرین۔ فناسوٹین ۲ گرین کفین ½ گرین جو عام طرح سے ہر دواخانہ سے دستیاب ہوسکتا ہے درد کی موجودگی میں دودھ کھانے کے بعد یا دودھ میں ملا کر استعمال کرنا چاہئے۔ مگر یاد رہے خالی شکم میں نہ کھایا جائے ورنہ نقصان کریگا۔ یہ نسخہ صرف ایک ہی خوراک کا ہے۔ کاضیہ بیگم مسز سید شمس الحسن آروی

عصمت بابت ماہ دسمبر ۱۹۳۰ء میں کسی بہن نے کتاب حصن حصین کے اردو ترجمہ کا پتہ دریافت کیا ہے لہذا میں لکھتی ہوں ظفر جلیل شرح حصن حصین شیخ احمد ولد شیخ محی الدین مرحوم تاجر کتب بازار کشمیری لاہور
خاکسار شرافت بیگم بنت محمد سعید خالد

مجھے نئی تحقیقات کے مطابق علم الغذا کے متعلق اردو میں ایک اچھی کتاب کی ضرورت ہے۔

(۲) کیا یہ ٹھیک ہے کہ کھانا المونیم کے برتنوں میں کھانا پکانے یا رکھنے سے مضرت ہوجاتا ہے۔

(۳) موتیوں اور شیشہ کی نلیوں سے دروازہ کے ایسے پردہ بنانے کی ترکیب سے کوئی بہن برائے نوازش بذریعہ عصمت مطلع کریں کہ جس پر خوبصورت پھول یا پرند وغیرہ بنے ہوں۔

نیز چھوٹی نلیوں اور پیوستہ سے اس قسم کی بیل جھالر اور پھول بنانے کے دو تین عمدہ نمونے چاہئیں کہ جو تاگے میں علیحدہ بنائے جائیں اور ساڑھی بلاوز وغیرہ میں لگانے کے کام آئیں۔ یا کم از کم موتی یا اور پوتھ کے متعلق کسی اردو کی کتاب کے نام و پتہ سے اطلاع دیں اور کسی ایسی بمبئی کی دوکان کے نام سے مطلع کریں کہ جہاں سے اس قسم کے پردہ دلیں وغیرہ یا ان کے بنانے کا کل سامان بکفایت مل سکتا ہے۔

بیگم سید مظفر حسین جعفری بریانپوری سی پی

عصمت کے نومبر نمبر میں محترمہ بہن صغرا صاحبہ نے پسینہ کی بدبو دور ہونے کی دوا دریافت فرمائی ہے ان کی خدمت میں عرض ہے کہ اپنی سہیلی کو پومپیا پوڈر (Pompeia) استعمال کرائیں۔ انشاءاللہ ضرور فائدہ ہوگا بجائے بدبو کے خوشبو آئے گی چاہئے کہ پوڈر لیکر جسم میں اچھی طرح مل لیا کریں چند روز میں بدبو دور ہو جائے گی۔

ایس کے صغرا بیگم سبزواریہ کلکتہ خریدار ۱۳۲۵

مجھے بہن غیاث النساء بیگم صاحبہ کا پتہ درکار ہے مہربانی سے کوئی عصمتی بہن مجھے ان کے پتہ سے مطلع کریں۔ خصوصاً گجی بیگم صاحبہ اس پر ضرور توجہ کریں۔ حمیدہ خاتون شمس منزل غازی پور

دسمبر کے پرچہ میں ایک بہن صاحبہ نیند نہ آنے کی شکایت فرماتی ہیں یہ علت عام طور پر ہر ایک بشر کو ہوا کرتی ہے اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں اگر حسب ذیل طریقہ اختیار کریں گے تو انشاءاللہ فائدہ ہوگا۔

دوپہر میں ہرگز نہ سوئیں۔ شب کا طعام فوراً بعد مغرب نوش نہ فرمادیں۔ افضل یہ کہ قبل مغرب کھائیں۔

نو بجے کے بعد نیند کا خیال کرکے آرام فرمادیں۔

سونے سے پہلے تازہ دودھ جوشیلا نوش فرمادیں۔

پرہیز۔ تمباکو۔ چائے۔ کافی زیادہ کھانے میں مسالوں کا استعمال نہ چاہئے۔

فائدہ ہونے پر حسب حیثیت کچھ مبلغ تربیت گاہ یا بنات کی ترقی کے لئے پیش نظر فرمادیں۔ خوشخبری سے اطلاع دیں۔ قوم مسلم کے لئے دعائے خیر فرمادیں۔ ع۔ح خریدار نمبر ۵۹۰۹

دسمبر کے پرچہ میں بزم عصمت میں بہن ح ج بیگم صاحبہ کا مضمون میں نے پڑھا۔ میرے ایک دوست اسی قسم کی پیشاب کی علت میں تکلیف اٹھا رہے تھے۔ ان کے خاندانی ڈاکٹر صاحب نے مجرب نسخہ تحریر کیا تھا استعمال سے دوا کے اثر نے کچھ آٹھ دن میں شکایت رفع کردی۔

(۱) نسخہ

سان می ٹو (san meto)۔ یہ پیٹنٹ دوائی ہر ایک انگریزی دواخانہ میں مل سکتی ہے کارخانہ اوڈ کیم کو آف یونائٹڈ اسٹیٹ آف امریکہ

Pacent medine manufactured by od chem co. u. S. A

دن میں ایک چائے کا چمچہ بھر دوائی کھانوں کے درمیان میں چار وقت نوش فرمائیں۔ دوائی خوشبودار ذائقہ دار میٹھی ہے۔ اگر ایک چمچہ یا ساٹھ قطرے سے دس پندرہ قطرے زیادہ بھی نوش فرمادیں گے تو کوئی نقصان نہیں ہے بہتر ہوگا وہ ایک شیشی آٹھ اونس کی جس کی قیمت کل چار روپے کی ہے خرید لیں ورنہ دواخانہ والے ایک اونس کی قیمت چودہ آنے طلب کرتے ہیں۔

۲ نسخہ

اگر پیشاب میں رکاوٹ رہتی ہے اور عادت سے کم ہوتا ہے تو مزکور بالا دوائی کے ساتھ دس گرین سٹریٹ آف پوٹاسیم

Citrate of Potassium 10 grs.

ہر دوائی کے ساتھ زیادہ استعمال بارلی کے پانی کی رکھیں۔ Barly water دہی چھاچھ لیمو کے شربت استعمال کریں۔ زیادہ مرچ سالن میں ہلدی و مسالہ نہ رہنا چاہئے۔

فائدہ ہونے پر حسب حیثیت کچھ مبلغ تربیت گاہ بنات کی ترقی کے لئے عنایت فرمائیں اور بذریعہ عصمت مطلع کریں۔

ع ح خریدار نمبر ۵۹۰۹

اردو کے بہترین ترجموں کے قرآن مجید

نچ ترجموں والا قرآن مجید

اتنی خوبیوں کا کلام مجید دنیا میں کسی جگہ آجتک نہیں چھپا۔

خ سعدی اور حضرت شاہ ولی اللہ کے فارسی ترجموں کے علاوہ تین اردو ترجمے
اہ رفیع الدین شاہ عبد القادر اور مولوی اشرف علی جیسے جید علما کے ہیں حاشیہ
آسان زبان میں اردو کے سب سے جامع اور مستند مقبول عام بہترین تفسیر،
ن التفاسیر مکمل ہے ۲۴ حافظوں نے اسکی صحت کی ہے ۵۰۰ علماء نے ہر طرح
سند کیا ہے کتابت اور چھپائی بیحد قابل تعریف پاکیزہ اور ستھری، کاغذ نہایت عمدہ
ت اس کلام مجید کی تفسیر ہی تیس تیس روپیہ میں ہدیہ ہوتی ہے یہ وہ کلام مجید ہے
س کی ہزاروں جلدیں تیس روپیہ میں ہدیہ ہو چکی ہیں اب آپ اعلیٰ مجلد چرمی
رنساڑ ہے بارہ روپیہ میں علاوہ محصول منگا سکتی ہیں ان خوبیوں کا کلام مجید
یکھا کیا آپ نے کبھی سنا بھی نہ ہوگا کیونکہ تمام دنیا میں کہیں ایسا نہیں مل
سکتا۔ لڑکیوں کے جہیز کے لئے ہزاروں جلدیں ہدیہ ہوئی ہیں اگر آپ نے فوراً
منگایا تو ممکن ہے پھر کسی قیمت پر یہ نعمت آپ حاصل نہ کرسکیں محصول ڈاک علاوہ عہ

ر قرآن مجید

قرآن مجید کے اردو میں کتنے ہی ترجمے ہوئے لیکن باعتبار
زبان مولوی نذیر احمد مرحوم کا ترجمہ سب ترجموں پر
قیت رکھتا ہے زبان کی شیرینی اور حلاوت کا کیا کہنا خواہ مخواہ پڑھنے کو جی چاہے
حان اللہ کیا ترجمہ ہے۔ پھر ڈپٹی نذیر احمد ہی کی زبان میں جید علما کی تفسیر کا عطر
م جلی، سفید کاغذ بہترین کتابت۔ قیمت مجلد ۱۲ روپیہ محصولڈاک عہ

ی شان کا قرآن مجید

اکتالیس خوبیوں والا پکیس میری، معجز
نما خوشخط۔ روشن صاف چھپائی
فیس کاغذ۔ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کا سلیس عام فہم ترجمہ،
حاشیہ پر موضح القرآن کا خلاصہ۔ ہدیہ مجلد چرمی رعایتی چار روپیہ علاوہ محصولڈاک

معجز نما متوسط قرآن مجید

پہلا ترجمہ از شاہ رفیع الدین
محدث دہلوی، دوسرا ترجمہ
نا اشرف علی تھانوی حاشیہ پر تمام کتب واحادیث کے خلاصے شروع میں
مقدمہ ہے جس میں تمام احکام تاریخی واقعات پیغمبروں اور رسول اکرم اور خلفاء
راشدین کی کامل سوانحعمریاں ہیں کاغذ عمدہ حرفوں کی خوشنمائی موتی کی آب

سے زیادہ۔ ہدیہ مجلد چھ روپیہ محصولڈاک عہ

معجز نما حمائل شریف

۵۰ خوبیوں والی مع تفسیر ترجمہ مولوی
اشرف علی صاحب ہدیہ مجلد پانچ روپیہ صہ

اعجاز بیان قرآن مجید

دو ترجموں والا خوشنما مع تفسیر واضح البیان
اردو اول ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب
محدث دہلوی دوم از مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی جس میں خواص القرآن
برہان القرآن، تاریخ القرآن، فوائد القرآن، اعمال القرآن، رموز القرآن، تعبیر
نامہ خواب فالنامہ قرآن بھی ہیں یہ قرآن مجید چھپنے سے پہلے ہزاروں ہدیہ ہوگیا
صرف ایک صفحہ چھپنے پر تمام ہندوستان میں اس کی شہرت ہوگئی بڑی محنت سے
صحت کی گئی ہے چھپائی لکھائی بہت عمدہ ہدیہ مجلد چرمی للعہ علاوہ محصول

بغیر ترجمے کے قرآن مجید

جرمنی قرآن شریف

یورپ کی بہترین چھپائی کا نمونہ۔ اعلیٰ درجہ
کا سفید انڈا جیسا کاغذ، صاف ستھری
چھپائی عمدہ کاغذ۔ ایسا خوبصورت چھپا ہوا کلام پاک بہت کم دیکھا ہوگا عصمت
کی تقطیع سے نصف سائز ہے نہایت مضبوط جلد ہدیہ صرف عہ
حالانکہ صہ ہوتی تو بھی اس کی خوبیوں کے مقابلہ میں کچھ نہ تھی اس کا کاغذ چھپائی
وغیرہ دیکھ کر روح خوش ہوجاتی ہے۔

طلائی تمغہ والا قرآن شریف

سفید ولایتی کاغذ پر چمکیلی روشن
سیاہی سے بہت صاف
چھپا ہے دونوں طرف خوشنما بیلیں ہیں ابتدا میں مقدمہ القرآن ہے ہدیہ مجلد
چرمی صرف عہ محصولڈاک ۸ر اتنی خوبیوں کا جو اس میں ہیں اتنا سستا قرآن مجید مشکل
سے کسی دوسری جگہ ملے گا ۔ محصولڈاک بذمہ خریدار

اورنگ زیبی قرآن مجید

غازی اورنگ زیب شہنشاہ ہند کا لکھا ہوا
قرآن مجید فوٹو لیکر اور بلاک بنوا کر چھپوایا
گیا ہے زندہ قومیں اپنے بادشاہوں اور رہنماؤں کی ایک ایک چیز سر آنکھوں پر
رکھتی ہیں مسلمان مردہ قوم ہیں لیکن ان نے بھی شہنشاہ اورنگ زیب کی اتنی قدر کی کہ
محصولڈاک بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ:- منیجر عصمت دہلی

تکسال کی غلطی

اوپر ایک روپیہ کے دونوں رخوں کی تصویر دیگئی ہے یہ روپیہ سرکاری تکسال میں بنا اور دونوں طرف کنگ جارج کے سر کی الٹی اور سیدھی تصویر دیگئی ہے۔

جنگ عظیم کے بانی کی دادی

حال ہی میں سیراجوو میں آسٹرین گرینڈ ڈیوک کے قاتل گیبریل پرنسب کی یادگار قائم ہوئی اوپر کی تصویر مرحوم کی والدہ اور بہنوں کی ہے

روسی خواتین کو فنون جنگ کا سبق

ایک سوویٹ کلب جہاں خواتین کو بندوق اور مشین گن چلانے کی مشق کرائی جارہی ہے تاکہ وہ بوقت ضرورت اپنی اور اپنے ملک کی حفاظت کرسکیں۔

جملہ حقوق محفوظ

رسالہ **عصمت** دہلی

جلد ۴۴	بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۳۰ء	نمبر ۴

۱۴ تصویریں

فہرست مضامین

چندہ سالانہ پیشگی مع محصول ڈاک وغیرہ **قسم خاص** للعہ ر رئیسان سے ۲۵ للعہ والیان ریاست سے سو روپیہ۔ قسم اول صہ، قسم دوم ساڑھے تین روپیہ۔ قسم خاص آرٹ کاغذ پر چھپتا ہے یعنی جس کاغذ پر تصویریں چھاپی جاتی ہیں قسم اول میں چکنا ولایتی دبیز شاندار کاغذ لگتا ہے۔ قسم دوم کا کاغذ معمولی ہلکا ہوتا ہے۔

بیلہ میں میلہ

غدر کی ماری شہزادیاں

شہزادی قمر آرا بیگم کی آپ بیتی

از مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری مدظلہ

میں سنتھا اور روٹی لیکر مدرسہ آئی تو چھوٹا بچہ جمیر اور بڑا بیٹا میری راہ دیکھ رہا تھا ایک روٹی تو میں نے بڑے کو دی اور

آپ کہائی اتنے میں چھوٹا بھی اُٹھ بیٹھا اس کے آگے رکھدی ہم کہانا کھارہے تھے دیکھتے کیا ہیں کہ خالہ ورد کی بیٹی بی خیرن

پڑکتی چلی آرہی ہیں میری تو جان میں جان آگئی کہ پردیس میں خدا نے فرشتہ بھیجدیا خیرن عورت کیا آفت کا پرکالا تھی آتے ہی مار

ہنسی کے پیٹ میں بل ڈالدیے میں بھی ساری بپتا بھول گئی ایک روٹی اسکو دی روٹیاں موٹی موٹی تھیں اور ایک بہت بھی د

بچوں نے تو اس میں سے بھی ٹکڑا چھوڑدیا کہا پی چکے تو بھلا خیرن کیا نچلی بیٹھنے والی تھی میں نے بہتیرا کہا کہ چپکی بیٹھ جا مگر

ماننے والی تھی کہنے لگی میں تو سارے رستے ہی اُچھلتی کودتی آئی ہوں میرے ساتھ تو چلو اور ہوتے تو پیٹ بھر دیتی چل تو کہ

میرے ساتھ چل" میں اس کے ساتھ ہولی وہ ایک ایک گھر میں سنگنیاں لیتی تھی ایک گھر میں سے کسی بیمار کے کراہنے کی آواز آ

کان لگا کر دیر تک سنتی رہی اور پھر اس زور سے کنڈی بجائی کہ میں ڈر گئی ایک بڈھا اندر سے نکلا تو کڑک کر کہنے لگی۔

"بیمار کا کیا حال ہے ابتک آرام نہیں ہوا" وہ آدمی ہکا بکا ہو کر رہ گیا اور کہنے لگا جی تم کون ہو گھر مسلمان کا تھا بی خیرن نے

سے کلمہ پڑھا اور کہا ہم کو کیوں پوچھتا ہے نقیر ہیں حکم ہوا آگئے صبح آگے بڑھ جائیں گے جلدی بتا کیا حال ہے"

بڈھے نے غور سے صورت دیکھی تو بی خیرن نے زور زور سے الحمد پڑھنی شروع کی اور کہا کہتا کیا ہے ذرا بھی لے دعا بھی

دور دور بیماری دور" بول کیا حال ہے اور دیکھ سات دن میں تیرے گھر پر بلا نازل ہونے والی ہے آگ لگے ہر دہ نکلے ڈھور

سنائی آئے، بیمار کو دم کا پانی دے۔ جا جا دور دور بلا دور،

بڈھا سوچتا ہی رہا کہ کیا کرے اتنے میں اندر سے ایک ادھیڑ عمر کی عورت دروازہ میں آئی اور کہنے لگی کیا ہے بڈ

نے جواب دیا ہے کون اللہ نے اپنے مہمان بھیجے ہیں آجا کوئی مرد نہیں ہے" میں ابتک تو سہم رہی تھی مگر اب مجھے بھی ہنسی آ

خیرن نے عورت کی صورت دیکھتے ہی کہا بیمار کا یہ حال کر دیا اچھا اب بھی ہشیار ہو مسجد میں چراغ جلا دور دور بلا دور

خیرن نے اتنا ہی کہا تھا کہ عورت قدموں میں گر پڑی اور کہنے لگی " میرا لڑکا بخار میں لوتھ پڑا ہے اندر چلکر دیکھ لو" مرد بولا تائی

ہیں بلا نازل ہونے والی ہے عورت تو اتنا سنتے ہی خیرن کے آگے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئی کہ رحم کرو۔

میرے پیٹ میں بل پڑ رہے تھے اور خیرن اکڑ رہی تھی "دور دور دور" کہتی ہوئی آگے بڑھ گئی عورت اور

دونوں سامنے آکھڑے ہوئے ایک نے ہاتھ جوڑے ایک نے پاؤں پکڑے انکے کہتے سنتے اور منت خوشامد

خوبن کلمہ درود پڑھتی ہوئی لوٹیں مجھے انہوں نے ہدایت کردی تھی کہ پیچھے پیچھے رہوں اور ہاتھ جوڑے رہوں۔ وہ دونو میاں بیوی بھی انسے دو قدم پیچھے میرے ساتھ تھے خوبن گھر میں داخل ہوئیں تو عورت لپک کر آگے بڑھی اور چراغ دکھایا باہر کے چبوترہ پر بیمار پڑا ہائے ہائے کر رہا تھا یہ ایک جوان لڑکا تھا اور بخار چڑھا ہوا تھا خوبن نے جھوٹ موٹ نبض دیکھی اور زور سے قہقہہ لگا کر کہا۔

"ڈھائی سیر خشکہ ڈھائی سیر گھی ڈھائی سیر دہی ڈھائی سیر کھانڈ ابھی تیار کرو اسکا بخار میں لے لیتی ہوں" اتنا سنتے ہی دونو ماں باپ کی جان میں جان آگئی یہ ترکیب خوبن نے اسوقت کی جب دیکھ لیا کہ پنڈا پسیج رہا ہے اور بخار اترنے والا ہے گاؤں میں کیا کمی تھی سب چیزیں گھر میں موجود تھیں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میں خشکہ اور سب سامان آگیا خوبن نے اس میں سے دو نوالہ کھائے اور آواز لگائی۔

"دور دور دور بلا دور بخار دور چل چل چل اس کے پاس سے چل آ آ میرے پاس آ"

مریض کا بخار اترہی رہا تھا بی خوبن خشکہ لے وہیں مدرسہ میں آئیں اور ہم سب نے ملکر کھایا اور پڑ رہے۔ صبح ہوتے ہی عورتیں اور مردوں کا ٹھٹ موجود تھے کہ پیرانی جی کہاں ہیں۔ میرے فرشتوں نے بھی یہ سوانگ نہ دیکھے تھے میں نے تو کہدیا برا خوبن میرے بس کا روگ نہیں ہے مگر بڑا ننہا اس کے ڈھب پر چڑھ گیا ایک لکڑی لیکر باہر بیٹھ جاتا اور جہاں لوگ آئے آواز سے کہدیا ٹھہر جاؤ پیرانی جی نماز پڑھ رہی ہیں، چار پانچ دن میں تو سارا گاؤں بی خوبن کے قدموں میں تھا مجھکو تو ایسے کھانے ملے کہ میں قلعہ بھی بھول گئی روز مرغ پکتے تھے کیونکہ خوبن جو تعویذ لکھتی تھیں وہ مرغ کے خون سے۔ دور دور کے لوگ آنے لگے اور بی خوبن کی وہ پوجا ہوئی کہ خدا کی پناہ مدرسہ میں تو ہم کوئی آٹھ دس ہی دن رہے اس کے بعد ایک بہت بڑا مکان جو بارہ دری کے نام سے مشہور تھا ہمکو مل گیا کھانا تو ہمکو کبھی پکانا پڑا نہیں اور چاروں طرف سے اتنا آتا تھا کہ ہم جیسے بیس آدمیوں کو کافی ہوتا دونو وقت دو مٹکے دودھ کے آتے تھے خوبن کے صدقہ میں ہماری بھی عزت ہوگئی پیرانی جی تو ایسی پجیں کہ آس پاس کے گاؤں بھی انکے قدموں میں آگرے ہر وقت ایک میلہ سا لگا رہتا تھا۔ میرا بڑا ننہا اب مگن تھا جو کچھ آتا تھا اسی کے ہاتھ میں اور جس کا کام اٹکتا تھا وہ اسی کی خوشامد کرتا تھا کہ پیرانی جی دعا کریں تو کام ہو جائے۔

ہمکو یہاں رہتے ہوئے خاصے دو ڈھائی مہینے ہوگئے کوئی دن ایسا نہ جاتا تھا کہ خوبن کے پاس دو ڈھائی روپیہ کے پیسے نقد نہ آجاتے ہوں بڑا ننہا تیسرے چوتھے روز روپیہ بندھوا لیتا تھا خوبن کا تو کام چل رہا تھا وہ کیوں گھبراتی مگر اب میرا دل اکھڑ گیا اور میں نے اس سے کہا کہ اب گھر چلنا چاہیئے وہ بڑی مشکل سے راضی ہوئی اس خبر سے لوگ اور بھی زیادہ اس کے گرویدہ ہوئے غرض خدا خدا کر کے بڑی مشکل سے تین مہینے کے اقرار پر اجازت ملی عورتیں اور مرد اس طرح رو رہے تھے جیسے کوئی اپنا عزیز جاتا ہے۔ صبح کی نماز کے وقت ہم گاڑی میں بیٹھے اور شہر کی طرف روانہ ہوئے دوپہر کو ایک گاؤں میں جسکا نام گرت تھا ہم لوگ ٹھہرے کھانا بہت کافی تھا اچھی طرح پیٹ بھر کر کھایا کنوئیں کا ٹھنڈا پانی پیا اور درختوں کی چھاؤں میں تھوڑی دیر لیٹے گاڑیبان نے بیلوں کے آگے کٹی ڈالی پانی پلایا وہ بھی ستا لیے تو کوئی تین بجے کے قریب ہم آگے بڑھے مگر ایک بات سے میں کھٹک رہی تھی کہ گو جو گاڑیبان رستے بھر اکڑ اکڑ کر اور اکھڑ اکھڑ کر باتیں کر رہا تھا ننہے نے کہا بھی کہ ذرا آہستہ بول پیرانی جی سو گئی ہیں" تو اسنے جواب دیا کہ "ایسی ایسی پیرانیاں بہت سی دیکھی ہیں" ہم سمجھ رہے تھے کہ پانچ چھ روز میں شہر پہونچ جائینگے اور چلتے وقت بھی یہ ہی سب نے کہا تھا کہ بیل موٹے اور جوان ہیں یہ بچھڑے دوہری منزل طے کرینگے دلی چھٹے روز داخل ہوگی مگر اب اس کمبخت نے کہا کہ پورے پندرہ روز لگیں گے دلی یہاں کہی ہے اتنی کوس جگہ کیا منہ کا نوالہ ہے میں نے دیکھا کہ اسکے تیور بگڑ رہے ہیں اور وہ رستہ میں دغا دے تو اچنبا نہیں اسلیئے رات تو ہمنے خیر جوں توں ایک گاؤں میں گذاری خوبن اور ننہے پڑے سوتے رہے اور میں رات بھر

جاگی۔ یہی گوجر کمبخت بھی رات بھر جاگتا ہی رہا اور جب وہ اُٹھا میں کھنکاری آخر اسنے کہہ ہی دیا کہ تجھے نیند نہیں آتی صبح ہوتے ہی
میں نے خوبن سے کہا اٹھی رٹ چل یا تو ایک آدھ آدمی ساتھہ لے یا گاڑی والا بدل مگر اس کی سمجھہ میں نہ آیا اور ہم سب پھر شہر کی طرف چلے دوپہر کو کنوئیں کے پاس دم لیا اور دو گھنٹے سستا کر آگے بڑھے رات ہمکو میناپورے میں ہوئی یہ میئوں کا گاؤں تھا میرا ماتھا نام سنتے ہی ٹھنکا مگر خوبن کا دل شیر تھا وہ نہ ڈری اور ہم سب چوپال کے پاس اُترے گوجر ہمکو چھوڑ غایب ہو گیا اور دس بجے رات کے آیا۔ تو بی خوبن اور دونو بچے کھانا کھا کر سو گئے تھے گوجر نے مجھسے کہا تیری نیند کرن لیگیا کل بھی تو رات بھر جاگی اور آج بھی نہیں مرتی۔ ہمارے ہاں سے بہت کچھہ کما کر لائی ہے وہ سب اُگلنا پڑے گا میں نے جلدی سے خوبن کو جگایا اور اب جو دیکھتی ہوں تو چار آدمی موٹے موٹے لٹھہ لیے سر پر کھڑے ہیں ان میں سے ایک نے کہا اگر آواز نکالی تو ابھی مغز پھاڑ ڈالیں گے جو کچھہ پاس ہو سب رکھہ دو" پیرانی جی ذرا پھیلی تھیں اور اتنا ہی کہنے پائی تھیں کہ تم فقیروں کے پاس کیا خاک رکھا ہے کہ ایک شخص نے اس کے منہ پر زور سے تھپڑ دیا اور کہا اب اور بولی" اس کے بعد تلاشی ہوئی جو کچھہ پاس تھا سب چھین لیا۔ یہ خدا کا شکر ہے کہ موسم گرم تھا ورنہ اور مصیبت آتی اس لیے کہ میلے کچیلے جوڑے کے سوا جو بدن پر تھا دانت کریدنے کو تنکا تک نہ رہا ہمارے ساتھہ آٹا اور گھی بہت تھا اور ہم سمجھتے تھے گھر پہونچکر بھی کھائیں گے مگر وہ بھی چھین لیا اور اس کے بعد انہوں نے دیاسلائیاں جلا کر میری اور خوبن کی صورتیں دیکھیں۔ ہماری بھی تقسیم ہوئی اور اسی طرح دونو بچوں کی بھی باری آئی وہ بھی بٹے میں نے کہا کہ چھوٹا بچہ میرے ساتھہ رہے تو اچھا ہے نہیں تو مر جائے گا لیکن کسی نے نہ مانا اور ہم جس جس کے حصے میں آئے تھے اس کے ساتھہ چلنے پر مجبور ہوئے۔

میں نے ایک ایک کے آگے منت خوشامد کی، قدموں پر سر رکھا لیکن وہ ظالم کیا مانتے خدا کا یہ بھی شکر ہے کہ میں جس کے پلے پڑی وہ بدمعاش نہ تھا اس کی گھر والی نے مجھے لونڈیوں کی طرح رکھا میری اصلی مصیبت کا آغاز اسی جگہ سے ہوتا ہے۔

میں صبح چار بجے سے اُٹھا دی جاتی تھی اور ڈھوروں کا گوبر جمع کر کے اوپلے تھاپتی تھی اس کے بعد ان ڈنگروں کی سانی اور کٹی کرتی جب دوپہر ہو جاتی تو انکو لیکر جنگل نکل جاتی چلتے وقت گھر والی دو موٹی موٹی روٹیاں مجھے دیدیتی میں جنگل ہی میں مولیاں توڑ کر روٹی کھاتی۔ شام کو چاروں بھینسیں اور تین گائیں لیکر آتی تو پھر انکے دھندوں میں لگ جاتی اگر کام سے ذرا غفلت کرتی یا کرنے کا ارادہ بھی کرتی تو بیسنا کہتا "مارے لکڑیوں کے سر پھاڑ ڈالوں گا"

کوئی دن اور کوئی رات ایسی نہ جاتی تھی کہ میں اپنے بچوں کی یاد میں آنسو نہ بہاتی ہوں میں نے ایک دفعہ دل کڑا کرکے اس بیسنے سے پوچھا تو اس نے کہا تیرے دونو بچے اچھے ہیں بڑا تو ذرا دور ہے مگر چھوٹا پاس ہی کے گاؤں میں ہے اب وہ بھی کام کاج خاصا کرتا ہے میں پچھلی سوموار کو گیا تھا اگر تو کام اچھا کرے گی تو تجھکو اس چھوٹے سے ملوا دوں گا" میں اس کے قدموں میں گر پڑی کچھہ اسکو بھی رحم بھی آگیا اور کہنے لگا اچھا آج دوپہر کو یہ جو سامنے جھنڈا ہے اس کے نیچے پربت نگر ہے آجائیو میں بھی وہیں جا رہا ہوں تیرا چھورا بھی وہیں ہے اب میں نے اسکو ہزاروں دُعائیں دیں اور دوپہر سے پہلے ہی پہونچ گئی تو دیکھا کہ پربت میں وہی ایک چھوٹا سا سرکنڈا لیے بھینس چرا رہا ہے میری جان میں جان آگئی اسکو کلیجہ سے لگا کر دیر تک روتی رہی آخر بیسنے کے کہنے سے اسکو چھوڑ اپنے گاؤں آگئی۔

سات مہینے اسی طرح گذر گئے ایک دن کا ذکر ہے کہ میں ندی پر ڈھوروں کو پانی پلا رہی تھی کہ دوسری طرف میں نے ایک لڑکے کو دیکھا کہ وہ بھی پانی پلا رہا ہے مجھے اپنے بڑے کا شبہ ہوا آواز دینی چاہی مگر اس تک نہ پہونچیں تو جانور چھوڑ کر آگے بڑھی پاس پہونچی تو وہ میرا بڑا بچہ ہی تھا اور سنتے ہی تڑپ اُٹھا دوڑ کر آیا اور کلیجہ سے چمٹ گیا ہم دونو اسی طرح چمٹے ہوئے رو رہے تھے کہ ایک شخص چیختا ہوا آیا اور بچے کا ہاتھہ پکڑ کر الگ گھسیٹ لیا ٭

راشد الخیری

نانی عشو کے پہلے شوہر

دادالال بھجکڑ

نانالال بیگ جنکی بھنگیوں میں پرستش ہوتی ہے اور دادالال بھجکڑ جن کو عوام میں ایک خاص درجہ حاصل ہے حقیقی بھائی تھے نانی عشو کی زندگی کے نمایاں کام دادا کی فیض صحبت ہی کا نتیجہ تھے محلہ یا برادری ہی نہیں شہر بھر انکے آگے کان پکڑتا تھا اور جب پیچیدہ سے پیچیدہ معاملہ کسی طرح نہ سلجھتا تھا تو خلقت انکی طرف رجوع کرتی تھی انکی شہرت مولویت علمیت اور پیریت ہی پر ختم نہ ہوتی تھی بلکہ انکی روحانیت کا بھی چار دانگ عالم میں ڈنکا بج رہا تھا شاید یہ ہی وجہ تھی دکھ بیماری میں جہاں ڈاکٹر اور حکیم جواب دیتے تھے انکی رائے پر عمل ہوتا تھا۔

دادالال بھجکڑ کے اسم گرامی کا کوئی لفظ اس کے سوا کہ انکی ڈاڑھی اور پٹھے سرخ تھے انکی ہیئت سے مناسبت نہ رکھتا تھا انکے لڑکے بھائی نیلے کی ابھی شادی بھی نہ ہوئی تھی اس لیئے یہ بھی معلوم نہیں کہ انکے دادا مشہور ہونے میں اس کے سوا کہ انکی عقلمندی نے بزرگ بنا دیا اور کس چیز کو دخل ہے۔

انکی زندگی غدر ۵۷ء سے کچھ پیشتر شروع ہوتی ہے اور یہ معاشرت اسلامی کا وہ دور ہے کہ بچوں کی عقلمندی اور فراست کا معیار پہلیوں کی بوجھ تھی۔ دادا کا بچپن اس فن میں کامل تھا اور جب لڑکوں میں کوئی پہیلی اٹک جاتی تھی تو سب ملکر ان ہی خدمت میں حاضر ہوتے اور وہ بوجتے ہمارے خیال میں ممکن ہے بھجکڑ کی وجہ تسمیہ یہ ہی ہو۔

دادالال بھجکڑ اور نانی عشو کے ہاں بچے تو کئی ہوئے مگر جوان صرف ایک ہی لڑکا ہوا جو اپنی نیلی آنکھوں کی وجہ سے بھائی نیلی مشہور ہوا معلوم ایسا ہوتا ہے کہ نیلی دادا کا آخری بچہ تھا کیونکہ شادی کے وقت نیلی کی عمر زیادہ سے زیادہ بیس سال کی ہوگی اور دادا ساٹھہ کے لگ بھگ تھے اور یہ وہ وقت تھا کہ انکے رعب سے اچھے اچھوں کی سٹی گم ہوتی تھی وہ گھر کے منڈہ ہی نہیں محلہ کے میر محلہ برادری کے چودھری اور شہر کی ناک تھے شام کو مغرب کے بعد جب وہ اپنی چارپائی گلی کے نکڑ پر بچھاکر بیٹھتے تو محلہ کے جھگڑے، شہر کے ٹنٹے، ادھر ادھر کے اختلافات سب انکے سامنے پیش ہوتے دنیا کا کوئی کام اور زندگی کی کوئی ضرورت ایسی نہ تھی دادا جس کے ماہر نہ ہوں مسجد کی تعمیر انکے ہاتھوں ہوتی تو جوئے کا نال انکی معرفت تقسیم ہوتا۔

دادا کے گلے میں گھنڈی دار لٹھے کا کرتہ ٹانگوں میں نیلا تہمد، جاڑوں میں کنٹوپ گرمی میں بوریہ کی ٹوپی، ہاتھ میں موٹی سی لمبی لکڑی آنکھوں پر کمانی ٹوٹی ڈورے سے بندھی عینک کرتہ کی ایک جیب میں تسبیح اور دوسری میں تاش۔ آنکھیں چھوٹی مگر سرمہ میں چور، ڈاڑھی لمبی لیکن لال، دہانہ بڑا اور پان میں سُرخ۔
دادا اس حلیہ کا اِنسان تھا، اُں مزاج میں تانا شاہ سے بھی دو گز آگے بات کا بتنگڑ بنانا اور میل کا بیل کرنا اسکی خصوصیت تھی۔

~~~~~~~~~~~~

بڑے آدمی اسکو منہ نہ لگاتے تھے مگر آدمیوں میں اسکا سکہ کچھ ایسا بیٹھا تھا کہ باوجود اسکی بدمزاجی سستی اور خودرائی کے جو مشکل آتی اس سے مشورہ ضرور ہوتا ایک سب سے بڑا عیب جسکو وہ اور اس کے ساتھ بہت سے ہنر سمجھتے تھے وہ یہ تھا کہ ایک معمولی معاملہ کے صرف سمجھنے میں دو دن گذار دیتا تھا تک سے سکھ اور الف سے ے تک سنتا سونے کی اسے پروانہ بھی کھانے کا اسکو خیال نہ تھا صبح سے رات اور رات سے صبح ایک ہی نشست میں ہو جائے مگر اپنی عقل کے موافق جب تک معاملہ ذہن نشین نہ ہو اللہ کا بندہ خود کسمساتا نہ اور کو سکنے دیتا ہم تو اس کی زندگی پر نظر ڈالکر یہ کہیں گے کہ وقت کی جتنی قدر دادا نے کی شاید وقت کے والد ماجد بھی اتنی نہ کرتے۔

دادا کی صفات عالیہ میں ایک چیز مقدمہ بازی بھی تھی جہاں کسی نے بل کیا اور دادا نے جھوٹا مقدمہ دایر کیا غالباً یہ ہی وجہ تھی کہ لوگ انکی افسری یا برتری کے معترف یا خائف تھے اور کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ انکے خلاف کچھ کہہ سکے یا کچھ کر سکے جس سنگلاخ زمین میں جونک تک نہ لگے دادا کا وہم وہاں عالیشان محل تیار کرلیتا دن رات دادا کی نگاہ میں ایک تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ وہ شام سے معاملہ سمجھنے بیٹھے تو سمجھانے والے اور اس کے ساتھیوں کو صبح ہوگئی۔ یہ بھی بسا غنیمت تھا لطف آمیز حقیقت یہ ہے کہ سڑک پر کھڑے کھڑے باتیں کرتے صبح سے شام ہوگئی اور بات ختم نہ ہوئی۔ دادا سے اگر کوئی پوچھتا کہ "یہ آپ کے کرتہ کا کپڑا کیا بھاؤ ہے" تو وہ اسکا جواب یوں مرحمت فرماتے۔

"جلاہے کو اس کپڑے کے تیار کرنے میں بڑی دِقت پیش آئی برسات کا موسم تھا زمین گیلی تھی۔ کرگا سیل رہا تھا۔ وہ تو یوں کہو کہ تجربہ کار آدمی تھا روئی پہلے ہی سے کات رکھی تھی۔ پھر بھی سوت میں نمی پہونچ گئی بدقت تمام آگ پر سینک سانک بننے کے لایق ہوا تو ابھی تانا بانا ہی کر رہا تھا کہ پروا چھوٹ گئی تار ٹوٹ ٹوٹ کر ٹکڑے ہوگئے تین دن اور تین رات بیچارے کے اسی ادھیڑ بن میں گذرے کہیں چوتھے دن جاکر پھر کام لگایا" دادا کی گفتگو کا یہ ایک ٹکڑا ہے شاید چار یا پانچ گھنٹہ میں جواب ختم ہوتا اور پھر بھی یہ نہ معلوم ہوتا کہ کپڑا کس قیمت کا ہے۔
~~~~~~~~~~~~

نانی عشق کی زندگی کے کارنمایاں دادا لال بھجکڑ ہی کی فیض صحبت کے ممنون ہیں تعجب صرف اسقدر ہے کہ وہ عورت جو گائے کی طرح جکڑی ہوئی تھی رانڈ ہوتے ہی کس طرح سانڈ ہوگئی دادا کی زندگی میں نانی کی حیثیت لونڈی سے زیادہ نہ تھی لالٹین میں بتی نہیں تو نانی پٹ رہی ہیں، سالن میں کھٹائی نہیں تو نانی کا کچومر نکل رہا ہے کرتہ میں بیل ادھڑ گئی تو نانی کی کندی ہوئی۔ ٹوپی کا ٹانکا ٹوٹا ہے تو نانی ادھڑ رہی ہیں المختصر کوئی بات دادا کے خلاف مزاج ہوئی اور گھر میں قیامت آئی۔

تعجب ہم کو بھی ہوتا ہے اور سب کو ہوگا کہ ایسا مریل اتنا سُست اور اسقدر اجھڑیا آدمی اپنا یا کسی کا کوئی کام کیونکر بنا سکتا ہوگا مگر ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ دادا کا نام ہی نکل گیا تھا اور نیم حکیم کی طرح ایک آدہ کام بن ہی جاتا تھا۔

(۱)

گرمی کے موسم میں دو بجے کے وقت دادا کوٹھری میں چارپائی پر لیٹے نقش سلیمانی پڑھ رہے تھے۔ شاگرد کھڑا پنکھا جھل رہا تھا، تہمد باندھے تھے اور کبھی کبھی توند پر بھی ہاتھ پھیر لیتے تھے پائینتی کے نیچے گلا ٹوٹی صراحی پر مٹی کا آبخورا رکھا تھا سامنے نانی بیٹھی بونٹ چھیل رہی تھیں۔ دادا کو پیاس لگی جھک کر صراحی اُٹھائی تو خالی تھی جل گئے اور نانی سے کہا کیا خاک پیوں۔ غضب خدا کا پانی کی بوند نہیں اب پیاسا مروں یا مٹکے کا ادھن پیوں تمنے پانی کیوں نہ بھرا۔ نانی دادا کا رنگ دیکھ سٹ پٹا گئیں بونٹ چھوڑے اور کہنے لگیں "اپنے ایمان کی قسم میں تو صراحی بھر کے بیٹھی ہوں خبر نہیں پانی کیا ہوا" اور دادا غصہ سے مسکرائے اور کہا کیا ہوا؟ جوتی خوری کیا ہوا؟ جن پی گئے یا دیو پی گئے تو بھرتی تو غارت کہاں ہوتا جھوٹی مکار اور اوپر سے کہتی ہے، صراحی بھر کے بیٹھی ہوں"۔ نانی کو یہ تو یقین ہوگیا کہ پٹی مگر کوشش کرتی رہی کہ شاید بچ جاؤں کہنے لگی کلام اللہ کی قسم میں نے اپنے ہاتھ سے بھرا ہے" دادا کا چہرہ تمتا گیا مگر بھاری بھرکم بنکر تکیہ کے نیچے سے پانوں کی ڈبیا نکالکر پان کھایا۔ بٹوا کھولکر دیکھا تو چھالیہ ندارد۔ سنجیدگی سے فرمایا چھالیہ بھی جن کھا گئے"؟ نانی پر یہ دوسری مصیبت آئی فرمانے لگیں "میں تو بٹوے کے پاس ہی نہیں گئی" اب دادا سے ضبط نہ ہوا کہنے لگے "گدھی کے چلی جارہی ہے تیرا کام یہ نہیں تھا کہ بٹوے میں چھالیہ دیکھتی نکھر اٹم نانی پیچھے تھیں دادا آگے اور پنکھے والا کروٹ میں اب اتفاق یہ ہوا کہ غصہ سے بے قابو ہوکر دادا نے بٹوا اور ڈبیا یہ کہہ کر پھینکی۔

"تو عورت نہیں جانور ہے کہ گھر کو آگ لگا رکھی ہے"

فقرہ پورا نہ ہوا تھا کہ ایک برقع والی دالان میں داخل ہوئی ڈبیا تڑتڑ سے اس کے منہ پر لگی، ادھر سے لڑکے نے جو زور زور سے پنکھا جھلا تو وہ دادا کی آنکھ میں گھسا ادھر بٹوا سر پر جو پھینکا تھا اس سے ٹکرایا

نے کلوں سے خوب ہولی باوا آدم کے زمانہ کی رستی آ آ ہو رہی تھی چھینکا اور سالن کی رکابی سر پر آئی اڈا اڑھی
کھیلی اور مرچیں آنکھوں میں پہونچیں ادھر گھسا پنکھا ادھر داخل ہوئی مرچیں اور سر پر پڑی رکابی ادا دا بچے
سنڈی ہوئی چندیا پرنانی نے تھپڑ دیا آؤ دیکھا نہ تاؤ، بند آنکھیں کیے ہاتھ بڑھا ایک تھپڑ ٹکا ہی دیا۔ وہ نکلی بیچاری
برقع والی "ہائے مری" کہہ کر وہ بھاگی تو لونڈا سمجھا کہ اب میں پٹا وہ تیسری ہوا دا دا آنکھیں بند ہاتھ سے ٹٹولتے
سنکوں میں پہونچے کہ منہ دھوئیں۔ سنکے کو ٹٹولا وہ پہلے ہی ٹیڑ مار کہا تھا ہاتھ پڑتے ہی شہید ہوا دوسرے میں ہاتھ
ڈالا تو پانی کی پوند نہیں۔ دانت چبا کے چیخے "اری نامراد پانی تو دے" نانی پانی کا لوٹہ لائیں تو دادا نے
اپنے ہاتھ سے لوٹہ لیا اور سیدھے ہاتھ سے نانی کی گردن پکڑ گھڑونچی ہی پاس گھڑنا شروع۔ کیا نانی پٹ
کر رئیں پیٹیں تو دادا نے منہ دھویا باہر نکلے تو برقع والی ناک سہلا رہی تھی اور لڑکا گھڑا گانٹھیں چوس
رہا تھا برقع والی نے کہا دادا میں تو اپنی بپتا سنانے گئی تھی ڈبیا ایسی پڑی کہ دانت ٹوٹ گیا۔"

راشد الخیری

(باقی)

چند باتیں

اسوقت تک جن مضامین کا انتخاب ہو چکا ہے اور جن تصاویر کے بلاک بن چکے ہیں انسے اندازہ ہوتا ہے کہ سالگرہ نمبر غالبا جوبلی نمبر سے بھی بڑھ جائے گا۔ ہوائی جہاز کے متعلق جنوری کے پرچہ میں مولوی عبدالحیٔ صاحب عباسی کا ایک مضمون شائع ہوا ہے اسی موضوع پر ایک نہایت قیمتی مضمون پروفیسر ستار خیری ایم اے کا لکھا ہوا سالگرہ نمبر میں شائع ہوگا اور ان دونوں مضمونوں سے عصمتی بہنوں کو ہوائی جہاز کے متعلق اسقدر معلومات حاصل ہو جائیں گی جو اچھے اچھے تعلیم یافتہ مردوں کو بھی نہیں ہیں۔ پروفیسر صاحب کے مضمون کے متعلق ۱۰ بلاک جو زرکثیر کے خرچ سے جرمنی میں بنے ہیں موصول ہو چکے ہیں۔ ہندوستان میں اسلامی سلطنت کے خاتمہ اور مغلیہ خاندان کی تباہی و بربادی کے حالات درد مند دلوں کو آج بھی تڑپا دیتے ہیں۔ سالگرہ نمبر میں مغلیہ خاندان شاہی کے چراغ سحری بادشاہ ظفر کی پوتی اور شاہ ظفر کے مزار کی تصاویر کے علاوہ ۶ اور نہایت عبرت انگیز تصویریں شائع ہونگی جو خاص طور پر عصمتی بہنوں کے لیے رنگون میں کھینچی گئی ہیں۔

سالگرہ نمبر کے لیے اور جو جو بہنیں مضامین و تصاویر بھیجنی چاہیں ۱۵ اپریل تک بھیجدیں اس کے بعد کوئی مضمون یا تصویر سالگرہ نمبر میں نہ چھپ سکے گی۔

صالحات اور عصمتی دسترخوان دونوں کتابیں مارچ میں شائع ہو چکی ہیں۔ صالحات کی اشاعت پر جن بہنوں نے اپنے خطوط میں اظہار مسرت کیا اور ہمیں مبارکباد دی ہے وہ ہمارا دلی شکریہ قبول فرمائیں اس بے مثل معاشرتی اصلاحی ناول کا جو ۴ سال سے نا پید تھی دفتر عصمت سے شائع ہونا محض خدا تعالیٰ کی عنایت ہے۔ عصمتی دسترخوان کی قیمت کا اعلان ۱۲ ہوا تھا مگر ضخامت چونکہ اندازہ سے بہت زیادہ بڑھ گئی اس لیے ۱۲ رکھی گئی ہے۔ لیکن جو عصمتی بہنیں ۱۵ اپریل تک منگالیں گی ان سے ۱۲ ہی لیے جائیں گے محصولڈاک ۵/

ایڈیٹر

شادیِ بیاہ کی بُری رسمیں اور تباہ کُن اخراجات

اکثر سُننے میں آتا ہے کہ ہماری پُرانی رسمیں شادی بیاہ کی مہانداری طوفان بے تمیزی سانچق، برات، مُنہ دکھائی، جوتی چھپائی، چوتھی، چالے، پیدایش، سُنت، بسم اللہ وغیرہ وغیرہ کی رسموں سے مسلمان تباہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ان کے ترک پر زور دیا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ بہتر ہے کہ بجائے ہزاروں روپے کے صرف کرنے کے اسلامی کاموں میں مدد دی جاوے۔ بعض لوگ پیدایش بیاہ وغیرہ کے موقعوں پر اسلامی کاموں میں دس پانچ سو دو سو روپے کبھی کبھار بھیج بھی دیتے ہیں تو اونکی تعریف سے اخبارات اور رسالے پُر ہوتے ہیں اور دوسروں کے لیئے وہ نمونے پیش کیے جاتے ہیں۔

جو کچھ بھی ہو حقیقت یہ ہے کہ ہماری تمام پُرانی رسمیں اچھی بُری سبھی اُڑتی چلی جاتی ہیں۔ سچ ہے نیم ملا خطرہ ایمان اور نیم حکیم خطرہ جان۔ اسی طرح نیم رہبرانِ قوم خطرۂ موجودیت قوم۔ جو لوگ علم الاجتماع (اجتماعیات = SOCIOLOGY.) اور اقتصادیات (. ECONOMICS) اور نفسیات (PSYCHOLOGY) سے کچھ بھی واقفیت رکھتے ہیں وہ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ اس قسم کے رسم و رواج ہمارے قومی شیرازے کو مضبوط رکھنے کے لیئے کیسے ضروری ہیں۔ ایک رسم جب ہی قایم ہو سکتی ہے جب وہ ہماری کسی اہم ضرورت کو پُورا کرے۔ ہماری اہم ضرورتوں میں وہ ضرورتیں بھی ہیں جو ہماری زندہ دلی کو قایم رکھتی ہیں۔ پُرانی رسم اگر ضایع ہو جائے تو اوس کی جگہ کوئی دوسری رسم یا عادت ضرور آوے گی جو ممکن ہے کہ پہلی سے بہت زیادہ بُری ہو۔ اچھا ہونا بھی ممکن ہے۔ جو روپیہ شادی بیاہ میں خرچ نہ ہوگا وہ اکثر ناچ رنگ اور عیاشی میں صرف ہوگا۔ یہ ضروری نہیں کہ قومی کاموں ہی میں [illegible] کہتے ہیں کہ بچہ جو کھیلتا ہے وہ اس لیے کہ اوس میں جو فاضل مادۂ شاداب (ENERGY) جو [illegible] اور کھیل کود کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ ہماری مستورات میں بھی ہماری طرح [illegible] شادی بیاہ پیدایش وغیرہ وغیرہ کی رسموں باغوں وغیرہ کی سیروں میں نکل جاتا ہے اب جوں جوں یہ رسمیں کم ہوتی جاوینگی ہماری بیگمات دوسرے راستے مشغولیت کے ڈھونڈینگی اور اگر خدا نخواستہ وہ راستے ناشائستہ ہوئے تو ان کا قصور نہ ہوگا۔ انسان کی طبیعت بھی آخر کوئی چیز ہے۔ طبیعت کے خلاف انسان [illegible] نہیں جاسکتا۔ بہت کچھ انسان تربیت اور مشق وغیرہ کی مدد سے ضبط کر سکتا ہے مگر سب کی ایک حد ہوتی ہے۔ کمان ایک حد تک موڑی جاسکتی ہے اس کے بعد ٹوٹ جاتی ہے۔ اور پھر اوس [illegible] جب کہ کمان

مورثی ہوئی ہے اگر دبا دُ ہٹا دیا جائے تو ایسا چرا غا بھرتی ہے کہ اللہ کی پناہ۔ اسکو عکس العمل کہتے ہیں۔ اسی لیئے وہ لوگ جو بچپن میں ماں باپ کے دباؤکی وجہ سے کچھ نہ کر سکتے تھے اور ایسے نیک با تربیت بچے معلوم ہوتے تھے۔ دباؤ کے ہٹتے ہی تباہ ہوجاتے ہیں یعنی ماں باپ یا باپ کے اِنتقال کے بعدہی باپ دادا کی کمائی ہوئی دولت عیاشی میں چند ہی سال میں اُڑا ڈالتے ہیں اور پھر تندرستی ضایع کرکے زندہ درگور ہو جاتے ہیں۔

ہاں تو کہنا یہ ہے کہ ہمارے پُرانے رسم ورواج بالکل نکمے نہیں تھے۔ علاوہ اخلاقی اور اجتماعی اقتصادی فائدوں کے اون سے دوسرے نہایت ضروری فائدے بھی ہوتے تھے۔

اخلاقی فائدوں کی مثال یہ ہے کہ شادی بیاہ میں سارے عزیز واقربا جمع ہوتے تھے برسوں کے جھگڑے دوُر ہوجاتے تھے اگر ایک رشتہ دار نہ آیا تو خاندان کی ناک کٹ جاتی تھی۔ میں نے دیکھا ہے کہ ایک غریب بیوی رشتہ کی چچی عرصے سے بگڑی ہوئی تھیں اور جو ایک امیر دولتمند کے لڑکے کی شادی کا وقت آیا تو ان چچی کا آنا بھی ضروری ہوا۔ لڑکے کی ماں گئیں ہاتھ پاؤں جوڑے مگر یہ چچی جان نہ آئیں لڑکے کے باپ، رتبے کے ڈپٹی صاحب شہر کے معزز ترین رئیس آخر گئے ان چچی جان کے قدموں پر ٹوپی رکھدی، ہاتھ پاؤں جوڑ کر منالیا سب کے اکھٹے ہونے سے اجتماعی فوائد بھی بہت ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے سے ملنا باتیں کرنا نئی معلومات کا بڑھنا آیندہ کے لیے اپنے بچوں کے لئے منگیتر کو ڈھونڈھنا اور اوس منگیتر کے آداب و اخلاق سلیقہ کی ایک طرح سے جانچ ہوجانا۔ اقتصادی فائدے یہ کہ شادی بیاہوں میں روپیہ صرف ہوتا ہے ہزاروں کے پیٹ پلتے ہیں وطنی صنعت کو ترقی ہوتی ہے۔ اور دوسرے جو فوائد ہیں وہ ان سب سے زیادہ مفید ہیں۔ وہ یہ کہ ان رسم ورواج سے قوم میں ایک طرح کی زندہ دلی قایم رہتی ہے۔ قوم سے زندہ دلی اُٹھ جاوے تو پھر قوم کے فنا ہونے میں زیادہ دن باقی نہیں رہتے اور اگر زندہ دلی برے راستے اختیار کرے تو بھی قوم کی تباہی دوُر نہیں ہوسکتی۔ زندہ دلی ٹھیک راستہ پر چل رہی ہے تو قوم ترقی کی راہ پر تیزی سے جا دے گی ورنہ برعکس زندہ دلی کا ہونا نہایت ضروری ہے اگر زندہ دلی نہیں ہے تو سارے کام خراب۔ نہ میاں بیوی میں محبت ہوگی نہ گھر میں مزا ہوگا نہ کام میں دلچسپی ہوگی نہ کھیل میں لذت ہوگی غرض زندگی بے لطف ہو جاوے گی۔

اب آدمی سوچے تو ہماری شادیاں اور بیاہ کس خوبی سے اِس زندہ دلی کو قایم رکھتے تھے۔ **مولانا راشد الخیری** صاحب اپنی جادو بیانی سے ہماری دِلّی کی اٹّنا کھیلنے، چوتھی کھیلنے اور جوتی چھپائی۔ اور بہنوں اور پھوپھیوں کے حقوق مانگنے، بہنوئیوں کی پگڑی بندھوائی اور تکرار کی رسموں کو اگر بیان کریں تو قارئین کو معلوم ہوجاوے کہ ان رسموں میں کیسی زندہ دلی بھری ہوئی تھی اور جو نقصانات ان میں ہوتے تھے

وہ کس قدر جزوی تھے۔

یورپ نے اپنی بہت سی پُرانی رسموں کو ضایع کر دیا مگر وہ برائیاں جو اون رسموں میں وابستہ تھیں وہ سوگنی بڑھ گئیں۔ انسان تو زندہ دِلی، لطف، کیف، لذت، مزہ ڈھونڈھتا ہے طبعی طریقے سے حاصِل نہ کر سکے تو غیر طبعی طریقوں سے حاصِل کرتا ہے۔ اگر ہم یورپ والوں کی زندہ دلی اور اوس کے مصارف پر غور کریں اور بقولہ تعالیٰ "قل سیروا فی الارض فانظروا ...." پر عمل کریں تو ہم کو معلوم ہو جاوے گا کہ کس قدر بے علاغش روپیہ یہاں لطف اُڑانے میں صرف ہوتا ہے۔ یہ درست ہے کہ شادی بیاہ یہاں اب عام طور پر نہایت سادگی سے ہو جاتے ہیں۔ مگر ناچ رنگ تھیئٹر وغیرہ میں جو کچھ ہوتا ہے بیان سے باہر ہے۔ مثلاً "میں یہاں کی رسم "سلوسٹر" یعنی اوس رات کی بے اِعتدالیاں جو سال ماضی اور سال آیندہ کے درمیان ہوتی ہے بیان کرتا ہوں۔ یہ جو میں بیان کرتا ہوں برلن کے متعلق ہے پیرس اور نیویورک میں سُنا ہے کہ یہاں سے بہت ہی زیادہ ہوتا ہے علیٰ ہذا القیاس لندن میں بھی۔

پچیس دسمبر کے بعد سے تمام دوکانوں میں اور سڑکوں کی پٹڑیوں پر، ٹھیلوں میں غرض ہر جگہ اس رات کی تیاریاں ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔ طرح طرح کے سوانگ بھرنے کے چہرے، کاغذ کے کپڑے ٹوپیاں چھڑیاں نقلی کھانے، سیٹیاں، بگل، غرض ہر قسم کی دِلگی کے سامان، مذاق کی چیزیں، دھوکہ دینے کی اشیاء، کاغذ کی گولیاں گولے، چھڑیاں، کاغذی رسیاں، آتشبازی کی چیزیں، پھر طرح طرح کی شرابیں، سُنا ہے کہ بعض دُکانیں سال بھر میں اتنی شراب نہیں بیچتیں جتنی اس رات کے لیے، یہ کاغذی ٹوپیاں وغیرہ بھی سستی نہیں ہوتیں سستی سے سستی ٹوپی بھی بارہ آنے کی آتی ہے اور یوں یہ کاغذی ٹوپیاں پندرہ پندرہ بیس بیس روپیہ تک بھی ہوتی ہیں۔ اِس حساب سے اور چیزوں کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے۔ برلن میں بلا مبالغہ کئی ہزار ناچ گھر وغیرہ اتنی ہی دوسری ناچ رنگ اور تفریح کی جگہیں ہونگی اور پھر کھانے کی دُکانیں بھی اس رات کو لطف اُٹھانے کے لیے کُھلی رہتی ہیں عام طور پر ہر روز ایک بجے اور ہفتہ اور اتوار کو تین بجے تمام ناچ گھر اور چار گھر اور شراب خانے اور کھانے کی دوکانیں بند ہو جانے چاہیئے مگر سلوسٹر کی رات کو رات بھر یہ سب جگہیں کُھلی رہتی ہیں۔ بہت سی دوکانوں میں اِس رات کو قیمتیں دوگنی تگنی ہوتی ہیں اور پھر بہت سے ناچ گھروں اور عیش گھروں میں پانچ روپے سے بیس روپے تک داخلہ بھی ہوتا ہے۔ افسوس میں خود گو دس سال سے جرمنی میں ہوں مگر کبھی سلوسٹر کو باہر نہیں گیا گو میں معلومات کے لیئے دیکھنا ضروری سمجھتا ہوں۔ مگر بات یہ ہے کہ یہ چیز آدمی بغیر حصہ لیئے ہوئے دیکھ نہیں سکتا کیونکہ ایسا طوفان بے تمیزی ہوتا ہے کہ ایک دوسرے پر ہر طرح کی زیادتی کرتا ہے مثلاً اگر میں جاؤں اور شراب نہ پیوں تو یقیناً اور لوگ زبردستی پلا دینگے اور اگر میں نہ پیونگا تو شاید پستول بھی چھوٹ

[…]ت

[…] اور خوش […] جانا کوئی بڑی بات نہیں اس لیے افسوس میں خود نہیں دیکھ سکا۔ مگر تمام ہندوستانی
طلبا ہر سال یہ رات مناتے ہیں اور میں نے ہمیشہ ہر ایک سے اور جرمنوں سے بھی اس کے متعلق پوری
معلومات دریافت کرلی ہے۔ چنانچہ اس دفعہ ایک صاحب بیان کرتے ہیں کہ وہ دس روپیہ کا ٹکٹ لیکر
[…] عیش گھر یا ناچ گھر میں گئے۔ گھٹیا سے گھٹیا شراب کی بوتل پندرہ روپے میں خریدی۔ چونکہ بھوکے
تھے نہایت ہی معمولی کھانا دس روپیہ میں کھایا ایک گلاس پانی بارہ آنے میں پیا۔ یہ سب ملکر ۳۵ روپیہ اور
بارہ آنے ہر دس فی صدی ویٹر کو کل قریب چالیس روپے ہوئے۔ علاوہ اس کے اور جو کچھ انہوں نے
مذاق اور دِلگی میں یا کسی مہ جبین کی ضیافت میں خرچ کیا اوسکا ذکر مجھ سے نہیں کیا۔ اس رات کو متوسط الحال
[…]ت دو تین سو روپے صرف کر دیتے ہیں۔ بھلا لوگ ایک بوتل پر اکتفا تھوڑی ہی کرتے ہیں اور پھر اکیلا
کون جاتا ہے۔ امیر لوگ تو ہزاروں خرچ کرتے ہیں وہ نیک خاندان جو باہر نہیں جاتے اور گھر ہی میں سلوسٹر
مناتے ہیں وہ بھی خاص قسم کے کیک اور بکثرت شراب پیتے ہیں اور گھر ہی میں خوب ناچ رنگ دِلگی کرتے
ہیں ہر متوسط درجے کے گھر میں دو تین سو روپے اس رات کو خرچ ہو جاتے ہیں۔ عیش گھروں میں بارہ بجے تک
تو ناچ رانگ اور شراب خواری ہوتی ہے۔ ٹھیک بارہ بجے ایک دوسرے کو نئے سال کی مبارکباد دیتا ہے اور
اس وقت سے صبح تک ہر ایک، ایک دوسرے سے دِلگی کرنے کا مجاز ہو جاتا ہے۔ چاہے پہلے سے جانتا ہو یا
نہیں۔ عورتوں اور مردوں میں جو بے حیائیاں ہوتی ہیں وہ اللہ ہم کو نہ دکھائے مگر اگر یہی رفتار رہے گی تو
یہ سب اگر رہے گا۔ ایک دوسرے پر کاغذی گولیاں پھینکتے ہیں کاغذی رسیوں سے جکڑتے ہیں کاغذی
چھڑیوں سے مارتے ہیں بس یہ سمجھ لیجئے کہ سوگنا ہماری چوتھی کی رسم کا۔ مگر چوتھی میں فقط عورتیں ہی عورتیں
[…] یہاں مرد اور عورت سب۔ اکثر کوئی ایسا مذاق ہو جاتا ہے جو دوسرے کو ناگوار ہو تو پئے ہوئے تو
[…]تے ہی ہیں بس مار کٹائی شروع ہو جاتی ہے پستول اور چاقو چھری تک کی نوبت آجاتی ہے اس رات
[…]ن پیرس نیویارک برلن وغیرہ میں سینکڑوں نہیں ہزارہا آدمی گرفتار ہوتے ہیں۔ خوش پوش لوگ
سڑک پر نشے میں پڑے ملتے ہیں۔ بچا کھچا جیب میں جو ہوتا ہے وہ بھی غائب ہو جاتا ہے۔ یہ سارا حال
دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ حکومتیں اس کے مانع نہیں کیونکہ اس سے اجتماعی، اقتصادی فائدہ ہوتے ہیں
ہزاروں صنعتیں اسہی کی بدولت قایم ہیں لاکھوں کروڑوں آدمیوں کے پیٹ پلتے ہیں اور پھر زندہ دلی قایم رہتا
ہے گو ہزاروں گھرانے تباہ بھی ہو جاتے ہیں مگر یہاں کے لوگ کامی اور محنتی ہیں پھر جلدی بہت کچھ کما لیتے
ہیں۔ تاہم عیش پسندی بڑھتی جاتی ہے لوگ شادیاں کم کرتے ہیں تو اولاد کے خواہاں نہیں، ہر طرح کی روک
تھام کرتے ہیں اور پھر بھی اگر امید ہو تو جرم ہے مگر ایسی تدابیر کرتے ہیں کہ بچہ پیدا نہ ہو۔

یہ سلوسٹر کی رسم تو ایک ہے اس کے بعد سے ایسٹر (مارچ کے آخر تک) تک پھر طرح طرح کے وضع وضع کے کپڑوں کے اور چہرہ پوس ناچ شروع ہوتے ہیں۔ آج پریس کا ناچ ہے تو کل اولڈ موبیل کلب کا ناچ ہے اور پرسوں فلانی انجمن کا ناچ ہے اور اترسوں فلانی۔ آج ترکوں کا ناچ زیر حمایت سفیر جمہوریت ترکی اور کل مصریوں کی طرف سے ناچ ہے۔ ان ناچوں میں ہر ایک آسکتا ہے جو فیس داخلہ پانچ روپے سے بیس روپے تک داخل کرے۔ ہر ایک ناچ میں پانچ سے لیکر دس ہزار تک مرد اور عورتیں ہوتی ہیں۔ ہر ایک عورت کا جوڑا کئی کئی سو روپے کا ہوتا ہے ایک بڑھیا عورت سال میں کم از کم آٹھ دس بڑے بڑے ناچوں میں شامل ہوتی ہے اور ہر دفعہ نیا جوڑا ہونا چاہئے۔ علاوہ اخراجات کے جو جو بے حیائیاں ظہور میں آتی ہیں اونسے میں پھر یہی کہوں گا کہ اللہ ہمکو بچائے مگر میں کہے دیتا ہوں کہ ہمارے اصلاح پسند رہبران قوم ہماری پرانی زندہ دلی پیدا کرنے والی رسموں کو تو کھو دینگے اور پھر یہ یورپ کی رسمیں آکر رہیں گی کیونکہ یہ انسان کی فطرت میں ہے کہ انسان لطف اور مزہ تلاش کرے۔ ہم مجبور ہوکر یورپی تقلید کرینگے اور جو بعض رکاوٹیں اور قیود یورپ میں ہیں وہ ہم میں نہ ہونے کی وجہ سے بداخلاقی اور رذالت ہم میں یورپ سے ہزار درجے بڑھ جاوے گی۔ یورپ میں قریب قریب ہر ایک ہی شراب پیتا ہے مگر بہت سے اعتدال کے ساتھ بھی۔ جب ایک مشرقی یا مسلمان شراب پیتا ہے تو وہ فقط بدمستی کے لیئے ہی اسی لیئے یورپ میں یورپی عادتوں سے اتنی زیادہ برائیاں نہیں جتنی کہ اگر ہم نے یہ عادتیں اختیار کیں ہم میں ہوجاوینگے۔ ٹرکی کا حال دیکھئے افسوس ہندوستانی لوگ تو ظاہر پرست ہیں اونکو معلوم نہیں وہاں سے اسلام بکوشش غارت کیا جارہا ہے۔ اللہ نے فی الحال افغانستان کو بچالیا۔ ایران ٹرکی کے قدم بقدم چل رہا ہے۔ اگر اسلام کھوکر ٹرکی اور ایران نے ترقی کی تو ہمارے لئے ٹرکی اور یونان یکساں۔

میری ہندوستانی مسلمان بہنوں سے التجا ہے کہ سوائے اُن بُری رسموں کے جو سراسر کفر و شرک ہیں اور رسموں کو بغیر اس کے کہ حقیقت میں اون سے بہتر اختیار کرلیں ہرگز ہرگز ترک نہ کریں ورنہ ہماری جماعت کا شیرازہ اور بھی بکھر جاوے گا اور جو روپیہ شادی بیاہ میں خرچ ہوتا ہے وہ ناچ گھروں اور قمار خانوں وغیرہ میں ہمارے رہے سہے خاندانوں کے تباہ و برباد کرنے میں خرچ ہوگا۔ اس میں شک نہیں ہمیں ہزاروں اصلاحوں کی ضرورت ہے مگر ہم کو بہت سوچ کر اپنی رسم و رواج کو ترک کرنا چاہیئے ہمیں ایسا نہ ہو کہ اس کے ترک کرنے میں ہم بالکل برباد ہی نہ ہوجاویں۔ وما علینا الا البلاغ

ستارخیری از برلن

قانون وراثت اور مسلم خواتین

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آخر پنجاب کے مسلمانوں نے کروٹ لی اور اُس غلطی اور حق تلفی کو محسوس کر کے آخر مسودہ قانون وراثت کونسل واضع قوانین میں پیش کر دیا گیا۔ مسلمان عورتوں کے حقوق جس قدر پنجاب میں مارے گئے ہیں اور جتنی اِس بے زبان مظلوم فرقہ کے ساتھ ظلم وستم کیا گیا ہے اُس کی مثالیں یاد کر کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ زر کے لالچ میں باپ نے اپنی آخر عمر میں کوشش کر کے اور اپنے آپ کو زمیندار بنا کر کاغذات مال میں درج کرا دیا ہے کہ باپ کے مرنے پر لڑکی کو حصہ نہ ملے اور صرف لڑکے ہی جائداد کے وارث ہو سکیں۔ چنانچہ مجھے ایک نہایت دولتمند گھرانہ کا مقدمہ اَب تک یاد ہے کہ جو شخص لاکھوں روپیہ نقد اور جائداد کی شکل میں چھوڑ مرا تھا اور چونکہ خاندان رسم ورواج ہنود کا پابند تھا۔ دونوں لڑکیوں نے مقدمہ کیا اور مقدمہ پر اپنے اپنے خاوندوں کے عمر بھر کی کمائی ضایع کر دی مگر ظالم بھائی نے مقدمہ پر لاکھوں روپیہ خرچ کر دیا اور بیرسٹروں کی جیبوں میں ہزاروں بھر دیا مگر اپنی بہنوں کو ایک حبہ بھی نہ دیا۔ اور دونوں مقدمہ ہار کر صبر وشکر کرکے بیٹھ رہیں۔

خدا کا شکر ہے کہ اب ایک نیک دِل مسلمان نے پنجاب میں اس طرف توجہ کی ہے۔ اور آجکل یہ مسودہ آسمبلی میں پیش ہونے والا ہے۔ اگر یہ مسودہ پاس ہو گیا تو پنجاب میں ہزاروں گھرانوں کی عورتیں لاکھوں روپیہ نقد اور جائداد کی مالک ہو جاوینگی۔ اس مقام پر مستورات کو ہر جگہ ایک ایک جلسہ کر کے والیسرائے بہادر کے حضور میں اپنی کمزور آواز کو پہنچانا چاہیئے اور اپنی رضامندی اور خوشنودی کا اظہار کرنا چاہئے۔ بلکہ سب بیبیوں کو مِلکر ایک دِن مقرر کر کے بھائی عبدالحی صاحب کی کامیابی کے لیئے دُعا بھی کرنی چاہئے۔ جب خدائے پاک نے ایک حق ہمکو دیا ہے تو کیا وجہ ہے کہ رسم ورواج پر اُس حق کو قربان کر دیا جائے۔ یہ دولت دنیا تو فانی ہے۔ اور چند روزہ ہے مگر احکام قرآن سے خلاف ورزی کر کے جو سزا انسان کو بھگتنی ہوگی اور جس معصیت میں گرفتار ہوگا وہ تو ابدی ہے اور اُس سزا سے چھٹکارا مشکل۔ میں اپنے بھائی عبدالحی صاحب سے اتنی درخواست اور کرتی ہوں کہ جہاں انہوں نے اِسقدر مہربانی کی ہے کہ وہ اپنے بے زبان بہنوں کے لیئے اُن کے چھینے ہوئے جایز حقوق دِلوانے کی کوشش کر رہے ہیں وہاں یہ بھی خیال کریں کہ اگر

جائداد یا نقدی کسی بے زبان بی بی کو مل گئی تو ایسا نہ ہو کہ یہ نقدی اور جائداد اس مظلوم کے لیے اور بھی مصیبت کا باعث ہو جائے۔ کیونکہ آجکل کے نوجوانوں کی حالت جو کچھ ہے وہ پوشیدہ نہیں ہے۔ اسّی فی صدی بیشتر سے ہی بی بی کے جہیز پر یا اس کے باپ کی دولت پر اُدھار کھائے بیٹھے ہوتے ہیں۔ اور ساس نندیں علیحدہ دانت رکھے بیٹھی ہوتی ہیں۔ اگر کسی موقعہ پر ذرہ بھر کسی رسم و رواج میں کمی ہو جائے تو بچاری لڑکی کو دم لینا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور بات بات پر ماں باپ کی کنجوسی اور بدسلیقگی کے طعنے دئے جاتے ہیں۔ کیا جو جائداد بے زبان لڑکی از روئے شریعت اپنے ہمراہ شوہر کے گھر میں لائے گی وہ اُسکو سنبھال کر رکھ سکے گی۔ اور شوہر اُس جائداد پر بیوی کا قبضہ پسند کرے گا؟

ہندوستان کے مردوں کو ایسی عادت پڑی ہے کہ وہ کوئی شے عورت کی ملکیت میں دیکھنا پسند ہی نہیں کرتے۔ ضرور بھلا پھسلا کر نقدی ہوگی تو آسانی سے اپنے قبضہ میں کرنے کی کوشش کرے گا اور اگر جنس ہوگی تو بیوی صاحبہ سے بشرط رضا و رغبت بقائی ہوش و حواس اپنے نام لکھوائے گا۔ اور دوسرے دن کوڑے کرکے بچاری بے زبان بی بی کو دیسے کا دیسا ہی کر دے گا۔ بچاری ہندوستانی عورت دادخواہی سے ناواقف، طرز فریاد سے نابلد، زبان گنگ، آنکھ بند، گھُٹ گھُٹ کر مرنے کے سوائے کچھ جانتی ہی نہیں۔ کچہری دربار سے محض ناواقف ہے وہ بھلا کیا کر سکے گی۔ اس لیے بہت بہتر ہو اور بہت افضل ہو کہ کوئی ایسا طریقہ سوچا جا سکے اور قانون میں کوئی ایسی بات آجائے کہ لڑکی کی وراثت کو جو ماں باپ کی طرف سے اُسے ملے وہ شوہر اپنے قبضہ میں کرکے لڑکی کو کھلونا نہ بنا سکے۔ اور اس جائداد کا منافع وہ اور اُس کی اولاد استعمال کر سکے سوائے اشد ضرورت کے لڑکی فروخت نہ کر سکے۔ ہمارے ملک کی عام عورتوں کی حالت ایسی نہیں ہے کہ وہ کسی حقیر سے حقیر شے کو بھی جرأت کرکے شوہر سے علیحدہ رکھ سکیں چہ جائیکہ جائداد۔ پاکیزہ جرأت اور بجا دلیری بھی ہم لوگوں سے مفقود ہو گئی ہے اور عرصہ تک واپس آنے کی اُمید نہیں ہے۔ بہو بیٹیوں کے سر پر آرہ چل جائے مگر اُن کا بولنا گناہ ہے۔ اور سر اُٹھا کر اظہار تکلیف کرنا ایک بھاری عیب ہے میں اُمید کرتی ہوں کہ اس بارے میں ضرور غور کیا جائے گا۔ کہ جائداد بھائیوں کے ہاتھ سے نکل کر پھر باسانی بے احساس اور غیر لوگ نہ اُڑا جائیں۔ ایسا بندوبست ہو کہ لڑکی کے لیے ایک طاقت اور امداد کا ذریعہ بنی رہے۔

فاطمہ بیگم (منشی فاضل) از بمبئی

خونابۂ دل

خوں کی نہریں داستانِ دل کا عنواں ہو گئیں
آبلہ سائی سے آنکھیں گل بداماں ہو گئیں

ہائے اے ہمدم میری افسردہ سامانی نہ پوچھ
دل کی حسرت زائیاں وحشت کا ساماں ہو گئیں

شام غم تاریکیاں خاموشیاں بڑھنے لگیں
میری آنکھیں خود بخود شبنم بداماں ہو گئیں

ہیں کٹورے میری آنکھوں کے چھلکنے کے قریب
سیلِ آبِ اشک سے پلکیں جو لرزاں ہو گئیں

نغمۂ محفل ہیں میں ہوں یعنی اک تصویر یاس
شمع کی خاموشیاں بھی مجھ پہ قرباں ہو گئیں

ٹمٹما سا چراغِ آرزو سینہ میں ہے
دل کی ظلمت زائیاں جس کے درخشاں ہو گئیں

اے جمال مضطرب خاموش اب بہر خدا
تیری نغمہ زائیاں حسرت کا طوفاں ہو گئیں

بلقیس جمال خاتون

اس پرچہ کے ٹائٹل کا دوسرا صفحہ

براہ عنایت ملاحظہ فرما لیجے تاکہ عصمت کے انتظامی امور کے متعلق آپ کو کبھی شکایت نہ ہو اور اگر آپ مضمون نگار ہیں تو آپ کی محنت اور ہمارا وقت ضایع نہ ہو۔

آرزو

یہ نظم نما نثر عزیزی مس حجاب سلمہا کی تہذیب نسواں میں شائع ہوئی تھی میں نے اسکو بھی نظم کا جامہ پہنایا ہے اگر بہنیں اس رنگ کو پسند کریں تو میں آیندہ اور بھی بھیج سکوں گی۔ مقصد یہ ہے کہ اس طرح کا نیچرل ذوق اور بہنوں میں بھی پیدا ہو جائے۔

بسمل

صبح کو تازہ کھلا ہے گرم موسم میں گلاب
پتیاں ہیں خوبصورت۔ جوش پر رنگ شباب
زندگی شاداب ہو جس سے وہ جھونکے آگئے
شک نے آنکھیں میری پھر آنسوؤں سے بھر دئیے
دلربا گیتوں کے نغمے زیست سے ٹکراتے ہیں
مرتعش باجے کے تار دلکی طرف لوٹ آتے ہیں
نفس میرا دب رہا ہے آرزو کے بوجھ سے

صبح کو ہو کر جدا مشرق سے قرص آفتاب
شام کو پھر چوم لیتا ہے کناروں کو شتاب
کیوں قفس میں آرزو کے میری جاں تڑپا کرے

بات پھر تو کچھ نہیں قانون قدرت کے خلاف
جائے گی جو چیز واپس آئے گی ہے بات صاف
جستجو میں کسی کے بھونرے جب جاتے ہیں دور
شام ہونے سے وہ پہلے لوٹ آتے ہیں ضرور
پھر تو میری آرزو کچھ ایسی یہ بے جا نہیں
آہ اے روح آئے تمہاری لطف سابق سے کہیں
صرف ''دو لمحے ہی مجھ سے کر سکو تم گفتگو''

خلع کی بحث

میں نے اکتوبر کے "عصمت" میں خلع کے اخلاقی اور معاشرتی پہلو پر مکالمہ کے پیرایہ میں ایک مضمون لکھا تھا۔ جسکا یہ پیرایہ میں نے اس لیے اختیار کیا تھا کہ اس سے کسی تلخ مباحثہ کی شکل نہ پیدا ہو، مگر افسوس ہے کہ باوجود اس پیرایہ بیان کے اور باوجود اس کے کہ خود اس مضمون میں ہر خیال کی وضاحت کردی گئی ہے پھر بھی اس سے غلط فہمیاں پیدا ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔ اور ایک فضول مباحثہ کا دروازہ کھل گیا جس میں "عصمت" کے ہمعصر اخبار تہذیب نسواں نے بھی نمایاں حصہ لیا اس مضمون کے شایع ہونے کے بعد پطرس صاحب کا مضمون اس کے خلاف میری نظر پڑا۔

مضمون کا ماحصل وہی مردوں کے ظلم و ستم کی فرضی داستانیں اور اشتعال انگیزی، میں نے اُسی اخبار میں اس مضمون کی تردید ضروری سمجھی۔ اس کے بعد دوسرا مضمون ڈاکٹر بشارت اللہ صاحب کا شایع ہوا جس کے جواب میں بھی مجھے قلم اُٹھانے کی ضرورت پڑی، اس مضمون میں مَیں نے ڈاکٹر بشارت اللہ صاحب کے استدلال کی تردید اور اپنے خیالات کی وضاحت کی تھی۔ لیکن افسوس ہے مینیجر صاحب تہذیب نسواں کی درمیانی مداخلت اور کہیں کہیں ضروری وضاحت کو حذف کر لینے سے اس مضمون کا خاطر خواہ اثر غالباً ناظرین پہ نہیں پڑا۔

بہرکیف! میں "تہذیب" میں اپنا آخری مضمون دیکر اس بحث کو تو ختم کر چکا ہوں، لیکن چونکہ "عصمت" میں بھی میری محترم بہنوں ر۔ آ صاحبہ اور ظفر جہاں بیگم صاحبہ کو بھی اس مضمون سے اختلاف پیدا ہوا ہے اس لیے اپنے خیالات کی وضاحت کے طور پر کچھ اور لکھنا چاہتا ہوں۔

مضمون کی تحریک صرف دو خیالوں سے ہوئی تھی اوّل یہ کہ ہندوستان میں مسلمان خواتین کے لیے موجودہ معاشرتی حالت کے لحاظ سے خلع کے متعلق "ایجیٹیشن" مفید نہیں۔ کیونکہ واقعات بتا رہے ہیں کہ مسلمان عورت کے لیئے خلع کے بعد بھی خوشگوار زندگی کا پیدا ہوجانا تقریباً ناممکن ہے کیونکہ ایک طرف تو رسمی تعصب اس کے نکاح ثانی میں ہارج ہوگا دوسری طرف چونکہ وہ اقتصادی حیثیت سے آزاد زندگی بسر کرنے کے قابل

نہیں ہے اس لیے اس کی گذران شکل ہو جائے گی۔ یہ صورت اسوقت تک رہے گی تاوقتیکہ عورتوں میں کافی تعلیم اور بیداری پیدا ہو جائے اور وہ اپنے کسب معاش کے قابل ہو جائیں۔ دوسری طرف لوگوں میں وہ تعصب نہ رہے اور وہ کسی مطلقہ یا مخلوعہ عورت سے نکاح ثانی میں کوئی رکاوٹ نہ محسوس کریں۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب طلاق اور خلع کا اثر یکساں ہے تو میں محض خلع سے اختلاف کیوں کر رہا ہوں یہین پر مجھے یہ افسوس ظاہر کردینے کی ضرورت ہے کہ طلاق میں جیسا کہ سمجھا جا رہا ہے مرد آزاد نہیں ہے بلکہ مہر نے اسکو پابند کر دیا ہے۔ اور مہر عموماً عورتوں کے بہت سے حقوق کا تحفظ کر لیتا ہے۔ میرے خیال میں بہت سی ایسی مثالیں ہیں جہاں خود عورتوں کو اندیشہ ہے کہ انکے خاوند انکو طلاق نہ دیدیں لیکن مہر کے دباؤ کی وجہ سے وہ طلاق سے مجبور رہیں۔ خلع کی حالت میں عورت کو مہر نہیں ملتا۔ اولاد طلاق کی حالت میں بھی اس سے چھنتی ہے اور خلع کی بھی۔ لیکن بعض اوقات مہر کا مطالبہ شوہر کو اس پر مجبور کر دیتا ہے کہ وہ مطلقہ سے اولاد کو طلب نہ کرے اور اس طرح کچھ سہارا غریب عورت کے لیے باقی رہتا ہے۔ دوسرا فرق خلع اور طلاق میں یہ ہے کہ طلاق چونکہ مرد کی مرضی پر منحصر ہے اس کے حصول میں زیادہ فضیحت اور رسوائی نہیں ہوتی۔ اور بعض اوقات نہایت خاموشی کے ساتھ زوجین کی علیحدگی ہو جاتی ہے اور لوگوں کو اسباب علیحدگی کا پتہ بھی نہیں چلتا، لیکن خلع کی حالت میں چونکہ مقدمہ کھلی ہوئی عدالت میں ہوتا ہے اس لیے اسکا چرچہ شہر کی ہر گلی اور کوچہ میں ہو جاتا ہے۔ میرے علیگڈھ کے قیام کے زمانہ میں خلع کا ایک مقدمہ وہاں کی ججی سے طے ہو کر ہائیکورٹ تک گیا تھا۔ لیکن اس کی رُسوائیاں تمام شہر میں تھیں یہ محض اسوجہ سے ہے کہ عدالتیں اسلامی نہیں۔ وہاں کا آئین بھی یہی ہے۔ لیکن اگر قضار کی عدالت میں افتراق کے معاملات طے ہوں تو نہایت خاموشی سے طے ہو سکتے ہیں۔

بہرکیف مطلقہ سے مخلوعہ عورت زیادہ بدنام ہوتی ہے اور اس کے لیے آیندہ زندگی میں زیادہ دشواریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اگر نکاح ثانی نہ ہو سکے اور وہ خود بھی کسب معاش کی اہل نہ ہو تو لا محالہ اسکو کسی عزیز قریب کے یہاں پناہ لیکر زندگی گذارنا پڑے گی اور وہ زندگی جتنی ذلیل اور تکلیف دِہ ہوگی وہ ظاہر ہے۔

دوسرا خیال میرا یہ تھا کہ موجودہ انگریزی عدالتیں اس کی اہل نہیں ہیں کہ وہ خلع وغیرہ کے نازک مسائل کا تصفیہ فقہی اُصول سے کریں۔ اس لیے ہمارا مطالبہ اس وقت یہ ہونا چاہیئے کہ ہمارے تمام معاشرتی معاملات نکاح، طلاق، مہر، وصیت، وراثت، وغیرہ کے مسائل کے تصفیہ کے لیئے اسلامی قضار کی عدالتیں قایم ہونی چاہئیں جن اسلامی ریاستوں میں خلع وغیرہ کا تصفیہ فقہی اُصول سے ہوتا ہے وہاں قضار ہی عدالتوں سے ہوتا ہے۔ جہاں کے حاکم کو ایک عالم اور متشرع مسلمان ہونا لازمی ہے۔ ان دونوں خیالوں کی وضاحت کے بعد یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نہ تو میں اس حق کو جو شریعت نے مسلمان عورتوں کو دیا غصب کرنیکا مشورہ دیتا ہوں اور نہ طلاق کو

اچھا سمجھکر یکطرفہ طور پر خلع کا مخالف ہوں۔ بلکہ میرا تو یہ خیال ہے کہ اگر یہ شریعت کے حدود سے تجاوز نہ کر جائے تو یہ مطالبہ ہونا چاہئے کہ شوہر کا محض طلاق کو تین بار کہدینا یا لکھدینا ہی کافی نہیں بلکہ اسکو عدالت قضا میں وجوہات طلاق بیان کرکے وہاں سے طلاق کی تصدیق حاصل کرنی چاہیئے۔ مصر اور ٹرکی کے جدید قانون میں تو یہی صورت رکھی گئی ہے۔ لیکن ہندوستان میں نہیں کہہ سکتا کہ فرسودہ خیال علماء کہاں تک اسکو جایز رکھیں گے۔

میں اس امر کو واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ خلع پر اظہار خیال کرنے سے یہ مقصود نہیں کہ مجھے عورتوں سے (خدانخواستہ) کوئی کاوش اور مردوں کی بیجا تائید مدِ نظر ہے۔ اس مسئلہ کو صنفی مسئلہ بنالینا اور اسکو محض عورتوں سے متعلق سمجھنا بڑی سخت غلطی ہے۔ اسکا تعلق مرد اور عورت دونوں سے یکساں ہے اگر عورت مرد کے ساتھہ زندگی بسر کرنا نہیں چاہتی تو یقیناً مرد کے لیئے بھی اس سے علیحدہ ہوجانا اتنی ہی عافیت کا باعث ہے جتنا مرد کے بیزار ہوجانے کی حالت میں علیحدگی عورت کے لیئے سمجھی جاتی ہے۔

ازدواجی زندگی کی بنیاد محبت اور اخلاص کے ایک نازک "ریشمی" رشتہ پر ہے جو اگر ٹوٹ جائے تو دونوں کے لیئے تکلیف اور مصیبت کا باعث ہے اور اگر قایم رہے تو انبساط اور مسرت کا ایک خزانہ ہے۔

خلع کی بحث کو عام حیثیت سے ایک صنفی بحث بنالینا اور اس بحث کی بنیاد مردوں کے فرضی مظالم پر رکھنا اُن بے شمار مردوں کی توہین ہے جو اپنی شرکا حیات کے ساتھ پُرمسرت زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اِس مسئلہ میں دو گروہ بنالینا جو ایک مردوں کا حامی ہو اور دوسرا عورتوں کا ایک نہایت عصبیت خیز تفرقہ ہے۔ حاشا! مجھے خلع کے خلاف مضمون لکھکر اپنی قومی اور مُلکی بہنوں کی مخالفت مقصود نہیں بلکہ محض انکی خیرخواہی کا جذبہ اور انکی خدمت کا ولولہ جو میرے قلب میں موجزن ہے مجھے اس پر آمادہ کرتا ہے کہ میں اس موضوع پر قلم اُٹھاؤں اور اس سلسلہ میں صنف لطیف کی افراد کو جو نقصانات پہونچنے کا احتمال ہے اُنکی وضاحت کردوں۔

ہندوستان کی عدالتوں میں اس وقت جو قانون رائج ہے وہ تمام احکامات شریعت کا حامل نہیں ہے بلکہ وہ ماخوذ ہے اِسلامی فقہ کی کتابوں سے، اس میں خلع کے لیئے صرف دو شرائط پر اکتفا کیا گیا ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ بیوی کو اپنے شوہر کے ساتھ رہنے میں اپنی جان کا خطرہ ہو، دوسرے یہ کہ شوہر تعلق زنانہ شوی کا اہل نہ ہو، ان دونوں حالتوں میں خلع دیوانی کی عدالتوں سے ممکن ہے۔ اور انکے تحت میں مقدمات

ہوتے رہتے ہیں۔ یو۔پی میں مجھے پورے طور پر علم ہے ان دفعات کے تحت میں مقدمات کی سماعت ہوتی ہے۔ لیکن پنجاب کا مجھے علم نہیں۔ ممکن ہے کہ وہاں رسم و رواج کا خیال کیا جاتا ہو اور وراثت کی طرح خلع کی دفعات بھی نہ جاری ہوں۔

اگر ایسا ہے تو پھر یہ تحریک اُس صوبہ کی ایک مخصوص قانونی تحریک ہے۔ لیکن یو۔پی اور دوسرے صوبوں میں جہاں خلع کے مقدمات کی سماعت محمڈن لا کی دفعات کے تحت میں ہو سکتی ہے۔ یہ مطالبہ صحیح نہیں۔ ہاں یہ مطالبہ ہو سکتا ہے کہ خلع کا تصفیہ فقہ کی تفصیلی شرائط کے لحاظ سے کیا جائے۔ ایسی صورت میں پھر وہی قضا کی عدالتوں کے قیام کی ضرورت کا سوال معرض بحث میں آتا ہے مجھے اس فصاحت کی اس لیے ضرورت ہے کہ یہ بحث اس کے بغیر بالکل مبہم رہتی ہے۔ ہم کو پہلے یقین کر لینا چاہئے کہ مروجہ قانون میں اس وقت خلع کے لیے کیا شرائط ہیں اور اگر ہم اُن میں کوئی اضافہ یا ترمیم چاہتے ہیں تو کیا۔ اُس کے بغیر یہ بحث بالکل نامکمل ہے۔

اس سلسلہ میں جنگ آزمائی اور خواہ مخواہ کی ضد بالکل فضول ہے۔ اگر میں عورتوں کی زیادتیاں گنا تا رہوں اور اس کی مخالفت میں آپ مردوں کے مظالم سُنایا کریں تو بحث کسی طرح ختم نہ ہوگی اور اس کی تلخیاں بڑھتی جائیں گی۔ اس لئے میری گذارش ہے کہ جو بہنیں اس موضوع پر کچھ لکھنا چاہیں وہ پہلے کسی قانون داں سے اس مسئلہ کے متعلق واقفیت حاصل کر لیں اس کے بعد اظہار خیال کریں۔

میں جو کچھ ذاتی طور پر خیال رکھتا ہوں اسکا میں نے اظہار کر دیا۔ اور یہاں پر میرا فرض ختم ہو گیا۔

"وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ"

محمود الحسن صدیقی۔ بی۔ اے۔

جوبلی پر وصیّت

ایگت پوری ریلوے سٹیشن کے قریب ایک چھوٹے سے خوبصورت بنگلہ میں ایک معمّر پارسن بنام اِلّا بائی رہتی تھی۔ وہ ایک فرم کی مینیجریس تھی۔ اور نہایت درجہ متمول لیکن اُس کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ اُسکا خاوند بھی مدت ہوئی اِنتقال کر چکا تھا۔ گھر کے انتظام اور دیکھ بھال کے لیئے ایک نوجوان پارسی لڑکی مس ہیرا بائی جو یتیم خانہ سے اُس کے ہاتھ لگی تھی مُلازم تھی۔

اِلّا بائی پرلے درجہ کی کنجوس اور بخیل تھی۔ اُس کے دسترخوان پر سے بلی یا کتے کو کبھی ہڈی یا روٹی کا ٹکڑا میسر نہیں ہوا تھا۔ فقیر گھنٹوں اُس کے در پر چلّایا اور سر پٹخا کیئے لیکن ہمیشہ بے نیل و مرام ہی جاتے رہے۔ کئی دفعہ خیراتی فنڈ کے سکرٹری نے آکر خیرات کی خوبیاں ظاہر کیں خوب سر کھپایا اور مغز خوری کی لیکن اِلّا بائی نے خیرات کے لیئے پائی تک جیب میں سے نہیں نکالی۔

بچاری ہیرا بائی کو آئے دن کئی جھڑکنے پڑتے رہتے تھے۔ کہ کھانا کیوں زیادہ پکا لیا گیا، تولیہ کیوں اس قدر جلدی میلا ہو گیا۔ بوٹ ابھی پرسوں پالش کیا تھا آج اتنی جلدی کیوں پھر پالش کیا گیا۔ بغیر ضرورت لمپ کیوں جلایا گیا وغیرہ وغیرہ۔

آج آسمان پر اُودی اُودی کالی گھٹائیں چھا رہی ہیں۔ موسم میں غیر معمولی طور پر خنکی آگئی ہے۔ یہاں تک کہ گرم کپڑا پہنے بغیر باہر نکلنا دشوار ہو رہا ہے۔ اِلّا بائی دفتر میں ہے۔ ہیرا بائی گھر پر کام میں مشغول ہے۔ جبکہ وہ کھڑکی پر چک لگا رہی تھی اُسے ایک عمر رسیدہ عورت جو میلے کچیلے پھٹے پُرانے کپڑے پہنے ہوئے تھی باہر آہ و زاری کرتی دکھائی دی۔ ہیرا بائی نے غور سے دیکھا کہ وہ بڑھی عورت سردی سے لرز رہی ہے۔ بھوک کے مارے اُسکا چہرہ زرد پڑ رہا ہے۔ ضُعف اور نقاہت کی وجہ سے بالکل بے حال ہو رہی ہے۔ اتنے میں کیا دیکھا کہ اُس کے پیر لڑکھڑا گئے اور وہ زمین پر گر پڑی۔ کچھ دیر مانند تختہ بے حس و حرکت پڑی رہنے کے بعد اُس نے آنکھیں کھولیں اور گویا ہوئی "میں مری جا رہی ہوں۔ مجھے کچھ کھانے کو دو۔ ہائے میرا جسم سرد ہو گیا ہے خدا کے واسطے میرے اوپر کپڑا ڈالو" یہ دیکھ کر ہیرا بائی کا دِل بھر آیا۔ آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ دِل تڑپ اُٹھا۔ اس کی امداد کو جانے کو ہی تھی کہ اُسے خیال آیا کہ مینیجریس کے آنے کا وقت ہی ہے۔ اگر میں نے کھانا کپڑا اس عورت کو دیا اور مینیجریس نے دیکھ لیا تو وہ مجھے کھڑے کھڑے نکلوا دے گی اور میں کہیں کی نہ ہوں گی۔ وہ

مجھ پر ہرگز ہرگز رحم نہ کرے گی بلکہ کئی اور الزام عائد کرکے پکڑوا دے گی۔ ابھی وہ یہ سوچ رہی تھی کہ عورت نے پھر آواز لگائی "خدا کے بندوں خدا کے واسطے میری مدد کرو۔ مری! ہائے! میں مری۔ مدد! مدد!" ہیرا بائی سے اب رہا نہ گیا۔ اُس کی انسانیت اور جوہر شرافت۔ جوش میں آگئے۔ اُس نے کہا خواہ کچھ ہو نوکری جائے عزت جائے جان تک جائے میں ضرور بہ ضرور کھانا لیکر جاؤں گی۔ اور بیچ کھیت جاؤنگی۔ ہزار دفعہ میری ملازمت جائے کوئی پرواہ نہیں ہے۔ خدا مسبب الاسباب ہے۔ جس نے پیدا کیا ہے وہ سب کچھ دے گا۔ چنانچہ وہ جھٹ اُٹھی۔ اپنا بستر کھولا۔ کمبل نکالا۔ مکان سے باہر گئی اور کمبل اُس ضعیفہ کو اُڑھا دیا پھر وہ دوڑی دوڑی آئی کچھ روٹی گوشت اور پلاؤ جو اُس کے اپنے حصہ کا تھا مریضہ کے سامنے رکھدیا۔ ابھی وہ پانی لینے کو جا رہی تھی کہ الآبائی یعنی منیجرس یا مالکہ اُس کے پاس ہی کھڑی دکھائی دی۔ دیکھتے ہی ہیرا بائی کی آنکھوں تلے اندھیرا آگیا۔ سکتہ کا عالم طاری ہو گیا۔ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ جہاں تھی وہیں بصورت دیوار کھڑی رہ گئی۔

مالکہ۔ کیا یہ تمام چیزیں تمہارے اس طرح لٹانے کی خاطر رکھ چھوڑی ہیں۔ اور یہ قیمتی کمبل کیا تمہیں اس طرح دے ڈالنے کے لئے دے رکھا تھا۔ شرم اور افسوس کی بات ہے کہ تمنے میرا گھر لٹا دیا۔ مجھے تباہ کر دیا۔ تم ڈاکوؤں سے سازش رکھتی ہو۔ یہ مکار یہ بڑھیا عورت ضرور ڈاکوؤں کے گروہ کی سرغنہ ہے۔ (ضعیفہ کو ٹھوکر مار کر) اُٹھ کتیا۔ نکل یہاں سے۔ ورنہ میں ابھی پولیس کے حوالہ کرتی ہوں (ہیرا بائی کو مخاطب کرکے) خیر اسی میں ہے کہ تم میرا مکان فوراً خالی کر دو۔ جدھر سینگ سمائیں جاؤ۔ ورنہ تمہیں بڑا گھر دیکھنا پڑے گا۔

غیرت اور شرم نے بڑھیا میں طاقت پیدا کر دی اور وہ کمبل کو چھوڑ ایک طرف کو چلی گئی۔ حرمان نصیب ہیرا بائی نے اپنا معمولی سا سامان ایک بقچہ میں باندھا اور بصد حسرت دیاس اُس بنگلہ سے جہاں اُس نے اپنی عمر کے دس سال گذارے تھے نکلی اور سٹیشن کی راہ لی۔ وہاں پہونچ کر معلوم ہوا کہ ریل نکل چکی ہے۔ اور بمبئی کے لئے دوسری گاڑی چار گھنٹہ بعد ملے گی۔ مجبوراً اُسے سٹیشن پر انتظار کرنا پڑا۔ اکیلی بیٹھی بیٹھی بحر خیالات میں مستغرق ہو گئی۔ اور خداوند تعالیٰ سے یوں کہنے لگی ہے" اے خدائے عزّوجل تو جو سب اعلےٰ وادنےٰ پر حاوی ہے۔ دانا بینا ہے۔ منصف و رحیم ہے۔ تو ہی بتا کہ میں نے کیا گناہ کیا ہے جس کی پاداش میں میں اس طرح خانہ بدر کی گئی اور ذلیل و خوار ہو رہی ہوں۔ مجھے تجھ ہی سے اُمید ہے اور تجھ ہی پر میرا بھروسہ ہے۔ تو جو کہ جن انس پرند چرند اور حیوان کو یہاں تک کہ پتھر میں کیڑے کو روزی پہونچاتا ہے

مجھے بھی اپنی مہربانیوں اور الطاف سے محروم نہیں رکھے گا۔ میری عزت وناموس کو حفاظت میں رکھے گا۔ میں اپنے آپ کو تیرے سپرد کرتی ہوں۔ کیونکہ تو قادرِ مطلق۔ نگہبان اور پاسبان ہے۔"

ریل کی کھڑکھڑاہٹ نے ہیرا بائی کے خیالات کے سلسلہ کو منقطع کر دیا۔ اُس نے اپنا مختصر سا بقچہ سنبھالا۔ اُٹھی۔ اور ریل کے ایک درجہ میں جا بیٹھی۔ ریل چل پڑی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ریل بوقت سورج غروب بمبئی کے عالیشان وکٹوریا ٹرمنس سٹیشن پر جا لگی۔ ہیرا بائی بقچہ اُٹھا۔ ٹکٹ دے۔ سٹیشن کے باہر آ کھڑی ہوئی۔ دیکھا کہ ہزاروں کی تعداد میں موٹریں سجی سجائی قطاروں میں کھڑی ہیں۔ دوسری طرف سینکڑوں کی تعداد میں زرق برق گھوڑے فوق البھڑک پوشاک زیب تن کئے استادہ ہیں۔ بیچ میں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر ارگن باجہ، بینڈ باجہ، فرانسیسی باجہ، انگریزی باجہ، ہندوستانی باجہ باری باری سے میٹھے سریلے سروں میں خوشی کے راگ الاپ رہے ہیں۔ یہ سب کچھ دیکھکر ہیرا بائی نے نتیجہ نکالا کہ کسی بہت بڑے بادشاہ کا جلوس نکلے گا۔ کیونکہ موٹروں میں بڑے بڑے عمائدین معزز لوگ اور افسران سرکاری بیٹھے معلوم ہوتے تھے۔ ہیرا بائی ابھی انہی خیالات میں غلطاں و پیچاں تھی کہ ایک ضعیف عورت نے جو نہایت بھڑکدار پوشاک میں ملبوس تھی اُسکا بازو پکڑ کر کہا "میری معزز خاتون آپ کو واضح ہو کہ یہ تمام جلوس آپ ہی کی عزت اور شان میں نکالا جا رہا ہے۔ یہ تمام عمائدین شہر اور بڑے بڑے ذی وقار سیٹھ اور سرکاری افسران آپ ہی کے استقبال کے لیئے حاضر ہوئے ہیں۔ برائے مہربانی میرے ہمراہ تشریف لانے کی زحمت گوارہ فرما دیں۔"

ہیرا بائی یہ سُنکر ہکا بکا ہو گئی۔ سمجھی کہ خواب دیکھ رہی ہوں یا عالم بالا کی سیر کر رہی ہوں۔ قصہ کوتاہ مس ہیرا بائی کو سب سے اول نمبر کی موٹر میں جو لاکھوں روپؤں کے ہیرے جواہرات سے سجائی گئی تھی بڑی عزت سے بٹھایا گیا۔ باجہ نے سلامی لی۔ اور بڑے تزک و احتشام کے ساتھ جلوس روانہ ہوا۔ کچھ عرصہ کے بعد جلوس ایک نہایت عالیشان اور رفیع منزلت محل کے سامنے جو بجلی کے قمقموں سے بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ جا رُکا۔ محل دُلہن کی طرح آراستہ و پیراستہ تھا۔ محل کے دیواروں بُرجوں میناروں پر جگہ بجگہ بجلی کے قمقمے لگائے ہوئے تھے۔ دیکھنے والے کو یہی گمان ہوتا تھا کہ محل زمرد کا بنا ہوا ہے۔

مس ہیرا بائی کو موٹر سے اُتارا گیا اُس شاندار محل میں لیجا کر ایک بہت بڑی زریں کرسی پر بٹھایا گیا جو ہیرے اور جواہرات سے جڑاؤ تھی۔ تمام مہمان حسب مراتب اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ وہی بڑھی عورت جس نے ہیرا بائی کو سٹیشن پر بازو سے پکڑ کر موٹر میں بٹھایا تھا اُٹھی اور اس طرح گویا ہوئی۔

"معزز مہمانو یہ آپ سب پر اظہر من الشمس ہے کہ آپ میری جوبلی کے موقعہ پر مدعو کیے گئے ہیں جس کے

لیے یہ سب خوشیاں منائی جا رہی ہیں۔ اب میں ایک نہایت ضروری اور اہم اعلان یا وصیت کرنے کو کھڑی ہوئی ہوں۔ آج میری عمر کا اسی واں سال ختم ہو رہا ہے۔ میں نے اس سے قبل یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ آج سے میں اپنا تمام کاروبار کسی ایسے متنفس کے سپرد کر دونگی جو نہایت رحمدل ہمدرد منصف مزاج اور صاحب فراست ہوگا۔ ایسے شخص کی تلاش میں میں ایک ہفتہ سے سرگرداں تھی میں نے سارا ملک چھان مارا کوئی خاطر خواہ شخص نہیں ملا۔ لیکن کل جبکہ میں ایگٹ پوری میں اپنے آپ کو ایک ضعیفہ بیمار معذور اور فقیرنی ظاہر کرتے ہوئے ایک جگہ پڑی ہوئی آہ و بکا کر رہی تھی تو اس خاتون نے (ہیرا بائی کی طرف اشارہ کرکے) میرے ساتھ خلوص دل سے سچی ہمدردی کی۔ آنسو بہائے جو اسکے دل کے ترجمان تھے۔ یہ خاتون از حد رحمدل اور نیک نہاد ثابت ہوئی۔ اس نے اپنے روزگار کو ملازمت کو ٹھوکر مار کر ایثار رحمدلی اور ہمدردی کا سب سے بڑا ثبوت دیا۔ چونکہ میرے کوئی اولاد نہیں ہے۔ یا کوئی ایسا رشتہ دار نہیں ہے جس کے حوالہ میں اپنی جائداد کر سکوں۔ اس لئے میں اعلان کرتی ہوں کہ یہ خاتون یعنی مس ہیرا بائی میری جائداد جو پانچ کروڑ ملکیت کی ہے جایز مالک اور وارث ہوگی۔ امپریل بنک بمبئی میں ۳ کروڑ روپیہ میرے نام جمع ہے یہ تمام کی تمام رقم بھی ہیرا بائی کے نام منتقل کر دی جائے گی۔ اس کے علاوہ اسوقت میرے پانچ کارخانہ چل رہے ہیں جن کی سالانہ مجموعی آمدنی پانچ لاکھ روپیہ سے کم نہیں ہے ان تمام کارخانوں کی مالک بھی یہی خاتون یعنی مس ہیرا بائی ہوگی۔ وصیت نامہ ابھی ابھی احاطہ تحریر میں لایا جائے گا اور ابھی سب کچھ پایہ تکمیل کو پہونچایا جائے گا۔ معزز مہانوں اب میں اپنی جانشین یعنی مس ہیرا بائی کو اپنے کارخانوں کے منیجروں سے تعارف کراتی ہوں جن سے انکو اکثر واسطہ رہا کرے گا۔ خاتون ممدوحہ کو اختیار ہوگا خواہ وہ کسی منیجر کو برطرف کر دے ترقی دے یا دیگر کر دے مجھے کسی سے واسطہ نہیں ہوگا کیونکہ میں اپنی بقیہ عمر یاد الٰہی میں بسر کرونگی۔ مادی دُنیا سے کوئی تعلق نہیں رکھوں گی +

چنانچہ منیجران یکے بعد دیگرے سامنے آئے خاتون موصوف (ہیرا بائی) کو ہر ایک نے جھک کر فرشی سلام کیا اور اشرفیاں بطور نذرانہ پیش کیں۔ سب سے آخر میں ایگٹ پوری کے منیجر کی باری آئی۔ یہ ایک معمر عورت تھی اس کی جب ہیرا بائی سے آنکھیں چار ہوئیں تو منیجریس کے ہوش اُڑ گئے۔ اُس پر دہشت خوف وہراس نے مکمل غلبہ پا لیا۔ اور یہ دہم سے زمین پر آ گری۔ پیشتر اس کے کہ کوئی اسکو سنبھالتا ہیرا بائی اپنی کرسی پر سے لپکی اور اس نے معمر عورت کو اپنے زانوؤں پر لے لیا کہ اُسکو ہوش میں لانے کی تدابیر

شروع کر دیں۔ ہیرا بائی اُسکو NURSING نرسنگ کر رہی ہے۔ اُس کی آنکھوں میں سے آنسوؤں کے قطرے نکل کر اُس کے گلابی رخساروں پر بہتے ہوئے اُس کے دامن میں گر رہے ہیں گویا کہ اُسکا دامن گوہر مقصود سے بھر رہے ہیں۔ ناظرین یہ منیجریس وہی اگست پوری والی اِلّا بائی ہیں۔ جن کے پاس عرصہ ہیرا بائی ۱۰ سال مُلازم رہ چکی ہے۔ کون ہیرا بائی؟ وہی بچاری مظلومہ کل جسکو اِس نے مکار و دغا باز چور کہہ کر کھڑے کھڑے گھر سے نکلوا دیا تھا۔ اب وہی ہیرا بائی ہے جسکو کلی اختیارات ہیں کہ وہ ایک قلم کے اشارہ سے اِلّا بائی کو معطل یا برطرف کر سکتی ہے۔ لیکن نہیں ہیرا بائی اسوقت زار و قطار رو رہی ہے۔ الا بائی کی ناساز طبیعت ہونے کی وجہ سے نہایت مضطرب و بے چین ہے۔ تڑپ اور کرب محسوس کر رہی ہے۔

تھوڑی دیر بعد الا بائی ہوش میں آتی ہے۔ اپنے آپ کو ہیرا بائی کے زانوؤں پر دیکھتی ہے۔ اُس کے دِل میں اُس کی عزت اور وقعت کا بیج بویا جاتا ہے۔ پھر دیکھتی ہے کہ اُس کی ناساز طبیعت کی وجہ سے ہیرا بائی کے دِل پر سخت صدمہ گذرا ہے جس کی وجہ سے وہ زار و قطار روتی دکھائی دیتی ہے۔ اب اُس کے دِل میں ہیرا بائی کی سچی محبت اور موانست کا پودا اُگ جاتا ہے وہ اُٹھتی ہے اور وصیت نامہ تیار کرتی ہے کہ

"میری تمام جائیداد اور روپیہ جو بنک میں جمع ہے اُس کی مالک ہیرا بائی ہوگی"

اُسی وقت متذکرہ بالا دونوں بوڑھی عورتیں (الا بائی اور مالکہ کارخانجات) محل سے نکلتی ہیں۔ ایک گرجے میں بقیہ زندگی یادِ الٰہی میں گذارنے کی خاطر جاگزیں ہوتی ہیں۔ ہیرا بائی وصیت کی رو سے بیشمار دولت ہیرے جواہرات محلات کی واحد مالک بنجاتی ہے۔

بہنو۔ اگر ہم ایک نیکی کرتے ہیں تو خدا ہمیں اُسکا سوگنا بلکہ ہزار گنا عوض دیتا ہے۔

بنت محمد یوسف (بمبئی)

بیٹی سے غلط توقع

شادی کے بعد لڑکی سے والدین کی یہ توقع رکھنی کہ ہمیں مالی مدد دیگی انتہائی بے غیرتی اور داماد پر اپنی مفلسی کا بار بار اظہار کرنا نہ صرف اپنی ہی وقعت خاک میں ملانا ہے بلکہ لڑکی کی ستی بھی پلید اور اس کی زندگی تباہ و برباد کرنا ہے پہلے زمانہ کے غیرتدار باوضع لوگ لڑکی کے گھر کا پان بھی نہ کھاتے تھے اور اگر مہمان بھی گئے تو اسکا پورا خیال رکھتے تھے کہ انکی مہانداری کا بار داماد پر نہ پڑے۔ مگر اس زمانہ میں تو خاصے اچھے پڑھے لکھے بھی بہت سے لوگ ایسے ڈھونڈنے سے مل ہی جائیں گے کہ اگر انکا بس چلے تو داماد کے کپڑے تک بکوا دیں۔ والدین کی داماد سے یہ خواہش کہ لڑکی کے پاس زیور اچھا نہیں ہے بنوا دو۔ یا فلاں فلاں کپڑے کی ضرورت ہے لادو یا بچوں کو سیر تماشہ کے لیئے سکھا سکھا کر بھیجنا غرض کسی نہ کسی ڈھب سے اسکا روپیہ اٹھوانا ایسا رکیک فعل ہے جس سے داماد کو سسرال والوں سے ہی نہیں بلکہ ناکردہ گنہگار بچاری غریب لڑکی سے بھی نفرت ہو جاتی ہے۔

میں ایک بی بی کو جانتی ہوں۔ صورت شکل کی اچھی، سگھڑ، پڑھی لکھی اور بڑی نیک طبیعت ہیں۔ انکی شادی ایک رئیس سے ہوئی ابھی سال بھر بھی نہ ہوا تھا کہ سسر صاحب کے داماد کے نام خط جارہے ہیں کہ میرے واسطے لکھنؤ سے ایک عمدہ اچکن کا کپڑا لیتے آنا اور ساس کے لیے چکن کا تھان۔ سالی نے لکھا کہ میرے لیئے گھڑی لایئے گا تو سالے کیوں چوکتے انھوں نے بھی منگائی۔ داماد غریب ان فرمائشوں سے گھبرا گیا۔ مگر بیوی کے منہ سے سب کچھ لانا پڑا۔ جب سسرال پہنچا تو سب کو شادی کرنے کا جرمانہ ادا کیا ساس نے قرضداروں کو داماد کے پیچھے لگا دیا کہ دولہا میاں سے مانگو۔ غریب کا کھانا پینا، سونا باہر نکلنا سب چھوٹ گیا سخت حیران و پریشان تھا کہ کس مصیبت میں پھنسا اور کیسے غریب ذلیل لوگوں سے سابقہ پڑا۔ ادھر سالوں نے بہنوئی کے بکس کھول کر جو جی میں آیا مزے سے نکالا۔ ایک مہینہ کی چھٹی لے کر آیا تھا۔ مگر اس قدر پریشان ہوا کہ تین روز بعد ہی پیچھا چھڑا کر واپس گیا۔ اور بیوی کو بھی ساتھ لیا۔ اب اسے گئے ہوئے چھ سال کے قریب ہوئے خود تو اس بے غیرت سسرال میں کیا قدم دھرتا بیوی کو بھی نہ بھیجا، ساس نندوں نے لڑکی غریب کو طعنے دے دے کر اسکا کلیجہ چھلنی کر رکھا ہے اس کے میکہ والوں کے رویہ سے اسکی طرف سے شوہر کا دل بھی کھٹا ہو گیا۔ لڑکی کی ماں اپنے کرتوتوں پر شرمندہ ہے اور زار و قطار روتی ہے۔

آمنہ نازلی

خدا کا جلوہ

(خاص عصمت کیلئے)

(۱) محاسن و صفات میں
حیات میں ممات میں
جماد میں نبات میں
جہانِ بے ثبات میں
تیرا جمال ضو فگن نظامِ کائنات میں

(۲) دُر و گہر عدن عدن
شمیم گل چمن چمن
یہ ارغوان و یاسمن
گل شقیق و نسترن
تیرا جمال ضو فگن نظام کائنات میں

(۳) دماغ میں ہے دل میں تو
نگاہ میں ہے تل میں تو
ہے آفتاب و ظل میں تو
طلسم آب و گل میں تو
تیرا جمال ضو فگن نظام کائنات میں

(۴) نسیم طرّہ تاب کیا
شمیم مشک ناب کیا
فروغ ماہتاب کیا
حضور کیا غیاب کیا
تیرا جمال ضو فگن نظام کائنات میں

(۵) طلوع آفتاب میں
ترادشِ سحاب میں
نزاکت حباب میں
جلاجل و رباب میں
ترا جمال ضو فگن نظام کائنات میں

(۶) زمین سے جبال تک
جنوب سے شمال تک
طلوع سے زوال تک
ہلال سے کمال تک
ترا جمال ضو فگن نظام کائنات میں

(۷) بہار رنگ و بو ہے کیا
یہ جلوہ نمو ہے کیا
یہ نغمہ آبجو ہے کیا
یہ حسن گفتگو ہے کیا
ترا جمال ضو فگن نظام کائنات میں

(۸) یہ گنبدِ مشعبدی
یہ کاسۂ زبرجدی
یہ حسن صورت سرمدی
یہ جلوۂ محمدی
ترا جمال ضو فگن نظام کائنات میں

۹ امامت و پیمبری
فصاحت و سخنوری
جلالت و سکندری
ریاضت و قلندری
ترا جمال ضو فگن نظام کائنات میں

۱۰ حجر میں تو شجر میں تو
حضر میں تو سفر میں تو
شکست میں ظفر میں تو
منازلِ قمر میں تو
ترا جمال ضو فگن نظام کائنات میں

گنہ کا پردہ پوش ہے
سروں میں عقل و ہوش ہے
بحار میں خروش ہے
کلی کے دل میں جوش ہے
ترا جمال ضو فگن نظام کائنات میں

یہ حتم کیا یہ جزم کیا
یہ ہمت اور عزم کیا
دلاوری کی رزم کیا
سخنوری کی بزم کیا
ترا جمال ضو فگن نظام کائنات میں

عزیز لکھنوی

صفحہ ۲۲۴ کے بعد کے صفحات پر ہندسے غلطی سے
...ح نمبر میں پڑ گئے ہیں۔ بہنیں براہِ کرم ۳۱۷ تا ۳۲۲ کو ۲۲۵ تا
...رلیں۔ اور فہرست مضامین اور اس کے بعد کے صفحہ کا نمبر ۳۳۱
۳۳۲ کرلیں۔
مینیجر

درسِ عبرت

سب عیش و طرب کے ہیں ساتھی۔ جب وقت پڑا تو کوئی نہیں
سب دوست ہیں اپنے مطلب کے۔ دنیا میں کسی کا کوئی نہیں
جو باغ تھا کل پھولوں سے بھرا۔ اٹکھیلیوں سے چلتی تھی صبا
اب بلبل و گل کا ذکر تو کیا۔ خاک اڑتی ہے اس جا کوئی نہیں
دنیا کی نمائش کو دیکھا۔ جھپکی جو پلک کچھ بھی تو نہ تھا
ہستی ہے حبابِ بحرِ فنا۔ اس دم کا بھروسہ کوئی نہیں
کل جنکو اندھیرے سے تھا حذر۔ رہتی تھی الیکٹری پیشِ نظر
ایک شمع جلا دے تربت پر۔ بس مرد ان اب آشنا کوئی نہیں
سوتے ہیں کہاں اہلِ مسند۔ آغاز وہ نیک انجام یہ بد
یا بزمِ طرب۔ یا کنجِ لحد۔ یا وہ مجمع یا کوئی نہیں
فتاں جہاں محبوب جو تھے۔ سونے ہیں پڑے مرقد انکے
یا مرنے والے لاکھوں تھے۔ یا رونے بھی والا کوئی نہیں
بس رنگ جہاں ہے یہی عظمت۔ دنیا کی نمایش کی ہے یہ گت
چند روزہ یہاں کی ہے سب عشرت۔ پھر جز اپنے مولا کوئی نہیں

سردار محمدی بنت نواب فدوائی ازلونی

تصویر کے دو رخ

عنوان بالا کے تحت میں جو مضمون ماہ مارچ میں شایع ہوا ہے اُسمیں دو فرضی اور خیالی رُخ تصویر کے پیش کیے گئے ہیں اس میں غلطی سے ایک خاص شہر کا ذکر آگیا ہے اس لیے چند حضرات کو شکایت پیدا ہو گئی ہے۔ کسی خاص ذات یا طبقہ کی توہین مقصود نہیں ہے مضمون نگار کو افسوس و ندامت ہے۔ اصل غرض سلیقہ شعاری و بد سلیقگی کی دو خیالی تصویریں پیش کرنا تھا۔ جو جلے ناگوار ہیں انکو

...خیال کو بھی خارج سمجھیں۔ ایڈیٹر

زندگی کا بیمہ

سعیدہ۔ میری ننھی سعیدہ ابھی تین یوم ہی کی تھی کہ میری حالت دفعتہً خراب ہوگئی۔ اتنی خراب کہ مرض کے مہلک ثابت ہونے اور جان کے جانے کا احتمال ہوگیا۔ لیڈی ڈاکٹر نے مشورہ دیا۔ کہ سعیدہ کے والد کو جو بسبب اپنے تجارتی کاروبار کے بغداد میں تھے۔ میری حالت کی اطلاع دیدی جائے اور انکو بغداد سے بلالیا جائے تار دیا گیا۔ سعیدہ کے والد تار ملنے پر فوراً بغداد سے روانہ ہوگئے۔ اور اپنی روانگی کی خبر بذریعہ تار دیدی بلکہ جہاز پر سوار ہونے کے بعد بھی بذریعہ وائرلیس۔ میری حالت دریافت کرتے رہے۔ ان کے گھر پہنچنے تک میری حالت کافی روبہ صحت ہوگئی۔ اور چند یوم کے بعد بالکل تندرست ہوگئی۔

سعیدہ ایک ماہ کی ہوگئی۔ یہ میری گود ہی میں تھی۔ میری آنکھوں میں اپنا مرض۔ اور موت، سعیدہ کی یتیمی کا نقشہ کھینچ گیا۔ زبان سے بے اختیار نکل گیا کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ آخر مرنا ہے۔ اب نہ مری تو چند یوم کے بعد مرجاؤں گی۔ کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ۔ ہر انسان کے لئے موت ہے۔ ہر شے کے لئے فنا۔ بہرحال مرنا ہے۔ اگر اس مرض سے مرجاتی تو سعیدہ کا کیا حال ہوتا۔ اس کی پرورش۔ اس کی تعلیم۔ اس کی شادی وغیرہ کون کرتا۔ کس طرح سے ہوتی۔ موت کے بعد میرا اپنا کیا حشر ہوتا۔ میں نے اپنے فرائض زندگی کہاں تک ادا کیے۔ "زندگی کا بیمہ" جو اس عہد پر کیا تھا۔ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ کس حد تک پورا کیا۔ اپنی انیس سالہ زندگی اس بیمہ کی کتنی اقساط ادا کیں ان خیالات نے ایک حقیقت کا انکشاف کردیا جو یہ تھی کہ میری زندگی کے لمحوں میں اس لیئے اضافہ کیا گیا ہے کہ میں کچھ فرائض ادا کرسکوں۔ اگر کوئی نیک عمل ہوسکے اس کے کرنے کی کوشش کروں۔ اور اپنے معصوم بچے۔ اور بچی کی پرورش کا انتظام کروں۔ گو اسوقت میں موت سے بچ گئی اور اگر چند یوم کے بعد اچانک مرگئی۔ تو میں اپنے ننھے بچے کے لیے کیا چھوڑ کر مرونگی۔ ان خیالات نے دل پر گہرا اثر کیا۔ اور مجھے اس امر پر آمادہ کردیا کہ میں اپنی زندگی کا بیمہ۔ یعنے لائف انشور کرادوں۔ جسکا مفاد، میری موت۔ یا زندگی ہر دو حالتوں میں "اشفاق" اور سعیدہ کو ملے۔ میں نے پندرہ سال کے لیئے اپنی زندگی کا بیمہ دس ہزار روپیہ کا۔ ایک مشہور بیمہ کمپنی سے کرادیا۔ اور اس میں یہ شرط لکھوادی کہ بعد اختتام مدت "یا بصورت موت" یہ رقم اشفاق اور سعیدہ کو نصفا نصف ملے۔

بیمہ سے مسلمانوں کی غفلت۔ مسلمان بیمہ سے استنے غافل ہیں کہ عام۔ بے علم جاہل طبقہ کو چھوڑ کر تعلیم یافتہ متوسط اور اعلیٰ طبقہ میں بھی اسکا رواج نہیں۔ مسلمان خواتین تو کیا۔ مرد بھی اپنی زندگیوں کا بیمہ کرانے سے مستغنی اور بے نیاز ہیں۔

مسلمان ملازمت پیشہ جسٹس۔ جج، منصف، کلکٹر، کمشنر، پولیس سپرنٹنڈنٹ۔ جیلر، انجنیر، ڈاکٹر۔ ملازمین محکمہ آبکاری۔ ملازمین محکمہ تعلیم وغیرہ وغیرہ۔ مسلمان آزاد پیشہ۔ بیرسٹر، وکلا، حکما، ڈاکٹر، تجار، زمیندار، جاگیردار وغیرہ وغیرہ، مسلمان کاریگر، خیاط، حداد، نجار، زرگر، کارخانہ دار، وغیرہ وغیرہ سب کے سب بیمہ زندگی یا بیمہ جائداد، کارخانہ جات مکانات، اجناس۔ بالکل لاپرواہ ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اچانک حادثات سے جائداد تلف ہو جاتی ہے اور خاندان تباہ ہو جاتا ہے۔

مسلمان جو کماتا ہے سب کا سب خرچ کر دیتا ہے۔ جو حال مردوں کا ہے وہ ہی عورتوں کا۔ بہت ہی تھوڑے لوگ ایسے ہیں جو کچھ رقم بنکوں میں جمع کرتے ہوں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے۔ تنخواہ تمام کی تمام ماہ بماہ خرچ ہوتی رہتی ہے بونس گریجوٹی پنشن وغیرہ جو مل گئی اسی کو غنیمت سمجھا۔ اگر ایک مسلمان ڈپٹی کلکٹر یا اسی حیثیت کا اور کوئی ملازم جسکو تین سو روپے ماہوار سے ایک ہزار روپے ماہوار تک کی آمد ہو۔ اچانک فوت ہو جائے۔ تو نہ تو بنک میں کچھ جمع ہوگا نہ زندگی کے بیمہ کی پالیسی ہوگی زیادہ سے زیادہ بیوی کا معمولی سا زیور، بیوی، بچے، اور لواحقین دوسروں کے دست نگر۔ زمانہ کے رحم کے محتاج۔

حادثات کا ہونا، قدرتی، فطرتی، اور یقینی ہے، قانون قدرت اس امر کا مقتضی ہے کہ حادثات ہوں۔ مگر اُنکے دماغ کی تدابیر سوچنا، اُنکے مہلک اثرات سے بچنا، یہی فرض انسانی ہے۔ دُنیا کے تمام متمدن ممالک میں بیمہ کا عام رواج ہے۔ یورپ اور امریکہ میں مرد و زن سب کے سب زندگی کا بیمہ کراتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی ہندو عیسائی، پارسی اور دوسری اقوام میں بیمہ کا عام رواج ہے۔

بیمہ کی ابتدا۔ بیمہ کے آغاز کے متعلق مختلف روایات ہیں، قدیم اقوام میں بھی۔ بیمہ مختلف طریقوں پر رائج تھا۔ بعض اقوام کے پیشوا، گرو، پروہت، مذہبی اور مقدس لوگ جو روحانی علم کے دعویدار تھے اور مختلف امراض کو جسمانی اپنے اپنے جادو افسوں وغیرہ سے دور کیا کرتے تھے۔ اگر انکا کوئی پیرو مر جاتا تھا۔ تو یہ پیشوا اس کے کنبہ کی پرورش کیا کرتے تھے۔ یا اگر کوئی شخص کسی امیر، سردار، حاکم وغیرہ کے پاس ملازم ہوتا تھا، تو یہ سردار بھی اکثر اچانک موت کی صورت میں متوفی کے لواحقین کی امداد کیا کرتے تھے۔ ہندوستان کی دیسی ریاستوں، دیسی سرکاروں میں بھی عام رواج تھا کہ ملازمین کی اولاد کی پرورش کی جاتی تھی، اور وظائف مقرر کر دئے جاتے تھے۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے۔ موجودہ طریقہ انگلستان میں سترہویں صدی میں رائج ہے سنہ ۱۶۶۶ء میں لندن شہر ایک زبردست آتش زدگی کی نذر ہوا۔ شہر لندن

خاکستر ہونے کے بعد سنہ ۱۶۸۱ء میں بیمہ کمپنی قایم ہوئی۔ جس نے عمارات کا بیمہ کرنا شروع کیا۔ ایک اور کمپنی قایم ہوئی جو ریل میں سفر کرنیوالوں کا بیمہ کیا کرتی تھی۔ پھر سنہ ۱۷۱۰ء سن یونین کمپنی قایم ہوئی جس کی دیکھا دیکھی بہت سی کمپنیاں قایم ہوگئیں۔ جرمنی میں پہلی بیمہ کمپنی سنہ ۱۷۵۰ء میں قایم ہوئی۔ امریکہ میں سنہ ۱۷۵۲ء فرانس اور روس میں سنہ ۱۸۱۶ء اب مغربی ممالک میں ہزارہا کمپنی بیمہ کا کاروبار کرتی ہیں۔

بیمہ کا مفہوم انشورنس یا بیمہ کا ایک ایسا مشترکہ طریق عمل ایک ایسی تجویز۔ ایک ایسی اسکیم ہے۔ کہ جس کے ذریعے اُن تمام مالی نقصانات کی تلافی ہوسکے جو بعض اچانک اور ناگہانی۔ حوادث کے باعث کسی انسان کو برداشت کرنے پڑتے ہیں مثلاً آتش زدگی کے باعث مال وجائداد کا تلف ہوجانا۔ سمندر میں کسی تجارتی جہاز کی غرقابی۔ ایک کمانے والے کا کسی حادثہ کے باعث ناکارہ اور اپاہج ہوکر زندگی بھر اپنی کوشش سے کچھ نہ کما سکنا۔ موت کے باعث کمانے والے کے حصہ آمدنی سے۔ مالی نقصانات کا بچنا وغیرہ۔ بیمہ سے نہ تو یہ حوادث روک سکتے ہیں۔ نہ بیمہ کا یہ مقصد ہے کہ حوادث کے روکنے کے لیئے قانون قدرت۔ یا مشیت ایزدی کا سد راہ ہو۔ اور نہ بیمہ سے فانی انسان کی موت روک سکتی ہے۔ اور نہ بیمہ موت سے کسی کو بچا سکتا ہے حوادث قانون قدرت کے ماتحت ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ مرنے والوں کو مرنا ہے اور مرتے رہینگے۔ بیمہ انکو نہیں روک سکتا۔ مگر بیمہ کا تعلق صرف اُن نقصانات کی تلافی تک محدود ہے۔ جو ایسے حوادث کا نتایج ہیں ایک شخص یا اس کے کنبہ کو برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ بیمہ کا مفہوم یہ۔ ہے کہ بیمہ سے وہ مالی نقصانات بقدر حصہ اُن تمام نفوس پر تقسیم ہوجاتے ہیں۔ جو بہ حیثیت رکن بیمہ کمپنی ایک دوسرے سے وابستہ ہوچکے ہیں اور بیمہ کے رشتہ دار یا بیمہ کی برادری۔ یا بیمہ کا حلقہ بن چکے ہیں۔ دراصل بیمہ کمپنی ایک مُنظم طریق پر، حکومت کے زیر نگرانی۔ مُلکی قوانین کے ماتحت وہی کام کرتی ہے۔ جو بہت سی مُسلمان برادریاں کرتی ہیں یعنے شادی، غمی، موت وپیدایش کے موقعوں پر لینے دینے، نیوتہ، یا قرض حسنہ یا امداد حسنہ کا جو دستور بعض برادریوں میں ہے۔ اِنہی اُصولوں پر بیمہ کمپنی لین دین کرتی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ بیمہ کمپنی کا رکن سالانہ بقدر حصہ اپنی رقم اقساط کی صورت میں معینہ وقت تک ادا کرتا رہتا ہے اور برادری والوں کو شادی غمی کے موقعوں پر نیوتہ دینا پڑتا ہے۔ جتنی رقومات کسی شخص نے بطور نیوتہ کے اہل برادری کو دے رکھی ہیں وہ تمام بچہ کی پیدایش۔ ختنہ، شادی کی تقاریب یا کسی عزیز کے انتقال پر معہ منافع کے واپس مل جاتی ہیں۔ اسی طرح سے زندگی کا بیمہ کرنے کے بعد جس قدر رقم سالانہ جمع کرائی جاتی ہے وہ وقت مقررہ یا موت کے بعد برادری کے اُن لوگوں سے جو برادری بیمہ کمپنی کے رکن ہونے کی حیثیت سے بنائی گئی ہے۔ خواہ اس کے اراکین دُنیا کے کسی ہی حصہ کے باشندے اور کسی ہی مذہب کے پیرو کیوں نہ ہوں۔ متوفی کے لواحقین کو معہ منافع مل جاتی ہے۔ سوئم۔ اور چالیسویں کے موقعہ پر نہ ہی۔ میونسپل سے موت کے سرٹیفکٹ حاصل کرنے پر ہی۔

بیمہ کی یہ تعریف بھی ہوسکتی ہے کہ بیمہ زندگی کچھ رقم کے بچانے، پس انداز کرنے کا، ایک منظم اور جبریہ طریق ہے۔ جس میں ایک خاص رقم مدت معینہ اور مقررہ تک بعض قواعد وضوابط کے ماتحت ایک شخص کو جمع کرنی پڑتی ہے۔ اور وہ تمام رقم معہ منافع کے جو بیمہ کمپنی کو اُن کاروبار سے حاصل ہوتا ہے جو وہ کرتی ہے۔ بیمہ شدہ شخص کو مدت مقررہ کے بعد مل جاتی ہے۔

اقسام بیمہ۔ مغربی ممالک میں صدہا طرح سے بیمہ کیا جاتا ہے (۱) انسانی زندگی کا۔ مختلف اوقات کے لیئے بیمہ۔ (۲) تمام عمر کا بیمہ۔ آتش زدگی کا بیمہ (۳) غرقابی کا بیمہ (۴) سفر کا بیمہ (۵) شادی کا بیمہ (۶) خوبصورتی کا بیمہ (۷) سرقہ کا بیمہ (۸) موٹر کار، مشینوں، کلوں، کا بیمہ (۹) جہازوں اور ہوائی جہازوں کا بیمہ (۱۰) تعلیم کا بیمہ (۱۱) اعضائے جسمانی کا بیمہ (۱۲) ملازمت سے بیکار ہونے کا بیمہ (۱۳) قیمتی اشیا کا ایک مقام سے دوسرے مقام تک ترسیل کا بیمہ (۱۴) پالتو جانوروں، گھوڑوں، کتوں وغیرہ کا بیمہ (۱۵) قدرتی حوادث، طوفان، بجلی، طغیانی سے تباہ ہونے کا بیمہ۔ غرضکہ مغرب میں ہر انسان اور اس کی کل کائنات بیمہ شدہ ہوتی ہے۔

زندگی کا بیمہ۔ زندگی کے بیمہ کی بہت سی اقسام ہیں۔ مگر دو بڑی اقسام کے ماتحت جملہ اقسام آسکتی ہیں۔ (۱) پہلا طریق اور پہلی قسم تو یہ ہے کہ جس میں رقم بیمہ اگر پالیسی جاری رہے یقینی ہو کر ملے (۲) دوسرا طریق یہ ہے جس میں عارضی اور وقتی بیمہ ہوتا ہے۔ رقم ملے یا نہ ملے، مثلاً ایک صاحب بغداد کا بحری سفر اختیار کرتے ہیں۔ اس سفر کے لیے بیمہ کرائے گا سفر خیریت سے طے ہو گا کچھ رقم بھی ملی پہلی صورت میں رقم کا ملنا ضروری ہے۔ اور طریق اول ہی کے ماتحت زیادہ تر انسانی زندگیوں کا بیمہ ہوتا ہے۔ بیمہ کس طرح سے ہوتا ہے اس کے کیا شرائط ہیں۔ یہ تمام حالات بہت سی کمپنیوں کے پراسپکٹس چھوٹے چھوٹے رسائل ہیں جو بیمہ کمپنیوں کے دفتروں سے مفت ملتے ہیں نہایت آسانی سے معلوم ہو سکتے ہیں۔

بیمہ کی ضرورت۔ مسلم خواتین کو شادی کے بعد زندگی کا بیمہ کرالینا کئی ایک وجوہ سے نہایت ضروری ہے پہلی ضرورت تو یہ ہے کہ مصیبت اور ناگہانی افتاد کی تیاری دوسرے۔ مسلمان عورت ہندو عورت کی طرح سے۔ جب بچوں [کی] ماں بنتی ہے تو بچے کی تعلیم اور بیٹی کی شادی کے لیئے کچھ جمع نہیں کرتی۔ اور بہت سے مسلمان تو بیٹی کو شرعی ورثہ سے بھی محروم رکھتے ہیں۔ ہندو ماں کو بیٹی کا بہت فکر ہوتا ہے اور یہ عادت ہندوؤں میں صدیوں سے چلی آتی ہے۔ مگر مسلمان ماں [ا]س فکر سے بے نیاز ہوتی ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بیٹی شادی کی عمر کی ہوگئی، میاں کو پنشن ہوگئی۔ اچھے وقت میں کچھ جمع نہ کیا۔ [مک]ان گروی رکھ کر گھر سے بیٹی کو اُٹھایا۔ اگر زندگی کا بیمہ ہوتا تو دس پندرہ سال کے بعد معقول رقم مل جاتی اور وقت پر کام [آ]تی۔ زچگی میں اکثر جانیں ضایع ہو جاتی ہیں۔ اس لیے بھی بیمہ کرالینا اچھا ہے۔

بیمہ کے نقصان۔ اگر بیمہ کی اقساط باقاعدہ نہ دی جائیں تو پالیسی ضایع ہو جاتی (۲) اگر تین سال کے بعد جمع شدہ رقم [کمپنی] سے واپس طلب کیا جائے تو پوری رقم نہیں ملتی ؎

والدہ سعیدہ؛ مسماۃ مریم حافظ اشرف حسین کراچی

اندلس کی نامور مسلم خواتین

امیر حکم ثانی کے زمانے میں ایک خاتون فضل نامی گزری ہیں بڑی دانشمند لایق بیوی تھیں ان کی
شب و روز یہی کوشش رہتی تھی کہ بہترین اور عمدہ ترین علم حاصل کریں اور پاکیزہ اعلیٰ کتب سے اپنے کتب خانہ
کو مزین کریں انکے والد عفار بن نصر تیمی اپنی پیاری بیٹی کے اس شوق کو پورا کرکے بے حد خوش ہوتے تھے
کیونکہ انکی چہیتی لاڈلی بیٹی کی فضیلت علمی کی دھاک سارے اندلس میں بیٹھی ہوئی تھی یہاں تک کہ امیر وقت تک
اس کی قدر کرتے تھے۔ ایسی بیٹی پر باپ بجا طور پر فخر و ناز کر سکتا تھا۔

امیر حکم ثانی کا ایک درباری نادم تھا اس کی شہرت تاریخ میں اس کی بیٹی **فاطمہ** کی وجہ سے ہوئی۔ یہ
فاضل لڑکی نہایت لایق استانیوں سے تعلیم پائی ہوئی تھی خوشخط ایسی تھی کہ حکم کے فرمان سے خاص بادشاہ
کے کتب خانہ کے لیے کتابوں کی نقل و کتابت یہی فاطمہ کرتی تھی جس کے صلہ میں انعام و اکرام مراحم [illegible]
مالامال ہوتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اس کی معاشرت اور صحبت بہت اعلیٰ خواتین کے ساتھ تھی شہزادیاں خسروی
بیگمات اس کی بہت قدر کرتی تھیں۔

غایتہ۔ ایک کنیز تھی مگر شاعری میں اعلیٰ درجہ رکھتی تھی ایک امیر نے بادشاہ معتصم سمادی کے دربار میں بادشاہ
کی خدمت میں اسکو پیش کیا بادشاہ نے امتحان کے طور پر کہا تیرے نام کی تضمین کر فی الفور چند اشعار میں اپنے نام کی
تضمین اس خوبی سے کی کہ جس سے بادشاہ شعراء دربار بہت محظوظ ہوئے۔

مریم اشبیلی ایک لایق فاضل خاتون تھیں انکی ہر ایک علم میں دسترس تھی۔ اپنے وطن اشبیلیہ میں
ایک مدرسہ بہت بڑا جاری کرکے تعلیم دینے لگی تھیں۔ اس مدرسہ نے رفتہ رفتہ ایک کالج کی صورت اختیار
رلی تھی۔ شہزادیاں۔ رئیسوں کی بیٹیاں، شریفوں کی لڑکیاں تعلیم حاصل کرنے کے لیے یہیں آتی تھیں۔ یہ ویندار
ترم خاتون نہایت وقار کے ساتھ انھیں تعلیم دینے میں مشغول رہتی، فقہ، حدیث، ادب، تاریخ، جغرافیہ کی تعلیم
ایت سلجھے ہوئے طریقے عمدہ پیرایہ میں دیتی تھیں۔ اکثر بیشتر امیرزادیاں مریم کی دست بوسی کی آرزو رکھتی تھیں
ر نہایت عقیدت سے اسکا ہاتھ چومتی تھیں۔

یہاں کی فارغ التحصیل طالبات کو بڑے امرا و سلطنت شہزادگان فضلاء ملک اپنے عقد میں لاتے تھے۔ اور موقع
خ سے انھیں عمدہ جگہوں پر تعینات کرتے تھے۔ مریم کی فضیلت علمی اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ بادشاہ وقت تک

مریم کو نذر و نیاز پیش کرتے تھے۔ مریم نے عمر طبعی کو پہنچکر انتقال کیا۔ تا دم مرگ درس تدریس کے دلچسپ شغل میں مصروف رہیں۔

اسما اشبیلیہ کی ایک تعلیم یافتہ خاتون تھیں یہ بنوعامر کے معزز قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں مگر الموحدین کے زمانہ تک بنوعامر کا جاہ و جلال رخصت ہوچکا تھا فلاکت وادبار کی سیاہ گھٹا میں یہ معزز خاندان پھنس گیا تھا۔ جس کی ایک معزز فرد اسما بھی تھیں جو زمانے کے ہاتھوں بہت تکلیفیں اٹھا رہی تھیں۔ لیکن تھیں نہایت عالمہ، فاضلہ، عقیل و فہیم، جب عبدالمومن بن علی کا زمانہ عروج پر آیا تو اسما نے اپنے افلاس سے تنگ آکر ایک دردبھرا قصیدہ بادشاہ کی خدمت میں لکھ بھیجا۔ جس سے بادشاہ بہت متاثر ہوئے اور اسما کی تازیست معقول پنشن مقرر کر دی +

بنوامیہ کے حاجب مظفر ابن حاجب ابی عامر کے زمانے میں عائشہ بنت احمد کے کمال کی دھوم سارے اندلس میں پہنچ گئی تھی۔ اس کے فضل و کمال کے سامنے کسی کی کوئی ہستی نہ تھی۔ عالم فاضل ہونے کے علاوہ نہایت اعلیٰ پایہ کی شاعرہ بھی۔ نیز فن خطاطی میں بے نظیر مانی جاتی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ نہایت درجہ حسین اور بہت ہی پاکیزہ اخلاق آزاد خیالات رکھتی تھیں۔ انہیں فخر تھا بجا فخر تھا کہ ہر امیر ہر عالم یہاں تک کہ بادشاہ کے کتب خانہ میں انھیں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں زینت بنتی تھیں۔ بادشاہوں کے دربار علما شعرا کی خدمت میں بے جھجک بے دھڑک جاتی تھیں اپنے مضامین قصائد اشعار فن خطاطی کے بہترین نمونہ پیش کرکے خراج تحسین وصول کرتی تھیں معقول انعام اکرام سے سرفراز ہوتی تھیں۔ انہیں اپنے ترقی علم کا اتنا شوق تھا کہ شادی کو حارج علم تصور کرکے مدت العمر شادی نہ کی۔ یوں دُنیا کو اپنے پر تحسین و آفریں کرتی ہوئی دُنیا سے رخصت ہوگئیں۔ نہ کبھی اپنے حسین خوبصورت چہرے کو نقاب سے چھپانے کا خیال کیا +

احمد بن قاسم قرطبہ کے ایک معزز خاندان کے عالم شخص تھے اُنہیں اپنی عزیز لاڈلی بیٹی **عایذہ** سے بے حد محبت تھی۔ عائذہ اچھی شاعرہ تھی نہایت پابند مذہب زاہدہ تھی حسین و جمیل بھی تھی عایذہ کے چند اشعار اتنے لطیف و پیارے تھے کہ خلیفہ عبدالرحمٰن ناصر کو اتنے پسند آئے برسر دربار خلیفہ نے بہت تعریف کی +

اندلس کی دو خاتونیں ایک ہی نام **صفیہ** سے مشہور تھیں ایک کا وطن قرطبہ دوسری کا اشبیلیہ دونوں باعلم، باجمال، باکمال، شاعری اور خطاطی کی دونوں ماہر تھیں ایک تو خلیفہ الناصر کی خاص خوشنویس شاعرہ تھی جس کی زمزمہ سنجی، خوش گلوئی سے خلیفہ بہت مسرور ہوتے تھے۔ دوسری نہایت فصیح بلیغ مقررہ شاعرہ تھی +

ابوالحسن شاعر کی محبوب بیٹی حسانہ ابھی کنواری تھی کہ یتیم ہوگئی باپ نے اپنی زندگی میں علوم مروجہ کی نہایت مکمل تعلیم دی تھی شاعری میں بھی ملکہ رکھتی تھی لیکن باپ کے بعد زمانے کے ہاتھوں بہت تنگ ہوگئی یہاں تک کہ لوگ اسکو یتیمہ ہی کہنے لگے۔ آخر حکم اول کا زمانہ آیا اس نے چند اشعار اپنے حسب حال لکھ کر امیر کی خدمت میں روانہ کیئے۔ امیر نے ایک نامہ روانہ کیا کہ اسکو دکھاکر میرے عامل کے پاس سے ماہ بماہ وظیفہ وصول کرلو۔ اس کے چند ہی ماہ بعد حکم کا انتقال ہوگیا۔ گورنر نمک حرام نے وظیفہ مقررہ بندکردیا بیچاری حسانہ پھر سے تکلیف کی حالت میں زندگی بسر کرنے لگی آخر مجبور ہوکر اپنے وطن دا دالمجارا سے دارالخلافہ قرطبہ کو روانہ ہوئی۔ اور خلیفہ کی ایک حرم کی بدولت خلیفہ کے حضور باریاب ہوئی چند موزوں فی البدیہ اشعار سنائے اور مرحوم خلیفہ کی تحریر بھی دکھائی جس کو دیکھکر خلیفہ بہت متاثر ہوئے اور حسانہ کی بہت تعریف وعزت کی گورنر کو معزول کرکے حسانہ کو انعام اکرام سے سرفراز کیا اور معقول وظیفہ بھی مقرر کردیا۔"

~~~~~~~~~~~~~~~~

عصمتی بہنیں ان معزز محترم خواتین کے مختصر حالات پڑھ کے محظوظ ہوئی ہونگی۔ یہ مقتدر ہستیاں ایسی جگہ پیدا ہوئی تھیں جس جگہ سے ہندوستانی مستورات بہت کم واقف ہیں۔ اب اندلس میں ان خواتین کا نام تو نام قبروں تک کا نشان باقی نہیں۔ ظالم بے درد نصارا کے تعصب نے جہاں ان خواتین کی معنوی اولاد (تالیف وتصانیف) کو نذر آتش کردیا وہیں انکی قبروں کو بھی مسمار کرکے سطح زمین کے برابر کردیا لیکن یہ ایسی ہستیاں تھیں کہ باوجود نیست نابود ہوجانے کے تاریخ میں آج تک زندہ ہیں بقائے دوام کے پھولوں سے آراستہ۔

خداوند عالم ہمیں بھی توفیق دے کہ ہمارے خاکی جسم خاک میں مل جائیں روح اپنے مقام مقصود پر چلی جائے قبریں تک بھی نہ رہیں لیکن ہمارے کام ہمارے نام اُس کے بندوں کی رہبری کے لیئے باقی رہ جائیں۔ آمین ثم آمین۔

گوکہ یہ درخواست بے موقع ہے یہ توقع بے جا ہے مگر بہنوں سے بصد عرض کرونگی کہ ان خواتین کی روح کو خوش کرنے کے لیئے ہاتھ اُٹھائے۔ دوگرم گرم آنسو انکی یادمیں گرائے زبان سے انکی روح پر درود پڑھ کر بخشے اس سے ان کی ارواح طیبات خوش ہونگی اور آپ کے حق میں دُعا گو۔ مہر النساء اطہر

غدر دہلی کے جگر خراش حالات بیگمات کے مصائب شہزادیوں کی بپتا، بادشاہ کے دل ہلا دینے والے صدمات پچاس سال پہلے کی معاشرت وغیرہ کی کیفیت علامہ راشد الخیری مدظلہ کی کتاب وداع ظفر میں دیکھئے۔
~~~~~~~~~~~~~~~~

صندل چراغاں

عصمت بابتہ ماہ دسمبر سنہ ۱۹۲۹ء میں فاطمہ بیگم صاحبہ نے بمبئی میں صندل دیکھ کر اظہار تعجب کیا ہے
ور اس کے استعمال کے متعلق بھی کچھ لکھا ہے، اس کے بارے میں چند باتیں اور بھی سُن لیجئے۔ دکن میں عرس
کے لوازمات میں صندل چراغاں اور باسی چراغاں شریک ہیں بعض بعض درگاہوں پر ان دو تین رسوات کے
علاوہ اور رسومات بھی ادا کی جاتی ہیں مگر صندل اور چراغاں تا وقتیکہ نہ ہوں عرس ہی نہیں ہوتا۔
دکن میں جس قدر درگاہیں چلّے وغیرہ ہیں ان سب پر صندل مالی لازمی ہے، اس کی تاریخ سے بحث نہیں
فی الحال میں یہ نہیں بتلا سکتا کہ یہ رسم کب سے رائج ہے مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ تقریباً تین سو سال سے اس رسم
کا وجود ہے، ہر ایک درگاہ کا عرس صندل سے شروع ہو کر چراغاں پر ختم ہوتا ہے پہلے روز عموماً سر مغرب صندل
لاتے ہیں اور اسے درگاہ کے پاس رکھکر رات بھر قوالی وغیرہ میں گزار کر صبح قبل نماز فجر یا بعد نماز فجر صندل مالی
ہوتی ہے اور پھر دن میں ختم قرآن وغیرہ کیا جاتا ہے اور رات میں چراغاں کیے جاتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ قوالی بھی
اسی طرح اس کے دوسرے روز باسی چراغاں ہوتے ہیں اور عرس ختم ہو جاتا ہے عموماً صندل کا جلوس شاندار
ہوتا ہے اور چراغاں کے روز درگاہ پر خاصا میلا ہوتا ہے، باسی چراغاں بھی خالی نہیں جاتے، صندل عموماً کسی ایک
مقرر کردہ جگہ سے مقرر کردہ وقت پر لیجایا جاتا ہے ہر بزرگ کے مزار کا صندل کسی نہ کسی مناسبت سے کسی خاص جگہ
سے نکالتے ہیں یہاں پر یہ طریقہ ہے کہ صندل کی لکڑی کو صندلاسہ پر پانی ڈال کر گھستے ہیں اور اسکا صندل
نکال کر جمع کرتے جاتے ہیں اس میں عموماً گلاب کی پتیاں ملائی جاتی ہیں بعض بزرگوں کے لیئے جو صندل تیار کیا
جاتا ہے اس میں پانی کے ساتھ ساتھ گلاب اور کیوڑہ ملا کر صندل گھسا جاتا ہے اور بعضوں کے لیے صرف گلاب
اور کیوڑے میں بلا پانی ملائے۔ اس صندل کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہوتی بڑے بڑے بزرگوں کے لیے حسب
مراتب زیادہ اور چھوٹوں کے لیئے کم ہوتا ہے مگر چھوٹے سے چھوٹے بزرگ بھی سیر بھر سے کم صندل کے مستحق
نہیں ہوتے (حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز (گلبرگہ شریف، دکن) کے لیے جو صندل تیار کیا جاتا ہے وہ گلاب کی
پتیوں کو ملا کر تولا جائے تو کسی حال میں دس بارہ سیر سے کم نہیں ہوتا چونکہ دکن کے سب سے بڑے بزرگ ہیں اور
خواجہ غریب نواز کے بعد آپ ہی کا نمبر ہے اس لیئے ایسا ہونا بھی چاہیئے۔ عموماً دن میں صندل گھس گھسا کر تیار

رکھا جاتا ہے اور اسی کشتی وغیرہ میں جاکر ایک لکڑی کی مخمل منڈھی ہوئی بڑی سی کشتی میں رکھہ دیتے ہیں اور اس کے ۔۔۔۔ جماعت
اوپر مخمل کا کامدار غلاف اڑھا دیتے ہیں جسے "طرہ پوشش" یا- طورہ (تورہ) پوش" کہتے ہیں جب لے چلتے ہیں تو اس
کشتی کو کسی مرید یا مرید سلسلہ کے با اخلاص سر پر رکھہ دیتے ہیں اور کشتی شامیانے کے سائے میں لے لی جاتی ہے شامیانہ
عموماً مخملی ہوتا ہے جس کی چوبیں نقرئی ہوتی ہیں اور ان چاروں چوبوں کو مزدور اٹھائے چلتے ہیں- آگے باجہ ہوتا ہے،
عموماً سپاہی وغیرہ بھی ہوتے ہیں اور پھر صندل کی کشتی معہ شامیانہ اس کے سامنے یا پیچھے مولود کی جماعت صندل
کے متعلق قصیدہ پڑھتے ہوئے یا قوالوں کی چوکی صندل ہی سے متعلق کوئی ٹھمری یا غزل گاتے ہوئے چلتی ہے اس کے
پیچھے مریدان با اخلاص اور معتقدین تماشائی وغیرہ ہوتے ہیں- بعض بزرگوں کا صندل گھوڑے اور اونٹ وغیرہ
پر بھی جاتا ہے، جلوس کی زیادتی بھی بلحاظ مراتب ہوتی ہے، حضرت خواجہ بندہ نواز رح کے صندل میں تقریباً پانچ چھ
فرلانگ کا جلوس ہوتا ہے آگے آگے سوارہ پولیس پھر پیدل پولیس اس کے بعد اونٹوں کی قطاریں اور انکے بعد مختلف
ورزش گاہوں کی ٹکڑیاں ایک نیڈی پر ستوں باندھے ہوئے جسے "ملکھم" کہتے ہیں اس پر چڑھتے اُترتے مختلف
کمال کرتے ہوئے انکے بعد بے قاعدہ فوج، عرب، سندھی، لین وغیرہ کے جوان رجز پڑھتے اور بندوقیں
سر کرتے ہوئے انکے آگے پیچھے سینکڑوں بجلی کے ہنڈے جھاڑ فانوس وغیرہ مزدوروں کے سر پر صندل شریف
کے شامیانے کے آگے مولود کی کئی ایک جماعتیں گلے بازیاں کرتی رہتی ہیں- کوئی جماعت

ہے یہ بندہ نواز کا صندل

گاتی ہے تو کوئی ع صندل ہے آج خواجۂ گیسو دراز کا

گاتی ہے اس کے بعد ایک بہت بڑی کشتی صندل سے بھری ہوئی شامیانے کے درمیان ہوتی ہے ایک
ہی اسکو تھاما ہوا رہتا ہے مگر معتقدین بھی ہاتھ لگا کر وزن بٹا لیتے ہیں مستقر صوبہ کے کل عہدہ دار صوبہ دار
ناظر) تعلقدار (کلکٹر) دوم تعلقدار (ڈپٹی کلکٹر) مہتمم کوتوالی، تحصیلدار، ڈاکٹر سے لیکر پوسٹ ماسٹر تک
ب صندل کے ساتھ ہوتے ہیں یہ صندل گورنمنٹ ہاوز (ایوان صوبہ داری) سے یا محبوب گلشن (پبلک
ان) سے نکلتا ہے کئی سو روپے سرکار عالی کی طرف سے سالانہ صندل کے لیئے مرحمت ہوتے ہیں اور عموماً
حضرت حضور بندگان عالی شہریار دکن خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ بھی عرس میں تشریف فرما ہوکر صندل میں شرکت
کرتے ہیں- عموماً صندل سر مغرب نکل کر دس ساڑھے دس بجے درگاہ کو پہونچتا ہے- گویا تین ساڑھے تین میل کا
راستہ چار ساڑھے چار گھنٹے میں طے ہوتا ہے، یہ تھا گلبرگہ کے صندل کا حال حیدرآباد کے صندلوں میں ایسا
زبردست صندل نہیں مگر مجمع یہاں بھی خاصا ہوتا ہے گو فوج وغیرہ نہیں ہوتی مگر پبلک رہتی ہے،

چار چھ سال سے بعض ہمدردانِ قوم نے یتیم خانے وغیرہ کھول دئے ہیں زینت صندل بناکر یتیم خانے
کے لڑکوں کو بھی بھیج دیتے ہیں ایک لانبے بانس پر ایک مقوی کا ٹکڑا لگا ہوا اس پر جلی حرفوں میں انجمن یا یتیم خانہ
کا نام لکھا ہوا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ایک ہی وضع قطع اور رنگ کا لباس پہنے ہوئے لڑکے ہوتے ہیں چونکہ
کئی ایک یتیم خانے اور انجمنیں ہیں اسی لیے ہر ایک نے اپنی وردی الگ الگ مقرر کرلی ہے ان بچوں سے بھی صندل
میں خاص شان پیدا ہو جاتی ہے۔

حیدرآباد میں شاہان جنت نشین کے اعراس بھی ہوتے ہیں اور ان کے صندلوں میں فوج وغیرہ بھی ہوتی
ہے اور پورے جلوس کے لوازمات ہوتے ہیں اور اُمرار پائگاہ کے صندلوں میں اسیطرح !

جیسا کہ میں نے قبل ازیں لکھا ہے کہ صندل مزار پر لیجاکر رات میں رکھ دیا جاتا ہے نماز فجر سے پہلے یا نماز فجر کے
بعد عموماً صندل مالی ہوتی ہے چنانچہ گلبرگہ شریف کی صندل مالی کا حال سُن لیجئے،

پہلے مزار پر کے تمام غلاف (جو چار چھ کی تعداد میں ہوتے ہیں) اُتار دیئے جاتے ہیں اس کے بعد مزار کو گلاب
اور کیوڑے کے پانی سے دھویا جاتا ہے پھر صندل مالی ہوتی ہے چونکہ مزار بہت اونچا اور لانبا ہے اور تقریباً
پورا مزار صندل کا ہے (اصلی مزار نیچے واقع ہے) اس لیے اس میں بعض سفید بڑے بڑے چوہوں نے اپنے
بڑے بڑے نشیمن بنالیے ہیں پہلے تو ان چوہوں کے سوراخوں میں صندل کو مٹی کی طرح تھوپ دیتے ہیں پھر سارے
مزار کو صندل سے ملتے ہیں اس صندل مالی میں صرف خاص خاص خدام اور مشائخین عظام اور اعلےٰ طبقے کے
لوگ ہوتے ہیں۔ عام لوگ جانے نہیں پاتے مزار شریف دھونے کے بعد اس کا پانی تبرکاً حاضرین منہ پر ملتے اور بعض
لوگ تھوڑا سا پی بھی لیتے ہیں۔ علیٰ ہذا بچا کھچا صندل بھی۔ خوش نصیبی سے دو تین دفعہ مجھے بھی اس متبرک منظر کے دیکھنے
کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔

مذہبی اور اخلاقی نقطۂ نظر سے ہٹ کر "تماشائی نقطۂ نظر سے" صندل بڑی دلچسپ چیز ہوتی ہے میری
دانست میں ہر ایک مشائخ اس کا آرزومند ہوگا کہ مرنے کے بعد اسکا صندل بڑی شان و شوکت سے نکلے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

سید تمکین الکاظمی

"جن" مریخ کے باشندے ہیں

جنوں کے وجود کے متعلق علمار مشرق و مغرب کے مختلف خیالات ہیں۔ اہل اسلام قوم جن کے وجود کو سورۂ جن کی بنا پر تسلیم کرتے ہیں۔ یورپ والے اس مسئلہ میں مختلف الخیال ہیں۔ بعض تو سرے ہی سے اس کے منکر ہیں اور بعض اس کی مختلف صورتیں بتاتے ہیں۔ یورپ اور امریکہ کے رسایل میں اکثر اس عنوان کے ماتحت مباحث ہوتے رہتے ہیں اور بعض علمار نے اپنے نظریہ شرح و بسط کے ساتھ مستقل تصانیف کی صورت میں پیش کیے ہیں۔

سورۂ جن کے مطالعہ سے صرف اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ جن بھی منجملہ دیگر مخلوقات کے ہیں لیکن تفاسیر احادیث اور اقوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنوں کی قوم آتشی ہے اور انسے انسانوں کی بہ نسبت زیادہ خرق عادت باتیں رونما ہوتی رہتی ہیں وغیرہ۔

میں نے مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا ہے اور علمائے مغرب کے خیالات کے روبرو اسلامی نقطہ نظر پر غور کیا ہے اور میری سمجھ میں جو بات آئی وہ عصمتی بہنوں کے سامنے پیش کرتی ہوں۔ اس مضمون سے ہرگز میرا یہ مطلب نہیں کہ میں قرآن و احادیث کے خلاف کوئی بات کہوں اور نہ میرے مضمون میں کوئی ایسی بات نظر آئے گی۔ مذہب نے ہمیں غور و فکر کی اجازت دی ہے اور ہر صاحب فکر کو لازم ہے کہ بغیر غور کے وہ کوئی بات قبول نہ کرے سوائے ان مسائل کے جن میں اپنا علم محدود ہو مثلاً مسائل شرعی وغیرہ۔ مسئلہ زیر غور کوئی شرعی مسئلہ نہیں چنانچہ میرے اس مضمون کو کسی دوسری روشنی میں دیکھنا میرے ساتھ ظلم ہوگا۔

آیت وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ سے واضح ہے کہ انس و جن کا مقصد تخلیق ایک ہے اور اسی آیت سے اس قوم کے وجود کا مسئلہ بھی طے ہو جاتا ہے۔ دونوں کے مقصد تخلیق کے ایک ہونے اور دونوں میں قومیت کے عناصر کی موجودگی سے کہا جا سکتا ہے کہ جنوں میں بہت سی باتیں انسانوں کی سی پائی جاتی ہونگی۔ سورۂ جن میں کوئی بات ایسی نہیں پائی جاتی ہے جس سے ظاہری طور پر جنوں کی زندگی، انکے خمیر یا انکے متعلق کوئی اور بات معلوم ہو جو ہمیں "جن" کی صورت بتانے میں مدد دے، لیکن مفسرین نے اپنے وسیع علم کی مدد سے ایک خیال قایم کیا ہے اور ہم لوگ اس خیال کے پابند ہیں۔

میں کہتی ہوں کہ قوم جن کا مسکن مریخ ہے اور جیسے ہم دُنیا میں رہتے ہیں اسی طرح یہ کرۂ مریخ میں رہتے ہیں۔ کچھ دنوں سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ کرۂ ارض کی طرح یہ سیارہ بھی آباد ہے اور وہاں کے باشندے سائنس میں ہم لوگوں سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ کرہ مریخ کی ہُوا کا وزن یہاں کی ہوا سے کم ہے اور اسی بنار پر یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ وہاں کے آلات نقل وحرکت بہ نسبت دنیا کے زیادہ تیز رفتار اور عمدہ ہونگے۔ چند سالوں کی بات ہے کہ ایک بہت زوردار اور تاریک آندھی آئی تھی۔ اسی آندھی کے دوران میں لاسلکی (وائرلیس) کے اسٹیشنوں پر بعض ایسے الفاظ سُنے گئے تھے جو انسانی زبان سے مختلف تھے اور ان کو کوئی سمجھ نہ سکا۔ علمار نے اس خیال کے ماتحت کہ یہ الفاظ اہل مریخ کے پیغامات ہیں اپنی طرف سے پیغامات بھیجے تھے لیکن چونکہ ہمارے آلات صوت اُس حد تک کمل نہیں ہیں اس لئے یہ تجربہ کامیاب نہیں ہوا۔

کرۂ مریخ کی حرارت دُنیا کی حرارت سے نسبتاً بہت زیادہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہاں کی ہوا کا وزن بہ نسبت یہاں کی ہَوا کے ہلکا ہے۔

اَب اِن باتوں کے بالمقابل اسلامی روایات پر غور کیجئے۔ جنوں کا وجود مسلم ہے۔ انکی قومیت مانی ہوئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ان سے ایسی باتیں ظہور میں آتی جو ہمیں خرق عادت معلوم ہوتی ہیں۔ اہل مریخ کی سائنسدانی انسانوں سے کتنی زیادہ ہے چنانچہ انکے کرشمہائے سائنس اِنسانی فہم سے بالاتر ہوا کرتے ہیں اور انسان انہیں خرق عادت کہتا ہے۔ کرۂ مریخ کی حرارت دنیاوی حرارت سے کہیں زیادہ ہے چنانچہ وہاں کے باشندوں کا مزاج بہ نسبت اِنسانوں کے بہت زیادہ گرم ہوتا ہوگا اور ان کو آتشی مخلوق کہا جا سکتا ہے۔

اب ان صورتوں پر غور کرنے کے بعد اگر مریخ کی آبادی کو "جن" کے نام سے موسوم کیا جائے تو اس میں کونسا امر مانع ہے۔ یہ بات دیگر ہے کہ ہمارے خیالات عام روایات کی بنار پر اس انوکھی تحریک کو قبول نہ کریں اور آئے دِن کے واقعات، جو اکثر گھروں میں سُننے میں آتے ہیں اس مختلف الخلقت قوم کا خوف جو عرصہ سے ہمارے دِلوں میں بیٹھا ہوا ہے زایل نہ ہونے دیں۔ لیکن مندرجہ بالا صورتوں پر غور کرنے کے بعد مجھے اس انوکھے خیال کو قبول کر لینے پر تامل نہیں معلوم ہوتا اور بہر حال یہ ہماری مذہبی روایات کے مطابق معلوم ہوتا ہے اور انکی بنیاد کو اور زیادہ قوی کرتا ہے +

شہر بانو بنت محمد امیر صاحب مظفرپور

بچّہ کو پہلا سبق

اے میرے لختِ جگر! اگر تو ابھی بچہ ہے۔
لیکن سُنتی ہوں۔ بچہ کا پہلی مکتب ماں کی گود ہے۔
یاد رکھ اور اچھی طرح یاد رکھ کہ جب تو جوان ہو تو
ان ظالم مردوں کا ساتھ نہ دے جن کے سر پر
نفسانیت کا بھوت سوار ہے اور جو عورتوں کو
اپنی ملکیت سمجھتے ہیں میری جان عورتوں کے حقوق
کو جان۔ انکو ظالم مردوں کے پنجے سے آزاد کرا اور
ایک ایسی مثال قایم کر کہ ظالم مرد تجھ سے عبرت
حاصل کریں۔ دُنیا کو بتا دے کہ عورت عفت و عصمت
کی پتلی۔ محبت و وفا کی دیوی ہے۔

میرے پیارے! تو دُلہن بیاہ کر لائے گا۔ لا۔
مگر اسکو لونڈی نہ بنا۔ باندھی نہ سمجھ۔ رواج کے چوکھٹ
پر قربان نہ کر۔ اور پھر دیکھ وہ کیسی وفادار ہے
تجھے خدا لڑکیاں دے گا۔ مگر اُن کو بلا
نہ سمجھ۔ آفت نہ جان۔ اُن کو تعلیم دے۔
ہُنر سکھا۔ اور دُنیا کے لئے نمونہ بنا۔ وہ بیاہی
جائیں گی۔ کیا اچھا دن ہو گا۔ مگر دولت کے لالچ پر
قربان نہ کر۔۔۔۔

بچہ مُسکراتا ہے اور ماں سے چمٹ جاتا ہے

محمد اسد حسین مدراسی

ہر شخص کا علاج

بلا سوچے سمجھے ہر شخص کی بتائی ہوئی دوا کا استعمال
ہرگز نہ کرنا چاہیئے بعض بہنوں کی عادت ہوتی ہے کہ جہاں
کسی اناڑی سے اناڑی نے بھی کسی مرض کا کوئی علاج بتلایا
بس آپ جھٹ اسے کرنے لگیں خواہ اس نا عاقبت
اندیشی کا نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو، افسوس ہے بعض دفعہ
سمجھدار بہنیں بھی اس کوتاہ اندیشی کے بھینٹ چڑھتی ہیں
اور ذراسی غفلت کے پیچھے عمر بھر پچھتاتی ہیں کچھ روز
کا واقعہ ہے ضلع چاندا میں ایک زمیندار صاحب رہتے
تھے انکی پندرہ سولہ سالہ لڑکی کے کان میں درد شدید
اُٹھا کئی ایک دواؤں کا استعمال کیا ہنوز کوئی فایدہ
نظر نہ آیا تھا کہ اتنے میں کسی صاحب نے صلاح دی کہ کان
میں پیٹرول ڈالدو اس سے درد دُور ہو جائے گا پیٹرول
کا پڑنا تھا کہ دونوں آنکھوں کی بینائی جاتی رہی اور ذراسی غفلت
کے پیچھے بیچاری لڑکی آنکھوں جیسی نعمت سے ہمیشہ ہمیشہ
کیلئے محروم ہو کر بیٹھ گئی۔ کاش کہ نا عاقبت اندیش والدین نے
دُور اندیشی سے کام لیا ہوتا کہ اتنی تیز چیز ایسی نازک جگہ پر ڈالنے
کا کیا انجام ہوگا اور بلا سوچے سمجھے نہ ڈالدیا ہوتا تو آج کیوں تمام
عمر کا پچھتاوا ہوتا۔ میری بہنو! ہر شخص کی بتائی ہوئی دوا کا ہرگز ہرگز
استعمال نہ کرو، خواہ امرت ہی کیوں نہ ہو اور بغیر تحقیقات کئے
اسے زہر جانو۔

فہیمہ بنت منصور احمد صاحب بھانگہ پور سی پی

جھوٹی شرم بے شرمی ہے

تین دلچسپ اور سبق آموز واقعے

انسان یعنی اشرف المخلوقات کی فطرت میں شرم و حیا کا ہونا لازمی ہے جو اس جوہر سے محروم ہے وہ
سی طرح اشرف المخلوقات کے معزز لقب سے یاد کیا جانے کا مستحق نہیں ہے لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے
ر جہاں آجکل مرد بہت سی اخلاقی و مذہبی باتوں سے اپنے کو بری کر چکے ہیں وہاں حیا و شرم کا جوہر بھی
صرف عورتوں تک محدود رہ گیا ہے اور مرد ایک بڑی حد تک اس سے آزاد ہو گئے ہیں اور انکے لیے شرم و حیا
ضروری نہیں سمجھی جاتی۔ وہ بُرے افعال کے مرتکب ہوتے ہیں مگر کوئی انہیں مطعون کرتا ہے نہ خدا کا خوف دلاتا
ہے۔ حالانکہ شارع نے حیا کی تاکید مرد و عورت دونوں کو برابر کی ہے مگر یہاں تو یہ حالت ہے کہ اگر غریب عورت
ذرا کھڑکی سے بھی جھانک لے تو سخت سے سخت سزا کی مستوجب ٹھیرائی جاتی ہے لیکن اس کے خلاف
مردوں کی انتہائی بے حیائی و بے شرمی سے بھی چشم پوشی کی جاتی ہے گو اس کے ذمہ دار بھی خود عورتیں ہیں
شروع سے مائیں لڑکوں اور لڑکیوں میں امتیاز کرنے لگتی ہیں۔ لڑکیوں پر جا و بے جا ہر بات پر دباؤ ڈالا
جاتا ہے کہ عورت ذات کو شرم و حیا سے رہنا چاہیئے اور لڑکوں کو "مرد بچہ" کہکر بے حیائی پر دلیر بنایا جاتا ہے
سی طرح رفتہ رفتہ لڑکوں کے دل میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ شرم و حیا صرف عورتوں کی صفت ہے۔ بعض
ئیں یہاں تک کرتی ہیں کہ بچوں کو پردہ دار لباس پہنانے کی پرواہ نہیں کرتیں۔ شارع علیہ السلام نے مرد و عورت
دونوں کے لئے یکساں حکم دیا ہے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ لڑکوں کو بے حیائی کی تعلیم دی جائے
اور ان کو اخلاق کی اس بڑی اور ضروری صفت سے آراستہ نہ کیا جائے)

اسی طرح شادی بیاہ کے متعلق لڑکوں کو پوری آزادی ہے مگر لڑکیاں غریب بر کے انتخاب میں اپنی رضامندی
یا نارضامندی ظاہر کرنے کی مجاز نہیں اگر وہ اس کی جرأت کریں تو ہر شخص ان پر نام دھرتا ہے اور "بے حیا" "بے غیرت"
سیم۔۔۔ کے نامناسب الفاظ سے انکے جذبات کو مجروح کیا جاتا ہے۔ ناک کٹ جانے کا خوف، رسوائی کا اندیشہ
ہوتا ہے، طرح طرح کے الزام اُن بے زبانوں پر لگائے جاتے ہیں حالانکہ شرع کی رو سے دونوں کی رضامندی
حاصل کرنی ضروری ہے۔ افسوس ہمارے پاک مذہب نے ہمیں جتنے حقوق عطا کیے ہیں خود ہمنے اپنے

ہاتھوں گنوا دیئے کیونکہ رسم ورواج پر بیشتر حصہ عورتوں کا ہے اگر وہ خود اپنے حقوق کی حفاظت کریں اور لڑکوں اور لڑکیوں میں اتنا فرق روا نہ رکھیں تو آج ہرگز ہم ایسی ذلیل حالت میں نہ ہوتے اگر مائیں اپنی بچیوں کے جذبات کا لحاظ رکھیں اور شادی میں انکی بھی رضامندی ضروری خیال کریں تو ہندوستانی خواتین کے لئے شادی بربادی نہ ثابت ہو۔

شرم و حیا کی تعلیم لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کو ملنی چاہیئے لیکن ساتھ ہی اس کے مفہوم کو بھی سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ اور شرم و حیا میں افراط و تفریط سے کام نہ لیجئے ہر چیز اعتدال کی حالت میں بہتر ہے جہاں افراط و تفریط سے کام لیا گیا وہ بگڑ گیا۔

بعض خواتین کسی موقع پر نامحرم مرد سے سابقہ پڑ جانے پر شرما کر منہ چھپا لیتی ہیں یہ نہایت بری حرکت ہے ہرگز کسی نامحرم مرد پر اپنے شرم و حیا کی کیفیت ظاہر نہ کرنی چاہیئے اور اگر ان سے بات کرنے کا موقع پڑ جائے تو لجاتی و شرماتی ہوئی آواز سے کبھی گفتگو نہ کریں، بلکہ حتی الامکان صاف اور سیدھے الفاظ میں گفتگو کی جائے کیونکہ قرآن مجید میں بھی اس کی تاکید ہے کہ اگر تم پرہیزگار ہو تو مرد سے دب کر بات نہ کیا کرو کہ انکے دِل میں طمع پیدا ہو جائے اور کہا کرو معقول یعنی بے لاگ ولپیٹ بات۔

رواجی پردہ کی پابند بیبیوں کو میں نے دیکھا ہے کہ مردوں سے سابقہ پڑ جانے پر نہایت متوحش ہو جاتی ہیں اور انکے کسی سوال کا جواب صاف نہیں دے سکتیں اور لطف یہ ہے کہ اس شرم پر نازاں ہیں اور جو بیبیاں ایسے موقعوں پر مردوں سے بے جھجک بات کرتی ہیں اِنھیں بُرا بھلا کہتی ہیں بے حیا و بے شرم کے لقب سے یاد کرتی ہیں حالانکہ یہ صرف آجکل کا رواج ہے ورنہ اسلام میں آواز کا کہیں پردہ نہیں ہے یاد رکھیئے کہ نامحرم مرد کے سامنے اِنتہائی شرم و حیا کی کیفیت ظاہر کرنے سے بڑھکر کوئی دوسری بے حیائی نہیں ہے کیونکہ مرد عورتوں کو ایسی حالت میں دیکھکر مضحکہ اُڑاتے ہیں اور اکثر کم ظرفوں کی جرأت بڑھ جاتی ہے۔ اس پر مجھے دو دلچسپ واقعے یاد آگئے۔

ایک برقع پوش بیگم صاحبہ اپنے بھائی و شوہر کے ساتھ سفر کر رہی تھیں۔ مردوں نے انکو مع اسباب کے زنانہ ڈبے میں سوار کرا دیا اور اپنی جگہ کے تلاش میں دوسرے کمپارٹمنٹ کے طرف چلے گئے۔ اتنے میں چند اوباش پنجابی مرد اندر داخل ہو کر اپنی اپنی عورتوں کو سوار کرانے لگے۔ ایک برقع پوش عورت کو دیکھکر انہوں نے گستاخی شروع کی کسی نے کہا "بیگم صاحبہ کا برقع تو نہایت عمدہ ہے ذرا دیکھوں تو سہی" اور قریب آکر گھورنے لگے۔ بیگم صاحبہ تھیں رواجی شرم و حیا کی پابند مارے حیا و خوف کے دبکی بیٹھی رہیں اگر ذرا ہمت

سے کام لیتیں اور چیختیں یا انہیں ڈانٹ دیتیں تو ضرور وہ خائف ہو جاتے۔ انکی ہمت بڑھ گئی وہ ٹھٹھہ مارنے لگے۔ اب سنیئے یہی لوگ سکنڈ کلاس میں سوار ہوئے اس میں ایک نوجوان برہو خاتون اکیلی سفر کر رہی تہیں ان کم ظرفوں کی ہمت اول الذکر خاتون کو چھیڑ کر بڑھ چکی ہتی انہوں نے اس خاتون سے بہی کچھ ایسے ہی گستاخی کے کلمات کہے۔ خاتون نے طیش میں آکر جوتی انکے رسید کی خاتون کی جرأت دیکھکر ایک شریف معزز شخص نے جو اسی کمپارٹمنٹ میں تھے انکی حمایت کی۔ آپ جانئے ایسے لوگ ہمیشہ بزدل ہوا کرتے ہیں عورت کی دلیری انکے دل پر ہیبت بٹھا دیتی ہے۔ وہ بے حیا بزدل اپنا سامنہ لیکر خاموش ہو گئے۔ ایسی ہی ہمت و جرأت حقیقت میں سچی غیرت و شرم ہے۔ حالانکہ آخر الذکر خاتون اکیلی تہیں مگر انکی دلیری نے بدمعاشوں کی ہمت پست کر دی۔

اسی طرح کا دوسرا واقعہ ہے ایک مرتبہ ہم ایک باغ سے واپس ہو رہے تھے ہم ٹیکسی پر سوار ہو گئے مگر ہمارا ملازم نہیں آیا تہا کہ ڈرائیور نے گاڑی چلا دی۔ ہم بہت پریشان ہوئے کیونکہ اسی زمانے میں ٹیکسی کا ایک واقعہ ہو چکا تہا۔ میں نے ڈرائیور سے گاڑی روکنے کو کہا غالباً اس نے سنا نہیں۔ آخر میں نے ذرا ڈانٹ کر کہا تب اس نے موٹر روکی۔ اتنے میں ہمارا ملازم آگیا۔ ہمارے ساتھ گاڑی میں ایک رواجی پردہ کی پابند بی بی تہیں۔ انہوں نے ڈرائیور کے ساتھ میرے بات کرنے کو بے حیائی پر محمول کیا کہنے لگیں "اے ہے تم نے کس طرح نامحرم سے بات کی گئی میرے تو منہ سے آواز نہ نکلے۔" میں نے کہا "شرع میں تو آواز کا پردہ نہیں ہے" تو آپ نے فرمایا "لیکن شرم تو آتی ہے۔" میں نے کہا "سبحان اللہ" آپ کی شرم بھی کیسی انوکھی ہے نامحرم آپ کو کہیں لیجائے مگر آپ کے منہ سے آواز نہ نکلے اور اسے شرم و حیا سے منسوب کریں۔ ایسی شرم و حیا آپ کو مبارک رہے ہمیں اس سے معاف رکھیں اور اگر میں نے رواج کی پروا نہ کرتے ہوئے اس سے بات ہی کر لی تو بے شرمی ہو گئی اگر آپ اسی کو بے حیائی کہتی ہیں تو اسلام نے ایسی بے حیائی ہمارے لیے جائز رکھی ہے۔"

انہیں بیگم صاحبہ کا دوسرا واقعہ سنیئے وہ اپنے ایک عزیز کے ہاں جا رہی تہیں۔ راستے میں انہوں نے نئی ملازمہ کو جو انکے ساتھ تھی دس روپیہ کا نوٹ کچھ خریدنے کو دیا۔ ملازمہ راستے ہی سے نوٹ لیکر چمپت ہو گئی۔ بہن صاحبہ سخت مصیبت میں گرفتار ہوئیں۔ کوچوان نے گھر کا راستہ دریافت کیا چار سالہ لڑکا انکے ساتھ تھا بہن صاحبہ نے پتہ اسے سکھایا مگر لڑکے کی بات اس کے سمجھ میں نہیں آئی اس کے بار بار دریافت کرنے پر بھی بہن صاحبہ صاحبہ خاموشی کا مہر لگائے رہیں۔ اتنے میں کوچوان کے شور و غل کی آواز سنکر چند آوارہ گرد راہ گیر جمع ہو گئے انہوں نے موقع پاکر از راہِ ہمدردی گاڑی کا پٹ کھول کر پتہ دریافت کرنا شروع کیا مگر بہن صاحبہ تھیں اپنی بات کی پکی۔ ان کا مارے حیا کے برا حال تھا خاموش کونے میں بیٹھی رہیں۔ آخر جب

بیگم صاحبہ کو لوگ دیکھ چکے تب کسی کے سمجھ میں لڑکے کی بات آئی مگر اس شرم و حیا کی دیوی کے منہ سے بات نہ نکلی۔ اور گاڑی خدا خدا کر کے گھر روانہ ہوئی۔

ملاقات ہوئی تو میں نے کہا کہ کیوں بہن صاحبہ آپ نے اصلی پردے کو جھوٹی شرم و حیا پر قربان کر دیا!! وہ بہت جھینپ گئیں۔

لہذا ہمیں کبھی نا محرم مرد کو دیکھکر شرم سے خاموش رہ جانا نہیں چاہیئے ہمت و دلیری سے بات کرنی چاہیئے۔ جتنی شرم و حیا کی کیفیت ظاہر کی جائے گی اتنا ہی بُرا ہو گا۔ آپ نے حضرت صفیہؓ کی بہادری نہیں سُنی، غزوہ احزاب میں حسان بن ثابتؓ لڑائی میں شریک نہ ہو سکے تھے کیونکہ انکو ایک ایسا عارضہ تھا کہ جس کے سبب وہ لڑائی کی طرف دیکھ نہ سکتے تھے وہ خیمہ میں رہے۔ چند یہودی موقع سمجھکر خیمہ کی طرف بڑھے۔ ایک یہودی خیمہ کے قریب پہنچ گیا حضرت صفیہؓ نے حسانؓ سے کہا اسے قتل کریں انہوں نے اپنی معذوری ظاہر کی چنانچہ حضرت صفیہ نے خود خیمہ کی ایک چوب اکھاڑ کر اسپر دے ماری وہ وہیں ختم ہو گیا اور ہماری بہادر خاتون نے خود جا کر اس کا سر اتار لیا۔ یہ دیکھکر باقی یہودی سمجھے کہ خیمہ میں بھی فوج موجود ہے اور وہ جان لیکر بھاگے۔ اگر وہ ہماری ہندوستانی بہنوں کی طرح جھوٹی شرم و حیا میں گڑ کر رہ جاتیں تو دشمن خیمہ کے اندر پہنچ جاتے اور انکی عزت خطرے میں پڑ جاتی۔

ہم بہنوں کو چاہیئے کہ اسلامی رواج پر چلیں دنیاوی شرم و حیا اُٹھا دیں اور اصلی و حقیقی شرم و غیرت و خودداری اور بہادری کا جذبہ اپنے میں اور قوم کے افراد میں پیدا کریں۔

عطیہ نصرت خانم

نہایت دلچسپ معلومات

ایڈنبرا (اسکاٹ لینڈ) کے عجائب خانے میں چار سینگ رکھے ہوئے ہیں جو کہ چار عورتوں کے سر سے کاٹے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک سات انچ لنبا اور انگلی کے برابر موٹا ہے اس پر کاغذ کی لگی ہوئی چٹ پر لکھا ہے کہ سنہ ۱۶۷۱ء میں ڈاکٹر آرتھر ٹیل نے یہ سینگ البرتھ نامی ایک عورت کے سر پر سے کاٹا تھا جس کے باعث ڈاکٹر موصوف سات برس تک تکلیف اُٹھاتا رہا۔ برٹش میوزیم لائبریری میں اسقدر کتابیں ہیں کہ اگر کتابوں کی الماری کو ایک قطار کی صورت میں رکھا جائے تو اسکی لنبائی تقریباً ۴۳ میل ہوگی۔ جرمنی کے شہر ریسٹڈ کی کیمیکل لیبوریٹری میں ایک سترہ سالہ بچے کی لاش محفوظ رکھی ہے۔ جسکا قد صرف چھ انچ ہے۔ اس کے چھوٹے پن نے کمال کر دیا۔ امریکہ کی عورتوں کا خرچ افزائش حسن میں تین کروڑ پچیس لاکھ پونڈ خرچ ہوتا ہے۔ جس میں تقریباً تیس لاکھ پونڈ کریموں پر اور تیس لاکھ پونڈ خوشبوؤں پر اور اتنی ہی رقم صرف صابون پر صرف ہوتی ہے۔

بنت سید مقبول حسین انجنیر (کانپور)

غذائیات

پکانے کے اُصول

جیساکہ میں لکھ چکی ہوں یورپ میں ہر چیز کا علم فن بنگیا ہے۔ علم غذا پر بھی رات دن تجربے ہوتے رہتے ہیں نئی نئی تحقیقات کے نتیجے شایع ہوتے رہتے ہیں آئے دن نئی نئی فنی کتابیں چھپتی رہتی ہیں۔ میں اپنے پچھلے دو مضمونوں میں یہ بتا چکی ہوں کہ انسان کے جسم کو کن کن مادّوں کی اور کتنی کتنی مقدار کی ضرورت ہے اور کن کن چیزوں میں یہ ضروری مادّے کتنی کتنی مقدار میں موجود ہیں۔ اس تمام معلومات کا خلاصہ اور نتیجہ ہے کہ ہماری غذا کسی ایک یا دو چیزوں پر منحصر نہ ہونی چاہیئے۔ یہ نہیں کہ روز بلاناغہ دوپہر کو دال اور قورمہ اور شام کو کھچڑی۔ بلکہ جہاں تک ممکن ہو مختلف قسم کے کھانے کھانے چاہیں، گوشت ترکاری دالیں چاول اور پھل وغیرہ باری باری سے استعمال کرنے چاہیں۔ کبھی آلو کا سالن ہے تو کبھی اروی کا۔ کبھی گوبھی ہے تو کبھی کرم کلہ۔ کبھی سیم کے بیج ہیں تو کبھی پالک کا ساگ کبھی بھنڈیاں ہیں تو کبھی ترئیاں کبھی یہ ترکاریاں گوشت کے ساتھ ہیں تو کبھی بغیر گوشت کے۔ دالوں کا استعمال بھی ضروری ہے۔ دہی دودھ انڈے وغیرہ بھی خوب استعمال کرنے چاہیئے۔ مہینے میں کم ازکم ایک مرتبہ مچھلی بھی کھانی چاہیئے۔ پھلوں کا کھانا حسب موسم نہایت لازمی ہے۔ کھانوں کی ترتیب اس طرح دی جاسکتی ہے کہ غریب امیر سب اک مفید صحت کھانا کھاسکیں۔ میرے شوہر کہتے ہیں کہ شام وعراق وحجاز میں عرب لوگ انجیروں، انگوروں زردآلوؤں، تربوز خربوزہ وغیرہ کے ساتھ روٹی کھاتے ہیں۔ اگر ہندوستان میں بھی پھلوں کے ساتھ روٹی کھانے کا رواج ہو جاوے تو بہت اچھا ہے۔

خیر اس بات کے بعد کہ مختلف اور طرح طرح کے کھانے کھانا ضروری ہے اب یہ بات ازحد ضروری ہے کہ یہ چیزیں کس حالت میں کھائی جاویں۔ بہت سے علماء فن غذا اس کے طرفدار ہیں کہ کچا کھانا کھایا جائے یعنی ترکاری وغیرہ بغیر پکائے کھانی چاہیئے دودھ بھی کچا ہی پینا چاہیئے اور گوشت تو بالکل کھانا ہی نہ چاہیئے۔ یہ لوگ اپنی بات میں حد سے گذر گئے ہیں میانہ روی سب سے اچھی بات ہے۔ ہم مسلمانوں کا شعار بھی یہی ہے ہم کو اللہ تعالیٰ نے اُمت وسطی کے نام سے ملقب کیا ہے۔ ہمارا رویہ ہی

میانہ روی کا ہونا چاہیئے۔ میانہ روی ہی میں ہماری نجات ہے افراط تفریط سے پرہیز کرنا ہمارا شیوہ ہونا چاہیئے۔

اس میں شک نہیں کہ پکانے میں بعض ضروری اور مفید مواد ضایع ہوجاتے ہیں یا اونکی خواص میں نقص پیدا ہوجاتا ہے۔ مثلاً دودھ میں جو مادہ حیویہ VITAMIN. ہے وہ اگر دودھ کو زیادہ جوش دیا جاوے تو بالکل ضایع ہوجاتا ہے۔ لہٰذا دودھ کا اُبالنا تو ضروری ہے تاکہ بعض بیماریوں کے جراثیم جن کا ہونا دودھ میں بعض اوقات پایا جاتا ہے مرجائیں مگر زیادہ دیر تک اُبالنا اور پھر اُٹھاکر دن بھر پتیلی چولھے پر سے یا جیسا دوکانوں میں کڑھاؤ چڑھا رہتا ہے مضر ہے۔ اسی طرح ترکاریوں کو گھنٹوں پکانے سے بھی وٹامین یعنی مادہ حیویہ VITAMIN. بالکل غایب ہوجاتا ہے۔ لہٰذا یہاں یورپ میں علمار فن غذائیات آئے دن تجربہ کرتے رہتے ہیں اور اونھوں نے تحقیقات سے معلوم کرلیا ہے کہ کھانے پکانے کے کون کون سے اُصول مفید ہیں اور کون کون سے مضر۔ علاوہ اس کے حال میں ایک مشہور ڈاکٹر گرسن نے اپنے شفا خانے میں طرح طرح کے مریضوں پر چند تجربے کیے ہیں جن کی رو سے اونھوں نے ثابت کردیا ہے کہ **نمک** کا زیادہ استعمال بہت ہی مضر ہے۔ اونکے اعلان کے بعد برلن کے مشہور شفا خانے میں بے نمک کے کھانوں کا استعمال کیا گیا اور نہایت تسلی بخش نتیجہ نکلا۔ جن مریضوں کو بے نمک کا کھانا دیا گیا اونکی صحت میں بہت ترقی ہوئی ہندوستان میں تو سُنا ہے کہ مصالحوں کا بہت ہی استعمال ہوتا ہے۔ مگر حقیقت میں مزا صرف عادت ہے۔ ہم نے بھی اپنے گھر میں نمک کا استعمال بہت ہی کم کردیا ہے شروع شروع میں کھانا کھایا نہیں جاتا تھا مگر اب عادت پڑگئی ہے اور کھانے ایسے ہی مزیدار معلوم ہوتے ہیں۔ رفتہ رفتہ نمک کا استعمال بھی بہت کم کیا جاسکتا ہے۔ اور مرچیں وغیرہ تو ہندوستان میں بھی بچوں اور مریضوں کو کم یا بالکل نہیں دیجاتیں۔ میرے شوہر کہتے ہیں کہ علیگڈھ کالج میں پرہیزی کھانے کے معنی بے مرچ کے کھانے کے تھے۔

کھانا کھانے کی پہلی غرض صحت اور طاقت کو قایم رکھنا ہے اور دوسری غرض کھانے کا مزیدار ہونا ہے۔ پس ہم کو یہاں بھی میانہ روی اختیار کرنی چاہیئے فقط مزے کے لیئے کھانا نہ کھانا چاہیئے ہاں اگر کھانا مزیدار اور لذیذ ہو تو بہت اچھا ہے۔ ماہران فن طباخت جب کھانا پکانے کے نئے اصولوں سے واقف ہوجاوینگے تو وہ نئے اُصول کی بنا پر بھی مزیدار اور لذیذ کھانا پکا سکیں گے۔ مثلاً ہندوستان میں گاجر کا حلوہ بنتا ہے یہاں کوئی نہیں جانتا۔ میرے شوہر کو گاجر کا حلوہ بہت پسند ہے وہ ہر سال ایک دفعہ ضرور پکاتے یا پکواتے ہیں۔ گاجروں کو کدوکش پر رگڑ کر اور پھر گھنٹوں دودھ میں اُبالا جاتا ہے

جب تک کہ دودھ جذب ہوجاوے اور گاجریں بالکل گل جاویں اور پھر اونکو مکھن میں بھونا جاتا ہے
اور آخر میں شکر ڈالی جاتی ہے اور بادام وکشمش وغیرہ میوہ جات یہ گاجر کا حلوہ ہونا بہت لذیذ ہے
گر مفید مادیں سے آدھے سے زیادہ ضایع ہوجاتے ہیں۔ میں نے بہت سونچا اور آخر ایک دن اس طرح بنایا۔
گاجروں کو کدوکش میں رگڑا اور پھر دودھ جسکا پانی اڑچکا ہے یعنی ایک قسم کی ملائی یا ربڑی یہاں اوسکو
کریم CREAM کہتے ہیں ان گاجروں کو اوس میں ملا دیا اور پھر اس میں شکر اور میوہ جات ملادئے
گاجر کا حلوہ چند منٹ میں طیار ہوگیا۔ میرے شوہر کو بھی مزیدار معلوم ہوا، بچوں نے بھی خوشی خوشی کھایا اور
جرمنوں نے بھی حیرت اور مزے سے کھایا۔ اس حلوہ میں دودھ کی وٹامین تو بیشک ضایع ہوگئی مگر
گاجروں کی وٹامین برقرار رہی۔ حلوہ نہایت مزیدار اور مفید بن گیا۔ اگر عصمتی بہنیں بھی تجربہ کریں تو
غالباً اگر پہلی دفعہ نہیں تو دو ایک دفعہ کے بعد لذیذ اور مزیدار پاوینگی اگر یہ حلوہ ان کے محبوب حلوہ کی
جگہ نہ لے سکے گا تاہم ایک دوسرا ئی طرح کا حلوہ بنکر اونکے کھانوں کی تعداد میں اضافہ تو
ضرور ہوگا۔

کھانا پکانے کا اہم ترین اُصول یہ ہے کہ کھانا بہت دیر تک نہ پکایا جاوے۔ یہاں جرمنی میں بھی نوے
فی صدی گھرانے لکیر کے فقیر ہیں پرانے اُصولوں کو آسانی سے نہیں چھوڑتے خود میری ماں کے اور میرے
ترکاری کے پکانے کے اُصول میں اختلاف ہے نیا اُصول یہ ہے کہ ترکاری بھاپ میں پکائی جائے اس میں
زیادہ پانی نہ ڈالا جاوے اور اگر ممکن ہو تو بالکل بھی نہیں۔ دو ایک مثالوں کے دینے سے یہ طریقہ
پوری طرح واضح ہوجاوے گا۔ اور اگر عصمتی بہنیں تجربہ کرینگی تو وہ نتیجہ بھی دیکھ لیں گی۔ (باقی)

فاطمہ ستار خیری (برلن)

بزرگ کے مزار کی برکات

میلڈن (امریکہ)میں ایک پادری کے مزار میں یہ برکت ہے کہ جو کوئی لنگڑا یا اپاہج وہاں جاتا ہے - اسکی تکالیف دور ہوجاتی ہے اوپر کی تصویر ایک بچہ کی ہے جس نے اس طرح تکلیفوں سے نجات حاصل کی ہے-

ایک جاپانی شہزادی

جسکی شادی پرنس ٹاکاماتو شہنشاہ جاپان کے چھوٹے بھائی سے ہوئی ہے

آل انڈیا خواتین کانفرنس

جسکا اجلاس بمبئی میں منعقد ہوا-

فن فوٹو گرافی کا کمال
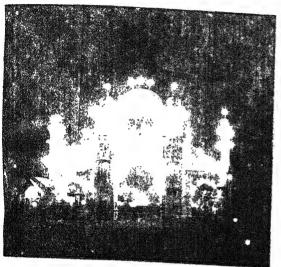
علی گڑھ کی نمائش کے صدر دروازہ کا ایک فوٹو جو رات کے وقت لیا گیا۔

مسز ایچ ے عنسمین

مدراس شہر کی نئی آنریری مجسٹریٹ مقرر ہوئی ہیں۔

ہندوستانی دیہاتی زندگی کا ایک دلچسپ منظر

ایک کمہار اپنے آبائی طریقہ سے مٹی کے برتن تیار کر رہا ہے۔

کپڑے دھونا

عصمت میں گذشتہ سال کپڑے دھونے کے سلسلہ میں کئی مفید مضامین شایع ہوئے تھے جن میں بھائی ستار خیری صاحب کا مضمون معہ تصاویر اس سلسلہ کا محرک تھا۔ انہوں نے بتایا تھا کہ جرمنی میں کس طرح مشین کے ذریعہ کپڑے دھوئے نچوڑے جاتے ہیں پھر ایک مضمون میں مشین کی قیمت اور آمد کے اخراجات بھی لکھے تھے جو اندازاً ہزار کے قریب ہوتے تھے۔

اسوقت سے میرے ذہن میں یہ بات آرہی تھی کہ میں پشاور میں کپڑے دھونے کے رواج پر کچھ لکھوں۔ جس سے اگر کوئی بہن فائدہ اٹھانا چاہیں تو شش ہونے پر مشینوں سے ہزار گنا زیادہ نفع اٹھا سکیں گی۔

یہاں کپڑے گھر میں دھونے کا عام رواج ہے۔ نہ صرف یہاں بلکہ ایران کابل وغیرہ میں بھی گھر پر ہی کپڑے دھوئے جاتے ہیں۔ نہ صرف پہننے کے بلکہ بستر کی دری برقع چادر وغیرہ ہر ایک چیز۔ اور یہ فن خانہ داری کے جملہ فرائض میں شامل ہے۔ پرانے زمانے میں بلکہ اب بھی پرانے خیال کی بیبیاں اپنے کپڑے باہر دھلوانے عیب خیال کرتی ہیں خصوصاً ہندو دھوبی کے دھوئے ہوئے کپڑے وہ پاک نہیں سمجھتیں جن سے نماز پڑھی جا سکے۔

اوسط درجہ کی بیبیاں خود دھوتی ہیں۔ امیر گھرانے کی غریب غربا عورتوں سے دھلواتی ہیں۔ بلکہ جس طرح دہلی وغیرہ کی طرف غریب بیوہ عورتیں سلائی پر گزر اوقات کرتی ہیں اس ہی طرح یہاں اپنے گھر پر یا لوگوں کے گھروں پر جا کر کپڑے دھو آتی ہیں۔ ان کپڑوں کے ساتھ اپنے کپڑے بھی دھو کر ہمیشہ صاف ستھری نظر آتی ہیں۔ اور ہمیشہ جب لڑکی چار پانچ سال کی ہوتی ہے۔ عموماً اسکو کھیل کھیل میں گڑیوں کے کپڑے دھلوا کر زیادہ خود بڑوں کی ریس میں کپڑے دھونے کی مشق کرتی ہے۔ میرے ہاں بھی ایک نوکرانی کپڑے دھونے کے لئے مقرر ہے۔ جو تیس چالیس چھوٹے بڑے کپڑے دو تین گھنٹہ میں دھو ڈالتی ہے۔ اسکو دیکھ دیکھ کر جس طریق پر کپڑے دھوتی ہے میں نے بھی کئی بار آزمائش کی ہے۔ سب سے بڑی بات مشق کی ہے۔ جب کافی مشق ہو جاتی ہے۔ تو نہ دقت معلوم ہوتی ہے اور نہ تکلیف ہوتی ہے۔

یہاں عام طور پر مٹی کے بڑے بڑے لگن بازار میں مل جاتے ہیں جو کپڑے دھونے کے خاص برتن ہیں۔ اس میں ذرا اُجلے کپڑے ہوں پہلے انہیں لگن میں ڈالا جائے۔ دو چار کپڑے جو اچھی طرح دھوئے جا سکتے ہوں۔

ان پر اسقدر پانی ڈالو کہ وہ اچھی طرح ڈوب جائیں۔ اس کے بعد ان پر خوب دیسی صابون ملا جائے۔ پھر انھیں دونوں ہاتھوں سے تسلے میں پھیلاؤ پھر سمیٹو اور دباؤ پھیر لو پھر دباؤ پانی ڈالو دباؤ الٹ لو پھیلاؤ۔ اسے خوب دبا دبا کر اور الٹ پھیر کر دیکھو کہ کافی میل نکل کر پانی میں آ گئے۔ انھیں نچوڑ کر علیحدہ صاف جگہ پر رکھ لو۔ اس کے بعد پھر دو چار بڑے یا سات آٹھ چھوٹے کپڑے اس ہی صابون کے پانی میں ڈالو اور اس ہی طرح الٹ پھیر کر دبا نچوڑ کر نکال لو۔ ان کے بعد اور کپڑے اس ہی طرح مل ملا کر نچوڑ کر علیحدہ رکھ دو۔ پھر دوسری مرتبہ پہلے کپڑوں کو لگن میں ڈالکر خوب پانی ڈالو کہ کپڑے اچھی طرح ڈوب جائیں اور صابون لگاؤ پھر اس ہی طرح بہ ترتیب باری باری کپڑے ملتی جاؤ۔ یہاں تک کہ آخر میں باورچیخانہ کی صافی رکھ لو انھیں بھی صاف کرتی جاؤ۔

تین مرتبہ صابون لگانے کے بعد اکثر کپڑا سفید ہو جاتا ہے۔ چوتھی مرتبہ تھوڑا سا نیل جو پوٹلی میں بندھا ہوتا ہے پانی میں ملالو بس اسقدر جس قدر کہ آسمان کا رنگ ہے۔ اور پھر صابون لگاؤ۔ اور ملتی جاؤ۔ پھر بہ ترتیب دوسرے بھگوئے کپڑے اس صابون والے پانی میں دبا دبا کر صاف کرو۔ بلکہ اس مرتبہ دوسرے نمبر کے کپڑوں پر بھی صابون لگاؤ۔ لیکن دوسرے نمبر کے کپڑوں پر دو تین بار صابون لگاؤ اس ہی ترتیب سے اور کپڑوں پر صابون لگے گا۔ جب پہلے نمبر کے کپڑے صاف ہو جائیں تو انکے سفید ہونے کی علامت انکا نکالا ہوا پانی ہے۔ جو تقریباً بالکل صاف ہوتا ہے دھلے ہوئے کپڑوں میں اگر ذرا بھی زیادہ نیل ہو تو انہیں دو ایک بار صابون اور پانی سے نکال کر صاف کر لینا چاہیئے۔

جب سب دُھل جائیں تو انھیں حسب ضرورت نشاستہ پکا کر دیا جائے۔ وہ اس طرح، اول دیگچی میں پانی حسب ضرورت اُبلنے کے لیے رکھدیا جائے۔ ایک علیحدہ پیالے میں تھوڑا پانی بقدر ایک گلاس میں نشاستہ جتنی ضرورت ہو ڈال کر اچھی طرح ہاتھوں سے گھول لینا چاہیئے اور اُبلتے ہوئے پانی میں ڈال دو چمچہ سے ہلاتی جاؤ۔ جوش آنے اور گاڑھا ہونے کے بعد اتار لو۔ اب اس ہی لگن میں ایک آدھا لوٹا پانی ڈالو اور نشاستہ حسب ضرورت ڈالکر خوب ہلا لو۔ اور پھر دو دو چار چار کپڑے ڈالکر خوب مل ملا کر نچوڑ لو۔ اور خوب اچھی طرح جھاڑ کر رسیوں پر دھوپ میں پھیلا دو۔ نشاستہ صابون کی طرح نہیں دیا جاتا۔ بلکہ ہر بار کپڑوں کے لیے تھوڑا تھوڑا پانی میں ڈالتی جاؤ۔ اور کپڑوں کو خوب اچھی طرح مل کر نچوڑتی جاؤ۔ جب ان کپڑوں میں ذرا نمی باقی ہو تو تب ہی ان پر ایک معتدل گرم استری کرلو۔ ورنہ اگر سوکھ گئی ہو تو دوسرے روز سب کپڑوں پر تھوڑا تھوڑا پانی کا چھینٹا دیکر انہیں سمیٹ کر رکھ لو۔ اور باری باری استری کرتی جاؤ۔

اندازاً سو ڈیڑھ سو کپڑوں پر ایک روپیہ کا صابون لگتا ہے جو تین ساڑھے تین سیر ملتا ہے اور دو تین پیسہ کا نیل۔ نشاستہ اپنی مرضی پر منحصر ہے نیل دینے کے بعد کپڑا ہمیشہ الٹا کر کے سکھایا جائے۔ ورنہ نیل کے

دھبے پڑ جائیں گے۔

رنگین کپڑے کو ہمیشہ سایہ میں سکھانا چاہیئے۔ ورنہ رنگ اُڑ جائے گا۔ ریشمی کپڑے کو صابون سے دھو یا جائے تو اچھا صاف ہو جاتا ہے۔ رنگین اور ریشمی کپڑے کو نیل دینے کی ضرورت نہیں۔

گرم کپڑے ریٹھوں کو توڑ کر اور پانی میں اُبال کر لگن میں تھوڑے ڈالو اور پانی کا فی ڈالو اور پھر انھیں بھی صابون کی طرح دھونا چاہیئے۔ صابون سے گرم کپڑا بدرنگ ہوتا ہے اور سکڑ جاتا ہے۔ زیادہ گرم پانی میں دھونے سے بھی سکڑ جاتا ہے۔ ہمیشہ ایسا پانی ہونا چاہیئے جیسے سے کہ تم غسل کرتی ہو۔ سفید اونی اور ریشمی کپڑا سایہ میں سکھانا چاہیئے ورنہ چند بار کے بعد زرد ہو جائے گا۔ دس چھوٹے بڑے کپڑوں کے لیئے آدھ سیر ریٹھے کافی ہوتے ہیں۔

استری کا اندازہ دیکھنے کے لیئے کہ زیادہ گرم نہ ہو ہمیشہ کسی ردی یا سوتی کپڑے پر آزمایش کرنی چاہیئے جب زرد رنگ کا داغ لگے تو زیادہ گرم ہوگی اور بغیر داغ کے ٹھیک ہوگی۔ ریشمی اور گرم کپڑے پر سوتی کی نسبت زیادہ کم گرم استری استعمال کرنی چاہیئے۔

کپڑے ہمیشہ رسیوں پر پھیلانے چاہئیں۔ دیوار یا کسی اور چیز پر ڈالنے سے صاف نہیں رہیں گے۔ اور پھر دھونے کی ضرورت ہوگی۔

گرمی میں معمولی مٹکے کا پانی ہونا چاہیئے۔ لیکن سردی میں بغیر گرم پانی کے کپڑے دھونے ناممکن ہیں۔ دو تین رنگ کے کپڑے ایک ہی بار تسلے میں نہیں ڈالنے چاہئیں۔ ورنہ ایک دوسرے کو رنگ لگ کر بدرنگ ہو جائیں گے۔ دری وغیرہ کے لیئے ایک آدھ گز کا گرکٹ کے بیٹ جیسا لکڑی کا بنا ہوتا ہے۔ اس سے کپڑے کو کوٹتی ہیں۔ جراب اور رومال میں نیل نہیں دینا چاہیئے۔

بلقیس صمد بیگم (پشاور)

دانت

دانت بھی اس معبود حقیقی کے عطا کردہ نہایت مفید کار آمد عضو میں سے ہیں۔ مگر جہاں ہم نے دوسرے قوی بیکار خراب اور غیر مفید کاموں میں لگا دیئے ہیں وہیں دانت بھی اور دانت کا سب سے بہتر کام آجکل ہم بہنوں کا صرف پان چبانا رہ گیا ہے اور یہ عادت ایسی راسخ ہوگئی ہے کہ کھانا چھوٹ جائے تو برداشت کر سکتی ہیں مگر پان کا چھوٹنا گوارا نہیں۔

پان کے کثرت استعمال سے دانتوں کی وہ بری طرح مٹی پلید کی جاتی ہے کہ توبہ بھلی۔ زیادہ پان کھانے والی بہنوں کے دانت اکثر میں نے دیکھے ہیں کہ پیک کی رنگت کے سوا دانتوں کی رنگت تو نظر ہی نہیں آتی۔ علاوہ خوبصورتی کے ہماری صحت پر اسکا بہت خراب اثر پڑتا ہے۔ چونے اور کتھے کی زیادتی اور پھر وہ ہمیشہ دانتوں پر جمی رہنے سے بہت سی بہنیں پائریا جیسے موذی مرض میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ مسوڑوں سے خون پیپ نکلنا اسکا معدہ میں جانا بہت مضر ہے۔ معدہ پر اسکا خراب اثر پڑکر کئی خطرناک امراض کا باعث ہوتا ہے۔ کھانا ٹھیک طرح ہضم نہیں ہوتا۔ بھوک کھل کر نہیں لگتی اور طرح طرح کے امراض ہوتے ہیں جسے ڈاکٹری یا طب سے واقفیت رکھنے والی بہنیں خوب جان سکتی ہیں مگر اتنا تو ہم اناڑی بھی دیکھتے ہیں ذرا سوچئے کتنی ایسی پان کی عادی بہنیں دیکھی ہونگی جو دائم المریض ہیں۔ پان ہندوستانی بہنوں کا جزو زندگی بنگیا ہے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ بالکل پان کھانا ترک کر دیا جائے اور سب بپابند منہ رکھے جمائیاں لیتی بیٹھی رہا کریں۔ مگر اتنا تو کرم اپنی حالت پر ضرور کریں کہ اتنی زیادتی کو کم کریں۔ بہت کافی ہوتا ہے کہ کھانا کھانے کے بعد ایک دو پان اور درمیان میں اور ایک دو کھا لیا کریں۔ صفائی کا پورے طور سے خیال رکھیں۔ بدصورتوں کی تو شان گندے دانتوں سے اور دوبالا ہو جاتی ہے۔ مگر حسین لوگوں کے حسن میں بھی بہت بدنمائی آجاتی ہے۔ دانت بھی سفید چمکدار ہوں تو حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔

سرخ سفید رنگت، گلابی ہونٹوں میں موتیوں کی لڑی سے دانت ہنستے وقت کس قدر دلفریب معلوم ہوتے ہیں۔ اگر تھوڑا سا طبیعت پر جبر کریں تو رفتہ رفتہ کمی ضرور ہوتی جائے گی۔ علاوہ خرابی کے پانوں پر صرف بھی کافی ہو جاتا ہے۔ اور ہر گھر چار چھ پیسے روز ضرور صرف پان کی نذر ہوتے ہونگے۔

غوثیہ بیگم امراؤتی

عقد ثانی

موضوع بالا پر ایک مضمون جو عصمت کی کسی قریبی اشاعت میں شایع ہوا تھا جب میری نظر سے گذرا تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کیونکہ اِس مختصر سے مضمون میں فاضل راقمہ نے جن اچھوتے خیالات کا اظہار فرمایا ہے وہ نہ صرف خدا کے احکام اور رسول کی سُنت کے خلاف ہیں بلکہ انسے صاف ظاہر ہے کہ راقمہ مضمون کو یہ بھی خبر نہیں کہ عقد کی علت غائی کیا ہے اور دُنیا میں کیا ہو رہا ہے اور تمام اقوام کے بزرگ اور رہنما اس بارہ میں کس تگ و دو میں مصروف ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر ایسے اہم مضمون پر قلم اُٹھانے سے پیشتر محترمہ صاحبہ پانچ سات، نوجوان بیوگان سے بے تکلف رابطہ پیدا کر کے تبادلہ خیالات کرتیں تو یقیناً اس نتیجہ پر پہونچ جاتیں کہ انکی تجویز پر عمل پیرا ہونے سے کیسے کیسے ناقابل برداشت نتایج کی توقع ہو سکتی ہے۔ کیا وہ اس امر سے ناواقف ہیں کہ لڑکی کے سن بلوغت پر پہونچتے ہی ماں باپ غریب ہوں یا امیر رات دن اسی فکر میں گھلے جاتے ہیں کہ وہ دن کب نصیب ہو گا جو ہم بچی کے ہاتھ لال پیلے کر کے اور اسکو ٹھکانے لگا کر چین کا سانس لیں گے۔ آخر کوئی تو ایسی بات ہے جو ایک بڑے سے بڑے امیر والدین کے دماغ میں بھی یہ خیال پیدا کر دیتی ہے کہ بالغ ہونے کے بعد لڑکی کا اصلی ٹھکانا والدین کا گھر نہیں ہے بلکہ کوئی دوسری جگہ ہے جس کی تلاش میں وہ رات دن سرگرداں رہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اگر کوئی ایسی اٹل بات ہے جو بناوٹی نہیں بلکہ اصلی اور نہایت اہم ہے تو قابل غور ہے کہ کیا وہ بات لڑکی کے بیوہ ہو جانے کے بعد ایسی مفقود ہو جاتی ہے کہ اسکو یا اس کے لواحقین کو عقد ثانی کی ضرورت کا احساس تک نہیں ہونا چاہیے۔ راقمہ مضمون کا یہ خیال کہ بیوہ عقد ثانی کے بعد اپنے بچوں کی جو پہلے خاوند سے ہوتے ہیں پرورش نہیں کر سکتی صحیح نہیں صدہا ایسی مثالیں موجود ہیں کہ بچے بالکل یتیم رہ گئے ہیں لیکن انکے دادا، تایا، چچا، پھوپھا یا خالو نے انکو اپنے بچوں کی طرح پالا ہی نہیں بلکہ دُنیا میں انکو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل بنانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ بالغرض اگر شومئی قسمت سے ایسے بچوں کا کوئی ہمدرد رشتہ دار نہ ہو تو ایسی صورت میں بیسیوں کیا ہزاروں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ مصیبت کی ماری بیوہ کو محض اپنے بچوں کی بہبودی کے خیال سے ہی عقد ثانی کی ضرورت محسوس ہوتی ہی نہیں بلکہ وہ ایسا کرنے پر مجبور ہو گئیں اور بالآخر اپنے ارادہ میں کامیاب ثابت ہوئیں۔ اگر وہ ایسا نہ کرتیں تو خدا جانے اسکا اور اس کے نادار بچوں کا کیا حال ہوتا۔ ذرا غور تو فرمایئے کہ فی زمانہ ایک اوسط درجہ کے گھرانے کی پردہ نشین بیوہ کونسا ایسا کام کر سکتی ہے جس کی آمدنی سے وہ اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ بھی پالے اور انکی آیندہ بہبودی کے لیئے ایک کثیر رقم کے خرچ کی کفیل بھی ہو سکے۔ یہ سب خیالی ڈھکوسلے ہیں کہ ایک تربیت یافتہ بیوہ یہ کر سکتی ہے اور وہ کر سکتی ہے۔ غرض جس پہلو سے بھی دیکھا

جاوے ہر ذی فہم انسان اس امر کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوگا کہ بیوہ خصوصاً عیالدار جوان بیوہ کے لیئے عقد ثانی نہایت ضروری ہے۔ اس سے میرا ہرگز یہ مدعا نہیں کہ بیوہ گان کو عقد ثانی کے لیئے مجبور کیا جاوے کیونکہ کچھ فیصدی ایسی بھی خدا کی بندی ہیں جو اس کے بغیر بھی اپنی مصیبت بھری زندگی اپنے بچوں کی خدمت اور خدا کی یاد میں اچھی طرح گزار سکتی ہیں لیکن غور طلب حالات ان بے شمار تعداد بیوگان کے ہیں جو جوانی میں ہی دُنیا کا تمام چین و آرام کا ذریعہ کھو بیٹھتی ہیں اور اگر ایک دو بچے بھی بغیر باپ کے انکے ساتھ ہوں تو انکی وجہ سے انکی مصیبت میں اور بھی بے حد اضافہ ہو جاتا ہے اور اگر کوئی ہمدرد رشتہ دار انکے سر پر ہاتھ رکھنے والا نہ ہو تو اس بیچاری کے لیئے عقد ثانی کے سوا کوئی راہ نجات موزوں اور مناسب نہیں ہوتی اسی لیئے اس کٹھن منزل کو عزت و ناموس سے طے کرنے کے لیئے اللہ جل جلالہٗ نے عقد ثانی کی اجازت فرمائی ہے جس کے خلاف کسی قسم کی جدو جہد عقل تسلیم نہیں کر سکتی۔ ہاں جب عقد اول کی صورت میں لڑکی کی رضامندی لازمی اور ضروری ہے تو عقد ثانی بھی اس کی رضامندی اور حالات پر ہی منحصر ہونا چاہیئے۔ کسی قسم کی مجبوری یا رکاوٹ کو اس میں دخل بے معنی اور بیہودہ پن ہے اور سارداایکٹ میں اسکو قانوناً جائز یا ناجائز قرار دیئے جانے کے لیئے ترمیم کی کوشش کرنا خلاف عقل ہے۔

عبدالغفور خاں از گورداسپور

رُباعیات

(۱)

دُنیا میں نہیں زیست کی چاہت مجھ کو
عقبیٰ میں الٰہی ملے راحت مجھ کو
لب پر ترا ذکر دل میں ہو یاد تری
اس دولت عظمیٰ کی ہے چاہت مجھ کو

(۲)

کچھ شک نہیں اس میں کہ گنہ گار ہوں میں
کیا ڈر ہے مجھے بندۂ غفار ہوں میں
مانا کہ نہیں مجھ سا گنہ گار کوئی
لیکن تری رحمت کی طلبگار ہوں میں

(۳)

ہوں گرچہ میں آلودۂ عصیاں یارب!
ہیں میرے گنہ مثل بیاباں یارب!
لیکن تری رحمت پہ بھروسا ہے مجھے
جاری ہے ترا چشمۂ فیضاں یارب!

(۴)

عصیاں سے گریز کر کہ دولت ہے یہی
در علم و عمل کوشش سعادت ہے یہی
گر چاہتی ہے دولت دنیا عقبیٰ
رکھ حب نبی جادۂ راحت ہے یہی

خیرالنسا ناچیز میسور

انکشافات و ایجادات

(۳) ٹیلی فون

وہ آلہ جس کے ذریعہ سے انسان کی گفتگو کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے ہیں اُسکو ٹیلیفون کہتے ہیں اس آلہ کا نام اس کے موجد کے نام پر پڑا ہے جسکا نام گرہم بل GRAHAM BELL. تھا۔ بہت سے مواقع پر دیکھا گیا ہے کہ ایک ہی چیز کی ایجاد میں مختلف لوگ رہے ہیں مگر کامیابی کا سہرہ اسی کے سر رہا ہے جس نے اکمل صورت میں اپنی تحقیقات کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ کچھ ایسا اتفاق ہوا کہ جس روز بل نے ٹیلیفون کی ایجاد کا دعویٰ کیا اسی روز ایک دوسرے مقام پر مسٹر گرے نامی ایک اور شخص نے کیا۔ یہ تاریخ ۱۴ ر فروری ۱۸۷۶ء کی تھی۔ لیکن بعد میں یہ ثابت ہو گیا کہ بل حقیقتاً اسکا موجد تھا۔ یورپ میں انسانی آواز کی اصلاح کرنا ایک پیشہ ہے۔ بل کے آباؤ اجداد نے انسانی گفتگو کا بغور مطالعہ کیا تھا۔ وہ بہروں کو تعلیم دیتے۔ لکنت کرنے والوں کی تصحیح کرتے اور غیر ممالک سے آئے ہوئے لوگوں کی ترجمانی کرتے تھے۔ پس بل تقریر و گفتگو کے قواعد سے اچھی طرح واقف ہو گیا۔ وہ اکثر اس امر پر غور کیا کرتا تھا کہ کس طرح الفاظ زبان سے ادا ہونے کے بعد ہوا میں گشت کرتے ہیں۔ بل ملک اسکاٹلینڈ میں پیدا ہوا۔ انگلستان میں تعلیم حاصل کی۔ خرابی صحت کی وجہ سے وہ اپنے والدین کے ہمراہ امریکہ گیا۔ شہر بوسٹن میں بہروں کو تعلیم دینے کی ملازمت اُس نے کرلی۔ یہاں جس مکان میں وہ مقیم تھا اُسی میں بجلی کا ایک کارخانہ تھا۔ بجلی و تار کے ذریعہ سے خبر ایک مقام سے دوسری جگہ بھیجی جاتی تھی یہاں اُس نے تین سال کام کیا اور اس میں منہمک تھا کہ ایک ایسا آلہ ایجاد کرے کہ بجائے اشارات کے انسانی الفاظ خود منتقل کیے جاسکیں۔ بل اپنے بہرے طالب العلموں کو پڑھانے سے اس امر سے واقف ہو گیا کہ الفاظ کیونکر کان کے پردوں سے جاکر ٹکراتے ہیں۔ بعدازاں اس نے دو گول برتن لیے اور دونوں کے درمیان ایک تار لگا دیا دونوں برتنوں کو فصل پر رکھ دیا اس طرح پر اس نے آواز کو منتقل کیا۔ اس وقت اُس کی عمر ۲۸ سال کی تھی وہ شہر واشنگٹن کو گیا وہاں بجلی کے کاموں کا مطالعہ کیا پھر بوسٹن واپس آکر ایک کمرہ کرایہ پر لیکر بجلی کے تجربات کرنے میں مشغول ہو گیا۔ اسکا رفیق کام واٹسن تھا۔ ۱۰ مارچ ۱۸۷۶ء کو جب دونوں تار پر مشغول کار تھے۔ بل نے تار کے ذریعہ آواز دی کہ "واٹسن یہاں آؤ" واٹسن بالاخانہ سے فوراً اُتر کر نیچے آیا اور کہا کہ میں نے تمہارے الفاظ سُن لیے۔ اس طرح پر بل نے ٹیلیفون ایجاد کیا۔ اب سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ اس ایجاد کا تعارف دنیا سے کیونکر ہو بل ایک غریب ماسٹر تھا

اس کے پاس زر و سامان نہ تھا طبقہ نسواں کے لیے یہ امر موجب مسرت ہے کہ اس مشکل کو ایک خاتون مسمی مس ہیوبل نے حل کیا۔ مس صاحبہ کی شادی بیل کے ساتھ ہونے والی تھی اس لیے اُس کے والدین کو بیل کی تحقیقات سے خاص دلچسپی تھی۔ فلیڈلفیا کے مقام پر نمائش منعقد ہوئی تیں اپنے نو ایجاد آلہ کو لیکر وہاں جانا چاہتا تھا مگر جیب خالی تھی۔ وہ مس ہیوبل اور اس کے والد کو خیرباد کہنے کے لیے اسٹیشن پر گیا مس صاحبہ نے اپنے ہمراہ لے لیا اور انکی کوشش سے اسکا آلہ بھی نمایش میں رکھا گیا۔

جب جج صاحبان تمام چیزوں کا معاینہ کرتے ہوئے ٹیلیفون کے پاس آئے تو وہ تھک گئے تھے اور بھوکے تے ایک کھلونہ سمجھکر انہوں نے نظر انداز کر دینا چاہا مگر حسن اتفاق سے شہنشاہ برزیل جنھوں نے بیل کے اسکول واقع بوسٹن کا معاینہ کیا تھا ٹہلتے ہوئے اُس طرف آ نکلے۔ موجد کی ہمت افزائی کی اور ٹیلیفون پر سُننے کی خواہش ظاہر کی۔ بیل کی ہدایت کے بموجب اس کے ساتھی نے دوسرے سرے پر سے گفتگو کرنی شروع کی۔ شہنشاہ بہت مسرور ہوئے اور بڑی تعریف کی آپ کے ہمراہ لارڈ کیلون تھے انہوں نے ٹیلیفون کو ایک عجیب شئے سے تعبیر کیا۔ ان تمام ممتاز حضرات کی قدر دانی کی وجہ سے ٹیلیفون نمائش میں ایک خاص دلچسپی کی چیز بنگیا۔ چونکہ موجد ایک غریب آدمی تھا اس لیے اس نے اخبارات میں اعلان کیا اور شہر بہ شہر دورہ کرکے تقریریں اپنی ایجاد کے متعلق کرنی شروع کیں۔ مئی ۱۸۷۷ء میں دو آلات فروخت ہوئے اور اگست میں تقریباً سات ہزار ٹیلیفون کے آلات سے ایک دوکان قایم ہوئی۔ بعدازاں ۱۸۸۱ء میں چھ لاکھ ڈالر (ڈالر امریکہ کا سکہ ہے ایک ڈالر تین روپیہ کے برابر ہوتا ہے) کے سرمایہ سے بیل ٹیلیفون کمپنی BELL TELEPHONE COMPANY قایم کی گئی۔

آج یہ حالت ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے شہروں میں تار و خطوط سے زیادہ ٹیلیفون سے کام لیا جاتا ہے۔ تاجروں ساہوکاروں اور دفاتر کے لیے ٹیلیفون ایک ضروری شے ہے۔ آج ہم اپنے مکان میں بیٹھے ہوئے ڈاکٹر سے حال بیان کرسکتے ہیں اور دوستوں سے گفتگو کرتے ہیں حالانکہ وہ ہم سے سینکڑوں میل کے فاصلہ پر ہیں ٹیلیفون آجکل اس قدر عام ہے کہ ہم اس کے جاننے کی طرف متوجہ بھی نہیں ہوتے کہ یہ کیونکر کام کرتا ہے۔ جب ہم آواز کے بھیجنے والے آلہ TRANSMITTER میں دلتے ہیں تو ہماری آواز لوہے کی ایک ہلکی چادر کی پلیٹ سے جاکر ٹکراتی ہے۔ پلیٹ میں حرکت پیدا ہوتی ہے تار برقی کے ذریعہ یہ حرکت منتقل ہوتی اور دوسری پلیٹ میں جاکر حرکت پیدا کر دیتی ہے۔ اس طرح پر ہماری گفتگو ایک مقام سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتی ہے۔ چند سالوں میں اس قدر اسکو ترقی دے دی گئی ہے کہ درمیانی تاروں کی بھی حاجت باقی نہیں رہی بلکہ لاسلکی ٹیلیفون ایجاد ہوگئے ہیں۔ آیندہ صحبت میں WIRELESS یعنی لاسلکی کے متعلق عرض کروں گا۔

عبدالحی عباسی

مستقل عنوان
جملہ حقوق محفوظ

خانہ داری

جس میں
سنگھار اور آرائش بھی شامل ہے

بالوں میں کنگھی سر میں کنگھی کرنا جہاں بالوں کے لیے مفید ہے وہاں چہرہ کی زیبائش میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ بچوں کے بالوں میں کنگھی کر کے انہیں گوندھنا یا باندھنا انکے چہروں کو خوشنما بنا دیتا ہے۔ بچہ تندرست ہو تو بالوں میں چمک ہوتی ہے۔ بچے چونکہ کھلے سر پھرتے ہیں اس لیے ہوا اور دھوپ لگتے رہنے سے ان کے بال چمکدار ہوتے ہیں۔ ان میں برش اور کنگھی کرنے سے چھلے اور گھونگر و پیدا ہو جاتے ہیں۔ کنگھی سر میں آگے سے پیچھے کو دائرہ کی شکل میں کرنی چاہیئے۔ بچے اپنے بالوں کو میلے ہاتھ بار بار لگانے سے گندہ کر دیتے ہیں چونکہ بالوں کی درستی کے لیے سر کی کھال صاف ستھری رکھنی نہایت ضروری ہے اس لیے ہفتہ میں کم از کم ایک مرتبہ ضرور بال دھو دینے چاہیئے۔

بچہ کے چہرہ مہرہ کو دیکھ کے بالوں کو سنوارنا چاہیئے۔ لڑکوں کے بالوں میں چھلے اور گھونگر و بنانے کا ماؤں کو شوق ہوتا ہے لیکن یہ برا شوق ہے۔ اسے ترک کرنا چاہیئے۔ لڑکوں کے بال سیدھے اور چھوٹے کترنے چاہیئے۔

لڑکیوں کے بالوں میں بیچ میں یا سیدھی یا الٹی طرف مانگ نکالنی چاہیئے۔ انگریزوں میں دونوں پٹھوں کے بیچ میں کچھ بال جھالر کی طرح چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ بیضوی چہرے پر زیب دیتے ہیں۔

اگر کھلی صورت کے لڑکوں کے بال کنگھی کر کے پیچھے کی طرف الٹ دینے چاہئیں اور ایک باریک فیتہ کا ایک سرا پیچھے بالوں کے نیچے باندھ کے دوسرا سرا پیشانی سے اوپر تھوڑے سے بال جھالر کے طور پر چھوڑ کے خوبصورتی سے باندھ دینا چاہیے اور کانوں کے پاس بال کو خم دیدینا چاہیے۔ لڑکیوں کے بال دو لٹوں کی صورت میں سر کے دونوں طرف گوندھ کے لٹکانا بھی خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔

اوپر کی تصویروں میں بالوں کے سنوارنے کی مختلف شکلیں دی گئی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک صورت آسانی سے اختیار کی جا سکتی ہے۔

ہاتھوں کی حفاظت۔ چہرہ کے بناؤ سنگھار کی طرح ہاتھوں کی حفاظت کے بھی متعدد طریقے ہیں۔ ماہرین نے ذیل کے چند طریقے بتائے ہیں:۔

(۱) ہاتھوں کو گرم پانی سے دھونا چاہیئے اور پھر ان پر ٹھنڈا پانی بہا دینا چاہیئے تاکہ مسام بند ہو جائیں۔ ہاتھوں کے استعمال والی کریم سے کھال سے کھردراپن جاتا رہتا ہے۔

(۲) ہاتھوں کے جوڑوں کی ورزش کی غرض سے دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھا کے ہلاؤ اور کلائی سے ہاتھوں کو

عورتوں کا جزیرہ۔ جنوبی بحر الکاہل میں چھوٹے بڑے بہت سے ایسے جزیرے ہیں جہاں کی طرز زندگی
عجیب و غریب ہے۔ بعض ایسے جزیرے ہیں جہاں کے باشندے ایک دوسرے کے سر کا شکار محض اپنے ہنر کا اظہار
کرنے کے لیئے کھیلا کرتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جہاں دیوتاؤں پر انسان کو قربان کیا جاتا ہے لیکن ایک جزیرہ ذرا سی بوا تو
عجیب ہی ہے۔ یہ ملیٹہ کے قریب مجمع سلیمان میں واقع ہے۔ اس جزیرہ کے جنگلوں میں جو بستیاں آباد ہو گئی ہیں ان میں
مرد کا نام و نشان بھی نہیں۔ یہاں کی عورتوں کو مردوں سے نہایت ہی سخت نفرت ہے۔ دیکھتے ہی وہ ان کو نہایت
سفاکی سے مار ڈالتی ہیں۔ بہت کم مردوں کو اس جزیرہ پر اترنے کی جرأت ہوئی ہے۔

حال میں سر کا شکار کھیلنے والے جزیروں کے تین آدمی اپنے بڑے بوڑھوں کی ممانعت کے باوجود اس جزیرہ
میں اترے۔ اُن کا وہاں قدم دھرنا تھا کہ آبنوسی عورتوں نے گھات میں سے نکل کے ان پر تیروں اور برچھیوں سے
حملہ کیا اور انہیں گھسیٹ کے ایک بستی میں لے گئیں۔

دوسری بستیوں میں پیادے دوڑا دیئے گئے۔ ڈھول کے شور اور عجیب و غریب طرح سے منقش جسم کی ناچنے والیوں
کے غل غپاڑہ میں ان مردوں کا گوشت بھونا گیا۔ عورتوں نے ایک بڑی ضیافت کی جو دو دن تک رہی۔ ضیافت ختم
ہونے پر تین ڈھانچ ساحل پر گھسیٹ کے لا ڈالے گئے تاکہ انکی ہڈیاں دھوپ میں چمک کے دوسرے مردوں کو ساحل
پر اترنے سے ڈرائیں کہ یہ جزیرہ صرف عورتوں کے لیئے ہے۔

گذشتہ سالوں میں کئی مرتبہ آس پاس کے جزیروں کے جنگجوؤں نے اس جزیرہ پر یہ دیکھنے کے لیۓ یورش کی
کہ وہ عورتیں کس طرح رہتی ہیں اور ممکن ہو تو کچھ عورتیں دولہن بنانے کے لیئے لے اڑیں۔ لیکن سب کا انجام ہمیشہ فوری
اور یکساں ہوا۔ جزیرہ والیاں اپنے عجیب ملک کے ساحل کا سخت پہرہ دیتی ہیں اور کوئی ناخواندہ مہمان آئے تو
اسے گھات میں لینے سے ذرا نہیں چوکتیں۔

یہ عجیب بات ہے کہ گورے رنگ کی مغربی مشنری عورتوں کو انھوں نے خوشی سے آنے دیا ہے اور انکی بدولت
انھوں نے بہت سے مہذب طریقے سکھلائے ہیں۔ انھوں نے ننگا پھرنا چھوڑ دیا ہے اور ہر وقت اب کپڑے پہنے رہتی
ہیں۔ بہت سی عیسائی ہو گئی ہیں اور انھوں نے دیوتاؤں کے پوجنے کی عجیب عجیب رسمیں ترک کر دی ہیں۔ انھوں نے
سینا اور اپنے گھروں کو خوب سجانا بھی سیکھ لیا ہے لیکن ان مشنری عورتوں کے سمجھانے بجھانے کے باوجود وہ جزیرہ کو صرف
اپنے لیے ہی مخصوص رکھنے کے خیال سے باز نہیں آتیں۔ وہ مردوں کے آنے کی صورت میں مردم خوری سے بہت
ہی خوش ہوتی ہیں۔ اب تک یہ پتہ نہیں چلا کہ یہ بستی کس طرح آباد ہوئی اور مردوں سے اسقدر نفرت کیوں پیدا ہوئی۔
لیکن یہ مشنریاں امید کرتی ہیں کہ انکی یہ نفرت آخرکار دور ہو جائے گی وہ مردوں کے بغیر خوب مزے سے زندگی
بسر کر رہی ہیں۔

جب تک مسلح مردوں کی فوج اس جزیرہ پر قابض ہو کے ان عورتوں کو مغلوب کرے اسوقت تک اس جزیرہ پر مردوں کو جانے کا خیال بھی نہ کرنا چاہیئے۔

چہرہ پر جراحی۔ مغرب میں جراح چہروں پر جراحی کرکے بڑی دولت کما رہے ہیں۔ جن عورتوں کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں۔ جراحی کے بعد وہ بڑی بڑی ہو جاتی ہیں۔ ادھیڑ عمر کی عورتیں جنکے چہروں پر کچھ جھریاں پڑنی شروع ہو جاتی ہیں اپنی پیشانی پر جراحی کراتی ہیں۔ جراح چہرے کی کھال کو کھینچ کے تان دیتا ہے اور نہایت باریک ٹانکے لگا دیتا ہے ۴۰ سالہ عورتیں ۱۷ سالہ لڑکیاں معلوم ہونے لگتی ہیں۔

ایک امریکن رقاصہ کو اپنی قدرتی ناک بھدی معلوم ہوئی۔ اس نے جراحی کرا کے ناک نہایت ستواں کرالی۔ ایک مکہ باز کا ناک مکہ لگنے سے بیٹھ گیا تھا۔ جراح نے اسے بیہوش کرکے انکے کان کے پیچھے سے ایک ہڈی کا ٹکڑا کاٹا اور ناک کی ہڈی پر اسے لگا کے ایک نئی ناک بنا دی جو زخم بھرنے کے بعد نہایت خوبصورت ہو گئی۔

سانپ کے بوٹ۔ پیرس کی عورتوں کو آج کل سانپ کے چمڑے کے بوٹوں کا شوق ہوا ہے جو دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ افریقہ میں یرا ایک بڑے قد کا سانپ ہوتا ہے اس کے چمڑے کے چند بوٹ چند سیاح شوقیہ طور پر فرانس میں لائے۔ ان کا چمڑا دھاریدار ہونے کی وجہ سے خوبصورت معلوم ہوا۔ چاروں طرف سے بوٹ بنانے والوں پر انکی مانگ ہونے لگی۔ مشکل یہ ہے کہ یہ سانپ افریقہ میں کثرت سے نہیں ملتا اس لیے پیرس کی عورتوں کا شوق کامل طور سے پورا ہوتا نظر نہیں آتا۔

بجلی کی عورت۔ آج کل نوکر کمیاب ہیں اور ہماری بیچاری عورتیں ضعف کی وجہ سے گھر کے معمولی کاموں سے تھک جاتی ہیں۔ گھر کا دھندا بیلنے کے لیئے ایک مصنوعی عورت ایجاد ہوئی ہے جو بجلی کی طاقت سے گھر کے مختلف کام انجام دیتی ہے۔ یہ بے جان لیکن متحرک عورت میلے کپڑے دھو کے سکھاتی ہے زنگ آلود چھریوں کو ذراسی دیر میں تیز کرکے چمکدار کر دیتی ہے۔ بالائی کے حلوے اور کھانے کی دیگر مزیدار چیزیں بنا دیتی ہے۔ ابھی اس عورت سے اور کام لینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس کا موجد کہتا ہے کہ ان سب امتحانوں میں پوری اترنے کے بعد یہ بجلی کی عورت انسانی ماماؤں سے ہمیں بے پرواہ کر دے گی۔

لڑکی کا چوروں سے مقابلہ۔ لندن کے ایک بنک میں ایک لڑکی نوکر ہے۔ وہ ایک روز ملازموں کی تنخواہ تقسیم کرنے کے لیئے تھیلی میں سو پونڈ لے کے چلی۔ جب وہ ایک گلی میں پہنچی وہاں ایک موٹر دیرسے اس کے انتظار میں کھڑی تھی۔ موٹر اس کے قریب آ گئی اور اس میں سے ایک آدمی نے کود کے اس کی تھیلی پر جھپٹا مارا لیکن لڑکی نے تھیلی کو زور سے پکڑ لیا۔ دونوں میں دیر تک بڑے زور کی کشمکش ہوتی رہی تھیلی چھٹ گئی لیکن لڑکی نے ہاتھ سے نہ دی۔ پونڈ تھیلی میں رہے گرے نہیں۔ آخر آدمی اسے کھینچتا ہوا موٹر کے پاس لے جا کے اس کے پائدان پر چڑھ گیا۔ لڑکی نے پھر بھی

پانی میں نمک گھول کے اس میں گلدستہ رکھیں تو اس کے پھول کئی کئی دن تک تازہ رہتے ہیں۔ نمک کی بھاپ لینے سے بخار اور زکام کو فائدہ ہوتا ہے۔ نیم گرم پانی میں تھوڑا سا نمک ملا کے آنکھوں کو دھوئیں تو ان کا میل کچیل دور ہو جاتا ہے۔ کوئی آگ سے جل جائے تو منہ میں نمک گھول کے اس کا لعاب زخم پر لگانے سے آرام ہو جاتا ہے۔

محنت کے بعد آرام۔ گھر کے دھندوں میں جلدی بیبیاں تھک جاتی ہیں۔ بچوں کی چیخ پکار انکے حواس مختل کر دیتی ہے۔ اس وقت وہ جھنجھلاتی اور بچوں کو کوسا کرتی ہیں۔

جسمانی طاقت سمندر کے مدوجزر کی طرح ہے۔ کبھی زیادہ ہے کبھی کم۔ کبھی ہمت بڑھی ہوئی ہے کبھی دل گرا جاتا ہے۔ ایک وقت میں آدمی پہاڑ بھی گرا دے۔ دوسرے وقت میں گردن کے نیچے تکیہ رکھنے میں آلکس آئے۔ باقاعدہ اور کل کے ذریعہ کام کرنے والوں کا تجربہ کیا گیا۔ ہفتہ میں ہر دن میں کام مختلف دیکھا گیا۔ مثلاً پیر کے دن کام کم ہوتا دیکھا گیا۔ بدھ کے روز سب سے زیادہ ہوا اور بعد میں انکے تھکنے کے ساتھ ساتھ دن بدن کم ہوتا چلا گیا۔ جب باقاعدہ اور کلوں کے کام والوں کا یہ حال ہو تو خانہ داری وغیرہ میں اسکا اثر زیادہ ہی نظر آئے گا۔

مختلف اوقات میں جوش وہمت کی کمی بیشی کی کچھ پروا نہ کرنی چاہیئے۔ دستور العمل کی سخت پابندی نامناسب اور مضر ہے۔ جب ہمت کم ہوتی جارہی ہو تو اس کے قیام کے لیئے فوری کوشش ضروری ہے۔ خوراک نیند تازہ ہوا یا دلی تفریح کی ایسے موقع پر ضرورت ہوا کرتی ہے۔

آرام لینے کو برا نہ سمجھو۔ جب تھکن معلوم ہو تو وقتاً فوقتاً پانچ منٹ کے لیئے ہی لیٹ ضرور جاؤ اس طرح دیکھنا دماغ کس قدر صحیح رہتا ہے۔

کان میں تکلیف۔ کان کا باہر کا حصہ زیبائشی ہے۔ اصلی چیز تو اور ہے۔ اندر ۱ ۳/۴ انچہ کے فاصلہ پر ایک جھلی ہے اس کے آگے ایک چھوٹا سا سوراخ ہے۔ اس کے آس پاس باریک ہڈیوں کی گلجھٹ ہے اصلی کان یہ ہے۔ جھلی سے آوازیں ٹکرا کے یہاں آ کے پھیلتی ہیں۔ یہ جگہ خود قدرتی طور سے صاف ہوتی رہتی ہے۔ درمیانی حصہ جو جھلی کے قریب ہے درست رکھنا ہمارا فرض ہے۔ اس کے لیئے تین ہدایتیں ہر وقت پیش نظر رکھنی چاہیئے ورنہ ذراسی غفلت سے بہرہ پن پیدا ہو جاتا ہے۔

(۱) نتھنوں کو بند کر کے ناک میں ہوا ہرگز نہ بھرو۔ اس سے جراثیم یا زہریلا مادہ کان میں پہنچ جانے کا اندیشہ ہے۔

(۲) ناک اور گلے میں سوزش نہ رہنے دو اس سے کان میں سوزش پہنچ جانے کا ڈر ہے۔

(۳) اگر بچہ منہ سے سانس لے فوراً اس کی طرف توجہ کرو۔ گلے کے قریب گانٹھیں پڑ جانے سے کان اور گلے میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ اس سے سماعت میں فرق پڑ جاتا ہے۔ گلا اور ناک ہمیشہ صاف رکھنے چاہئیں۔

محمد ظفر

سیر بین

حُسن کا مقابلہ مغرب میں حُسن کے مقابلے اخلاقی اور معاشری زندگیوں کو تباہ کر ہی رہے تھے لیکن یہ با اب
وہاں کی دوسری متعدی بیماریوں کے ساتھ ترکی میں بھی ٹرہی چلی آرہی ہے۔ ترکی اخبار جمہوریت نے پچھلے سال سے حُسن
کے سالانہ مقابلہ کی بُنیاد ڈالی ہے۔ پچھلے سال فرحہ توفیق مقابلہ میں شریک ہونے والیوں میں سب سے زیادہ حسین قرار
پائی۔ یہ اخبار اس مقابلہ کو جاری رکھنا چاہتا ہے۔ اس نے پیرس کے حُسن کے مقابلہ کرنے والوں سے انتظام کرلیا ہے کہ
سب سے زیادہ حسین ترکی لڑکی پیرس میں یورپی حسینوں سے مقابلہ آرا ہونے کے لیئے بھیجی جاتی رہے گی اور جب وہ
وہاں بھی اول آئے تو وہ کورن ڈی گرسو میں بھیجدی جایا کرے جہاں تمام دنیا میں حسین ترین لڑکی منتخب کی جاتی ہے۔
اس مقابلہ کی ایجاد نے ترکی چلبلی طبیعت والیوں میں ایک شوق کی کھلبلی ڈال دی ہے۔ اس سال تامق بے کی لڑکی
مِس جل (؟) تامق سب سے زیادہ حسین ترکی عورت قرار پائی ہے۔ وہ عنقریب اپنے باپ سمیت پیرس جارہی ہے
اور اگر وہ وہاں یورپ کے حسینوں میں اول آئی تو اگست میں دُنیا کے حُسن کے مقابلہ میں کورن ڈی گرسو کے مقام
پر شریک ہوگی *

زن مریدوں کی انجمن۔ زنانہ آزادی نے مغرب میں ایک ہیجان پیدا کردیا ہے۔ عورتیں اپنی نام نہاد آزادی
کے لیے طرح طرح کے جتن کرتی ہیں۔ مردوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں۔ اب لورپول میں زن مرید شوہروں کی ایک انجمن
قایم ہوئی ہے لیکن اسکا ابتدائی جلسہ حوصلہ شکن ثابت ہوا کیونکہ اس کے تین سو سے زیادہ ممبروں کو انکی بیویوں نے جلسہ میں
شریک ہونے سے روک دیا۔ صرف ۴۰ حاضر ہوئے۔ مسٹر ولیم میک الوری نے کرسی صدارت پر بیٹھتے ہوئے ابتدا ہوئی،
نہ پر استقلال اور قایم مزاجی کے لہجہ میں شروع کی کہ آپ کو مجھے ضرور صدر مقرر کرنا ہے کیونکہ اگر آپ ایسا نہ کرینگے تو
میں گھر جانے کی جرأت نہ کرونگا۔ میری بیوی نے کہا تھا کہ اگر تم اس احمقانہ خفیہ انجمن میں شریک ہونا ہی چاہتے
ہو تو تم اس کے سرگروہ بن جانا ورنہ گھر آنے کی ضرورت نہیں۔
دو اور "بھائی" جو صدارت کے لیئے نامزد کیے گئے تھے ہٹ گئے اور مسٹر میک الوری تالیوں کے شور میں
صدارت کے لیئے منتخب کرلیئے گئے۔ اسوقت یہ گیت گایا جارہا تھا کہ ہم عورتوں کو بتا دینگے کہ ہم کیا کچھ کرسکتے ہیں۔
اب یہ تجویز ہے کہ ان بیویوں کو جو اپنے شوہروں کے اس انجمن میں شریک ہونے پر معترض ہوتی ہیں باہر کی
[illegible] کے انتظامات کرکے رام کیا جائے گا۔

ٹھوکا دیتے جاؤ اور انگلیوں کو اس طرح ہلاؤ جیسے گویا پیانو بجایا جا رہا ہے اور انگلیاں آہستہ سے پیچھے کی طرف کو موڑو۔

(۳) ہر ایک رات کو انگلیوں کے پوروں پر ۳۔۴ منٹ تک اوپر کی طرف لمبائی میں ٹھوکا لگاتے پھیرو۔ پھر کوئی کریم منگاؤ اور انگلیوں کو بھینچ بھینچ کے ملو تاکہ انکی بناوٹ میں خوشنمائی آجائے۔

(۴) ہاتھ دھونے کے بعد تولیہ سے ہاتھ کی کھال پر دباؤ ڈالنا چاہیئے۔ ناخنوں کو دبایا نہ جائے اس سے ان میں سفید دھبے آجاتے ہیں +

دھبے دُور کرنا۔ دھبے دور کرتے وقت کپڑے کی قسم اور رنگ اور دھبہ کی کیفیت کا خود لحاظ رکھنا چاہیئے۔ پہلے مصالحہ کا ہلکا عرق استعمال کرنا چاہیئے۔ اسے بعد میں تیز کیا جا سکتا ہے۔ تیزاب استعمال کرتے وقت کپڑے کے نیچے کوئی گدی یا جاذب کا ٹکڑا رکھ لینا چاہیئے تاکہ مائع اس میں جذب ہوتا رہے۔ کپڑے پر نمی کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیئے صابن کے کونے کو گیلا کر کے دھبہ کے گرد حلقہ بنا دیں۔ دھبہ دُور ہو جانے کے بعد صابن کا نشان دُور کیا جا سکتا ہے۔ یہ طریقہ آسانی سے دُھل جانے والے کپڑوں کے لیئے ہے۔

اگر موم کی بتی کا نشان پڑ گیا ہے تو کپڑے کے اوپر اور نیچے جاذب کا ٹکڑا رکھ کے گرم استری کریں اور وقتاً فوقتاً جاذب سرکاتے رہیں۔ اگر رنگین موم کا نشان ہو تو چکنائی دُور کرنے کے بعد سپنج میں الکحل لگا کے پھیریں۔

قہوہ اور کوکو کے دھبہ پر سہاگہ بُرک دیں اور پھر ٹھنڈے پانی سے دھو ڈالیں۔ اگر دھبہ دُور نہ ہوتا ہو تو جے ویل واٹر آخری تدبیر کے طور پر استعمال کریں۔

اگر کسی میوہ کا دھبہ پڑ گیا ہو تو ایک پیالہ کے اوپر کپڑے کے اس حصہ کو رکھیں اور کھولتا ہوا پانی اونچائی سے ڈالیں تاکہ پانی دھبہ پر پڑ کے پیالہ میں گرے، سہاگہ بُرک کے پھر کھولتے ہوئے پانی کی دھار ڈالیں۔ اگر دھبہ دُور نہ ہو تو جے ویل واٹر یا لیموں کا نمک لگائیں۔

اگر سربش یا چکنے والی چیز لگ گئی ہے تو دھلنے والے کپڑے پر گرم پانی سے سپنج کر دیں۔ اگر کپڑا دُھلنے والا نہیں تو سرکہ میں ڈبوئیں۔

چکنائی کو دُور کرنے کے لیے جاذب رکھ کے گرم استری کریں تاکہ چکنائی گھل جائے پھر گیسولین یا الکحل کسی مُلائم کپڑے سے لگائیں۔ اس مقام پر پھر فلرس ارتھ یا فرنچ چاک بُرک دیں اور چند گھنٹے پڑا رہنے دیں۔ بعد ازاں برش کر دیں۔ دُھلنے کے قابل کپڑوں پر مٹی کا تیل لگائیں اور گرم پانی میں صابن حل کر کے اس سے دھو ڈالیں۔ مٹی کا تیل اچھی سفید کرنے والی چیز ہے۔

سیاہی کا داغ دُور کرنے کے متعدد طریقے ہیں۔ دودھ، لیموں کے نمک یا لیموں کے عرق اور نمک میں ڈبو کے گرم پانی سے دھو دیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ خشک رائی اور پانی کی لئی بنا لیں۔ اسے دھبہ پر ۱۵ منٹ کے لیئے پھیلائیں۔ پھر دھو

ڈالیں۔ دھبہ دُور ہو جائے گا۔ سرکہ اور کلورائڈ آف لائم سے پکے سے پکا سیاہی کا دھبہ دور کیا جا سکتا ہے۔ آدھ گھنٹہ تک سرکہ میں ڈبوئیں پھر کلورائڈ آف لائم میں ڈبوئیں اور بعد ازاں دھو ڈالیں۔ سُرخ سیاہی کے دھبوں کے لیے ہیڈروجن پر وکسائڈ اور ٹھنڈا پانی استعمال کریں۔ آیوڈین کا دھبہ پڑ جائے تو امونیہ لگا کے اسپنج پھیرا جائے۔

چیپہ کیڑے کے نشان پر عرق لیموں یا کھٹا دودھ لگا کے دھوپ میں سکھائیں۔ دھونے کی ضرورت نہیں۔ اس کے پُرانے داغ کے لیے جے ویل واٹر استعمال کریں۔

پسینہ کے داغ دُور کرنے کے لیے پہلے کلوروفارم لگائیں تاکہ بدبو جاتی رہے پھر سرکہ ہلکا کر کے اسپنج سے لگائیں۔ دھبے دُور ہو جائیں گے۔ پسینہ میں تیزابیت ہونے کی وجہ سے کپڑے کا رنگ اُڑ جایا کرتا ہے۔ اسکا کوئی علاج نہیں۔

تارکول کے دھبہ دُور کرنے کے لیے تارپین لگا کے برش کر دیں۔ چائے کے دھبہ پر سہاگہ برک کے کھولتا پانی ڈالیں یا عرق لیموں ڈال کے دھوپ میں رکھدیں۔ آخری تدبیر وہی جے ویل واٹر ہے۔

خانگی ٹوٹکے۔ چاندی نکھارنے کے لیے کسی تام چینی کے برتن میں بھر پانی اسے کھولائیں۔ اس میں مٹھی بھر سوڈا ڈالیں۔ جب وہ گھل جائے اس میں المونیم کا ڈھکنا ڈالدیں۔ اس پر چاندی رکھدیں۔ جب پانی ٹھنڈا ہو جائے تو چاندی نکال کے کسی ملائم کپڑے سے پونچھ ڈالیں۔

جن انڈوں میں درز آئی ہوئی ہو اُن کو اُبالنے سے پہلے کسی باریک روغنی کاغذ میں لپیٹ دیں۔ اُبالتے وقت سفیدی پھوٹ کر باہر نہ آنے پائے گی۔

اگر کوئی ربڑ والا کپڑا (جیسے برساتی یا کھانا پکانے کے وقت آگے کی طرف ڈالا جانے والا ربڑ کا کپڑا) اس قدر خراب ہو جائے کہ استعمال کرنا بھدا معلوم ہو تو معمولی سی ترکیب سے یہ کپڑا کچھ دن اور کام دے سکتا ہے۔ کھولتے ہوئے پانی میں صابن گھول دیں اور وہ کپڑا اس میں ڈال دیں۔ ربڑ گھل کے پانی میں مل جائے گا اور خالی کپڑا رہ جائیگا جو کام آسکتا ہے اور میلا ہونے پر معمولی کپڑے کی طرح دھویا جا سکتا ہے۔

ٹھنڈی چا کا پانی چھان کے اس میں کلپ کا اتنا پانی ملایا جائے جتنا گہرا عنابی رنگ آپ کو پسند ہو۔ اسے ملایا جائے کہ سفیدی کی دھاریں نہ نظر آئیں۔ کھڑکیوں اور دروازوں کے پردے اس میں بیس منٹ کے لیے ڈبو دیں اور وقتاً فوقتاً اس عرصہ میں اسے اُٹھا اُٹھا کے پھر ڈال ڈال دیں۔ بعد میں دبا کے نچوڑ لیں۔ مروڑی نہ دیں پھر لٹکا کے خشک کریں۔ یہ رنگ دیرپا ہوگا۔

نمک کے فوائد۔ سر میں درد ہو تو نمک کی ایک چٹکی زبان پر رکھ کے دس منٹ بعد ٹھنڈے پانی کا ایک گلاس پی لیں۔ درد دُور ہو جاتا ہے۔ نمک دانتوں پر ملنے سے انکو صاف کرتا ہے اور مسوڑوں کو مضبوط بنا دیتا ہے۔

عصمت ——— اور آدمی نے جس کے ہاتھ میں گھومنے والا طپنچہ (ریوالور) تھا لڑکی کو تھیلی نہ چھوڑی۔ موٹر میں بیٹھے ہوئے ایک اور آدمی نے جس کے ہاتھ میں گھومنے والا طپنچہ (ریوالور) تھا لڑکی کو دھکا دیدیا اور موٹر چلتی کردی۔ ایک نوجوان نے دُور سے یہ لڑائی دیکھی۔ اُس نے اپنے ہاتھ سے اپنی گٹھڑی پھینک موٹر کا پیچھا کیا۔ وہ موٹر کے پائدان پر جا چڑھا۔ موٹر والوں نے مار مار کے اسے اُتر کر دیا لیکن وہ موٹر سے چمٹا رہا۔ آخر کار وہ اسے زمین پر گرانے میں کامیاب ہوئے اور وہ لڑھکتا ہوا سڑک پر جا پڑا۔ پولیس میں اطلاع دی گئی۔ لڑکی نے موٹر کا نمبر دیکھ لیا تھا۔ پولس کو اس نمبر کی موٹر کی اُسی روز صبح کو چوری جانے کی اطلاع ملی تھی۔ سب نے لڑکی کی بہادری کی تعریف کی۔ ابھی چور پکڑے نہیں گئے ہیں۔ ایک اور لڑکی اپنی نقدی کی تھیلی لیے جارہی تھی کہ ایک چور نے گھات سے نکل کے اسکی آنکھوں میں مرچیں جھونک دیں اور اس کی تھیلی لے کے چلتا بنا۔ آنکھیں سوج گئیں اور بڑی مشکل سے اچھی ہوئیں۔

زہر خورانی کے ذریعہ شادی۔ سنہ ۱۹۱۵ء میں ایک خوبصورت نرس نے جو ہنگری کی رہنے والی تھی حکام سے اطالوی محاذ پر جانے کی درخواست کی۔ جب وہ وہاں پہنچی تو فوج کے ڈاکٹر کی غیر حاضری میں ایک اطالوی قیدی نے اسکا خیر مقدم ادا کیا۔ وہ اسے دیکھتے ہی اس سے محبت کرنے لگا اور اس سے شادی کرنے کی فکر میں مُبتلا ہو گیا مگر اسے معلوم ہوا کہ ہنگری کے قانون کے مطابق اس خوبصورت نرس کی ہنگری کے کسی باشندے سے ہی شادی ہو سکتی ہے۔ غیر باشندے سے صرف ایک صورت سے شادی کی اجازت ہے کہ دولھا بستر مرگ پر لیٹا ہو۔ چند روز کے بعد اس قیدی نے زہر کھالیا اور اس کی حالت خراب ہو گئی۔ اس کے منہ میں جھاگ آگئے، لیکن طبی امداد اسقدر جلد پہنچ گئی کہ وہ اپنی شادی کی خواہش ظاہر نہ کر سکا حتے کہ ڈاکٹر نے اسکی جان خطرہ سے محفوظ بتادی۔ دوسری مرتبہ بھی اسنے بستر مرگ پر پہنچنے کی ناکام کوشش کی۔ سپہ سالار نے جسے اس داستان محبت سے پوری دلچسپی پیدا ہو گئی تھی اسے بیکار قرار دے کے دوسری جگہ بھجوا دیا۔ چند روز کے بعد اسکی طرف سے تار ملا کہ فوراً چلی آؤ۔ شرط پوری ہو گئی ہے۔ لڑکی کو اس سے پُوری محبت تھی وہ پہنچ گئی اور صلح جنگ ہونے سے سات دن پہلے انکی شادی بھی ہو گئی لیکن سفر میں ہوا لگنے کی وجہ سے قیدی جانبر نہ ہو سکا۔ اسکی موت کے بعد قیدی کی ماں نے خط بھیج کے اپنی بہو کو بُلانا چاہا کہ وہ گھر اور جائداد پر قابض ہو جائے جو قانوناً اب اسکی ہی تھی لیکن لڑکی جان کے خوف سے نہ گئی آخر اب تک افلاس اور سختی کے دن گذارنے کے بعد وہ اب اپنی سُسرال جارہی ہے تاکہ اپنے حقوق حاصل کرے۔

وکیل عورتیں۔ انگلستان میں عورتیں بیرسٹر بن رہی ہیں اور اب ہندوستان میں بھی کئی وکیل بن چکی ہیں۔ یہاں کا حال تو معلوم نہیں لیکن وہاں عورتیں بحیثیت وکیل کے ناکام ثابت ہو رہی ہیں۔ عدالتوں میں کم نظر آتی ہیں جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ اسکی کیا وجہ ہے تو یہی جواب ملتا ہے کہ اسکا ذمہ دار جنسی تعصب ہے۔ مرد عورتوں کو وکیل نہیں کرتے۔ سالسٹر مقدمات میں وکیلوں بیرسٹروں کو کھڑا کرتے ہیں لیکن سالسٹر زیادہ تر وہی ہیں۔ ہر ہزار میں ایک عورت سالسٹر ہے۔ اس لیے وہ اپنے ہم جنسوں کے پاس مقدمات لے جاتے ہیں۔ لیکن ایک اور بھی ہے ان عورت وکیلوں میں ایک بڑا نقص بتایا جاتا ہے کہ وہ بحث کرتے ہوئے رنگین و مرصع فقرے استعمال کر کے فصاحت کی داد دیا کرتی ہیں۔ اور اب زمانہ مقدمات میں ایسی تقریریں کرنیکا نہیں۔ محمد ظفر

شکریہ

حسب اعلان عصمت بابت اکتوبر ۲۹ء ان محترم بہنوں کے نام دلی شکریہ کے ساتھ درج کرتی ہیں جنھوں نے عصمتی دسترخوان کی تیاری میں حصہ لیا۔ ان سب بہنوں کو کتابیں بھیجی جا چکی ہیں۔

آمنہ نازلی

پنجاب، کشمیر، سرحد

اہلیہ پروفیسر محمد طلحہ صاحب ایم اے لاہور ۵
ب، س بنت سید محمد حسین صاحب لاہور ۴
مس تاج سلطان بنت راجہ غلام مہدی صاحب راولپنڈی ۴
گ ن بنت ڈاکٹر ابوالفضل صاحب کپورتھلہ ۴
بیگم مولانا محمد علی صاحب ایم اے احمدیہ بلڈنگ لاہور ۴
صفیہ خانم صاحبہ لودھی بنت مرحوم تحصیلدار صاحب فیروزگڑھی ۴
بیگم مولوی ضیاء الدین احمد صاحب کمشنر پولیس بہاولپور ۲
زینب بائی صاحبہ باتھر کیمبل پور پنجاب ۲
فرخندہ اختر صاحبہ بنت ڈاکٹر محمد خانصاحب کمشنر قیصر پور ۱
مسز احمد شفیع صاحبہ انارکلی لاہور ۱
تمیدالنسا صاحبہ کنجاہ ۱
فاطمہ بیگم صاحبہ لاہور ۱

آگرہ اودھ

مسز عبدالرحید خاں صاحب ملیح آباد ۲۰
بیگم خانصاحب عظیم الحق صاحب مجسٹریٹ گورکھپور ۲۰
بری بگم صاحبہ بنت لالہ دیانرائن صاحب نگم بی اے اڈیٹر زمانہ ۸
ع ف صاحبہ بنت سید محمد علی صاحب منصرم آگرہ ۵
ا۔ ف صاحبہ " " " ۵
نعیمہ خاتون صاحبہ بنت ڈاکٹر احمد اللہ خانصاحب جالون ۵
مسز سید الطاف حسین صاحب پولیس انسپکٹر میرٹھ ۵
ص بیگم صاحبہ قریشی آگرہ ۵
مس مرزا مرتضی بیگ صاحب وکیل اعظم گڈھ ۴
اہلیہ مشرف حسین صاحب وکیل لکھیم پور کھیری ۴
شفقت جہاں بیگم صاحبہ بنت تحصیلدار یوسف علی صاحب ۴

اصغری بیگم صاحبہ کانپور ۶
ب، ب بنت میر سجاد حسین صاحب مجسٹریٹ بجنور ۲
بیگم احمد عمر صاحب فتح آباد ۲
مسز عبدالغنی صاحبہ کانپور ۲
خورشید اشفاق صاحبہ بنت خان بہادر اشفاق حسین صاحب ۲
عائشہ حبیب صاحبہ غازی پور ۲
نعیمہ بیگم صاحبہ دختر سب جسٹرار صاحب میرٹھ ۲
اختر فاطمہ صاحبہ سیدنپور ۲
دختر سید اکبر علی صاحب رڑکی ۲
کشور جہاں صاحبہ لکھنؤ ۱
محبوب بیگم صاحبہ مارہرہ ۱
خ بی بی صاحبہ دختر خانصاحب مولوی محمد نظیر صاحب غازی پور ۲
ہمشیرہ محمد ادریس صاحب پرتاب گڈھ ۱

مالوہ وسط ہند راجپوتانہ

نواب زادی رضیہ سلطان جہاں بیگم صاحبہ آف پچھار ۴
بنت بلدیو پرشاد صاحب بھوپال ۱۳
بنت نعمت الٰہی صاحب بسری تحصیلدار ریاست بہاولپور ۱۲
آر ایس صاحبہ بھوپال ۹
ذکیہ سلطانہ بیگم صاحبہ دختر قاضی محمد عمر صاحب وکیل بھوپال ۴
محبوب جہاں بیگم صاحبہ بھوپال ۵
احمدی بیگم صاحبہ بنت سردار جاورہ ۱

بہار بنگال

ح م ب ہمشیرہ سید حسن عسکری صاحب ایم اے گیا ۹
مہ جبیں جہاں بیگم صاحبہ باری سال ۷
مس عزیز الفاطمہ صاحبہ آرہ ۵
مس حسن احمد صاحب پٹنہ ۵
مسز ظہور عالم صاحب حسین آباد مونگیر ۳
ایس کے صغرا بیگم صاحبہ سبز داریہ کلکتہ ۲
رئیسہ خاتون صاحبہ پٹنہ سٹی ۱

مدراس میسور

فاطمہ بیگم صاحبہ بنت قاضی محمد حسین صدیقی بنگلور ۲۰
مہرالنسا صاحبہ ہمشیرہ غلام دستگیر صاحب ایجوکیشنل افسر ۴

حیدرآباد دکن برار سی پی

خیرالنسا صاحبہ حیدرآباد دکن ۲۶
مسز سمیع اللہ شاہ صاحب نام پلی حیدرآباد دکن ۸
بنت عبدالحفیظ صاحب بلاسپور ۸
بنت مولوی واجد حسین صاحب نیندلہ ضلع ایوتمل ۶
مسز عبدالحمید صاحب ہنمکنڈہ دکن ۶
آمنہ صاحبہ بنت مولوی عبدالرحیم صاحب حیدرآباد ۴
اہلیہ کپتان علی رضا صاحب محبوب نگر دکن ۲
عظیم النسا صاحبہ بنت مرحوم اصغر علی صاحب وکیل رائے پور ۲
عزیز بانو صاحبہ بنت محمد خیر خانصاحب ڈپٹی انسپکٹر مدارس امراوتی ۲
صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ ایم اے ایس حیدرآباد امراوتی ۳
سیدہ اشرف صاحبہ ناگپور ۳
محمودہ خاتون صاحبہ ناگپور ۱
اہلیہ عبدالغفور خاں صاحب ایلچ پور ۱

بمبئی گجرات

مس معطی بائی طیب علی صاحب بصری سورت ۴
مسز حاجی عبدالخالق صاحب بمبئی ۲

جرمنی

فاطمہ ستار صاحبہ اہلیہ پروفیسر ستار خیری ایم اے ۲

عراق

زبیدہ الغنی خانم صاحبہ بصرہ

دہلی

بلقیس بیگم (د۔ ا) صاحبہ ۷

ایچ ایس محبوب صاحبہ
دختر عبدالصادق صاحب
اختر سلطانہ صاحبہ
سلطنت آرا صاحبہ
حمیدہ خاتون صاحبہ
اہلیہ عبدالعزیز صاحب
ایچ ایس بی بی گل صاحبہ

سفید داغ یا برص کا علاج

مارچ کے پرچے میں ایک بہن صاحبہ نے اپنے بچے کے لیئے برص کی دوا دریافت فرمائی ہے۔ چنانچہ میں اس مرض کا ایک بہت ہی مجرب علاج لکھتی ہوں۔ جو تجربہ سے نہایت مفید ثابت ہو چکا ہے۔ اُمید ہے انشاء اللہ بہن صاحبہ کے بچے کو بھی اس سے آرام ہو جائے گا۔ ہاں اس میں صبر کی ضرورت ہوگی۔ کیونکہ بہن موصوفہ مرض دو سال کا پُرانا لکھ رہی ہیں۔ اس لیے بہت آہستہ آہستہ رفع ہو گا۔

باپچی اور گیرو ان ہر دو چیزوں کو منگوا کر دونو کو الگ الگ کوٹ اور خوب اچھی طرح چھان کر رکھ لیا جائے۔ اور رات کو سوتے وقت قریباً دو ماشے باپچی اور چٹکی ڈیڑھ چٹکی بھر گیرو (بڑے آدمی کے لیئے فی خوراک چار ماشے باپچی اور ایک ماشہ بھر گیرو ہونی چاہیئے۔ مگر چونکہ یہ دوائی بہت گرم۔ خشک ہوتی ہے۔ اس لیے بچے کے لیے نصف مقدار کافی ہوگی۔ ہاں اگر بچہ کچھ زیادہ گرمی نہ محسوس کرے تو پھر دوائی کی مقدار کسی قدر زیادہ کی جاسکتی ہے) لیکر اپنی پاؤ۔ ڈیڑھ پاؤ پانی میں یا جتنا پانی بچہ آسانی سے پی سکے۔ اتنے میں بھگو دیں۔ بھگوتے وقت دوائی کو پانی میں خوب ہلا دیا جائے تاکہ دونو چیزیں اس میں اچھی طرح مل جائیں۔

رات بھر اسے اسی طرح پڑا رہنے دیں۔ دوائی برتن کی تہ میں بیٹھ جائے گی۔ اور پانی اوپر آجائے گا۔ صبح اُٹھکر اس پانی کو آہستگی کے ساتھ نتھار کر نہار منہ بچے کو پلا دیا جائے۔ اگر اس طرح نہ پیا جا سکے۔ تو تھوڑی سی مصری اس میں ملا لیا کریں۔

برتن کی تہ میں بیٹھی ہوئی دوائی کو نکال کر اور ذرا اور پیس کر ان تمام داغوں پر لگا دیا کریں۔ جو بہت سفید۔ سفید ہوں۔ مگر وہ داغ جو ابھی۔ نئے نئے نکلے ہوں اور دُھندلے سے ہوں۔ ان پر لگانے کی ضرورت نہیں۔ وہ دوا کے پینے سے خود بخود جاتے رہیں گے نیز دوائی صرف ایک مرتبہ دن میں داغوں پر دوا لگائی جائے۔ یہ اپنی مرضی پر ہے۔ کہ چاہے دن بھر لگی رہنے دیں یا پانچ سات گھنٹے بعد اُتار دیں۔ جن داغوں پر دوائی لگائی جائے گی۔ ان پر سے جھلی کی طرح سے کھال سی اُترے گی۔ اور رفتہ رفتہ اس کے اُترنے کے بعد جلد کی اصلی رنگت نکل آئے گی۔

اگر بیماری نئی نئی ہو تو جلد رفع ہو جاتی ہے مگر بہن صاحبہ کے بچے کا مرض چونکہ دیرینہ ہے۔ اسے زیادہ عرصہ تک دوائی استعمال کرنی پڑے گی تاہم دوائی کا فائدہ بھی موصوفہ کر دو۔ ڈھائی ہفتے کے استعمال کے بعد یا شاید اس سے بھی بیشتر ظاہر ہونے لگے گا۔ یعنی وہ دُھندلے دُھندلے سے داغ جن پر دوائی نہ لگانی چاہیئے۔ اس عرصہ

میں ہی دن بدن مدھم پڑکر غائب ہونے شروع ہو جائیں گے۔ اور آگے کو اور نکلنے بھی قریباً بند ہو جائیں گے۔
جب دیکھئے کہ اور داغ نمودار ہونے بالکل بند ہوگئے ہیں۔ اور پہلوں کے نشان بھی غائب ہوچکے تو اس کے دو تین ہفتے بعد تک بھی دوائی کا استعمال احتیاطاً جاری رکھیں۔ تاکہ بیماری کی جڑ تک جاتی رہے۔ اور دوبارہ عود کرنے کا اندیشہ نہ رہے۔

پرہیز۔ اس بیماری میں سب سے زیادہ پرہیز دودھ اور نمک کا ہے۔ اس لیے حتی المقدور اس کا بہت خیال رکھیں۔ اس کے سوا ترش پھل۔ مثلاً مالٹا۔ نارنگی۔ آم وغیرہ۔ اسی طرح زیادہ گرم ترکاریاں جیسے بینگن وغیرہ اور دیگر ترشی، بادی۔ نمکین چیزیں بھی بچے کو کھانے کو نہ دیں، مثلاً دودھ، چائے، دہی، ملائی، اچار، دال ماش، مسور وغیرہ، چاولوں سے بھی پرہیز ہی بہتر ہوگا۔ تاہم اگر بچہ خواہش کرے تو بغیر نمک کا پلاؤ دیا جاسکتا ہے۔
گھی جتنا بھی کھاسکیں اتنا ہی اچھا ہے۔ کھانے کے ساتھ شہد خالص کا استعمال بھی بہت مفید ہوگا۔ جو ترکاری پسند ہو سوائے بہت گرم کے بیشک کھائیں مگر جہاں تک ہوسکے۔ اس میں سیاہ مرچ ڈلوائیں۔ ہاں ذائقہ بدلنے کے لیے اگر بہت دل چاہے تو دار فلفل کے دو تین دانے گوندھے ہوئے آٹے میں لپیٹ کر چولھے میں بھون لیں جب آٹا اوپر سے سرخ ہو جائے تو چولھے سے نکال کر آٹا ان پر سے اتار ڈالیں اب ان دونوں کو دودھ میں ڈال کر اسے کاڑھیں۔ بس اس طرح سے کڑھا ہوا دودھ نقصان دہ نہ ہوگا۔
انشاء اللہ دوائی کے استعمال اور پرہیز کرنے سے بالکل آرام ہو جائے گا۔

لطیف بیگم۔ لاہور

عصمتی کروشیا

زنانہ دستکاری کی اقسام میں کروشیا کا کام غالباً سب سے زیادہ عام فہم۔ سادہ اور آسان لیکن ساتھ ہی بہت کارآمد و خوبصورت کام ہے۔ اس کے سوا اس کام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے۔ کہ ایسا تھوڑی بہت مہارت رکھنے والی لڑکیاں بھی صرف نمونے دیکھ دیکھ کر ہی بہت کچھ سیکھ لیتیں۔ اور نئے نئے نمونے بنا سکتی ہیں۔ چنانچہ فن کروشیا کی ان ہی خوبیوں کی وجہ سے اسے ہندوستانی گھروں میں بہت قبولیت حاصل ہو رہی ہے۔ اور آج کل اکثر لڑکیاں خصوصاً شہر میں رہنے والی تو مشکل سے ہی کوئی ایسی لڑکی ہوگی۔ جو اس کام میں کچھ نہ کچھ واقفیت رکھتی ہو۔

ادھر انگریزی زبان میں دیکھئے۔ تو اس مفید کام کے متعلق سینکڑوں کتابیں بھری پڑی ہیں۔ جن میں کئی کئی قسم کا کروشیا کا کام اور نئی نئی وضع کے نمونے ہوتے ہیں۔ مگر افسوس کہ اُردو میں اس کام کے متعلق آج سے چند سال قبل کوئی کتاب نہ تھی جس سے اس دستکاری کی شوقین بہنیں مدد لے سکتیں۔ چنانچہ ان بہنوں کی دوڑ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتی تھی۔ کہ بوقت ضرورت اِدھر اُدھر آپس میں ایک دوسرے سے نمونہ مانگ مانگ کر اپنا یہ شوق پورا کریں مگر اب یہ دیکھکر بہت خوشی ہوتی ہے کہ کروشیا کے کام میں ماہر بہنوں نے اس طرف توجہ کرنی شروع کر دی ہے۔ اور اس کام کے متعلق کتابیں تصنیف و مرتب ہونے لگی ہیں۔ چنانچہ کچھ عرصہ ہوا۔ اس موضوع پر محترمہ بلقیس حمید بیگم صاحبہ کی ایک مفید کتاب "کروشیا کا کام" شایع ہو چکی ہے۔ اور اس کے بعد اب محترمہ فاطمہ بیگم صاحبہ (بنگلور) اس کام کی طرف متوجہ ہو رہی ہیں۔ اور اس وقت ان ہی بہن کی مرتب کردہ ایک کتاب "عصمتی کروشیا" بھائی رازق الخیری صاحب کی مہربانی سے میرے ہاتھ میں ہے۔ جو فن کروشیا کے متعلق محترمہ موصوفہ اور متعدد عصمتی بہنوں کی متفقہ کوششوں کا نتیجہ ہے۔

کتاب عصمتی کروشیا قریباً سوا سو صفحہ کی کتاب ہے۔ اور اس میں ۸۵ کروشیا کے نمونے یا نقشے ہیں۔ کتاب کے شروع میں کام کے متعلق کچھ مختصر سی ہدایات بھی درج ہیں۔ نمونوں کے ساتھ ان کے بنانے کی تراکیب نہیں لکھی گئیں۔ انکی چنداں ضرورت بھی نہیں۔ کیونکہ تمام نمونے یوں ہی اسی قدر صاف اور آسان ہیں کہ سمجھنے میں بالکل دقت نہیں ہوتی۔ اور نقشہ دیکھکر ہی خود بخود سمجھ میں آجاتے ہیں ہاں ویسے اکثر نمونوں کے ساتھ انکے حسب ضرورت کچھ تھوڑی سی تشریح کر دی گئی ہے اور ہر نمونہ کے ساتھ نمونہ بھیجنے والی بہن کا نام بھی لکھ دیا گیا ہے۔

کتاب مذکور پانچ حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے باب میں بارہ قسم قسم کے جانوروں اور طرح طرح کے پھولوں کے نقشے ہیں۔ اور ان کے سوا مسجد کا دروازہ، چوکور۔ پھولدار تولیہ، ٹیکوزی، کلمہ طیبہ، انگریزی، حروف تہجی وغیرہ اور کئی چیزوں کے بھی خوبصورت نمونے موجود ہیں۔

دوسرے باب میں بیلوں دانسرشن اکے پانچ نقشے اور تیسرے باب میں میزپوش، پلنگ کی چادر، اور تکیئے کے غلافوں وغیرہ کے لیے ۱۶ اچھے، اچھے خوشنما نمونے ہیں۔

چوتھے باب میں گیارہ خوبصورت و نفیس لیسوں یا جھالروں کے نقشے دئے گئے ہیں۔

پانچواں باب کئی متفرق چیزوں مثلاً تاج محل آگرہ، جامع مسجد دلی کدی کا تولیہ، ٹیکوزی وغیرہ، وغیرہ کے خوبصورت نمونوں پر مشتمل ہے۔

غرض کتاب دیکھنے میں قسم قسم کے نقشوں کا گلدستہ معلوم ہوتی ہے۔ چونکہ اُردو زبان میں ابھی اس کام کی ابتدا ہے۔ اس لئے بعض امور اصلاح طلب بھی ہیں۔ تاہم مجموعی طور پر کتاب اچھی ہے اور اُمید ہے کہ کروشیا کی شوقین بہنوں کے لئے بہت مفید ثابت ہوگی اور وہ اس سے خاطر خواہ فائدہ اٹھائیں گی۔ قیمت ۱۲؍

لطیف بیگم لاہور

بزمِ عصمت

ہمیں یہ معلوم ہوکر بہت افسوس ہوا کہ مرزا علی محمد خانصاحب وائس چانسلر بمبئی یونیورسٹی کا انتقال ہوگیا۔ مرحوم مرزا صاحب اپنی قابلیت کی وجہ سے صوبہ بمبئی کے تعلیم یافتہ مسلمانوں میں ایک خاص امتیاز رکھتے تھے۔ مرحوم عصمت کے قدیمی محسن تھے اور ۲۸ء میں جب ہم بمبئی گئے ہیں تو بڑے تپاک اور خلوص سے ملے تھے۔ تعلیم نسواں سے انھیں بہت دلچسپی تھی اور حقوق نسواں کے بڑے حامی تھے۔ انکی صاحبزادیاں محترمات شمسہ شمع مس نور جہاں ناز اور مس ملک سلطانہ رعنا جن کے مضامین عصمت میں چھپتے رہتے ہیں انگریزی فارسی اردو میں بہت اچھی قابلیت رکھتی ہیں۔ خدا مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

ایڈیٹر

میرے والد صاحب قبلہ (جسٹس سید وزیر حسن) کو اللہ نے اودہ چیف کورٹ کی چیف ججی کا عہدہ عطا کیا ہے۔ یہ پہلے ہندوستانی اور مسلمان ہیں جو کہ اس عہدے پر فائز ہوئے۔ اس خوشی میں مبلغ صہ "تربیت گاہ بنات" کو ارسال ہیں۔

بیگم نذیر حسین بلہرہ (بارہ بنکی)

میں نہایت مسرت کے ساتھ مطلع کرتی ہوں کہ میری ہمشیرہ زبیدہ بیگم صاحبہ کو یکم رمضان المبارک نیک ساعت بروز شنبہ صبح سات بجے دختر نیک اختر تولد ہوئی خداوند کریم سے دعا ہے کہ بچی کو زیور علم سے آراستہ کرے مہربانی فرما کر کوئی عصمتی بہن بچی کا تاریخی نام اور قطعہ تاریخ ولادت لکھ کر ممنون فرمائیں۔

اس خوشی میں دو روپیہ کی ناچیز رقم تربیت گاہ کی بچیوں کے لیے بذریعہ منی آرڈر بھیجتی ہوں۔

مس محمد عبدالوہاب صاحب پنیڈر سنگن گھاٹ

آج اُنیس دن ہوئے کہ میری محترمہ چھوٹی پھپی صاحبہ (اہلیہ خانصاحب تاج محمد خاں رئیس کوئٹہ بلوچستان) نے مقام بریلی انتقال فرمایا۔ اور اپنی یادگار دو چھوٹی چھوٹی بچیاں چھوڑی ہیں۔ اِن پے درپے صدمات سے والد صاحب قبلہ کی طبیعت درست نہیں رہتی۔ ڈاکٹر دِل پر زیادہ اثر ہونا بتلاتے ہیں۔ بہن انکی صحت کامل کے لیے درازئے عمر کی دعا فرمائیں۔ دس روپیہ کی حقیر رقم تربیت گاہ کے لیے ارسال ہے۔

ح ج نبت خانصاحب حاجی غلام حسن خاں داناپور

میں نہایت رنج و قلق کے ساتھ اطلاع دیتی ہوں۔ کہ میری ماموں زاد بہن حمیدہ بیگم بعمر ۱۲ سال بتاریخ ۲ رجنوری ۱۹۳۰ء بروز جمعرات بوقت دو بجے دن کے تقریباً دو سال کی علالت کے بعد اس دُنیائے فانی سے عالم جاودانی کو سدھاری۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مرحومہ نہایت سمجھدار بچی تھی۔ خدا مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ اور عزیزوں خصوصاً والدین کو صبر و جمیل کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین

پانچ روپیہ کی حقیر رقم بغرض ایصال ثواب بذریعہ منی آرڈر مرسل خدمت ہوں۔ کسی کارِ خیر میں صرف کردیجئے۔

ازراہِ عنایت کوئی عصمتی بہن یا بھائی قطعہ تاریخ وفات لکھدیں تو نہایت ممنون احسان ہونگی +

راقمہ کلثوم سعید خانم بصرہ (عراق)

کایا پلٹ ہیر آئل لکھنؤ کا خود میں نے استعمال کیا اور اپنے بعض احباب کو بھی دیا اور میرا تجربہ یہ ہے کہ بالوں کے اُگانے، دماغ و بصارت کو تقویت پہنچانے درد سر زائل کرنے اور سر کے امراض نزلی کے دُور کرنے میں

میرے ایک عزیز کے ہاتھ کی پشت پر پہلے چھوٹے چھوٹے موکے تھے۔ کسی نے مشورہ دیا۔ کہ اس پر تیزاب لگاؤ۔ تیزاب لگانے سے یہ موٹے موٹے اور سرخ ہو گئے ہیں۔ عصمتی بہنوں میں سے کوئی مہربان بہن کوئی مجرب دوا بتائیں۔ بالخصوص کوئی ڈاکٹر بھائی یا بہن زیادہ توجہ فرمائیں میں نہایت شکرگزار ہونگی۔

وفا بیگم گورداسپور

عصمتی بہنوں سے باادب عرض ہے کہ وہ سنگار کی بابت جو ہم عورتوں کے لیئے نہایت ضروری ہے عصمت میں کیوں کچھ نہیں لکھتیں۔ علاوہ سنگار کے ہر وقت و ہر موسم اور چائے و کھانے کے وقت جیسا لباس وغیرہ ہونا چاہیئے نہایت تشریح و مع قطع وضع کے لکھنا چاہیئے اور ساتھ ہی لڑکی و لڑکے کے لباس وضع کی بھی تشریح یعنے چائے کے وقت بڑوں کا کیسا اور کس طریقہ اور کس وضع کا لباس رہنا چاہیئے اور بچے ساتھ ہوں تو ان کا لباس کس طرح کا اور گھر پر رہیں تو صبح

باقی کالم ۲ پر

کیسا۔ دوپہر کو کس طرح کا۔ ہوا خوری کا کیسا اور شام کا کس طرح پر رہنا چاہئے امیر ہو یا غریب اگر پوری طرح سے واقفیت ہو تو کتنا اچھا ہے اور پھر دوسرے لوگوں کا ہنسی مذاق۔ ناواقفیت کی وجہ سے سہنا پڑتا ہے ہمارے عصمت میں تو مع تصویر کے بتایا جا سکتا ہے۔ بہنیں ضرور اس پر کچھ لکھیں۔

راقمہ خریدار نمبر ۴۰۴۰ از جگدیپور ریاست

میری خالہ صاحبہ کی ایک سہیلی ہیں۔ ان کی اولاد صرف ایک لڑکی ہے۔ اور ان کے شوہر کی پہلی بیوی کے دو لڑکے و ایک لڑکی ہے۔ چنانچہ اب ان سہیلی صاحبہ کا ارادہ ہے کہ اپنی لڑکی کی شادی اپنے سوتیلے لڑکے کے ساتھ کر دیں۔ لہٰذا کوئی بہن یا بھائی بتائیں کہ ایسا ہو سکتا ہے یا نہیں۔ بے حد مشکور رہوں گی۔

بلقیس بیگم ہمشیرہ محمد دبیر صدیقی جبل پور

میں نہایت رنج و غم کے ساتھ اطلاع دیتی ہوں کہ میرے والد نواب محمود علی خانصاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ نبیرہ حافظ الملک حافظ رحمت خانصاحب مرحوم کے گلے میں عرصے سے ورم ہوگیا تھا ڈیڑھ ماہ ایکسرے کے ذریعہ علاج کرنیکے بعد اپریشن کے دوسرے روز ۲ جنوری کو کلکتہ میں انتقال فرما گئے۔ اس اچانک موت سے ہم پر کوہ الم ٹوٹ پڑا زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ ہم لوگوں کو آخری دیدار بھی نصیب نہ ہوا مرحوم مغفور نہایت خلیق ہر دلعزیز اور شاعر بھی تھے اکثر اُنکے اشعار اخباروں میں بھی چھپتے تھے اور اردو فرانسیسی زبان میں بھی کافی مہارت رکھتے تھے۔ عصمتی بہنوں سے گذارش ہے کہ دعا مغفرت کریں اور براہ مہربانی کوئی بہن قطعہ تاریخ وفات لکھدیں جو ان کے مرقد پر کندہ کر دیا جائے

دس روپے کی حقیر رقم ایصال ثواب کیلئے تربیت گاہ کی یتیم بچیوں کو بھیجتی ہوں۔ ایچ۔ ایس۔ پی بی گل خریدار ۴۳۲۴ از میرٹھ۔

برائے مہربان کوئی عصمتی بہن کشمیر کے عمدہ ریشم اور اُس کی قیمت سے مطلع فرمائیں۔ جنوری کے بزم عصمت میں بہن بنت اسلام نبی صاحب ڈپٹی کلکٹر کانپور نے ایس احمد کمپنی کشیدہ کاری کی مشین کی تعریف کی ہے۔ برائے عنایت مطلع فرمائیں کہ آیا ترکیب پڑھکر بغیر استاد مشین پر کام کر سکتے ہیں یا نہیں۔

بی بی دختر سید اکبر علیصاحب رڑکی

عصمت

اپنی صاحبزادی کے جہیز کیلئے اپنی تلاوت با

سن رسیدہ ماں باپ اور بزرگوں کو تحفہ پیش کرنیکے لئے غرض و

قرآن شریف پانچ ترجمے اور کامل احسن ا

ایک جلد ضرور منگائیے

یہ قرآن شریف میں نے علماء کرام کی خواہش اور مشورہ کے مطابق سالہا سال کی لگاتار کوشش ا
پچاس ہزار روپے صرف کرکے نیز بہت سے جید عالم و فاضل حافظوں سے صحت کراکے بہترین لکھا
روئے زمین کے کسی حصہ میں بھی آجتک ایسا

تمام علماء کرام نے تسلیم کرلیا ہے

جامع خصوصیات کیساتھ جو اسمیں موجود ہیں کہیں
عالموں کے مستند ترجمے ہیں:- (۱) حضرت مولانا مصلح الدین سعدی شیرازی (۲) حضرت مولانا شاہ و
حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی (۴) حضرت مولانا عبدالقادر صاحب محد
اشرف علی صاحب تھانوی۔ حاشیہ پر اردو کی سب سے بہتر اور آسان عام فہم تفسیر احسن
کلام الٰہی کے تمام مضامین اور مطالب نہایت آسانی سے سمجھ میں آجاتے ہیں۔ عبارت اتنی
ختم کئے بغیر چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا زبان نہایت سلیس اور آسان ہے۔ عورتیں اور بچے بے
کے مقبول اور عام پسند ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ یہ قرآن مجید۔

اعلیٰ حضرت حضور **نظام** کا خاص اپنی تلاوت کیلئے منتخب کردہ اور نہایت
اسی طرح بیگم **بھوپال** نے بھی اسکو بہت پسند کیا اور بھی بڑے بڑے رئیس او
اور اسی میں تلاوت کرتے ہیں اس قرآن شریف میں ایسی ہزاروں خوبیاں موجود ہیں۔ جو
پائی جاتیں۔ اس کی تمام خوبیاں معلوم کرنی ہوں تو پتہ ذیل سے مفصل اشتہار منگوا لیجئے یا ماہ
صفحہ ۳ اور ۴ پر ملاحظہ فرمایئے۔

صرف عصمتی بہنوں کیلئے آخری عظیم ا

جو فرمایش ۳۰ اپریل ۱۹۳۰ء تک ہمارے پاس پہنچ جائے گی انکو تیس روپے کے بجائے
اصلی ہدیہ تیس روپیہ رعایتی دس روپیہ (بغیر جلد علاوہ محصولڈاک) اُجرت جلد چرمی منقش
محصولڈاک مجلد پر عہ اور بغیر جلد پر عہ لگتا ہے۔ ہر فرمایش کے ساتھ پانچ روپیہ پیشگی ضرور آ

المشتہر سید محمد شفیع الدین مالک اقبال پرنٹنگ ورکس

دیش مسیوک دل کی تین ممبر خواتین تاڑی کی ایک دوکان پر پہرہ دے رہی ہیں

مسز اقبال النساء بیگم

شولا پور میں مارشل لا کا سبب
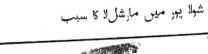
آپ ریاست میسور کی پہلی مسلمان خاتون ہیں جنہوں نے بی اے کی ڈگری حاصل کی ہے - آپ اردو گرلز سکول بنگلور ...

شولا پور کا وہ حصہ جسکو منگل پیٹھ کہتے ہیں
جس مقام پر فسادات کے ایام میں ایک پولس حوالدار کو زندہ جلا دیا گیا تھا

شولا پور میں مارشل لا سے پہلے

سشن جج کی عدالت جو فسادات کے دوران میں جلا دیگئی تھی -

امریکن خواتین کو شراب کا نشہ -

حال ہی میں چار صد تعلیم یافتہ امریکن خواتین نے ایک کانفرنس میں قانون امتناع شراب کے خلاف پروتسٹ کے لئے ایک زبر دست جلسہ کیا - اوپر کی تصویر کانفرنس کی ایکزکٹو کی ھے -

رسالہ **عصمت** جملہ حقوق محفوظ دھلی

جلد ۴۵	بابت ماہ ستمبر سنہ ۱۹۳۰ عیسوی	نمبر ۳

۱ تصویریں

فہرست مضامین

چندہ سالانہ پیشگی مع محصول ڈاک وغیرہ **قسم خاص** (جو آرٹ کاغذ پر چھپتا ہے یعنی جس کاغذ پر تصاویر چھپتی ہیں) ۱۰ روپیہ رؤسا سے ۲۵ روپیہ والیان ریاست سے ۱۰۰ روپیہ فی پرچہ عہ **قسم اول** (جو دبیز چکنے کاغذ پر چھپتا ہے) ۵ روپیہ فی پرچہ **قسم دوم** (جس کے مضامین تصاویر ٹائیٹل وغیرہ کا کاغذ معمولی ہلکا ہوتا ہے) ساڑھے تین روپیہ فی پرچہ ۵ر

نہایت ضروری رسالہ کے تمام خریداروں کے لیئے نہایت ضروری ہے کہ (۱) خط کتابت کے وقت اپنا خریداری نمبر تحریر فرمائیں (۲) تبدیلی پتہ کی فوراً اطلاع دے دیں (۳) چونکہ پرچہ ہمیشہ پابندی وقت سے ٹھیک ۳۰ تاریخ کو شائع ہوتا ہے اس لیئے کبھی وقت پر پرچہ نہ ملے تو ۵ تاریخ سے ۱۵ تاریخ تک مطلع کر دیں اور (۴) جواب طلب امور کیلئے ٹکٹ یا جوابی کارڈ بھیجیں ورنہ تعمیل نہ ہو سکیگی۔

عصمت کی لاج

دلی شکریہ کے ساتھ ان عصمتی بہنوں اور معزز بھائیوں کے نام درج کیے جاتے ہیں جنہوں نے ۲۵ر جولائی تک عصمت کی توسیع اشاعت میں حصہ لیا۔

پانچ خریدار محترمہ والدہ افضل حیات خاں صاحب پٹیالہ نے دیے۔

چار چار خریدار مسز شفیع احمد اورنگ آباد دکن اور جمیلہ خاتون صاحبہ لکھنؤ نے اور **تین تین خریدار** اہلیہ شیخ عمر حیات صاحب امرتسر مسز اسلم صاحبہ مدراس، رضیہ بیگم صاحبہ بنت سعادت علی صاحب لاہور۔ اور خورشید جہاں صاحبہ چودھری الہ آباد نے دیے۔

دو دو خریدار دینے والوں کے نام

نواب زادی رضیہ سلطان زمان صاحبہ ریاست پتھاری۔ صفیہ خانم صاحبہ دھی دھورگوی۔ ہمشیرہ ضیاءالرحمن صاحب کوتوال الہ آباد۔ مسز عبدالمنان خاں صاحب بنارس۔ فرخندہ فیروز بانو صاحبہ مصطفیٰ اکیل میرٹھ بنت خانصاحب شیخ فقیر اللہ صاحب امرتسر۔ بنت ڈاکٹر محمد خاں صاحب کلکتہ۔ عبدالستار خاں صاحب سیونی۔ ایچ ایس بی بی گل صاحبہ میرٹھ۔ مسز سید محمد جواد صاحب آبکاری کریم نگر دکن خواجہ نور اللہ صاحب ڈیڈوانہ۔ ایچ محمد حاجی سوبانی صاحب ایگلہ بمبئی۔ ح۔ا۔ صاحبہ بنت غلام حسین ابو صاحب رنگون۔ ایس کے صغرا بیگم صاحبہ سبزوار یہ کلکتہ۔ ب س صاحبہ بنت سید محمد حسین صاحب لاہور خریدار ۳۲۔ مسز ایم محسن صاحب بھیرہ فہمیدہ بیگم صاحبہ بنت خانصاحب مولوی عبدالحفیظ صاحب آگرہ۔ چودھری علی احمد خاں صاحب کالکا۔ بنت علی محمد صاحب ای اے سی ساگر۔ اہلیہ حسین شاہ صاحب خان پور پنجاب۔

جنہوں نے صرف ایک خریدار دیا

بیگم اصغر حسین صاحب وکیل لکھنؤ۔ محل عبدالحمید صاحب حبیب علم حیدر آباد دکن۔ مسز ظہر محمد خاں صاحب دہرہ دون۔

مسز شاہ وحید الدین احمد صاحب سہسرام۔ مس فرخ رش صاحبہ فتحپور۔ ڈاکٹر احمد حسین قریشی گوالیار۔ فہیم الدین احمد صاحب انصاری دوگانواں لکھنؤ۔ ایم مناد صاحبہ بتوسط محمد سلیم صاحب کبردی۔ بیگم عبدالرشید صاحب ڈی ایس پی کنونٹ۔ نصیر بیگم صاحبہ دھن باد اشفاق جہاں بیگم صاحبہ مرزاپور۔ داؤد موسیٰ صاحب کیبگ اسٹریٹ بمبئی۔ ماجدہ حسینہ صاحبہ مدراس۔ مسز خان بہادر احمد کمال صاحب فتحپور۔ ڈاکٹر نصیر الدین احمد صاحب دھن باد۔ مس انجمن آرا دورن صاحبہ کلکتہ بنت خواجہ عبدالہادی صاحب حیدر آباد دکن۔ محل سیف الدین صاحب تعمیرات حیدر آباد دکن۔ ہمشیرہ ضیاءالدین صاحب قانونگو بڈھانہ۔ ہمشیرہ صاحبزادہ متین محمد خاں صاحب بھوپال۔ مس ایم مرتضیٰ علی صاحب سندیلہ۔ مس ایس اسد اللہ صاحب منصوری۔ بنت واجد حسین صاحب مسز سید منظور علی صاحب ناگپور۔ حسن النسا بیگم صاحبہ حیدر آباد دکن سی جی ایم خاں اسسٹنٹ سرجن پشاور۔ ظفر جہاں بیگم صاحبہ صفی پور اناؤ۔ بیگم احسن صاحب بنکوڑہ۔ مسز مرزا محمد کاظم صاحب حیدر آباد دکن۔ بیگم حاجی محمد الیس سیہور۔ مس نبی بخش صاحب علی گڈھ۔ محبوب الٰہی صاحب چراغ انجنیئر مظفر گڑھ۔ مسز محمد عبدالباسط صاحب قریشی وصر میپوری۔ مسز محمد سعید خاں صاحب دیول گاؤں راجہ۔ مسز محمد اقبال احمد صاحب کھیری۔ فتح محمد خاں صاحب لدھیانہ۔ بیگم خلیل الرحمٰن صاحب سکندر آباد۔ صفیہ ایس اے حسن صاحب ہرس پور۔ بنت میاں فضل حسین صاحب ایم اے شملہ۔ بنت اسلام حامد خاں صاحب بارہ بنکی فخر النساء بیگم صاحبہ الہ آباد۔ مسز غلام دستگیر بیگ صاحب کریم نگر دکن۔ بیگم عبدالرحمٰن صاحب حضور آباد دکن۔ ایس ایم غلام جیلانی صاحب سیوان۔ ہمشیرہ مفتی افتخار الدین صاحب دلہٰ محمد یعقوب محمد لٰیین صاحبان کلکتہ۔ عبدالجبار صاحب انجنیئر رانچی۔ ایس پی طاہرہ صاحبہ لاہور۔ مہ جمال صاحبہ اندور۔ سید حسن زاہد صاحب نوشکی۔ مسز عبدالوہاب صاحب ہنگن گھاٹ۔ عبدالرزاق صاحب تحصیل دار ہنڈیہ۔ زینب بی صاحبہ پونا شہر۔ فضل الرحمٰن فصیح الرحمٰن صاحبان کلکتہ۔

(باقی نام اکتوبر نمبر میں)

منیجر

چند باتیں

سالگرہ نمبر پر جو محنت کی گئی تھی وہ اس لحاظ سے یقیناً وصول ہوگئی کہ عصمتی بہنوں نے جو توقعات اس پرچے سے قائم کی تھیں اس سے بھی بڑھ کر نکلا اور بے انتہا پسند کیا گیا۔ مگر پانی کی طرح ہزاروں روپیہ خرچ کرکے جو توقعات ہم نے اپنی بہنوں سے قائم کی تھیں افسوس وہ کچھ زیادہ پوری نہ ہوئیں اور ساڑھے تین ہزار بہنوں میں سے ساڑھے تین سو بہنوں نے بھی اپنے پرچہ کی اشاعت بڑھانے میں حصہ نہ لیا۔ سالگرہ نمبر کے قریباً پانچ ہزار روپیہ کے اخراجات کا اندازہ لگاکر ہم نے ایک ہزار خطوط وسط جون میں چھپوائے تھے تاکہ صرف ان خواتین کو بھیجے جائیں جن سے ہمیں اُمید ہوسکتی تھی کہ اپنے اپنے حلقہ اثر میں اپنے پرچہ کی اشاعت بڑھائیں گی مگر سالگرہ نمبر کی مصروفیت اس قدر زیادہ تھی، اور کچھ محرروں کی غلطی بھی، کہ صرف ڈھائی سو خطوط جاسکے تاہم ان ڈھائی سو خواتین میں سے قریباً سو بیبیوں نے ایک ایک دو دو اور بعض نے چار چار پانچ پانچ خریدار عنایت فرمائے۔ اب جہاں باقی بیبیوں کے خطوط کا انتظار ہے وہاں دوسری تمام خواتین سے بھی درخواست ہے کہ وہ اس مہینہ میں ایک ایک دو دو خریدار اپنے اپنے حلقہ اثر میں ضرور پیدا کریں تاکہ سالگرہ نمبر کے جو پرچے زیادہ چھپوائے گئے تھے وہ یوں ہی بے کار نہ جائیں اگر محترم بہنوں نے اس مہینہ میں اشاعت بڑھانے میں حصہ لیا تو ہم اکتوبر ہی سے رسالہ میں اور دلچسپیاں بڑھا سکیں گے۔

سالگرہ نمبر میں افسوس ہے چند غلطیاں رہ گئیں صفحہ ۱۴۹ کے سامنے جو تصویر نور اینت کا روشن ہے اختر کے عنوان سے ہے اس میں آفتاب کے بعد دائرہ میں آیۃ الکرسی لکھی ہوئی ہے صفحہ ۶ کالم اول کے وسط میں۔ بہنیں براہ کرم اس غلطی کو درست فرمالیں صفحہ ۱۵۲ کے سامنے تندرست بچوں کی دو تصویریں ہیں

جس تصویر میں پانچ بچے ہیں اس میں وسط کی تصویر فرحت سلطان (عمر ۶ سال) کی ہے اور دائیں طرف کی تصویر صاحبزادہ قمر حسین کانپور عمر ۱۱ ماہ کی ہے۔

مئی جون کے پرچے ختم ہوچکے

عصمت چونکہ خدا کی عنایت سے ہمیشہ ٹھیک وقت پر شائع ہوتا ہے اور کبھی اشاعت میں ایک دن کی بھی تاخیر نہیں ہوتی اور چونکہ صرف اتنا ہی پرچہ چھپوایا جاتا جتنی ضرورت ہوتی ہے اس لئے بارہا بہنوں سے درخواست کی جاچکی ہے کہ انھیں وقت پر کبھی رسالہ نہ ملے تو دس تاریخ تک منگالیں ورنہ بعد میں شاید قیمتاً بھی نہ مل سکے چنانچہ مئی اور جون کے پرچے بالکل ختم ہوچکے ہیں اور کسی قیمت پر اب نہیں مل سکتے۔

اس پرچہ میں صرف ۹۴ صفحے کے مضامین شایع ہورہے ہیں لیکن ہمیں اُمید ہے کہ عصمتی بہنیں اس حقیقت کو پیش نظر رکھ کر انھیں سالگرہ نمبر دیا ہے، جولائی اگست کے پرچوں کی جگہ ملا ہے اور ہماری لاگت اس پر تین ماہ کے پرچوں سے بھی زیادہ کی آئی ہے۔ اس پرچہ کی ضخامت کا خیال نہ فرمائیں گی بالخصوص اس لیے بھی کہ اس پرچے کے بعض مضامین باریک لکھواکر ۶۴ صفحوں میں کم و بیش ۷۲ صفحوں کے مضامین دئے جارہے ہیں۔

جو خواتین نومبر کے پرچہ کے لیے جنت مکانی محترمہ خاتون اکرم کے متعلق نظمیں یا جنت مکانی کی تصانیف پر ریویو لکھ کر بھیجنا چاہیے براہ کرم ۲۰ ستمبر تک روانہ فرمادیں

سالگرہ نمبر سے جو خواتین اور حضرات قسم دوم کے خریدار ہوئے ہیں وہ اگر آئندہ دبیز عمدہ کاغذ کا رسالہ یعنی قسم اول منگانا چاہیں تو عہ بذریعہ منی آرڈر بھیجیں تاکہ اکتوبر سے انکے نام قسم اول روانہ ہو۔

آمنہ کالال

سالگرہ نمبر میں حضرت علامہ راشد الخیری مدظلہٗ کی بے مثل کتاب مولود شریف آمنہ کے لال کے چند صفحے ہی شایع کیے گئے تھے کہ اس تین ہفتوں میں سینکڑوں خطوط اس مضمون کے ہمارے پاس آگئے کہ کتاب بہت جلد شائع کی جائے چونکہ یہ کتاب خاص اہتمام سے شایع کی جائے گی اس لیے بہنیں دو ڈیڑھ مہینے اور انتظار فرمائیں لیکن ہم انکے ذوق وشوق کو ملحوظ رکھکر اس پرچے میں بھی دو صفحے نقل کرتے ہیں

طائرانِ عرب کی چہکار نے رات کی خاموشی کو رواع کیا۔ زیتون کی بار آور شاخیں قہقہوں میں مصروف ہوئیں۔ نور کی گہڑی صبا کی گود میں دنیا کے اس نئے مہمان کی آمد کا اعلان کرتی ہوئی جس کے انتظار میں زمین کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں عبداللہ کے گھر پر نازل ہوئی۔ آسمانی چاند کی عاشق چکور جس نے رات بھر فضا میں آمنہ کے گھر کا طواف کیا دار ابن یوسف کی دیواروں پر زمینی چاند کے شوق میں آ بیٹھی۔ خوش الحان پرندوں کے نغمے، سرسبز درختوں کی موسیقی، صبح صادق کا سہانا وقت، کچھ ایسا عالم تھا کہ کائنات کا ہر ذرہ عید میلاد کے نعرے لگانے لگا۔

تارے جھلملا چکے، پھولوں کی مہک صبا کو عطر میں ڈبو رہی ہے، کعبے کا ذرہ ذرہ آمنہ کے لال کی تعظیم کو تیار ہوگیا۔ خانہ کعبہ کی دیواریں ساکت وخاموش، دل ہی دل میں دُعاء ابراہیمی کا ورد کررہی ہیں۔ شرک وبُت پرستی کے بے جان بُت بادِ صداقت کے تند وتیز جھونکوں سے لرز رہے ہیں اور مُبارک سلامت کی صدائیں ہر سمت سے بلند ہورہی ہیں۔

سپیدۂ سحر کا دامن آہستہ آہستہ وسیع ہورہا ہے اور قدرت کا ہاتھ بتدریج فضاءِ شب کو چاک کرنے میں منہمک ہے۔ ہوا خاموش درختوں کو گدگدا رہی ہے۔ پتے جھوم جھوم کر اور بلبل چہک چہک کر بآواز بلند کہہ رہے ہیں

آ تشریف لا ظہور فرما آمنہ کی گود میں عبداللہ کے گھر میں ہماری آنکھوں میں

آپہنچی وہ مبارک ساعت اور وہ سبہ گھڑی جس نے دنیا میں ایک تغیر پیدا کردیا اور چشم زدن میں ہَوا کا رُخ اِدھر سے اُدھر بدلا۔

نگاہِ شوق سے ہے منتظر دُنیا کا ہر ذرّہ دکھا تو ہمکو اب جلوہ محمد مصطفےٰ آجا
تیرے انوار سے روشن ہو گوشہ گوشہ عالم کا دکھادے چاند سے مکھڑا محمد مصطفےٰ آجا
مٹا اشرارِ انسانی ہٹا اوہام روحانی دکھادے شانِ نورانی محمد مصطفےٰ آجا
بچھے ہیں جال نفرت کے محبت ہے نہ اُلفت ہے جھلک دِکھلا صداقت کی محمد مصطفےٰ آجا
بتوں کی اب خدائی ہے خودی دل میں سمائی ہے بجا توحید کا ڈنکا محمد مصطفےٰ آجا

زبوں و خوار ہے عورت نہ وقعت ہے نہ ہے عزت — بڑھا دے مرتبہ اس کا محمد مصطفےٰ آجا
بُری گت ہے یتیموں کی غلاموں کی سی حالت ہے — مروت ہے نہ شفقت ہے محمد مصطفےٰ آجا
صداقت کام ہے تیرا محمدؐ نام ہے تیرا — خدا کا واسطہ احمدؐ محمد مصطفےٰ آجا

چادرِ شب قریب قریب چاک ہو چکی تھی اور شہوارِ مشرق اپنی پوری جمعیت کے ساتھ یتیم عبداللہ کی پابوسی کو آگے بڑھ رہا تھا کہ آمنہ بی بی کے پہلو میں اس بچہ کے رونے کی آواز بلند ہوئی جس پر دنیا کے بھتیجے قربان تھے۔ فضائے آسمانی کی تاریکی نور سے بدلی۔ رات نے دن کا لباس پہنا اور آسمان نے زمین کے کان میں دلی مبارکباد پیش کی۔ مکہ کے خوش الحان طائر مصروفِ نغمہ سنجی تھے قریش کی عورتیں لڑکے کی پیدائش پر باغ باغ ہوئیں عبداللہ نہال نہال تھے اور آمنہ بی بی کی باچھیں کھل رہی تھیں۔

دُنیائے ناپائدار کا وہ بہترین انسان جو زندگی کی روح اور انسانیت کی جان تھا ظہور فرما چکا۔ جس کی پیدائش پر مبارک سلامت کی دھوم دھام فرش سے عرش تک بلند ہو رہی ہے آمنہ بی بی کے کلیجہ سے لگا ہوا ہے۔ وہ نور کی پُتلی روشنی کا قمقمہ جس کی چمک ایک عالم میں پھیلی دُنیا میں تشریف لے آیا۔ تخیل کی گلکاری کائنات کے اس پھول پر بصد شوق قربان ہو رہی ہے۔ صحت دماغ اور سلامتی عقل آنکھیں بند کرکے یتیم عبداللہ کے استقبال کو آگے بڑھتی ہے اور بہ عجز و ادب ہاتھ جوڑ کر اور سر جھکا کر درود و سلام کا حقیر ہدیہ ان الفاظ میں پیش کرتی ہے۔

بزمِ میلاد کے دولھا دل اور جان دونوں تجھ پر سے قربان۔ عمر اس آرزو میں ختم ہو رہی ہے کہ زندگی پروانہ وار تیرے نام پر نثار ہو، لاریب تو انسان تھا مگر کریم — بلاشبہ تو بشر تھا لیکن رحیم — تو نے بندہ بن کر دنیا میں خدائی اور فرش پر بیٹھ کر عرش پر حکومت کی، تو خاک نشین تھا مگر تو نے شہنشاہوں کے تاج توبکیں تھا لیکن دُنیا تجھ پر ایمان لائی۔ آمنہ کے لال، آسمان وہ ساعت بھول نہیں سکتا جب زمین کا ہر ذرہ تیرا دشمن تھا مگر تیری صداقت نے تجھکو امین بنایا۔ جان کے دشمن اور خون کے پیاسے جو تیرے سر کے خواستگار تھے تیرا کلمہ پڑھنے لگے۔ خالد جیسے عدو کی گردن تیرے سامنے خم ہوئی اور عمر جیسے مخالف نے تیرے قدم چومے۔

دُنیا کی تاریخ تیرے سامنے ششدر اور تیری زندگی دُنیا کے واسطے عدیم النظیر ہے ملک کا ہر متنفس تیرے قتل پر کمربستہ ہو اور وقت راستی کا تاج سر پر رکھے دشمن تیرے شیدا ہوں اور اغیار تیرا کلمہ پڑھیں۔ صداقت تیرے گھر سے اور امانت تیرے در سے، ایثار تیرے دربار سے اور ہمدردی تیری سرکار سے، خدائی تیری بات سے اور حقیقت تیری ذات سے پیدا اور نمودار ہو +

سیّد جالب مرحوم

دُنیائے اسلام کی موجودہ حالت سے متاثر ہوکر ہنسنا تو درکنار میں رونے کے واسطے بھی تنہائی کا متلاشی ہوں اور چاہتا ہوں کہ اس میں بھی کوئی میرا ہمنوا نہ ہو یہی وجہ ہے کہ مرحوم حکیم **اجمل خاں** جیسے دوست اور محسن کے فراق ابدی پر میں نے ایک حرف نہ لکھا حالانکہ ان کی محبت ان کا خلوص ان کی وضعداری ان کی عنایتیں حق رکھتی تھیں کہ میں اور تربیت گاہ بنات آنسوؤں کی فوج اور گریہ وزاری کے نالوں میں ان کو رخصت کرے۔ اس شخصیت کا آج ایک مسلمان ہندوستان بھر میں ایسا نہیں جو سال میں تین چار مرتبہ اپنی تشریف آوری سے تربیت گاہ کی عزت افزائی کرتا ہو۔ یتیم بچیوں کو گلے لگاتا ہو اور ان میلے کچیلے کپڑے والیوں کو بوسے دیتا ہو حکیم صاحب کے بعد **نواب عبدالجبار خانصاحب** فنانشل سکرٹری ریاست ٹونک کی رحلت پر میں اور تربیت گاہ جس قدر روتے کم تھا، میں نے اس دل کے لوگ اپنی تمام عمر میں دو ایک ہی دیکھے ہیں وہ سچ پوچھو تو ریاست کے مالک تھے مگر اس اختیار اور عزت پر انکی کیفیت یہ تھی کہ انھوں نے بھری مجلس میں میرے ہاتھ چومے۔ کٹے ہوئے پان کا چمچہ اپنے ہاتھ سے میرے منہ میں دیا۔ شربت کا گلاس میرے سامنے خود لائے۔ اور میں جب گیا اور جو کہا نہ صرف اس کو پورا کیا بلکہ خوش اور ممنون ہوئے میں نے انکی موت بھی خاموش کانوں سے سُنی اور قلب بدبخت تک پہونچادی، بیروتی دنیا ان دونوں کو روچکی مگر میں آج بھی روتا ہوں اور جب تک زندہ ہوں روؤں گا۔ انکی زندگی تک تربیت گاہ انکی دست نگر تھی اور اس وقت یہ تربیت گاہ کے محتاج ہیں جس طرح انہوں نے اپنا فرض انسانیت ادا کیا اسی طرح یتیم بچیاں اپنا حق ادا کر رہی ہیں اور ہر روز اپنا اچیز تحفہ ان کی خدمت میں پیش کرتی ہیں *

ان دونوں کے بعد **میر جالب** کی رحلت تربیت گاہ کے واسطے ناقابل تلافی مصیبت ہے میں اسوقت بھی صبر کرتا اور اپنے خود غرض نالوں سے ناظرین کی سمع خراشی نہ کرتا مگر میر جالب مرحوم تربیت گاہ کی تعمیر میں اسوقت میرے شریک تھے جب اسکا خاکہ میرے ذہن میں اور اسکا وجود میرے دل میں تھا کہنے کو بورڈ بھی تھا اور دکھانے کو سکرٹری اور منیجر بھی مگر تجویز کو عملی صورت میں لانیوالی، اور خیال کو حقیقت بنا دینے والی ذات میر جالب ہی کی تھی سب سے پہلی لڑکی جو تربیت گاہ میں داخل ہوئی وہ میر صاحب کی بھانجی تھی اور سب سے پہلا شخص جو تربیت گاہ کی مالی ضرورتوں میں خاموشی سے شریک ہوا وہ میرا بھائی جالب تھا اگر **جالب** مرحوم کے اس زریں مشورے پر میں عمل نہ کرتا کہ جو کچھ کرنا ہے خود کرو کمیٹی اور بورڈ منیجر اور سکرٹری لغو اور نمائش چیز ہیں تو یقیناً تربیت گاہ ایک دو ہی سال میں ختم ہوجاتی یہ میر صاحب ہی کا فیصلہ تھا کہ چندہ کی تحریک عام ہو، سیاست مسلمانوں پر اس درجہ غالب آچکی کہ انکے کان اور آنکھیں اس کے سوا سننا چاہیں نہ دیکھنا، اعانت کی توقع صرف اپنے ناظرین سے رکھو اور اعلان کر دو کہ وہ حضرات میرے کام اور میری ذات پر بھروسہ کرتے ہیں، صرف وہ شریک ہوں ورنہ لکھ لو کہ مسلمان تعمیر سے زیادہ فن تخریب کے

اہر ہیں میں نے اسوقت میر صاحب کی رائے سے اتفاق کر لیا مگر ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لیا کہ یہ تجویز اور روپیہ کی قلت تربیت گاہ کی ترقی کو محدود کر رہی ہے لیکن زیادہ نہیں ایک تین ہی سال بعد مجھے معلوم ہو گیا کہ حقیقتاً میر صاحب کی رائے صحیح تھی اگر تربیت گاہ میری خواہش کے اصلی پیمانہ پر پہونچ جاتی تو چند ہی روز میں اپنا فانی جلوہ دکھا کر ختم ہوتی مسلمان اپنی یتیم بچیوں کی گریہ وزاری کا مضحکہ ہنس ہنس کر اُڑاتے مگر اپنے طاقتور ہاتھوں سے ایک ٹکڑا اٹھا کر دینا نصیب نہ ہوتا وہ تربیت گاہ کے جنازہ میں خوش و خرم شریک ہوتے لیکن مرض الموت میں دوا کے دو گھونٹ بھی انکو پلانے میسر نہ ہوتے۔ میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں مرنیوالے جالب کی اس رائے کا شکریہ ادا کر سکوں اس مرحوم نے گو میری اُمنگیں دبا دیں اور میری توقعات مٹا دیں مگر یہ اسی کا طفیل ہے کہ تربیت گاہ کی جماعتیں پانچ سے اور بچیوں کی عمر کی قید گیارہ سے آگے نہ بڑھی لیکن مصارف کا قدم بھی آمدنی کی حدود سے باہر نہ اٹھا اور تربیت گاہ کا سب سے اہم شعبہ یتیم سیکشن اطمینان سے اپنا پیٹ بھر رہا ہے اور اپنے محسنوں کے گیت گا رہا ہے ؎

میر بشارت علی جالب عمر میں مجھ سے بڑے نہ تھے مگر میں سمجھتا ہوں ہندوستان بھر میں کوئی سید مرحوم کی واقفیت کو نہیں پہنچتا انکو جہاں علوم مشرقی و مغربی میں ید طولیٰ حاصل تھا وہاں تیر اکی پہلوانی کے ہنروں سے بھی پوری طرح واقف تھے وہ جس طرح سر علی امام کے ہاں کھانے کی میز پر (جہاں وہ اور میں دونوں مدعو تھے) مخلوط انتخاب کے سلسلہ میں ایسی جامع بحث کر سکتے کہ حاضرین متحیر ہو جائیں، اسی طرح دلی کے مشہور پتنگ باز مرزا فخرو سے بھی اوپر کے پیچ پر ایسی تقریر کر سکتے تھے کہ سننے والے دنگ ہوں۔ علمی یا معاشرتی کوئی ایسا ہی بدنصیب فن ہوگا جس کی تاریخ پر میر صاحب کو عبور نہ ہو ہندو یا مسلمان مشکل سے کوئی لیڈر ایسا ہوگا جسکی سات پشتوں سے میر صاحب باخبر نہ ہوں اس بڑھاپے میں بھی کر فکر معاش نے دم بھر کو انکا پیچھا نہ چھوڑا وہ اپنا کوئی لمحہ ضائع نہ کرتے تھے اور ہر وقت کتاب انکے ہاتھ میں رہتی تھی انکا کتب خانہ انکے علمی ذوق شوق کا پتہ دے رہا ہے اس دور پُر آشوب میں کہ مسلمان اپنے درخشندہ جوہر کھو بیٹھے میر صاحب ہی نصف صدی پیشتر کے مسلمان تھے بہن بھانجیوں کے حقوق غریب عزیزوں کے ساتھ سلوک آج بھی میر صاحب کی چار دیواری میں نظر آ رہے تھے اسلامی روایات جن کا خاتمہ ہو چکا میر صاحب کے گھر میں موجود تھیں وہ اسقدر مہمان نواز تھے کہ انکے دسترخوان سے انسانوں کے علاوہ کتے بلی اور پرند بھی اپنا پیٹ بھرتے تھے انکی مالی حالت بہت اچھی کیا کچھ بھی اچھی نہ تھی لیکن میں نے انکو تنہا کھانا کھاتے نہ دیکھا انکسار اسقدر تھا کہ ایک طرف وہ ڈپٹی کمشنر اور کمشنر سے گفتگو کر رہے ہیں اور دوسری طرف کنجڑے اور کباڑیئے کی دوکان پر (صرف اس لیئے کہ بچپن کے تعلقات ہیں) بیٹھے حقہ پی رہے ہیں ؎

میر صاحب دلی کے متوطن ہی نہیں دلی کے دلدادہ تھے اور انکا عشق اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ وہ یہ تک گوارا نہ کر سکتے تھے کہ لکھنؤ کی بالائی دلی سے بہتر ہوتی ہے آخر مرتبہ جب وہ چند گھنٹے کے واسطے دلی آئے تو اپنی بہن کے ہاں ٹھہرے چند منٹ کے واسطے میرے پاس تشریف لائے تو میں نے شکایت کی اور کہا کہ میں بھی اگر کبھی لکھنؤ آیا تو کسی اور کے ہاں ٹھیروں گا میر صاحب خفا ہو گئے اور فرمانے لگے میرے تو یہاں بہت سے حقدار ہیں اور تمہارا وہاں مجھ سے زیادہ حقدار کون ہے ایسا نہ کرنا دلی پر حرف آئے گا ؎ جس طرح ہر صاحب کمال زندگی بھر پریشان رہا اسیطرح میر صاحب کی بھی زمانہ نے قدر نہ کی اور انکو زندگی کی کشمکش سے بہت کم اطمینان نصیب ہوا یہاں تک کہ بزم شاہجہاں آباد کی یہ آخری شمع بھی دُنیائے ادب کو اپنا جلوہ دکھا کر ہمیشہ کے لیئے خاموش ہو گئی۔ کاش میر صاحب کے ماتم کرنیوالے انکے صاحبزادہ سید عشرت حسین اور انکی والدہ محترمہ کی کچھ خدمت کر سکتے اور میر صاحب کی موت انکے ساتھ دلی ہمدردی کے مقررہ الفاظ پر ختم نہ کر دیتے۔

ہماری دلی دُعا ہے کہ خداوند کریم میر صاحب کو جوار رحمت میں جگہ اور پسماندگان کو صبر عطا فرمائے اور ہمارا یقین ہے کہ تربیت گاہ و بنات دہلی کو جو نقصان پہونچا ہے اس کی تلافی نہیں ہو سکتی ؎ صاحب سحر البیان میر حسن دلی کا پہلا جواہر ریزہ تھا جو لکھنؤ کی خاک میں سو رہا ہے اور میر ہمت میر جالب دلی کا دوسرا ہیرا ہے جس کو لکھنؤ کی خاک نے اپنی گود میں ابدی نیند سُلا دیا ؎

راشد الخیری

آمنہ کے لال کے دو ورق دیکھ کر

(چند خطوط کا خلاصہ)

عصمت کے سالنامہ میں ہر مضمون تعریف کے
ابل اور ہمارے دلی شکریہ کا مستحق ہے مگر مولود شریف
کے دو ورق تمام رسالہ کی جان ہیں حضرت علامہ راشد الخیری صاحب
بلہ نے جو احسان یہ لاجواب کتاب لکھ کر ہم پر کیا ہے ہم
اسکا شکریہ ادا نہیں کر سکتے میری رائے میں ہر عصمتی بہن
کے گھر میں اس کتاب کا ہونا نہایت ضروری ہے میری
رائے میں عصمت کے مصارف میں ہم اس طرح ہاتھ بٹا سکتے
ہیں کہ ایک مقررہ رقم کا وی پی ہر بہن کے نام روانہ کر دیجئے
اکہ حضرت محترم کی اس تصنیف سے کوئی گھر محروم نہ رہے +

ہمشیرہ اشرف حسین ایم اے

"آمنہ کالال" کے ۴ صفحے دیکھ کر بے اختیار آنکھ سے
انسو نکل پڑے۔ خدا مولانائے محترم کی عمر میں برکت دے
ر وہ ہمارے واسطے ایسی ایسی نعمتیں مہیا کر رہے ہیں
تاب یقیناً اس قابل ہے کہ عصمتی بہنیں سر آنکھوں پر
رکھیں مولانا مدظلہٗ کی کتابیں بعض دفعہ مشکل سے میسر
اتی ہیں چنانچہ الزہرا مجھکو طلبی کے تین مہینہ بعد بڑی
رقت سے ملی کیونکہ آپکے دفتر سے جواب آگیا تھا کہ ختم
ہو چکی نیا اڈیشن لکھا جا رہا ہے اس لیئے مہربانی فرما کر
پانچ جلدیں میرے نام سب سے پہلے روانہ فرما دیجئے
ور میں یہ بھی عرض کرونگی کہ اسکا اعلان کسی دوسرے
رچہ میں اسوقت تک نہ ہو جب تک کتابیں ہم نہ منگوالیں
تاکہ وہی تکلیف اور بہنوں کو نہ ہو جو مجھکو الزہرا میں ہوئی۔

مسز شفیع احمد اورنگ آباد دکن

بیگم نور الحسن صاحب بی اے کے مکان پر
آج ایک تقریب میں چند عصمتی بہنوں سے ملاقات
ہوئی آپ کی کتاب "آمنہ کالال" کا ذکر آیا ہم سب
بہنیں آپ کی درازی عمر کی طلبگار ہیں، جن بہنوں کے
نام لکھتی ہوں ان سب کے نام دوگنی قیمت کا
وی پی بھیجدیجئے اور جو قیمت فاضل ہے اس کی
کتابیں ان مستورات میں تقسیم کر دیجئے جو شوق رکھتی ہیں
اور خریداری سے معذور ہیں۔

احمدی حسین احمد آگرہ

میں ایک ایسی جگہ پڑی ہوں جہاں عصمت کو ایک
خریدار بھی نہیں دے سکتی لیکن دوسری بہنوں کی
طرح اس فرض کو محسوس کر سکتی ہوں مولانا قبلہ کی
کتاب "آمنہ کالال" سبحان اللہ بے نظیر کتاب ہے۔
چھپتے ہی دو مجھے بھیجدیجے۔ جن کی قیمت دس دس روپیہ
کے حساب سے بیس روپیہ کا منی آڈر آج بھیجتی ہوں۔

بلقیس بیگم بمبئی

ایسا نہ ہو کہ منازل السائرہ حصہ دوم کی طرح "آمنہ کالال"
بھی مجھکو ترساتی رہے کتاب کے شایع ہوتے ہی وی پی
روانہ فرما دیجئے ر کہیں میری طرح دوسری بہنوں کو
بھی تکلیف انتظار نہ ہو اس لیئے اس مقدس کتاب کا
وی پی ہر بہن کے نام روانہ فرمایئے۔

بیگم مختار احمد تحصیلدار

آپ کو شاید یاد ہو شب زندگی حصہ دوم کا اعلان
دیکھتے ہی میں نے وی پی کی درخواست کی مگر جواب
یہ ملا کہ دوسرا ایڈیشن تیار ہو رہا ہے ایک بہن کی زبانی معلوم
ہوا کہ لاہور سے ملیں گی چنانچہ منگوائی مولانا صاحب کی
کتابوں پر ہمارا حق مقدم ہے اسلیئے کچھ کتابیں عصمتی بہنوں کے واسطے مخصوص
فرما دیجئے اور پانچ جلدیں "آمنہ کالال" بذریعہ وی پی روانہ کر دیجئے۔

نصیرہ زبیر سہارنپور

بچپن کی شادی

(ازجناب پروفیسر ستار خیری ایم۔ اے برلن (جرمنی)

کوئی تیئس سال کا عرصہ ہوا جب میں ایک دفعہ سہارنپور میں تھا تو میرے بڑے بھائی نے ایک عالم فاضل مولوی صاحب سے ایک مسئلہ کے متعلق باقاعدہ فتویٰ لکھ کر پچھوایا۔ چنانچہ مولوی صاحب نے فتویٰ لکھ بھیجا اور ساتھ ہی ایک پرچہ یہ بھی لکھدیا کہ مجکو معلوم نہیں کہ آیا یہ آپ کی مرضی کے موافق ہے یا خلاف اگر موافق نہ ہو تو ارشاد فرمایئے میں دوسرا فتویٰ لکھدوں گا۔

افسوس ہمارے علماء نے شرع اسلامی کو کھیل بنا رکھا ہے۔ ایک فریق ایک مسئلہ کے متعلق ایک خاص رائے رکھتا ہے تو دوسرا فریق علماء اوس کے بالکل مخالف رائے۔ اِنھیں باتوں کا یہ نتیجہ ہو رہا ہے کہ پڑھے لکھے مسلمان بے دین ہوئے جا رہے ہیں ترکوں نے تو گویا ایسے اسلام کو چھوڑ ہی دیا۔ ہندوستان میں بھی یہی ہو رہا ہے اور ہونے والا ہے اور ہو کر رہے گا۔

ہم چند مسلمان یورپ میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اسلام فطری دین ہے مگر ہمارے مولوی صاحبان اور پڑھے لکھے نئی طرز کے رہبران قوم بھی اپنے افعال و اقوال دینی کا مضحکہ اُڑا رہے ہیں۔ مس میو کی کتاب "مدر انڈیا" کا قریب قریب یورپ کی ہر زبان میں ترجمہ ہو گیا ہے۔ مس میو نے مسلمانوں پر اپنا ہاتھ صاف نہیں بلکہ ایک آدھ جگہ ذرا تعریف ہی کر دی ہے۔ اب یہ کتاب دوبارہ چھپے گی تو اصلاح ہو جاوے گی۔ ہم لوگ بھی یہاں یورپ میں زبان سے اور قلم سے یہی کہتے ہیں مسلمانوں میں بچپن کی شادی عام نہیں مگر اب جو یورپ کے اخباروں میں یہ چھپا ہے کہ مسلمان رہبران قوم اور علماء شاردا ایکٹ کے خلاف ہیں تو لوگوں نے ہم سے بھی سوالات کیے۔ ہمنے بہت سمجھایا کہ اسکا دوسرا مطلب ہے یہ اصولی بات ہے مگر اسکا کیا اثر ہوتا ہے۔

اب ایک اخبار میں چھپا ہے کہ "ایک مسلمان مہاراجہ صاحب رکن مجلس وضع قوانین صوبہ متحدہ کے چھ سال کے لڑکے کی شادی اودھ چیف کورٹ کے ایک چیف جج کی چار سال کی لڑکی ساتھ ۲۵ مارچ کو شادی کے نئے قانون کے نفوذ سے پہلے لکھنؤ میں ہوئی"۔

ماشاء اللہ ایسے لائق رہبران قوم ایک قانون بنانے والے! اور دوسرے قانون چلانے والے!

حد ہوگئی !

اور پھر یہ خبر بھی پڑھی ہے کہ جمعیت علمأ ہند نے صدر صاحب کی ریاست میں بہت سے کم سن مسلمان بچوں اور بچیوں کی شادیاں اس غرض سے کروائیں کہ نئے قانون کی خلاف ورزی ہو۔

ایسی خبروں پڑھکر ہمارے تو ہوش اوڑتے ہیں۔ اگر مسلمانوں کا یہی حال ہے تو اللہ مجکو بری کرے اپنے لوگوں کے گروہ سے جنہوں نے دین کو کھیل بنا رکھا ہے اور جو دین پاک کا مضحکہ اوڑاتے ہیں۔

گزشتہ رسالت میں ایک آدھ ایسی مثال موجود ہے کہ لڑکیوں کی شادی کم عمری میں ہوگئی مگر شاید کوئی عالم صاحب ایسی مثال نہ دے سکیں گے جہاں کسی مرد کی بھی شادی بلوغ سے پہلے ہوئی ہو۔ ایسی شادی بالکل روح اسلامی کے خلاف ہے۔ شادی در اصل ایک معاہدہ ہے اور پوری طرح سے معاہدہ کرنے حق فقط عاقل بالغ مسلمان کو ہو سکتا ہے۔ مرد جب شادی کرتا ہے تو وہ بڑی بھاری ذمہ داری اپنے سر لیتا ہے بھلا چھ سال کا لڑکا جو نہ عاقل ہے اور نہ بالغ کس طرح آئندہ نان نفقہ وغیرہ کی ذمہ داری اپنے ذمہ لے سکتا ہے کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اوٹھا سکتا۔ قرآن پاک کے، حدیث شریف کے، سنن خلفاء کے اور تاریخ اسلام کے مطالعے سے کہیں ایسی مثال نہیں کہ نابالغ مرد کا نکاح جائز ہو۔

رہی لڑکی تو لڑکی کے لیے ولی کا ہونا ضروری ہے مگر کسی حالت میں بھی ولی لڑکی کے بغیر مرضی نکاح نہیں کر سکتا۔ گو یہ کہا گیا ہے کہ کواری لڑکی کا سکوت جواب ہاں کے برابر ہے۔ بہر حال اس سے یہ تو ثابت ہوا کہ اوس کی رائے لینا ضروری ہے۔ بھلا کم سن بچی پانچ چھ سال کی شادی کے متعلق کیا رائے دے سکتی ہے اوسکو اچھے برے کی کیا تمیز۔ رائے دینے کے لیے عقل اور بلوغ کا ہونا ضروری ہے۔ شادی کی اونچ نیچ کے سوچنے کے لیے رائے کی پختگی ضروری ہے۔

فقہ حنفی کی ایک نہایت مشہور کتاب المبسوط میں لڑکی کی شادی کے متعلق ایک نہایت اہم حدیث درج ہے جس کو میں یہاں لکھنا نہایت مناسب سمجھتا ہوں۔

ایک لڑکی الخنساء بنت خذام رسول اللہؐ کے پاس آئی اور کہا "میرے باپ نے میری شادی اپنے بھائی کے بیٹے کے ساتھ کر دی اور یہ مجکو پسند نہیں" آپ نے فرمایا جا یہ نکاح نہیں ہوا۔ جس سے چاہے نکاح کر لے۔ اس پر خنساء نے کہا کہ جو میرے باپ نے کیا میں اوس کے چنداں خلاف نہیں تھی مگر میں نے یہ ارادہ کر لیا کہ تمام آدمیوں کو معلوم ہو جاوے کہ والدین کو اپنی لڑکیوں کے امور میں کچھ دخل نہیں۔ اس پر رسول اللہؐ نے کچھ نہیں کہا (المبسوط جلد (۵) صفحہ ۲)

یہ تھی اسلام کی شان نکاح کہ سب سے بڑی **شرط طرفین کی رضامندی** ہے بغیر رضا کے نکاح

جائز نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہماری معصوم بچیوں کی کوئی رائے نہیں جہاں باپ نے کر دیا وہی مان لیا۔
گر زمانہ بدلتا جا رہا ہے اور اگر ہم لوگ زمانہ کے ساتھ ساتھ نہ بدلے تو زمانہ ہمارا نام مٹا دے گا۔ میرا ہرگز
یہ مطلب نہیں کہ ہم زمانے کے ساتھ ایسے بدلیں کہ اسلام کو بدل دیں۔ ہرگز نہیں نعوذ باللہ یہ میرا کبھی
مطلب نہیں میں نے تو اسلام کو ابدی اور ازلی پایا ہے زمانہ اسلام کے اُصولوں کو یکے بعد دیگرے
قبول کرتا چلا جا رہا ہے۔ ہم کو بھی چاہیئے کہ وہ اسلامی اُصول جن کو ہمنے دوسری قوموں کے اثر میں آ کر پس
پشت ڈال رکھا ہے ہم پھر زندہ کریں اور ان پر عمل کریں۔ بیوی کے لئے قرآن شریف میں لفظ "صاحبہ"
استعمال ہوا ہے جس کے معنی "ساتھی" اور رفیقہ کے ہیں شام و بیروت میں تو اب تک عرب لوگ بیوی
کو رفیقہ کہتے ہیں۔ کاش کہ ہم اسلام کے اصلی معنوں کو سمجھیں اور اسلام کو اپنی ہوا و ہوس کا تختۂ مشق
نہ بنائیں جیسا کہ آجکل ہم نے بنا رکھا ہے۔ مردوں سے کچھ اُمید نہیں شاید ہماری بیگمات دائرہ اسلام
میں ترقی کر کے کچھ دکھائیں تو دیکھا جائے۔ شاید پھر مسلمانوں کے دن پھریں۔ آمین۔

چاند سے خطاب

اے ہلالِ خوشنما تو کس قدر پُر نور ہے
شکل نورانی پہ اپنی آپ ہی مسرور ہے

مجھکو پر بھاتا نہیں ہنس ہنس کے تیرا جھانکنا
مت ستا مجھکو میرا دِل آپ ہی رنجور ہے

کیا کرے گا پوچھ کر تو دردِ دل میرا بتا
بیجی راحت اور مسرت مجھسے کوسوں دور ہے

ربط اُلفت کیوں بڑھاؤں تجھسے دو دن کے لیئے
چار دن کی چاندنی ہے یہ مثل مشہور ہے

بعد حسرت اور تمنّا کے نظر آتا ہے تو
مجھکو پُورا ہے یقیں کہ تو خدا کا نور ہے

چاندنی راتوں کو دِل میرا ترستا تھا کبھی
اندنوں لیکن میرا دِل دید سے مسرور ہے

عکس میں تیرے نظر آتی ہیں وہ وہ صورتیں
چاہ میں جن کی میرا دِل رات دِن مسحور ہے

یادِ ایام گزشتہ کی مجھے آنے لگی
رات بھر آہیں بھروں یہ کیا تجھے منظور ہے

ادھر پنہاں ہو گیا تو ڈال کر کالی نقاب
میری حالت دیکھکر تو ہو گیا مجبور ہے

جس طرح پردے میں چھُپ کر ہو گیا محفوظ تو
اس طرح دل میں اَدَا کے رنج و غم مستور ہے

مرسلہ بلقیس صمد بیگم (پشاور)

مسعودہ بیگم اَدَا شیخوپورہ

تحریک نسواں کی راہ راست

عصمت بابت ماہ مئی میں لایق بہن شہر بانو کا مضمون تحریک نسواں پر درج ہے۔ معزز بہن لکھتی ہیں
"تحریک نسواں یورپ میں جنگ کے بہت پہلے سے شروع تھی اور اب تو یہ تحریک بہت کامیابی کے ساتھ جاری ہے۔" اس مضمون میں بہن صاحبہ نے ہمیں تاریخ نسواں سے واقف کیا ہے۔ اگر اس مسئلہ پر ہم نظر ثانی ڈالیں تو یہ سوال پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) تحریک نسواں کیا ہے؟ (۲) کیا وہ یورپ اور ایشیا میں ایک ہی چیز ہے؟

(۳) اگر ایک ہی چیز ہے تو اسکو حاصل کرنے کا طریقہ کیا ایک ہی ہے اور اگر ایک سے زیادہ ہے تو کونسا نسبتاً ہندوستان کے لیے بہتر ہوگا۔

(۱) اس مسئلہ پر میری ہندوستانی بہنیں خواہ ہندو ہوں یا مسلمان ذرا غور کریں۔ میں یہ کہتی ہوں کہ تحریک نسواں اس تحریک کا نام ہے جس کا حاصل یہ ہو کہ عورتیں اس دُنیاوی زندگی میں ایک رتبہ اعلیٰ کو پہونچیں۔ نمایاں کارگزاریاں کر دکھائیں اور اپنی کامل صحت کے ساتھ خوش و خرم زندگی بسر کریں۔

(۲) میرے خیال میں تحریک نسواں خواہ وہ یورپ یا امریکا میں ہو یا عرب یا چین میں ہر جگہ اسکا مقصد یہ ہی ہے اور یہ ہی ہونا چاہیے۔

(۳) میری رائے میں مقصد ایک ہے مگر راستے بہت جو راہ راست پر چلے گا وہ منزل مقصود پر پہونچے گا اور جس نے غلط راستہ اختیار کیا وہ بھول بھلیاں میں بھٹکتا پھرے گا اور چین آرام نصیب نہ ہوگا۔

یورپ کی تحریک نسواں سے کیا حاصل ہوا۔ حسب ذیل فوائد حاصل ہوئے ہیں۔

(۱) عورتیں شادی سے انکار کر رہی ہیں اور شادیاں کم ہو رہی ہیں۔

(۲) نوکری کرتی ہیں اور اپنی زندگی کاٹتی ہیں اور کبھی شادی کے جھگڑے میں پھنس گئیں تو بیوی کے جو فرائض ہیں وہ انجام نہیں دے سکتیں۔

اسکا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ پہلا سا چین اور سکون قلبی اور دماغی قوم میں باقی نہیں۔ بجائے راحت کے ہر ایک پریشانی میں مبتلا ہے اور اس فکر میں کہ دفتر کے بعد وقت کس طرح کاٹیں وہ تو یہ سمجھتی تھیں کہ آزادی سے آرام ملے گا مگر کیونکہ قانون قدرت کے خلاف اسکے عمل رہے لہٰذا نتیجہ اسکا اب بھگتنا پڑے گا۔

آزادی۔ مساوات۔ آرام یہ بیشک ہمارا مقصد ہے مگر ہماری یورپ کی بہنیں غلط راستے پر ہیں اور ہم نے اگر انکی تقلید کی جیسا کہ مجھکو نظر آرہا ہے کہ ہم کر رہے ہیں تو ہم بھی انہی کی طرح پشیمان ہونگے۔

عورتوں کی آزادی۔ مساوات۔ آرام کا ایک نسخہ تیرہ سو سال کا پرانا ہمارے پاس ہے اور اس نسخہ سے سب بہنیں خوب واقف ہیں مگر افسوس اس پر عمل نہیں۔ اسلام نے عورتوں کو وہ حقوق دیئے ہیں جن کو حاصل کرنے کے لیے آج مغرب اور مشرق۔ امریکہ اور جاپان۔ ہندو اور بدھ عورتیں اپنی جانیں دے رہی ہیں۔ میری بہنیں یہ سمجھ لیں اسلام میں تحریک نسواں ۱۹۲۰ء سے نہیں ہے بلکہ اس کی تاریخ تیرہ سو سال پہلے سے ہے۔ قانون طلاق میں۔ جائداد کے حصے میں۔ اپنی ذاتی آزادی میں۔ کرنے حقوق ہیں جو مسلم عورت کو قانوناً حاصل نہیں اور جس کے لیئے دیگر عورتوں کو لڑنا جھگڑنا پڑ رہا ہے — ہمسایہ قوم کے اثر سے جو رسم اور رواج جو ہم میں شامل ہوگئے ہیں انھیں توڑیئے اور اسلام کی پیروی کیجیے۔

اس سلسلہ میں دو باتوں کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھتی ہوں: (۱) ایک سے زیادہ چار تک شادی کرنا۔ (۲) پردہ۔

یہ دونوں نسوانی مسئلے نہایت پیچیدہ بنا دئے گئے ہیں مگر میرے نزدیک انکا حل اُصول سے بالکل آسان ہے۔

(۱) خداوند کریم کا فرمان صاف ہے ایک سے زیادہ شادی اسوقت کرو جب تمہاری استطاعت ہو اور دوسرے جب تم سب بیویوں میں عدل کر سکو اور تیسرے یہ عام طرح نہیں ہونا چاہیئے جب کہ کوئی مجبوری ہو جیسا کہ جنگ کے بعد عورتیں زیادہ ہو جاتی ہیں اور بجائے اسکے کہ وہ بیکار رہیں یہ بہتر ہے کہ کسی کے گھر میں شادی کر کے رہیں۔ یا ایسا موقع ہوتا ہے کوئی عورت لاوارث ہو جاتی ہے اور اگر کوئی اسکو شادی نہ کرے تو قوم کے لیے بُرا ہے اس لیئے یہ صاف ظاہر ہوا معمولاً ایک شادی کرنا بہتر ہے اور جو اس کے خلاف کرے گا۔ خود پریشان ہوگا۔

(۲) پردے کیلئے عورت کو چاہیئے ہمیشہ اپنی زینت کا خیال رکھے۔ غیر شخص یعنی جس سے شریعت نے پردہ رکھا ہے خواہ رشتہ دار ہو یا کوئی نوکر اسکو اپنے کپڑوں سے زیور یا کسی طرح اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش نہ کرے اور غیر شخص کے سامنے ہمیشہ اسلامی اُصول سے کپڑے پہنکر جائے۔

کام کی بات کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اپنے کام کے واسطے باہر جانے کی ممانعت نہیں۔ اپنی نیچی نظر کیے ہوئے کپڑے مناسب اوڑھے پہنے ہوئے جہاں دل چاہے جائیں اور مناسب یہ ہے جیسا عرب میں دستور ہے کہ عورتیں جب باہر جائیں تو دو چار ملکر جائیں۔ کسی مرد کو انکے ساتھ رہنے کی ضرورت نہیں۔ مرد کا ساتھ رکھنا بن ٹھن کر نکلنا یورپ کا فیشن ہے مگر اسلامی اُصول یہ نہیں ہے۔

اسلامی ممالک میں خریداری کرنے دو چار عورتیں ساتھ جاتی ہیں اور انکے لیئے جگہ مقرر ہے۔

عورتوں کو چاہیئے تعلیم حاصل کریں۔ زنانہ باغ بنائیں اس میں تفریح کریں۔ مردوں کے باغ میں نکل جائیں تو کچھ حرج نہیں مگر وہ حقیقی آزادی جو انکو اپنے باغ میں حاصل ہوگی وہ مردوں کے باغ میں جانے سے حاصل نہیں ہوگی۔ خلاف اس کے اگر وہ چار دیواری میں بند ہو کر چلمنوں میں سے غیر مرد کو دیکھیں تو یہ ہرگز اسلامی پردہ نہیں اور اگر عورت اور مرد گھر سے باہر جائیں کام کیواسطے اور دونوں نیچی نظر کیئے ہوئے اپنے کام انجام دیں تو یہ اسلامی پردہ ہے۔

بیگم مسعود اللہ خاں (حیدر آباد دکن)

لڑکیوں کو خانہ داری کی تعلیم

اب سے ۲۵- ۳۰ سال پہلے جبکہ تعلیم نسواں عنقا بلکہ معیوب سمجھی جاتی تھی اسوقت اتنا تو ضروری معلوم ہوتا تھا کہ لڑکیوں کو کھانا پکانا سینا پرونا نماز روزہ اور قرآن مجید پڑھا دیا جاتا تھا اور شریف گھرانوں کی لڑکیاں سسرال جاکر اپنا گھر سنبھال لیتی تھیں یا دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیئے کہ خانہ داری کا انتظام بخوبی کرسکتی تھیں۔ اور ساتھ ہی نماز روزے کی پابند ہوتی تھیں۔
اس کے بعد دوسرا دور آیا یعنی لوگ تعلیم تعلیم کی چیخ پکار کرنے لگے اس چیخ پکار کا نتیجہ یہ ہوا کہ علاوہ مذکورہ بالا تعلیم کے لڑکیوں کو کچھ اردو لکھنا پڑھنا بھی سکھانے لگے تاکہ عزیزوں رشتہ داروں کو خط وغیرہ لکھنے میں کسی غیر کا محتاج نہ ہونا پڑے۔ اور گھر کا حساب کتاب وغیرہ بھی دیکھ بھال سکیں اس زمانے میں بھی گھر پر خانہ داری کی تعلیم اپنی ماں نانی دادی وغیرہ کراتی تھیں۔ یہ بھی غنیمت تھا۔

تیسرا دور جو کہ اب دس پندرہ سال سے شروع ہوا ہے یہاں سے ہماری تباہی کا آغاز ہے۔ حامیانِ تعلیم نسواں کو یہ سوجھی کہ اب لڑکیوں کو انگریزی بھی پڑھائی جائے۔ اگر طریقہ معقول اور انتظام اچھا ہوتا تو اس سے بڑھکر اور کیا ہوسکتا تھا کہ مشرقی تہذیب اور مغربی تعلیم سے لڑکیاں آراستہ ہوجاتیں مگر وائے نصیب کہ بسم اللہ ہی غلط ہوئی۔ اور طریقہ تعلیم ایسا بداندیشی سے رائج کیا گیا کہ مستقبل کی جڑوں کو بھی پانی دے ڈالا۔ اگر شروع سے ہی بندوبست اچھا ہوتا اور اعلیٰ پیمانے پر انتظام کیا جاتا تو آج تعلیم نسواں خصوصاً انگریزی تعلیم اور سکول کی پڑھی لڑکیاں اتنی بدنام اور برائیوں سے پُر نہ نظر آتیں۔ محترمہ صغرا ہمایوں مرزا تو دھن کے عصمت میں (؟) صرف خانہ داری کی کمی محسوس کررہی ہیں مگر میرے خیال میں سب سے بڑی کمی مذہبی لاعلمی کی ہے +

سکولوں میں نصاب تعلیم تقریباً بالکل لڑکوں سا ہے۔ جس میں بھولکر بھی مذہبی تعلیم نہیں دی جاتی۔ جیساکہ لڑکیوں کی پڑھائی اور کام کا ٹائیم ٹیبل محترمہ صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ نے لکھا ہے بالکل درست ہے دوسرے صوبوں کے سکولز کا حال تو مجھے معلوم نہیں البتہ اپنے صوبہ پنجاب کے بہت سے سکول دیکھنے اور لڑکیوں کے خیالات واطوار معلوم کرنے کا مجھے اتفاق ہوا ہے۔ اور یہ دیکھکر مجھے بے حد افسوس ہوا ہے کہ موجودہ طریقہ تعلیم بہت ناقص اور قابلِ اصلاح ہے والدین لڑکیوں کو سکول میں داخل کرا دینے کے بعد یہ سمجھتے ہیں کہ تمام ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوگئے ہیں اور اب کوئی کام انکے ذمہ لڑکیوں کا باقی نہیں رہا۔ سکول میں یہ حال ہوتا ہے کہ نصاب کے بموجب تمام مضمون پڑھائے جاتے ہیں۔ کسی ایک لڑکی کو تو خاص طور سے پڑھانا نہیں ہوتا کہ ہر اک فن سمجھایا جائے سال بعد امتحان میں معلوم ہوتا ہے کہ جو لڑکیاں ذرا زیادہ ذہین اور محنتی ہوتی ہیں وہ ان مقررہ قواعد کے بموجب پاس ہیں۔ جو موٹی سمجھ کی محض تفریح کے لیئے سکول جاتی ہیں وہ برسوں ایک ہی جماعت میں پھنسی رہتی ہیں۔

سکولوں میں سوائے لاہور کے کوئین میری کالج کی طالبات کے میں نے عام طور پر دیکھا ہے کہ میٹرک پاس یا میٹرک کی سٹوڈنٹ لڑکیوں کو نہ تو انگریزی بولنا ہی آتا ہے نہ کچھ تمیز ہے۔ نہ خانہ داری کا سلیقہ نہ مذہب سے واقفیت۔ نہ عادات و اخلاق اچھے۔ قدرت ہی نے خاص جوہر اگر کسی لڑکی کو عطا کیے ہوں تو وہ خوش نصیبی سے نیک اطوار سلیقہ شعار ہوجائے تو ہوجائے ورنہ اللہ حافظ۔ ہمارے گننے میں ہی ۵- ۷ لڑکیاں ایسی ہیں جو راولپنڈی مشن اور نارمل سکول کی طالبات ہیں نویں نویں دسویں دسویں جماعت میں پڑھ رہی ہیں مگر انگریزی اول تو بول ہی نہیں

سکتیں اور جو کوئی ذرا اپنی قابلیت جتانے کے لیئے کسی موقعہ پر انگریزی گفتگو کریں بھی تو عموماً غلط۔ اُردو جو کہ اپنی مادری زبان ہے اس میں بھی خط لکھنے کی قابلیت نہیں ایک خط لکھیں گی تو پچاس غلطیاں ہونگی۔ خانہ داری کا ڈھنگ نہ بات کرنے کا سلیقہ۔ مذہب کی خبر نہ خدا رسول کے نام سے واقف۔ غضب خدا کا مسلمان کی بچیاں اور نماز کلمہ درُود تک نہ سیکھا جائے۔ البتہ یہ سیکھ لیا ہے کہ بال ایسے بنائے جائیں جو کہ آنکھوں اور منہ پر ہر وقت لٹکتے رہیں اور بار بار ہاتھوں سے اُنہیں سنوارتی رہیں۔ اکڑ اکڑ کر کھٹا کھٹ چلنا یا بعض نے کبڑی کبڑی ہو کر اور گردن ٹیڑھی کر کے چلنے کا انداز اختیار کیا ہے چہرے کو بگاڑ کر اور ہونٹوں کو سکیڑ کر انوکھی طرزیں بنا کر گفتگو کرنا اور میموں کی ریس سے ہو ہو کر کے ہنسنا غرضکہ لڑکیاں کیا بعض تو اچھی خاصی جوکر معلوم ہوتی ہیں۔ ایسی کئی لڑکیوں سے میری خوب جھڑپ ہوتی رہتی ہے اور مجھ سے پھر بہت کتراتی ہیں۔ مگر یہ سب قصور والدین کا ہے سکولوں میں عام طور پر اُستانیاں نوے فی صدی ہیں جو کہ رذیل قوموں سے عیسائی مذہب اختیار کر چکی ہیں اور اب مشن کی سفارش سے سکولوں میں ملازمت کر رہی ہیں۔ ظاہر ہے کہ کسی اعلیٰ خاندان کی اور اعلیٰ کیریکٹر کی عورت کو تو مذہب تبدیل کر کے آوارہ پھرنے کی بھلا کیا غرض ہے۔ گری پڑی آوارہ عورتیں ہی زیادہ تر عیسائی ہو کر میم صاحبہ استانی گری کے پیشے کی مٹی پلید کرنے لگتی ہیں۔ لڑکیاں گھر سے ماں بہن اور دوسری بزرگ بیبیوں کی صحبت سے بھی محروم ہوتی ہیں اور وقت ان استانیوں کی صحبت میں گنوانے لگتی ہیں جن کی تعلیم و تربیت خود ہی از حد ناقص ہوتی ہے۔ ہر وقت کا ساتھ اور پھر اُستادی شاگردی کا رشتہ ہی ایسا ہوتا ہے کہ اُستاد کی ہر ایک بات پتھر کی لکیر بنکر معصوم دلوں میں رہ جاتی ہے۔ اور یہ ہی وجہ ہے کہ بے شمار

لڑکیاں بجائے باعثِ فخر و ناز ہونے کے ملک و قوم کے لیئے باعث ننگ و عار ہو رہی ہیں افسوس تمام ہمسایہ قومیں میدانِ ترقی میں ہم سے کہیں آگے نکل گئی ہیں مگر ہم ہیں کہ ابھی تک کروٹ ہی نہیں بدلتے۔ اگر اب بھی آنکھوں سے غفلت کا پردہ ہٹائیں تو جو دو چار قوم کا درد رکھنے والے حضرات ہماری مَدَد کا بیڑا اُٹھا چکے ہیں انکے دم کو غنیمت سمجھ کر دل و جان سے انکی مدد کریں اور اپنے قومی مدارس مثلاً مسلم گرلز کالج علیگڈھ تربیت گاہ بنات دہلی حمایت اسلام لاہور وغیرہ کے کارکنوں کو امداد دینی چاہیئے تاکہ وہ زیادہ اعلیٰ پیمانہ پر تعلیم کا انتظام کریں اور ساتھ ہی دنیاوی تعلیم کے علاوہ مذہبی تعلیم کو بھی فروغ دیں۔ تاکہ آئندہ زمانے کے لیئے حقیقی طور پر دیندار پاک طینت مائیں۔ طاعت شعار فرمانبردار پارسا بیویاں اور سلیقہ شعار نیک سیرت خوش اطوار بہو بیٹیاں مل سکیں۔ اور آئندہ نسل ماں کی گود سے فطرتِ اسلامی اور درد قومی کے بیش بہا جوہر پیدا کر کے اُٹھیں۔

ممکن ہے اور بھی مسلمان بچیوں کی درسگاہیں ہوں جنکا مجھے علم نہیں مگر جو جو بھی ہیں آج سے اگر ہم سب مسلمان بہنیں یہ عہد کر لیں کہ اپنی بچیوں کو اپنی اپنی قومی درسگاہوں میں داخل کرینگے اور ہر ممکن طریقہ انکی ترقی کا اختیار کرینگے تو ایک سال بھر کے عرصہ ہی میں یہ سکول بہت کچھ ترقی کر سکتے ہیں اور ساتھ ہی میری نہایت ادب سے جناب مولانا راشد الخیری صاحب قبلہ اور شیخ عبداللہ صاحب اور سکرٹری صاحب مدرسہ نسواں حمایت اسلام کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ وہ اپنے مدرسوں کا نصاب تعلیم اور پراسپکٹس عصمت تہذیب سہیلی نورجہاں وغیرہ میں چھپواتے رہا کریں اور جس قدر روپیہ کی ضرورت جس مد کے لیئے ہو۔ اس کے لیئے بھی اپیل شایع کرا دیا کریں۔ اس طرح بہنوں کو قومی مدرسوں کی ضروریات اور کارگزاری کا پتہ لگتا رہے گا تو بہت سی نیک دل بہنیں اپنے ہاں کی زکوٰۃ اور دوسرے فنڈز سے روپیہ دے سکیں گی۔

جن مدرسوں میں مذہبی تعلیم داخل نصاب نہیں انہیں ضرور یہ مضمون اپنے نصاب میں شامل کرنا چاہیئے۔ اور جب تک کوئی معقول بندوبست نہیں ہوتا اسوقت تک ماؤں کو چاہیئے کہ بچیوں کی تربیت کا کام خود بھی اپنے ذمے لیں۔ میں نے تو اپنی لڑکی عزیزہ ثروت آرا کی تعلیم کا طرح وقت مقرر کیا ہے کہ آجکل صبح چھ بجے سے بارہ بجے تک کانوینٹ سکول میں انگریزی پڑھتی ہے۔ ۱۲ بجے چھٹی لیکر گھر آئی تو ۲ بجے تک کھانا اور کپڑے بدلکر آرام کیا۔ ۲ بجے سے ۴ بجے تک سلائی اور کتر بیونت وغیرہ اپنے پاس بٹھاکر خود کراتی ہوں جب میں پاس موجود نہ ہوں تو اماں جان کراتی ہیں۔ ۴ بجے سے ½ ۵ تک حافظ صاحب سے قرآن شریف کا سبق۔ اس کے بعد سات بجے تک کھیل کے لیئے چھٹی سات سے ۸ تک اردو کا سبق اور مذہبی ابتدائی رسائل کی تعلیم بعض دفعہ درسی اور بعض اوقات زبانی بطور کہانیوں کے۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد ½ ۹ بجے پلنگ پر جالیٹتی ہے۔ کھانے کے وقت بھی دسترخوان پر اس کی عمر کے بموجب بہت کچھ کام اس سے اماں جان لیتی ہیں۔ مثلاً سب کے آگے پلیٹ نیپکن وغیرہ رکھنا سالن ترکاری پانی برف وغیرہ حسب ضرورت سب کو پہنچانا۔ ابھی عمر صرف نو سال ہے۔ اور باورچی خانہ کے کام میں بھی اُسے بہت دلچسپی ہے۔ عموماً جب بھی وقت ملتا ہے تو خانسامہ کے پاس جاکر منتیں کر کرکے اس سے آٹا لیکر چھوٹے چھوٹے پیڑے بناکر روٹی بنانا چاہتی ہے مگر ابھی نہیں بنا سکتی۔ میں بھی اُسے اس شوق سے نہیں روکتی۔ یہ تو چھوٹی بچی کا شغل ہے۔ بڑی عمر کی لڑکیوں کی تقسیم اوقات مختلف ہونا چاہیئے۔ ہر ایک ماں یا نانی دادی جو گھر کی بزرگ بی بی ہیں انہیں چاہیئے کہ بچیوں کی تعلیم اسلامی طریقہ پر کرائیں اگر انگریزی پڑھائیں تو بھی اول تو اپنے قومی مدرسوں میں انگریزی تعلیم کا انتظام ہونا چاہیئے اور اعلیٰ خیالات کی و اعلیٰ تعلیم یافتہ یورپین اوستانیاں رکھیں۔ ورنہ مشن اسکولز میں بھیجکر بچیوں کی زندگی آیندہ نسلوں کی ترقی، اور اپنی عزت آبرو نہ برباد کریں۔ اس وقت میرے پیش نظر چند ایسے واقعات ہیں جو کہ یہاں لکھنے سے بھی قلم قاصر ہے۔ مسلمان بچیاں مشنری عورتوں کی فیض صحبت سے برباد ہوکر جس طرح والدین کے لیئے کلنگ کا ٹیکہ ثابت ہوئیں آیندہ کے لیئے پروردگار سب مسلمان بچیوں کو ایسے طرز عمل سے بچائے اور ہمیں توفیق دے کہ ہم شروع سے ہی بچوں کو زہریلی صحبت سے بچائیں۔ بچیاں تو ناتجربہ کار اور عقل خام رکھتی ہیں۔ مشنری عورتوں کو ذرا گیت گاتے سنا یا ہارمونیم بجاتے دیکھا دو اِک طرح کے کھیل تماشے دیکھے وہ سمجھتی ہیں کہ گھر سے تو یہ ہی استانیاں اچھی ہیں جو اتنی دلچسپی کا سامان مہیا کرتی ہیں۔ ہارمونیم یا ستار بجانا آگیا بیڈمنٹن ٹینس سکیٹنگ وغیرہ سیکھ لیا تو سمجھئے کہ تعلیم کا تمام تر مقصد حل ہوگیا۔ بعض استانیوں کو ہی نمونہ سمجھکر اپنے قوت بازو سے کماکر گزارہ کرنا چاہتی ہیں مگر یہ مطلب بھی حل نہیں ہوسکتا کیونکہ آجکل صرف ایک ہی پیشہ استانی گری کا لڑکیوں کی سمجھ میں آیا ہوا ہے۔ سو اس ایک محکمہ میں کتنی ایک کی کھپت ہو پھر مزاج میں جو رعونیت آجاتی ہے اس کے بموجب اس ملازمت سے آمدنی بھی اخراجات کی کفیل نہیں ہوتی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے اور پھر معمولی حیثیت کا شوہر خاطر میں آتا ہے نہ خود کچھ پیدا کرسکتی ہیں۔ مائیں خود بندوبست کریں کہ سکول کی تعلیم کے علاوہ کھانا پکانا سینا پرونا، حدیث و فقہ کی تعلیم پینٹنگ۔ نرسنگ۔ خوشنویسی۔ اور مختلف ہنر اپنی استطاعت بموجب گھر پر سکھائیں۔ اور جب تک ماں خود دو گھنٹہ روزانہ کم از کم بچی کی تربیت پر نہ صرف کرے گی یہ نقائص کبھی دُور نہ ہونگے بلکہ یہ موجودہ تعلیم اور بھی وبال جان ہوکر رہے گی ؎

اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی

کے مصداق ہی ثبوت مل رہا ہے +

مریم عبداللہ بیگم

پردہ نشین خواتین کیواسطے کارآمد باتیں

فروری ۱۹۳۰ء کے رسالہ عصمت میں بعنوان پردہ نشین بہنوں کے واسطے کارآمد باتیں،
دیکھکر میں مندرجہ بالا عنوان پر چند تجاویز اپنی کم استطاعت پردہ نشین بہنوں کے واسطے پیش کرتی ہوں، مجھے
اُمید ہے کہ شاید پسند خاطر ہوں۔

کمر بند بنانا

اپنے شہر میں سے پُرانے موزے جو شاید پیسہ پیسہ یا دو دو پیسہ کو دستیاب ہو سکیں گے ان کے ڈورے
نکالے جائیں۔ ڈورے نکالنے کی ترکیب یہ ہے۔ کہ پہلے موزے کا مُنہ اوپر سے کتر کر ڈورا نکالنا شروع کردیا جائے۔
اور اسی کے ساتھ ڈورے کا پنڈا یعنی گولا بناتی رہیں۔ جب چند گولے تیار ہو جائیں تو انکو بازار میں فروختگی کے لیے
بھیجا جائے۔ اوّل تو اس میں منافع ہو سکتا ہے۔ لیکن مزید منافع اس میں ہے۔ کہ ان ڈوروں کے کمر بند بُنے جائیں۔ کمر بند
بُننے کی ترکیب یہ ہے۔
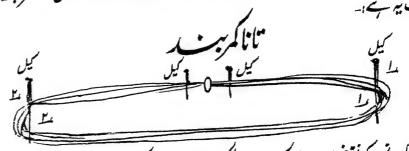
مندرجہ بالا تانے کے نقشہ میں جو بیچ کی دو چھوٹی کیلیں ہیں۔ اور انکے درمیان میں جو ڈورے ہیں، انکو ایک
ڈھیلے ڈورے سے باندھا جائے تاکہ ڈورے اُلجھنے نہ پائے پھر نمبر ایک اور نمبر دو کی جگہ ایک ایک بڑی لکڑی
ڈالی جائے۔ ان میں سے نمبر ایک کی لکڑی کو ایک پلنگ کھڑا کرکے اس کے پایوں کے اوپر باندھ دیجائے۔ اور نمبر دو
کی لکڑی پیروں میں دبا کر یا پلنگ کے نیچے والے پایوں سے باندھ کر ڈوروں کے بیچ میں چھوٹے چھوٹے تین
ٹھیٹرے ڈالے جائیں۔ اور ڈوروں کے اوپر نیچے ایک ایک ٹھیٹرا ڈالا جائے۔ اور پھر انگلیوں سے درمیانی
ٹھیٹروں کے پاس سے ڈوروں کو جال کی طرح اوپر نیچے کرکے، ہر سہ ٹھیٹروں میں سے اوپر والے ایک ٹھیٹرے کو
اوپر چڑھا کر اس کی جگہ دوسرا ٹھیٹرا ڈال دیا جائے۔ یعنی تینوں ٹھیٹرے ہر وقت قایم رہیں۔
پھر تینوں ٹھیٹروں کے نیچے سے ڈوروں کا جال بنا کر اوپر والا ٹھیٹرا پھر اوپر چڑھا دیا جائے۔ اس طرح ذور لیا

کی تمام لمبائی کا جال بنا بناکر اور ٹھیڑا اوپر کی جانب کو سرکا سرکا کر کمر بند بنالیا جائے۔ دیکھو نقشہ ذیل کا۔

جب تمام لمبائی کا جال بنالیا جائے تب درمیان میں سے تینوں ٹھیڑے نکال کر ڈوروں کو قینچی سے کتر کر نکال لیا جائے اور سرے کے ڈوروں کی ہریں بنالیجائیں۔

اس طرح سوتی اور ریشمی ہر قسم کا ازار بند بنایا جاسکتا ہے ریشمی کمر بند اکثر آٹھ آنے سے لیکر ایک روپیہ تک اور سوتی چھ پیسے سے لیکر ۶ تک فروخت ہوتے ہیں۔ کمر بند میں جس قدر صفائی ہوگی اسی قدر اس کی زیادہ قیمت وصول ہوگی۔ اگر کمر بند کی ترکیب سمجھ میں نہ آئے تو پرانے موزوں کے ڈورے ہی بناکر فروخت کر دینا خالی از منافع نہیں۔

کپڑے دھونے کا صابن بنانا

میٹھا تیل چربی تیسرے نمبر کی میدا رے کاسٹک سوڈا۔ تیل کو اُبال کر اس میں چربی شامل کرے ۲سیر دونوں چیزوں کو مٹی کی ناند میں ۲سیر نکال کر میدا۔ رے۔ اور ۱۔ چھٹانک سوڈے کو حل کر دیا جائے، اور اس قدر گھوٹا جائے۔ کہ تمام اجزائے کا گاڑھا قوام بنجائے۔ پھر ایک چوڑے برتن میں نکالکر اس میں یہ پھیلا دیا جائے جب خشک ہوجائے تو اسکو کاٹ کاٹ کر ٹکیاں بنالیجائیں۔ اس ترکیب سے بنایا ہوا صابن کپڑے دھونے کے لئے بہترین ثابت ہوگا۔ مجرب ہے۔

ترکیب کتھا بنانے کی

کھریا گوند کتیرا چونہ کیوڑہ ببول کی چھال برادہ صندل۔
چھٹانک تولہ ۲۔ تولہ ۱۔ تولہ تولہ اسیر ۲۔ تولہ

ببول کی چھال میں اسقدر پانی ڈالا جائے کہ وہ خوب ڈوب جائے۔ دو روز تک چھال کو بھگونا چاہیئے۔ اس کے بعد چولھے پر خوب اونٹایا جائے۔ جب نیم گرم رہ جائے تو چھال کو خوب نچوڑ کر نکال لیا جائے۔ اس کے بعد تمام چیزیں باریک پیسکر اور چھان کر چھال کے پانی میں ملا دی جائیں، اور تھوڑی دیر کے لئے پھر آگ پر پکایا جائے۔ یہانتک کہ اسکا قوام بنجائے۔ اس کے بعد آگ پر سے اُتار کر ٹھنڈا کیا جائے۔ اور اس میں کیوڑہ حل کرکے کسی صاف چٹائی پر یا چوڑے برتن میں پھیلا دیا جائے۔ خشک ہونے پر اس کے ٹکڑے کرلیئے جائیں۔

واضح ہو کہ چھال کو پانی میں بھگونے سے پیشتر خوب کوٹ لیا جائے یہانتک کہ وہ موٹے برادہ کی طرح ہو جائے۔ اور جب اونٹانے کے بعد پانی سے اس برادہ کو نکالا جائے تو تنکے وغیرہ نہ رہنے پائیں، بلکہ پانی کو خوب صاف کر لیا جائے۔ لیکن چھاننا نہیں چاہیئے۔

یہ چند تجاویز بہت فائدہ مند ہیں۔ اور اگر ان تجاویز پر ایک پردہ نشین کوشش اور توجہ کے ساتھہ سرگرم عمل ہو تو میری رائے میں اُسے کم از کم ایک روپیہ یا اس سے زیادہ منافع روزانہ حاصل کرنا چاہیئے۔ بلکہ دو چار مرتبہ کے تجربہ کے بعد صابن اور کتھے کی تجارت میں کافی فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔

ان ترکیبوں کے علاوہ اور بھی چند ترکیبیں ہیں۔ جن پر نسوانی طبقہ توجہ نہیں کرتا۔

مثال کے طور پر مرغیاں پالنا اور اُنسے انڈے بچے پیدا کرانا۔ یا چند خرگوش پال کر انکے جوڑے نکلوانا وغیرہ وغیرہ پردہ نشینوں کو بالکل نہیں معلوم کہ آج دُنیا میں انڈے مرغی کی تجارت سینکڑوں یا ہزاروں روپیہ کی نہیں ہوتی، بلکہ اس کی تجارت خود ہندوستان میں لاکھوں روپیہ کی ہوتی ہے۔ اور جس آسانی سے اس کام کو مستورات کر سکتی ہیں۔ مرد نہیں کر سکتے۔ اسیطرح خرگوش کے جوڑے کے ہر تیسرے مہینہ بچے ہوتے ہیں۔ اگر چند خرگوش کے جوڑے گھر میں پال کر ان کی تعداد میں اضافہ کرایا جائے۔ تو سال میں سینکڑوں کی تعداد ہو سکتی ہے۔ پھر ان سے جو کچھ فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے، اسکا اندازہ کون کر سکتا ہے

آج ہندوستان میں مشین کی وہ ہوا چلی ہے، کہ چرخہ کاتنا، ناج پیسنا، سینا پرونا، اسکولوں اور مکتبوں میں معلمات کا کام کرنا تو گویا عیب ہے، البتہ اس کی جگہ ایسے فضول کاموں نے چھین لی ہے، جو معیوب ہیں۔ مگر معیوب نہیں سمجھے جاتے۔ پھر مشین قایم رہے تو کیونکر؟ آمدنی کے ساتھہ زندگی کے تمام لوازمات ہیں، ورنہ مٹی کے ڈھیر پر چاندی کے ورق چڑھانے سے کیا حاصل؟

آج مسلمانوں کی جو خراب حالت ہے، منجملہ دیگر خرابیوں کے سب سے بڑی خرابی یہ ہے، کہ انکا ایک عضو بالکل معطل و بیکار ہے۔ اور وہ مسلمان عورت ہے، وہ مسلمان عورت، جو ابتدائے اسلام میں کبھی کبھی عساکر اسلامیہ کے ساتھہ میدان جنگ میں دوش بدوش ہوتی تھی۔ زخمیوں کو اُٹھا اُٹھا کر لاتی تھیں۔ انکے خشک حلقوں میں پانی کی بوندیں ڈالتی تھیں۔ انکی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ اور جب فتح ہوتی تھی تو فاتحانہ گیت گاتی تھیں۔ مدارس اسلامیہ سے بڑی بڑی علامہ بنکر نکلتی تھیں۔

اپنے بے نقاب چہرے اور کھلے ہوئے ہاتھہ لیکر اسلام کا ہر کام کرتی تھیں۔ اس کے بعد جب انکے مرد ہندوستان پہونچے، تو پڑوسیوں کے اثر نے انکو یہاں تک متاثر کیا کہ اپنی عورتوں کو پنجرے میں بند کر دیا۔ اور کہدیا کہ اے بیزبان جانورو، تم صرف دانہ چگنے اور پانی پینے کے لئے ہو اور بس۔

لیکن عورت کا خون متحرک رہا اور اس نے صدیوں تک انہیں پنجروں میں بیٹھکر چرخے چلائے، چلائیں، اور دستکاریوں سے بھی فایدہ اُٹھایا۔ لیکن اس کے بعد کیا ہوا؟ یہ کہ چاروں طرف تاریکی چھا گئی خاموشی غالب آگئی اور عقلوں پر پردے پڑگئے۔ نتیجہ کیا ہوا۔ یہ کہ

نہ اِدھر کے رہے نہ اودھر کے رہے

اب نہ وہ زخمی ہیں، نہ زخمیوں کے تیمار دار۔ نہ چرخے کی عادت ہے، اور نہ چکی چلانے کی نظر ہے بلکہ پردہ نشینانِ حرم کے لیے روٹیوں کی فکر ہے۔ جائیں کھوکر، مال لٹاکر، عزت بیچکر، اب ذلیل ترین زندگی بسر کرنے کے خوگر ہو چکے، لیکن کچھ بھی ہو عورت پنجرے میں بند رہے۔ بہت اچھا۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یورپ کا یہ سیلاب آپ کی اِن تمام باتوں کو اور ان تمام فرسودہ خیالات کو تنکوں کی طرح جلد بہا لیجائے گا، اور کسی کے روکے نہیں رکے گا۔ مگر آہ یہ وہ وقت ہوگا جبکہ تمام قوموں کی عورتیں حکومت کی باگ لیے ہونگی اور مسلمان عورت محکوم ہوگی۔

ترکیب رنگ سازی

حسب ذیل اشیاء کے حل کرنے سے چوک لیٹ سیروں بنجائے گا۔

چوک لیٹ برون (1) Chocalate Broun فاس فائین 1 oz - Phosphine

گرین رنگ ¼ oz - Green Colour پرپل انیلائم ½ oz Purble Onilime

دیگر رنگ

(2) Walant Broun نیگ روسین 4" - Nigrosine

بسمارک برادن 1 Part - Bismark Broun.

گلوبر سالٹ 10" - Glzvbar Salt واٹر 100" - Water.

۳ - پختہ مہگنیا رنگ (3) (Mahogany) Colour | 2 oz Mordant

ایک قسم کی لکڑی کا برادہ 2 oz Factic + Logwood پانی 2½ glls. Water

مندرجہ بالا اشیاء پانی میں ملانے سے مہوگنی رنگ بنجائے گا

۴ - پختہ سیاہ رنگ 4 (Black) پانی 1½ Galls - Water

پٹاش 2½ lbs Patash کاجل 2¼ lbs - Lampblack.

مچھلی کا تیل 1½ - Galls Fish oil

اول ۲ پونڈ پٹاش ایک گیلن پانی میں ملاکر جوش دیں۔ اس کے بعد آدھا پونڈ پٹاش اور آدھا گیلن پانی

میں کا جل ملاکر مچھلی کا تیل ملا دو اور ۱۵ منٹ تک پکاتے رہو، بعدہٗ چولہے پر سے اُتار کر ٹھنڈا ہوجانے کے بعد استعمال کرو۔

در بیان پولش و فنش

اگر دو عدد انڈوں کی سفیدی میں ½ پونڈ دودھ ملاکر جس رنگت کی پولش بنانا منظور ہو۔ اُسی قسم کا چار آنہ بھر رنگ ملاکر اس میں آمیز کردو تو اس ترکیب سے نہایت عمدہ پولش بنجائے گی۔

۲ عدد انڈوں کی زردی ¼ پونڈ دودھ۔ رنگ پیلا بروان ۴ آنہ بھر۔ ہر سہ چیزوں کو دودھ میں حل کرکے استعمال کرو۔ یہ پولش صرف پیلے عدد پر پیلے بروان چمڑوں پر استعمال ہو سکتی ہے۔ اور کسی قسم کے دوسرے رنگ پر نہیں چڑھ سکتی (۳) اسپ غول ۳ تولہ۔ پانی ایک پونڈ۔ رنگ حسب ضرورت خواہ کسی قسم کا چار آنہ بھر اول پانی کو جوش دیکر صاف شدہ اسپ غول اس میں ڈال دو۔ اور ۵۔۷۔۱۰ منٹ تک پکاتے رہو۔ جب پک کر تیار ہوجائے۔ تو چولہے پر سے اتار کر ٹھنڈا کردو اس کے بعد ہاتھ سے آہستہ آہستہ اسقدر ملو تاکہ رقیق لعاب بنجائے۔ پھر کپڑے میں چھانکر جس قسم کی پولش بنانا منظور ہو اوسی قسم کا اس میں رنگ ملاکر استعمال کردیہ پولش ہر قسم کے رنگ کے لیے بن سکتی ہے۔

یہ تمام رنگ اگرچہ چمڑا رنگنے کے ہیں۔ لیکن بعض ان میں سے بیحد نفع بخش چیزیں اگر پردہ نشین مستورات گھر میں بیٹھکر یہ چیزیں بناتی رہیں تو معقول فائدہ ہو سکتا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ ہمارے ملک ہندوستان میں یہ منحوس رواج ہے کہ جو شخص اہل ہنر ہے وہ اپنے ہُنر کو اپنے ہموطنوں، بلکہ اپنے عزیزوں و بھائیوں تک سے چھُپاتا ہے۔ اور اس طرح کے خبر کہ ہمارے کتنے ہنر دفن ہوچکے؟ اور ملک کو کتنا نقصان پہونچ چکا؟ آج ہندوستان بہ نسبت دوسرے ممالک کے صنعت وحرفت میں کوسوں نہیں بلکہ منزلوں دُور ہے، اور میرا خیال ہے کہ جب تک اس ملک میں یہ دستور قایم رہے گا اسوقت تک صنعت وحرفت کو فروغ نہیں ہوسکتا۔ اور ہماری اُمیدیں بر نہیں آسکتیں۔

میرے گھر میں خود اسکا اور دباغت کا کارخانہ ہے، اور عرصہ سے متوسط درجہ پر قایم ہے اور کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے۔ اسی تجربہ کی بنا پر میں نے بعض چیزیں اپنی پردہ نشین بہنوں کو بتائیں اور وہ کامیاب ہوئیں۔ یہ ممکن ہے کہ اول اول یہ چیزیں بنانے میں دشواری معلوم ہو، اور ممکن ہے کہ اس میں سے ایک دو چیز خراب بھی ہوجائے لیکن اس سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ اور لگاتار کوشش کرنی چاہیے۔ ان میں بعض

رنگ لکڑی پر بھی کام دے سکتے ہیں، بعض چمڑے پر، اور بعض کپڑے پر۔

لکھتے وقت کئی بار میرے دل میں یہ خیال آیا کہ ان چیزوں کی تشہیر نہیں کرنی چاہیئے، کیونکہ ایسا کرنے میں میرا نقصان ہے، لیکن بیکار پردہ نشین بہنوں کی ہمدردی نے مجھے مجبور کر دیا اور اس لیے پیش کرتی ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ قیمتی چیزیں کاغذوں ہی پڑہ جائیں اور اس سے فایدہ نہ اُٹھایا جائے۔ یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ اگر کسی بہن کو اس سے فایدہ پہونچے تو وہ عصمت کے ذریعہ اسکا ضرور اعلان کر دے، اور اگر ممکن ہوسکے تو پرائیویٹ طور سے مجھے بھی اطلاع کرے۔

اگر میرے یہ تمام نسخے یا چند باتیں بھی کار آمد ثابت ہوئیں اور یقیناً کار آمد ثابت ہونگی تو آیندہ میں اور مفید باتیں بتانے کی بھی جرات کر سکوں گی۔ یہ مضمون میں نے انعام کے لالچ میں نہیں لکھا ہے بلکہ اپنی بہنوں کے فایدہ کی غرض سے لکھا ہے۔ میرے پاس ایک قلمی کتاب موجود ہے جو میرے والد صاحب نے انگریزی کتاب سے ترجمہ کی ہے۔

یہ ممکن ہے کہ میرے اس مضمون سے عصمت کے دس صفحے پُر نہ ہو سکیں، لیکن یہ کوئی ضروری نہیں کہ دس صفحے کی شرط ہی مفید ہو۔ بلکہ کام کی ایک بات یا ایک سطر ہی لکھدینا اُن دس یا بیس صفحوں سے بہتر ہے جو کام کے نہ ہوں۔ علاوہ ازیں مجھے نہ تو اتنی فرصت ہے کہ دس صفحے بھر سکوں، اور نہ میں اس کو ضروری سمجھتی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ میرا یہ مضمون شایع کر کے پردہ نشین بہنوں اور ماؤں کو فایدہ پہونچایا جائے گا۔

کنیز فاطمہ۔ آگرہ

علامہ راشد الخیری مدظلہ کی تصانیف

تمغۂ شیطانی شیطان کا تمغہ حاصل کرنیکے لیئے دنیا کے سات بہترین کیریکٹر پیش کیے جاتے ہیں ہر کیریکٹر اسقدر دلچسپ ہے کہ بار بار پڑھیئے، جہاں نکڑے والی بھری والی حاجی خانصاحب کے حالات پڑھکر ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑجاتے ہیں وہاں شمس پیرجی شہزادی کے واقعات آنکھوں سے آنسو گرا دیتے ہیں بے حد مؤثر اور مفید ہے اور بے انتہا سبق اور عبرت انگیز افسانہ قیمت ۱۲/

تفسیر عصمت ایک مختصر دلآویز افسانہ ہے عبدل کا کیرکٹر اسقدر پُر لطف ہے کہ ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑجاتے ہیں اور واقعات اسقدر درد انگیز کہ بیاختہ آنسو نکل آتے ہیں خلع اور ارتداد پر اس سے بہتر افسانہ آجتک اُردو زبان میں شایع نہیں ہوا۔ قیمت ۶/

سات روحوں کے اعمالنامے۔ عالم بالا کی سیر، تمغۂ شیطانی کے جوڑ کی کتاب نہایت درد انگیز قیمت آٹھ آنے ۸/

ستونتی نہایت دلچسپ سبق آموز قصہ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ مرد کے لیے بیوی سے بڑھکر کوئی نعمت نہیں ہوسکتی اور شریف عورت شوہر کے لیے سب کچھ قربان کر کے اور وفاداری اور ایثار کے جوہر دکھا کے دُنیا کو محو حیرت کر دیتی ہے۔ اب چوتھی بار چھپی ہے قیمت ۸/

روداد قفس حضرت علامہ محترم کی درد اثر میں ڈوبی ہوئی مشہور نظموں کا مجموعہ، مظلوم حسینہ روضۂ اقدس پر، اسلم کا خط شوہر کے نام، ماں کا پیام، سرخاب کا دم واپسیں، التجائے قیصر، بیٹوں کی فریاد، بچپن کی یاد، وغیرہ وغیرہ وہ نظمیں ہیں جن کا ہر شعر کلیجہ کے پار ہوتا ہے یہ بیکس اور مظلوم عورتوں کے جگر خراش نالے ہیں مُسلمان گھروں کے عبرت انگیز معاشرتی مناظر ہیں علامہ محترم کو جذبات نگاری میں جو کمال حاصل ہے وہ پُورے طور پر ان نظموں میں نمایاں ہے پانچویں مرتبہ چھپی ہے۔ قیمت ۱۲/

منیجر عصمت دہلی

شہزادی اور خانہ بدوش

مئی کا مہینہ تھا۔ میں نے (شہزادی نے) ایک دن صبح کے وقت کھڑکی میں باہر کی طرف جھانکا۔ تو سرسبز درختوں کی چوٹیاں نظر پڑیں۔ انکو دیکھ کر میں نے کہا۔ کہ میں اپنا تاج اُتار دونگی۔ اور ایک ملکہ کی زندگی نہیں بسر کرونگی۔ میں چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتی ہوئی اپنے محل سے باہر نکلی۔ اسوقت میرے گلے میں ریشمی گون تھا۔ جب میں جنگل میں پہنچی۔ تو وہاں میں نے چند کالے رنگ کے لوگ دیکھے۔ جو خانہ بدوشوں کی زندگی بسر کرتے تھے۔

میں نے ان سے مخاطب ہو کر کہا۔ اے منکسر المزاج خانہ بدوشو تم تمام دنیا کے گرد چکر لگاتے ہو۔ اور چونکہ مجھے اپنے تاج و تخت سے نفرت ہے۔ اس لیے تم مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔ میرے مشیر اور وزیر اسقدر بوڑھے ہو گئے ہیں۔ کہ انکے بال بھی سفید ہو گئے ہیں۔ اور وہ تنگ ہو کر کرسیوں میں بیٹھتے ہیں۔ لیکن تم پرندوں کو گاتے ہوئے سُن سکتے ہو۔ اور ان کی طرح خوش بھی رہتے ہو۔

یہ سُنکر خانہ بدوشوں نے جواب دیا۔ کہ اگر تم ہمارے ساتھ رہنا چاہتی ہو۔ تو اس بات کو اچھی طرح سُن لو۔ کہ تمہیں بہت سی صعوبتیں اُٹھانی پڑینگی۔ کیونکہ گو جنگل میں رہ کر موسم بہار میں تم پرندوں کے راگ سُن سکتی ہو۔ لیکن موسم سرما میں اتنی ہی سردی کی تکلیف اُٹھانی پڑے گی۔ محل میں تمہاری باندیاں تمہیں بہت عجز و انکساری سے اعلیٰ قسم کی جوتیاں پہناتی ہیں۔ اور تمام دن تمہاری خدمت میں لگی رہتی ہیں۔ لیکن ہم خانہ بدوش اپنا سفر ننگے پاؤں طے کرتے ہیں۔ تم موسم سرما میں طلائی برتنوں میں گرم پانی سے غسل کرتی ہو۔ لیکن جن ندیوں کے کنارے ہم پھرتے ہیں۔ انکا پانی بہت ٹھنڈا اور ان میں سفید جھاگ کثرت سے ہوتا ہے۔ ہماری جو کی روٹی ذایقہ میں کڑوی ہوتی ہے۔ لیکن تمہارے کیلئے شیریں ہوتے ہیں۔ اب بتاؤ کہ تم ان میں سے کونسی چیز پسند کرو گی۔ ہاں اب بتلاؤ کونسی چیز پسند کرو گی ؟

لیکن اگر تم پہاڑی نالوں اور جو کی روٹی کو اپنے لیے پسند کر لو۔ تو بے شک تمہارا دل درختوں کے پرندوں کی طرح آزاد ہو جائے گا۔ لیکن پتھروں کی وجہ سے تمہارے پاؤں بھی چھلنی ہو جائیں گے۔ اور کیچڑ کی وجہ سے تمہاری سلک کی گون خراب ہو جائے گی۔ کھیتوں کے کتے تمہیں کاٹنے کی خواہش کرینگے۔ اور جب تم انکے پاس سے گذرو گی۔ تو بھونکیں گے۔ گو تمہارا دل ایک قسم کی خوشی محسوس کرے گا۔ اور تم بہت سمجھدار ہو جاؤ گی۔ لیکن یہ بھی یاد رکھو۔ کہ بوجہ سردی تمہاری ہڈیاں ٹوٹنے لگ جائیں گی۔ اور تم بُری حالت میں مر جاؤ گی۔"

"اے منکسر المزاج خانہ بدوشو۔ تم تمام دنیا میں پھرتے رہتے ہو۔ گو میں تمہارے چلنے پھرنے کی عادت کو پسند کرتی ہوں۔ لیکن باوجود اس کے مجھے تمہارے ساتھ جانے کی ہمت نہیں ہوتی۔"

اس کے بعد میں نے انکی کالی اُنگلیوں میں اپنی زمرد کی انگوٹھیاں پہنا دیں۔ اور نہایت افسوس کے ساتھ اپنا سر جھکا لیا۔ اور وہاں سے واپس چلی آئی۔ جب سیڑھیوں کے ذریعہ محل کی اوپر کی منزل میں گئی۔ تو میں نے ان خانہ بدوشوں کی ہنسی کی آواز سُنی۔ موسم بہار کے پرندے نہایت سُریلی آواز سے گا رہے تھے۔ اور جنکو سُنکر میرا دل دو ٹکڑے ہوا جا رہا تھا۔ کیونکہ وہ آزاد تھے۔ اور میں مقید۔ (ترجمہ) (فرانسس کورن فورڈ)

سرور جہاں از بہاولپور

چھکلّم کا لطیفہ

ایک بادشاہ کو موسیقی سے بہت شوق تھا مگر سمجھتے خاک نہیں تھے۔ دربار میں ماہران فن ہمیشہ آتے بادشاہ سلامت شان سے بیٹھتے اور دھیان سے سنتے گویا بڑے زبردست ماہر تھے۔ بادشاہ بیگم علم موسیقی کی ماہر تھیں اور انکو اس علم کے سب نکات معلوم تھے چنانچہ پس پردہ بیٹھتیں اور بادشاہ سلامت کو ہر راگ سمجھاتیں۔ ایک روز موسیقی کی مجلس جمی ہوئی تھی بادشاہ بیگم نے بتایا کہ فلاں گیت پنچم ہے، اتفاقاً کسی کام سے اُٹھکر محلسرا چلی گئیں دوسرا راگ شروع ہوا تو بادشاہ سلامت گر آ تا ہی کیا تھا جو بتا سکتے اسی شش و پنج میں انہوں نے سوچا ہو نہ ہو یہ چھکم ہو۔ فوراً کہہ اُٹھے "چھکم" استادان فن مارے ہنسی کے لوٹ لوٹ گئے مگر ضبط سے کام لیا کر خوف شاہی تھا۔ مگر ایک آگے بڑھا اور آداب بجالا کر عرض کیا "گستاخی معاف خداوندا اگر یوں ہی مقدار بڑھی تو سو تک پہنچ جائے گی۔

زہرہ بیگم بمبئی

میں کون ہوں

کون ہوں میں کیا بتاؤں ہم نوا اُف کچھ نہ پوچھ
یاس و حسرت کی میں اِک کالی اندھیری رات ہوں

دل کی ویرانی کا کیا غم کیجئے جب اے جنوں
منزل اُلفت میں میں خود کشتۂ آفات ہوں

بے خودی اور بے کلی یہ اقتضائے درد ہے
ورنہ میں تو حسرتوں کی اِک مردہ رات ہوں

دہر میں باقی نظام یاس و حسرت مجھ سے ہے
سوگ کا بادل ہوں میں خوں بار اِک برسات ہوں

کیا بتاؤں کون ہوں میں اے جمالؔ مضطرب
"حالت قومی پر اِک خوں رونے والی رات ہوں"

بلقیس جمال خاتون

زندگی

اے دوست! اس ویرانہ میں۔ آبادی سے کہیں دور پریشان و مضمحل کیوں بیٹھا ہے۔ کیا اس طرح جلدی جلدی سانس لینے سے زندگی کا مشکل ترین مرحلہ عبور ہو جائے گا۔ جبکہ اختتام کے لیۓ ایک وقت معین ہو چکا ہے۔

دیکھ۔ افق سے سیاہ گھٹا چڑھی اور برس بھی گئی۔ اب مطلع صاف ہو گیا۔ سطح آسمان پر قوس قزح میں کتنے مختلف رنگ بھرے ہیں۔ مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے۔ کہ دنیا کی ہر چیز پر ایک دلکش رنگینی چھائی ہوئی ہے۔ سامنے والی گھاس اس چمکیلی دھوپ میں کیسی شفاف دکھائی دے رہی ہے۔ تال کا پانی کیسا روشن نظر آرہا ہے۔ آنے والی نسیم مشفقانہ انداز سے تھپکیاں دے رہی ہے۔ مولسری پھول اور آسمانی پرندوں نے خوش کن راگنیاں چھیڑ دیں۔

یہ سب کچھ ہوا بھی۔ کیا سورج مضمحل ہو کر غروب ہو گیا۔ کیسے ہو سکتا تھا۔ جبکہ اس کے لیۓ بھی ایک وقت معین ہو چکا ہے۔

اس تھوڑی زندگی کو جب ختم ہی ہو جانا ہے تو۔ آ دوست! زندگی کے اس مشکل مرحلے کو باہم مِلکر آسان و پُر لطف بنالیں۔ اور پھر کیوں نہ مسرور ہو جائیں۔

ایس بی طاہرہ

دانت بیسیوں بیماریوں کا منبع

از محترمہ فاطمہ ستار خیری برلن (جرمن)

جرمنی کے ایک شہر "ویسباڈن" میں آج کل ڈاکٹروں کی ایک بین الملل (انٹرنیشنل) کانگرس ہو رہی ہے۔ کچھ عرصہ سے مختلف ڈاکٹروں کی کانفرنسوں میں اور طبی رسالوں وغیرہ میں "غدودی سرایت" Herd Infection کے مسئلہ پر بحثیں ہو رہی ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ درد مفاصل Rheumatism امراض گردہ، حرکت قلب کا رک جانا، اعصاب کا ورم اور دوسری بہت سی بیماریاں اس وجہ سے ہوئی ہیں کہ جراثیم مضرہ Bacteria ان جگہوں میں گھس جاتے ہیں۔ اور یہ جراثیم مضرہ اپنا اڈا دانتوں، گلے کے غدودوں اور ناک کے اندرونی سوراخوں میں بنائے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان جگہوں سے جسم کے دوسرے حصوں میں پہنچکر طرح طرح کی بیماریاں پیدا کرتے ہیں۔ سینکڑوں آدمیوں کو اکثر حرارت سی رہتی ہے جسم کے جوڑوں میں خفیف سا درد رہتا ہے۔ ہاتھ پاؤں ٹوٹے جاتے ہیں طبیعت پر مردنی چھائی رہتی ہے کسی کام کے کرنے کو جی نہیں چاہتا اور انکو اسکا سبب معلوم نہیں ہوتا اس کا سبب قریب قریب ہمیشہ مذکور بالا جسم کے حصوں میں جراثیم مضرہ کی موجودگی ہوتا ہے۔ ڈاکٹر لوگ اکثر اس طرف خیال بھی نہیں کرتے۔

ویسباڈن کی بین الملل کانگرس کے تیسرے اجلاس میں اس کی اہمیت کے اوپر بڑے بڑے جرمن امریکن اور انگریز ڈاکٹروں نے روشنی ڈالی۔ حتیٰ کہ کہا جاتا ہے کہ یہ اجلاس اس کانگرس کا سب سے مہم اجلاس تھا۔ خاصکر شہر ڈریسڈن (جرمنی) کے پروفیسر پیلر اور شہر روچیسٹر امریکا کے پروفیسر روزیناؤ اور فرانکفورٹ ام مائن (جرمنی) کے پروفیسر بیلنگ نے اپنی تحقیقات کے نتیجوں کے متعلق بڑے بڑے مضمون پڑھے۔ جن کا خلاصہ یہ ہے:۔

یہ جراثیم مدت تک اپنے اڈے میں باآرام پڑے رہتے ہیں بعض وقت برسوں یوں ہی پڑے رہتے ہیں۔ پھر یکایک مختلف وجہات سے حرکت میں آتے ہیں اور یہ جراثیم قرب وجوار میں اور خون اور لیمف میں پہنچ جاتے ہیں۔ اکثر ہمارے جسم کی قدرتی قوی خوش قسمتی سے ان جراثیم کا قلع قمع کر ڈالتی ہیں۔ جہاں یہ قدرتی قوی جسمانی کمزور ہوتی ہیں وہاں مختلف بیماریاں نمودار ہو جاتی ہیں۔

اگر بہت دیر نہ ہو تو اکثر ایک چھوٹے سے عمل جراحی کے ذریعہ سے ان جراثیم کا اڈا دور کیا جاسکتا ہے اور اس طرح سے نمودار شدہ بیماری بھی اکثر اچھی ہو جاتی ہے۔ اکثر منہ کی جانچ پڑتال سے اور دانتوں کی دیکھ بھال سے ان جراثیم کے اڈے کا پتہ لگ جاتا ہے اور یہ اڈا آسانی سے الگ ہو سکتا ہے مگر سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس جراثیم کے اڈے کو جمنے کا موقع ہی نہ دیا جاوے۔ دانتوں میں یہ دانتوں کی خرابی سے لگتا ہے اگر دانتوں کی صفائی برابر کی جاوے تو یہ اڈا نہ دانتوں میں لگے اور نہ منہ کے کسی اور حصہ میں مثلاً ناک کے اندرونی سوراخوں میں۔ یہ اڈا بیسیوں نہیں سینکڑوں بیماریوں کی جڑ ہے۔

اب جب ہم یہ دیکھتے ہیں تو شارع اسلام کی اللہ کا اون پر سلام ہو صفائی کے اصولوں پر حیرت ہوتی ہے۔ "الطہارۃ من الایمان" صفائی ایمان کے اساسوں میں سے ہے" اور پھر خاص کر دانتوں اور منہ کی صفائی پر جو زور دیا ہے اس کی تو حد نہیں۔ دن میں کم از کم پانچ وقت مسواک کرنا ایک سچے مسلمان کی زندگی کا جزو ہے۔ ہمارے پیارے نبی کا آخری عمل جو آپ نے اس دنیا میں کیا وہ بھی مسواک کرنا تھا۔ مگر افسوس لوگ اسلامی عادتوں کو چھوڑتے جاتے ہیں اور ہر ایک کو موڈرن MODERN بننے کا شوق ہے حالانکہ یورپ اور امریکہ بے جانے بوجھے اسلامی اصولوں کو رواج دیتا جا رہا ہے۔ دانتوں کی صفائی پر ہر مدرسے میں زور دیا جاتا ہے بچوں کے بورڈنگ ہاؤسوں میں دن میں صبح کو اور رات کو اور ہر کھانے کے بعد بچوں کو دانت مانجھنے کی ڈرل کرائی جاتی ہے اور ہم مسلمان اپنی دولت کو کھوتے ہیں اپنے بیش بہا اسلامی اصولوں کو ضایع کرتے جاتے ہیں اور فخر کرتے ہیں۔ یا حسرتا علی العباد۔

از جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی ام اراے ایس۔ایف آر ایس اے

انگلستان کی عورتوں کے متعلق اظہار خیال خصوصاً صرف چند ماہ کے قیام کے بعد مشکل نہیں تو آسان ہی نہیں جب تک برسوں قیام کرکے انکے حالات فراہم نہ کیے جائیں ہم کماحقہٗ کچھ نہیں لکھ سکتے۔ بریں ہم چند موٹے موٹے امور بیان کیے جاتے ہیں۔ عام طور سے جوبات ادنیٰ اور اعلیٰ جوان بچے بڑھے سب میں مشترک ہے وہ ان کی محنت ہے صبح سے شام تک نہیں۔ بلکہ بڑی رات گئے تک وہ کام کرتی ہیں۔ اور اور تھکتی نہیں جس چستی اور تیزی سے وہ کام انجام دیتی ہیں اس سے تعجب ہوتا ہے۔

یہاں کی عورتوں کو چند اقسام پر تقسیم کرکے ان پر اظہار خیال زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ یوں تو قدرتی طور پر بچے۔ جوان۔ بوڑھے تقسیم ہی ہیں اسی طرح غریب۔ اوسط اور امیر کی تقسیم ہوسکتی ہے۔ مگر کام کے لحاظ سے چند اور بھی حصے کیے جاسکتے ہیں۔ مثلاً کالج کی متعلمہ۔ رسٹورنٹ کی ملازمہ، گھر کی خادمہ۔ تھیٹر کی ایکٹرس۔ آفس کی کلرک خوش باش صاحب خانہ وغیرہ۔

لڑکیاں۔ ہندوستانی لڑکی سے انگلستان کی لڑکی بالکل جداگانہ ہوتی ہے وہ لڑکوں کے ساتھ مدرسہ رجاتی ان کے ساتھ ایک ہی جماعت میں پڑھتی ان ہی کے ساتھ کھیلتی کودتی، شریک ہوتی ہے وہ ہر وقت خوش و خرم چست و چالاک ہوتی ہے۔ وہ بچپن سے مرد کے ساتھ محبت کرنا سیکھتی ہے سینما میں اسکو نظر آتا ہے ڑکیوں کا کیا کام ہے اس کے کیا فرائض ہیں اسکو کس طرح زندگی بسر کرنی ہوگی کس طرح اسکو مردوں کے ساتھ لوک کرنا ہوگا کس طرح اس سے محبت کرنے والے پیدا ہوسکتے ہیں غرضکہ ابتدا سے آیندہ زندگی کا نمونہ اس کے یش نظر ہوجاتا ہے۔

کالج اور اسکول کی متعلمہ لڑکی۔ اگرچہ انگلستان کی لڑکی بچپن سے آزاد ہوتی ہے مگر سن رشد ے بعد اس کی حالت جداگانہ ہوجاتی ہے اس پر کسی کی حکومت نہیں ہوتی وہ اپنی آپ مختار ہوتی ہے۔ وہ پنے اسکول اور کالج کے اوقات کی پابند اور پوری محنت سے اپنی تعلیم کو حاصل کرتی ہے۔ اسی کے ساتھ س کے بیسیوں دوست دونو صنف کے ہوتے ہیں بلکہ اکثر ان ہی کے جنس سے جنس ذکور کا حصہ زیادہ ہوتا ہے وہ شنبہ اور یکشنبہ کے دن اور چھٹیوں میں ان سے ملتی ان کے ساتھ سینما۔ تھیٹر۔ ڈانس ہال۔ جنگل۔

ساحل سمندر پر مقام کر جاتی ہے اور ان کے ساتھ دلچسپی سے اپنے اوقات بسر کرتی ہے۔
دوستوں سے ملنے سے پہلے خطوط کے ذریعہ۔ ٹیلیفون کے ذریعہ وقت اور مقام طے کر لیا جاتا ہے
پ کر اکثر مقامات پر منتظر لڑکے اور لڑکیاں نظر آئیں گے کبھی تو لڑکے وقت مقررہ پر آکر لڑکی کا انتظار کرتے ہیں
اور کبھی اس کا عکس بھی نظر آتا ہے۔

رسٹورنٹ وغیرہ کی ملازم لڑکیاں۔ اسکول اور کالج کی لڑکیوں کی طرح ان کی بھی حالت ہے
مگر ان غریبوں کو موسمی تعطیل نہیں ملتی ہر ہفتہ ایک دن کی تعطیل مل جاتی ہے اس روز ان لڑکیوں کا مشاغل ہی تفریحی
ہوتے ہیں جو عموماً ان کے دوست لڑکوں کے ساتھ ہوتے ہیں یہ ضرور نہیں ہمیشہ ایک ہی دوست ہو بلکہ ایسے
متعدد ہوتے ہیں۔ عام طور پر جو لڑکیاں خواہ وہ ملازمہ ہو خواہ متعلمہ ان کے تفریحی اخراجات ان کے دوست کی
جیب سے ادا ہوتے ہیں۔ ایک وقت کا کھانا یا تمام دن کے اخراجات کی ادائی بھی جنس ذکور کے ذمہ ہوتی
ہے۔ ہاں جنس اناث کا کام یہ ہوگا وہ کوئی شئے خریدی ہوئی خود دے چلیں چار وغیرہ خود بنائیں۔ اور آپ کے
بغل میں ہاتھ دیکر ساتھ چلیں کبھی پھول خریدیں (رقم کی ادائگی آپکے ذمہ) تو اول آپ خود سونگھے اور پھر آپ کو
اس کی خوشبو سونگائیں یا اسکا پھول آپ کے کوٹ میں لگا دیں (خیال رہے آپ سے ضمیر دوست ہی ہے)
رسٹورنٹ میں جو لڑکیاں ملازم ہوتی ہیں انکی تیزی اور پھرتی بھی قابل تعریف ہے چند میزیں ایک ایک
لڑکی کے متعلق ہوتی ہیں اکثر اوقات وہ آدمیوں سے پُر ہوتی ہیں۔ ہر ایک علیحدہ علیحدہ فرمایش کرتا ہے لڑکیاں
مختلف اشخاص کی فرمایش کی تعمیل بلا کسی غلطی و سہو کے انجام دیتی ہیں۔ اور پھر نہایت تیزی سے کھانے کی شئے
لیکر آتی ہیں ہندوستان کی لڑکیاں بلا کسی شئے کے بھی اسقدر تیز نہیں چل سکتیں۔ ان لوگوں کی ایک یہ بھی عادت
ہے جب آپ سے فرمایش دریافت کرتی ہیں تو منہمک چہرہ کے ساتھ کرینگی اور ہمیشہ مسکراتی ہوئی رہیں گی۔
رسٹورنٹ کیا ہر دوکان کی لڑکیوں کی یہی حالت ہے۔

رسٹورنٹ اور بعض دیگر شاپوں کی ملازم لڑکیوں کا مخصوص لباس ہوتا ہے اور اگر کوئی خاص لباس
نہ ہو تو اوپر ایک گون پہن لیا جاتا ہے تاکہ اصلی لباس خراب نہ ہو جب دوکان اور رسٹورنٹ وغیرہ سے لڑکیاں
باہر آتی ہیں تو ان کا بہت مشکل سے امتیاز ہو سکتا ہے۔

تھیٹر سینما کی اکٹرس۔ سینما اور تھیٹر میں کام کرنے والی بڑی مغرور ہوتی ہیں اور ان کو اپنے حسن اور کام
پر ناز ہوتا ہے۔ چونکہ انگلستان میں اکٹرس کی بڑی قدر ہوتی ہے اس لیے ان کا یہ غرور بیجا نہیں ہوتا۔ جس زمانہ میں
میں لنڈن میں مقیم تھا ایک اکٹرس "جون" سے ایک لارڈ نے شادی کی تھی۔ ان لوگوں سے ملنے والے تعارف پیدا
کرنے والے کثرت سے ہوتے ہیں اس طرح ان کے مشتاقوں کی بڑی تعداد ہوتی ہے۔ جن سے ان کا تعارف

ہوتا ہے ان کی بڑی دولت خرچ ہوتی ہے۔

خانگی ملازمہ بچوں کی آیا۔ یوں تو ملازمہ اوسط اور اعلیٰ طبقہ میں متعدد ہوتی ہیں مگر بعض گھروں کے ملازمہ ایسے بھی ہوتیں ہیں جو پورا وقت نہیں دیتیں بلکہ وہ ایک سے زیادہ جگہ ملازم ہوتی ہیں اور دن کا تمام وقت وہ کئی کئی جگہ کے کام کو انجام دیتی ہیں۔ عموماً یہ بڑے تیز اور محنتی ہوتی ہیں اپنے مفوضہ کام کو برابر اوقات مقررہ میں انجام دیتی ہیں۔

بچوں کی آیا بھی اگرچہ اپنے کام کی پابند ہوتی ہے مگر اکثر ایسا ہوتا ہے بچوں کو گاڑی میں چھوڑ دیتی ہیں اور خود اپنے دوستوں سے باتوں میں مصروف ہو جاتی ہیں بارہا میں نے دیکھا ہے بچہ رو رہا ہے مگر انکو خبر نہیں وہ اپنے ہنسی مذاق میں مصروف ہیں۔

آفس کی کلرک۔ دفاتر شاپوں اور کارخانوں میں ہزاروں عورتیں ملازم ہیں جو چھوٹی خدمت سے لیکر اعلیٰ خدمت تک انجام دیتی ہیں۔ یہ بھی اپنے کام کی پابند محنتی۔ حاضر باش سنجیدہ متین ہوتی ہیں۔ تعطیلات کے زمانہ میں یہ بھی تفریح کرتی اور آرام لیتی ہیں اکثر اپنے شوہر بچوں کے ساتھ یا دوستوں کے ساتھ کھیل تماشوں میں جاتی اور محنت کے بعد گویا آرام حاصل کرتی ہیں۔

خوش باش صاحبہ خانہ۔ اعلیٰ طبقہ کے قطع نظر اوسط طبقہ کی اکثر خواتین ایسی ہیں جو خود کہیں ملازم نہیں ہیں اور نہ انکو ملازمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر یہ خواتین بھی گھر میں بیکار نہیں ہوتیں گھر کے بیسیوں کام کاج کرتی ہیں اپنا وقت بلا مصرف نہیں گزارتیں۔ اگر انکو ملازمہ رکھنے کی حیثیت ہے تو انکی نگرانی میں یہ خود بھی کام کرینگی اگر بچے ہونگے تو ان کا کام انتظام خانہ داری بچوں کی تعلیم کی نگرانی گھر کی صفائی آراستگی وغیرہ سب کچھ وہی انجام دینگی۔ یوں خیال کرو گھر کی وہی مالک ہوتی ہے۔ صاحب خانہ کا کام صرف روپیہ پیدا کرنا ہے اور اسکا انکو انتظام سے خرچ کرنا گھر میں آنے والے دوست احباب کی بھی تواضع کرینگی۔ رات اور دن کے فرصت کے وقت پیانو بجایا جائے گا اور اوس پر گا کر شوہر بھائی اس کے دوستوں دل بہلائی تفریح کی جاتی ہے۔

کسی تعطیل وغیرہ کے زمانہ میں شہر سے باہر جا کر ورنہ شہر ہی میں سینما تھیٹر وغیرہ سے تفریح ہوگی دوست احباب سے ملاقات ہوگی۔

بوڑھی عورت۔ عام طور پر یورپ میں بڑی عمریں ہوتی ہیں اسی نوے سال تو گویا عام عمر ہے اسیطرح بوڑھی عورتیں بڑی تعداد میں نظر آتی ہیں۔ ان کی جرات قابل تعریف ہے وہ انکی محنت ہے مگر اکثر اوقات بوڑھی عورتوں سے بڑی تکلیف ہوتی ہے یہ اکثر جسیم ہوتی ہیں اوس پر سردی کے باعث جو لباس

اور اوپر اور کوٹ پہنا جاتا ہے وہ بھی خاصہ وزنی ہوتا ہے اس سے انکی فربہی اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے اب وہ اپنے دونوں ہاتوں میں خریدی ہوئی چیزیں جو سیروں کی وزنی ہوتی ہیں لیکر ٹرام۔ موٹر بس وغیرہ میں سوار ہوتی ہیں انکو اس کی پروا نہیں کسی کو ان سے چوٹ لگے یا تکلیف ہو انکو تو اپنے سوار ہونے سے غرض ہوتی ہے۔ بعض ایسی بکواسی ہوتی ہیں خدا کی پناہ جدہر دیکھو ادہر دوسری عورت سے مصروف گفت وشنید اور پھر دنیا بھر کا گلہ شکایت غرض کہ ان میں اور ہندوستان کی بوڑہی عورتوں میں اکثر مناسبت ہو جاتی ہے۔

جو بوڑہی عورتیں مالدار ہیں یا شوقینیں ہیں انکو ڈانس کا بڑا شوق ہوتا ہے اسی طرح فیشن اور لباس کی بڑی شایق ہوتی ہیں۔

جوان عورت۔ یوں تو جوان عورتوں کے حالات مختلف حیثیت سے بیان ہو چکے ہیں مگر پھر بھی چند امور خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جیسا کہ بیان کیا گیا انکی مشترک حیثیت کام اور محنت کی ہے انکی تیزی قابل تعریف ہوتی ہے وہ اتنا تیز چلتی ہیں کہ ہم انکی برابری نہیں کرسکتے مثلاً میں تیز چلنے کا عادی ہوں اکثر دوست احباب مجھے تیز قدم خیال کرتے ہیں مگر ایک مرتبہ جب اپنے جائے قیام کے فیلی کی لڑکی کے ساتھ تیز روی کا مقابلہ ہوا تو مجھے ہار ماننی پڑی۔

اسی طرح نوجوان عورتوں کو اچھے لباس زیور کا بڑا شوق ہوتا ہے قسم قسم کے رنگ برنگ کے لباس کی وہ بڑی شایق ہوتی ہیں۔ کسی کو ڈانس کا کسی کو سینا کا کسی کو تھیٹر کا شوق ہوتا ہے کوئی ٹینس برج کی شیدا ہوتی ہے کوئی گانے ناچنے کو پسند کرتی ہے۔

ان کو اپنے مستقبل معلوم کرنے اچھے مالدار شوہر کے ملنے کی بڑی تمنا ہوتی ہے بعض تجردی زندگی ہی پسند کرتی ہیں انکو اپنے نام پیدا کرنے مشہور ہونے کا بڑا شوق ہوتا ہے۔

دستی پاکٹ تو ہر عورت کا لازمہ ہے جس میں ان کی ضروریات کی چیزیں روپیہ خطوط وغیرہ ہوتے ہیں مگر نوجوان عورتوں کے پاکٹ کی چند چیزیں مخصوص ہیں۔ اس میں پوڈر وغیرہ ضرور ہوگا تاکہ وقت بوقت اپنے چہرہ کو سفید کرلیں۔ اور چونکہ پوڈر کی بہت شوقین ہوتی ہیں اس کی ضرورت ہی ہوتی ہے۔ اسی کے اندر انکے دوست احباب ملنے والوں کے خطوط ہونگے۔ اور دستی کیمرہ سے لیئے ہوئے فوٹو جو حال ہی میں لیے گئے ہوں تاکہ دوسروں کو بتایا جائے۔ اس میں پونڈ شلنگ پنیس ہونگے کیونکہ رقم کے بغیر گھر سے باہر نکلنا دشوار ہوتا ہے اس کے علاوہ اور بھی اشیاء ہوتی ہیں جو ان کے شوق پر منحصر ہے مثلاً سگریٹ وغیرہ۔

دشمنوں کی کثرت

از محترمہ نوشابہ خاتون صاحبہ قریشی بی اے

یہ "جرثوموں کی" دنیا ہے، ادہر دشمن، ادھر دشمن
نظر آتے ہیں، اب چاروں طرف دیکھو جدھر دشمن

نئی تحقیق کی "عینک" سے، آنکھوں نے جلا پائی
کہ ہر قطرہ میں پانی کے ہیں آئے نظر دشمن

وہ کثرت دشمنوں کی ہے، کہ لینا سانس مشکل ہے
ہوا میں ساری دھاری ہیں، لاکھوں فتنہ گر دشمن

بنے شمس و قمر گلخن، زمیں دشمن، فلک دشمن
در و دیوار پیاسے خون کے اور بحر و بر دشمن

بنا ہے سمیت سے، ذرہ ذرہ قاتلِ انسان
ہوئی بادِ سحر دشمن، فضائے بحر و بر دشمن

خلل آیا، نظامِ جسم میں، برہم ہوئے اعضا
ہوئے بیکار دست و پا، بنے قلب و جگر دشمن

تقاطر ابرِ باراں کا، تڑپ ہے برقِ صاعق کی
ادھر ہے آہِ سوزاں، اور ادھر ہے چشمِ تر دشمن

شناور کے لیے ہے، خوفِ غرقِ بحرِ بے پایاں
ہوا اہلِ نظر کے واسطے، ذوقِ ہنر دشمن

زمانہ گر مخالف ہے، مقدر برسرِ کیں ہے
ہے عالم ہم سے برگشتہ، ہر ایک جن و بشر دشمن

یہ چکر ہو زمیں کا، یا کہ گردش آسماں کی ہو
ہمارے واسطے ہے، بحرِ ہستی کا بھنور دشمن

نہ خشکی میں ٹھکانہ ہے، نہ ملجا ہے تری ہی میں
پئے قطعِ طریقِ عمر، ہے ہر رہگذر دشمن

"جو بوئیں گے وہ کاٹیں گے" مثل مشہورِ عالم ہے
نہ پائیں گے عداوت کا کبھی اچھا ثمر دشمن

مرے برعکس، عالم میں غضب کی آگ بھڑکائی
تماشہ دیکھتے ہیں ڈال کر خس میں شرر دشمن

بنے فرعونِ بے ساماں، سر و سامانِ ہستی پر
خدا کا خوف بھی رکھتے نہیں، پیدا دگر دشمن

تونگر پر نظر رکھتے ہیں، جو پیسوں کے بھوکے ہیں
عدو لعل و گہر ہیں، کیسہ ہائے سیم و زر دشمن

فغان و آہ سے نوشابہ، کب وہ نرم ہوتے ہیں
کہ دل فولاد کا رکھتے ہیں، پتھر کا جگر دشمن

انصاف یا ظلم

میں اُردو مڈل پاس ہوں آٹھویں درجہ تک انگریزی بھی پڑھی ہوئی ہوں کچھ کچھ فارسی اور ہندی بھی جانتی ہوں۔ میں انجان نہیں ہوں میری عقل میں فتور نہیں اس وقت میری عمر اٹھارہ برس کی ہے میں بخوبی جانتی ہوں کہ میرے فرایض کیا ہیں۔ میں نے پڑھا ہے اور خوب سمجھتی ہوں کہ کاہل اور بدکار شوہر کی بھی خاطر عورت کرنی چاہئے میری نظر سے وہ روایت بھی گزری ہے جس کا ملخص یہ ہے کہ اگر اسلام میں سوائے خدا کے اور کسی کو سجدہ روا ہوتا تو عورتوں کو حکم دیا جاتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔ یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی آج میں اپنے شوہر کی بُرائی کر رہی ہوں۔ یا اللہ! کیسا بُرا زمانہ آگیا ہے معلوم نہیں میرا کیا حشر ہوگا۔ زمین پھٹ جائے اور میں اس میں سما جاؤں تو بہتر ہے۔ آسمان سے بجلی گرے اور میرے خرمن ہستی کو جلا کر خاک کر دے تو اچھا ہو۔ اگر کسی عورت کو ہم مذاق اور حسب خواہش خاوند مل جائے اور پھر وہ خدا کی قدرت سے لنگڑا لولا یا ظالم ہو جائے تو عورت اس سے نفرت نہ کرے گی وہ اسکو اپنا سرتاج سمجھکر جان و دل سے اس کی خدمت کریگی لیکن ظالم ماں باپ اگر جان بوجھکر کسی لالچ میں ایک لایق کمسن لڑکی کا بیاہ کسی جاہل سن رسیدہ مرد سے کر دیں تو لڑکی کے دل میں اس کا ہمیشہ قلق رہے گا یہ اور بات ہے کہ وہ شرم یا لحاظ سے کوئی شکایت نہ کرے لیکن جب کمسن لڑکی جوان اور سمجھدار ہو جائے گی تو وہ اس بُری رسم کی ضرور بُرائی کرے گی جس کی وجہ سے اس کا ہمیشہ کے لیے آرام گیا اور اپنی زندگی کے ایام خون جگر پی پی کر کاٹے گی۔ ظلم دباؤ یا ظاہری باتوں سے کوئی عورت اپنے شوہر پر فریفتہ ہو کر دل سے محبت نہیں کر سکتی جب تک دو دل ایک نہ ہوں اس وقت تک اُلفت کے راگ نہیں گائے جا سکتے۔ یوں کہنے کو تو ہر عورت جس پر رات دن شوہر کے ظلم و ستم ہوتے ہیں خود کو جان شوہر سمجھتی ہے لیکن میں یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ زمین و آسمان ایک ہو جائیں مگر کوئی عورت ظالم۔ بدکار اور خودغرض شوہر کو دل سے نہیں چاہ سکتی۔ جس عورت کی شادی کمسنی میں اس کی مرضی کے خلاف کسی سن رسیدہ مرد سے دولت کے لالچ سے کر دی گئی ہے وہ اپنے شوہر پر جان نہیں دے سکتی وہ پیار کرنا تو در رہا اس کی صورت سے بھی بیزار رہے گی۔ جو عورت میرے اس دعوے کے خلاف رائے رکھتی ہے اس کے دماغ میں ضرور خلل ہے۔ میری دلی خواہش ہے کہ میری بہنیں اور معزز بھائی میری آپ بیتی کو پڑھکر بُرا نہ مانیں گے

THE ISMAT, DELHI.

Vol. XLIV No. 3 September 1930

ننھے ننھے بچے خلاف قانون نمک تیار کرنے کے لئے
سمندر سے پانی لا رہے ہیں -

ایک انگریز خاتون جو مترو
پولٹن پولیس لندن
کی افسر اعلیٰ مقرر
ہوئی ہیں -

ایک هندوستانی بچہ -

ھندو مندروں میں داخلہ کی ممانعت کے خلاف ستیہ گرہ -

ناسک (بمبئی) میں اچھوتوں کو کالارام کے مندر میں داخلہ کی ممانعت ھے - اس ممانعت کے
خلاف وھاں کی اچھوت خواتین ستیہ گرہ کر رھی ھیں - اوپر کی تصویر ستیہ گرھی
خوانین کی ھے - جو مندر میں خل ھونے کی غرض سے
تمام دن دھوپ میں جلتی رھیں -

۴۱۰۰۰ گھوڑوں کی طاقت کی کار

بلکہ انصاف کرینگے کہ مجھ پر ظلم ہوا ہے یا نہیں اس سلسلہ میں اتنا اور عرض کر دینا مناسب سمجھتی ہوں کہ میری بہنیں میرے لایق شوہر کی باتوں کو سُنکر مضحکہ نہ اُڑائیں گی بلکہ اس سے نصیحت حاصل کرینگی۔

(۲)
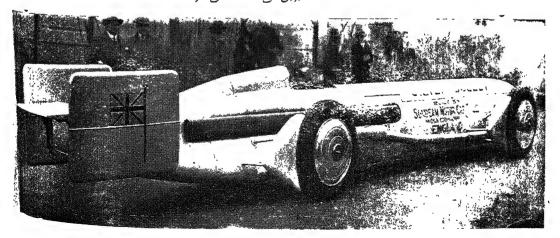
میرا گھر لکھنؤ میں اور سسرال بمبئی میں ہے۔ آجکل میں اپنی سسرال میں ہوں اور اپنی بند کوٹھری یعنی گھر کی چار دیواری میں جہاں ہوا کا بھی مشکل سے گذر ہوتا ہے بیٹھی ہوئی یہ داستان غم لکھ رہی ہوں۔ میرے والدین بقید حیات ہیں میرے والد پنشنر ڈپٹی کلکٹر ہیں میں ان کی اکلوتی لاڈلی لڑکی ہوں۔ میرے والد نے مجھے بڑی محنت سے پڑھایا تہا اسکول کی ہیڈ مسٹرس کو میرے ساتھہ اسقدر اُلفت تھی کہ اب بھی ان کے محبت آمیز خطوط آتے رہتے ہیں وہ مجھے وقتاً فوقتاً قیمتی مشورہ دیتی رہتی ہیں۔ استانی جی اکثر فخر یہ کہا کرتی تہیں کہ ممتاز بیگم (میرا نام) بہت ذہین اور سلیقہ مند ہے۔ میں اپنا سبق بہت جلد یاد کر لیا کرتی تھی چنانچہ اپنی ذہانت قابلیت اور محنت سے میں ہر امتحان میں اول نمبر میں پاس ہوئی۔ میری آواز کی بھی اُستانی جی بہت تعریف کرتی تہیں۔ جس وقت میں ہارمونیم پر گاتی تھی اسوقت اسکول کی تمام لڑکیاں اور اُستانی جی ٹکٹکی باندہ کر بڑی محبت سے مجھے دیکھتی تھیں ایک سماں بندہ جاتا تھا یہاں تک کہ بعض اوقات میں خود بھی بیخود ہو کر جھومنے لگتی تھی۔ مجھے دو بار نظر لگی اور تین مرتبہ بیمار ہوئی مگر لعنت ہے اس زندگی پر کہ مری ایک مرتبہ بھی نہیں۔ مجھے بیل بوٹوں کے کاڑھنے اور سینے پرونے میں کئی بار ا[illegible]۔ دنیا میں بہت کم کسی کی اُمید بر آتی ہے۔" جب کوئی ہنسا ساتھہ ہی آنسو نکل آتے" میں نے ابھی پند[illegible] سال ہی میں قدم رکھا تہا کہ میرا بیاہ ہو گیا۔

میرے والد کو میرے لیئے شوہر تلاش کرنے [illegible] دو مُصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ پہلی مصیبت تو یہ تھی کہ وہ بہت زیادہ جہیز نہ دے سکتے تھے لیکن یہ کوئی بڑی بات نہ تھی کیونکہ مجھے معلوم ہو گیا تہا کہ میری شکل اور قابلیت کی وجہ سے بہت سے رؤسا میری طرف متوجہ تھے ان میں سے اکثر ایسے بھی تھے جن کو اپنے ماں باپ کی دلشکنی منظور تھی لیکن وہ جہیز لینے کے لیئے تیار نہ تھے۔ الہ آباد یونیورسٹی کے ایک ایم۔ اے پاس رئیس زادہ نے میرے والد کو اس مضمون کا خط لکھا تہا:-

"اگر آپ مجھکو اپنا داماد بنا لیں تو میں اپنا گھر بار اور والدین کو بھی چھوڑ سکتا ہوں اگر آپ نے میری اس اِستدعا کو شرف قبولیت نہ بخشا تو میں ریل کے پُل سے گنگا میں کود کر اپنی جان دیدونگا اور اس کا عذاب آپ کی گردن پہ ہو گا وغیرہ وغیرہ ——"

معلوم نہیں انھوں نے اپنا عہد پُورا کیا یا نہیں کیونکہ میں نے کسی اخبار میں اپنی شادی کے بعد ان کے ڈوبنے کی خبر نہیں پڑھی۔

بہر حال جہیز کا سوال تو معمولی تھا لیکن دوسری مشکل ایسی تھی جس نے میری زندگی تباہ کر دی اور مجھے زندہ درگور کر دیا۔ میرے والد صاحب کو سرکار نے "خان بہادر" کا خطاب دیا تھا۔ ہائے بس اس خطاب "خان بہادر" نے میری حسرت و ارمان کا خون کر دیا اور مجھے کسی لائق نہ رکھا۔

والد صاحب کی خواہش تھی کہ زیادہ جہیز بھی نہ دینا پڑے اور شوہر کا خاندان بھی خطاب یافتہ۔ آخر کار والد صاحب کی منشا پوری ہوئی اور بمبئی میں والد صاحب کے حسب منشا ایک "خان بہادر" سوداگر مل گئے۔ چونکہ خان بہادر کی تیسری شادی تھی اس وجہ سے میرے کنجوس والد کو زیادہ جہیز بھی نہ دینا پڑا۔ خیر اسی "خان بہادر" کے خطاب نے جو گورنمنٹ نے اپنی مہربانی یا مذاق سے دیدیا ہوگا مجھے وطن سے جدا کر کے بمبئی پہنچا دیا۔ میں گورنمنٹ کو دعا دیتی ہوں اور اپنے کفایت شعار، خطاب کے بھوکے والد صاحب سے عرض کرنا چاہتی ہوں کہ آپ کو اور آپ کے داماد کو "خان بہادر" کے خطاب سے کیا حاصل ہوا اور آپ لوگوں نے کونسل میں بیٹھکر یا کسی اور طریقہ سے دنیا کو کیا فایدہ پہنچایا۔ اگر آپ اور آپ کی طرح خوشامدی ہستیاں خطابوں کو شکر کی طرح میٹھا سمجھتی ہیں تو میں انھیں زہر ہلاہل سمجھتی ہوں کیونکہ مجھے اس کا تجربہ ہو گیا ہے۔

مجھے یاد آتا ہے کہ جب میرا بیاہ ہو رہا تھا شادی کی رسومات ادا کی جا رہی تھیں تو اس وقت میری پیاری ماں۔ استانی جی اور میری سہیلیاں میری طرف دیکھ دیکھکر رو رہی تھیں اس وقت تو میں ان کے رونے کا مطلب نہ سمجھ سکی لیکن سسرال میں آکر جب میں نے اپنے شوہر کو دیکھا تو مجھے معلوم ہو گیا کہ ان کے رونے کی اصل وجہ کیا تھی۔ میں اپنے قابل مضمون نگاروں سے جو عورتوں کی برائیاں اور مردوں کی تعریفیں ہی کرنا جانتے ہیں معذرت خواہ ہوں اور اپنے "خان بہادر" صاحب کا کچھ حال عرض کرتی ہوں امید ہے کہ وہ اسے ٹھنڈے دل سے پڑھکر فیصلہ کرینگے کہ میرے ساتھ انصاف ہوا یا ظلم۔

(۳)

میں مصلحتاً اپنے شوہر کا نام بتانا نہیں چاہتی ناظرین خود ہی کوئی فرضی نام رکھ لیں۔ میرے "خان بہادر" صاحب کی عمر قریباً پچاس سال کی ہے۔ میرے اعضا جس قدر خوبصورت اور سڈول ہیں آپ کے اتنے ہی بھدے اور بیڈول ہیں۔ میں جتنی نازک بدن اور دبلی پتلی ہوں آپ اتنے ہی عظیم الجثہ اور ڈبل ہیں۔ میں جتنی گوری اور ہنس مکھ ہوں آپ اتنے ہی کالے اور ترش رو ہیں۔ میری آنکھیں جتنی بڑی اور رسیلی ہیں آپ کی آنکھیں اتنی ہاتھی کی طرح چھوٹی اور شوخ ہیں۔ چہرے پر چیچک کے داغوں نے آپ کے حسن کو اور بھی بڑھا دیا ہے اس پر لطف یہ ہے کہ آپ عموماً پیلا کوٹ پہنتے ہیں اور ہیٹ لگاتے ہیں۔ سیٹی بجانے کا آپ کو خاص

شوق ہے۔ ان کی مادری زبان گجراتی ہے مگر اُردو بھی کچھ جانتے ہیں شاعری سے کچھ نسبت نہیں پھر بھی آجکل کے شاعروں کی طرح آپ کو شاعری کا دعویٰ ہے۔ انگریزی بھی تھوڑی بہت پڑھی ہے اور جب شان میں آتے ہیں تو انگریزی کی بھی ٹانگ توڑنے لگتے ہیں۔ آپ کو تھیٹر اور سینما سے عشق ہے کبھی کبھی نوٹنکی بھی دیکھ لیا کرتے ہیں۔ سویرے نو بجے سو کر اُٹھتے ہیں سب سے پہلے سگار کو منہ لگاتے ہیں۔ نماز روزہ سے کوئی مطلب نہیں۔ عید بقرعید موٹر پر سوار ہو کر عید گاہ تفریح کے لئے چلے جاتے ہیں۔ سگار پی کر قریباً دس بجے حوائج ضروری سے فراغت پاتے ہیں تب ناشتہ کھاتے ہیں۔ پان کھانے کا سلیقہ نہیں مگر پان بھی کھاتے ہیں اور جہاں جی چاہتا ہے تھوک دیتے ہیں۔ شراب ارغوانی پی کر خوب تماشے کرتے ہیں۔ میں نے آپ کا نام ”دیو“ رکھا ہے۔ میرا ”دیو“ میری بڑی خاطر کرتا ہے طرح طرح کے خوشبودار تیل وعطر میرے لیے لایا کرتا ہے۔“

میرے خان بہادر“ صاحب کو تاش کا کھیل خاص طور سے پسند ہے ان کے آوارہ مزاج خوشامدی احباب ان کو ”خواجہ تاشگان“ کہتے ہیں۔ آپ نے کہیں سے تاش کے دو چار کرتب سیکھ لیے ہیں جب مزے میں آتے ہیں تو مجھ بدنصیب کو بھی اپنے کرتب دکھا کر بہت خوش ہوتے ہیں کبھی بیگم کو بادشاہ اور بادشاہ کو بیگم بناتے ہیں لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ وہ مجھے جتنا دیکھکر خوش ہوتے ہیں میں اتنا ہی انہیں دیکھکر نفرت کرتی ہوں۔ یہ کیوں؟ ــــ میرا حال غم پڑھنے والے خود ہی فیصلہ کریں۔

(۴)

ایک دن کا ذکر ہے۔ رات کے نو بجے تھے ساون کا مہینہ تھا گھنگھور گھٹائیں چھائی تھیں پانی برسنے والا تھا میری طبیعت گھبرا رہی تھی میرے کانوں میں دُور سے کوئل کی آواز آئی۔ آہ! کوئل کی کوک نے میرے تمام بدن میں آگ لگا دی میں کرسی سے اُٹھکر کمرہ میں ٹہلنے لگی میں نے اپنی حالت پر غور کیا تو میری آنکھوں میں آنسو نکل آئے جس سے کچھ کچھ دل کا بخار نکل گیا تب میں نے اپنی بدقسمتی کا راگ ہارمونیم پر چھیڑ دیا میں نیچے سُروں میں گا رہی تھی ٹھیک اسی وقت میرے خان بہادر، صاحب جھومتے ہوئے میرے کمرہ میں داخل ہوئے اور ایک کرسی کھینچکر اس پر دھم سے گر پڑے تھوڑی دیر تک تو اپنی مہیب شکل کو دونوں ہاتھوں سے چھپائے خدا جانے کیا سوچتے رہے پھر یکبارگی اُچھل پڑے گویا آپ کو کوئی بھولی ہوئی بات یاد آگئی آپ کی کرخت آواز بلند ہوئی اور فرمایا۔” واہ جی واہ! آپ تو خوب گاتی ہیں ماشاءاللہ۔ ذرا میرے حال پر بھی کرم کر دو ــــ“ میں حیرت سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔ ڈر، نفرت اور گھبراہٹ سے میں کانپنے لگی میری زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکلا اور میں نے باجہ کر دیا۔ کچھ دیر انتظار کر کے آپ پھر

گہر فشاں آئے "اجی جناب! کیا آپ کم سنتی ہیں بس ہونے دو ایک آدھ کوئی اور چیز" میں سوچنے لگی کہ اس وقت ان سے کوئی ایسی بات پوچھوں جس سے وہ مجھ سے گانا سنانے کی فرمائش نہ کریں لیکن پھر آپ نے دوبارہ وہی سوال کیا۔ اب میں کیا کر سکتی تھی۔ گانے میں کوئی حرج نہ تھا لیکن ایک مدہوش شخص کے سامنے کیا گاؤں اور کیسے گاؤں۔ آپ پھر گرجے "آخاہ! اس ناز و نخرے کی کوئی حد بھی ہے یا نہیں۔ عرض کرتا ہوں سنا دوگی تو کیا ہوگا جناب"

"گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل" بہر حال جس طرح بھی ہو سکا میں نے اپنے کو سنبھالا اور خان بہادر صاحب سے دریافت کیا "کیا گاؤں؟"

آپ نے فوراً جواب دیا "کوئی دادرا۔ قوالی۔ دھرپد۔ تلانہ۔ راگ سندھ مور بھیئرٹر"

میں آپ کے راگ اور راگنیوں کے نام سنکر سہم گئی وہ مجھے خاموش دیکھکر پھر بولے۔

"تمہارا جو جی چاہے سناؤ۔ کوئی معرفت۔ کوئی اندرسبھا۔ امانت کی غزل۔ زہر عشق کی مثنوی۔ بانکے میاں یا لال صاحب کی لاونی۔ استاد جمال کی قوالی۔ ہاں ہاں ہونے دو"

آہ میں کیا کروں میری قابل قدر استانی جی نے قومی اور ملکی نظمیں تو ضرور یاد کرائی تھیں۔ حالی کا مسدس۔ اقبال کا ترانہ اور اکبر کی نظمیں میں بڑی خوبی سے ہارمونیم پر بجا سکتی تھی لیکن میں نے بانکے میاں۔ لال صاحب استاد جمال وغیرہ کا کبھی نام تک نہ سنا تھا اور مجھے اسوقت تک یقین نہیں ہے کہ اردو میں ان ناموں کے شعرا گزرے ہیں۔ استانی جی آؤ۔ میری پیاری ماں آؤ اور اپنی لاڈلی ممتاز کو جسے آپ نے بڑے لاڈ پیار سے تعلیم دلائی تھی دیکھ جاؤ۔ افسوس میں نے تعلیم کیوں پائی۔ ہائے میں نے گانا بجانا کس کے لئے سیکھا۔ رنج و غم کے مارے میری چھاتی پھٹی جاتی ہے اور جدھر نظر اٹھاکر دیکھتی ہوں تو لوگوں کو اپنی بربادی پر ہنستے ہوئے دیکھتی ہوں گویا تمام دنیا میرے حال زار پر۔ میری بیکسی پر مسکرا رہی ہے اور صرف میں ہی اپنی قسمت کو رو رہی ہوں۔ اسی وجہ سے میں اپنے تعلیم یافتہ بھائی اور بہنوں سے دریافت کرتی ہوں کہ میرے ساتھ انصاف کیا گیا ہے یا ظلم"

میں بحر قیاس میں غوطے کھا رہی تھی اور وہ مجھے گھور رہے تھے اس وقت مجھے اپنی شدہ بدہ نہ تھی۔ یکبارگی وہ چیخ اٹھے۔ "اللہ رے ناز! آخر اس کی کوئی حد بھی ہے یا نہیں" وہ کچھ اور بکنا چاہتے تھے لیکن میں نے فوراً روک کر کہا "ٹھیریئے شور نہ مچایئے میں گاتی ہوں" میں نے آنچل سے آنسو پونچھے اور رنج و غم میں ڈوبی ہوئی دردناک حسرت بھری آواز میں گانے لگی "اے خاصۂ خاصان رسل وقت دعا ہے" معلوم ہوتا ہے وہ میرے گانے سے کچھ خوش نہ ہوئے اور فرمانے لگے۔

"واہ جی واہ! تم نے تو کمال کر دیا بڑی سریلی آواز پائی ہے مگر بھئی یہ بلی کی طرح "میوں! میوں" میری سمجھ میں نہیں آتا۔ ایسے گانے تو مولوی لوگ گاتے ہیں یہ مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا میں اب تم کو اچھے اچھے راگ اور راگنیاں یاد کرا دونگا ہاں خوب یاد آیا ایک ابھی سن لو" اتنا کہہ کر اپنی توند کو پھڑکاتے ہوئے ناچ ناچ کر گانے لگے "میری جانی شراب ارغوانی شراب! آجا تجھے ڈال لوں پیٹ میں آہا ہا اوہو اوہو میری جانی شراب ارغوانی شراب آجا تجھے ڈال لوں پیٹ میں —" باقی کل یاد کرا دونگا۔ تم نے دیکھا کیسی پھڑکتی ہوئی چیز ہے میری شاگردی میں تم بہت جلد اوستاد ہو جاؤگی" یہ کہہ کر خان بہادر صاحب اپنے کمرہ میں چلے گئے اور تھوڑی ہی دیر میں خراٹے لینے لگے۔ میں اب کمرہ میں تنہا رہ گئی میں نے ٹھنڈی سانس بھر کر دیکھا کہ میرے چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے اور میرے دل کی دُنیا میں بھی خوفناک تاریکی چھائی ہوئی ہے ؎

(ماخوذ از ہندی)

اعظم کُریوی

میرے اباجی کا خط میرے نام

از محترمہ اختر محمد احمد حیدرآباد دکن

پیاری بیٹی اختر۔ دعا۔ کل تمہارا خط آیا۔ خیریت معلوم ہوکر اطمینان ہوا۔ اب ہم لوگوں کی واپسی میں تھوڑے دن باقی ہیں۔ اعلحضرت کا قصد ۴ ر جنوری کو واپس تشریف لیجانے کا ہے۔ میں ۵ ر کو روانہ ہونگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ کلکتہ کی سیر تو ہم لوگوں نے خوب کرلی ہے اب اطراف واکناف کے مقامات دیکھ رہے ہیں۔ آج ڈم ڈم جانے کا ارادہ ہے جو یہاں سے دس بارہ میل ہے۔ وہاں انگریزی فوج رہتی ہے اور ہوائی جہاز بہت سے ہیں۔ انتظام یہ ہوا ہے کہ ہم لوگوں کو ہوائی جہاز میں بٹھاکر کئی میل کا چکر دینگے۔ کل ہم لوگ جہاز میں بیٹھکر پندرہ بیس میل تک سمندر میں گئے تھے۔ دوپہر کا کھانا ہم نے جہاز ہی میں کھایا بڑا لطف آیا۔ جہاز بہت بڑا تھا۔ ایک پورا محلہ سمجھنا چاہیئے چار پانچ سو مسافر بہ آسانی اس میں سفر کرتے ہیں۔ چین اور جاپان کے جہاز یہاں بہت آتے رہتے ہیں۔ اور معمولی اسٹیم لانچ تو ہگلی ندی میں ایک محلہ سے دوسرے محلہ کو اس طرح لیجاتے ہیں جیسے معمولی کرایہ کی گاڑیاں یا موٹریں۔ ہگلی بہت بڑی ندی ہے جو کلکتہ سے بارہ میل کے فاصلہ پر سمندر سے ملتی ہے۔ اس ندی کے دونوں طرف مسلسل دس بارہ میل تک آبادی ہے۔ ایک طرف کی آبادی کلکتہ اور دوسری طرف کی ہوڑا کہلاتی ہے۔ روزانہ ادھر کے مسافر ادھر اور ادھر کے ادھر انہی چھوٹے جہازوں میں آتے جاتے ہیں۔ ان میں بھی تین درجے ہیں۔ درجۂ اول کا کرایہ ۶ ر درجۂ دویم کا ۴ ر اور درجۂ سویم کا ۲ ر ہے۔ ان چھوٹے جہازوں میں بھی ہم لوگ کئی بار بیٹھے۔

یہاں عورتوں کا لباس ساڑی ہی ہے مگر ذرا مختلف وضع سے باندھتی ہیں۔ مرد سب دھوتی باندھتے ہیں اور ننگے سر رہتے ہیں۔ اور ہر مرد کے پاس ایک چادر ضرور رہتی ہے جو امیر ہیں وہ دوشالے رکھتے ہیں۔ یہاں کی مشہور مٹھائی راشوگلا ہے دودھ پھاڑ کر اسکے لڈو سے بناتے ہیں۔ مگر درحقیقت مزے کے ہوتے ہیں۔ یہاں تمام ہندوستان کے آدمی موجود ہیں اور زیادہ تر تجارت پیشہ ہیں۔ مسلمان یہاں کے مفلس زیادہ ہیں جو خوشحال ہیں وہ باہر کے آئے ہوئے ہیں۔ بمبئی۔ دہلی اور پنجاب کے سوداگر یہاں بہت ہیں۔ تعلیم کا چرچا یہاں بہت ہے۔ عورتیں بھی سب

عام طور پر تعلیم یافتہ ہوتی ہیں۔ اعلیحضرت کی دعوتیں یہاں خوب ہو رہی ہیں کوئی دن خالی نہیں جاتا کہ ڈنر۔ لنچ یا ایٹ ہوم نہ ہو۔ اکثر مجھے بھی شریک ہونے کا اتفاق ہوا۔ کئی روز ہوئے یہاں بڑی گھوڑ دوڑ تھی۔ تمام ہندوستان میں اس سے زیادہ بڑی ریسیز نہیں ہوتیں۔ بہت دُور دُور سے گھوڑے اس میں شریک کرنے کو لائے جاتے ہیں۔ وائیسرائے کی طرف سے ایک بہت بڑا طلائی کپ انعام دیا جاتا ہے اور دوسرے اِنعامات بھی بہت اچھے ہوتے ہیں۔ گھوڑ دوڑ اعلیحضرت وائیسرائے کے مہمان تھے شام کو چار ان ہی کے ساتھ نوش فرمائی۔ اس میں اِسقدر مجمع تھا کہ کم از کم تین چار لاکھ آدمی تھے۔ اور ان میں ہر قوم و ہر ملت کی عورتیں بھی تھیں۔ مگر بمبئی کے مقابلہ میں یہاں پردے کا رواج زیادہ ہے۔ ہندو عورتیں بھی متوسط درجہ کی پردہ کرتی ہیں کل شام کو پولو کا کھیل ہے اس میں ایٹ ہوم کی دعوت ہے۔ حیدر آباد کی پولو ٹیم کل کھیلے گی اُب تک سب سے جیت رہی ہے۔ خدا کرے سب سے جیتے اور اِنعام اسی کو ملے۔ پانچ چھ انگریزی ٹیموں سے بھی جیت چکی ہے جس کی وجہ سے سارے بنگالی بہت خوش ہیں اور بڑی تعریف کرتے ہیں۔ میں تم کو پچھلے خط میں یہاں کے عجیب و غریب بازار کا ذکر لکھنا بھول گیا جسکو یہاں نیو مارکٹ کہتے ہیں۔ یہ اس قدر خوبصورت صاف ستھرا اور اچھا بازار ہے کہ تمام ہندوستان میں اسکا جواب نہیں مل سکتا۔ بمبئی کا کرافرڈ مارکٹ بھی اس کے آگے کوئی حقیقت نہیں رکھتا ضروریات زندگی کی کوئی چیز ایسی نہیں جس کا تم خیال کرو اور اس بازار میں موجود نہ ہو۔ دوکانیں چھوٹی چھوٹی ہیں مگر باقاعدہ اور سلیقہ سے لگائی گئی ہیں۔ اور تمام بازار چھت سے پٹا ہوا ہے۔ بڑے بڑے اور مہذب لوگ اس بازار میں خود خرید و فروخت کے لیئے آتے ہیں۔ شام کو لیڈیز کا اِسقدر مجمع ہوتا ہے کہ چلنا اور راستہ ملنا دشوار ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ سب سے زیادہ دلچسپ اور اچھا مقام چورنگی ہے جس پر تمام بڑے بڑے ہوٹل اور بڑی بڑی دوکانیں بڑی بڑی شاندار عمارتیں ہیں۔ یہ مقام بھی قابل دید ہے۔ ہمارا جہ ٹگور جو اعلیحضرت کے میزبان ہیں نہایت خلیق اور متواضع ہیں۔ ان ہی کے باغ میں جو کہ کلکتہ سے نو میل کے فاصلہ پر ہے ہم سب مقیم ہیں۔ اس میں بہت بڑی عمارت ہے جس میں اعلیحضرت رونق افروز ہیں۔ اور اس کے اطراف میں متعدد ڈیرے نصب کیئے ہیں جن میں اسٹاف کے تمام عہدہ دار وغیرہ مقیم ہیں۔ ہمارے پاس بھی دو ڈیرے اور چار راؤٹیاں ہیں سرکار عالی کا ڈاک خانہ کیمپ شاہی میں اسی طرح کام کر رہا ہے جیسا کہ خاص حیدر آباد میں کرتا ہے۔ ریاست حیدر آباد کی اور ہمارے بادشاہ کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کا ڈاک خانہ بھی سرکار انگریزی میں [illegible]

خطوط۔ پارسل اور منی آرڈر، حیدر آباد سے آتے رہتے ہیں۔ کیمپ شاہی میں ہزار بارہ سو آدمی ہیں ان کے
کرتا رہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ ادنٰے و اعلیٰ ہر ایک ڈاک کے انتظا
سے بہت خوش اور مطمئن ہے۔ علاقہ انگریزی کے ڈاک کے عہدہ دار بھی بہت اخلاق اور مروت
سے پیش آتے ہیں اور ہر قسم کی مدد دینے کو ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ یہاں کے پوسٹ ماسٹر جنرل مسٹر ڈیا
بڑے اچھے آدمی ہیں۔ میرے ساتھ بہت محبت اور مہربانی کا برتاؤ کیا۔ فرپو کے مشہور ہوٹل میں مجھے ڈ
بھی دیا تھا اور کرسمس کے دن انہوں نے اور سب عہدہ داروں نے کرسمس کارڈ بھیجے تھے۔ کل ہم ایک
جہاز میں بیٹھکر بوٹینکل گارڈن گئے تھے۔ کپتان نذیر الاسلام خان بھی ساتھ تھے یہ وہی صاحب ہیں جو
کا اچار خوب کھلاتے ہیں۔ واپسی میں انہوں نے یہ تجویز کی کہ بجائے جہاز کے ایک چھوٹی کشتی میں
ندی پار کریں۔ ندی میں تلاطم زیادہ تھا اس وجہ سے میں نے اس رائے سے اختلاف کیا مگر یہ نہ مانے اور
ایک کشتی کرایہ کرلی۔ مجبوراً میں بھی ان کے ساتھ روانہ ہوا۔ جب بیچ ندی میں پہنچے اور پانی کے تھپیڑوں
نے کشتی کو زور زور سے ہلانا شروع کیا تو یہ حضرت ساری کپتانی بھول گئے۔ پریشان ہوکر کلمہ اور
قرآن شریف کی وہ تمام آیتیں جو یاد تھیں پڑھنے لگے اور بار بار کہتے بڑوں کا کہنا نہ ماننا بڑی غلطی ہے
میں اس پر ہنستا رہا اور ان کو تسلی تشفی دیتا رہا۔ آخر خدا کے فضل سے بخیر و خوبی کنارے پہنچے۔ رات کو
نذیر الاسلام خاں نے سلامت واپس آنے کی خوشی میں دعوت کی تھی.......

زمانہ باتو نسازد تو بازمانہ بساز

یہ مصرع جیسا مقبول عام ہوکر ہر ایک کی زبان پر رواں ہوا ہے کاش اس پر عمل بھی اسی زور شور سے کیا جاتا۔ لیکن آجکل یہ صرف فیشن کے متعلق استعمال کیا جاتا ہے کہ جو کچھ رسم و رواج بدلتے جائیں تم بھی انھیں کا ساتھ دیتے جاؤ۔ یہ ضرور ہے کہ بعض اوقات ایسا کئے بغیر بھی کام نہیں چلتا۔ لیکن در اصل یہ ضرب المثل زمانے کی مالی گردش سے تعلق رکھتی ہے زمانہ کسی کا ساتھ نہیں دیتا یعنی کسی کا اقبال ہمیشہ نہیں رہتا۔ مال و دولت چلتی پھرتی چھاؤں ہے ہم کو زمانے کا ساتھ دینا چاہئے۔ وہ کس طرح ؟ اس طرح کہ جب اس کی گردش ہمیں آزمائش میں مبتلا کردے تو ہم اپنی چال اسی کے مطابق رکھیں۔ یہ نہ ہو کہ رہیں جھونپڑوں میں اور خواب دیکھیں محلوں کے اگر کبھی زرکار دوشالوں کو ہنسی خوشی استعمال کرتے تھے تو آج موٹے سے موٹا کپڑا پہنتے ہوئے تیوری پر بل نہ لائیں۔ اگر ایک زمانے میں خدا نے اپنے چند بندے ہماری خدمت پر مقرر کردیے تھے اور ہمیں آرام طلبی سے زندگی گزارنے کی عادت پڑی ہوئی تھی اور آج ہمیں خود کسی کی خدمت کرنی پڑ گئی ہے تو وہ بھی ہم اسی کشادہ پیشانی سے بجا لائیں۔ جیسے عیش و عشرت کے زمانے میں کوئی بات ہماری دلچسپی سے خرچ نہیں ڈالتی تھی اور درد مندوں کے درد کا ہمیں احساس نہیں ہوتا تھا ویسے ہی اب ہمیں کسی کے عیش و مسرت کو دیکھ کر حسد بھی نہیں چاہیے۔ جس وقت ہم اس عالم میں تھے کوئی ہمارا ساجھا بٹانے والا نہیں تھا پھر اب جب دوسروں کا وقت ہے ہم کیوں ایسا کریں۔ ہمت کی بات تو یہ ہے کہ ؎

بے حوصلگی ہے گلۂ تلخی دوراں
جو دینا اسے پی جائے گو زہر ملا ہو
تنگی سے نہ دل تنگ ہو جا شکر خدا کر
اے خوش وہ دل تنگ کہ راضی برضا ہو

ہاں وہ چیزیں جو آدمیت کا زیور ہیں جو دنیا کا سرمایہ اور عاقبت کا توشہ ہیں۔ سچائی۔ ایمان۔ حق شناسی۔ خود داری۔ ہمدردی۔ ہمت استقلال اگر یہ جوہر کسی کے پاس ہیں تو پھر اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔ اگر آج اس سے زمانہ برگشتہ ہے کل تو پھر سکتا ہے دیکھا استقلال کیسا اسکا انتظار کرو اگر دیر لگے گھبراؤ مت۔ خبردار قدم ڈگمگانے نہ پائے زمانہ ہزار چکر کھائے کیسی ہی گردش کے دن سامنے آئے ہمت نہ ہارو جو لوگ اپنی جگہ پر سختی سے قایم رہتے ہیں زمانہ انکے پیچھے خود بدلتا ہے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

حال اپنا نہ تم بدلو ماحول بدل جائے
مرکز ہیں سدا قائم گردش میں زمانہ کا ہے

بیشک تمکو بھی مرکز بننا چاہیئے لیکن ہاں یہ اطمینان کرلو کہ تم میں مرکز بننے کے لایق صفات موجود ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں ہیں تو کوشش کرو کہ پیدا ہوں اور جب پیدا ہوں مضبوطی سے قایم رکھو۔ خدا تمہاری مدد کرنیوالا ہے اپنے آپکو اسکی مرضی کے لایق بناؤ اور اسکی قدرت پر بھروسہ رکھو۔

خالہ جان کی خدمت میں

چند ماہ کا عرصہ ہوا کہ میرے خالہ زاد بھائی مسٹر محمد احمد حسین صدیقی نے اپنے ایک عزیز دوست مسٹر ابو النصر فتح اللہ سرآدش بی۔ اے، ایچ، سی، ایس کا، جو عین عالم شباب میں نشانۂ قضا ہوتے ہیں، کچھ کلام میرے مطالعہ کے لیے روانہ کیا تھا۔ ذیل کی نظم، گذشتہ سال اس موقع پر لکھی گئی تھی جبکہ مرحوم کی خالہ جان محترمہ خجستہ سلطانہ بیگم صاحبہ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے جارہی تھیں۔

دیکھو رحمت کی وہ گھٹا چھائی — رنگ لایا سپہر مینائی
لیجئے آپ کو مبارک ہو — آپنے آرزو دلی پائی
جس کے دیدار کی تمنا تھی — اس کے کوچہ کی راہ ہاتھ آئی
جائیے جائیے سدھاریئے آپ — ہو مبارک یہ گام فرسائی
ہو مبارک سیاحتِ دریا — ہو مبارک فضائے صحرائی
آپ جاتی ہیں اُس مقام پر آج — خاک جس کی ہے کحلِ بینائی
نام ہے اُس دیارِ عالی کا — مایۂ نازو عز گویائی
آپ سے التجا ہماری ہے — اَے دیارِ عرب کی شیدائی!
جبکہ درگاہِ خاص میں جاکر — آپ ہوں محوِ جبہ فرسائی
کیجئے اُس گھڑی خدا کے لیئے — ہم غریبوں کی یاد فرمائی
گرچہ ہے شاق آپ کی فرقت — گرچہ دشوار ہے شکیبائی
تھام کر دل مگر یہ کہتے ہیں — یک زباں ہو کے ہم بہن بھائی

"بہ سفر رفتنت مبارکباد
بہ سلامت روی و باز آئی"

مرسلہ امجد رشید حیدرآباد دکن

مُکتی

سر ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹگور کی ایک دلچسپ عبرتناک کہانی کا آسان ترجمہ

گورِی ایک شریف دولتمند خاندان کی حسین اور نیک لڑکی تھی۔ اُس کی شادی کمسنی میں ہو گئی تھی، اُسکا شوہر پریش ایک غریب شخص تھا، لیکن کچھ عرصہ میں ذاتی جدوجہد سے اپنے حالات بہتر بنا لیے اور خوشحال ہوگیا۔ پریش کے افلاس اور پریشانی کے زمانہ میں گوری کے والدین نے اُسکو اپنے پاس رکھا کیونکہ ایک تو وہ نازونعم میں پلی ہوئی افلاس کی مصیبت برداشت نہ کرسکتی تھی اس کے علاوہ کمسن بھی تھی۔ آخر پریش کی خوشحالی کا زمانہ آیا تو گوری بھی جوان ہوگئی تھی اور وہ اپنے شوہر کے یہاں چلی گئی۔

ایک زمانہ تک الگ تھلگ رہنے کے سبب سے پریش گوری سے کچھ بے تعلق اور مشتبہ سا رہتا تھا۔ وہ ایک چھوٹے سے شہر میں وکیل عدالت تھا۔ اور کوئی قریبی رشتہ دار اُس کے پاس نہ تھا جس سے کچھ جی بہل سکتا۔ تمام خیالات کا مرکز صرف 'بیوی' ہی تھی۔ اس سبب سے وہ 'بیوی' کی طرف سے کچھ بدگمان بھی رہنے لگا۔ وہ اکثر کچہری برخاست ہونے سے پہلے ہی مکان آجاتا۔ شروع شروع میں گوری کو اچنبھا سا ہوا اور اس کے دل میں یہ بات کھٹکنے لگی کہ وہ یکایک کیوں جلدی سے کچہری سے واپس آگیا۔ مگر اب یہ معمول ہی ہوگیا۔

بعض اوقات پریش نے اپنے نوکروں کو بغیر کسی خطا اور سبب سے موقوف کردیا۔ یہاں تک کہ کوئی نوکر بھی زیادہ عرصہ تک اُس کے پاس نہ رہتا۔ تھوڑے ہی دنوں میں جواب ملجاتا اور رخصت کردیا جاتا۔ خصوصاً جب گوری کسی نوکر کی سفارش کرتی اور اُس کی خدمات کی تعریف کرکے اُسکو رکھنا چاہتی تو وہ جلد سے جلد رخصت کردیا جاتا۔ نیک طینت شریف، گوری، کو یہ بات بہت ہی ناگوار گذری۔

لیکن اُس کی ناگواری سے اُس کے شوہر کے اس برتاؤ میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی بلکہ اور زیادہ عجیب ہوتا گیا۔

آخر پریش کی اس شکی طبیعت نے یہیں تک بس نہ کی۔ بڑھتے بڑھتے گوری کی خادمہ سے خفیہ طور پر سوالات شروع کیے۔ کہ اس طرح گوری کے بھید معلوم ہوتے رہیں۔ اور یہ تمام خبریں گوری کے کانوں تک برابر

پہنچتی رہیں۔ گو وہ بہت نیک اور وفادار عورت تھی۔ لیکن اُس نے ان مشتبہ خیالات سے اپنی توہین ہوتی ہوئی دیکھی۔ اُس کی خودداری مجروح ہوگئی۔ وہ غم و غصہ سے زخمی شیرنی کی طرح بپھر گئی۔ اس ناروا شک نے ان دونوں کے نازک رشتہ کو کاٹنا شروع کیا۔

پریش نے جب دیکھا کہ گوری اُس کے حرکات سکنات سے سب کچھ سمجھنے لگی ہے تو اب اُسکو منہ در منہ تہمت لگانے میں بھی کوئی عار نہ ہوئی۔ اور اس برتاؤ سے جس قدر گوری کے دِل میں خاموش نفرت بڑھتی گئی اُسیقدر پریش کے دل میں بدگمانی و حسد کی آگ بھڑکتی رہی۔

گوری شادی کی تمام مسرتوں سے محروم تھی۔ وہ شادی سے کوئی پھل نہ پا سکی۔ اُس کی گود خالی تھی آخر محروم و مایوس ہوکر اُس نے پوجا پاٹ میں دِل لگانا شروع کیا۔

اُس نے "سوامی پرمانند" کو (جو ایک جوان مہاتما اور گرو تھے اور وہاں سے دور کسی مندر میں رہتے تھے) بلایا اور اُنکو اپنا گرو بنا لیا۔ اور اُن سے گیتا، کی تعلیم حاصل کرنے لگی۔ اُس کے تمام جذبات محبت و اخلاص جو ایک عورت کی طرح اُس کے شریف دِل میں تھے اور برباد ہو چکے تھے۔ اب اپنے گرو کے قدموں میں نثار ہونے کو زندہ ہوگئے۔

'پرمانند جی' کے چال چلن کے متعلق کسی متنفس کو ذرا بھی شک نہ تھا۔ تمام لوگ اُنہیں پاکباز مہاتما سمجھتے اور اُنکو گرو جان کر پوجتے۔

اس لئے چونکہ پریش کو اُنکی ذات سے بدگمانی ظاہر کرنے اور اُن پر کسی قسم کا شک کرنے کا کوئی موقعہ نہ ملا اُسکا دل رشک و حسد سے کباب ہونے لگا۔ آخر ایک دن اُس سے ضبط نہ ہوسکا اور زہر اُگل دیا۔ اُس نے گوری کے سامنے پرمانند کو ایک دغاباز بہروپیا بنا کر پیش کیا اور کہا "کیا تم قسم سے کہہ سکتی ہو کہ تم اس موذی کی محبت کے چنگل میں نہیں پھنسی ہو جو سادھو کے بھیس میں ہے؟"

اس پر "گوری" اکدم اُچھل پڑی جیسے سانپ پاؤں سے کچل جاتا ہے۔ وہ اِس شک سے دیوانی سی ہوگئی اور جل کر بولی "اگر یہ سچ ہے تو پھر کیا ہوا"

پریش کو اب کوئی جواب بن نہ پڑا وہ چپ چاپ سیدھا، کچہری چلا گیا اور جاتے جاتے باہر سے دروازہ کو مقفل کر گیا۔

'گوری' غم و غصہ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جل رہی تھی۔ اسی جوش میں کسی طرح اُس نے بند دروازہ کھول لیا اور باہر نکل گئی۔

دوپہر کی خاموشی تھی اور تنہا کمرہ۔ پرمانند جی چُپ چاپ بیٹھے گرنتھ پڑھنے میں مدہوش تھے کہ یکایک

گوری اندر پہونچ گئی جیسے صاف وشفاف آسمان پر بجلی کوند جائے۔

گروجی نے اچنبھے سے کہا "تم یہاں کیسے ——!"

گوری نے دھیمی آواز سے کہا "مہاتما کرو گروجی یہ میری لاج رکھ لو۔ میں اپنے گھر کی ذلیل زندگی نہیں سہہ سکتی۔ کِرپا کرو مہاتما مجھے اپنے چرنوں میں پڑے رہنے دو"

مگر پرمانند نے گوری کو بڑے اصرار سے اُس کے گھر واپس بھیجدیا۔

لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ اُن کے پڑھنے کا سلسلہ جو گوری کے آجانے سے ٹوٹ گیا تھا۔ کبھی جڑ سکا یا نہیں!"

پریش نے کچہری سے واپس آکر جب دروازہ کھلا پایا تو سوال کیا "کون آیا تھا یہاں" گوری نے جواب دیا "آیا تو کوئی نہیں۔ میں اپنے گورو کے یہاں گئی تھی"

پریش نے لال پیلے ہوکر کہا "کیوں ——؟"

اُس نے جواب دیا "میرا جی چاہا، یوں"

اس دن سے پریش نے نہایت سختی سے اُس پر پہرہ مقرر کردیا اور اس جھگڑہ نے یہانتک طول کھینچا کہ سارے شہر میں بُری طرح مشہور ہوگیا۔ اس جھگڑہ کی شرمناک خبریں روزانہ پرمانند کے پاس پہنچتیں اور اُنکی پوجا پاٹ میں ان ناگوار حالات سے خلل آتا۔ اس لیئے اُنھوں نے ارادہ کیا کہ فوراً اُنہیں یہ مقام چھوڑ دینا چاہیئے۔ لیکن ساتھ ہی یہ خیال بھی آیا کہ اس مظلوم اور بے زبان عورت کے لیئے بھی کچھ کیا جائے۔

جس فکر و پریشانی میں سادھوجی نے یہ دن رات گذارے ہر کس وناکس کو مشکل سے اندازہ ہو سکتا ہے۔

آخر ایک دن مصیبت زدہ "گوری" کو ایک خط ملا۔ جس میں لکھا تھا۔

"میری بچی! اس میں شک نہیں کہ بہت سی استریوں نے پوتر استریوں نے 'ایشور بھگتی' کے کارن دنیا کو تیاگ دیا ہے۔ ممکن ہے کہ اس دنیا کے جکڑ بند تمہارے خیالات کو "ایشور بھگتی" سے ہٹائیں۔ میں ایشور کی کرپا سے اُس کی "پیاری مخلوق" کو کرودھ سے چھڑاکر اُس کی پوجا کے پوتر مندر میں حاضر کرونگا۔ تمہاری مرضی ہو تو اپنے باغ کے قریب تال کے کنارے کل دوبجے دوپہر کو مجھ سے مل لو"

گوری نے خط پڑھکر اپنے بالوں کے جوڑے میں چھپالیا۔ دوسرے دن دوپہر کو جب اپنا جوڑا کھول رہی تھی دیکھا تو خط غائب تھا۔ اُس نے سوچا کہ ممکن ہے بستر پہ گر پڑا ہو اور وہاں سے اُس کے شوہر نے اُٹھالیا ہو۔ اس سے وہ گھبرا سی گئی۔ پہلے تو اُس کے دل میں ایک خیال پیدا ہوا جس میں کچھ خوشی اور غم ملے جلے تھے کیونکہ اُس نے سوچا "پریش خط پڑھکر غضبناک ہوا ہوگا۔ مگر پھر فوراً اس خیال نے اُسے

پریشان کر دیا ایک ایسا متبرک خط جو صرف اُس کے سر پر ہی رکھا جانا چاہیئے تھا ناپاک ہاتھوں میں آنے سے ناپاک ہوا ہو گا۔

گھبرائی ہوئی نہایت تیزی سے وہ اپنے شوہر کے کمرہ میں گئی ——— وہ دانت چڑھائے ہوئے فرش پر پڑا تھا آنکھیں پھری ہوئی تھیں اور مُنہ سے جھاگ جاری!

گوری نے بھینچی ہوئی مٹھی سے خط نکال لیا اور فوراً ڈاکٹر کو بلایا۔

ڈاکٹر نے دیکھکر تشخیص کیا کہ اسے سکتہ کی بیماری ہوئی" اور مریض اُس کے آنے سے قبل مر چکا"

جس روز یہ حادثہ ہوا ہے پریش، کسی ضرورت سے باہر جانے والا تھا اور پرمانند جی نے اُسے اطلاع پاکر گوری سے ملنے کے لیئے وقت مقرر کیا تھا۔

کون کہہ سکتا ہے کہ وہ کس گہرائی میں تھا!

تھوڑی دیر میں" بیوہ گوری" نے کھڑکی سے جھانک کر گورو کو دیکھا کہ تال کے کنارے چور کی طرح چھپے کھڑے ہیں۔ اُس کی آنکھیں جھپک گئیں جیسے بجلی کے یکایک کوند جانے سے! اور اس کو ذہن میں اُسے صاف نظر آ گیا کہ" وہ کس سطح پر تھا"

گورو نے پکارا "گوری"

گوری نے کہا "میں آ رہی ہوں"

جب پریش کے دوستوں کو اُس کی موت کی خبر ہوئی اور اُس کے کریاکرم کے لیئے جمع ہوئے انہوں نے شوہر کے برابر گوری کی لاش پڑی پائی اُس نے زہر کھا لیا تھا۔

اُس نے شوہر کے ساتھ ستی، ہو کر استری پن کی اعلیٰ وفاداری کا وہ نمونہ پیش کیا جس پر سب کچھ قربان کیا جا سکتا ہے اور جس کی مثال اس ذلیل زمانہ میں نایاب ہے!

عشرت رحمانی

(از بنگالی)

قتلق نگار بیگم

یہ بیگم قوم کی مغل تھی۔ اس کے بھائی کا نام محمود مرزا اور باپ کا نام کامل مرزا تھا۔ اس کی شادی ۱۴۷۵ء میں عمر شیخ مرزا کے ساتھ ہوئی۔ اسوقت اسکی عمر ۱۵ برس کی تھی۔ یہ بڑی بہادر اور دلیر تھی۔ اسے میدانِ جنگ میں گھوڑے دوڑانے سے خاص دلچسپی تھی۔

عمر شیخ مرزا ہمیشہ قتلق نگار کے کہنے پر عمل کرتا تھا۔ عمر شیخ مرزا کو باپ ہی کے وقت میں کابل کی حکومت مل گئی تھی۔ لیکن جب اسکے باپ کا انتقال ہوا اس نے اپنی حکومت کابل سے فرغانہ بدل لی۔ یہ بھی اسی بیگم کی صلاح سے ہوا تھا۔

قتلق نگار کو مصوری کا بہت شوق تھا کئی ماہر فن چینی مصور اس کے ہاں نوکر تھے جن کی ماہانہ تنخواہیں مقرر تھیں۔ اس کے تمام محل میں گذشتہ بادشاہوں جان باز شجاعوں کی صدہا تصویریں آویزاں رہتی تھیں۔ جس چینی مصور سے اس نے فن مصوری سیکھا تھا اسکا نام نیچاؤ تھا۔ ذہین اسقدر تھی کہ بہت تھوڑے عرصہ میں مصوری میں کمال حاصل کر لیا۔

اگر عورتوں کو باقاعدہ تعلیم دی جائے تو ان میں ایسی ذہانت اور تیز طبعی ہوتی ہے کہ اس قسم کے علوم یہ مردوں سے جلدی سیکھ سکتی ہیں۔

قتلق نگار کمروں اور صندوقوں پر طرح طرح کی پُرشوکت تصویریں بناتی تھی۔ جب اس کے دیوروں نے فرغانہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا تو قتلق نگار نے ایک بڑے کاغذ پر جو طول میں دس بارہ گز تھا اپنی فوج کا نقشہ بنا کر بھیجا سپاہیوں کی صورت نہایت خوفناک بنائی تھی جسے دیکھکر خوف ہوتا تھا۔ اس کے نیچے یہ عبارت لکھی تھی "جو شخص جنگ کا ارادہ کرے وہ ان خونخوار اور دلاور سپاہیوں کی صورت دیکھ لے"!

ایک دن چند خواصوں کے ساتھ فرغانہ کے خوفناک جنگلوں میں شکار کھیلنے جارہی تھی۔ پہاڑی ہرنوں کے تعاقب میں شام ہوگئی آفتاب سامنے کی پہاڑیوں میں غروب ہوگیا جنگل دُور دُور تک سنسان نظر آتا تھا۔ اندھیری رات تھی۔ جب قتلق نگار نے دیکھا کہ گھر بہت دُور رہ گیا رات کے وقت شکار ہاتھ نہیں آئے گا بہتر ہے کہ میں گھر واپس پھروں۔ یہ خیال آیا تھا کہ لے قدموں کی آہٹ نے چونکا دیا یہ اپنی خواصوں کو سمیٹ کر ٹھٹکی اور ان قدموں کی آہٹ کا جو لحہ بہ لحہ نزدیک ہوتی جاتی تھی انتظار کرنے لگی۔ دیکھا کہ چند سوار آرہے ہیں جس جگہ یہ کھڑی ہوئی تھی اسکا راستہ ایک تنگ و تاریک راہ میں جاتا تھا یہی راستہ اس کے گھر جانے کا تھا اور اسی راستہ سے سوار آرہے تھے۔ جب وہ قریب آئے تو انہوں نے آواز دی "کون ہے" قتلق نگار نے جواب دیا "ہمارے شکاری ہیں" سرداروں نے کہا ہم قزاق ہیں ہمارے ساتھی یہاں قریب ہی رہتے ہیں اور وہ سب تعداد میں چالیس ہیں اگر تم اپنی جان بچانا چاہتی ہو تو گھوڑے اور سب سامان ہمارے حوالے کر دو ورنہ ہم تمھیں قید کر کے بہن کوؤں میں ڈالدینگے۔ خواصوں کے ہوش اُڑ گئے مگر قتلق نگار معلوم بھی نہیں ہوا کہ یہ کہتا ہے۔ قتلق نگار نے جواب دیا "اگر تمھیں اپنی جان بچانا ہے تو یہاں سے دور ہو جاؤ ورنہ تم میں سے ایک خون و خاک میں لتھڑے گا۔

اس کے اس کرتے کرتے ہوئے جواب نے قزاقوں میں ایک تھرتھری ڈالدی انہوں نے چاہا کہ بڑھکر تلق نگار پر حملہ کریں۔ کہ اسنے اپنے پہلو سے پنیچہ نکالکر اس بڑھتے ہوئے قزاق کو مارا گولی سینہ میں کاری لگی ایک کو گراتی اور دوسرے کا شانہ توڑتی ہوئی نکل گئی۔ قزاق سراسیمہ ہوکر بھاگے۔ اس نے اسی تنگ و تاریک راستہ میں ایک میل تک انکا تعاقب کیا مگر وہ ہاتھ نہ آسکے۔ اس واقعہ سے یہ مطلب ہے کہ سخت سے سخت مصیبت کے وقت بھی وہ کبھی نہ گھبراتی۔

جب احمد مرزا اس کے نندوئی اور محمود مرزا اس کے حقیقی بھائی نے فرغانہ پر حملہ کیا تو نصف فوج کی یہ کمان کر رہی تھی پہلے اس نے اپنے سواروں کے پروں کو آہستہ آہستہ محمود مرزا کی طرف بڑھایا جب نزدیک پہنچی تو بآواز بلند یہ الفاظ کہے "محمود مرزا تجھے شرم نہیں آتی کہ اپنی بہن کے ملک پر حملہ آور ہوا ہے۔ میں یہ جانتی ہوں کہ احمد مرزا والیٔ سمرقند نے تجھے لالچ دیا ہے مگر یاد رکھ کہ تو میرے مقابلہ میں کبھی فتح حاصل نہیں کرسکتا۔" محمود مرزا نے کچھ جواب نہیں دیا اور اپنی فوج کو حکم دیا کہ تلق نگار کے رسالہ پر حملہ کرے۔ دونوں کی جنگ ہونے لگی آخر محمود مرزا کو شکست ہوئی۔ تلق نگار خود لڑ رہی تھی۔ وہ اپنی طبیعت سے ایسی مجبور تھی کہ جب کبھی جنگ ہوتی تو وہ یہ نہ دیکھ سکتی کہ سپاہی تو لڑیں اور آپ دیکھے بابر پیدا ہو چکا تھا جو تین چار سال کی عمر سے اپنے باپ کے ساتھ جنگ میں رہتا تھا۔

تلق نگار جس قدر حسین تھی اسی قدر قوی اور زبردست بھی تھی۔ اس کے لمبے لمبے بال ایڑیوں تک آتے تھے اور جب زرہ بکتر پہنتی تو بالکل چھپ جاتے تھے۔ زیور کبھی نہیں پہنا جواہرات سے نفرت تھی کپڑے عموماً چمڑے کے پہنتی تھی۔ صدہا قسم کی پوستین جن پر گذشتہ بہادروں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں تمام محل میں لٹکتی رہتی تھیں۔ اس کی بنائی ہوئی تصویریں بڑی قیمت پر سمرقند، بخارا، ہرات، میں فروخت ہوتی تھیں۔

صرف تلق نگار ہی کا حوصلہ تھا کہ کئی زبردست بادشاہوں کے حملہ پر بھی ایک چپہ زمین کا نہیں جانے دیا۔ اس ہوشیاری اور تیز فہمی سے امورات سلطنت میں اپنے خاوند کی مدد کرتی کہ سب باتیں راست آتی تھیں۔

جس گھوڑے پر سواری کرتی تھی اس کا نام رستم رکھا تھا اسے خون پلاتی اور گوشت کھلاتی تھی۔ یہ گھوڑا کسی کو سواری نہیں کرنے دیتا تھا جب تک تلق نگار کھڑی نہ رہتی۔ ناممکن تھا کہ کوئی خواص اس پر کھریرہ پھیر سکتی۔ جہاں یہ رہتی وہیں ایک کمرہ میں گھوڑا بندھا رہتا تھا۔ جو کچھ کھلاتی اپنے ہاتھ سے کھلاتی تھی۔

یہ گھوڑا پہلے خود دوڑ کر دشمن پر حملہ کرتا تھا اور "آناً فاناً" میں ہڈیاں چبا ڈالتا تھا اس کی آنکھیں خون کی طرح سُرخ رہتی تھیں۔ تمام فرغانہ میں اس کی بہت دھوم تھی۔ لوگ اس کے نام سے کانپتے تھے۔

تلق نگار کا جب انتقال ہوا تو بہت عرصہ تک اس گھوڑے نے بابر کا ساتھ دیا۔

بابر نے اپنی ماں کا مقبرہ فرغانہ میں بنوایا اور جب تک فرغانہ میں رہا آٹھویں دن ضرور مقبرہ پر فاتحہ پڑھنے جاتا تھا۔ (ماخوذ)

شرافت بیگم

دِلچسپ بھُول

رمضان المبارک کی مصروفیتوں کے باعث ہم اپنے عید کے کپڑوں میں جیمپر نہ سی سکے اس لئے درزی کو دینے کے لیئے بھائی صاحب سے کہا۔ شب میں بھائی صاحب نے ہمارا ناپ کاغذ کے چھوٹے سے پرُزے پر لکھکر رکھ لیا۔ صبح دفتر جاتے وقت ناپ کا پرُزہ درزی کو دیتے ہوئے تاکید کی کہ ٹھیک اسی ناپ پر جیمپر تیار کرو۔ تیسرے دن جب درزی سے دریافت کیا تو اس نے کہا۔ "صاحب آپ تو مجھے سادہ کاغذ دے گئے تھے یہ دیکھئے دیسا ہی رکھا ہے۔ جیمپر کا ناپ تو اس پر لکھا ہوا نہیں ہے۔
بھائی صاحب نے کہا "تم نے کیوں جب ہی نہ دیکھ لیا۔ در اصل ناپ کا پرزہ اپنی میز کے جاذب میں چھوڑ گئے تھے بھول کر دوسرا سادہ کاغذ دے آئے تھے۔
میں نے کہا اسی کو دِلچسپ بھول کہتے ہیں۔

ناشتہ کے لیئے ہم سموسہ تیار کر رہی تھیں۔ دِلچسپ باتوں کا سلسلہ ٹوٹتا ہی نہ تھا۔ اسی درمیان میں میں نے اپنی بہن سے پوچھا کہ اچھا جلد بتاؤ "آیندہ ماہ کی پہلی کونسی تاریخ کو آئے گی" اصل میں روز کے بجائے میں نے تاریخ کہدیا تھا جس پر سب نے زبردست قہقہہ لگایا۔ میں نے بھی خفت مٹانے کے لیئے اُنکا ساتھ دیا۔
اسی کو دلچسپ بھول کا قہقہہ کہہ سکتے ہیں۔

ایک بیگم صاحبہ بہ عجلت اپنی دوست کے ہاں جارہی تھیں۔ ساتھ تحفہ میوے جات ترکاری بھی جا رہی تھیں آپنے جلدی سے ملازمہ سے کہا پہلے "موٹر لیجاکر ٹماٹر میں رکھ دے" گویا آپ نے اپنے خیال میں ٹماٹر موٹر میں رکھنے کے لیئے فرمایا تھا۔ بیچاری مُلازمہ دریا کو کوزہ میں کہاں بند کر سکتی تھی اس لیے تعمیل سے معذور تھی۔ اس کو بھی دِلچسپ مضحکانہ بھول کہہ سکتے ہیں۔

ایک صاحب غسل کرنے جا رہے تھے۔ تخیلات کی دنیا میں اتنے مستغرق کہ سب کچھ بھول گئے۔ بجائے غسل خانہ کے دوسری جگہ جس میں کموڈ رکھے ہوئے تھے جا پہنچے اور غسل خانہ میں ملازم کو آواز دی کہ میرا منجن کہاں

ہے۔ بیچارہ ملازم آ تو گیا مگر اندر قدم کس طرح رکھ سکتا وہیں سے کہا حضور غسل خانہ میں تختہ پر ہے۔ آپ نے جوں ہی نیچے نظر کی تو ہوش آیا سنجیدگی سے ملازم سے کہنے لگے "وہی پوچھنے کو تو تمہیں بلایا ہے کہ منجن غسل خانہ کے بجائے کہیں اِدھر اُدھر نہ رکھدیا ہو"۔

یہ بھی ایک فلسفیانہ بھول ہے اس کو دلچسپ کہہ سکتے ہیں۔

سرما کا موسم گھنگور گھٹا چھا رہی تھی ننھی ننھی ہلکی ہلکی بوندیں مثل نازک پھول کے گر رہی تھیں۔ دوپہر کے کھانے کے بعد ایک بہن کو آرام کی سوجی پڑکر سوگئیں قریب چار بجے شام کے بیدار ہوئیں تو سمجھیں کہ شب بھر آرام کرکے علی الصبح ہشیار ہوئیں یہ خیال یہاں تک پختہ ہوا کہ منجن سے دانت صاف کرنے لگیں اُن کی اس حرکت پر سب نے ہنسنا اور بنانا شروع کیا تو آپ بھی کھسیانی ہنسی ہنس کر کہنے لگیں ہاں میں تم لوگوں کو دھوکا دے رہی تھی۔ اس کو بھی دلچسپ بھول کہا جاسکتا ہے۔

ایک بہن نے لفافہ کے اوپر تاکید لکھی تھی کہ خط کو دیکھتے ہی اس کا جواب لکھدو ٹکٹ بھی اس میں رکھا ہوا ہے۔ جب لفافہ کھول کر دیکھیں تو بجائے خط کے ایک چھوٹا سا زرد کپڑا تہ کرکے رکھدیا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ آپ نے خط بھیجنے کی جلدی میں خط کے خیال میں وہیں پڑا ہوا کوئی کپڑا رکھ کر لفافہ بند کرکے مذکورہ بالا تحریر بھی لکھ دی۔

اب بتایئے ہم اس کو پُر مذاق بھول نہ کہیں تو کیا کہیں +

مہرالنساء والٹر

وفادار شوہر

انگلستان کے مشہور ڈراماٹسٹ اسکر وائلڈ کا معرکتہ الآرا اخلاقی ڈراما

چوتھا ایکٹ

منظر۔ سر رابرٹ کا مکان۔ لارڈ گورنگ جیب میں ہاتھ رکھے ہوئے کھڑا ہے اور کچھ مضطرب سا نظر آتا ہے۔

لارڈ گورنگ۔ (گھڑی نکال کر وقت دیکھتا ہے اور نوکر کو بلانے کے لئے گھنٹی بجاتا ہے) یہ بھی اچھی کوفت رہی جب کہ ہم دلچسپ معلومات لئے ہوئے گھر کے لوگوں کو مطلع کرنے آئے ہیں تو کوئی بھی بات چیت کرنے کو موجود نہیں (جمیس آتا ہے)

جمیس۔ حضور سر رابرٹ ابھی دفتر ہی میں ہیں۔ لیڈی صاحبہ ابھی آرام کر رہی ہیں مگر مس چلٹرن ابھی ابھی سواری کر کے واپس آئی ہیں۔

لارڈ۔ (دل ہی میں) خیر مس چلٹرن تو موجود ہے۔

جمیس۔ نواب کیورشام بھی کتب خانہ میں بیٹھے ہوئے سر رابرٹ کا انتظار کر رہے ہیں۔ میں نے انھیں آپ کی موجودگی کی بھی اطلاع دی۔

لارڈ۔ خوب! اب جا کر اُنسے یہ کہدو کہ میں اُٹھ کر چلا گیا۔

جمیس۔ جی اچھا حضور (جاتا ہے)

لارڈ۔ میں اپنے والد سے ابھی نہیں ملنا چاہتا۔ خدا نہ کرے کہ وہ یہاں پہنچ ہی جائیں۔ ماں کی بات باپ نہیں آسکتی اور میرے والد تو بہت سخت آدمی ہیں (اخبار اُٹھا کر پڑھنے لگتا ہے)

(نواب کیورشام اندر آتے ہیں)

نواب۔ ادھر جناب آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔

لارڈ۔ (اخبار پھینک کر کھڑا ہو جاتا ہے) جی کچھ نہیں۔ میں صرف ملاقات کے لئے آیا ہوا تھا۔

نواب۔ میں نے تم سے کل جو کچھ کہا اسکا کیا اثر ہوا؟

لارڈ۔ اسی کے متعلق تو میں سوچ میں پڑ گیا ہوں۔

نواب۔ کیا کسی سے تم نے نسبت ٹھیرائی۔

لارڈ۔ جی ابھی تک تو نہیں۔ ہاں دوپہر کے کھانے تک اُمید ہے۔

نواب۔ تمہاری سہولت کے لئے شب کے کھانے تک مہلت دی جاتی ہے۔

لارڈ۔ شکریہ! لیکن اس کی ضرورت نہیں۔

نواب۔ میں اب تک یہ معلوم نہ کرسکا کہ تم سنجیدگی سے بات بھی کرتے ہو یا نہیں۔

لارڈ۔ ابا جان کبھی نہیں۔

(کچھ سکوت)

نواب۔ کیا تم نے آج کا ٹائمز پڑھا؟

لارڈ۔ ٹائمز میں ہوتا ہی کیا ہے سوائے فیشن ایبل ...یں کے۔

نواب۔ کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم نے ٹائمز میں وہ آرٹیکل نہیں پڑھا جس میں سر رابرٹ کے حالات زندگی لکھے گئے ہیں۔

لارڈ۔ خدا کی قسم میں نے اب تک نہیں دیکھا۔ فرمائیے تو اس میں لکھا کیا ہے۔

نواب۔ کیا خوب سوال ہے۔ لکھا کیا ہو گا سوائے تعریف کے۔ ارجنٹائن کنال اسکیم کے متعلق جو لکچر انہوں نے دیا وہ فن تقریر کا بہترین نمونہ تھا جو ہمیشہ یادگار رہے گا۔

لارڈ۔ تو کیا انہوں نے اس اسکیم کی تائید کی۔

نواب۔ تائید! ایسی پُر زور مخالفت کہ تمام پارلیمنٹ دم بخود ہو گئی۔ میاں تم سر رابرٹ کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ اس آرٹیکل کو ضرور پڑھو (ٹائمز کھول کر پڑھتا ہے) "سر رابرٹ چلٹرن...... موجودہ زمانہ کا زبردست سیاست دان...... شہرۂ آفاق مقرر...... صاف و پاک عادات...... قوی کریکٹر...... سچائی کا بہترین نمونہ ہیں...... غیر ممالک کے بڑے لوگوں سے انکا مقابلہ کریں تو انکے ستودہ صفات ہیروں کی طرح دمکنے لگیں گے"

افسوس کہ تمہارے متعلق کبھی کوئی اس قسم کے خیالات ظاہر نہ کر سکے گا۔

لارڈ۔ ابا مجھے اس کی خواہش بھی نہیں۔ البتہ میں رابرٹ کے متعلق یہ باتیں سنکر بے حد مسرور رہا۔

نواب۔ خیر! ان باتوں کو جانے دو میں یہ پوچھتا ہوں کہ تم مس چلٹرن سے اپنی شادی کی درخواست کیوں نہیں کرتے۔

لارڈ۔ ابا میں ذرا کمزور طبیعت کا آدمی واقع ہوا ہوں۔

نواب۔ اور حقیقت پوچھتے ہو تو مجھے اُمید بھی نہیں کہ وہ تمہیں قبول کرے گی۔ اور بالغرض وہ قبول بھی کرے تو ایسی صورت میں، میں اسے انگلستان کی احمق ترین حسینہ سمجھوں گا۔

(مس میبل چلٹرن آتی ہے)

میبل۔ لارڈ کیورشام تسلیم! لیڈی صاحبہ خیریت سے تو ہیں۔

نواب۔ ہاں بیٹی خیریت سے ہیں۔

لارڈ۔ مس میبل تسلیم!

میبل (لارڈ گورنگ کو جواب ادا کیے بغیر صرف نواب سے مخاطب رہتی ہے)

لارڈ۔ مس میبل تسلیمات عرض ہے (جواب ندارد)

لارڈ (بہت زور سے) مس میبل تسلیم۔

میبل۔ (بناوٹی چمک کے ساتھ پلٹ کر) ادھر آپ بھی یہاں موجود ہیں جب سے کہ آپ نے وعدہ خلافی کی ہے میں آپ سے بات کرنا نہیں چاہتی۔

لارڈ۔ میبل یہ نہ کہو۔ لندن میں تمہیں ایک ایسی ہو جس کے بات نہ کرنے سے مجھ پر بُرا اثر پڑے گا۔

میبل۔ لارڈ گورنگ میں تمہاری ذراسی بات بھی صحیح نہیں مان سکتی۔

نواب۔ عزیزم تم بالکل ٹھیک کہتی ہو۔

[illegible]بل۔ جناب! کیا آپ اپنے صاحبزادہ کو عمدہ اخلاق نہیں سکھا سکتے۔ محض ایک تبدیلی کے طور پر۔

نواب۔ مس چلٹرن مجھے افسوس ہے کہ میرے لڑکے پر میرا کوئی اثر نہیں چلتا مجھے اب اجازت دو۔ یہاں خاصی دیر ہو چلی ہے۔

(لارڈ گورنگ کو حقارت سے دیکھتے ہوئے جاتا ہے)

لارڈ۔ کیا وجہ ہے کہ میں ہمیشہ تمہاری صحبت میں مسرور رہتا ہوں

میبل (غمگین لہجہ میں) تو کیا یہ میرا فریضہ ہے کہ میں ہر وقت تمہارے ساتھ رہوں۔

لارڈ۔ بیشک تمہارا فریضہ ہے۔

میبل۔ خیر تو میں اپنے فرایض کے ادائیگی کی پابند نہیں ہوں۔ میں اب جاتی ہوں۔ خدا حافظ۔

لارڈ۔ ایک منٹ کے لئے ٹھیر جاؤ۔ مجھے تم سے [illegible] کہنا ہے۔ میبل کیا تم جانتی ہو کہ میرے دل میں تمہاری [illegible] قدر محبت ہے۔

لارڈ۔ کیا تم بھی اپنے دل میں میرے لئے تھوڑی [illegible] نہ چھوڑو گی؟

میبل۔ آرتھر! تم حد درجے کے بے وقوف [illegible] ہو۔ کیا تم یہ بھی نہیں سمجھ سکتے کہ میں تمہاری [illegible] کر رہی ہوں۔ سوائے تمہارے تمام لندن یہ [illegible] جانتا ہے۔

[illegible] لارڈ۔ میں کس قدر گھبرا رہا تھا کہ تم میری بیوی [illegible] سے انکار کر دو گی۔

میبل۔ خیر اب ان باتوں کو جانے دو۔ اس عہد و پیمان کی خوشخبری ہمیں اپنے بزرگوں تک پہنچانا چاہیئے میں اب جاتی ہوں کیونکہ گرٹروڈ آ رہی ہیں تھوڑی دیر کے بعد تم سے میں باغیچہ میں ملوں گی۔

(جاتی ہے)

(لیڈی گرٹروڈ چلٹرن داخل ہوتی ہے)

لارڈ۔ بیگم صاحبہ آداب عرض ہے۔ مجھے آپ کو ایک خوشخبری سنانی ہے۔ مسز شویلی سے میں نے گذشتہ شب کو رابرٹ کا خط حاصل کر کے جلا دیا اب رابرٹ بالکل محفوظ ہیں۔

لیڈی۔ میں تمہارا شکریہ کسی طرح ادا نہیں کر سکتی۔ تمہارا ہی حق تھا کہ تم نے انھیں — ہمیں — مصیبت سے نجات دلائی۔

لارڈ۔ مگر بیگم صاحبہ! افسوس ہے کہ ایک اور مصیبت خود آپ کی ذات پر آپڑی ہے۔ وہ یہ کہ جو خط آپ نے مجھے بطور ایک گہرے دوست کے میری امداد طلب کرنے کے لئے لکھا تھا وہ مسز شویلی میرے پاس سے چرا کر لے گئی ہے اور اس سے اپنا بدلہ لینا چاہتی ہے۔

لیڈی۔ اُف کیا عورتیں اس قدر ظالم ہو سکتی ہیں۔ ہائے کیا وہ اس خط کو میرے شوہر کے پاس بھیج دے گی۔ میں نے تو تمھیں ایک عزیز دوست سمجھ کر وہ خط لکھا تھا۔ آہ! وہ موذی عورت کس طرح اس خط کو چرا لے گئی۔ مجھ سے پورا پورا حال کہہ دو۔

لارڈ۔ کل سر رابرٹ میرے پاس مشورہ لینے آئے تھے۔ تم نے بھی اسی وقت آنے کی اطلاع دی تھی۔ اس لیے میں نے نوکر کو کہہ رکھا تھا کہ اگر کوئی خاتون مجھ سے ملنے کے لئے آوے تو وہ اسے مُلاقاتی کمرے میں ٹھیرائے۔ بدقسمتی سے تمہارے بجائے مسز شیولی آئی اور اس کمرے میں چھپ کر میری اور سر رابرٹ کی باتیں سُنتی رہی۔ اتفاقاً ایک کرسی کے گرنے کی آواز ہونے سے رابرٹ کے دل میں شبہ پیدا ہوا اور وہ کمرے میں باوجود میرے منع کرنے کے گھس گئے۔ مسز شیولی کو کمرے میں دیکھکر وہ برافروختہ ہوئے اور اسی رنج میں چلے گئے۔ مسز شیولی نے اسی اثنا میں تمہارا خط چرالیا۔ اب ہم کو چاہیئے کہ اپنی حفاظت کی خاطر سر رابرٹ کو تمام واقعات بتادیں۔

لیڈی۔ (حیرت سے) کیا یہ بھی کہ اس وقت تم میرے منتظر تھے نہ کہ مسز شیولی کے۔ میں یہ بات ہرگز نہیں کہہ سکتی۔

لارڈ۔ تو کیا میں کہہ دوں؟

لیڈی۔ نہیں تم بھی نہیں۔ بس اب ایک ترکیب ہے وہ یہ کہ کسی طرح مسز شیولی کے بھیجے ہوئے خط کو اُڑا لیا جائے قبل اس کے کہ رابرٹ اسے پڑھیں اُف میرے اللہ اب میں کیا کروں۔ وہ دیکھو رابرٹ میرا وہی خط پڑھتے ہوئے آرہے ہیں۔

(سر رابرٹ خط پڑھتے ہوئے داخل ہوتا ہے مگر لارڈ گورنگ کی موجودگی سے غافل رہتا ہے۔

رابرٹ۔ "مجھے تمہاری سخت ضرورت ہے اور تم ہی پر بھروسہ ہے اور میں تمہارے پاس آرہی ہوں" میری پیاری کیا یہ صحیح ہے۔ کیا تم کو میری ضرورت ہے اور مجھ پر کامل بھروسہ ہے۔ اگر یہ بات ہے تو بجائے تمہارے آنے کے مجھے تمہارے پاس جانا چاہیئے تمہارا یہ خط پیاری گرٹروڈ میرے تمام غم کو بھلا دیا۔ کیا واقعی تم کو میری ضرورت ہے۔

(لارڈ گورنگ لیڈی چلٹرن کو اشارہ کرتا ہے کہ وہ موقعہ سے فائدہ حاصل کرے اور خود چلا جاتا ہے)

لیڈی۔ ہاں۔

رابرٹ۔ اور مجھپر بھروسہ ہے؟

لیڈی۔ ہاں۔

رابرٹ۔ مگر تم نے یہ کیوں نہیں لکھا کہ مجھے محبت ہے۔

لیڈی۔ اسی لیئے کہ مجھے تم سے محبت ہے۔

رابرٹ۔ میں کیا کہوں میری کیا حالت ہوئی جس وقت کہ میں نے تمہارا خط چاک کیا مجھے اُس وقت اپنی آنے والی بدنامی اور ذلت کا بھی خیال نہ رہا۔

لیڈی۔ رابرٹ اب تمہیں ذلت اُٹھانی نہ پڑے گی کیونکہ لارڈ گورنگ نے مسز شیولی سے اس خط کو حاصل کرکے جلا دیا۔

رابرٹ۔ تو اب میں محفوظ ہوں۔ آہ میرا عزیز دوست آرتھر اس وقت کہاں ہے (لارڈ گورنگ داخل ہوتا ہے) آرتھر مجھے معاف کرو میں تمہاری دوستی کی

کوئی قدر نہ کر سکا۔

لارڈ۔ دوست یہ کوئی بات نہیں۔ مگر اب تم قدر کرنا چاہو تو......

(مینن نواب کیورشام کے آنے کی اطلاع کرتا ہے)

لارڈ۔ اف۔ ابا تو ہمیشہ بے موقعہ تشریف لے آتے ہیں (کیورشام داخل ہوتا ہے)

نواب۔ سر اور لیڈی رابرٹ تم دونوں کو نئی کامیابی مبارک ہو۔ میں ابھی وزیر اعظم کے پاس سے آرہا ہوں سر رابرٹ کو نئی کابینہ میں وزارت کا درجہ عطا ہوا ہے۔ لو یہ احکام ہیں۔

(سب لوگ مسرت سے لبریز ہو جاتے ہیں)

سر رابرٹ۔ نواب صاحب میں آپ کی اور آپ کے صاحبزادہ کی عنایتوں کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ ایک نے مجھے ذلت سے بچایا اور دوسرے نے اعلیٰ عہدے پر سرفراز کیا۔ مجھ سے اگر کوئی خدمت لینی مطلوب ہو تو بلا تشویش فرمائیے۔

لارڈ۔ ہاں دوست کم از کم میرا تو آپ سے ایک بہت اہم کام ہے۔ وہ یہ کہ آپ مجھے اپنی بہن میبل کی غلامی میں لینا پسند فرمائیں۔ مجھے ان سے بے حد محبت ہو گئی ہے۔

رابرٹ۔ آرتھر تمہاری درخواست حق بجانب ہے مگر کل شب کے واقعے کے بعد مجھے ہمت نہیں پڑتی کہ میں اپنی بہن کو ایک ایسے شخص کے حوالے کر دوں جو مسز شیولی جیسی عورت کو نیک سمجھتا ہے۔

لیڈی چلٹرن۔ رابرٹ تم سخت غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ مسز شیولی ہی کے کرتوتوں کی وجہ سے میں نے لارڈ گورنگ کو وہ خط لکھا تھا جو تھوڑی دیر پہلے تم پڑھ رہے تھے میں انسے مشورہ لینے اسوقت جانا چاہتی تھی جبکہ تم وہاں تھے مگر بعد کو میرا خیال بدل گیا اور اتفاقاً اس وقت مسز شیولی بغیر اطلاع لارڈ گورنگ کے مکان میں پہنچ گئی چونکہ آرتھر کو اس بات کی خبر نہ تھی اس لیے انہوں نے سمجھا کہ میں آکر ملاقاتی کمرے میں ان کا انتظار کر رہی ہوں اور یہی سمجھ کر کہ کمرے میں مسز شیولی نہیں بلکہ میں ہوں انہوں نے مسز شیولی کی حمایت کی۔

رابرٹ۔ ہاں میں اب کل واقعہ کو سمجھ گیا۔ آرتھر میں میبل کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دیتا ہوں۔ خدا اس جوڑے کو برقرار رکھے۔

نواب کیورشام۔ ارے تو کیا مس میبل نے میرے ناکارہ لڑکے کو قبول کر لیا۔

(ہر شخص کی تصویر فتح محبت زمانہ میں آویزاں نظر آتی ہے۔ پردہ آہستہ آہستہ گرتا ہے۔)

ڈراما ختم

ترجمہ

خواجہ نظام الدین حسن حیدرآباد دکن

گلے کے امراض کے آزمودہ علاج

ماہ جون کے پرچہ عصمت میں بہن بلقیس بیگم جبلپور نے عصمتی بہنوں سے اپنی ایک عزیز کے گلے کے غدود کا علاج دریافت کرتے ہوئے خاکسار کو بھی مخاطب فرمایا ہے۔ گو مجھے ڈاکٹری اور طبی فن میں کامل مہارت حاصل نہیں ہے تاہم طبی مطالعہ اور ایک لیڈی ڈاکٹر بہن کی مدد سے اکثر نسخہ جات کا علم حاصل کیا ہے۔ اور بعض ادویات کے خواص وغیرہ معلوم کیئے ہیں جو بوقت ضرورت کام آسکتے ہیں جن کے بتانے کے لیئے مجھے کوئی عذر مانع نہیں۔ میری ناچیز معلومات بہنوں کے استفادہ کے لیے ہر وقت حاضر ہیں۔ یہ تشریح میں اسلئے ضروری سمجھتی ہوں کہ کسی قسم کی غلط فہمی نہ ہونے پائے۔ چونکہ بہن صاحبہ نے وضاحت نہیں فرمائی کہ کس قسم کی غدود ہیں۔ آیا حرکت کرتی ہیں؟ یا ساکت ہیں! اور گلے کے کس حصہ میں واقف ہیں؟ اس لیئے میں مختلف امراض کے مختلف نسخہ جات تحریر کرتی ہوں۔ جو کہ بے ضرر اور آزمودہ ہیں۔ بہن صاحبہ حسب موقع استعمال میں لائیں۔ تجربہ شرط ہے۔ اور شفائے کامل قادر مطلق کے اختیار میں ہے۔

کھانٹی یا گلے پڑ جانا یہ ایک قسم کے غدود ہوتے ہیں۔ جو کہ گلے میں زبان کی جڑ کے پاس دونوں طرف نمایاں ہوتے ہیں۔ اور بیرونی جانب ہاتھ لگانے سے محسوس ہوتے ہیں۔ کھانسی اس مرض میں ضرور ہوتی ہے۔ لقمہ نگلنے میں تکلیف ہوا کرتی ہے۔

پھٹکری کا باریک سفوف انگشت شہادت پر لگا کر اندرونی جانب سے غدود کو یکے بعد دیگرے دبا دیا جائے۔ اور منہ ڈھیلا چھوڑ دیں۔ بہت سی رال ٹپکے گی۔ بعض اوقات قے بھی ہو جاتی ہے۔ قے کے زور سے ان غدود میں سے خون وغیرہ بھی نکلتا ہے۔ اور یہ غدود مرجھا جاتے ہیں۔ تین صبح ایسا کرنے سے بالکل صحت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح شہد

پیکر اس کے پانی سے غرغرے کرنا بھی فائدہ مند ہے۔ گندھے ہوئے آٹے کو پانی میں گھول کر پانی چھان لیں اور غرغرے کریں۔ اکسیر چیز ہے۔ بنفشہ اُبال کر پیس کر باندھنا۔ غدود کو زائل کرتا ہے۔

کشیٹے۔ یہ خرمائی قسم کا پھل ہے۔ ہاڑی یا کشیٹے کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ پنساری کے ہاں سے سوکھا ہوا مل جاتا ہے۔ یہ پیس کر گرم باندھنے سے گانٹھ تحلیل ہو جاتی ہے۔

کنپیڑ یہ بھی ایک قسم کے غدود ہیں جو گلے پر کان کے نیچے ہوا کرتے ہیں۔ ان میں ورم ہو کر اکثر درد ہوا کرتا ہے۔ نربسی سیاہ جسکا ذائقہ تلخ ہوتا ہے۔ پیس کر لیپ کرنے اور گھونٹ چھان کر پینے سے۔ دو تین یوم میں آرام ہو جاتا ہے۔ مرچ سیاہ اور نربسی جو کہ جڑ کی قسم ہوتی ہے۔ پانی میں گھسکر گردن پر لیپ کرنے سے۔ متحرک گلٹیاں اور خناق تک ہو جاتا ہے۔

دوراز حال میری والدہ صاحبہ کے گلے کے نصف حصے میں تین چار گلٹیاں نمودار ہو گئیں تھیں۔ جو کہ ہاتھ لگانے سے اِدھر اُدھر حرکت کرتی تھیں۔ اور ہلکا ہلکا درد بھی محسوس ہوا کرتا تھا۔ دھوپ یا دھونی۔ یہ ایک سیاہ رنگت کی چیز ہوتی ہے۔ ہندو لوگ پوجا پاٹ والے کمرے میں آگ لگا کر سلگا دیتے ہیں۔ جس سے بے حد خوشبو پھیلتی ہے۔ اسے کوٹکر گرم کر کے گلٹیوں پر دس پندرہ یوم تک باندھنے سے بالکل زائل ہو گئیں۔

چھچھوندر کا گوشت باندھنا گلٹی کو زائل کرنے میں اکسیر چیز ہے۔

اکثر خرابی خون کے باعث یہ امراض پیدا ہوتے ہیں۔ صفائی خون کے لیئے کورکر۔ کچور۔ یہ دونوں چیزیں جڑی بوٹی ہیں۔ چاکسو۔ یہ سیاہ رنگت کے چپٹے چپٹے دانے سے ہوتے ہیں۔ ذائقہ تینوں چیزوں کا تلخ ہوتا ہے۔ یہ ہر سہ چیزیں ماشہ ماشہ لیکر موٹا موٹا کوٹ یا دڑلیں۔ اور صبح نہار منہ باسی پانی سے پھانک لیں۔ کم از کم اکیس دن استعمال کریں۔ صفائی خون کے لیئے اکسیر صفت ہیں۔ میری والدہ صاحبہ ہم سب بچوں کو اکثر وقتاً فوقتاً یہ دوائی استعمال کرایا کرتی ہیں دوران استعمال میں گھی یا مکھن کافی کھانا چاہیئے۔ والدہ صاحبہ کی دوست بہن ایک ہندو رقیہ ہمارے پڑوس میں رہتی ہیں۔ انکے دونوں بچے بہت دُبلے تھے اور کمزور رہتے تھے۔ ڈاکٹری تحقیق سے معلوم ہوا کہ انکے گلے میں ایک قسم کے غدود ہیں جنکے باعث تنفس ٹھیک نہیں آتا۔ جو کہ کمزوری اور لاغری کا سبب

سیر بین

۴۰ سال بعد ملاپ۔ ۴۰ برس ہوئے جبلپور میں ایک گورا سپاہی رہتا تھا۔ اُسے چند ماہ کے لئے انگلستان جانا پڑا۔ وہ اپنی منگیتر سے رخصت ہو کے روانہ ہو گیا۔ واپس آنے پر اُسے وہ نہ ملی۔ سارا ہندوستان چھان مارا لیکن اسکا کہیں پتہ نہ چلا۔

دسمبر گذشتہ میں کلکتہ کے ایک ہوٹل میں اُنکی اچانک مُلاقات ہو گئی۔ وہ اسوقت ۷۴ سال کا بڈھا تھا اور عورت ۶۰ برس کی بڑھیا۔ اب بھی انکے دل میں محبت تھی۔ دونوں شادی کے لئے طیار ہو گئے۔ گرجا میں وہ اپنے مختلف جنگوں کے تمغے لگائے سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اور باوجود پیرانہ سالی بھلا معلوم ہوتا تھا۔ اسکی دُلہن اچھے کپڑے پہنے پھولوں کی ٹوکری ہاتھ میں لئے ہوئے تھی لیکن جوش سے انکے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ شادی کے بعد سپاہی کے دو ایک بڈھے دوستوں نے جو اسوقت موجود تھے اسے مُبارکباد دی۔ شادی کی خوشی میں چار فٹ اونچا کیک طیار کیا گیا تھا جسے اس کی دُلہن نے کاٹ کے بانٹا۔

لڑکی وہم کی نذر۔ جزائر کینری میں ایک جوان شخص مرگیا۔ اُس کے عزیزوں نے کسی معمول کے ذریعہ اس کی رُوح سے بات چیت کرنی چاہی۔ اُنہیں اس کی جانب سے ایک پیام ملا کہ میری روح کو دوزخ کے عذاب سے بچانے کے لیے کنبہ کا کوئی شخص قربان کرنا چاہیئے۔ اس کی بہن نے اپنے آپ کو پیش کیا چنانچہ اس کے والدین بھائیوں اور دوستوں نے اسے لاٹھیوں سے چار گھنٹے تک اتنا مارا کہ وہ مرگئی۔ اب ۳۲ آدمیوں کا چالان ہو گیا ہے۔

عورت پریوی کونسل کے سامنے۔ مسز کیمبل ایک کناڈا کی رہنے والی نے اپنی ماں کی جائداد کے منتظموں کے ساتھ مقدمہ لڑا۔ جب اسکا باپ مرا تو اسکی ماں کی دماغی حالت خراب ہونے کی وجہ سے جائداد ایک انجمن کے سپرد ہوئی جو ۱۸۸۵ء سے ۱۹۲۲ء تک انتظام کرتی رہی۔ منیجر نے حساب کے متعلق کچھ کاغذات عدالت میں منظوری کے لئے پیش کئے لیکن مسز کیمبل نے انکی مخالفت کی۔ عدالت نے اُسے صرف ۲۰۰ پونڈ معاوضہ کے طور پر دلائے لیکن اُس نے منظور نہیں کئے اور کناڈا کی ساری عدالتوں میں ہارتی چلی گئی۔ بڑے دل گردے کی عورت تھی کہ سلطنت انگریزی کی سب سے بڑی عدالت پریوی کونسل میں اپنا اپیل لے کے پہنچی۔ اسکا مقدمہ سات دن تک چلا جس میں سے تین دن سے زیادہ تک وہ خود اپنے دعوے کے حق میں بحث کرتی رہی۔ خاتمہ پر فاضل ججان پریوی کونسل نے اس کی بحث کی تعریف کی۔ وہ پہلی عورت ہے جو اس کونسل کے سامنے پیش ہوئی۔ وہاں وہ اپنا مقدمہ جیت گئی۔

چاند میں پہلا آدمی۔ کہتے ہیں کہ پندرہ سال کے عرصہ میں آدمی چاند میں پہنچ جانے کے قابل ہوجائیگا۔ جرمنی میں یہ تحقیق ہوگیا ہے کہ ایسی ہوائیاں بنائی جاسکتی ہے جو دو تین میل فی سکنڈ کی رفتار سے گیس خارج کرسکتی ہیں۔ ان گیس کے دھوئیں دار پیچوں میں ہیڈروجن اور اکسیجن مخلوط ہوگی اور اس شہاب ثاقب کے سے جہاز کو غضب کی تیز رفتار سے لے جاسکیں گی۔ زمین سے چاند ۲۴۰۰۰۰ میل دور ہے۔ پہلے ہوائی جہاز ڈیڑھ لاکھ دو لاکھ میل تک کی بلندی تک لے جائے جائیں گے جب اس میں کامیابی حاصل ہوجائے گی پھر چاند کی طرف رُخ کردیا جائیگا۔ تیز رفتار کی بدولت آدمی پیرس سے نیویارک ۵۵ منٹ میں اور دُنیا کے گرد ۱½ گھنٹہ میں گھوم آئیگا۔ چاند تک پہنچنے کے لیے جہاز ۴۵۰۰۰۰ پونڈ میں بنے گا۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ایک انجمن بنگئی ہے جو ستاروں میں آمد و رفت کے وسائل پر غور کرے گی تاکہ لوگ دوسری دنیاؤں میں آمد و رفت کرسکیں۔ یہ انجمن مہینہ میں دو مرتبہ جلسہ کرتی ہے۔ خیال یہ ہے کہ اگر ہم نہیں تو ہماری اولاد چاند کے سفر کے واقعات دلچسپی سے پڑھا کرے گی۔

دیمک کی ملکہ۔ بمبئی چھاؤنیوں میں دیمک کی تلفی کے لیے جداگانہ محکمہ ہے جیسے چوہوں اور مچھروں کے تلف کرنے کے کام جداگانہ محکموں کے سپرد ہیں۔ کسی کے مکان میں دیمک نمودار ہوکے دق کرنے لگے تو اطلاع دینے پر ایک کلرک چند مزدوروں سمیت آتا ہے۔ ان قلیوں کے پاس زمین کھودنے کے آلے ہوتے ہیں۔ یہ کلرک جگہ جگہ زمین کو ٹھوکتا ہے اور کان لگا کے سُنتا ہے۔ اُسکا مقصد دیمک کی رانی کا مقام دریافت کرنا ہوتا ہے اسے کچھ ایسی مہارت ہوتی ہے کہ وہ رانی کے مقام کو پہچان کے مزدوروں کو کھودنے کا حکم دیتا ہے۔ چار فٹ زمین کھودنے پر کیچڑ سی ملتی ہے جو رانی کا محل ہوتا ہے۔ اس میں سے سینکڑوں سرنگیں چاروں طرف نکلی ہوئی ہوتی ہیں۔ ایک جگہ میں چار چار پانچ پانچ رانیاں ملتی ہیں۔ یہ ایک موٹا سا سفید نہایت بدشکل ٹڈا ہوتا ہے۔ رانی کے ماردینے سے دیمک کی تکلیف کچھ عرصہ کے لیے جاتی رہتی ہے۔

بالوں کی ٹوپیاں۔ عورتیں بال کترانے لگیں مگر وہ قدرتی شوق کہاں جاتا ہے۔ انکی مصنوعی ٹوپیاں بن رہی ہیں۔ گھوڑے کے بال آج کل کثرت سے نہیں ملتے۔ یورپ میں دخانی گاڑیاں چل رہی ہیں اور گھوڑے بیچارے اب کس مپرسی کی حالت میں ہیں۔ آخر بال کہاں سے آئیں؟

چین میں مرد لمبے لمبے بال رکھتے تھے اور انکی چوٹیاں کمر پر پڑی رہتی تھیں۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں چین نے بیرونی سلطنتوں کی مداخلت سے بہت کچھ نجات پائی اس کی یاد میں بیشمار لوگوں نے سر منڈا ڈالے حالانکہ پہلے برا سمجھا جاتا بلکہ گناہ سمجھا جاتا تھا۔

اب آپ خیال کیجئے کہ چین کی آبادی چالیس کروڑ ہے۔ اس آبادی سے اگر بال حاصل کیے جائیں تو رسد مانگ سے زیادہ ہی رہیگی۔ حکومت چین لوگوں کے بال صاف کراکے یورپ بھیج رہی ہے، پیرس میں انکو شوق کے ہاتھوں لیا جاتا

ہے کیونکہ ان سے ٹوپیاں بن رہی ہیں جو وہاں کی نازنینیں پہنتی ہیں۔ یہ ٹوپیاں بڑی قیمتی ہیں اور معمولی عورتوں کو میسر نہیں حکومت چین مضافات میں تلقین کر رہی ہے کہ بالوں کا رکھنا اور انھیں گوندھ کے چوٹی بنا لینا مضر صحت ہے۔ اسکی وجہ سے زیادہ زیادہ لوگ سر منڈاتے چلے جا رہے ہیں۔ وہاں کے سوداگر بالوں کی تجارت کی ترقی کے امکانات کو دیکھتے ہوئے حکومت کا تلقینی کام میں ہاتھ بٹا رہے ہیں۔

خون چوسنے والی لاشیں۔ یورپ میں ایک عجیب عقیدہ چلا آتا ہے کہ بدروحیں رات کو قبروں سے اٹھ کے گھروں میں آتی اور چھوٹے بڑے عورت مرد جو مل جائے اسکا خون پی کے اسے مار ڈالتی ہیں اور ایسا مرنے والا بھی بعد میں خون چوسنے والی لاش بن جاتا ہے۔ اسکا حلیہ یہ ہوتا ہے کہ وہ آدھی رات کو کھڑکی کے شیشہ میں سے اندر کو جھانکنے لگی۔ آنکھیں خوفناک پتھرلی ہوتی ہیں۔ دانت خنجر نما اور ہاتھوں میں مڑے ہوئے ناخن۔ سب کو کھا جاتا ہے کہ خاموشی سے بستر پر سو جائیں۔ انگلستان میں خیال ہے کہ یہ صرف خوبصورت عورتوں کا خون پیتی ہے۔

یہ عقیدہ بلغاریہ ہنگری سرویا میں خوب پھیلا ہوا ہے چنانچہ انگریزوں کے سفرنامہ میں اسکا تذکرہ ہے جنھوں نے ہنگری کا اٹھارھویں صدی کے شروع میں سفر کیا تھا۔ لکھا ہے کہ یہ خون چوسنے والی چمگادڑیں رات کو قبروں سے نکل کے سوتے آدمیوں پر جھپٹ پڑتی ہیں اور ان کا خون چوس کے انہیں مار ڈالتی ہیں۔ کوئی شخص کسی عمر وجنس کا ہو اُنسے محفوظ نہیں۔ آدمی دم گھٹنے اور طاقت جاتے رہنے کی شکایت کرتا ہے اور فوراً مر جاتا ہے۔ قبریں کھود کے دیکھی گئیں تو وہ لاشیں چوسے ہوئے خون سے پھولی ہوئی تھیں۔ انہیں دفن ہوئے مدتیں گذر چکی ہیں لیکن کہیں سے گڑی ہوئی نہیں ملتیں۔ اس بلا کو دُور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ لاش میں ایک تیر پار کر دیا ہے۔ خون کی تھیلی باہر نکل جائے گی۔

دنیا کی ابتدا۔ سائنس نے اسقدر ترقی کی لیکن نئے نئے نظریئے قایم ہوتے رہتے ہیں۔ اب تک صحیح طور سے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ دنیا کی ابتدا کس طرح ہوئی۔ اب ایک پروفیسر نے جس کا نام اری کری ہے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ دنیا میں سب سے پہلی جاندار چیز پانی میں پیدا ہوئی جسے کروڑوں برس ہوئے۔ ترقی کرتے کرتے یہ جاندار ہستی سمندر سے خشکی میں آگئی پروفیسر مذکور کے نزدیک زندگی کا کسی شہاب ثاقب کے ذریعہ یا کسی غیر معلوم جگہ سے اس دنیا میں اُڑ کے آنا قابل قبول نہیں البتہ وہ اس بات کو قبول کرنے کے لیئے تیار ہے کہ زندگی تاروں چٹانوں اور بادلوں کی طرح قدرتی طاقتوں کے باہم عمل پذیر ہونے سے وجود میں آئی ہو۔ پروفیسر کہتا ہے کہ ہم زندگی اور موت میں ہی تمیز نہیں کر سکتے۔ ایک کیڑا خشک ہو کے بے جان ہو جاتا ہے۔ بارش کا پانی پڑتے ہی وہ زندہ ہو جاتا ہے۔ کیا وہ خشک حالت میں مردہ تھا؟ دریائے نیل کی مٹی سے چھوٹی چھوٹی چوہیاں پیدا ہو کے فصلوں کو خراب کیا کرتی ہیں۔ یہاں موسم برسات میں چھوٹے چھوٹے مینڈک پیدا ہو جاتے ہیں۔ بیر بہوٹیاں خدا جانے کہاں سے آ جاتی ہیں۔ کیچوے زمین میں سے گویا اُبل آتے ہیں۔ زمین کی ابتدائی حالت میں زندگی ناممکن تھی کیونکہ یہ شروع میں پگھلی ہوئی سیال مادہ تھی جو بعد میں ٹھنڈا ہو کے سخت ہو گیا۔ یہ

قرین قیاس ہے کہ سورج کی شعاعوں کے اثر سے پانی میں ایک ذرہ حرکت کرنے لگا اور اس نے ترقی کرتے کرتے کوئی خاص شکل اختیار کرلی۔ ایک وقت ایسا آیا کہ بعد کی خاص جاندار شکلیں پانی میں رہنے کے قابل نہ رہیں اور وہ خشکی پر آگئیں۔

شادی کی رسمیں۔ مغرب میں بہت جگہ شادی کے موقعوں پر چاول پھینکے جاتے ہیں جو گویا بری روحوں کے لیئے کھانا ہے کہ وہ انہیں کھانے میں مصروف ہو جائیں اور نئے جوڑے پر کسی قسم کی آنچ نہ آئے۔ انگلستان میں دولہا دولہن کے اوپر ایک چھوٹا کیک توڑا جاتا ہے اور اس میں سے ایک قاش لے لینا مبارک خیال کیا جاتا ہے۔ فوجیوں کا شادی کے موقعوں پر تمواروں کا ایک محراب دار راستہ بنانا بھی اسی وہم کی علامت ہے۔ ڈرہم میں لوگ دونوں کے سروں پر سے بندوقیں چلاتے ہیں۔ افریقہ میں بعض جگہ دولھارات بھر گھر کے باہر پہرہ دیتا ہے اور اِدھر اُدھر تلوار چلاتا رہتا ہے۔ بعض جگہ اندھیر کی طرف منہ کر کے تبرے بھیجے جاتے ہیں۔ جزیرۂ بابرمیں دولھا دُلہن کو ایک بڑے اندھیرے کمرہ میں ڈھونڈھتا پھرتا ہے مصر میں وہ بیوی کی شکل شادی سے پہلے نہیں دیکھنے پاتا۔ یہودیوں میں دُلہن آنکھیں بند کیئے ہوئے حجلہ عروسی تک ایک سایبان کے نیچے نیچے لے جائی جاتی ہے۔ اس کمرہ میں جاکے وہ آنکھیں کھولتی ہے۔ سایبان سے بھی یہی مُراد ہے کہ بُری روحیں نہ آئیں۔ اسی سے بادشاہوں کے چتر رائج ہوئے۔ بلغاریہ میں دونوں اپنے مکان میں بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اور سات دن تک باہر نکلنے نہیں دیئے جاتے۔ بعض جگہ دولہن کی جگہ ایک فرضی مرد یا عورت بٹھا دی جاتی ہے تاکہ اگر کوئی آسیبی اثر بھی ہو تو دولہن اس سے محفوظ رہے۔ ٹرانسلوینیا میں دولہن دو عورتوں سمیت پردہ کے پیچھے بٹھا دی جاتی ہے اور دولھا کو کہا جاتا ہے کہ دولہن کو نکال لے۔ استھونیا میں دولہن کا بھائی زنانہ کپڑے پہن کے بہن کی جگہ بیٹھ جاتا ہے۔ انگلستان میں نکاح کے وقت دولھا دُلہن ہاتھ پکڑ کے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حبش میں ایک کپڑے کے نیچے انگلیاں پکڑ لی جاتی ہیں۔ ڈیوک آف یارک کے جزیرہ میں ایک ناریل دونوں کے سروں پر توڑ کے اسکا پانی ان پر ڈالا جاتا ہے۔ ملایا میں دونوں ایک دوسرے کو چاول مٹھیوں میں بھر بھر کے کھلاتے ہیں۔ یہ سب رسوم اسی آسیبی خطرہ کو مدِنظر رکھتے ہوئے قایم کی گئی ہیں۔

ترکی عورتوں کے مطالبے۔ ترکی حکومت نے عورتوں سے وعدہ کر لیا ہے کہ سنہ ۱۹۳۲ء میں پارلیمنٹ کے انتخاب کے موقع پر عورتوں کو ممبروں کے لیئے رائے دینے کا حق حاصل ہوگا یہ حق بعد میں بھی قایم رہیگا۔ قانونی مدرسہ میں تعلیم پانے والی طالبات نے ایک درخواست پیش کی ہے کہ وہ محض وکیل بننے پر قانع نہیں رہ سکتیں اُنہیں جج کے عہدے بھی ملنے چاہیئے۔ یہ عرضی وزارت قانون کے پاس رائے کے لیئے بھیجدی گئی ہے۔ ترکی زنانہ مجلس نے طے کر دیا ہے کہ عورتیں اُس وقت تک چین سے نہ بیٹھیں گی جب تک عورتوں کو وہ حقوق اور عہدے حاصل نہ ہو جائیں جو مردوں نے اپنے لیئے مخصوص کر رکھے ہیں *

محمد ظفر

مئی کے عصمت میں ایک بہن نے پنجابی قمیص یا جیمپر سینے کی ترکیب دریافت کی ہے۔ لہٰذا ذیل میں ایک ترکیب جیمپر سینے کی درج کرتی ہوں۔ جو بہت ہی سہل ہے کپڑا بھی دوسری قمیص سے کم خرچ ہوتا ہے۔ اور چوڑے پائنچوں کی سلوار پر پہنی ہوئی بہت اچھی معلوم ہوتی ہے۔

ترکیب:۔ ۱۲ گرہ عرض کا کپڑا پونے تین گز لے لیں جس میں نصف گز آستینوں کے لیئے علیحدہ کریں۔ باقی کپڑے کو لمبان سے دوہرا کرلیں۔ یہ دونوں آگے پیچھے کے گھیر ہوگئے۔ لمبائی اگز ۶ گرہ رہ گئی۔ اب دونوں طرف کی کناریوں کو ملا کر چار تہہ کرلیں۔ بس اب کاٹنا شروع کردیں۔ کندھے پر سے ۴ گرہ آستین لگنے کا حصہ چھوڑ کر مطابق نقشہ نمبر ا نشان نمبر ا سے کاٹتی ہوئی ب پر چھوڑ دیں۔ پھر ج سے د تک لا کر ختم کردیں۔ ب سے د تک کٹی ہوئی جگہ ۱½ گرہ ہونی چاہئے۔ اور ج سے ب تک ایک یا ڈیڑھ گرہ کپڑا اُتار ڈالیں۔ دُبلے پتلے جسم کے لیئے ڈیڑھ گرہ اگر ذرا ڈھیلا رکھنا مقصود ہو تو ایک گرہ کپڑا چھانٹ ڈالیں۔ آستین کے کندھے کی چوڑائی ۴½ گرہ رہنی چاہئے۔ کاٹتے وقت اُریب کا خیال رکھیں جیسا کہ ذیل کے نقشہ سے واضح ہے۔ اب اس کو کھول لیں۔ کھولنے سے ایسا دکھائی دے گا۔ (دیکھیں نقشہ نمبر ۲)

ا
ب
ج
د

جیمپر کا طول و عرض نقشہ نمبر ۲ میں بہنوں کے سمجھ میں آگیا ہوگا۔ اب آدھ گز کپڑا جو علیحدہ رکھا ہوا تھا اُسکو چار تہہ کرلیں بعدہٗ دونوں آستینوں کو اس طرح علیحدہ کریں کہ ہر آستین کا دوہرا چوڑان ۴ گرہ لمبان ۶ گرہ ہوجائے۔ پھر ہر دو آستینوں کو اُنکی جگہ پر جوڑ دیں۔ جیسا کہ نقشہ نمبر ۳ میں آستینوں میں سیون سی دکھائی گئی ہے۔

اب آستینوں کو آگے سے سیون تک اریب دار اس طرح چھانٹیں کہ اگلا حصہ صرف ۳ گرہ رہ جائے۔ پھر چاک کے لیئے ۵ گرہ نیچے سے چھوڑ کر اُلٹی طرف سے ج تک سی لیں اور الف سے ب تک جوڑ لیں۔ بعد ازاں جو کپڑا اسپلی میں کا علیحدہ لٹک رہا ہو اُسکو ب سے د تک چنٹ دیکر جوڑ لیں۔

فراک کے گھیر اور آستینوں کو جیسی مرضی ہو بیل لگالیں۔ تیسرے نقشہ میں آستینوں اور گھیر کے نچلے حصہ و گلے کے اندر فی ڈنگ رکھکر دکھائی گئی ہے۔ جو ایک قسم کا فیتہ کپڑے کے اندر رکھا جاتا ہے۔ لیکن نو آموز بہنوں کو چاہئے کہ صرف لیس وغیرہ لگانے پر اکتفا کریں۔ کیونکہ آستینوں اور گریبان کو کاٹ چھانٹ کر فیتہ رکھنا ذرا محنت طلب کام ہے و بغیر سلائی کی کافی پریکٹس ہونے کے اسکے بگڑ جانے کا اندیشہ ہے۔ اسلیئے پہلے پہل بہنیں آستینوں کو گول کاٹ کر بیل لگالیں اور گلے کو بھی نوکدار تراش کر بیل وغیرہ لگائیں یا صرف گول کاٹکر نیچے کی طرف دو انگل چوڑی پٹی لگائیں۔ پیچھے کی طرف چار یا پانچ انگل پھاڑ کر پٹی وغیرہ لگا کر اوپر صرف ایک فراک بٹن لگالیں۔ سیدھے ٹانکے تیار ہے۔ اب پوری طرح سے جوڑ لیں۔ یعنی آستین کا وہ حصہ جو بیل لگ رہی وجہ سے نہ سل سکا تھا سی دیں۔

نوٹ۔ اگر کسی بہن کی سمجھ میں کوئی بات نہ آئے تو بذریعہ عصمت دریافت فرما سکتی ہیں۔

بیگم یار محمد خاں ہوشنگ آبادی دہلی

نقشہ ۳

عصمت کا نادار فنڈ

عصمت کے نادار فنڈ یعنی اُن کم استطاعت نادار بیبیوں کے نام رسالہ جاری کرنے کے لیئے جو عصمت کے مطالعہ کی شایق ہیں مگر پورا چندہ ادا نہیں کر سکتیں سالگرہ نمبر شایع ہونے کے بعد ۲۰ جولائی تک جو روپیہ وصول ہوا ہے اس کی تفصیل یہ ہے:-

مس محمد سعید خاں صاحب سرکل انسپکٹر لکھنا دان ۱۵ روپیہ
بی بی بلقیس باز صاحبہ اونیسٹر اکرنہ بنگال ۱۰ روپیہ
ہمشیرہ محمد حنیف صاحب رئیس لاہور ۱۰ روپیہ
مولوی محمد علی صاحب معتمد کولاپور ریاستان دکن ۱۰ روپیہ
سید کشفی شاہ صاحب نگون ۱۰ سلمہ بیگم صاحبہ الہ آباد ۱۰ روپیہ
سردار محمدی بیگم صاحبہ ونسی قلابہ ۵ روپیہ
ساجدہ بیگم صاحبہ منصب منزل بھوپال ۵ روپیہ
مسز ای ایس اخوند لاڑکانہ سندھ ۵ روپیہ

۵ جولائی سے ۲۵ جولائی تک جن نادار کم استطاعت خواتین کی درخواستیں آئی ہیں ان سب کے نام پر رسالہ جاری ہو چکا ہے عصمتی بہنوں کا یہ احساس کر انھوں نے نادار فنڈ کا اعلان ہوتے ہی اسے کامیاب بنانے میں حصہ لینا شروع کر دیا اور اسی بیس روز میں جو جو درخواستیں آئیں ان سب کے نام رسالہ جاری ہو گیا بے انتہا قابل تعریف ہے اور ہمارے لیئے باعث مسرت۔ ہمیں اُمید ہے عصمتی بہنیں ان نادار و کم استطاعت خواتین کے نام جو ۴ سے زیادہ چندہ نہیں دے سکتیں۔ رسالہ جاری کرانے میں اب تاخیر نہ کرینگی ۴ر وصول ہونے پر باقی دو روپیہ نادار فنڈ میں سے لے کر تتم دو کم سال بھر تک جاری کر دیا جائے گا۔ اس مہینہ میں جو بیبیاں خریدار ہو جائیں گی انھیں سالگرہ نمبر بھی مل سکے گا جس کی قیمت بذریعہ وی پی ۸ہر ہے ۵ رسال بھر کا محصول نکال کر باقی دس پرچے گویا انھیں مفت پڑینگے +

منیجر

دو نئی کتابیں

عصمتی کشیدہ ہمارے پاس پچھلے ڈیڑھ دو سال میں کشیدہ کاری کے جو نمونے جمع ہو گئے تھے اور پچھلے تین ماہ میں جو نئے نئے نمونے آئے تھے ان میں سے اچھے اچھے نمونے انتخاب کر کے یہ کتاب مرتب کی گئی ہے۔ سب سے پہلے کشیدہ کے متعلق ضروری اور کار آمد ہدایتیں اِسقدر آسان پیرایہ میں لکھی گئی ہیں کہ چھوٹی بچیاں بھی سمجھ سکیں۔ پھر ہر نمونہ کی ضروری تشریح کی گئی ہے یعنی نمونہ کس کس چیز کے لیئے موزوں ہو سکتا ہے اور کس کس رنگ میں ہونا چاہئے اور کیا کیا احتیاط ضروری ہے۔ اس کے بعد نمونے شروع ہوتے ہیں پہلے میز پوش، پلنگ پوش، رومال، کرسیوں کے گدوں، تکیوں کے غلاف، پلنگ کی چادروں، پردوں وغیرہ وغیرہ کے وسط اور کونوں کے لیئے مختلف قسم کے پھولوں، بوٹوں گلدستوں وغیرہ کے کئی درجن خوبصورت نمونے ہیں۔ انکے بعد وضع وضع کی دلاویز بیلیں مثلاً سلمہ ستارے کی بیلیں، کلابتون اور ریشم کی بیلیں۔ موتیوں کی بیلیں شٹسلنگ شنایل کی بیلیں۔ ساری، قمیص، فراک وغیرہ کے لیئے پھر مختلف قسم کی کڑھت کے عمدہ عمدہ نمونے ایک درجن سے زیادہ اس کے بعد پرندوں چرندوں اور چند مشہور عمارات کے خاکے غرض نہ صرف بچیوں اور لڑکیوں کے لیئے ہی یہ کتاب بہت کار آمد ہے اور انھیں ہنرمند اور دستکار بنا دے گی بلکہ بڑی عمر کی عورتوں کے لیے بھی اس میں کافی دلچسپی ہے۔ کئی درجن عصمتی بہنوں نے اسکی تیاری میں حصہ لیا ہے نمونے صاف ہیں اور کاغذ عمدہ قیمت صرف ۱ع

تندرستی ہزار نعمت عصمت کی مایہ ناز مضمون نگار محترمہ ہاجرہ صاحبہ فیضی بمبئی کے نہایت مفید مضامین ۱۹۳۲ء اور ۱۹۳۳ء کے پرچوں میں صحت اور قوت ارادی کے عنوان سے شایع ہو کر مقبول ہو چکے ہیں ان مضامین میں محترمہ موصوفہ نے صحت قایم رکھنے کے چند اصول بڑی خوبی سے بیان فرمائے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اپنی سیاحت امریکہ اور یورپ کے تجربات بھی تحریر فرما دئے ہیں۔ یہی مضامین جدید اضافہ دیباچہ کیساتھ کتابی صورت میں شایع ہوئے ہیں۔ آنکھیں۔ آنکھوں کا تعلق ہے، دانت، مالش کرنا، غسل، پینے کا پانی غذا۔ نیند، کتاب کے نہایت عنوانات ہیں کتاب کی قیمت بہت ہی کم صرف ۴ر

دونوں کتابیں دفتر عصمت دہلی سے ملیں گی

بزمِ عصمت

سالگرہ نمبر اسقدر اعلیٰ درجہ کا شائع ہوا ہے کہ تعریف ہی نہیں ہوسکتی یہ تو جوبلی نمبر سے بھی بڑھ گیا واقعی ہمارا عصمت ہندوستان کے تمام رسالوں میں بے نظیر ہے۔ میری طرف سے بھی سالگرہ کی خوشی میں ۴ خریدار قبول فرمائیے چاروں بہنیں وی پی وصول کرلیں گی اطمینان رکھئے۔ نیز دس روپیہ نادار فنڈ کے لئے بھیجتی ہوں۔ غریب بہنوں کے نام رسالہ جاری کردیجے خدا ہمارے پیارے رسالہ کو دن دونی رات چوگنی ترقی دے +

سلمہ بیگم الہ آباد

میں اپنے ۵ بچوں کو خریدار کی حیثیت سے پیش کرتی ہوں۔ ان پتوں پر وی پی بھیجدیجے۔ خدا کی مدد عصمت کے ساتھ ہے۔ یہ پرچہ ہماری بہت بڑی خدمت انجام دے رہا ہے۔

والدہ افضل حیات کوٹھی ہوم منسٹر پٹیالہ

آپ کے ارشاد کے مطابق میں دو بہنوں کے پتہ ارسال خدمت کرتی ہوں ضرور وی پی وصول کرلیں گی مبلغ عـہ روپیہ کا منی آڈر بھی علیحدہ نادار فنڈ کے لیے بھیجتی ہوں اور ہمیشہ حسب ضرورت امداد کے لئے تیار ہوں۔ حمیدہ بانو بیگم عرف مسز حبیب احمد خاں حیدرآباد دکن

عصمتی بہنوں کو یہ معلوم ہوکر خوشی ہوگی کہ ۲۳ رجون کو بھائی جان رازق الخیری صاحب اور بھابی جان آمنہ نازلی صاحبہ کو خدا نے بچی عطا فرمائی۔ نام رازقہ نازلی رکھا گیا۔ واجدہ خیری

ہماری بھابی جان اور عصمت کی مضمون نگار محترمہ ام الکلیمہ مریم جمیل صاحبہ کے یہاں پچھلے مہینہ میں بچی تولد ہوئی اس خبر کو عصمت میں درج فرمادیں۔

قیصرہ بیگم از کلکتہ

عصمت سالگرہ نمبر سنہ ۳۰ء میں ایک محترمہ بہن صاحبہ کا نوٹ درج تھا جس میں انہوں نے اپنی ایک عزیز بہن کے لیے لکھا تھا کہ چیچک کے بعد انکا رنگ کالا پڑگیا ہے۔ انکے لیے ایک آزمودہ نسخہ حاضر خدمت ہے

سرخ صندل۔ ہلدی۔ آنبا ہلدی۔ صبح منہ دھوتے سے پیشتر ان تینوں چیزوں میں تھوڑا تھوڑا لیکر بھینس کے دودھ میں پیس کر چہرے پر اتنا ملیں کہ مروڑیاں اتر جائیں۔ تھوڑی دیر کے بعد منہ دھولیں۔ انشاء اللہ چالیس روز کے استعمال سے فائدہ ہو جائیگا۔ یہ چیزیں چالیس دن کے لئے کافی ہیں۔ برائے مہربانی فائدہ ہونے پر بذریعہ عصمت اطلاع دیں۔

خریدار نمبر "۳۵۸۹" کی خدمت میں بعد مبارکباد کے عرض ہے آپ کے بھائی کا نام میرے خیال میں شمس الرحمٰن ٹھیک رہے گا۔

ب۔س بنت سید محمد حسین لاہور

اور میرے خیال میں ابو قمر خلیل الرحمٰن ہمشیرہ ابوظفر کلکتہ

میں نے جولائی کے پرچہ میں دیکھا کہ ایک بہن صاحبہ کے منہ پر داغ زیادہ پڑگئے ہیں جس کی وجہ سے بہت پریشان ہیں میرے چہرے پر بھی ایسے ہی داغ پڑگئے تھے تو میں نے ایجپشن بیوٹی کریم استعمال کی تھی خدا کے فضل سے سب داغ جاتے رہے تھے تو بہن صاحبہ بھی ایجپشن بیوٹی استعمال کریں اس کی قیمت دو روپیہ ہے۔

راقمہ علوی لکھنؤ

جون نمبر میں محترمہ بنت خانصاحب منشی فضل حسین صاحب نے بال بڑھانے والا مفید تیل کا جو نسخہ اور اسکی ترکیب تحریر فرمائی ہے اسکو ذرا اور وضاحت سے تحریر فرمائیں تو مہربانی ہوگی۔ رتن جوت کیسی چیز ہوتی ہے؟ اسکا کوئی اور مشہور نام ہے یا صرف یہی؟ دارچینی کی لکڑی سے کیا مراد؟ میں نے دارچینی کی لکڑی منگوائی تو یہاں کے دکان سے دارچینی ہی آئی جس سے مجھے شبہ ہوا کہ میں نے ابھی کام میں نہیں لیا۔ ہاں تیل کے متعلق بھی بہن صاحبہ موصوفہ نے صاف نہیں لکھا ہے کہ اتنی وزن کی اشیاء کے لیے تیل کتنا چاہیے؟ پاؤ سیر آدھ سیر کوئی مقدار نہیں بتلائی۔ تیل خالص کھوپرے کا نکلوانا چاہیے یا بازار کا خرید کیا جائے۔ مسز مطیع الرسول حیدرآباد دکن

مجھے خان بہادر شیخ مہدی حسین صاحب کے (جو کہ میرٹھ میں سٹی مجسٹریٹ تھے) اس قصیدہ کی بہت ضرورت ہے جو کہ ماہ اپریل سنہ ۳۲ء میں خان بہادر صاحب

مرصرف کے تبادلہ پہ الوداعی پارٹی میں پڑھا گیا تھا جس کے صرف دو مصرعے مجھے یاد ہیں لکھتی ہوں۔

شام میں آیا حسن مہدی کے بعد — میرے ظاہر ہوا مہدی کے بعد

برائے مہربانی اگر کسی بھائی یا بہن کے پاس ہو تو ازراہِ عنایت وکرم بذریعہ عصمت فرمائیں میں بیحد ممنون ومشکور ہونگی۔

ایک عصمتی بہن

بینک میں جو روپیہ رکھا جاتا ہے اور اسکا منافع جو ملتا ہے اسکا کیا مسئلہ ہے وہ سود ہی ہوگا یا نہیں کوئی قابل بہن یا بھائی بذریعہ عصمت اطلاع دیں مہربانی ہوگی۔

مسز ابو یوسف تزادہ ضلع گیا

میری ایک یورپین سہیلی کا بہت اصرار ہے کہ انگلش میں ہندوستانی کھانوں کی ترکیبیں ہوں تو منگوا دو۔ اس لیے کوئی عصمتی بہن یا بھائی مہربانی کرکے پتے سے آگاہ کریں کہ ایسی کتاب کہاں ملے گی۔

احمدی بیگم صدیقی منگین گھاٹ

محترمہ خدیجہ بائی صاحبہ بمبئی سے التماس ہے کہ جو بن کی بیل کا نمونہ سالگرہ نمبر میں شائع ہوا تھا اسی بیل کا نیز ستاروں کی بیل نمونہ مہربانی فرماکر مرحمت فرمایئے۔

حوا بائی جودھپور

کیا کوئی بہن مہربانی کرکے شیشہ اور چینی کے برتن جوڑنے کی آسان اور مجرب ترکیب بذریعہ عصمت مطلع کرینگی میرے چند ایسے برتن ٹوٹ گئے ہیں جنکا اب ملنا مشکل ہے۔

شاہجہاں بیگم بدایونی

اس ماہ کے رسالہ عصمت میں ایک محترمہ نے فریٹ ورک کی مشین کا ذکر کیا ہے مگر پتہ نہیں لکھا کہ کہاں سے یہ مشین دستیاب ہوسکتی ہو کوئی بہن برائے کرم تحریر فرمائیں۔

سید قیصر حسین نینی تال

میرے ایک بھائی اور بہن دونوں کو گندہ دہنی کی شکایت ہے۔ صبح ہمارے منہ گفتگو کے وقت منہ سے سخت غلیظ بدبو خارج ہوتی ہے۔ تجربہ کار عصمتی بہنیں توجہ فرماکر کوئی آسان نسخہ تجویز کردیں تو عنداللہ ماجور ہونگی۔

ایک عصمتی بہن حیدرآباد دکن

ایک بہن کی پیشانی پر مسہ تھا انھوں نے راکھ اور چونہ ملاکر لگالیا اس سے مسہ نکلا اور ایک روپیہ کے برابر پیشانی کی کھال کٹ گئی وہاں ہلکا سانولے رنگ کا داغ پڑگیا ہے بہت برا لگتا ہے لہٰذا عصمتی بہنوں سے التجا ہے کہ وہ کوئی آزمودہ دوا تبلائیں جو راکھ اور چونے کے کٹے ہوئے کو صاف کردے؟

ایک بہن ستورانی پور

معمے۔ مندرجہ ذیل معموں میں حروف کو صحیح ترتیب دینے سے مقابل کے نام نکلتے ہیں

(۱) ت ب ت ا ا ال ص ک ح

علامہ راشد الخیری کی ایک پرانی تصنیف

(۲) ن ت ہ ا ا ہ ا آ ب ص ح ز ل م ی

ہندوستانی بھو ہڑ بہنوں کی زندگی سنوارنے والی دہلی کی ایک معزز خاتون

(۳) م م م م ل ل ت ح ک ز ہ ا

قیامت تک اپنی نشانی قایم رکھنے والی ہندوستان کی ایک نامور بیگم

(۴) ہ ہ ک گ ش ل ت ر

ہندوستان کا ایک مشہور شہر

(۵) ا ا س ب ل و ح ن

ہندوستان کے بادشاہوں کے زمانے کا ایک مشہور شاعر

(۶) د و و م م ل ل ی ی ہ ہ ر ر ا ک ٹ

کلکتہ کی ایک مشہور عمارت ایک ملکہ کی یادگار ہیں

ہمشیرہ ابو ظفر خریدار نمبر ۲۱۱۳ از کلکتہ

مندرجہ بالا معمہ کا صحیح جواب لکھنے والی بیبیوں میں بذریعہ قرعہ دو انعام تین اور چار روپیہ کی کتابیں دیجائینگی باقی نام شایع نہیں ہونگے۔ ٹکٹ بھیجنے کی ضرورت نہیں مگر خریداری نمبر ضرور جواب کے ساتھ ہونا چاہئے۔

تربیت گاہ بنات دہلی

تربیت گاہ بنات تعطیل کلاں کے لیئے یکم اگست سے بند ہے پچھلے پرچے میں ۱۰ جولائی غلطی سے چھپ گیا ۱۷ ہفتوں کے بعد آخر ستمبر میں دا میرا کا زور ہوا تو شروع اکتوبر میں نیا سشن شروع ہوگا جو حضرات اپنی بچیوں کو آئندہ سشن کیلیے بھیجنا چاہیں وسط ستمبر میں مجھ سے خط وکتابت کریں۔ نادار ویتیم بچیوں کی درخواستیں جس قدر جلد آجائینگی داخلہ میں اتنی ہی سہولت ہوگی۔ غالباً وسط ستمبر تک میں دہلی سے باہر رہوں گا مگر میری عدم موجودگی میں روپیہ وغیرہ کی رسید مثل سابق تربیت گاہ سے ملتی رہے گی

ام راشد الخیری

یہ تصویر دہلی کی خواتین کے ایک جتھا کی ہے- جو گیت گاتا ہوا نظر آتا ہے -

دنیا کا سب سے چھوٹا موٹرسائیکل سوار

جو لیپزگ کی موٹر سائیکلوں کی دوڑ کے مقابلے میں شامل ہوا

عصمتی کشیدہ

ہمارے پاس پچھلے ڈیڑھ دو سال میں کشیدہ کاری کے جو نمونے جمع ہو گئے تھے اور پچھلے تین ماہ میں جو نئے نئے نمونے آئے تھے انہیں سے اچھے اچھے نمونے انتخاب کرکے یہ کتاب مرتب کی گئی ہے۔ سب سے پہلے کشیدہ کے متعلق ضروری اور کارآمد ہدایتیں اسقدر آسان پیرایہ میں لکھی گئی ہیں کہ چھوٹی بچیاں بھی سمجھ سکیں۔ پھر ہر نمونہ کی ضروری تشریح کی گئی ہے یعنی نمونہ کس کس چیز کے لیے موزوں ہوسکتا ہے اور کس کس رنگ میں ہونا چاہیئے اور کیا کیا احتیاط ضروری ہے۔ اس کے بعد نمونے شروع ہوتے ہیں، پہلے میز پوش، پلنگ پوش، رومال، کرسیوں کے گدوں، تکیوں کے غلاف، پلنگ کی چادروں، پردوں وغیرہ وغیرہ کے وسط، اور کونوں کے لیے مختلف قسم کے پھولوں، بوٹوں، گلدستوں وغیرہ کے کئی درجن خوبصورت نمونے ہیں۔ انکے بعد وضع کی دلآویز بیلیں مثلاً سلمہ ستارے کی بیلیں، کلابتون اور ریشم کی بیلیں، موتیوں کی بیلیں، سشنلنگ شنائل کی بیلیں، ساری، قمیص، فراک وغیرہ کے لیے پھر مختلف قسم کی کرٹھت کے عمدہ عمدہ نمونے ایک درجن سے زیادہ اس کے بعد پرندوں، چرندوں اور چند مشہور عمارات کے خاکے غرض نہ صرف بچیوں اور لڑکیوں کے لیے ہی یہ کتاب بہت کارآمد ہے اور انھیں ہنرمند اور دستکار بنادیگی بلکہ بڑی عمر کی عورتوں کے لیے بھی اس میں کافی دلچسپی ہے۔ کئی درجن عصمتی بہنوں نے اسکی تیاری میں حصہ لیا ہے نمونے صاف ہیں اور کاغذ عمدہ قیمت عمر

تندرستی ہزار نعمت

عصمت کی مایہ ناز مضمون نگار محترمہ زہرہ بیگم صاحبہ فیضی بمبئی کے نہایت مفید مضامین ۲۸ء ۲۹ء اور ۳۰ء کے پرچوں میں صحت اور قوت ارادی کے عنوان سے شایع ہو کر مقبول ہو چکے ہیں ان مضامین میں محترمہ موصوفہ نے صحت قایم رکھنے کے چند اُصول بڑی خوبی سے بیان فرمائے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اپنی سیاحت امریکہ اور یورپ کے تجربات بھی تحریر فرما دیئے ہیں۔ یہی مضامین جدید اضافہ اور دیباچہ کیساتھ کتابی صورت میں شایع ہوئے ہیں۔ آنکھیں، آنکھوں کا تعلق ہاضمہ سے، دانت، مالش کرنا، غسل، پینے کا پانی، غذا، نیند کتاب کے نہایت اہم عنوانات ہیں کتاب کی قیمت بھی بہت کم صرف چار آنہ (۴؍)

دونوں کتابیں دفتر عصمت دہلی سے ملیں گی

تین کتابیں

جو پھوہڑ سے پھوہڑ لڑکی کو ہنرمند اور سلیقہ شعار بنادینگی

اُمور خانہ داری کی ماہر ہونے کے لیے ہر لڑکی اور ہر عورت کے پاس ان کتابوں کا ہونا ضروری ہے۔

عصمتی دسترخوان

کھانے پکانے کے فن پر اُردو زبان میں بینظیر کتاب جسمیں ہندوستانی اور انگریزی، عربی، ترکی، ایرانی کھانوں کی چارسو کے قریب صحیح صحیح ترکیبیں صحیح وزن تجربہ کرنے کے بعد درج کیے گئے ہیں سینکڑوں بہنوں نے اس کتاب کی تعریف میں خطوط لکھے ہیں کہ اس سے بہتر کوئی کتاب اُردو زبان میں شایع نہیں ہوئی بہت محنت اور صدہا روپے کے خرچ سے طیار کی گئی ہے اور ۸۰ عصمتی بہنوں کی محنت کا نتیجہ ہے

قیمت عہ؍ مجلد ع۲؍

عصمتی کروشیا

جسمیں کروشیا کے اچھے اچھے ۸۵ صاف نمونے ہیں ۱۱ دلآویز جھالریں۔ ۶ خوبصورت کونے ۵ انسرشن بھی ہیں ہر نمونہ کے متعلق ہدایتیں اسقدر عام فہم دی گئی ہیں کہ لڑکیاں بہت آسانی سے بناسکتی ہیں۔ کروشیا کا شوق رکھنے والی لڑکیوں کے لیے بہترین تحفہ ہے قیمت عمر؍

عصمتی کشیدہ

اس کتاب کی مدد سے لڑکیاں کشیدہ کاری کے نہایت عمدہ عمدہ پھول بلیں گلدستے وغیرہ بناکر پلنگ پوش، میز پوش، چادروں، پردوں، ساڑیوں، قمیصوں، بچوں کے فراکوں وغیرہ میں چار چاند لگا سکتی ہیں اور پھوہڑ لڑکیاں اس کتاب کی بدولت ہنرمند اور سگھڑ لڑکیاں اس فن کی ماہر ہوسکتی ہیں۔ قیمت صرف عمہ؍

پتہ:- مینیجر عصمت دہلی

جملہ حقوق محفوظ

رسالہ عصمت دہلی

جلد ۴۵ | بابت ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۳۰ء | نمبر ۴

۹ تصویریں

فہرست مضامین

چندہ سالانہ پیشگی مع محصول ڈاک وغیرہ **قسم خاص** (جو آرٹ کاغذ پر چھپتا ہے یعنی جس کاغذ پر تصاویر چھپتی ہیں) ۱۰ روپیہ رؤسا سے ۲۵ روپیہ والیان ریاست سے ۱۰۰ روپیہ فی پرچہ عہ **قسم اول** (جو دبیز چکنے کاغذ پر چھپتا ہے) ۵ روپیہ فی پرچہ **قسم دوم** (جس کے مضامین، تصاویر، ٹائٹل وغیرہ کا کاغذ معمولی ہلکا ہوتا ہے) ساڑھے تین روپیہ فی پرچہ ۵/

تربیت گاہِ بنات دھلی

عصمتی بہنوں اور بچیوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ تربیت گاہ کا نیا سشن اکتوبر سے شروع ہوتا ہے اور ستمبر میں مجھکو یہ فیصلہ کردینا پڑتا ہے کہ میں نئی درخواستوں میں کس قدر نئی بچیاں لے سکتا ہوں مگر مجھکو تعجب ہے کہ اس مہینہ میں روپیہ اسقدر کم ہے کہ میں اسوقت تک فیصلہ نہ کرسکا۔ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ یتیم بچیوں کے معاملہ میں میری ذمہ داری نہایت نازک ہو جاتی ہے نہ انکار کرسکتا ہوں نہ اقرار کرسکتا ہوں مجھے اُمید ہے کہ بہنیں ان چند سطروں کو پڑھنے کے بعد جسقدر جلد ممکن ہوگا توجہ فرمائیں گی تاکہ یتیم و نادار بچیاں جو داخلہ کے واسطے انکے دروازہ پر آئی ہیں مایوس و ناکام ہوکر اغیار کی چوکھٹوں پر نہ پہنچنے پائیں۔ میں آیندہ پرچہ میں مفصل کیفیت لکھوں گا اور بتا سکوں گا کہ کس قدر بچیاں لی گئیں اور کتنی بچیوں کو لینے سے قاصر ہوں۔ میں اسوقت صرف ناظرین عصمت کو اس اشد ضرورت پر متوجہ کرتا ہوں اور یہ دریافت کرتا ہوں کہ کیا اس مہینہ میں انہوں نے تربیت گاہ کے یتیم سیکشن کو فراموش کردیا؟

راشد الخیری

عصمتی دستر خوان کے دوسرے حصے

۲۰ اکتوبر تک

عصمتی دستر خوان کے دوسرے حصوں کے لیے جو بہنیں تجربہ کرنیکے بعد ترکیبیں بھیجنا چاہیں ۲۰ اکتوبر بھیج سکتی ہیں۔ لیکن براہِ کرم ان ہدایتوں کا پُورا پُورا خیال رکھیں جو سالگرہ نمبر میں شایع ہوچکی ہیں ورنہ ساری محنت رائگاں جائے گی۔ جن بہنوں کی طرف سے ترکیبیں موصول ہوچکی ہیں انسے بھی درخواست ہے کہ اگر انکو کسی ترکیب میں کسی غلطی کا ذرا بھی خیال ہو تو مہربانی فرماکر ۲۰ اکتوبر تک مجھے اطلاع دے دیں +

آمنہ نازلی

مختصر افسانوں کے مجموعے

علامہ محترم کے افسانوں کا تیس سال سے ہندوستان بھر میں ڈنکا بج رہا ہے علامہ راشد الخیری ہی وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اُردو زبان میں مختصر افسانہ نویسی کو درجہ معراج پر پہنچایا۔ جذبات نسوانی کی درد و اثر میں ڈوبی ہوئی صحیح ترجمانی جس جادو نگاری سے مصور غم مصنف نے کی ہے زبان اُردو ہمیشہ اس پر ناز کریگی ناممکن ہے کہ سنگدل سے سنگدل انسان بھی ان افسانوں کو پڑھ کر آنسو بہائے بغیر رہ سکے، شہنشاہ ٹریجڈی کے وہ معرکۃ الآرا افسانے جو لٹریچر میں غیر فانی درجہ رکھتے ہیں اب مختلف مجموعوں کی صورت میں شایع کیے جا رہے ہیں چنانچہ مندرجہ ذیل مجموعہ اس وقت تیار ہیں +

جوہرِ عصمت

۱۳ سبق آموز افسانے

(۱) مظلوم بیوی کا پاک جذبہ (۲) بھنبور کی دُلہن (۳) اگلی محبتیں (۴) فسانہ تنویر (۵) بیگناہ کا قتل (۶) بہاورج کا کنبہ (۷) مامون الرشید کا دربار اور ایک سچی عورت (۸) عدل جہانگیری۔ شہنشاہ جہانگیر کا فیصلہ (۹) بلبل کی شہادت (۱۰) ملکہ شہرزاد (۱۱) برقع کی مستحق (۱۲) غلط فہمی (۱۳) خاتمہ بالخیر۔

ان ۱۳ افسانوں میں دکھایا گیا ہے کہ شریف عورت اپنی عزت و عصمت کے مقابلہ میں دنیا کا کسطرح مقابلہ کرسکتی ہو بے انتہا سبق آموز اور موثر افسانے ہیں ان افسانوں کی دہوم مچ چکی ہے بہت مشہور و مقبول کتاب ہے قیمت عہ

سیلاب اشک باتصویر

۷ درد انگیز افسانے

(۱) پرستار محبت (۲) الموجن کے ۳ رنگ ایک خود دار لڑکی وفاداری اور انتقام اور احسان کے جوہر دکھاکر محو حیرت کردیتی ہے (۳) طلاق کا سفید بال۔ میاں بیوی کے تعلقات کیا چیز ہیں، خود داری اور ایثار کسے کہتے ہیں ضمیر اور ایمان کیا کام کرتا ہے (۴) آج اکبر ماں کا دل کس قسم کی محبت سے لبریز ہوتا ہے اور سچی خوشی کسے کہتے ہیں (۵) عدل گلبدن، شہنشاہ بابر کی لخت جگر شہزادی گلبدن بیگم کی شجاعت ایثار و کرم احسان وعفو کے حیرت انگیز کارنامے (۶) بیقصور بچی بے انتہا موثر افسانے (۷) ثریا کا تخیل ہر افسانہ کے ساتھ زرکثیر صرف کرکے بلاک کی تصویر لگائی گئی ہیں قیمت عہ

ملنے کا پتہ:- منیجر عصمت دہلی

حقوق نسواں

حضرت علامہ راشد الخیری قبلہ اس سال حیدر آباد دکن تشریف لے گئے تو کئی زنانہ جلسے ہوئے سب سے پہلا جلسہ انجمن خواتین دکن کی طرف سے محترمہ صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ کے دولت خانہ پر زیر صدارت بیگم صاحبہ نواب مرزا یار جنگ ۔ ۱۰ر ستمبر کو منعقد ہوا اور گو صغرا منزل شہر سے قریباً پانچ چھ میل دُور ہے ڈیڑھ دو سو معزز تعلیم یافتہ خواتین نے شرکت فرمائی چونکہ دورہ دکن کے سبب علامہ محترم کا کوئی مضمون ہم اس پرچہ کے لئے حاصل نہ کرسکے اس لئے وہ تقریر جو اس جلسہ میں کی گئی شایع کی جاتی ہے۔ اور ہم ممنون ہیں سید وزیر حسن صاحب کے جنہوں نے اس تقریر کو قلمبند فرمایا ۔ (ایڈیٹر)

بہنوں اور بیٹیوں۔ مجھکو جس موضوع پر اس وقت تقریر کرنی ہے وہ حقوق نسواں ہے۔ حقوق نسواں حقیقتاً اسلام کا کوئی ایسا اہم مسئلہ نہیں ہے کہ ہر چہار طرف سے اس کی صدائیں بلند ہوں۔ مذہب مقدس نے جس طرح اور بہت سے حقوق کی حدود مقرر کردی ہیں مثلاً حقوق اولاد، حقوق والدین، حقوق ہمسایہ وغیرہ وغیرہ اسی طرح اس مسئلہ کو بھی صاف کردیا ہے مگر اس مسئلہ کی اہمیت اس لیئے بڑھ گئی کہ خاندان مغلیہ کے زوال کے ساتھ ہی گذشتہ دو بلکہ قریب قریب تین صدی سے مسلمان مردنے اس میں دست اندازی شروع کردی اور جس صنف کو اپنے فنون سپاہ گری وحرب پر ناز تھا اور جس کی خدمات جنگ و میدان جنگ کی تیار داری پر تاریخ شاہد ہے اسکا معیار شرافت یہ ٹھیرا کہ اس کی آواز تک غیر مرد نہ سُننے پائے۔ آج سے نصف صدی پیشتر کا دور میں نے خود اپنی آنکھ سے دیکھا ہے اور یہ وہ وقت ہے کہ مسلمان عورت کے واسطے لکھنا سیکھنا گناہ سمجھا جاتا تھا ہاں کچھ خاندان ایسے تھے جو پڑھانا جائز سمجھتے تھے اور وہ بھی قرآن مجید کی بدولت۔ گو یہ دَور ختم ہو چکا مگر اب بھی ایسے افراد موجود ہیں جو اس دور کے مدعی اور اس روش کے حامی ہیں۔

امر واقعہ یہ ہے کہ مسلمان مردنے جب عورت کے غصب حقوق کی ابتدا کی تو اسکو سب سے زیادہ مدد اس گروہ سے ملی جو حقیقتاً نہیں صرف کہنے کو علمار اسلام سے تعبیر ہوتا تھا میں یہ نہ سمجھ سکا کہ اُن دعوؤں میں فریقین کلام الٰہی اور احادیث نبوی کی آڑ پکڑ کر الفاظ مقدس کی توہین کیوں جائز سمجھتے ہیں میں تو اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جب فریق مغلوب کو جواب کا یارا نہیں رہتا تو وہ بجائے اپنی شکست

تسلیم کرنے کے قرآن اور حدیث کا حوالہ صرف اس لیے دیتا ہے کہ غالب کو مرعوب کرے اور اپنا کام نکالے جب مسلمان کلام الٰہی کی غلط تاویل کر سکتے ہیں اور حدیث بھی وضع کرنے پر قادر ہیں تو مجبوراً ہم کو تاریخ سے مدد لینی پڑے گی اور دیکھنا پڑے گا کہ وہ ذات مقدس اس وقت جب دنیا کا ہر ذرہ عورت کو ٹھکرا چکا تھا اس انسانی ہستی کا کیا فیصلہ کر گئی رسول اکرم صلعم نے عورت کو ان الفاظ میں عزت دی۔

"عورتوں کی عزت وہ لوگ کرتے ہیں جو شریف ہیں اور توہین وہ کرتے ہیں جو پاجی ہیں"

ان سدا بہار پھولوں کی موجودگی میں جو حضور اکرم کے منہ سے جھڑ کر عورت نے اپنے گود میں لیے اس کے خلاف کوئی حدیث ہو تو صحیح نہیں ہو سکتی۔ عورت نے جفاکشی اور ایثار سے یہ حقوق حاصل کیے ہیں اگر مرد دعوٰے کرے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے سب کچھ اسلام کے لیے قربان کیا تو دوسری طرف بی بی خدیجۃ الکبریٰ کے ایثار اور قربانیوں پر بھی مسلمان عورتیں ہمیشہ فخر کرینگی۔ عورت نے اسلام سے جو کچھ حاصل کیا اپنی خدمات کے صلہ میں۔ ایک لڑائی میں جب یہ مشہور ہوا کہ رسول اللہ شہید ہوئے تو ایک عورت میدانِ جنگ میں آتی ہے۔ متواتر پانچ عزیزوں کو شہید دیکھتی ہے۔ باپ۔ بھائی، شوہر، بیٹا، بھتیجا۔ وہ انکی کچھ پرواہ نہیں کرتی اور آگے بڑھ کر کہتی ہے کہ رسول اللہ کا چہرہ اقدس دیکھنا چاہتی ہوں جب اسے جواب ملتا ہے کہ رسول اللہ زندہ ہیں تو خدا کا شکر ادا کرتی ہے اس کے یہ الفاظ تاریخ اسلام میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ اگر یہ صحیح ہے کہ تیرا رسول زندہ ہے تو یہ سب قربان ہیں۔ عورت کے اس ایثار کا جواب آسانی سے نہیں مل سکتا۔ میدانِ کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام نے جو قربانیاں کیں وہ مردوں پر ہی ختم نہ تھیں جو ان بچوں کو ناموس اسلام پر قربان کرنے والی ایک عورت بھی بھی تھی زینب بنت علیؓ۔

اسلام سے پہلے عورت کی کیا حالت تھی۔ روم اور یونان میں اس کے ساتھ کیا سلوک ہوتا تھا غور کرنے سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ تاریخ نہیں بتلا سکتی کہ وہ عورتیں نذر آتش ہوتی تھیں جو بچے پیدا نہ کرسکیں۔ باپ جس کل چاہتا مارتا پیٹتا تھا شوہر کو حق حاصل تھا کہ جیسا جی چاہتا سلوک کرتا۔ عورت کو سانپ اور بچھو کا خطاب اسی سرزمین نے عطا کیا ہے جو آج تہذیب و ترقی کی مدعی ہے۔ عرب کی حالت بھی عورت کے معاملہ میں ایسی ہی تھی اور گڑھے کھود کر لڑکیوں کو زندہ گاڑا جاتا تھا۔ حضرت عاصم نے جو صحابہ رسول اللہ ہیں ایک موقع پر بیان کیا کہ میں نے اپنے ہاتھ سے چار زندہ لڑکیاں دفن کیں۔

میری بچیوں ان واقعات پر غور کرو کہ مذہب مقدس نے تمہیں کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ یاد رکھو جس پاک مذہب نے تمہیں جانور سے انسان پتھر سے ہیرا اور لونڈی سے گھر کی ملکہ بنا دیا اس سے الگ

رہ کر تم ہرگز ہرگز ترقی نہیں کر سکتیں۔ مسلمان عورت کا سب سے پہلا فرض ان حقوق سے باخبر ہونا ہے جو مذہب اور سوسائٹی نے اس پر عاید کیے ہیں۔ لیکن سوسائٹی کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ مغربی خواتین کی نقالی سوسائٹی کی ضروریات میں سے سمجھی جائے۔ اور مسلمان عورت تعلیم یافتہ ہو کر بال کٹوائے اور نیم عریاں لباس پہنے میں اس بی اے یا ام اے خاتون سے جو احکام اسلام کو بھلا اندھا دھند تہذیب مغرب کی تقلید کر رہی ہے اس عورت کو ہزار درجہ بہتر سمجھتا ہوں جو کچھ زیادہ تعلیم یافتہ نہ ہو مگر بہ حیثیت بیٹی۔ بیوی اور ماں کے ان فرائض کو بخوبی انجام دے رہی ہو جو اسلام نے اس پر عائد کیے ہیں +

اس کے بعد مولانا صاحب قبلہ نے تربیت گاہ بنات کے متعلق بتایا کہ کن اصولوں پر قایم کی گئی ہے اور سات سال سے کیا کام کر رہی ہے۔ پھر فرمایا کہ حیدر آباد سے مسنر مولوی محمد یونس ڈپٹی انپکٹر جنرل پولس۔ مسنر لیاقت اللہ صاحب اکزامنر حسابات۔ صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ۔ مسنر سید محمد تقی صاحب ناظم تربیت گاہ کو دیکھ آئی ہیں اور اس کے متعلق نہایت اچھی رائے رکھتی ہیں اور خوش قسمتی سے اس وقت غالباً تشریف فرما ہیں۔ میں عام چندہ نہیں کرتا اپنی عصمتی بہنوں اور بناتی بچیوں ہی کو متوجہ کرتا ہوں کہ میں ہر سال تین چار ہزار روپیہ اس دورہ میں فراہم کر لیتا ہوں مگر میں چاہتا ہوں کہ اگر اس سال روپیہ زیادہ ہو جائے تو تربیت گاہ کے واسطے ذاتی مکان خرید لوں +

راشد الخیری

پردہ پر میرا خیال

محترمہ صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ ام۔ اے۔ آر۔ ایس۔ (حیدر آباد دکن) کا ایک مضمون مذکورہ بالا عنوان کے ماتحت اب کے سالگرہ نمبر عصمت میں چھپا ہے۔ ہماری لایق و فاضل اور سیاح بہن موصوفہ کا اسم گرامی اس مضمون کے اہمیت کے لئے کافی ہے۔ اس لیئے بڑی توجہ کے ساتھ یہ مضمون پڑھا کہ شاید مروجہ پردے کے خلاف اور آجکل کے نام نہاد اسلامی پردے (جو حقیقت میں بے پردگی ہے) کے حمایت میں کچھ قوی دلائل بھی نظر سے گزرینگے۔ مگر اول سے آخر تک دھوکے کا طلسم ہی طلسم رہا۔ جس کی ہر مثال طفلانہ فہمائش سے بڑھکر کوئی تشفی بخش ثابت نہ ہوئی۔ آپ تحریر فرماتی ہیں۔

"اکثر مرد یہی چاہتے ہیں کہ موجودہ پردہ ترک کر دیا جائے مگر رواج کے ڈر سے اسکو عملی جامہ پہنایا نہیں جاتا۔ بعض لوگ دل کڑا کرکے اپنے بیوی بہنوں وغیرہ کو پردے سے باہر نکال رہے ہیں لیکن زبانی جمع خرچ بہت ہے اور کاغذی گھوڑے بے تکے دوڑ رہے ہیں۔ کوئی تو ان گھوڑوں کی روک تھام کرتا ہے اور کوئی بے لگام چھوڑ دیتا ہے"

اسکا جواب میرا مضمون "بے پردگی کے شیدائی آنکھیں کھولیں" صاف بتا دے گا کہ شاہ امان اللہ خاں جیسے بہادر حاکی نے اس گھوڑدوڑ میں کیسے منہ کے بل کھائی۔

آگے چل کر آپ کچھ ایسے بے جوڑ مثالوں سے پردے جیسے محفوظ حصار کو قصر نسائیت سے ایکدم منہدم کرنا چاہتی ہیں۔ جو خداوند علیم نے عورتوں کے لیئے اسکو کئی مصلحتوں کی بنا پر مستحکم فرمائی ہے۔ فرماتی ہیں۔

"دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں جو پردے میں رہ کر چمک اٹھے یا ترقی کر سکے۔ سونا جب زمین کے پردے کو چاک کرکے باہر نکل آتا ہے تو اسکی قدر و قیمت ہوتی ہے۔ تمام دنیا میں اسکا سکہ چلتا ہے اور حسینوں کے گلے کا ہار بنتا ہے، الماس بھی کان کنی کی محنت شاقہ کے بعد شرم و حیا کو بالائے طاق رکھکر کان سے باہر نکل آتی ہے تو قیمت میں بالا ہو جاتا ہے اور لوگ ہاتھوں ہاتھ اسے لیکر عزت دیتے ہیں اور بادشاہوں کے سر کے تاج کی زینت بنتا ہے۔ اور یہی حال آپ موتی کا بیان کرتی ہیں اور دوسری قسم کے جواہرات کا بھی"

میں کہتی ہوں اور آپ کے تحریر کو لیئے ہوئے کہتی ہوں۔ کہ مذکورہ بالا چیزیں جب انکے قدردانوں کے کوشش بلیغ کے بعد اپنے قدرتی پردے سے باہر نکل آتی ہیں۔ تو قدر و قیمت میں بالا ہو جاتی ہیں اور اپنی پردہ داری و کمیابی کی خصوصیت کی وجہ بادشاہوں کے تاج کی زینت اور خاص لوگوں کے گلے کا ہار بننے کی وقعت حاصل کرتی ہیں۔ نہ کہ کوڑیوں کے مول ہر کس و ناکس کے لیے تھالی کا بیگن بن جاتی ہیں۔ اور کانوں و سیپوں کے قدرتی پردے سے باہر نکل آنے پر بھی کس محفوظ طریقوں سے کئی تہوں میں مقفل رکھکر مستعمل ہوتی ہیں۔ یہ انکا کان وغیرہ سے باہر نکلنا آپکے کہنے کے بموجب شرم و حیا کو بالائے طاق رکھکر ہاتھوں ہاتھ ہونے کے معنی نہیں رکھتا۔ جو یہ مثال پیش کرکے آپ عورتوں سے شرم و حیا جیسی مستحسن صنعت کو اڑا دینے کے متمنی ہیں کہ شرم و حیا ایمان کا ایک جز اور نسائیت کا اصلی و اعلیٰ جوہر ہے +

اسی طرح کنواں اور تالاب کی مثال بھی ہمیں یہاں نہیں جچتی کہ اس کے مطابق عورتوں سے بھی ایک مخلوق سیراب ہو سکے۔ اور یہی جواب آفتاب و مہتاب اور مذہب وغیرہ کے مثال کا بھی ہے۔ کیونکہ ہر ایک چیز کے لیئے ایک ہی حکم نافذ نہیں ہو سکتا۔ مرد جو اس پردے کی قید و بند سے ہر طرح بالکل آزاد ہیں۔ تو پھر کونسی وجہ مانع ہے کہ یہ آفتاب و مہتاب تا ہر مرد کی روشنی عالمگیر نہ ہو۔ بلکہ بہت سے گھروں میں یہ بے پردہ درخشندہ ہستیاں تاریکی

موجب ہی ہوئی ہیں۔ اور بھی پردہ دار عورتیں انکے تاریک
گھروں کو روشن کرنے والی ثابت ہوا کرتی ہیں۔ جنہیں آپ اپنے
مضمون کے آخر میں مردہ اور بلی کی غلاظت جیسی نجس چیز سے
تشبیہ دیکر اپنی جنس کا انتہائی ذلت کے مضحکہ اُڑا رہی ہیں جب
پردہ ایسی نجس و ناپاک چیز ٹھہرا تو اسے سرے سے ہی اُڑا دینا چاہئیے
کہ بری اور ایسی بری چیز تو ایکدم پھینک دینے کے قابل ہے۔ پھر
اسے اسلامی یا سوداجی پردے کی بحث ہی کیا اور کس لیئے۔
آخر میں ایک جگہ آپ یہ بھی فرماتی ہیں کہ:-
"اب بھی بڑی بڑی صاحب کمال عورتیں دُنیا میں موجود
ہیں مگر افسوس مروجہ پردے کی پابندی میں وہ بالکل بے
دست و پا ہو گئی ہیں کہ انکے حسن و قبح اور علم و ہنر سے کوئی
واقف نہیں اور نہ کسی کو فایدہ پہنچتا ہے۔ وہ اپنی چار دیواری
سے نکل کر اس مثل کے مطابق "جس گھر میں میانہ آئے اس
گھر سے ڈولہ نکلے" قبر میں چھپ جاتی ہیں"
آپ کے اس کہنے کا واحد سبب مروجہ پردہ ہی نہیں۔ بلکہ دوسرے
بہت سے اسباب ہیں۔ تاہم بہت سی عورتیں پردہ میں رہ کر
بھی وہ وہ کارہائے نمایاں کر گزرتی ہیں کہ جن پر مرد بھی عش عش
کرتے رہ جاتے ہیں۔ حال ہی تازہ نظیر مرحومہ مغفورہ بیگم صاحبہ
بھوپال کی پردہ دار زندگی اور انکے عدیم المثال کارنامہ ہمارے
سامنے موجود ہیں جو روز روشن کی طرح چمک کر ایک زمانہ کو محوِ حیرت
بنا رہے ہیں۔ اسی طرح یہ مقولہ "کہ جس گھر میں میانہ آئے اس گھر سے
ڈولہ نکلے" جس معنے کے اعتبار سے استعمال ہوتا ہے وہ اپنے
گہرائیوں کو لیئے ہوئے اس قدر سبق آموز ہے کہ وہ عورت کو وفاداری
مستقل مزاجی۔ فرض شناسی اور ہر حالت میں نباہ کے اصولوں پر
کاربند رہنے کا درس دیتا ہے جو عورت کے لیئے از بس ضروری ہے۔
ورنہ متلون مزاجی اور ہرجائی پن عورت کی قدر و قیمت اور وقعت
کو بالکل گھٹا دیتا ہے جو آجکل زمانہ میں کثرت سے ہو رہا ہے۔
غرض یہ مضمون اپنے طبیعت کے تقاضہ پر میں نے جواب
میں لکھا ہی تھا کہ ایک قابل احترام نو مسلمہ خاتون کراچی میونسپل
اُردو گرلز سکول کی ہیڈ معلمہ مسز محمد یوسف صاحبہ کی ایک نظم
ابھی ابھی میری نظر سے بھی گزری۔ جو پہلے عیسائی تھیں اس
لحاظ سے آپ بے پردگی کے آزاد فضا میں بڑھیں پلیں۔ مگر اس وقت
دائرہ اسلام میں آتے ہی اسلامی نکتہ نظر سے آپ پردے کے تقدس و فلسفہ
کی کس قدر معتقد و قایل معلوم ہوتی ہیں۔ اور جس پردے کو آپ کی غلاظت
سے تعبیر کیا گیا ہے اسی پردے کو اس نظم میں حجاب خداوندی وغیرہ
قابل احترام تشبیہات سے کس قدر رونق دی ہے وہ قابل ملاحظہ ہے
لہٰذا وہ نظم بجنسہٖ ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

نظم پردہ

عورتوں کی عزت و شرم و حیا پردے میں ہے
یہ حجاب ایسا ہے بے پردہ خدا پردے میں ہے

جھوٹے موتی کی نہیں کچھ قدر ہے وہ آشکار
قدر اس کی ہے جو دُرِّ بے بہا پردے میں ہے

وہ قیامت تا قیامت جس کے ہیں سب منتظر
اس کا دن از ابتدا تا انتہا پردے میں ہے

حُسن ظاہر سے زیادہ حسن باطن ہے عزیز
جسکو سیرت کہتے ہیں۔ اسکا پتہ پردے میں ہے

ہو گیا معلوم تو پھر ہر دُعا مقبول ہے
اسم اعظم خاص وہ نام خدا پردے میں ہے

جسم کہتے ہیں جسے۔ بے پردہ اور فانی ہے وہ
روح کہتے ہیں جسے۔ اصلِ بقا پردے میں ہے

ہے قیامت کا یقین۔ ایمان بھی بالغیب ہے
آخرِ انجام ہر ایک کام کا پردے میں ہے

شاد ہر فرقہ کہ سب ہیں دوزخی۔ ہم جنتی
تا دمِ مُردن سزا ہو یا جزا پردے میں ہے

شوق سے بے پردہ ہو جاتی ہے بی۔ اے کی سند
کچھ خبر بھی ہے کہ قسمت کا لکھا پردے میں ہے

ہیں ریائی سب عمل بے کار لازم ہے خلوص
جو عمل مقبول ہے وہ بے ریا پردے میں ہے

شمع بے فانوس رہتی ہے۔ وہ بجھتی ہے ضرور
ہے فنا بے پردگی میں۔ اور بقا پردے میں ہے

جس کی طالب ہے دُعا اس کا پتہ پردے میں ہے
صورتِ مقصود شکلِ مدعا پردے میں ہے

کوئی کہتا ہی نہیں۔ خود ڈاکٹر ہو یا حکیم
موت کا دن ہو۔ کہ خود روز شفا پردے میں ہے

سردار محمدی بیگم بنت نواب مرحوم اٹاری ٹونی۔

ایک بے بُنیاد الزام

حضرت آدم کے جنّت سے نکلنے کی وجہ ہرگز حضرت حوّا نہیں تھیں

مندرجہ بالا عنوان پر عصمت کے سالگرہ نمبر میں محترمہ عطیہ نصرت خانم صاحبہ کا مضمون شائع ہوا۔ جس میں انھوں نے علماء عصر سے حوّا کے سر سے آدم کو بہشت سے نکلوانے کی پُرانی لعنت دور کرنے کی استدعا کی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ کہ جو قوم آپ اپنی مدد نہیں کرتی میں بھی اس کی مدد نہیں کرتا۔ پس اس الزام کو دھونے کی ذمہ داری خود عورت کے نازک کندھوں پر عائد ہوتی ہے نہ کہ مرد کے۔ ہمیشہ مدعی کے ذمہ جرم کا ثابت کرنا ہوتا ہے اور بریت مدعا علیہ کے ذمہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس قسم کی بے بُنیاد روایتیں ہمارے مذہبی اُصول نہیں ہیں۔ بلکہ مفسرین نے یہود و نصاریٰ کی کتب سے اخذ کر رکھے ہیں۔ کسی غیر مذہب کی کتب میں سے کمزور عقاید کو واضع کرنے کی ذمہ داری ہمارے سروں پر عاید نہیں ہوتی۔ وہ اس کے پیروان کے ذمہ ہے۔ ہمیں تو یہ غور کرنا چاہیے۔ کہ ہمارا مذہب اس بارہ میں کیا فرماتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ کہ یا آدم اسکن انت و زوجک الجنۃ وکلا منھا رغداً حیث شئتما ولا تقربا ھٰذہ الشجرۃ فتکونا من الظالمین ترجمہ اے آدم رہ تو اور تیری بیوی جنت میں اور کھاؤ اس میں سے بافراغت جہاں سے کہ چاہو تم۔ لیکن مت قریب جاؤ شجرہ کے ورنہ تم اپنے اوپر ظلم کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

اور ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں۔ کہ ہمنے آدم کو بہت سی باتیں سکھائیں۔ اور فرشتوں کو حکم دیا کہ تم اسکو سجدہ کرو۔ اور اس کے مطیع ہو جاؤ۔ چنانچہ تمام فرشتوں نے فرمانبرداری کی لیکن شیطان نے ابا و استکبار کیا۔ اور انسان کے فرمانبردار ہونے سے انکار کر دیا۔

ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا اور تکمیل انسانیت کے لیے حوّا کو بھی پیدا کیا اور جہاں انکو اور باتیں سکھائیں۔ ان میں ایک یہ بھی نصیحت کی۔ کہ جہاں سے چاہو تم بافراغت کھاؤ اور پیو لیکن شجرہ کے نزدیک نہ جانا ورنہ تم اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہو جاؤ گے۔ اب

اختلاف شجرہ کے معنوں میں ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم اُردو فارسی انگریزی میں بھی لاتعداد ایسے الفاظ دیکھتے ہیں۔ کہ جن کے معنے موقع و محل کے مطابق تبدیل ہو جاتے ہیں۔ چونکہ عربی ایک کامل اور جامع زبان ہے لہٰذا اس میں بھی ایسے بہت سے الفاظ ملتے ہیں جن کے معنے زیر و زبر کے فرق میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اور کئی ایسے الفاظ بھی ملتے ہیں جن کے معنے موقع و محل کے مطابق بدل جاتے ہیں۔ چنانچہ شجرہ کے معنے درخت کے بھی ہیں۔ اور مستند عربی لغت میں شجرہ کے معنے نفاق کے بھی لکھے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ آدم علیہ السلام کو اس بات کی نصیحت کرتے ہیں۔ کہ تم دُنیا میں رہو جو کچھ چاہو کھاؤ اور پیو۔ لیکن نفاق کے قریب بھی مت جانا۔ ورنہ تم اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے بن جاؤ گے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نہایت ہی لطیف پیرایہ میں میاں بیوی کو نصیحت کی ہے کہ اگر تم آپس میں اتفاق و محبت سے رہو گے تو دُنیا تمہارے لیئے جنت کی مثال بن جائے گی۔ اور اطمینان قلب تم کو حاصل ہو جائے گا۔ جو کہ خاص اہل جنت کا تحفہ ہے۔ لیکن اگر تم آپس میں نا اتفاقی اور پھوٹ ڈالو گے تو یہی دُنیا تمہارے لیئے دوزخ کا نمونہ بن جائے گی۔ اور تم ایک دوسرے پر ہی ظلم نہیں کرنے لگو گے بلکہ اپنے نفسوں پر ظلم کرنے لگ جاؤ گے۔ چنانچہ میاں بیوی کی فلاح و بہبود اس حد تک وابستہ ہوتی ہیں۔ کہ ایک کا دوسرے کی حق تلفی کرنا خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف ہے۔

پھر آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ کہ فازلهما الشیطن فاخرجهما مما کان فیه وقلنا اهبطو بعضکم لبعضٍ عدوٌّ ولکم فی الارضِ مستقرٌّ ومتاعٌ الیٰ حین ط۔ ھما کی جو ضمیر ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فاعل تو شیطان ہے لیکن مفعول دونوں ہیں۔ اور فَاَخْرَجَهُمَا میں بھی دونوں کا نکالنا پایا جاتا ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں نے اللہ تعالیٰ کی نصیحت کو فراموش کر دیا۔ اور شیطان کے بہکانے میں آگئے اسکا نتیجہ یہ ہؤا کہ دُنیا کی جنت جو کہ میاں بیوی کا آپس کا اتفاق ہے اس میں سے ان کو نکال دیا گیا ؛

ان آیات میں نہ تو گندم کا درخت پایا جاتا ہے نہ بہکانے کا فعل حضرت حوا کا ثابت ہوتا ہے اور اس گمراہی میں آدم کا پاک ہونا اور صرف حوا کا دامن ملوث ہونا پایا جاتا ہے۔ بلکہ یہ روایتیں کہ حضرت حوا نے حضرت آدم کو بہکا کر گندم کھلا دیا تھا اس لیئے وہ جنت سے نکالے گئے۔ نصاریٰ کی مذہبی کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ پس ہمارے علماء نے بھی روایت قایم رکھنے کے لیئے اسی نقطۂ نگاہ کو مدِ نظر رکھکر معنے کر دیئے۔ اور بدی ساری حوا کے سر ڈال دی گئی۔ آدم کے بیٹوں نے تو قلم و علم کے زور سے حقِ فرزندی یوں ادا کیا کہ آدم کی ذات کو اس الزام سے بری کر دیا اور تمام ذمہ داری حوا کے کندھوں پر ڈالکر ابدی

لعنت کا طوق اس کے گلے میں پہنا دیا۔ لیکن حوا کی بیٹیاں اپنی جہالت کے باعث ایسی نالایق پیدا ہوئیں کہ ہزارہا سال اپنی ماں کو موردِ لعنت ہوتا ہوا دیکھکر بھی انکی رگِ حمیت میں جوش نہ آیا۔ کہ اس سرتاپا دروغ روایت سے اپنی بزرگ ماں کے دامن کو پاک کرتیں۔ اور مردوں کو کیا پڑی تھی کہ حوا کی بریت ثابت کرتے انکو تو اپنی عارضی فوقیت کو قایم رکھنے سے سروکار تھا۔

در اصل حوا کے سر پر اس ابدی گناہ کا ذمہ دار ہمارا مذہب نہیں بلکہ یہودیت اور نصرانیت ہے ہمارا مذہب تو جہاں حوا کے سر سے یہ الزام دُور کرتا ہے وہاں میاں بیوی کو آپس میں اتفاق و محبت کے ساتھ رہنے سہنے کی نہایت تاکید کرتا ہے اور اسکو دُنیا کی جنت بتاتا ہے اور آپس کی نا اتفاقی سے دور بھاگنے کا مشورہ دیتا ہے۔ اور اسکو دُنیا کی دوزخ اور اپنی جانوں پر آپ ظلم کرنے کے مترادف بتاتا ہے چنانچہ دُنیا میں آئے دِن کے مشاہدات اس اصول کی سچائی کو پیش کرتے رہتے ہیں۔ کہ نفاق کے راستہ پر چلنے والی اقوام ضرور تباہی کے گھاٹ اُتر جاتی ہیں۔ بڑی بڑی سلطنتوں کے تنزل کا باعث عورت کی ذات نہیں ہوئی بلکہ آپس کی ناچاقی اور خانہ جنگی ہوئی ہے چنانچہ مُسلمانوں کی عظیم الشان سلطنتوں کی بربادی کا باعث بھی یہی اصل ہوا۔ باقی رہا ملکہ ثریا کا امان اللہ خاں کی بربادی کا باعث ہونا یہ مردوں کی غلط ذہنیت کا باعث ہے غلطی خود کرتے ہیں اور نشانۂ ملامت عورت کی ذات کو بنایا جاتا ہے۔ قرینہ کی بات ہے کہ پانی ہمیشہ ڈھلان ہی کا رخ کرتا ہے۔ مرد اپنی فوقیت کو قایم کرنے اور زاید از ضرورت طول دینے کے لیئے عورت کی ذات کو بدیوں کا منبع اور بُرائیوں کا مخزن بناتا آیا ہے۔ لہٰذا ان تمام الزامات کو دامن عورت سے دھونا آجکل کی ہی صاحبِ علم وقلم مستورات کا فرض ہے پس بہنوں کو ان باتوں کی طرف خاص توجہ کرنی چاہیئے۔ اگر عورت نے ہاتھ میں قلم پکڑ کر عورت کی عزت کو قایم نہ کیا۔ اور عورت کے راستہ سے کانٹے نہ ہٹائے عورت کی فلاح و بہبود کی تدابیر نہ پیش کیں۔ تو اس نے کیا ہی کیا!

اخیر میں خداوند کریم کے حضور میں دُعا کرتی ہوں کہ یا الٰہی جمیع مُسلمانوں کو آپس میں محبت واشتی کے ساتھ ساتھ زندگی گذارنے کی اور آپس کے نفاق کے تمام طریقوں سے بچکر چلنے کی توفیق دے۔ اور اپنی مذہبی کتاب کلامِ پاک کو خوب سمجھنے کی اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرما آمین رب العالمین *

افضل النساء بیگم از جوہی (سندھ)

ساس بہو کے جھگڑے اور اسکا علاج

ساس بہو کے جھگڑوں پر اخبارات و رسائل میں اکثر بحثیں ہوتی رہتی ہیں۔ اور یہ جھگڑے آج کے نہیں بلکہ قدیم سے چلے آتے ہیں۔ لیکن اب جبکہ زمانہ ترقی پر ہے اور قومی و انفرادی ہر نقائص کے اصلاح کی طرف مائل ہے۔ تو خانہ جنگی کا یہ نقص بھی قابل اصلاح مانا جا رہا ہے جس کے زہریلے اثر سے افراد سے خاندان۔ خاندان سے قوم اور قوم سے ملک سنبھلنے نہیں پاتے اور ہمیشہ قعر مذلت میں پڑے رہتے ہیں۔

اس دیرینہ مرض سے قوم کو نجات دلانے کے لئے کئی تجاویز بتائی جاتی ہیں جس میں ایک یہ کہ شادی ہوتے ہی بہو اور بیٹے کو الگ رکھا جائے۔ اور ایسا کرنے کے لئے لڑکی کے والدین کو یہ مشورہ دیا جا رہا ہے کہ شادی سے پہلے ہی لڑکی والے لڑکے والوں سے یہ شرط کر لیں کہ وہ شادی کے بعد لڑکے لڑکی کو اپنے سے الگ رکھیں گے۔ اس تجویز میں بعضوں نے چند نقائص نکالے ہیں۔ اول یہ کہ مسلمانوں کی مفلسی اور مالی حالت اس کی اجازت نہیں دیتی کہ شادی کے بعد دو گھروں اخراجات برداشت کر سکیں۔ اگر ایسا کیا بھی گیا تب بھی تنگی خرچ اور کمی بیشی پر ساس بہو کے جھگڑے ہوتے ہی رہیں گے اور یہ علاج معقول ثابت نہ ہوگا۔ پس یہ الگ رکھنے کی تجویز مسلمانوں کی اقتصادی ابتری کے سبب قابل قبول نہیں ہو سکتی۔

دوسرا نقص اس تجویز میں یہ بتایا جاتا ہے کہ نئی شادی شدہ دلہن جو عمر کے لحاظ سے پندرہ سترہ سال کی ہوتی ہے اور تجربات زمانہ کے اعتبار سے بالکل اَن گھڑ۔ کوری۔ اور نشیب و فراز زمانہ سے ناواقف محض ہوتی ہے۔ اپنے سرپرستوں سے الگ رہ کر زندگی خوش اسلوبی سے بسر کرنے کی اہل نہیں ہو سکتی۔ اس کے الگ رہنے میں انتظام خانہ داری کی خامی اور پرورش و تربیت اولاد کی ناواقفیت کے علاوہ بعض خطرناک امور میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اور یہ اندیشہ ملک کی موجودہ زہریلی فضا کو خیال کرتے ہوئے کچھ بعید نہیں۔ چنانچہ اخبار بین بہنوں سے پوشیدہ نہیں ہے کہ ہندوستان کی موجودہ تمدنی و معاشرتی فضا عدالتوں میں نت نئے قسم کے کیسے کیسے عبرت خیز مقدمات پیش کرتی رہتی ہے۔ یہ اندیشہ کچھ معمولی اندیشہ نہیں بلکہ نہایت قوی اور خطرناک ہے۔ اور جتنا قوی و خطرناک ہے اتنی ہی اپنے اثر و نتیجہ کے لحاظ سے لڑکی کے زندگی کے لیے نہایت تباہ کن ہے۔ بغیر سرپرستوں کے الگ رہنے والوں میں اس قسم کے نقائص کے علاوہ مغربی ناروا تقلید بہت جلد رونما ہو جاتی ہے۔ آجکل تو ترقی آزادی اور اسلامی

پردے کی آڑمیں بے پردگی وبے حجابی کا مرض عام ہوگیا ہے۔ جس کے آیندہ نتائج خدا جانے کیا ہوں۔ قرون اولیٰ کی زندگی میں دیور کے سامنے نکلنے تک کو توموت قرار دیا گیا۔ مگر آجکل کے مغربی تقلید کے مقلدوں میں مردکے دوستوں سے راہ ورسم صفائی قلب کی نشانی قرار دی جاتی ہے۔ غرض ان ان گھڑ و ناتجربہ کار جوڑوں کو بالا سرپرستوں کے الگ رکھنے میں نسل وقوم کے حق میں بہت برا نتیجہ نکلنے کا اندیشہ ہے +

جن لوگوں نے مسلمانوں کی محض مفلسی اور مالی حالت کو ہی ملحوظ رکھکر اس الگ رکھنے کی تجویز میں یہ بھی ترمیم پیش کی ہے کہ صغر سنی اور بے روزگار لڑکوں کی شادی کی روک تھام کی جائے۔ یعنے لڑکا جب تک نہ کمائے اور اپنے بی بی بچوں کے ضروریات کو خود اپنی کمائی سے پورا کرنے کے قابل نہ ہوجائے اور پھر یہ کہ کچھ کما لینے کے بعد اپنی کمائی سے والدین کو مستفید نہ کرلے تاکہ انکے حق کی بھی تلافی ہوجائے۔ شادی کا قصد ہی نہ کرے۔ اسی طرح لڑکی انتظام خانہ داری۔ پرورش اولاد وغیرہ زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہونے کی عمر کو نہ پہنچ جائے شادی نہ کی جائے۔ خوب نہ نومن تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی +

پس مذکورہ ترمیم کی روسے لڑکی میں پختگی پیدا ہونے اور تنہا الگ رہنے کے خطرات سے محفوظ رہنے اور پرورش وتربیت اولاد جیسے اہم نسوانی فرایض اور خانہ داری کے ذمہ داریوں پر حاوی ہونے کے لیے پچیس تیس سال کی عمر ہونی چاہیے۔ ورنہ والدین کے نزدیک آلھڑ کہی جاتی ہے۔ کہنے میں ہے بیسی اور کیسی۔ اور پھر تیس برس کی عمر ایسی عمر ہے جو آفرینش نسل کے خلاف مانی جاتی ہے اور ہندوستانی آب وہوا میں عورت کی صحت اس عمر تک محفوظ نہیں رہ سکتی۔ علیٰ ہذا لڑکے کا برسر روزگار ہونا۔ اور پھر والدین کو اپنی کمائی سے فایدہ پہنچانے کے بعد شادی کا قصد یہ معنی رکھتا ہے کہ تیس پنتیس برس کی عمر میں شادی ہو۔

غرض ان دور از کار تجاویز وترامیم اور ہندوستان کے عام باشندوں کی حالت کا خیال کرتے ہوئے کہ زیادہ تر حصہ آبادی کا غیر تعلیم یافتہ نوجوانوں پر مشتمل ہے۔ ان میں اکثر ایسے ہوں گے جنکا برسر روزگار ہونا تو شاید عمر کے آخری منازل تک بھی ممکن نہیں ہوسکتا۔ تو کیا ان کو بھولے سے بھی شادی کا خیال نہ کرنا چاہیے؟ باقی رہا تعلیم یافتہ طبقہ تو انکی بھی تعلیم کی تکمیل پچیس سال سے پہلے نہیں ہوتی۔ اور پھر برسر روزگار ہونا۔ اور پھر حقوق والدین سے سبکدوشی کے لیے دو چار سال اور۔ بعد شادی کے رسومات واخراجات کی نذر کے لیے سرمایہ جمع کرنے میں اور پانچ سات سال۔ تو گویا کم از چالیس کی لگ بھگ میں شادی کی عمر قرار پاتی ہے۔ اتنی عمر تک تو ہندوستان کی فضا کو خیال کرتے ہوئے نوجوانوں کی صحت ودولت کا تو خدا ہی حافظ ہے۔ اور پھر شادی اور افزائش نسل کا خیال خواب سمجھنا چاہیے۔

اسی طرح مذکورہ مباحثوں میں بعض اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ طبائع میں فراغ حوصلگی۔ کشادہ دلی۔ اور

رواداری کے اوصاف پیدا ہونے چاہئے۔ اور اس کے لئے صحیح معنوں میں عام تعلیم کا رواج قرار دیا جائے۔ اس تجویز پر کوئی اعتراض نہیں کیونکہ طبائع کی اصلاح ہی ہر قسم کے جھگڑوں کا واحد علاج ہے۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ صحیح معنوں میں تعلیم کا رواج موجودہ قومی اُلجھنوں کو خیال کرتے ہوئے اور مرض تیسرے درجہ پر پہنچا ہوا پاکر تریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود سے کم نہیں۔

چنانچہ ان تمام امور پر خیال کرتے ہوتے سب سے بہتر اور مناسب علاج ساس بہو کے جھگڑوں کا یہی ہو سکتا ہے کہ ہر فرد اپنے اپنے درجہ و عمر کے حسب حال سلوک و برتاؤ کے ساتھ ایک دوسرے سے پیش آئے۔ ساس جو بمنزلہ ماں کے بزرگ و سرپرست مانی جاتی ہے اپنے بہوؤں سے وہی سلوک رکھیں جو وہ اپنے اولاد کے ساتھ روا رکھتی ہیں۔ تادیب و اصلاح کے ساتھ ساتھ محبت و ہمدردی۔ عفو و درگزر اور رواداری سے کام لیں۔ بیگانگت و طعنہ زنی اور ہر وقت کی نکتہ چینی و شکوہ شکایت اور بیجا تشدد سے بہوؤں کا دل نہ دکھائیں بلکہ خلوص محبت و جاں نثاری سے انھیں اپنا مطیع و فرمانبردار بنائیں۔ اصل معنوں میں انکو گھر کی ملکہ بننے کے اختیارات دیکر خود انکی مشیر و نگراں رہیں۔ اگر خوش قسمتی سے متعدد بہوؤں کی ساس بننے کا فخر حاصل ہے توسب کے ساتھ ایک سا سلوک ہوتا کہ کسی کو شکایت پیدا نہ ہو۔ انکے چین و آرام۔ دکھ درد۔ آرزوئیں ضروریات اور نازبرداری کا اپنے مقدور بھر خیال رکھیں کہ اب وہ تمھاری ہوگئیں۔ بجز تمھارے اب انکا خبرگیراں اور نازبردار کون ہو سکتا ہے۔ اچھی باتوں اور اچھے کاموں پر انکی حوصلہ افزائی کی جائے۔ پھر ممکن نہیں کہ وہ ایسی ساس کو دودھ پر کی مکھی سمجھنے لگیں بلکہ ایسی ساس کا وجود انکے لئے عین موجب رحمت و راحت ہے کہ ایسی ساس کی جدائی بھی شاق گزرنے لگتی ہے اور سُسرال چھوڑنا تک گوارا نہیں ہوتا۔ جسکا کامل نمونہ اس وقت سابق بیگم صاحبہ بھوپال مرحومہ اور ان کی بہو میمونہ سلطان شاہ بانو بیگم صاحبہ موجود ہیں۔ کہ پانچ سالہ بیاہی ہوئی دُلہن نے میکہ و سُسرال میں کچھ فرق نہ سمجھا اور آج اپنی مہربان ساس کا سایہ اُٹھ جانے پر تصویر غم میں خون کے آنسو بہا رہی ہیں کہ دیکھنے والوں کو آپ کے انتہائی رنج و غم سے قلق و صدمہ ہوتا ہے۔ یہ کیا بات ہے کہ ساس نے ماں سے بڑھکر محبت و جان نثاری کے سلوک سے اس ننھی سی بہو کو اپنے تادیب و تربیت سے حسب مرضی سے ایسا بنا لیا کہ آپ کے خیالات و اخلاق کی مجسم تصویر ہیں۔ خدا ایسی ہی ساس ہر بہو کو اور ایسی بہو ہر ساس کو عطا فرمائے۔ ساس میں جب ان اُصولوں کی اہلیت ہو تب ہی وہ بہو بیاہ کرلانے کی تمنا کریں۔ ورنہ بیٹے کا سہرا دیکھنے کی ہوس میں پرائی جائی کو تختۂ مشق بنانے کے لئے بیاہ کرلانا سخت خودغرضی و ظلم ہے۔ جسکا نتیجہ تلخی کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد لڑکوں کا متاہل زندگی کے آغاز میں پہلا فرض یہ ہے کہ وہ بیوی کے دل میں اپنے رفتار گفتار

سے والدین کے احترام کا سکہ بٹھا دے۔ جس کے لئے خود کو والدین کا مطیع و فرمانبردار رہنا لازمی ہے۔ کہ یہ ہستی حقیقت میں قابل احترام و ادب ہی ہے۔ جن کے ادب و احترام کے لئے خود خدائے احکم الحاکمین اپنے کلام پاک میں جا بجا حکم فرماتا ہے کہ " تمہارے پروردگار نے حکم دیا کہ نہ عبادت کرو مگر اوسی کی (اللہ کی) اور والدین کے ساتھ نیکی کرو اگر اُن میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے اُف بھی نہ کرو اور نہ اُنہیں جھڑکو اور اسنے ادب سے بات کرو اور انکے سامنے مہربانی سے عاجزی کے بازو جھکاؤ (یعنے انسے عاجزانہ برتاؤ کرو) اور کہو کہ میرے پروردگار ان دونوں پر مہربانی فرما جیسا انہوں نے مجھے لڑکپن میں پالا۔ سورۂ بنی اسرائیل آیت ۲۳ و ۲۴۔ اسی طرح سورۂ عنکبوت ۲۹ کی آیت ۸ اور سورۂ لقمٰن کی آیت ۱۴ سورۂ احقاف ۴۶ کی آیت ۱۵ اور اس کے سوا جا بجا کئی مقام پر والدین کے احسانات انسے نیکی و بھلائی کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ روز اول سے اگر والدین کی بے لوث محبت و جان نثاری۔ بے شمار تکالیف و ایثار۔ حد درجہ تحمل و قربانیوں کا ذرا غور و ٹھنڈے دل سے وہ مطالعہ کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ لڑکے اپنے ایسے محسن و مشفقوں سے سرکش و باغی ہو کر خود غرضی پر تُل جائیں۔ جس نے اپنی جان عزیز جوکھوں میں ڈال کر آرام و چین کو خیرباد کہہ کر اس قابل بنا دیا کہ اس کے صلہ میں اب وہ راحت و چین کی کچھ زندگی گزار سکنے کی مستحق ہوں۔ نہ کہ قابل التفات سمجھکر الگ رکھ دینے کے قابل۔ زمانہ کی رفتار اور زندگی کے ضروریات اگر انہیں الگ کر دیں تو وہ اور بات ہے کہ جس کے لیئے والدین بھی بخوشی آمادہ ہو جاتے ہیں۔ مگر اپنے آرام و چین کی خاطر یا زن مریدی کی دھن میں ایسے قابل ادب و احترام ہستیوں سے یہ سلوک انسانیت سے بعید ہے۔ جسکا نتیجہ انھیں عمر بھر میں کسی نہ کسی صورت میں بھگتنا ضرور پڑتا ہے جسے وہ محسوس کریں یا نہ کریں۔ دوسری بات یہ ہے کہ لڑکوں کو ساس بہو کے درمیان دخل دینے کی مطلق ضرورت نہیں کہ اس سے کسی ایک کی طرفداری ہو کر آپس میں جھگڑے کا بیج بو دیتی ہے۔

اسی طرح بہوؤں کو اس نئی زندگی میں قدم رکھتے ہی یہ بات ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ جب خدا نے انہیں میکہ کی زندگی ختم کر لینے کے بعد سسرال میں قدم رکھنا نصیب کیا تو اب یہاں ان پر کن کن فرائض کی ذمہ داری عاید ہو گئی اور وہ کس غرض سے بہو بنکر آئی ہیں۔ تو پہلا فرض انھیں یہی معلوم ہو گا حکم خدا و رسول کے مطابق میاں کو خوش رکھنے کی کوشش کریں۔ جسکا ایک بڑا جز میاں کے والدین و عزیزوں سے نیک سلوک اور ادب و احترام ہے اور وہ اپنے عزیزوں اور والدین کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔ بس اس گُر کو بشوق و رغبت پیش نظر رکھ کر فرمانبرداری و اطاعت۔ انکساری و صبر و قناعت۔ مزاج دانی و محبت۔ کم سخنی و نفس کشی۔ اور راضی برضا رہنے کی عادت اپنے میں پیدا کریں۔ سسرال کی بدسلوکی کا میکہ میں اظہار نہ کریں کہ اس سے اپنی کی وقعت میکہ میں بھی گھٹ جاتی ہے

گر امیر گھرانہ کی بیٹی ہو عیش و عشرت میں دن گزارے ہوں۔ ناز و نعم میں پرورش پائی ہو۔ مگر حالت بدلتے ہی طبیعت بدل دینا چاہیے اور "پانی تیرا رنگ کیسا تو جس میں ملے ویسا" ہونا چاہیے۔ کہ تکلیف بغیر راحت نہیں ملتی۔ لوبان جلے بغیر خوشبو نہیں دیتا۔ دانہ مٹی میں ملے بغیر خرمن نہیں لاتا۔ حنا پسے بغیر نہیں رنگ دیتی گو دشوار گزار منزل معلوم ہوتی ہو۔ مگر فلاح دارین حاصل کرنے کے ذوق و شوق میں بخوشی و رغبت یہ منازل عبور کروگی تو یہی کانٹے پھول بنجائیں گے اور انشاء اللہ کامیابی کا سہرا سر رہیگا۔ اور پھر خود کو مٹا دینے کے بعد اپنے حسن خوبی سے سسرال والوں پر اپنا اثر جما لینے کے حسب دلخواہ انتظام کر لینا خوبی کی بات ہے کہ ؎

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد ہر کہ خود را دید او محروم شد

ورنہ ابتداء ہی میں "من آنم کہ من دانم" پر عمل پیرا ہو کر خود سری، خود داری، زبان درازی، ترش روئی، تن آسانی۔ رعونت۔ غرور اور فضول خرچی سے کام لینا اپنے کو مشکلات میں ڈال دیتا ہے۔ اور پھر یہی تو تو میں میں اور آئے دن کے جھگڑوں سے زندگی وبال ہو جاتی ہے۔ اور الگ رہنے کی دشواریاں تو پھر آگے چلکر جو رنگ لائیں گی وہ الگ کہ بزرگوں۔ سرپرستوں اور عزیزوں کے وجود باعث رحمت و برکت اور راحت ہوا کرتے ہیں۔ جب تم اپنوں کو ہی اپنا نہ بنا سکیں تو اوروں یا غیروں کو اپنا بنانا کارے دارد۔ جو ان نعمتوں سے محروم ہوا کرتی ہیں انکے دل سے اس نعمت کی قدر و قیمت پوچھو کہ وہ اس کمی کو کس طرح افسوس کے ساتھ محسوس کر کے ہمیشہ دوسروں کی محتاج رہا کرتی ہیں۔ پھر بھی اصلی ہمدردی و محبت مفقود۔ چنانچہ میری ایک پرانی واقف کار بہن جو آج برسوں سے ہیڈ مسٹرس کے عہدے پر ممتاز ہیں۔ ہر طرح آسائش و نوکر چاکر کی موجودگی میں بھی اپنے یکہ و تنہا رہنے اور عیالداری کی وجہ بچوں کی پرورش پر شاکی رہا کرتیں کہ بغیر بزرگوں و عزیزوں کے بچوں کی دیکھ بھال و پرورش سخت مشکل مرحلہ ہے خصوصاً بچوں کی علالت میں انکا علاج معالجہ رکھ رکھاؤ اور تیمارداری سوا انکے سرپرستوں و ہمدردوں کے ہونا محال مجھے تو ایسے وقتوں میں کوئی مشورہ دینے والا بھی نہیں۔ گو نوکروں ماماؤں سے مدد لی جائے مگر عزیزوں کی سی ہمدردی ان میں عنقا۔

اسی طرح زچگی۔ بیماری اور حوادثات وغیرہ میں ان ہستیوں کی اشد ضرورت و قدر محسوس ہوا کرتی ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ "قدر عافیت کسے داند کہ بمصیبتیں گرفتار آید"

جیسی کہ ایک بہو صاحبہ سسرال سے متنفر ہو الگ تو رہیں مگر زچگی کے موقعوں پر ہمیشہ ساس و دیورانیوں کی محتاج رہا کرتیں۔ ایک خود غرض بہو بیگم سسرال کو بہ نظر حقارت دیکھ ان میں رہنا اپنی کسر شان سمجھکر میاں کو لیکر الگ رہیں۔ چندہی روز میں سرپرستوں کی غیر موجودگی میں میاں کے اطوار بدلنے لگے کہ بیوی صاحبہ کی زندگی

اب وبال ہونے لگی اور یہی تنہائی کاٹ کھانے لگی تو مجبوراً اب خسر و دیور کی مدد لینے کے لئے سسرال میں آکر رہنا پڑا۔

اسی طرح ایک مزاج دار بہو نے اپنی خودداری کے زعم میں میاں کو لے سسرال سے الگ ایک دور مقام پر جا رہیں۔ خدا کی شان کہ اس نخوت کو کچلنے کے لئے ایسی بیماری نے آگھیرا کہ اب وہی ساس نندوں کے مدد کی ایسی محتاج ہوگئیں کہ بہ ہزار منتوں انہیں اپنے پاس پاس لا لا کر رکھتیں آخرش با وجود نوکروں کے بھی انہیں کے پاس میاں کو لیجا کر رکھنا پڑا کہ سوا عزیزوں کے تیمارداری مشکل ہے مگر اسقدر دلوں کو توڑ دینے کے بعد اب یہاں اصلی محبت مفقود تھی صرف انسانیت اور زمانہ کا خیال بہو بیگم کی مدد کی طرف متوجہ کرواتا۔ کہ آپ کے بد اخلاقیوں نے سب کو متنفر بنا دیا تھا جو میکہ میں بھی بھاوجوں کو انکے حال پر متوجہ نہ کرسکا۔ تو پھر وہاں گزر ہوتا کیسا۔ غرض بہوؤں کی شادی کے بعد سسرال ہی کو اپنا گھر سمجھکر رہنا اور وہیں نباہ کر عزت حاصل کرنا نیک نامی کا موجب ہے۔ بہت سی بہوؤں کو باوجود ہر طرح کی نفس کشی و فرمانبرداری کے بدمزاج ساسوں سے سابقہ پڑتا ہے کہ جن کے سرشت میں ہی بدمزاجی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی رہتی ہے۔ وہاں بہوؤں کو ضبط و صبر سے کام لینا چاہئے۔ اور یوں سمجھنا چاہئے کہ ماں اگر ایسی ہوتی تو سوا صبر و درگزر کے کیا کیا جاتا۔ ایسی بدمزاج ساسوں کی بہوویں اس طرح اپنے اخلاق سے کام نہ لیں گی تو زندگی آرام و اطمینان سے نہ گزرے گی۔ اس ضبط و برداشت صلہ یہ کچھ کم نہیں کہ ایسی ساسوں کی بدمزاجی سے اور تو اور سسرال کا ہر فرد بلکہ انکی اولاد بھی بدظن۔ متنفر اور شاکی ہوا کرتی ہے۔ اور انکے پاس نباہ کرنے والی بہو کی نیک بختی۔ اخلاق و برتاؤ کے معترف۔ غمگسار اور ساتھ دینے والے بن جاتے ہیں جو بہت کچھ امداد اور حوصلہ افزائی کا کام دیتی ہے۔

آخر میں لڑکی کے والدین کے لئے یہ سب سے بہتر زریں مشورہ ہے کہ وہ اپنی ناتجربہ کار کم سن بچیوں کی اعلیٰ اعلیٰ قسم کی تعلیم کے ساتھ انکی آیندہ زندگی کو سنوارنے اور خوشگوار بنانے جیسی تربیت کو ملحوظ رکھیں کہ جہاں آپ کے لخت دل کو جاکر ہمیشہ رہنا ہے وہاں وہ ہر دل عزیز ثابت ہوں۔ فقط اعلیٰ تعلیم کی ڈگریاں حاصل کرکے نہ وہ مرد بن سکتی ہیں اور نہ ہی میکہ میں وہ تمام عمر گزار سکتی ہیں بلکہ بلوغت کے بعد ہی انکا وجود والدین کو وبال ہوجاتا ہے۔ اور انہیں کہیں ٹھکانے لگا دینے کی فکر میں پریشان و سرگردان نظر آتے ہیں۔ تو پہلا فرض اور سچی ہمدردی والدین کی یہی ہے کہ وہ اپنی غریب بچیوں کو نیک بخت بہو۔ اچھی اور سچی بی بی اور بہترین ماں بننے کی تعلیم و تربیت دیں اور ایسے ہی نصایح سے انکے دل و دماغ کو مزین کریں جس میں خود تمہاری نیک نامی ہے کہ اچھی اولاد کے ماں باپ سراہے جاتے ہیں ورنہ کلنگ کا ٹیکہ

لئے تمہارے ماتھے لگ جائے گا۔ بری باتوں میں انکی حمایت کو روا نہ رکھو اور انکی طرفداری میں سسرال والوں سے کبھی شاکی نہ ہوں۔ بلکہ اپنی لڑکیوں کو ہی تلقین کی جائے کہ اب جہاں تم ہو تمہارا گھر اور وہی سسرال والے تمہارے عمر کے ساتھی۔ ان میں ہی رہ کر انکو اپنے حسن وخوبی۔ ادائیگی فرائض۔ خوش خلقی۔ اور فرمانبرداری سے اپنا بنا لینا اب تمہارا کام ہے۔ شکوہ شکایت سے خرابی و کدورت پیدا ہوتی ہے۔ اس سے پرہیز کرنا چاہیئے وغیرہ وغیرہ انکے حسب حال ہدایتیں کی جائیں۔ ماں بعد از شادی بھی آپ ان سے نیک سلوک رکھیں کہ وہ تمہاری بھی حقدار ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ بیٹی کو بیاہ کر ہمیشہ کے لیئے سبکدوش ہو جاؤ کہ پھر کسی طرح کا اسکا خیال ہی نہ رہے۔ اس سے ایک تو ان مظلوم ہستیوں کی حق تلفی ہوتی ہے اور دوسری بات یہ کہ سسرال میں انکی وقعت گھٹ جاتی ہے۔ بلکہ لڑکی کے سوا داماد اور سسرال والوں سے بھی راہ ورسم۔ تحفہ تحائف لڑکی کے دل کو بڑھاتا اور اس کے قدر ومنزلت میں ترقی کرواتا ہے۔

غرض لڑکیوں کے حق میں اگر بہتری چاہتے ہو تو پہلے انھیں خانگی زندگی میں کمال حاصل کر سکنے کا نمونہ بناؤ۔ جس کے لیئے انتظام خانہ داری۔ خوش سلیقگی۔ خوش اخلاقی۔ ہمدردی۔ انکساری ہر ایک کے حسب درجہ ومراتب سلوک۔ مذہبی واقفیت وغیرہ وغیرہ بڑے بڑے کورس ہیں جو والدین کی تعلیم وتربیت اور بہن بھائیوں کی صحبت میں حاصل ہونا چاہیئے کہ ایک عورت کی ذات گھر۔ گھر سے خاندان۔ خاندان سے قوم اور قوم سے ملک بنانے اور بگاڑنے کا موجب ہوا کرتی ہے۔

سردار محمدی بیگم بنت مرحوم نواب آف وائی

رخصتی کا منظر

از لسان الھند حضرت عزیز لکھنوی

(۱) بزم شادی میں یہ ہنگامہ ماتم کیوں ہے
منزل عیش و طرب میں اثر غم کیوں ہے
دیکھئے جسکو وہ با دیدہ پُرنم کیوں ہے
دفتر عیش کا شیرازہ یہ برہم کیوں ہے
جو ہوا آتی ہے وہ درد فزا آتی ہے
سازِ عشرت سے غم انگیز صدا آتی ہے

(۲) ماں سے رخصت کے لیئے تازہ عروس آتی ہے
تحفۂ درد جدائی بھی مگر لاتی ہے
دفعتہً دل پہ گھٹا رنج کی چھا جاتی ہے
خود بھی روتی ہے اعزہ کو بھی رُلواتی ہے
مُنہ سے کہتی نہیں کچھ۔ آنکھ سے آنسو ہیں رواں
لب خاموش میں ہے دفتر معنی پنہاں

(۳) میں سمجھتا تھا محل یہ کوئی رونے کا نہیں
فقط اک رسم ضروری ہے کہ ہیں سب غمگیں
جب خوشی چھائی ہوئی ہو کوئی روتا ہے کہیں
تجربہ سے مگر اب دل کو ہوا ہے یہ یقیں
سخت پتھر بھی اگر ہوں تو پگھل جائیں گے
اشک بیساختہ آنکھوں سے نکل جائیں گے

(۴) سر کو نہوڑائے کھڑی ہے وہ بصد حسرت و یاس
رخ پُر نور پہ افشاں ہے مگر غم سے اُداس
پہنچ ہے اوسکی نگاہوں میں وہ شاہانہ لباس
زلف آراستہ ہے اور پریشاں ہیں حواس

ٹھنڈی سانسوں سے جدائی کا فسانہ سن لو

لب ہیں خاموش مگر غم کا ترانہ سن لو

خون میں جوش ہے اور ماں پہ نگاہِ رخصت (۵) لاکھوں ارمان ہے اور تنگ ہے وقتِ فرصت

دِل میں اک درد ہے کہنے نہیں دیتی غیرت آج ہے پیش نظر ماں نے جو دی تھی راحت

غم یہ ہے " جب مری خدمت کا زمانہ آیا

آسماں دیکھئے پیغام جدائی لایا"

"اپنی ماں کا مجھے دنیا میں سہارا ہے فقط (۶) آج سامان ہے جو کچھ وہ تماشا ہے فقط"

"یہی عقبیٰ ہے مری اور یہی دُنیا ہے فقط وہ گلے مجکو لگالیں یہ تمنا ہے فقط"

منتظر ہوں کہ وہ آئیں تو بلائیں لیلوں

وقتِ رخصت ہے قریب اونکی دُعائیں لیلوں

"دیکھتی جاتی ہوں گھونگھٹ سے میں اونکا چہرا روتی جاتی ہیں مگر کام میں ہے ہاتھ بٹا"

"میری جانب نظر اوٹھتی نہیں۔ ہیں اونپہ فدا دِل کا عالم میں سمجھتی ہوں کہ اس وقت ہے کیا"

"بات کرتی ہیں تو آواز ہے بھرائی ہوئی

آنکھیں یوں سرخ ہیں جس طرح سے ہوں آئی ہوئی"

دِل میں لڑکی کے خیالات کا تہا ایک ہجوم (۸) وقت رخصت کا قریب آگیا گھر میں ہوئی دھوم

ماں اُٹھی فرط محبت سے ملول و مغموم دِل بیتاب کی حالت ہے خدا کو معلوم

دِل میں رہ رہکے جو اِک ناخن غم گڑتا ہے

پانو رکھتی ہے کہیں اور کہیں پڑتا ہے

مادری جوش محبت کا دکھایا آخر (۹) پیاری بیٹی کو گلے بڑھکے لگایا آخر

طاقت ضبط نہ تھی دل میں پھر آیا آخر　　اس طرح روئی کہ گھر بھر کو رُلایا آخر

ہو گئے رنج سے بیتاب گھرانے والے

روئے دل کھول کے آخر کو چھڑانے والے

ماں کا کہنا کہ "خدا حافظ و ناصر بیٹی (۱۰)　　میرے دل کا ہے وہی شاد و ناظر بیٹی"

"دُکھ یہ دُکھ جھیلے ہیں میں نے تری خاطر بیٹی　　ہوں مدد کے لیئے ہر وقت میں حاضر بیٹی"

"نیک ساعت ہو یہ ایسی کہ تو آباد رہے

میل آپس میں رہے چین کرے شاد رہے"

"اجنبی مرد کے ہاتھوں میں دیا ہے دامن (۱۱)　　کیسے اطوار ہوں کیا جانیئے کیسے ہوں چلن"

"یہی وسواس ہے دن رات یہی ہے دھڑکن　　دور کر بار الٰہا مرے دل کی اُلجھن"

"تو سکھا دے اسے خدمت اور سے اُلفت کرنا

عمر بھر اب مری بچی کو ہے مرنا بھرنا"

ایک خاتون نے دیکھا جو یہ ہنگامہ غم (۱۲)　　آگے بڑھکر یہ کہا پونچھ کے چشم پُرنم

"بی بیو گھر ہے یہ شادی کا کہ بزم ماتم　　شکر کی جا ہے کہ داماد ملا نیک قدم"

"اب یہی راج تمہارا ہے یہی سر کا تاج

سجدۂ شکر کرو تم کہ سبکدوش ہو آج"

"نیک بَر اوسکو ملا کیا یہ نہیں شکر کی جا　　کون موقع ہے کہ رو رو کے بہاؤ دریا"

"لڑکی ہلکان ہوئی جاتی ہے دیکھو تو ذرا　　آنسو تھمتے نہیں اوس کے یہ ہے کیا ظلم بھلا"

چاند سے رخ پہ جو افشاں ہے بہی جاتی ہے

داستاں یہ کہیں اس وقت کہی جاتی ہے

نحوست

"تہذیب" میں محترمہ بہن رضویہ خاتون صاحبہ کا مضمون بعنوان "منگل کا دن" پڑھکر مجھے بھی وہم پرستوں کا ایک اور عقیدہ "نحوست" یاد آگیا۔ بعض کام تو عام طور پر منحوس سمجھے جاتے ہیں۔ مثلاً منگل کے دن کوئی کام نہ شروع کیا جائے۔ تیرہ آدمی ایک ساتھ بیٹھکر کھانا نہ کھائیں وغیرہ وغیرہ۔ اس کی پابندی ہر ضعیف الاعتقاد کے لیے لازمی ہے۔ مگر اس کے علاوہ کوئی خاص چیز یا خاص کام کسی مخصوص شخص کے لیے منحوس خیال کیا جاتا ہے۔ جسکو عام طور پر "راس نہیں آتا" کہتے ہیں۔ جاہل لوگوں میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ متواتر کئی مہینے تک جو بچہ بیمار رہتا ہے۔ اسکا نام تبدیل کردیتے ہیں۔ گویا یہ نام کی نحوست تھی جو بدل دینے سے زائل ہوگئی۔ لیکن میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب میں نے ایک نہایت فیشن ایبل اور بزعم خود روشن خیال خاتون کو فرماتے سُنا کہ "فیروزہ مجھے "راس" نہیں آتا ہے۔ جب کبھی میں نے کوئی انگوٹھی یا زیور جس میں فیروزہ جڑا ہوا ہو پہنا مجھ پر کوئی نہ کوئی مُصیبت ضرور آئی"۔ ایک اور صاحبہ کا قول ہے "جب میں زرد رنگ پہنتی ہوں یقینی بیمار ہوجاتی ہوں"۔ کس قدر مضحکہ خیز خیالات ہیں۔ انکو بارہا سمجھایا گیا کہ کوئی چیز دراصل مُبارک یا منحوس نہیں ہے۔ بلکہ صرف آپکے خیال کا کرشمہ ہے۔ کوئی نئی چیز پہنی یا نیا کام کیا اسی دن اتفاق سے کوئی کام آپکی خواہش کے مطابق انجام پاگیا تو آپنے اسکو مُبارک کہہ لیا۔ اگر خدانخواستہ خلاف مرضی ہوا منحوس قرار دے لیا۔ پس کسی شے کے سعد ونحس ہونے کی اس سے زیادہ اصلیت تو میرے نزدیک ہے نہیں۔ دُنیا کے کام برابر جاری ہیں۔ ہونیوالی بات ہوکر ہی رہے گی خواہ وہ چیز آپ استعمال کریں یا نہ کریں۔ آخر یہ چیزیں دنیا میں استعمال ہی کی جاتی ہیں۔ پھر خدا معلوم آپ کیساتھ انکو کیا خاص عداوت ہے؟ لیکن وہ نہایت مستقل مزاجی سے آجتک اسی خیال پر قایم ہیں۔ ایک تعلیم یافتہ بہن کو وہم ہے کہ ماہ صفر میں نئے کپڑے جبنے انکے گھر میں منحوس ہیں۔ جب کبھی نئے کپڑے صفر میں سیئے جاتے ہیں۔ تو اسی مہینے میں ایک کفن بھی ضرور سلتا ہے۔ اس لغویت کی بھی کچھ انتہا ہے، یہ بھی اتفاقیہ امر ہوگا۔ ورنہ کپڑوں کا خواہ کبھی بنائے جائیں کوئی اثر انسانی زندگی پر نہیں پڑسکتا۔ اور ایک کپڑوں پر ہی کیا منحصر ہے کوئی چیز بھی انسان کو وقت سے پہلے نہیں مار سکتی۔ اور کوئی تدبیر بھی موت کے وقت کو ٹال نہیں سکتی۔ پھر ہم کو ان خرافات میں پڑکر ناحق کی پریشانیوں میں گرفتار ہونے اور اپنے سر عذاب لینے سے کیا حاصل؟ بجز خدائے قادر کی ذات کے اور کسی کو انسان کی موت وحیات پر قدرت حاصل نہیں ہے۔ ایک ایسے غیر اختیاری فعل کو باطل خیالات مفوضہ توہمات کی طرف منسوب کرنا۔ سراسر ایک مسلم کی شان سے بعید ہے +

ایم۔ بانو حیدرآباد دکن

مریخ میں آبادی

(نوشتہ مولوی محمد ظفر صاحب ایم اے ایل ایل بی)

مریخ سیارہ ہمارا پڑوسی ہے۔ مدتوں سے یہ خیال سائنسدانوں کو پریشان کر رہا ہے کہ مریخ میں انسان آباد ہے اور وہ ہم سے زیادہ شائستہ اور مہذب ہے۔ ہم نے پون صدی پیشتر کے انگریزی رسالوں میں بھی یہی خیال آرائیاں دیکھی ہیں۔ لیکن حضرت انسان جس تجسس میں پڑ جاتا ہے اُسے نسلاً بعد نسلٍ جاری رکھتا ہے۔ آنچہ پدر نتواند پسر تمام کند۔ ممکن ہے کبھی وہ زمانہ آئے کہ ہم کہہ سکیں کہ مریخ آباد ہے یا بالکل آباد ہی نہیں ہے۔

مریخ بالکل ہماری زمین سے ملتا جلتا ہے۔ اس میں ہوا پانی سبزی اور ۲۴ گھنٹے کے دن رات کا ہیر پھیر اور ان کا درجۂ حرارت معمولی گرم اور شب کا درجۂ حرارت معمولی سرد پایا جاتا ہے۔ یہی اُمور اس خیال کا باعث ہیں کہ وہاں انسان بستے ہیں۔ دُور بینوں سے پہلے محققوں کو اس میں مدتوں نہروں کا گمان رہا جن کو موجودہ تحقیقات نے وسیع پایا دریا کی گھاٹیاں قرار دیا ہے۔

پہلے ان خیالات کے حریف انسانی آبادی کے امکان کا بُری طرح مذاق اُڑاتے تھے لیکن اب سنجیدگی سے غور کرنے پر نتیجہ خیز مباحثہ ہونے لگا ہے۔ ایک خیال یہ ہے کہ وہاں آبادی بالکل نہیں۔ دوسرے یہ کہتے ہیں کہ اگر وہاں آبادی ہے تو وہ زمین کے انسان سے بالکل مختلف ہے۔

ہم پہلے اس بحث کو لیتے ہیں کہ وہاں آبادی ممکن نہیں۔ سیاروں کی ابتدا پردہ خفا میں ہے۔ اس زمانہ کا نظریہ یہ ہے کہ کسی زمانہ میں سورج روشن گیس کا ایک بہت بڑا جرم تھا۔ کسی دوسرے بڑے جرم کے قرب میں آنے سے اس کے دونوں طرف مدوجزر کے اثرات تحریک میں آ گئے۔ اس اشتعال و بر انگیختگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ چھوٹے بڑے تودے سورج سے الگ ہو گئے اور وہ اس کے اردگرد پھرنے لگے۔ بعضوں نے ایک دوسرے کو کشش سے کھینچنا شروع کر دیا اور وہ متحد ہو گئے اور وہ بڑے بن کے بھی سورج کے گرد طواف کرتے رہے۔ یہ جرم جو ان علیحدہ ہو جانے والے ٹکڑوں سے ہے بعد میں سیارے بن گئے۔ اسی طرح چھوٹے جرم سیاروں کے جوار میں متحد ہو کے ان کے توابع بن گئے۔ اس نظریہ کو اگر صحیح مانا جائے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چاند بھی ہماری زمین کا حصہ نہ تھا۔

اس قسم کے نظریوں کا کوئی قطعی ثبوت سائنسدانوں کے پاس نہیں اس لئے یہ ہر وقت ممکن ہے کہ یہ نظریہ

غلط ثابت ہو کے دوسرا متضاد قایم ہو جائے۔ بہرحال اس نظریہ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ سیارے کب کب وجود میں آئے۔ کون پہلے بنا کون بعد میں۔ سیاروں کے مابین جو فاصلے ہیں ان کا کوئی تعلق اُنکے چھوٹے بڑے ہونے سے نہیں کیونکہ مشتری سب سے بڑا سیارہ ہے وہ فاصلہ کے لحاظ سے مریخ کے بعد ہے اور نیپچون سورج سے سب سے زیادہ دور ہے مشتری سے آدھا ہے۔ ایک سیارہ میں ارتقا کا عمل جس وقت واقع ہوا ممکن ہے دوسرے سیارہ میں ویسا ہی عمل ہزاروں برس بعد ہوا ہو۔ مثلاً جب زمین پر ارتقا کے عمل سے زندگی کے آثار نمودار ہوئے ممکن ہے مریخ پر ایسے آثار بہت پہلے یا بہت بعد میں ظاہر ہوتے ہوں۔ ایسے آثار زندگی موجود ہونے کے امکانات اس سے پیدا ہوتے ہیں کہ زمین کی طرح مریخ میں زمین پانی برف بادل پائے جاتے ہیں۔

لیکن حالت یہ ہے کہ زمین سے سورج جتنا بڑا نظر آتا ہے مریخ سے بہت چھوٹا نظر آئیگا چنانچہ روشنی وہاں کم تیز پہنچے گی اور حرارت بھی کم ہی جائے گی۔ اس طرح وہاں کے اور یہاں کے درجۂ حرارت میں بہت بڑا فرق ہوگا۔ مریخ پر کشش ثقل زمین کے مقابلہ میں تین چوتھائی ہے اس لیے کرۂ ہوا زیادہ کثیف نہ ہوگا یعنی سطح پر ہوا کا دباؤ کم ہوگا ہوا سطح سے زمین کے مقابلہ میں زیادہ دور تک پھیلی ہوئی ہوگی۔ بادل زیادہ ہلکے ہونے کی وجہ سے بہت اونچے اُڑتے ہونگے۔ پانی آسانی سے گو آہستہ آہستہ بخارات بن کے اُڑتا ہوگا۔ زمین میں زندگی قایم رکھنے کے حالات اب زیادہ موافق ہیں۔ ہوا میں آکسیجن نائٹروجن اور کاربن ڈائی اوکسائڈ درست تناسب کے ساتھ موجود ہو تو زندگی کا قیام ممکن ہے۔ پہلے ان اجزا میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی لیکن اب تناسب درست قایم ہو گیا ہے جس سے نباتات اور حیوانات دونوں قایم رہ سکتے ہیں۔

سب سے پہلے زندگی کے آثار زمین پر شفاف لعاب دار چیز کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ جب یہ شکل نمودار ہوئی اسوقت درجۂ حرارت رطوبت ترکیب کیمیائی وغیرہ کی خاص کیفیت ہوگی جو پھر کبھی پیدا نہیں ہوئی۔ یہ لعاب حالات ارض سے تقویت پا کے بڑھتے بڑھتے موجودہ حیوانات کی شکل میں اختیار کرتا گیا۔

نباتات میں سبز رنگ کا لیس جو نہایت نفیس وباریک ذرّوں کی شکل میں ہوتا ہے دھوپ سے طاقت اور ہوا سے غذائی اجزا حاصل کرنے کا باعث ہے۔ جانوروں میں سُرخ رنگ کا مادہ آکسیجن (عمدہ ہوا) اندر لینے اور کاربن (خراب ہوا) باہر نکالنے کا کام کرتا ہے۔ ابتدائی جانوروں کے نظام عصبی کی ساخت ایسی تھی کہ ہو یا پانی اُن اندرونی خانوں کے بالکل قریب رہتا تھا۔ جن کے سکڑنے اور پھیلنے سے خون گردش میں آتا ہے جیسے سپنج جو پانی کی ایک جاندار شے ہے اسکا ہر خانہ پانی سے ہر وقت مس کرتا رہتا ہے۔ موجودہ زمانہ کے جانوروں کے نظام عصبی میں یہ خانے بہت اندر ہیں۔ غذا اور قوت حاصل کرنے کے ساتھ یہ ضرورت بھی پیش آئی کہ جسم کے قایم رکھنے کے لیئے کوئی سہارا ہو۔ جیسے کچھوا اور اوس کی قسم کے جانور جن کی پشت پر سخت خول ہوتا ہے۔ دوسرے

جانوروں کے لیئے ہڈی ظہور پذیر ہوئی۔ حتے کہ اب تقریباً سب جانداروں کے جسموں میں ہڈیاں پائی جاتی ہیں جو سہارہ کا کام دیتی ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ارتقا کا یہ عمل مریخ میں بھی پیش آیا ہے یا نہیں ؟ چونکہ مریخ اور زمین کی آب وہوا میں بہت کچھ فرق ہے اس لیئے ارتقائی منزل یکساں ہو ہی نہیں سکتی۔ کیا وہاں کے باشندوں نے اسی طرح خون اور ہڈیوں کے حاصل کرنے کی منزلیں طے کیں ؟ یہ بہت ممکن ہے کہ وہاں کا طریق عمل بالکل مختلف ہو۔

زمین پر مختلف چیزیں مختلف آب وہوا میں پرورش پانے کی وجہ سے اپنی اصلیت سے بالکل جداگانہ شکل اختیار کر گئی ہیں۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ مریخ میں یہی صورت پیش آئی ہو۔ غور کرنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ مریخ میں جاندار آبادی کا امکان بہت ہی کم ہے۔ اور اگر آبادی ہے تو وہ زمین کی آبادی کی ہم عصر نہیں ہو سکتی۔ زمین پر مختلف جاندار آباد ہیں۔ کیڑے مکوڑے پرندے ہاتھی گینڈے درخت آدمی وغیرہ۔ انکی اقسام بیشمار ہیں۔ جب زمین پر جاندار ہستی کی صورتیں بیشمار ہوں اور مختلف حالات کا انکے وجود پر مختلف اثر پڑا ہو تو یہی کہا جائے گا کہ اگر مریخ میں یا کسی اور ستارے میں آبادی ہے تو وہ یقیناً یہاں سے بالکل جداگانہ چیز ہوگی۔ وہاں کا انسان خدا جانے کس صورت شکل کا ہوگا۔ زیادہ تر یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ زمین کے سوائے سب ستارے غیر آباد ہیں۔

مریخ پر پہاڑ نہیں معلوم ہوتے اور وہاں غالباً کبھی برف کا زمانہ نہیں گزرا اس لیئے وہاں کے انسان کا ہوش وادراک ارضی انسان کے مقابلہ میں کچھ اور ہی چیز ہوگا۔ دُوربینوں سے دیکھنے کی کوشش کی گئی کہ اگر وہاں کا انسان عقل وہوش میں یہاں والے سے ملتا ہے تو وہاں بھی وہی چیزیں نظر آئیں گی جو یہاں تہذیب کا لوازمہ ہیں۔ مریخ کی رات دیکھنے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن اس کا ہمیشہ روشن پہلو زمین کے سامنے رہتا ہے اور زمین کا ہمیشہ تاریک پہلو مریخ کے سامنے رہتا ہے۔ یہ اس وقت کی کیفیت ہے جب مریخ زمین کے قریب رہتا ہے۔ جب اس کی رات ہمارے پیش نظر ہوتی ہے تو وہ زمین سے اتنی دور ہوتا ہے کہ مشاہدہ بہت مشکل ہوتا ہے۔ چنانچہ موجودہ دُوربینوں سے وہاں کے شہروں کی روشنی نظر نہیں آتی۔ اگر گیس کی روشنی نظر آجاتی تو سمجھا جاتا کہ وہاں والوں کی عقل ہماری جیسی ہے۔ اب کیلیفورنیا میں ایک ۲۰۰۔ انچ والی دُوربین بنائی جارہی ہے اس کے متعلق اُمید کی جاتی ہے کہ روشنی جیسی چیز ہمکو نظر آسکے گی۔ اگر نظر نہ آئے گی تو کہا جائے گا کہ وہاں کے انسان عقل وادراک میں ہم سے بہت درجہ میں ہیں۔

بعض ہیئت دانوں کا خیال ہے کہ اگر تمام ستاروں میں جاندار آبادی فرض کرلی جائے تو اس کے یہ معنے ہیں

کہ اس تمام نظام میں جاندار ہستی کے اجزا ایک ہیں اور وہ خلا میں روشنی کے دباؤ کے اثر سے ایک سیارہ سے دوسرے سیارے تک اڑ اڑ کے پہنچ گئے ہیں۔

مریخ پر جاندار ہستی کے وجود کے ماننے والے کہتے ہیں کہ مریخ پر زمین کی طرح پہلی جاندار چیز سمندر میں پیدا ہوئی ہوگی۔ وہاں نباتات موجود ہے جس سے وہاں کا عمل ارتقا زمین سے مشابہ ہونا چاہیے۔ مریخ کی لطیف کرہ ہوا میں آکسیجن کی موجودگی مشاہدہ کی گئی ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہاں پودے اُگتے ہیں۔

دُور بینوں سے روشن اور تاریک نشان مریخ کی سطح پر پائے جاتے ہیں۔ روشن نشان سرخ یا زرد رنگ میں اور انہیں صحرا تعبیر کیا جاتا ہے۔ تاریک نشان سبز یا نیلگوں میں اور نباتات سے منسوب کیے جاتے ہیں۔ مریخ کے دونوں قطبی حصے سفید نظر آتے ہیں۔ غور و مشاہدہ سے انہیں برف مریخ قرار دیا گیا ہے۔ مریخی موسم خزاں میں یہ سفید چوٹیاں بڑھ جاتی ہیں اور ان کا رنگ زیادہ سفید ہو جاتا ہے۔ وہاں کی موسم بہار میں وہ چھوٹی ہو جاتی ہیں اور ان کے اِرد گرد نیلگوں یا سیاہ مادہ کے بڑے بڑے حلقے نظر آتے ہیں جو یا تو پانی یا نباتات کے بڑے بڑے قطعے ہونگے۔ اس موسم بہار میں ان مفروضہ نباتاتی علامات میں بھی تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ بہت سے زیادہ سیاہ ہو جاتے ہیں۔ بعض زیادہ چوڑے یا لمبے ہو جاتے ہیں۔ بہت سے نئے سیاہ دھبے ایسی جگہ نمودار ہو جاتے ہیں جہاں پہلے کوئی دھبہ نہ تھا۔ منجموں نے یہ قرار دیدیا ہے کہ یہ نشانات ضرور نباتات کے ہیں اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ ارتقا کا عمل زمین سے ملتا ہے اور اس کے بعد کا عمل ارتقا بھی جس سے انسان وجود میں آیا ضرور وہاں بھی پیش آیا ہوگا۔ لیکن اب تک کوئی انسانی علامیت نمودار نہیں ہوئی حالانکہ غور و تجسس کرتے کرتے برسوں گذر گئے ہیں۔ چونکہ وہاں پہاڑ نہیں اور ایسا زمانہ نہیں گزرا کہ وہاں ہمیشہ ہر جگہ برف ڈھکی ہوئی رہی ہو اس لیے وہاں زیادہ سے زیادہ جاندار ہستی کی شکل مچھلی جیسی ہوگی جو بڑھتے بڑھتے طرح طرح کے اژدہے بن گئی ہوگی۔ حیوانات میں چوہے گلہریاں اور بلاؤ جیسے جانور وہاں پھرتے ہونگے۔ یہ قیاس کہ اژدہے دودھ پلانے والے جانوروں کی شکل میں عمل ارتقا سے ترقی پا گئے ہیں قابل یقین ہے کیونکہ زمین میں یہ عمل موسمی تبدیلیوں کی وجہ سے جاری ہوا اور مریخ میں بھی موسمی تبدیلیاں مشاہدہ کی جاتی ہیں۔ اس لیے وہاں کی انسانی ہستی ابھی بالکل ابتدائی حالت میں ہے۔ زمین پر پہاڑوں کے بڑھنے گھٹنے آتش فشاں پہاڑوں کے زور و شور میں کمی و زیادتی اور آب و ہوا کے مدوجزر نے زمین پر جاندار ہستی کو موجودہ انسانی درجہ تک پہنچایا ہے۔ یہ باتیں مریخ پر موجود نہیں اس لئے وہاں کی انسانی ہستی بہت ہی پست حالت میں پائی جائے گی اور اس درجہ سے آگے ہرگز نہ بڑھے گی۔

مریخ پر جاندار ہستی کی صورت و شکل کے متعلق عجیب عجیب قیاسات کیے گئے ہیں۔ زیادہ تر اسے اُدو بلاؤ کی شکل سمجھی گئی ہے۔ وہ پانی کا جانور ہے اور مریخ پر پانی کی کمی ہے۔ زمین کے اُدو بلاؤ سے اسکی صورت مختلف ہوگی۔ اُس کی آنکھیں زیادہ بڑی ہونگی کیونکہ وہاں سورج کی روشنی یہاں کے مقابلہ میں کم تیز ہے ان کے جسم زیادہ لمبے ہیں کیونکہ وہاں کشش ثقل کم ہے۔ اسکے پنجے وہاں کی سطح کھودنے کے کارآمد اوزار ہونگے۔ انکی چھاتیاں چوڑی اور تنفس تیز ہوگا کیونکہ وہاں آکسیجن کم ہے۔

غرضیکہ عجیب عجیب خیال آرائیاں ہیں۔ لوگوں نے اپنی عمریں اسی غور و خوض میں ختم کر دی ہیں۔ اس شوق نے کہ وہاں کا انسان یہاں سے زیادہ تحصیل و فہیم ہے۔ بڑے بڑے سائنسدانوں کو عجیب دیوانگی میں مصروف رکھا ہے۔ اب موافق و مخالف رایوں کے پڑھنے کے بعد یہ نتیجہ قایم ہوتا ہے کہ اس انسانی اندازہ میں اب بہت کچھ تغیر ہوگیا ہے اور یہ کہا جانے لگا ہے کہ اگر وہاں آبادی ہے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ انسانی صورت شکل کی ہو۔

قرانی آیات سے یہ شبہ ہونے لگتا ہے کہ ممکن ہے کہ زمین کے علاوہ اور سیارے بھی آباد ہوں لیکن انسان کی پیدایش کا یہاں ذکر آیا ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ زمین ہی پر انسان آباد ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔ اشرف المخلوقات ہے۔ اس پر فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے بحث کی اور اللہ تعالیٰ نے انکی اس بحث کو باطل کر دیا اور کہلوا لیا کہ تو ہم سے بہتر جانتا ہے۔

ہاں یہ ممکن ہے کہ اگر سیاروں میں جاندار آباد ہیں تو وہ انسان نہ ہونگے کسی اور شکل کے ہونگے جو یقیناً انسان کے درجہ سے بہت گرے ہوتے ہونگے اور زمین کا انسان ہی سب سے افضل ہے اور اللہ تعالیٰ کا خلیفہ کہلانے کا مستحق ہے!

عہد مغلیہ میں عورتوں کی حالت

عہد مغلیہ کی تہذیب، علمی ترقی، صناعی اور انجینیری کی داستانیں دنیا کے لیے نئی باتیں نہیں ہیں عہد حاضر کا بچہ بچہ اکبر کی سیاست، جہانگیر کی علم دوستی اور شاہ جہاں کی صنعت پروری سے بخوبی واقف ہے۔ موجودہ عہد کی نصابی کتابیں ان واقعات کو دوہرا رہی ہیں لیکن اس عہد میں عورتوں کی حالت اور انکی حیثیت کے متعلق بہت کم تصانیف ہیں۔ چونکہ اس قسم کی کوئی مستقل تصنیف ابھی تک موجود نہیں ہے لہذا اس مضمون پر کچھ لکھنا آسان نہیں۔ علامہ شبلی کے چند تاریخی مقالات اور انگریزی زبان کی تاریخی کتابوں سے بہت اہم اجزاء دستیاب ہوتے ہیں اور وہی اس مضمون میں پیش کیے جاتے ہیں۔ انگریزی زبان کی ان تصانیف کے سلسلے میں لیڈی بیورج کا ہمایوں نامہ اور پروفیسر ولبری کی مشہور کتاب مغربی تمدن اور مشرقی ممالک قابل ذکر ہیں۔ ہمایوں نامہ میں گلبدن بیگم نے جو بابر کی بیٹی تھی بابر اور ہمایوں کے حالات لکھتے ہیں۔ اس کتاب سے اس عہد میں عورتوں کی حیثیت کے متعلق بہت اہم باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اس عہد میں عورتوں کا بہت احترام کیا جاتا تھا۔ بابر کی بیوی ماہم بیگم جب کابل سے ہندوستان آئی ہے تو بابر خود استقبال کے لیے گیا۔ چنانچہ ہمایوں نامہ میں اس واقعہ کا تذکرہ یوں کیا گیا ہے۔

"حضرت بادشاہ خیال داشتند کہ تاکول جلالی پیشواز روند نماز شام یکے آمدہ گفت کہ حضرت (ماہم بیگم) را در دوگروہے گذاشتہ آمدہ ام حضرت بادشاہ باہام تااسپ آوردن تحمل نہ کردند پیادہ روان شدند و در بس خانہ بنجہ ماہم درخوردند آکام می خواستند کہ پیادہ شوند بادشاہ باہام نماندند خود درجلوئے آکام آغا خانہ خود پیادہ آمدند"۔

بابر کا پیادہ پا استقبال کو جانا اور سواری کے ساتھ پیدل واپس آنا عورتوں کے انتہائی احترام کو اس زمانہ میں ملحوظ رکھا جاتا تھا ثابت کرتا ہے۔

عورتوں سے خاندانی امور اور اکثر سیاسی امور میں بھی رائے لی جاتی تھی اور انکی رائے کا خیال کیا جاتا تھا۔ اس زمانہ میں عورتوں کو موسیقی سے بہت شغف تھا اور اس میں وہ کمال رکھتی تھیں۔ موسیقی کی صحبتیں اکثر ہوا کرتیں اور بعض گھروں میں یہ معمولات سے تھا۔ ان صحبتوں میں گھر کی عورتیں گاتی تھیں لیکن ان میں صرف گھر کے لوگ شریک ہوتے تھے اور پردہ کا بہت خیال رکھا جاتا تھا۔

عورتیں شہسواری اور فنون سپہگری سے خوب واقف ہوتی تھیں اور سیر و شکار کے لیے جایا کرتی تھیں ہمایوں نے جب ایران کا سفر کیا ہے تو ہمایوں کی بیگم اُس کے ساتھ برابر گھوڑے پر سوار رہی ہے مہرانگیز بیگم کے حال میں لکھا ہے کہ

"لباس مردانہ می پوشیدند و بہ انواع نیز آراستہ بجز زرگر تراشی و چوگان بازی، تیر اندازی و اکثر سازہا می نواختند"

شادی بیاہ کے معاملے میں عورتوں کو آزادی تھی اور ماں باپ کے فیصلہ کے پہلے انکی رائے معلوم کر لی جاتی اور فیصلہ کا انحصار انہی کے رائے پر ہوتا۔ حمیدہ بیگم کے متعلق یہ مشہور روایت ہے اور ہمایوں نامہ میں بھی اسکا ذکر ہے کہ اس نے پہلے ہمایوں سے عقد کرنا منظور نہیں کیا تھا لیکن بعد میں راضی ہوگئی۔ لیکن یہ رضا جبر کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ خود اس نے اسی جگہ پر غور کر کے فیصلہ کیا لیکن ان تمام باتوں کے باوجود پردہ کا بہت خیال رکھا جاتا تھا اور عورتیں بغیر نقاب کے باہر نہیں نکلتی تھیں۔ ہمایوں نے شادی کے قبل جب حمیدہ بیگم کو دوبارہ بلایا ہے تو اس نے صاف جواب دیدیا کہ

"دیدن بادشاہان یک مرتبہ جایز است در مرتبہ دیگر نا محرم است من نمی آیم"

ہمایوں نامہ کے علاوہ تزک جہانگیری سے بھی بہت سی باتوں کا پتہ چلتا ہے۔ اس زمانہ کی عورتوں کی اختراعی قابلیت اور زنانہ کپڑے اور مستعملات کی تفصیل معلوم ہوتی ہے۔

مآثر الامراء اور تذکرہ خافی خاں بھی بہت سی باتوں کا پتہ دیتے ہیں۔ تزک جہانگیری میں ہے۔

"اکثر زیور و لباس و اسباب تزئین و تقطع کہ معمول بندست اختراعی و ابداعی اوست (نورجہاں) مثل دوداتی جہت پشواز و پنج تولیہ جہت اوڑھنی بادلہ و کناری و عطر گلاب و فرش چاندنی ہمہ وضع اوست"

خافی خاں اپنے تذکرہ میں لکھتا ہے

"اقسام زیور و لباس زنان ہندکہ در محل بادشاہی و امرائے مغلیہ تا حال رواج دارد ہمہ وضع کردۂ اوست و زیور دیرا بہ سابق کہ بسیار کلفت و بدنما بود منسوخ ساخت چاندنی کہ نفس الامر عجب فرش عیب پوش خانہ نامراد و گرد پوش فرش دولتمندان ہست و در سہائے نمود خاص دارد و وضع کردہ ہمان ست و اقسام جنس بادلہ کہ قسم سنگین آنرا بنام بادشاہ و کارخانہ موسوم ساخت و جنس سبک کہ از تمام خلعت عروس و داماد مردم نامراد بہ پانزدہ و بست روپیہ تمام شود و دیگر تصرفہائے بجائے اوکہ برائے روبہ برائے شاہ و گدا بہ کار آید زیادہ از ان ست کہ تفصیل آن

توان پرداخت"

عورتوں میں علم وفضل بہت بڑھا ہوا تھا اور عورتوں کی کثیر تعداد نعمت علم سے بہرہ یاب تھی۔ چنانچہ عالمہ فاضلہ عورتوں میں زیب النسا اور گلبدن بیگم کے نام نامی بہت زیادہ مشہور ہیں۔ مسٹر ویبری نے اپنی مشہور ومعروف کتاب تمدن مغربی میں زیب النسار کی علم دوستی پر بسیط تبصرہ کیا ہے۔ مسٹر موصوف سے پہلے بھی بہت سے علمار نے شاہزادی موصوفہ کی علمیت کے متعلق مستقل مضامین حوالہ قلم کیے ہیں اور اس سلسلہ میں مزید اضافہ کی ابھی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ شاہزادی موصوف خود بھی عالمہ تھیں اور اشاعت علم کی طرف بھی کافی توجہ کرتی ہیں اور علمار کی سرپرستی کرتی تھیں۔ میں اسی کتاب سے موصوفہ کا ایک واقعہ بنام قاضی ابو الفتح ملتانی درج کرتی ہوں۔ بعد القاب کے وہ لکھتی ہیں۔

"بتوجہات تامتناہی مخصوص ومباہی بودہ بداند عرضہ داشتیکہ مشتمل بر اُصول منظوم منطق وشروع درشرح آن نمودن ارسال داشتہ بودند بمطالعہ عالیہ عز امتیاز یافت۔ اول باید کہ شرح فارسی ابن منظوم را باتمام برسانند بعد ازاں حاشیہ بیضاوی کہ بر سورۂ بقر مسودہ کردہ اندر بیاض وادہ ارسال دارند دریں باب تاکید دانند وخاطر عاطر مارا متوجہ احوال خود شناسند کہ انشاء اللہ تعالےٰ دریں رمضان المبارک ازکرۃ برائے شما فرستادہ خواہد شد خاطر بلیغ دارند زیادہ عنایت است"

اس رقعہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اُس زمانہ میں عورتوں کو علم وفضل سے کیسا شغف تھا۔ اور عورتیں صرف دینیات اور ادب ہی میں لیاقت نہیں رکھتی تھیں بلکہ معقول میں بھی ماہرہ اور مشاق ہوتی تھیں۔ جس رسالہ منظومہ کے ترجمہ کی طرف اس فارسی خط میں اشارہ کیا گیا ہے وہ رسالہ شمسیہ ہے۔ قاضی ابو الفتح نے زیب النسا کی تحریک سے اسکا ترجمہ فارسی میں کیا۔ گلبدن بیگم کے متعلق مولانا شبلی لکھتے ہیں مسلمانوں کی سلطنت کے ابتدائی زمانہ میں یہ حالت تھی کہ بیگمات ایسی تصنیفیں کرتی تھیں جو آج مردوں سے بن نہیں آسکتیں۔ ہمایوں نامہ کے چھوٹے چھوٹے فقرے، بے تکلف الفاظ، روزمرہ عام بول چال، طرز ادا کی بیساختگی دل کو بے اختیار کر دیتی ہے۔ گلبدن بیگم ملکی اور سیاسی واقعات کو بھی انتہائی تفصیل سے بیان کرتی ہے اور "آئین" اور مؤرخین سے ممتاز نظر آتی ہے وہ اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ کس واقعہ کو سمیٹ کر اور کس واقعہ کو پھیلا کر لکھنا چاہئے وہ خوب جانتی ہے کہ کونسا واقعہ کیا اثر رکھتا ہے اور اُس کے اسباب وعلل سے کہانتک بحث کرنی چاہیئے۔

گلبدن بیگم کی یہ تصنیف زمانہ حال کی بہترین تذکروں میں شمار کی جاتی اور اس لحاظ سے گلبدن بیگم فرشتہ، خافی خاں وغیرہ کی طرح ایک زبردست مؤرخ کی حیثیت رکھتی ہے۔

مندرجہ بالا حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں عورتوں کی پوزیشن کس قدر بلند تھی اور اسکی معاشرت کتنی ترقی یافتہ تھی +

شہر بانو دختر اسد یو مظفر پور

حالتِ نسواں

سقیم حالیٔ صنفِ نسواں - جگر میں نشتر لگا رہی ہے
تہیجات غموم و حرماں سے لب پہ فریاد آ رہی ہے

جمود دلگیر ہے ہم پہ طاری - نہ تن میں روحِ حیات ساری
نہ جوشِ زن حسرتیں ہماری - گھٹا جہالت کی چھا رہی ہے

مثالِ خاشاک بارِ عالم - ہے صنفِ نسواں غریقِ صد غم
حضیضِ پستی نشین ہر دم - سمومِ نکبت چلا رہی ہے

نہ مایہ دارِ علوم و حکمت - نہ حاملِ عزم و حزم و ہمت
ہماری پستی پسند طینت - یہ منظرِ بد دکھا رہی ہے

ہیں بے نیازِ عروج و عظمت - اسیرِ ادبار و حزن و حسرت
غضب خدا کا ہماری غفلت - ہمیں جہاں سے مٹا رہی ہے

ہیں دیگراں مرکزِ ترقی - اور ہم ہیں مجروحِ تیغِ پستی
نہ زیر پا بامہائے علمی - یہ بات دل کو دکھا رہی ہے

ہے طرزِ ایام اوج پرور - ترقیات و علوم در بر
دلے بہ نسواں جہل پیکر - سرشکِ حسرت بہا رہی ہے

ہوئے جو خواہندۂ ترقی - برائے بہبود خویش ساعی
روش انہیں دہرِ عیش خو کی - ردائے علمی اڑھا رہی ہے

اے صنفِ نسواں اسیرِ نکبت - سدا ہو خواہانِ علم و عظمت
یہ دیگراں اُنکی سعی و ہمت - مئے ترقی پلا رہی ہے

بہار ساماں ریاضِ نسواں - ہو سبز و شاداب نخلِ ارماں
یہ نغمۂ صد فلاح ساماں - ندائے غیبی سنا رہی ہے

بہ چرخِ اقوام بدرِ کامل - ضیائے علم و ہنر ہو حاصل
ہو راہ سے دور سنگِ حائل - دعا لبوں پہ یہ آ رہی ہے

کمیت بادۂ ترقی - ہوں خازن گنج ہائے علمی
ہوں نازشِ دہر و فخرِ ہستی - یہ دل میں خورشید آ رہی ہے

خورشید آرا بیگم فاروقی

انعامی مقابلہ کا افسانہ

سوکن پڑیٹی

حمیدہ نے آخر دیکھا نہ بھالا سوچا نہ سمجھا، صرف دولت کے لالچ اور فریب میں آکر کمسن شکیلہ کو جھونک ہی دیا۔ ہزار پھوپی چچا خالہ نانی سب ہی نے سمجھایا مگر یہاں تو ایک ہی دُھن تھی کچھ ہو شکیلہ امیر گھر بیاہی جائے۔ ناصر علی (شکیلہ کے والد) تو کسی گنتی ہی میں نہ تھے اندر باہر جہاں تھی بی حمیدہ کی حکومت اور ان ہی کا سکہ چلتا تھا۔ جب باپ کی نہ چلی تو اور کوئی کس شمار قطار میں۔ ایک نہیں دس نسبتیں ایک سے ایک بڑھ چڑھکر آئیں مگر حمیدہ پر کلیم اللہ کی ماں حسینی بیگم نے وہ جادو نہ کیا تھا جو اُز جاتا۔ دن رات میں کئی کئی پھیرے ہوتے ہزاروں باتیں بنائی جاتیں سبز باغ دکھائے جاتے سُننے والوں کے منہ میں پانی بھر آتا۔ یہ تو ضرور ہے کہ دولت خدا نے کلیم اللہ کے گھر کثیر دی تھی مگر ساتھ ہی دو بھائی چار بہنیں برابر کی شریک تھیں ایک بیوی پہلی موجود۔ تین بچے آگے پھر رہے ہیں۔ عمر بھی خاصی ۵۵۔ ۶۰ کے لگ بھگ ہے اس زمانے کی عمریں تو ایسی ہو رہی ہیں کہ ۵۰۔ ۶۰ میں سب کچھ ہو گذرتا ہے۔ پیدا بھی ہوئے بچپن بھی گذرا جوانی میں قدم رکھا کچھ پڑھا کچھ نہ پڑھا نوکر ہوئے شادی ہوئی بال بچے ہوئے کچھ دن نہ گذرے بڑھاپے کے آثار نمودار ہوئے اور کوئی ایسا مرض کھڑا ہو گیا کہ بس چلتے بنے۔

مگر ہاں کلیم اللہ خاصا تندرست تھا کاٹھی بھی اچھی تھی خدا نے بے فکری دی تھی باپ کی مساعی جمیلہ سے کچھ دنوں کے لئے تحصیلدار بھی رہ چکے تھے۔ باپ کا مرنا تھا کہ حضرت نے استعفا دیدیا۔ یوں تو ملازمت کی کوئی ضرورت نہ تھی مگر باپ پُرانے زمانے کے آدمی تھے سرکاری نوکری کو بہت بڑی عزت خیال کرتے تھے۔ اور ہے بھی تو یہی۔ باپ کی زندگی تک تو پہلی بیوی نعیمہ سے ٹھیک گذری کیونکہ بڑے میاں اپنی بہن کی بیٹی بیاہ لائے تھے۔ مگر انکی آنکھ کا بند ہونا تھا کہ ادھر یہ گل کھلا، ماں حسینی بیگم تو نند کی بیٹی کرنے سے پہلے ہی ناراض تھیں شوہر کا مرنا تھا کہ ایک ایک کی دس دس باتیں بیٹے سے بہو کے خلاف لگنے لگیں پہلے بھی کیا کم تھیں مگر بڑے حضرت کا کچھ ڈر تھا وہ نہ رہا۔ رہنے والے تو یہ لوگ دکن کے تھے مگر کلیم اللہ کے والد یہاں ہی آئے اور ملازمت کے سبب سی پی ہی کے ہو رہے اور مستقل قیام جبلپور میں ہو گیا ناصر علی بھی کچھ ننگے بھوکے نہ تھے مگر برا وقت کسی پر نہ آئے فضول خرچیوں اور ناعاقبت اندیشیوں کی بدولت ذرا حالت گر گئی تھی پھر کسی کے محتاج نہ تھے چار مکان تھے

جسکا کرایہ دو ڈھائی سو کے قریب ماہانہ آتا تھا ایک دو گاؤں تھے جس کی کاشت سے سالانہ ۴-۵ ہزار کے قریب آمدنی ہو جاتی تھی- کلیم اللہ کے یہاں لاکھوں کا حساب تھا مکان بھی تھے زمینداری بھی تھی ٹھیکے بھی تھے باغات بھی تھے لوگ دبی زبان سے یہ بھی کہتے ہیں کہ سود بھی چلتا تھا خدا معلوم سچ ہے یا جھوٹ مگر ہیں خاصے خوشحال بھلا ایسی جگہ کی نسبت خالی پھرے تو کیسی پھرے اتنی املاک کی شکیلہ واحد مختار ہوگی جس وقت دیور جیٹھ علیحدہ ہونگے دیکھی جائے گی ابھی تو دسوں انگلیاں دسوں چراغ ہونگی- شکیلہ نام کی شکیلہ نہ تھیں ہر جگہ آپ انکے حسن کی تعریف سن لیجے کبھی کبھار اگر ماں کے ساتھ کسی محفل میں چلی گئیں زیادہ نہ سہی دو چار منٹ کے لئے تو بھی سب کی نظریں اس پر ضرور پڑ جاتیں حسینی بیگم نے خوب چالاکی کی جس محلہ میں ناصر علی کا مکان تھا اس کے قریب ہی ایک مکان کرایہ پر لے آرہیں- سواری موٹر کبھی تانگہ تو سب کچھ گھر ہی کا تھا دن کا آدھا حصہ وہاں گذارنا انکا فرض تھا- تین بیٹیاں تو بیاہی جا چکی تھیں چھوٹی سلیمہ کنواری تھی دو نواں بیٹیاں اٹھیں اور حمیدہ کے گھر جا دھمکیں ماموں کے مرنے کے بعد سے نعیمہ کی قسمت ہی پلٹ گئی تھی- طعنہ تشنیع سننا میاں کی نظروں کا تیکھی ہونا غریب برداشت کرتی اور ہمیشہ خاموش رہنے لگی- کلیم اللہ صاحب کو دن رات خوش گپیوں سے فرصت نہ تھی خدا نے انکی مراد دی تھی اور باپ کے مرنے کو کچھ زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا دوست احباب کا دل خوش کن مجمع ہر وقت لگا رہتا- کبھی ناچ کی محفل تو کبھی گانے کی کبھی شطرنج ہے تو کہیں تاش- کبھی کوئی نیا کھیل کھڑا ہوا غرض روپیہ کو صرف بہت تھے، نعیمہ گھر کے کام دھندے سے فرصت پا کر جو وقت ملتا یا تو بال بچوں کے کام کاج میں یا بس منہ لپیٹے اور پڑ رہے- خرشدامن صاحبہ کا حکم نہ تھا کہ کسی اخبار یا رسالہ یا کتاب سے دل بہلایا جائے بغیر انکی اجازت اسے میاں سے بھی بات کرنے کی مجال نہ تھی- اس طرح ۱۸-۱۹ سال گذرے- ۶-۷ سال تک کوئی اولاد نہ تھی- کہا جاتا ہے کہ بال بچہ ہو جانے سے سسرال میں بھی طبیعت لگنے لگتی ہے ہر دوسرے تیسرے ماہ میکہ کا پھیرا رہتا تھا- خدا نے ایک عرصہ کے بعد اولاد کی صورت دکھائی- مگر بدقسمتی شامل حال تھی پہلے کے تو دو تین بچے جانبر نہ ہو سکے بعد کے تین زندہ رہے دو بیٹے اور ایک بیٹی وہی بیچاری کی زندگی کا سہارا ہیں- کلیم اللہ کو نہ انکی تعلیم کا خیال ہے نہ تربیت کا- جس بیوی سے نہ بنی ان بچوں کا کہاں تک خیال رہتا ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے دن رات کی کوفت سے مردہ سے بدتر حال نعیمہ کا تھا- نعیمہ کی حالت ساس شوہر کے لئے اچھا بہانہ تھی کہ بیوی دائم المریض ہے اس لئے دوسری شادی کی ضرورت ہے- شکیلہ کی والدہ کا خیال تھا کہ شکیلہ کے امیر گھر بیاہے جانے سے خاص کر ایسی حالت میں کہ خسر بھی زندہ نہیں ہر طرف کلیم اللہ ہی کا بول بالا ہے میرے دونوں بیٹوں کیلئے بھی اعلیٰ تعلیم کا کافی

انتظام ہو سکے گا اور شکیلہ بھی چودہ پشت چین سے گذارے گی۔ دن رات کے تحفے تحائف دیکھ دیکھ کے حمیدہ پھولی نہ سماتیں آخر ہیرے پھیرے کب تک ہوتے۔ خوب سوچ سمجھ کے بڑی خوشی سے حمیدہ نے ہاں کردی۔ ہاں ہونے کی دیر تھی حسینی بیگم کے لیے دن عید رات شب برات ہوگئی۔ مگر نعیمہ انکی خوشی میں کانٹا سی کھٹکتی معلوم ہوتی تھی۔ بڑی مہربانی اس پر یہ ہوئی کہ اسے اس کے میکے اورنگ آباد مع تینوں بچوں اور دو خادماؤں اور ایک منشی کے بھیجدیا گیا۔ اب تو میدان بالکل صاف تھا۔ خوب زور شور سے شادی کی طیاریاں ہونے لگیں خوب دل کھول کر دونوں طرف سے حوصلہ اور ارمان پورے ہوئے۔ مبارک دن اور تاریخ دیکھکر نکاح کی رسم ادا ہوئی وداع کا سامان بہت زوردار تھا حمیدہ کی ایک ہی بیٹی شکیلہ تھی دو بیٹیاں شکیلہ سے پیشتر مرچکی تھیں انہوں نے اس خیال سے اگر دونوں زندہ ہوتیں ان کو بھی کچھ دیناہی ہوتا۔ سب شکیلہ ہی کو دیا ۴-۶ ہزار کا زیور ۲-۳ ہزار کا کپڑا۔ فرنیچر کاٹ کباڑ غرض حیثیت سے زیادہ لگا۔ برسوں پہلے سے بیٹی گہوارے میں جہیز پٹارے میں کے مصداق طیاری ہو رہی تھی بڑے حوصلہ سے شکیلہ کو وداع کیا حسینی بیگم کے یہاں تو روپیہ کی بارش تھی یہاں خوب ساز سامان تھے۔ کئی ہزار کے چڑھاوے میں کپڑے اور زیور گئے۔ اللہ اللہ کرکے شکیلہ سسرال گییں چوتھی چالے ہوتے رہے دُلہناپا ختم ہوا۔ پہلی سی شرم حیا تو اب عنقا ہے دو دو بچوں تک گھونگھٹ رہتا تھا مگر اب مقررہ حد سوا مہینہ رہ گئی ہے۔ لاج کھلائی کی رسم بھی بہت دھوم سے کی گئی۔ قبیح رسموں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب عزیز قریب جمع ہوکر دُلہن سے مٹھائی میوہ پھل وغیرہ کچھہ تقسیم نہ کرالیں دُلہن کی آنکھیں سب کے سامنے نہ کھلتی تھیں غرض لاج کھلائی کے بعد گھر کی زندگی میں قدم رکھا گیا۔ دوچار ماہ تو بخیر و خوبی گذر گئے پھر نعیمہ کی طرف سے کلیم اللہ کو نوٹس دیا گیا کہ نان نفقہ اور مہر کا روپیہ یا جائداد جو نکاح کے وقت لکھ لی گئی تھی ادا کردو۔ مگر یہاں سے جواب ندارد آخر دعوے دائر ہوکر اور نان نفقہ ملاکر سوا لاکھہ کی ڈگری ہوگئی۔ ڈگری کا ہونا تھا کہ کلیم اللہ کے بھائیوں کو ہوش آیا۔ دونوں بھائی نعیم اللہ حفیظ اللہ ملازمت پر تھے خبر لگتے ہی رخصت لیکر آئے اور جتنی جلد ہوسکا اپنا حصہ الگ کروالیا۔ کلیم اللہ نے کچھ دنوں التوا کرنا چاہا مگر انہوں نے ایک نہ مانی۔ انکا حصہ ہوتے ہی ڈگری کا روپیہ بھی ادا کرنا ہوا۔ بہنیں خاصی خوشحال تھیں انہوں نے بھائیوں سے حصہ لینا نہ چاہا۔ البتہ چھوٹی سلیمہ کے نام بنک میں دونوں بھائیوں نے ۱۵ ہزار جمع کروادیا۔ کلیم اللہ کے حصہ میں سے سوا لاکھہ وضع ہوکر بہت کم جائداد باقی رہتی تھی مگر دینا ضرور تھا۔ اب حمیدہ کے ہوش اُڑنے لگے کہ جس کے بھروسے بیٹی دی تھی وہ ہی نہ رہا۔ کوئی نوکری چاکری تو نہیں کہ اسکا ہی سہارا رہتا۔ انہوں نے سمدھن

سے کہلوایا کہ بہت دنوں تم سے ملے ہوگئے ہیں آج ذرا دو گھڑی کو ہو جانا۔ حسینی بیگم جلتی ہوئی عورت تھی تاڑ گئی اور کہلوا دیا کہ ہاں آج ضرور آؤنگی دو گھنٹہ بعد بہو کو ساتھ لے جا پہنچیں۔ سلام دُعا اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد نعیمہ کی ڈگری بھائیوں کے حصہ کا بھی ذکر آگیا حمیدہ نے خوب آڑے ہاتھوں لیا۔ سمدھن کو بھی اور داماد کو بھی خوب سُنائیں۔ حسینی بیگم بھی موقعہ موقعہ سے جواب دیتی رہیں شام کا کھانا کھا ساس بہو گھر آئیں ماں نے بیٹے سے سمدھن کا کہا ہوا دوہرا دیا اور کچھ نمک مرچ بھی لگایا۔ حمیدہ کا کہنا حق بجانب تھا مگر حق ہمیشہ کڑوا ہوتا ہے۔ کلیم اللہ کو بہت ناگوار گذرا۔ بیوی کو بے نقط سُنانے لگے۔ شکیلہ دم بخود سُناکی۔ پھر تو روز کا معمول ہوگیا تھا کہ کسی نہ کسی بات پر طعنہ ضرور ملجاتا۔ اِنسان ہے کب تک سُنے آخر ایک دن جواب دے ہی دیا کہ "میری اماں جو کہتی ہیں بالکل حق بجانب ہے یہ مُصیبت انسے کب دیکھی جائے گی۔ انہوں نے لیاقت نہیں دیکھی عمر نہیں دیکھی آپ کے بیوی بچے نہ دیکھے صرف یہ ہی ایک خوبی تھی کہ آپ دولتمند تھے سو وہ بھی نہ رہی۔" کلیم اللہ نے جواب دیا کہ "تمہاری اماں اتنی تو نادان نہ تھیں جہاں یہ کچھ سمجھ کے دیا تھا وہاں یہ نہ جانیں کہ بیوی بچے بھائی بند سب ہی جو ہوئے کوئی اپنا حق اور حصہ کیسے چھوڑ دے گا۔ اگر تمھیں میرے یہاں رہنا ہے تو جس حال میں رہنا پڑے صبر اور شکر سے رہو۔ اگر ایسی اماں چاہیتی بیٹی کی تکلیف نہیں دیکھ سکتیں تو اپنے گھر رکھکر خوب نازبرداریاں کریں۔ بیشک نعیمہ کی ڈگری ہو چکی ہے۔

روپیہ تو بہر صورت ادا کرنا ہوگا ادا بھی کرونگا اور جہاں تک کوشش ہو سکے گی اسے ضرور جاکر لاؤنگا میں نے دوسری شادی کی ہے مگر وہ میری بیوی ہے اور پہلی حقدار پھر بچوں والی پھوپی کی بیٹی۔ آخر پھوپی کیا کہتی ہونگی۔ نعیمہ کے آنے سے جائداد بھی گھر میں رہے گی۔ بچوں کی بھی خبرگیری ہوگی کچھ اِس غریب کی بھی دلدہی ہوگی۔ اور یہ سب تمہیں سہنا ہوگا۔ تم سوکنیں نہیں بلکہ بہنیں ہوکر رہو تو شوق سے رہو اگر تم چاہو کہ میں نئی بیوی کی خاطر الگ گھر کر لوں تو یہ مجھ سے ہو ہی نہیں سکتا۔ نعیمہ کی ہی آہیں تھیں جنہوں نے مجھے چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ مجھے رہ رہ کر اس کی لاوارثی پر رحم آتا ہے بہت کچھ سختیاں اِس غریب پر میری جانب سے ہوئی ہیں اسکا تو کیا بدلہ دے سکتا ہوں۔ اتنا ضرور کر دوں گا کہ دو نو حقدار بن کر بینگی۔ کہو تمہاری کیا مرضی ہے"

شکیلہ پر سکتہ کا عالم طاری تھا نہ جواب دیتے بن پڑتی تھی نہ خاموش رہتے۔ کہنے لگی "جو قسمت کو لکھا تھا پُورا ہوا خوب ہوتا جیسی دونو بہنیں مرگئیں میں بھی مرجاتی اور مجھے یہ دن نہ دیکھنے پڑتے میری تو خیر گذر ہی جائے گی دُنیا میں اِنسان خوشی یا رنج دُکھ یا سکھ دو ہی باتوں کے واسطے پیدا ہوا

ہے مگر اماں پر خدا معلوم کیا گذرے۔ اب آپ کے وہ وعدہ وعید کیا ہوئے ہزار ہزار باتیں کیں کروڑوں وعدے ہوئے آپ نے بھی اور اماں جان نے بھی کہا کہ اس بیوی سے نباہ مشکل ہے اور وہ کوئی دنوں کی مہمان ہیں خیال ہے کہ شادی تک کام بھی تمام ہوجائے گا افسوس میری قسمت نے مجھ سے دغا کی اور میں کہیں کی نہ رہی"

کلیم اللہ۔ اسقدر افسوس کرنے سے کیا فائدہ دنیا میں ہزاروں سوکنیں بس رہی ہیں اگر سب کا تم سا خیال ہو تو گذر کیسے ہو۔ بہتر ہو تم میکے ہی میں رہا کرو۔

شکیلہ۔ ہاں ہاں میکے میں رہوں۔ یہ تو آپ کے نزدیک بہت آسان ہے مگر میری روٹی کپڑے کا کیا انتظام ہے کس کے سر رہوں ماں باپ کو بیاہی بیٹی کی سی بھاری ہوتی ہے۔ بہتر ہو آپ میرے لیئے بھی کچھ کردیں"

کلیم اللہ۔ میری حالت اب اس لایق نہیں رہی کہ تمہارے لئے بھی کچھ کردوں۔ اگر تمہاری اماں سمجھدار ہوتیں ضرور مہر کے وقت کچھ کرا لیتیں۔ جو کچھ زیور کپڑا ہے وہ تمہارا ہی ہے جان رہی تھیں کہ سوکن پر بیٹی دی جارہی ہے اب تو میں ہر طرح مجبور ہوں مجھے تمہارے رکھنے سے انکار نہیں جو کچھ میسر ہے تمہارا ہے شوق سے کھاؤ رہو۔ تمہاری طرف داری کرتا ہوں تو مجھے بھی روٹی کے لالے ہیں سوالاکھہ تو نعیمہ کا مہر نان نفقہ نکل ہی جائے گا بچوں کی تعلیم تربیت کے لیئے اگر وہ مجھ سے مانگے تو بیجا نہ ہوگا اگر بچوں کو بلالیتا ہوں تو اور میری جان عذاب میں ہوگی نعیمہ آجائے گی تو سب جھگڑوں سے نجات ہوجائے گی۔

یہ خبریں حمیدہ تک بھی اڑتے اڑتے پہنچ گئیں انہوں نے بیٹی کو ملنے کے بہانے بلایا مگر شکیلہ نے خرابی طبیعت کا بہانہ کرکے جانے سے انکار کیا۔ وہ خود آگئیں کچھ تو شکیلہ سے کچھ اس کی ماما سے کچھ گھر کی چھوکرا چھوکریوں سے غرض حمیدہ پورے حال سے واقف ہوگئیں۔ بیٹی کی قسمت کو خوب روئیں پیٹیں ساتھ لیجانا چاہا مگر شکیلہ نے صاف انکار کردیا اور کہا" جو قسمت میں تھا بھگت رہی ہوں اور بھگت لونگی یہ سب کیا دھرا آپ ہی کا ہے اب وہ دولت کہاں گئی جس کے برتے پر میری قربانی کی تھی آپ نے اپنے آگے ابا پھوپی خالہ نانی عزیز قریب کسی کی نہ چلنے دی۔ دولت مند شادی شدہ سے قسمت پھوڑ دی۔ چچی جان نے ہزاروں خوشامدیں کیں مگر آپنے انہیں یہ کہہ کر کہ تمہارے بیٹے جیسے وکیل میری بچی کے گھر ہزار جوتے چٹخاتے آئیں گے صاف دھتکار دیا۔ خیر میری قسمت جیسے آپ نے دونوں مردہ بیٹیوں کو صبر کیا مجھے بھی مردہ سمجھ کر

صبر کیجئے"

حمیدہ گھر واپس ہوگئیں۔ میاں سے سب حال سُنایا۔ انہوں نے کہا "اب مجھ سے نہ کہو تمہارے ہاتھوں سے شکیلہ قربان ہونی تھی ہو چکی۔ ہاں کرتے وقت میری کب چلنے دی تھی کہ اب معاملہ بڑنے پر مجھے سُناتی ہو۔ دونو میاں بیوی کی خوب ہوئی مگر اب سب باتیں بے سود تھیں۔ جو ہونا تھا ہو چکا چار دن سب جگہ ذکر تذکرے رہے سمجھداروں کو بوڑھے شخص اور بیوی بچے والے کو دینے کا سبق مل گیا۔ سُنا جاتا ہے کہ ڈگری کا روپیہ ادا ہو کر تھوڑا عرصہ ہوا ہوگا کلیم اللہ خود گئے اور ساس کے آگے ہاتھ جوڑے پیر پڑے ہزار خوشامد منت سے قصور کی معافی مانگ کر لانے کے لئے اصرار کیا پہلے تو سب نے صاف انکار ہی کیا مگر عورت کے لئے مرد کی ایک محبت بھری نگاہ ہزاروں روپیوں اشرفیوں سے کہیں بڑھ کر ہے۔ نعیمہ نے الگ رہنے کا سوال کیا مگر کلیم اللہ نے اپنی حالت بتلا کر وہ بھی منوا لیا۔ اللہ رے جفا کار مردوں۔

پندرہ روز سسرال رہ کر بیوی بچوں کو لے آئے اب دونوں بیویاں ہیں اور کلیم اللہ حسینی بیگم کی دونوں بہوؤں سے خوب گت بن رہی ہے۔ نعیمہ پچھلی باتوں سے کلیجہ چھیدتی ہے تو شکیلہ اپنی حالت زار پر ہزاروں صلواتیں سُناتی ہے نعیمہ کی زندگی بھی ایک حد تک ٹھیک کیا اچھی گذر رہی ہے مگر شکیلہ کی حالت قابل رحم ہے۔ یہ ہیں سوکن پر دولت کے لالچ میں بیٹی دینے کے نتیجے"

غوثیہ مظفر حسین بیگم (امراؤتی)

دولت اور رواج کی چوکھٹ پر مظلوم عورتوں کی قربانیوں

کے حالات حضرت علامہ راشد الخیری مدظلہ نے بیسیوں افسانوں میں تحریر فرمائے ہیں محروم وراثت، کلنگ کا ٹیکہ شہید معاشرت رواج کی بھینٹ میں نے کیا دیکھا توصیف کا خواب طوفان اشک وغیرہ ۱۴ درد انگیز افسانے ہوں جو ہر مسلمان کو خون کے آنسو رُلا دینگے تو طوفان اشک ملاحظہ فرمایئے جس کی قیمت صرف عہ/ ہے۔ عورت کے ایثار جفاکشی اور شجاعت و وفاداری اور جاں نثاری اور محبت کے جوہر اگر دیکھنے ہوں تو فوراً ایک جلد جوہر عصمت کی منگایئے جو علامہ محترم کے درد انگیز افسانوں کا مشہور و معروف مجموعہ ہے و جس میں مظلوم بیوی کا پاک جذبہ، بھنور کی دُلہن، عدل جہانگیری اگلی محبتیں بیگناہ کا قتل مامون الرشید کے دربار میں ایک سچی عورت بلبل کی شہادت وغیرہ مؤثر افسانے ہیں قیمت عہ/ اگر یہ معلوم کرنا چاہیں کہ عورت کی فطرت کن خزائن سے مالا مال ہے اور کیسے کیسے کارناموں سے دُنیا کو محو حیرت کر سکتی ہے تو علامہ محترم کے بہترین با تصویر افسانوں کا مجموعہ سیلاب اشک دیکھئے جس کے ساتوں با تصویر افسانے لٹریچر میں غیر فانی درجہ رکھتے ہیں قیمت صرف عہ/

منیجر عصمت دہلی

قناعت

دنیا میں ان باتوں کے سوا ہمارا کیا حق ہو سکتا ہے۔ کہ زیادہ کی طلب کریں۔ گھر رہنے کو ساتھ ضروری سامان گزران کے لیئے۔ کپڑا موزوں ستر پوشی کے واسطے سوال سے بچ کر محنت وسعی سے حلال روزی نفس پری کے واسطے۔ کیونکہ خدا نے دُنیا کو فنا کے واسطے پیدا کیا ہے۔ پھر اس چندروزہ زندگی کے لیئے مزید کاوشوں میں پڑنا ہے سو معلوم ہوتا ہے جبکہ ہم دنیا میں بصورت ایک مہمان کے آتے ہیں تو پھر جس قدر زیادہ دل لگائیں گے۔ اُسی قدر زیادہ کوچ کے وقت قلق و بے صبری ہوگی۔

تذکرۃ الواعظین میں ہے "حدیث ہے۔ کہ جب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے سیدۃ النسا فاطمۃ الزہرا کا نکاح حضرت علی المرتضیٰ سے کیا۔ تو ابوبکر صدیقؓ عمر فاروق رضؓ حضرت سلمانؓ حضرت اسامہؓ کو بی بی فاطمہ زہرا کا جہیز اُٹھانے کے واسطے بلایا۔ چکی اور تکیہ جس کا بھراؤ چھوہارے کی کھال سے تھا۔ ایک مسواک پیلوں کی۔ اور لکڑی کی جوتیاں۔ عصا۔ جھاڑو اور سوتی۔ ایک چٹان۔ اور مٹی کا پیالہ اور چادر تھی۔ ابوبکر صدیقؓ روتے اور کہا یہ حضرت فاطمہؓ کا جہیز ہے پیغمبر اللہ نے فرمایا، اے ابوبکر یہ اس کے واسطے بہت ہے۔ جو دنیا میں مسافر کی طرح ہو کر درخت کے سایہ میں بیٹھ گیا اور چلا گیا۔ پس حضرت فاطمہؓ دُلہن بنکر نکلیں تو صوف کی چادر جس میں پیوند تھے اوڑھے ہوئے تھیں۔ پس اے دُنیا کی فریفتہ (بیبیو) خاتون جنت کو دیکھو جن کا رتبہ اتنا عالی تھا۔ نکاح کیسے جہیز سے ہُوا۔

بی بی زہرہؓ ایک ہاتھ سے جو پیستی تھیں اور زبان سے تلاوت قرآن کرتی تھیں۔ اور دل سے تفسیر کرتی تھیں۔ آنکھوں سے سبب خوف الٰہی کے روتی تھیں۔ زمانہ حال کی عورتیں ہاتھ سے ڈھولک بجاتی ہیں۔ اور زبان سے فحش گیت بولتی ہیں۔ دل سے دُنیا کو دوست رکھتی اور آنکھوں سے اغماز کرتی ہیں۔"

حضرت عایشہ صدیقہ نے فرمایا۔ مجھے دُنیا کی تین باتیں محبوب ہیں۔ خدا پر بھروسہ کرنا۔ خلق سے علیحدہ رہنا۔ جو ہاتھ میں ہو اس پر قناعت کرنا۔ حضرت فاطمہ زہرہؓ نے فرمایا۔ مجھے دُنیا کی تین باتیں پسند ہیں۔ طاقت ہوتے خرچ کرنا، ندامت کے وقت رونا، فاقہ پر صبر کرنا +

سواے بیبیوں۔ ہم بھی ان نیک بیبیوں کے نقشِ قدم پر چل کر کیوں نہ دونوں جہاں میں فلاح حاصل کریں +

ایس۔ بی طاہرہ

انگلستان اور فرانس میں قیام کے طریقے

ازمولوی نصیرالدین صاحب ہاشمی ام ار اے ایس اف ار ایس اے (لندن)

انگلستان میں رہنے کے لئے مختلف طریقے ہیں جن کی صراحت دلچسپی سے خالی نہیں۔ یہاں آنے والوں مختلف نوعیتیں ہوتی ہیں بعض تو سیر و تفریح کے لئے چند روز یا چند ہفتے قیام کرتے ہیں یا تعلیم وغیرہ کی غرض سے ان کو مہینوں یا سال رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح رہنے کی جگہ مختلف مثلاً ہوٹل۔ بورڈنگ ہوس۔ فیملی۔ اور فلاٹ۔ ہرایک کی صراحت ضروری ہے۔

ہوٹل۔ ہوٹلوں کے متعدد اقسام۔ اعلیٰ۔ اوسط۔ ادنیٰ ہونے کے علاوہ اور بھی قسمیں ہیں۔ بعض ہوٹلوں میں رہنے کے انتظام کے ساتھ تین وقت کے کھانے دو وقت کے چاء کا انتظام بھی ہوتا ہے بعض ہوٹل صرف بستر اور ناشتہ کے لئے مخصوص ہوتے ہیں بعض میں بستر ناشتہ کے ساتھ شام کے کھانے (ڈنر) کا انتظام بھی ہوا کرتا ہے۔ بعض ہوٹل صرف کھانے کے لئے مخصوص ہوتے ہیں رہنے کا انتظام نہیں ہوتا۔ چونکہ لنڈن اور انگلستان کی معاشرت عموماً ایک ہی قسم کی ہے اس لئے بلحاظ ضروریات زندگی اسی قسم کے ہوٹلوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

ہر ہوٹل اپنے درجہ کے موافق آراستہ و پیراستہ ہوتا ہے اعلیٰ ہوٹل کے قطع نظر اوسط اور ادنیٰ ہوٹل بھی ہندوستان کے ہوٹلوں سے عمدہ اور بہتر ہوتے ہیں۔ ہر کمرہ کے ساتھ اس کی حیثیت کے موافق فرش فرنیچر۔ بستر منہ ہاتھ دھونے کا سامان تولیہ وغیرہ ہوتا ہے۔ کام کرنے کے لئے خدمت گار عموماً لڑکیاں ہوتی ہیں۔ ہوٹل کا قیام ان لوگوں کے لئے نہایت ضروری اور مفید ہے جو نہایت مالدار ہیں یا صرف ہفتہ عشرہ کے لئے لنڈن یا انگلستان میں قیام کرنا ہوتا ہے۔ طلبہ بھی جو انگلستان جاتے ہیں اپنے عارضی قیام میں اسی کو پسند کرتے ہیں مگر عام طور پر بستر اور ناشتہ BED AND BREAKFAST والے ہوٹلوں میں ٹھیرتے ہیں کم از کم شرح روزانہ چار پانچ شلنگ تک ہوتی ہے زیادہ کی حد نہیں۔

بورڈنگ ہوس اس کی حالت کچھ ہوٹل اور کچھ فیملی کی ہوتی ہے اکثر و بیشتر بستر ناشتہ ڈنر وغیرہ کے ساتھ ہوتی ہیں دوپہر کا کھانا شامل نہیں ہوتا۔ ہر بورڈنگ ہوس میں گنجایش کے موافق آدمی رہتے ہیں۔ ہمارے بورڈنگ ہوس سے یہ علیحدہ ہیں کیونکہ یہاں کے بورڈنگ محض کالج اسکول وغیرہ کی حد تک مخصوص ہوتے ہیں

مگر یہ بورڈنگ اس حیثیت کے نہیں ہوتے ان کو کالج یا اسکول سے تعلق نہیں ہوتا بلکہ خانگی حیثیت سے لوگ اسکو اپنی آمدنی کے لیے رکھتے ہیں دوسری قسم کے بورڈنگ بھی ہوتے ہیں اس قسم کے بورڈنگ کا مجھے تجربہ نہیں ہے اس لیے میں ان کے متعلق کچھ زیادہ لکھنے سے قاصر ہوں۔

فلاٹ۔ یعنی مکان یا مکان کا حصہ فلاٹ کہلاتا ہے یہ بھی کرائے سے ملتے ہیں بعض تو فرنیچر سے آراستہ ہوتے ہیں اور بعض بلا فرش و فرنیچر کے ملتے ہیں۔ ساتھ رہنے والے دو تین اصحاب ہوں تو فلاٹ نہایت عمدہ شئے ہے کیونکہ اپنا مکان ہوتا ہے آنے جانے میں کسی وقت کی پابندی کھانے کے لیئے دوسروں کی اطاعت کی ضرورت نہیں ہوتی کھانا باہر ہوٹل میں کھایا جا سکتا ہے یا خود مُلازمہ نوکر رکھ سکتے ہیں۔ بہر حال اس میں بہت کچھ آرام مل سکتا ہے بشرطیکہ کم ازکم تین اصحاب ہوں۔ اس کا کرایہ جائے وقوع کے لحاظ سے کم وزیادہ ہوتا ہے ایک اوسط مقام پر اوسط درجہ کے فلاٹ کا کرایہ جس میں تین اصحاب قیام کر سکتے ہیں۔ باورچی خانہ اور حجام وبیت الخلاء کے ساتھ کم ازکم ہفتہ وار چار پانچ پونڈ ہوتا ہے۔

فیملی۔ فیملی کے قیام کے متعلق میں کسی قدر تفصیل سے صراحت کرونگا کیونکہ مجھے اپنے قیام کے باعث اسکا تجربہ ہے۔ طالب العلم وغیرہ جن کو دو تین سال بلکہ اس سے بھی زیادہ رہنے کی ضرورت ہوتی ہے وہ مختلف وجوہ سے فیملی کے قیام کو پسند کرتے ہیں۔

انگلستان کے ہر شہر قریہ میں ایسے فیملی ہیں جو ایک یا دو یا اس سے زیادہ اشخاص کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں کیونکہ اگر ان کے مکان میں ان کی ضروریات سے زیادہ کمرے ہوں تو وہ ان کو خالی نہیں رکھتے۔ لنڈن کے اکثر محلوں میں متعدد ایسے فیملی ہیں جو اوسط ادنیٰ اور اعلیٰ حیثیت کے کہے جا سکتے ہیں۔

فیملی کے حاصل کرنے کے مختلف طریقے ہیں ایک تو یہ ہے اپنے سابقہ دوست احباب جن کا قیام اس مقام پر ہے ان کے ذریعہ سے ان کی معلومات حاصل کی جائیں۔ کیونکہ اکثر ہندوستانی اصحاب ایسے ہوتے ہیں جن کے کوئی نہ کوئی عزیز یا دوست انگلستان میں تعلیم وغیرہ کی غرض سے مقیم ہوتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو بلکہ ہر صورت میں فیملی کے معلومات حاصل کرنے کے لیے روزانہ اخبار میں اشتہار دینا چاہیئے۔ لنڈن اور اس کے قرب وجوار میں ڈیلی میل اس کے لیے زیادہ مفید ہوتا ہے داگرچہ ہر روزانہ اخبار میں اس کے متعلق اشتہار ہوتے ہیں) کیونکہ یہ زیادہ تر عورتوں کے نظر سے گزرتا ہے اور امور خانہ داری کا انتظام ان ہی سے وابستہ ہوتا ہے اس لیئے اکثر اشخاص اسی اخبار میں اشتہار دیتے ہیں ایک دن کا اشتہار کافی ہوتا ہے کیونکہ بیسوں خطوط آجاتے ہیں ان خطوط میں ترغیب کے لیئے مختلف امور درج کیے جاتے ہیں مثلاً کوئی لکھتا ہے اس کے پاس ٹینس کورٹ ہے کوئی لکھتا ہے ان کے پاس برج پارٹی ہوتی ہے وغیرہ۔

ان خطوط کے وصول ہونے پر ان میں سے چند کا انتخاب کیا جاتا ہے اور اس کے بعد ان فیملیوں میں جا کر کمروں وغیرہ کا معائنہ ضروری ہوتا ہے اور پھر وہاں منتقل ہو سکتے ہیں۔ ان کا انتخاب بڑا دشوار امر ہے مختلف وجوہ سے وہ بعض وقت آرام دہ نہیں ہوتے کبھی بے احتیاطی کے باعث موافقت نہیں ہوتی اس میں دونو جانب سے زیادتی ہوتی ہے مثلاً یہ کہ کھانا مرضی کے موافق نہیں ہوتا تو ذرا ذرا سی بات پر ٹوکا جاتا ہے۔ دا قعی ہندوستانی اصحاب معاف فرمائیں اکثر بنگالی اور پنجابی اصحاب صفائی وغیرہ کا پورا خیال نہیں رکھتے مثلاً بیت الخلاء میں پانی بہا دیا جاتا ہے حمام کی صفائی کا خیال نہیں رکھا جاتا چونکہ ان تمام چیزوں کو یہاں کے لوگ نہایت پاک وصاف رکھتے ہیں اس لیئے دونوں کی نہیں بنتی۔ بہرحال کبھی اس طرف سے اور کبھی اوس طرف سے ایسی وجوہ ہوتی ہیں جس کے باعث فیملی تبدیل کرنی ہوتی ہے افسوس بعض ہندوستانی اصحاب ایسے بھی ہوتے ہیں جو فیملیوں میں قیام کر کے وہاں کے لڑکیوں سے تعارف بڑھاتے ان سے شادی کے اقرار کرتے اور آخر دغا کرتے یا دھوکہ دیتے ہیں اسی قسم کے واقعات سے اکثر ایسے فیملی بھی ہوتے ہیں جو ہندوستانیوں کو اپنے مکان میں جگہ دینے سے خوف کرتے ہیں۔ اس طرح فیملی کا ملنا اور اچھے فیملی کا دشوار نہیں، تو مشکل ضرور ہے۔ مثلاً میرے بعض دوستوں کو چند ماہ کے عرصہ میں تین چار فیملی تبدیل کرنے کی ضرورت ہوئی مگر مجھے جو فیملی ملی وہ ایسی آرام دہ تھی کہ میںنے اپنے پورے قیام میں وہاں سے تبدیلی کو پسند نہیں کیا اور اب تک ان سے میری خط وکتابت باقی ہے۔ بعض دوست ایسے بھی تھے جو برسوں سے ایک ہی جگہ تھے کیونکہ ان کو وہاں ہزار آرام اور آسایش تھی۔

فیملی کے کھانے کے طریقے بھی مختلف ہیں یعنی لندن کے باشندوں کے کھانے اور ان کے اوقات جداگانہ ہیں اور اسکاٹ لینڈ کے باشندوں کے علیحدہ۔

انگلینڈ کے باشندے صبح کے ناشتہ کے بعد ایک بجے ہلکی غذا کھاتے ہیں پھر سہ پہر کی چاء کے بعد شام میں ڈنر کھاتے ہیں۔ اس کے برخلاف اسکاٹ لینڈ کے باشندے صبح کے ناشتہ کے بعد ایک دو بجے پوری غذا کھاتے ہیں اور شام کا ڈنر نہیں کھاتے بلکہ سہ پہر کے چاء کے بعد آٹھ نو بجے ہلکی غذا کھاتے ہیں مگر اس سے یہ منشاء نہیں ہے اسکاٹ لینڈ میں ڈنر کا کھانا ہوتا ہی ہے بلکہ منشاء یہ ہے عام طور پر متوسط طبقہ کا یہی دستور ہے۔

فیملی کا قیام گویا خاندان کے ایک فرد کی حیثیت رکھتا ہے گھر کے لوگ رقم ادا کرنے والے مہمان (پے انگ گیسٹ) کو بھی اپنا ایک فرد تصور کرتے ہیں کرسمس وغیرہ کے موقع پر تحفہ دیتے ہیں بعض مرتبہ سالگرہ کے دن بھی

تحفہ دیا جاتا ہے۔ ان کے ساتھ ہنسی مذاق دلگی وغیرہ غرض کہ بالکل اپنائیت کی سی حالت برتی جاتی ہے اور ہم کو بھی اسی طرح رہنا ہوتا ہے کرسمس پر ہم بھی تحفہ دیتے ان کے خوشی اور غم کے موقعوں پر انکے گھر والوں کی طرح ساتھ دیتے ہیں۔ کھیل تماشوں میں ساتھ جاتے اور لے جاتے ہیں۔

ہر فیملی بلکہ ہر قیام کی جگہ جہاں آپ دوسروں کے ساتھ رہتے ہیں وہاں یہ ضرور دریافت کریا جاتا ہے کہ صبح کس وقت بیدار کیا جائے اس مقررہ وقت پر گرم پانی دیا جاتا ہے اس کے بعد ضروریات سے فارغ ہوکر لباس پہنکر ناشتہ کے لیے جاتے ہیں اور عموماً گھر والوں کے ساتھ ناشتہ ہوتا ہے شام کا کھانا (ڈنر) بھی عموماً گھر والوں کے ساتھ کھاتے ہیں۔ چونکہ یکشنبہ کو تعطیل ہوتی ہے اس لیے دوپہر کا کھانا بھی فیملی میں ملتا ہے۔

فیملی کے اخراجات مختلف ہوتے ہیں جہاں تک مجھے معلوم ہوا ان کا ہفتہ خرچ ایک پونڈ دس شلنگ سے لیکر تین پونڈ تین شلنگ تھا۔

فیملی کے لوگ قسمت سے اچھے مل جائیں تو بڑا آرام ملتا ہے کسی شئی کی تکلیف نہیں ہوتی گھر سے زیادہ آرام ہوتا ہے اور پھر ان کے طرز معاشرت کے لحاظ سے ہماری دلچسپی اور دل بہلائی ہو جاتی ہے کبھی بیمار ہو جائیں تو وہ بالکل اپنوں جیسی خدمت کرتے ہیں۔

یہ ہے مختصر طور پر انگلستان میں قیام کا طریقہ۔ فرانس کا طریقہ گو کہ ایک حد تک اسی قسم کا ہے مگر وہاں عام طور پر زیادہ تر لوگ ہوٹلوں میں رہتے ہیں کوئی محلہ ایسا نہیں جہاں دس بیس ہوٹل نہوں بلکہ یوں خیال کرو پیرس ہوٹلوں کا شہر ہے جدھر دیکھو ہوٹل ہی ہوٹل ہے۔

یہاں کے ہوٹل بھی مختلف حیثیت کے اعلیٰ اوسط اور ادنیٰ ہوتے ہیں۔ یہاں اکثر بڑی مدت یعنی مہینہ دو مہینے رہنے والے اصحاب پورے مہینہ کے کرایہ کا نصف کر لیتے ہیں جس میں کفایت ہوتی ہے۔ عموماً ان ہوٹلوں میں کمرہ اور ناشتہ شامل ہوتا ہے۔ پیرس کے دو حصے ہیں ایک حصہ جو دریائے سین کی اس جانب ہے جہاں بڑے شاپ تھئیٹر وغیرہ ہیں عموماً ہوٹل گراں نرخ پر ملتے ہیں دوسری جانب جہاں یونیورسٹی واقع ہے اس طرف عموماً کرایہ ارزاں ہے۔

فرانس میں فیملی کا طریقہ بھی ہے مگر چونکہ مجھے اسکا تجربہ نہیں ہے کیونکہ میں نے اپنے قیام کے دو ماہ ہوٹل ہی میں بسر کیے ہیں اس لیے انکی صراحت سے قاصر ہوں +

پارسی یتیم خانہ

ایک بہت مالدار پارسی بی بی ہیا بائی پتیت تھیں انہوں نے اپنے لاجواب قیمتی زیورات خیرات میں دے دئے انکی ایک لڑکی تھیں جنہوں نے انکی وفات کے بعد ان زیورات کو فروخت کرکے تقریباً پندرہ لاکھ روپیہ کی رقم ماں کے نام سے پارسی یتیم لڑکیوں کے واسطے وقف کردی اس کے بعد اور پارسیوں نے بھی مل کر ۵ لاکھ کا اضافہ کیا اور باندرہ کے متصل پالی ہل کوئی ۵ ایکڑ زمین ۱۰-۱۲ سال پیشتر خریدی وہ ایسے موقع کی زمین ہے کہ جہاں سے سمندر کی رعنائی اور ڈھلواں زمین کی وسعت کا خوبصورت منظر دیکھ کر دل خوش ہوتا ہے اُسی زمانے میں۔ یتیم خانہ تعمیر کرایا گیا اور کام جاری ہوگیا کوٹھی کو جہاں ان لڑکیوں کی تعلیم ہوتی ہے ضروری سامان سے سجایا گیا ہے۔ یہیں ان کا مدرسہ ہے یہیں ہر قسم کی دستکاری، نقاشی، گانا، بُننا سینا پرونا۔ فوری امداد کے اُصول۔ ہائجین وغیرہ سب کچھ سکھایا جاتا ہے۔ اس عمارت کے اردگرد چار کاٹج بنائے گئے ہیں جن میں ۶۰ لڑکیاں منقسم ہو کر رہتی ہیں۔ انکے لئے کوئی نوکر خدمت کے واسطے معین نہیں ہے۔ بلکہ ہر کاٹج میں صفائی، جھاڑو بہارو۔ رکھ رکھاؤ اور کھانا پکانا سب باری باری سے یہی لڑکیاں کرتی ہیں تاکہ یہ نادار لڑکیاں امارت کے گھمنڈ میں تباہ نہ ہوجائیں بلکہ اپنی ہستی کو پوری طرح کار آمد بنانے میں منہمک رہیں۔ اس کے ساتھ قسم قسم کے ورزشی کھیل کرتی ہیں تاکہ تندرست رہیں۔ اس یتیم خانہ کو مدتوں سے دیکھنے کا قصد تھا مگر پورا نہ ہوسکا مگر اب سے چند روز پہلے ہمشیرہ صاحبہ ہر ہائینس بیگم صاحبہ جنجیرہ کے ہمراہ ایکدن مقرر کرکے جانے کا موقع آیا۔ سچ کہتی ہوں جتنا سُنا تھا اس سے بڑھ کے پایا۔ ایک پارسن بی بی مس پانک نامی ہیں جن کی نگرانی میں یہ یتیم خانہ چل رہا ہے۔ ناظر وہی ہیں نگراں وہی ہیں محاسب وہی ہیں۔ الغرض اس دائرے میں ہر بات کی ذمہ دار اور مختار یہ ہی ہیں۔ البتہ انکو مدد کرنے والی بیبیاں ہیں جن سے وہ کام لیتی ہیں مگر بہت تھوڑا۔ انکو جیسے مناسب معلوم ہوا اور جس بات میں ان لڑکیوں کی بہبودی معلوم ہوئی اُنھوں نے اسی پیرائے پر اس تعلیم گاہ کو مرتب کیا ہے۔ آفریں بلکہ صد آفرین ہے۔ جس طرح وہ چلا رہی ہیں۔ اور جس دل سے ہر اچھے پہلو کو مدِ نظر رکھتی ہیں یہ ان ہی لوگوں کا حصہ ہے۔ پارسیوں میں عورتیں چاہے غریب ہوں سوتی ساڑھی پہننے کا رواج ہے ہی نہیں۔ ہمیشہ ریشمی ساڑیاں پہنتی ہیں۔ کیونکہ پارسی بڑے مخیر اور اپنی قوم کو سنبھالنے والے ہیں۔ ہر بات

میں ہر امیر اپنی قوم کا بے حد خیال رکھتا ہے۔ اسی واسطے انہیں فقیر اور گداگر سڑکوں پر پھرتے کبھی دکھائی نہیں دیتے۔ مگر اس بی بی مس پاٹک نے ان لڑکیوں کو کھدر پہنایا سوتی کپڑا پہنایا ہر طرح کا کپڑا پہنایا مگر صاف ستھرا سلیقہ کے ساتھ پہنایا۔ میلی کچیلی یہ لڑکیاں کبھی نہیں رہتیں بے حد صاف ستھری جو بات ضرورت زندگی اور صحت کے لئے لازمی ہے وہ سب یہ جانتی ہیں۔ اور اکثر کھلے پیروں سے بھی پھرتی ہیں۔ اس لیے انکے چہروں پر تندرستی اور خوشی نمایاں ہے۔ اور اخلاق کا معیار بھی بہت بڑھا ہوا ہے۔ ۱۰ اُستانیاں ہیں۔ انگریزی میں چار کتابیں پڑھتی ہیں تاکہ اپنی ضروریات زندگی کو آپ رفع کر سکیں انگریزی شدبُد پیدا ہو جاتی ہے بس اس سے زیادہ انکا مطلب نہیں ہے۔ انکی مادری زبان گجراتی میں پُورا کورس سکھایا جاتا ہے۔ بعض سرپرست ان لڑکیوں کے لیئے مس پاٹک سے بحث کرتے رہتے ہیں بلکہ اپنی ناپسندیدگی ظاہر کرتے ہیں کہ ان لڑکیوں کے ساتھ ایسے چھوٹے کام کیوں کرواتی ہو۔ یعنے جھاڑو کپڑے دھونا وغیرہ مس پاٹک ایک بہت ہی شایستہ معقول بی بی ہیں۔ وہ انکی فضول بکواس پر کب دھیان دینے والی ہے۔ وہ بی بی مناسب اور ضروری باتوں کے لیئے ڈرتی نہیں ہیں۔ واقعی عجیب عورت ہیں۔ ماہوار ۳ ہزار کا خرچ ہے۔ کھانا ۳ وقت دیا جاتا ہے۔ صبح روٹی مکھن چائے اور کسی قسم کی لواز بعد از ظہر دال چاول اور ترکاری۔ رات کو روٹی اور کسی قسم کا ساگ میں گوشت ڈالا ہوا سالن دیا جاتا ہے۔ اپنے اپنے کالج میں لڑکیاں پکانے کا اپنا انتظام کرلیتی ہیں۔ اس لیئے بے انتہا بڑا طومار ایک جگہ نہیں ہوتا ہے سب سہولت سے طے ہو جاتا ہے۔ اور باری باری سب کو موقع ملتا ہے۔ ان لوگوں کو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ یہ رقم کافی سے زیادہ ہے۔ آنے جانے والیاں کچھ میوہ مٹھائی بھیجدیتے ہیں ہمیشہ پہننے کے ایک ہی قسم کے کپڑے ہیں۔ ہم نے یہ سب کچھ دیکھا مگر برسات کی وجہ سے باغ اور لڑکیوں کے باہر کے کھیل نہ دیکھ سکے۔ تہ خانے میں ایک گجراتی شخص کی رہنمائی میں بننا سیکھتی ہیں یہ شخص سورت کا رہنے والا ہے اور اسکو بیلیں بنتا کپڑے بننا ساڑیاں طیار کرنا آتا ہے۔ عمدہ عمدہ سُنہری روپہلی رنگ رنگ کا بادلہ شامل کر کے خوبصورت بیلیں ۲ دن میں ۸ گز طیار کرلیتی ہیں اسی طرح کشیدہ کاڑھی اور مشین سے بھی کام بناتی ہیں۔ تھوڑے طیار نمونہ بہت اچھے خوشنما دیکھے۔ ایک گجراتی کھیل جو بہت مشہور ہے اور کسی تقریب کے موقع یا تہوار کے وقت آپس میں کھیلتی ہیں انکی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ ۲۵ بڑی اور ۲۵ چھوٹی لڑکیوں نے بڑی اچھی طرح سے گربا کھیل کے دکھایا گانا اور بجانا بھی ساتھ ہوتا ہے۔ اسکا رواج کاٹھیاوار میں بے حد ہے۔ شادی بیاہ کے موقع پر بڑی بڑی بیویاں بھی

شریک ہوتی ہیں یکساں قدم اٹھاکر دائرہ بناتی ہیں۔ اور ایک عورت ڈھول لیکر بیچ میں اس حلقہ کے بیٹھتی ہے اور تالیاں بجا بجاکر کے بڑے انداز سے سو سو عورتیں اور لڑکیاں بڑے حلقہ میں بن سنور کر گربہ کھیلتی ہیں۔ واقعی دیکھنے کے قابل ہے اور بڑی ورزش کی چیز ہے سب کو دکھاکر مس پاتک نے جہاں چائے کا انتظام کیا تھا وہاں لے گئیں۔ لڑکیوں نے اچھی اچھی چیزیں اپنے ہاتھوں سے پکائی تھیں۔ واقعہ اچھی تھیں پارسنوں میں بیویاں تعلیم یافتہ اور مدبر ہیں جن کے طفیل ایسے ایسے محتاج خانہ خوبی سے چلتے ہیں وہ اپنے فرائض امانت داری سے بجالاتی ہیں۔

امدادی صیغے میں پارسیوں نے واقعی کمال کیا ہے۔ ہر عورت اور مرد اپنی قوم کی ترقی اور آسایش کے لئے کوشاں ہے۔ ایک اور خصوصیت اس قوم کی یہ ہے کہ بلا فرق قوم جہاں کہیں کسی خدا کے بندے کو مصیبت میں دیکھا اپنی ذات سے فوراً مدد کی۔ مثلاً کوئی موٹر کا واقعہ ہوا یا کسی کو کوئی تکلیف سڑک پر پہونچی یا اور کوئی پارسی وہاں سے جارہا ہے تو ٹھہر کر اس کی مدد کرے گا۔ بمبئی میں تو یہ عام بات ہے کہ اگر فوری مدد چاہیئے تو ضرور پارسی کرے گا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ہم اپنی منزل سے دور کہیں مصیبت میں پڑے ہیں تو پارسی کو ضرور یاد کرتے ہیں۔ کیونکہ اگر خوش قسمتی ہوئی تو وہ آنکلتا ہے اور اپنا کام چھوڑ دوڑ دھوپ ہر بات کے لیے طیار اور مصیبت دور کرنے میں پورا حصہ لیتا ہے وہ اس وقت اپنے کام کا خیال نہیں کرتا۔

زہرا بیگم

نوائے ادا

مسعودہ بیگم ادا

اُمید کا دیا یہ جلتا میرا رہے گا — گو ٹمٹما رہا ہے لیکن نہیں بجھے گا

میں کس طرح بہاؤں آنکھوں سے اپنی آنسو — آنسو جہاں گریں گے دریا وہاں بہے گا

کیونکر بھلا دکھاؤں دردِ جگر کسی کو — ظاہر کبھی نہ ہو گا جی اور بھی کڑھے گا

ہاتھوں میں پھنس گیا جب صیاد کے پرندہ — قید قفس سے پھر تو مشکل سے وہ بچے گا

پانی کے جوش سے جب اک چشمہ بہ رہا ہو — کنکر کے پھینکنے سے کیسے بھلا رکے گا

سچی ہے گر محبت ظاہر وہ آپ ہوگی — الفت کا تیز شعلہ آخر بھڑک اٹھے گا

جی میں رہے کدورت ظاہر کرو صفائی — ایسا پیار ہرگز قایم نہیں رہے گا

طینت میں ہو صفائی گر آئینے کے مانند — بغض و حسد و کینہ اس پر نہیں جمے گا

اس موت و زندگی کا کیا بھید ہے الٰہی — مرکر ادا کو اسکا شاید پتہ لگے گا

دلچسپ لطیفے

(طبع زاد)

(۱) منگیتر (منسوبہ سے) آپ کے اباجان سے شادی کی تاریخ کے متعلق کس وقت گفتگو کرنی مناسب ہوگی۔

منسوبہ۔ جب اباجان گھر آکر جوتے نکال رہے ہوں

(۲) میرا بھائی سیکل پر سے بُری طرح گرا تھا پلیوں اور ہتیلیوں پر سخت خراش آئی تھی مگر منہ محفوظ تھا ڈاکٹر نے دیکھتے ہی کہا۔

ڈاکٹر۔ آہا آپ نے زمین چوم لی۔

زخمی۔ جی نہیں مینے چومی تو نہیں۔ صرف بغلگیر ہوا تھا

(۳) بیمار۔ (جو بہت سے خربوزہ کھا جانے کی وجہ سے سخت متلی میں مبتلا اور بیقرار تھا) ہائے مرے اللہ میں کیا کروں ؟

ڈاکٹر۔ حلق میں اُنگلی ڈالکر اُبکائی لو۔ تاکہ تے ہوکر آرام ہوجائے

بیمار۔ اگر اتنی جگہ ہوتی تو دو ایک پھانک نہ کھالیتا۔

(۴) بیگم (ماما سے کھانا کھاتے وقت) تھوڑا نمک دو۔ ماما چند کنکریاں ہاتھ میں اُٹھالائی۔ تو بیگم نے تیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے تاکید کی "خبردار آیندہ جب مانگوں تشتری میں رکھکر تمیز و ادب سے پیش کرنا"

دوسرے وقت بیگم صاحبہ نے جوتیاں طلب کیں تو ماما نے تشتری میں رکھکر پیش کیا۔

(۵) ایک بوڑھی عورت نے پوتی سے پانی مانگا۔ پوتی پانی لینے گئی تو گھڑے میں اپنی پرچھائیں دیکھ کر ڈر گئی۔ اور چلاکر کہا دادی اماں گھڑے میں چڑیل بیٹھی ہے۔ دادی جو پوتی سے بڑھکر عقلمند تھی مع لاٹھی لیکر مٹکے کے پاس گئی اور جھانکنے لگی تو سچ مچ ایک بوڑھی چڑیل نظر آئی۔ اب تو بوڑھی دادی کو پوتی کے کہنے کا یقین آگیا۔ اور لاٹھی اُٹھاکر دے ماری کہ یہیں چڑیل مٹکے میں بیٹھی ہے۔

مٹکا پھوٹ گیا اور چڑیل غایب ہوگئی۔ اور بڑھیا اپنی فتح پر نازاں۔

(۶) ایک لڑکا کسی دوسرے شہر کے اسکول میں داخل ہوا۔ اور باپ کو خط لکھا کہ مجھے جلد از جلد نئے جوتے روانہ کیجیے۔ باپ بڑا دیوانہ تھا۔ اپنے دوست سے رائے لینے لگا۔ جو اُس سے زیادہ بیوقوف تھا کہنے لگا بھائی یہ کونسا مشکل کام ہے۔ نئے بوٹ کو خرید کر تار سے باندہ دو۔ بہت جلد چلے جائینگے۔ لڑکے کا باپ نہایت خوش ہوا اور نئے جوتے خرید کر تار سے باندہ دئے۔ اسوقت تو اندھیرا ہورہا تھا۔ جوتے تار سے باندھکر رخصت ہوا۔ دوسرے دن علی الصباح دیکھنے آیا تو نئے جوتوں کے عوض پُرانے جوتے بندھے ملے۔ بوڑھا باپ نہایت خوش ہوا کہ میرے لڑکے نے نئے جوتے لیکر پُرانے واپس کیے ہیں۔ اللہ رے کم عقلی۔

مس فاطمہ حسین صدیقی بنگلورسٹی

دورِ جدید میں خواتین کی کامیابی

(۱) کماری پدما دیوی مشر (چترویدی) مین پوری کے شری لکشمی پت جی چترویدی کی صاحبزادی ہیں جنہوں نے بارہ سال کی عمر میں سنسکرت کے "پرتھما" امتحان میں کامیابی حاصل کی ہے۔

(۲) مس چتر لکشمی جوشی ایم۔ اے۔ نے سرکاری وظیفہ حاصل کیا ہے اور اعلیٰ تعلیم کے حصول کی غرض سے انگلستان گئی ہیں۔

(۳) مس منٹر پکرا دو برس تک یوروپ میں قیام کرکے مزدوروں کی حالت کا مطالعہ کرنے کے بعد کچھ عرصہ ہوا ہندوستان کو واپس آئی ہیں۔

(۴) شریمتی یو۔ ابھیمبل۔ میسور کے زنانہ کالج میں ہندو شاستر کی پروفیسر ہیں۔ حال ہی میں سلطنت میسور کی جانب سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے انگلستان بھیجی گئی ہیں۔

(۵) مس لینا ایڈون۔ بی۔ اے۔ ایل۔ ٹی بنتاولی (مدراس) کے زنانہ ٹریننگ مدرسہ کی افسر معلمہ مقرر کی گئی ہیں۔

(۶) مس ایلی جوشوا۔ ایم۔ اے۔ عدالت سیلون کے جج مسٹر جوشوا کی صاحبزادی ہیں۔ تھوڑا عرصہ ہوا اعلیٰ تعلیم کی تحصیل کے لئے انگلستان گئی ہیں۔

(۷) شریمتی کے۔ ناگرتنم۔ نے کلکتہ یونیورسٹی سے بی۔ ایس۔ سی کے امتحان میں اعلیٰ درجہ میں کامیابی حاصل کی ہے۔ اور آجکل اسی یونیورسٹی میں لکچرر کے عہدہ پر مامور ہیں۔

(۸) شریمتی ریامنی مینوئل۔ ترتی کورن (مدراس) کی جدید قایم شدہ زنانہ مجلس کی معتمد مقرر کی گئی ہیں۔

(۹) مس زیڈ۔ لانجرس۔ بنگلور (مدراس) زنانہ انٹرمیڈیٹ کالج کے مہتمم و نگراں کے عہدہ پر فائز ہیں۔

(۱۰) مس ای۔ سی۔ کارٹرایٹ ایم۔ اے۔ ایل۔ ٹی۔ نے اکیس سال تک ٹراونکور کے مدارس کی "انسپکٹرس" کے عہدہ کی خدمات انجام دینے کے بعد حال ہی میں ملازمت سے کنارہ کشی اختیار کی ہے۔

(۱۱) شریمتی کے۔ پاروتی امّل بی۔ اے۔ نے مدراس یونیورسٹی سے بی۔ اے کے امتحان میں "سائن شاستر" میں اعلیٰ درجہ میں کامیابی حاصل کی ہے۔ نیز انگریزی علم ادب خاص قابلیت اور مہارت حاصل کرنے کے صلہ میں دو طلائی تمغے بھی بطور انعام پائے ہیں۔

(۱۲) ڈاکٹر مس تھلا ایم ولکم۔ نے امریکہ کی مشہور کولمبیا یونیورسٹی (نیویارک) سے علم الہیات کی اعلیٰ سند ڈی۔ ایس سی کی حاصل کی ہے اور فی الحال لکھنؤ کے ازابیلا زنانہ کالج میں بطور معلمہ کام کر رہی ہیں +

عبدالرحمٰن علوی بی۔ اے کاکوروی

لکشمی

موضع سری پور میں شام کا وقت تہا۔ چند نوجوان ہم عمر لڑکیاں ایک کوئیں پر سے پانی بھر رہی تہیں غروب ہوتے ہوئے سورج کی سنہری کرنیں انکے پیتل کے برتنوں پر پڑکر انکو جگمگا رہی تہیں۔ اور یہ ایک نہایت دلکش منظر معلوم ہوتا تہا۔ خوبصورت لڑکیاں پانی بھرتے ہوئے ہنسی مذاق بھی کرتیں جاتی تھیں۔

تہوڑی دیر میں آفتاب عالمتاب نے اپنے چہرے پر نقاب ڈال لی۔ سورج کے غروب ہوتے ہی سب لڑکیوں نے اپنے گھروں کی راہ لی۔ لیکن ایک سولہ سالہ لڑکی جوکہ ان خوبصورت لڑکیوں میں حُسن کی دیوی معلوم ہوتی تھی۔ اپنی جگہ خاموش کھڑی رہی۔ معلوم ہوتا تہا۔ کہ وہ کسی گہرے سوچ میں مستغرق ہے۔ غروب آفتاب کی مدھم کرنوں نے اس پر کچھ اثر نہ کیا تہا۔

لکشمی۔ (اس لڑکی کا نام) کے چہرے پر مسرت کے آثار نمایاں تھے۔ کیونکہ دوسرے دن صبح کو اسکا شوہر سات سمندر پار انگلینڈ سے اپنی تعلیم کے اختتام پر وطن آرہا تہا۔ لکشمی نے اسکو برسوں سے نہیں دیکھا تہا۔ انکی آخری مُلاقات اس وقت ہوئی تھی۔ جبکہ لکشمی صرف آٹھ سال کی تھی۔ اور وہ اٹھارہ سال کا تہا۔ یعنی ایک ہندوستانی شادی کی زندہ مثال تھی۔ ستیش کا فوٹو جوکہ اس نے بوقت روانگی انگلینڈ لکشمی کو دیا تہا۔ اسی سے وہ ہر وقت اپنے شوہر کی یاد تازہ رکھتی تھی۔

لکشمی سوچتی تھی۔ کہ "میرا شوہر لندن کے آٹھ سالہ قیام اور اس شاندار کامیابی کے بعد میری نسبت کیا خیال رکہتا ہوگا؟ کیا وہ مجھکو اب بھی پسند کرے گا؟ کیا اس کے دل میں حسینان یورپ کی یاد باقی نہ ہوگی؟"

وہ سوچتی تھی اور خاموش تہی۔ خاوند کی واپسی پر نہال تہی۔ لیکن یہ خیالات رہ رہ کر اس کے معصوم دل کو بے چین کر رہے تھے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ اور رخساروں پر بہتے ہوئے زمین پر گرنے لگے۔

نہ معلوم ابھی کب تک لکشمی اسی حالت میں رہتی۔ کہ ایک مدھم سی آواز نے اسکو ہوشیار کر دیا۔ اور وہ جلد جلد قدم اُٹھاتی ہوئی اپنے گھر کی جانب روانہ ہوئی۔ اور رات کی تاریکی میں غائب ہوگئی۔

(۲)

مندرجہ بالا واقعہ کے ایک ماہ بعد کا ذکر ہے۔ کہ مہ جبین لکشمی ایک چھوٹے سے کمرے میں تنہا بیٹھی تہی۔ کیا وہ اب خوش تھی؟ بالکل نہیں۔ اس کے خوشنما چہرے سے فکر و تردد کے آثار نمایاں تھے۔

ایکدم دروازہ کھلا۔ اور ستیش کمرے میں داخل ہوا۔ ستیش نہایت خوبرو جوان تھا۔ اس کے چہرے سے نیک سیرتی اور شائستگی ظاہر تھی۔ لیکن وہ بھی خوش نہ تھا۔

اس نے دیکھا۔ کہ اس کی بیوی خاموش قالین پر کشن کے سہارے بیٹھی ہے۔ "لکشمی" اس نے کہا۔ "تم کرسی پر کیوں نہیں بیٹھتیں؟ تم انگریزی فرنیچر سے کیوں نفرت کرتی ہو؟ میں تمہارے اس مشرقی طریقہ کو سخت ناپسند کرتا ہوں۔ پیاری لکشمی دیکھو یہ کیسی آرام دہ کرسی ہے۔ اُٹھو اس پر بیٹھو اور میرے ساتھ باتیں کرو۔" لکشمی خاموشی سے اُٹھی اور ایک تابعدار ہندوستانی بیوی کی مانند اپنے مجازی خدا کے حکم سے کرسی پر بیٹھ گئی۔ لیکن مُنہ سے ایک لفظ نہ نکلا۔

ستیش نے کہا۔ "پیاری کیا تم باتیں نہیں کرسکتیں؟ کیا تم خوش نہیں ہو؟ تمہاری ضروریات کے مطابق تمام چیزیں موجود ہیں۔ کیا نہیں ہیں؟ لکشمی کاش میں تمہارے خیالات پڑھ سکتا۔ تمہارے خیالات ایک پوشیدہ کتاب کی مانند ہیں۔"

دفعتہً ستیش کی نظر لکشمی کے بالوں پر پڑی۔ اور اس نے کہا۔ "لکشمی کیا تم اپنے بال ذرا ڈھیلے نہیں بنا سکتیں؟ انگریزی شُو اور جرابوں کی عادت نہیں ڈال سکتیں؟"

"میں انکو پسند نہیں کرتی۔" لکشمی نے نفرت سے کہا۔ "وہ غیر ملکی چیزیں ہیں اور ہندوستانی لڑکیوں کے لباس کے لئے موزوں نہیں۔"

"لیکن اگر میں تم سے اِن چیزوں کے پہننے کے لیے خواہش کروں؟"

"آپ کے حکم کی تعمیل کے لئے میں بسر و چشم حاضر ہوں۔" لکشمی نے تابعداری سے کہا۔

"لیکن لکشمی میں یہ بات پسند نہیں کرتا۔ کہ تم ہر وقت ان چیزوں سے نفرت کرو۔ اور ایک ناراض دیوی کی مانند رہو۔ خدا کی قسم۔ لکشمی میں تمہاری مستقل مزاجی کا قائل ہو گیا ہوں۔ اچھا۔ پیاری لکشمی اُس طرح سے کرو۔ جس طرح تمہاری مرضی۔" یہ کہتے کہتے ستیش نے ٹھنڈے سانس بھرے۔ اور اپنی جیب میں سے ایک فوٹو نکالا۔ اور بیوی کے ہاتھ میں دے دیا۔ "لکشمی تم اس کے بارے میں کیا خیال کرتی ہو؟ کیا یہ لڑکی خوبصورت اور دلفریب نہیں ہے؟ قیام لندن میں یہ میری دوست تھی۔ اور اب بھی ہے۔ اور میں نے اس سے وعدہ کیا تھا۔ کہ ہمیشہ خط و کتابت جاری رکھوں گا۔ خدا کی قسم۔ وہ صرف مجھے ایک دوست کی مانند ہے۔ لکشمی میری دلی آرزو ہے۔ کہ تم بھی اسی کی طرح ہو جاؤ۔

ہاں لکشمی تمہارے مطالعہ انگلش کا کیا حال ہے؟ میرا خیال ہے۔ کہ کچھ نہیں ہو گا۔ کیونکہ تمہیں انگریزی کے ساتھ دلبستگی نہیں ہے۔ تم مدد کے لئے میرے پاس کیوں نہیں آتیں؟"

لکشمی نے ایک سوال کا جواب بھی نہیں دیا۔ کیونکہ وہ یورپین لڑکی کے خیال میں مستغرق تھی۔ گرم گرم آنسو اس کی آنکھوں میں ڈبڈبا آئے۔ لیکن اس نے انتہائی کوشش کے ساتھ انکو ضبط کر لیا۔

ستیش کمرہ چھوڑنے کے خیال سے اُٹھا۔ لیکن دروازہ میں جاکر رُکا۔ اور اپنی بیوی کے پریشان چہرے پر نظر ڈالی۔ جو سر جھکائے اپنی حالت پر غور کر رہی تھی۔

(۳)

اس رات وہ باورچی خانے میں ایک چھوٹے سے سٹول پر بیٹھی آگ تاپ رہی تھی۔ وہ پریشان اور خستہ دل نظر آرہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے تھے۔ لیکن انہیں گرانے کا اسے حوصلہ نہ تھا۔ کیونکہ وہ اپنی ساس کی کرخت زبانی سے خائف تھی۔

دفعتہً اس کی ساس مجنونانہ حالت میں کمرہ میں داخل ہوئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس میں طاقتِ گفتار نہیں ہے۔ لیکن اس نے ہمت کر کے کہا۔ "لکشمی میرے بچے کو میرے دِل کے ٹکڑے کو سانپ نے کاٹ لیا ہے۔ ہماری قسمت میں یہی لکھا تھا۔ اب تم جلدی ہی بیوہ ہو جاؤ گی۔ اور میں ......" بدقسمت عورت اس سے زیادہ نہ کہہ سکی۔ اور اپنا چہرہ اپنی ساری کے پلہ سے ڈھانپ کر گر گئی۔ لیکن لکشمی نے اسے نہیں دیکھا۔ وہ کمرے سے باہر تیز تیز قدم اُٹھاتی ہوئی چلی گئی۔ صرف ایک ہی خیال اس کے دماغ پر تسلط کیے ہوئے تھا۔ اسکا شوہر مر رہا تھا۔ اب اس کے لیے اس دُنیا میں کیا باقی رہ گیا تھا۔

جب وہ باغ میں پہنچی۔ تو اس کی آنکھوں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ لالٹین ہاتھ میں لیے تین چار آدمی کھڑے تھے۔ انکے ہاتھوں میں لکڑیاں تھیں۔ اور وہ سب ایک سانپ پر جھکے ہوئے تھے۔ سانپ زخمی ہو چکا تھا۔ لیکن ابھی اس میں جان باقی تھی۔ اور وہ بہت تند نظر آتا تھا۔ لکشمی نے جلدی سے دوسری طرف دیکھا۔ جہاں کہ اسکا خاوند بیٹھا تھا۔ جس نے ایک سفید رومال دورانِ خون کے روکنے کے لئے زخم کے اوپر باندھ لیا تھا۔ جب لکشمی اس کی طرف گئی۔ تو اس نے نظر اوپر اُٹھائی۔ اور کہا۔ "کیوں لکشمی تم یہاں کیسے آئیں؟"

"سانپ نے کس جگہ کاٹا ہے؟ کیا تم اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتے؟" لکشمی نے جلدی سے سوال کیا۔

"میں کیا کر سکتا ہوں؟ میں نے ڈاکٹر کو بلوانے کے لئے نوکر بھیجا ہے۔ میرا خیال ہے۔ کہ یہ کوبرا ہے۔ کیوں لکشمی تم کہاں جا رہی ہو؟"

اس وقت لکشمی نے ایک عجیب بات کی۔ وہ مجنونانہ انداز میں سانپ کے نزدیک گئی۔ نوکروں کو ایک طرف ہاتھ کے اشارہ سے ہٹا کر اس نے گھٹنے ٹیک دیے۔ اور اپنا ہاتھ سانپ کے مُنہ کے نزدیک کر دیا۔ معاً سانپ طیش کے ساتھ بڑھا اور اپنا منہ لکشمی کے نازک اور خوبصورت ہاتھ پر رکھدیا۔ اور وہ

بیہوش ہو کر فرش پر گر گئی ۔

(۴)

جس وقت لکشمی کو ہوش آیا۔ اس نے سُنا کہ ڈاکٹر کہہ رہا ہے۔ کہ "اب وہ جلدی ہی اچھی ہو جائے گی۔ میں جاتا ہوں۔"

اس نے آہستہ سے اپنی آنکھیں کھولیں۔ اور ستیش کی طرف دیکھا جو پاس ہی بیٹھا تھا۔ لیکن شرم سے جلدی ہی آنکھیں پھر بند کر لیں۔

"لکشمی" ستیش نے کہا "کیا تم جاگتی ہو؟"

"سانپ" لکشمی نے چلا کر کہا "کیا اب تم اس سے محفوظ ہو؟"

"ہاں لکشمی پیاری! ہم دونوں محفوظ ہیں۔ اور ہمیں کسی قسم کا خوف و خطرہ نہیں ہے۔ لیکن مجھے بتاؤ۔ کہ تم نے اس طرح سے کیوں کیا؟"

"تم میرے مالک ہو۔ اور میں تمہارے بعد زندہ رہنا نہیں چاہتی تھی۔"

ستیش کی آنکھوں سے محبت اور خوشی سے آنسو بھر آئے۔ اور اس نے کہا "لکشمی مجھے معاف کر دو۔ اور میرے صبح کے الفاظ واپس کر دو۔ اب میں تمہیں ہمیشہ اسی طرح سے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور میں کبھی تمہیں بدلنے کی کوشش نہ کرونگا۔ میں تم سے ہمیشہ محبت کرتا رہا ہوں۔ لیکن میں تم سے ڈرتا تھا۔"

لکشمی نے شرمیلے پن سے پوچھا "اور انگریزی کی کتابیں؟" "اگر تم پسند کرتی ہو۔ تو پڑھتی رہو۔ کیونکہ انگریزی لٹریچر میں معلومات وسیع ہوتے ہیں۔"

(ترجمہ از ٹائمز آف انڈیا)

اقبال جہاں از بہاولپور

(صفحہ ۳۲۰ کا بقیہ) مددگار صاحب کی بیگم صاحبہ نے چاء پر بُلایا۔ صبح مولوی عبد الحکیم صاحب نے اور دوپہر کے کھانے پر بیگم احمد عبد القادر صاحبہ تحصیلدار نے اخلاق حسین صاحب زبیری سے ملکر جی بہت خوش ہوا سچے قدردان اور نہایت مخلص مسلمان ہیں اسلام کا حقیقی درد ان کے دل میں موجود ہے۔ رات کے وقت یہاں سے بلدہ روانہ ہوئے۔ اسٹیشن پر زبیری صاحب حکیم صاحب۔ مولانا اکرم علی صاحب اور دوسرے حضرات پہنچانے آئے۔ سکنڈ کلاس ہی میں دکن کے ایک معزز عہدہ دار سرکار ہمسفر تھے انہوں نے ازراہ ہمدردی فرمایا کہ قیام کسی بڑے آدمی کے ہاں کیجئے یہ نصیحت میرے واسطے جگر خراش تھی میں نے ان سے عرض کیا کہ مرحوم عظمت اللہ میداں تحسین کا۔ جدا رہتا اور میں ان کے گھر کو بھی بڑے آدمی کا گھر سمجھتا ہوں ۔ (باقی)

راشد الخیری

دکن کی سیاحت

دلی سے روانگی کا ابھی پوری طرح فیصلہ نہ ہوا تھا کہ بیگم صاحبہ داتی کے انتقال کی خبر پہنچی۔ مرحومہ تربیت گاہ کی قدیم محسنہ تھیں اور قدرت نے ان کی طبیعت میں کچھ ایسی انسانیت ودیعت کی تھی کہ وہ دل جس نے والیہ بھوپال اور والی ٹونک جیسے محسنوں کی موت کو خاموشی سے سُن لیا بیگم صاحبہ داتی کی رحلت پر صبر نہ کر سکا اور میں اس خیال سے جاورہ روانہ ہوا کہ جس کے کرم کی کل تک تربیت گاہ محتاج تھی آج اس کی قبر پر فاتحہ پڑھکر اس کے احسانات کچھ معاوضہ کر سکوں۔

رتلام کے اسٹیشن پر جہاں سے گاڑی بدلنی تھی رات کے نو بجے پہونچا۔ میں چاہتا تھا کہ بیگم مرحومہ کی رحلت کا جو اثر دماغ پہ ہو رہا ہے اس میں مستغرق رہوں مگر احمد بخش صاحب اسٹیشن ماسٹر نے دیکھ لیا اور رات بھر رتلام ٹھیرنے پر مجبور ہو گیا صبح جاورہ روانہ ہوا اپنے قصد کی اطلاع خان بہادر نواب سرفراز علی خاں صاحب چیف سکرٹری کو اسلئے دیدی تھی کہ وہ سواری اور رہنا کا انتظام فرمادیں۔ اس کے ساتھ ہی انسے یہ خواہش بھی کی تھی کہ میری حاضری کی تشہیر نہ ہو لیکن حیدرآباد آکر جو ڈاک دیکھی تو معلوم ہوا کہ بعض احباب کو میری اس خاموش حاضری و روانگی پر شکایت ہے یہ شکایت میرے سر آنکھوں پر مگر کاش یہ جماعت میری عادت اور خصلت سے واقف ہوتی اور اتنا سمجھتی کہ ان چند لمحوں میں تخیل جو کیفیت میرے سامنے لا رہا تھا اس سے میں کسی قیمت پر جدا ہونا پسند نہ کرتا تھا۔

آٹھ بجے میں قبرستان پہنچا یہاں داخل ہوتے ہی دل نے بیساختہ صدا دی کہ وہ بیگم جو کل تک قصر جاورہ میں بیٹھی میری راحت و آسایش کے احکام صادر فرماتی تھی آج قبر میں بیٹھی میری مہمان نوازی کے فرایض انجام دے رہی ہے۔ مرحومہ بیگم داتی کا خلوص انکی محبت، انکی قدردانی ان کی مہمان نوازی ان کا فیض، ان کا کرم آنکھ کے سامنے تھا اور انکی بیشمار عنایتیں ایک ایک کرکے یاد آرہی تھیں۔ کس قدر حسرت نصیب تھا یہ منظر کہ قصر جاورہ کی وہ شمع جس کی روشنی ملک بھر کو جگمگا رہی تھی قبر کے آغوش میں استراحت فرما رہی تھی اور نیم کی پتیاں اسکی وداع ابدی کا مرثیہ پڑھ رہی تھیں۔ سہ پہر کے قریب میں اپنا ہوا تو چیف سکرٹری صاحب میرے منتظر تھے مگر میں چند لمحے سے زیادہ ان کے نہ ٹھہر سکا اور یہاں تک کہ نواب معشوق علی صاحب اور نواب صاحب داتی سے بھی ملا اور شام ہی کی گاڑی سے واپس ہوا اور کھنڈوہ پہنچا۔ یہاں ٹھہرنے کی وجہ یہ تھی کہ ایک غیر مسلم جج ایک مسلمان لڑکی کو تربیت گاہ میں داخل کرانا چاہتے ہیں۔ میں نے سید حفاظت علی صاحب ایم ایل سی کو تار دیدیا تھا اس لیئے اسٹیشن پر موٹر اور استقبال کے لیے بہت سے لوگ موجود تھے مگر بیگم حفاظت علی صاحب جو تربیت گاہ میں ہو آئی ہیں تشریف فرما نہ تھیں انھوں نے جج صاحب کی بیم صاحب سے تربیت گاہ کی تعریف کی ہے۔ کھنڈوہ میں صرف ایک رات ٹھیر کر دوسرے روز روانہ ہوئے۔ راستہ میں بھساول تھا اور چونکہ تربیت گاہ سے علیحدگی کا انتظام

چھہ ہفتہ کا تہا اس لیے خیال تھا کہ کھنڈوے کے سوا جہاں اس لڑکی کا معاملہ طے کرنا تہا کہیں مقام نہ کروں تاکہ یہ مدت حیدرآباد کے لئے کافی ہو مگر خان بہادر قمرالدین صاحب اور سیٹھ ہاشم کی وجہ سے ایک دن بھساول ٹھیرنا پڑا۔ یہاں کی عصمتی لڑکیوں نے چلتے وقت تربیت گاہ کے واسطے ایک رقم بھی دی +

بھساول سے علی الصباح منماڑ روانہ ہوا ملک نظام کا پہلا مقام دیجاپور تھا مگر مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ ریلوے اسٹیشن سے مستقر کتنی دور ہے۔ نواب وقارالملک مرحوم کے خویش نواب احمدخان صاحب یہاں منصف ہیں اور چونکہ علیگڑھ کے گریجویٹ اور ال ال بی ہیں اور سال گذشتہ انکی بیگم صاحبہ چھ سال کا بچہ چھوڑکر انتقال کرچکی ہیں ان کے پاس ٹھہرنا اس لئے ضروری تھا کہ بچہ کی موجودگی میں نکاح ثانی کی ضرورت اور اس کے نشیب و فراز پر گفتگو کرسکوں ان کو خط لکھدیا گیا تہا اور انھوں نے اپنا ایک آدمی منماڑ اسٹیشن پر بہیجدیا تہا جس سے ہمیں سفر میں بہت مدد ملی۔ دیجاپور کا اسٹیشن گاؤں ہے بستی یہاں سے تین میل کے قریب ہے چونکہ نواب احمدخاں کے ہاں زنانہ تہا اس لئے بیگم راشدالخیری صاحبہ کے قیام کا انتظام اسٹیشن کے ڈاک بنگلہ میں ہوا اور ہم ان کو وہاں ٹھیراکر دیجاپور پہنچے۔ پانچ بج چکے تھے۔ عیدمیلاد کا جلسہ شروع ہونے والا تھا اس قسم کی مجالس پر میں ضرورت سے زیادہ بحث کرچکا ہوں اس لیے اب اس پر کچھ لکھنا بے سود ہے۔ جلسہ ختم ہوا تو حاضرین نے خواہش کی کہ میں بھی کچھ کہوں میں نے کہا کہ میں واعظ نہیں اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر لکھنے والا بولنے والا بھی ہو اس کے علاوہ جو کچھ میں کہوں گا وہ آپ کو پسند نہ ہوگا مگر ان حضرات نے تسلیم نہ کیا اور میں تقریر کرنے پر مجبور رہا۔ بیس منٹ کے قریب تقریر کرنے کے بعد نماز مغرب کا وقت آگیا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور خاموش ہوگیا۔ مگر بعد مغرب پھر کچھ کہنا پڑا۔

مسلمان مجالس وعظ کے بادشاہ ہیں۔ دوسرے روز بھی ایک مجلس کا انتظام ہوا اور سلام وغیرہ خوب پڑھے گئے تیسرے روز بھی جلسہ تجویز ہوا مگر میں نہ ٹھیر سکا اور یہاں سے روانہ ہوگیا۔ قریباً تمام سربرآوردہ حضرات اسٹیشن پر موجود تھے مولوی ابوطلحہ نذیر احمد صاحب وکیل، سررشتہ دار صاحب اور مولوی حبیب اللہ صاحب کی عنایتوں کا شکریہ ادا کرتا ہوا اورنگ آباد چلا +

آج سے قریباً بیس سال قبل جب حجاز ریلوے تیار ہو چکی ہے اور ایک مشہور ادیب نے جو اس وقت تاج برطانیہ کا معزز عہدہ دار ہے اپنے سفرنامہ میں یہ فقرہ لکھا تھا کہ "میل ٹرین کو ایک ترکی ٹرپی لے جا رہی تھی" آج ٹکٹ لیتے وقت میں نے یہ لفظ سُنے کہ "یہ نہیں چاہئے حالی روپیہ دو!"

اورنگ آباد میں عصمتی خواتین کی تعداد کافی ہے اس کے علاوہ دیجاپور کے بھائیوں نے ایک صاحب کو اس غرض سے میرے ہمراہ کردیا تہا کہ حیدرآباد تک کا ساتھ دیں۔ وہ ایک روز قبل آگئے تھے۔ چنانچہ اسٹیشن پر مشہور وکیل مرزا رحیم بیگ صاحب کے صاحبزادہ مع موٹر کے اور دوسرے حضرات موجود تھے۔ یہاں ٹھیرنے کا انتظام دو جگہ ہوا مگر مرزا صاحب کا اصرار غالب تھا اس لئے میر صاحب کی بچی سے معذرت کی۔ مرزا صاحب اپنی بچی کو تربیت گاہ میں بھیجنے کا قصد فرما رہے ہیں۔ ان کے دو بچے ولایت میں ہیں انکی ترقی مسلمانوں کے واسطے نمونہ ہے۔ انکی بہوؤں نے نہایت فراخ حوصلگی سے بیگم راشدالخیری صاحبہ کا استقبال کیا۔ مرزا صاحب اسی وقت مجھکو شہر کے باہر لے گئے۔ رابعہ دورانی کا مقبرہ دکھایا کہا جاتا ہے کہ اورنگ زیب کی بیوی کا ہے مگر مجھے اس کے یقین میں تامل ہے۔ شہنشاہ کی کوئی لڑکی یا بیوی اس نام کی نہ تھی، اس مقبرہ کی ساخت تاج گنج آگرہ کے نمونہ کی ہے مگر غالباً شہنشاہ کے بعد کی تعمیر ہے۔ کیونکہ وہ اس اسراف کو کبھی جائز نہ سمجھہ سکتا تہا +

اورنگ آباد کی تمام عصمتی بہنیں اور بچیاں میری دلی دُعاؤں کی مستحق ہیں البتہ صدیقی صاحب مددگار سے مجھے شکایت ہے کہ انھوں نے اپنی تشریف آوری کا وقت لکھکر انتظار کی تکلیف دی اور جس قدر وقت انتظار میں گزرا وہ اس سے اچھے کاموں میں صرف ہوسکتا تہا۔ مرزا صاحب نے تربیت گاہ کو کافی مدد دی ان کی مہمان نوازی میں خلدآباد کی سیر اور غارہائے الورا کا معائنہ اور قلعۂ دولت آباد کا دیکھنا بھی شامل تہا۔

منشی ممتاز علی صاحب جو دیجاپور سے ہمارے ساتھ تھے ایک روز قبل جالنہ پہنچ گئے تھے چنانچہ اسٹیشن پر میاں عروج احمد جو مشہور مہمان نواز باپ مولوی غلام احمد صاحب کے لڑکے اور

علیگڑھ یونیورسٹی کے گریجویٹ ہیں اپنی موٹر لئے مع دوسرے
مسلمانوں کے اسٹیشن پر موجود تھے۔ ان کی شادی حال ہی
میں محمد خاں صاحب رئیس کی لڑکی سے ہوئی ہے اور یہ بچی
عصمت کی قدیم خریدار ہے۔ عروج میاں دتی بھی مجھ سے ملنے
آئے تھے۔ جالنہ میں چونکہ آبادی دور ہے اس لئے میں ڈاک
بنگلہ ہی میں ٹھیرا۔ محمد خاں صاحب عروج میاں اور انکی دلہن
نے مہمان نوازی کا کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ میرے پہنچتے ہی حاجی
محمد عبدالرحیم صاحب منصف اور سید مصطفٰے علی صاحب وکیل
مع دوسرے احباب کے ملاقات کو تشریف لائے۔ رات کو
میں منصف صاحب کے پاس گیا۔ بہت سیدھے اور نیک
مسلمان ہیں۔ ان کے مکان پر ایک پارسی صاحب مسٹر بینرجی سے
ملاقات ہوئی یہ نہایت باذاق اور سلجھی ہوئی طبیعت کے انسان
ہیں۔ کئی جگہ سنا کہ ان کو مسلمانوں سے بہت ہمدردی ہے اور
تعلیمی معاملات میں اکثر دلچسپی لیتے ہیں۔ وہ تربیت گاہ کے
چندے میں بھی شریک ہوئے۔ دوسرے روز روانگی کا قصد
تھا مگر ادھر تو مولوی عبدالرحیم صاحب کی خواہش تھی کہ شام
کا کھانا ان کے ساتھ کھاؤں اور ادھر مولوی ایوب علی صاحب
وکیل کی۔ آخر فیصلہ یہ کرنا پڑا کہ میں اور رازق میاں منصف
صاحب کے ہاں جائیں اور بیگم راشد الخیری صاحب بیگم مولوی
ایوب علی صاحب کے ہاں۔ قاضی صاحب نے جن کا نام
اس وقت مجھے یاد نہیں رہا میرے قیام جالنہ کے دونوں دن
میرے لئے وقف کر دئے جس کے لئے میں ان کا شکر گزار
ہوں۔ تیسرے روز علی الصباح ہم جالنہ سے روانہ ہوئے۔
مولوی ایوب علی صاحب اور دوسرے حضرات اسٹیشن پر
تشریف لائے اور میں ان سب کا ممنون ہوں +

جالنہ سے آگے قیام کے قابل اسٹیشن پربھنی ہے مگر
یہاں صرف دو عصمتی بچیاں ایسی تھیں جن کی وجہ سے میں
ٹھیر سکتا تھا ایک زبیدہ خاتون اور دوسرے بھائی قاسم حسین
کی بچی۔ ممتاز صاحب جو پہلے سے پربھنی جا چکے تھے ہم کو
راستہ میں ایک اسٹیشن پر واپس ملے اور کہا پربھنی کی آب وہوا
بہت خراب ہے اور زبیدہ خاتون کا انتقال ہوگیا۔ اب
اس کے سوا کیا ہو سکتا تھا کہ ہم نانڈیڑ ٹھیریں مگر چار بج کر چلے تھے
اور کھانے کا وقت آگیا تھا۔ پورنہ اسٹیشن پر دریافت کیا
تو منیجر صاحب نے جواب دیا سب کھانا موجود ہے ابھی
آتا ہے۔ آپ تشریف رکھئے۔ چنانچہ میں نے تشریف بھی
رکھی اور گاڑی بھی چھوٹ گئی مگر کھانا نہ آیا۔ ایک بج
چکا تھا۔ اور نانڈیڑ میں بھی کوئی اطلاع نہ دی تھی کہ مولوی
قدوس حسین صاحب نے جو نظام آباد میں محکمہ انجنیری میں
ہیں اور میرے ہمسفر تھے میرا نام پوچھا اور فرطِ محبت سے
لپٹ گئے اور فرمایا آپ نانڈیڑ تشریف لے چلئے میں حیدرآباد
جا رہا ہوں مگر اب نانڈیڑ ہی اتر جاؤں گا۔ وہاں آپ کا
بے چینی سے انتظار ہو رہا ہے ابھی کھانے کا انتظام
ہو جائے گا۔ چونکہ میں نے کوئی اطلاع نہ دی تھی
اس لئے سیدھا ڈاک بنگلے میں آیا اور دو ڈیڑھ گھنٹے
بعد مولوی محمد اخلاق حسین صاحب زبیری وکیل کے
ہاں سے نہایت پُر تکلف کھانا آگیا۔ ہم فارغ ہی ہوئے
تھے کہ زبیری صاحب مولوی روح الحسن صاحب مولوی
عبدالحکیم صاحب مولوی منظور علی صاحب وغیرہ تشریف
لے آئے۔ یہ نانڈیڑ کے وکلا ہیں۔ شام ہو رہی تھی کہ مولوی
رحمۃ اللہ صاحب تعلقدار نے اپنی موٹر بھیجی کہ کلب میں
تشریف لے آیئے۔ میں وہاں گیا اور قریب قریب سب
عہدہ داروں سے ملاقات ہوئی۔ صبح بیگم اخلاق حسین صاحبہ
بیگم راشد الخیری سے ملنے آئیں اور تھوڑی دیر بعد بیگم
احمد اللہ صاحبہ ناظم کا پرچہ آیا کہ وہ آ رہی ہیں۔ ان کے
ساتھ اور بیگمات بھی تھیں۔ قریب قریب یہ سب
عصمتی لڑکیاں تھیں۔ بیگم اخلاق حسین صاحبہ نے نہایت
فراخ حوصلگی سے ہماری مہمان نوازی کی اور دوسری
بیگمات نے بھی تربیت گاہ کی اعانت میں حصہ لیا شام کو

الہ آباد کی لیڈی والنٹیر نینی جیل (الہ آباد) کے دروازے پر پہنچ کر بھجن گا رہی تھیں -
(اس جیل میں پنڈت موتی لعل اور جواہر لعل نہرو قید تھیں -)

تو؛ نس کی چوٹی جو ہمیشہ طوفانی ہواؤں اور کہر کا گہوارہ رہتی ھے یہ تصویر ۸۰۰۰ فٹ کی بلندی سے ہوائی جہاز میں بیٹھکر لی گئی ھے -

قطب جنوبی کے برف کے میدان میں برف کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں سے تیار ہوا ایک خوشنما نظارہ -

پردہ ایک مغربی خاتون کی نظر میں

جب اُس پر اسرار زندگی کا خیال کیا جاتا ہے، جو مشرقی پردہ نشین خواتین بسر کرتی ہیں تو عجیب غریب قصے جو اُن کی نسبت بیان کئے جاتے ہیں سچ ہی ماننا پڑتے ہیں۔ راز کا نتیجہ ہر رومان، اور رومان افسانوں کی ماں ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ پردہ نشین زندگی میں کوئی راز نہیں۔ ہندوستانی پردہ نشین خواتین مغربی عورتوں سے زیادہ مسرور اور زیادہ قانع ہوتی ہیں۔ میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ رنج و غم سے آزاد ہیں۔ رنج و غم تو ہم خاکیوں کے ساتھ لگا ہی رہتا ہے۔ لیکن میں یہ ضرور کہوں گی کہ ان مغربی عورتوں سے زیادہ رنج و غم نہیں۔ پردہ نشین خاتونوں کی ایک جدید قسم کا ذکر بھی ضروری ہے جو پردہ کی قیود سے باہر نکل کر اپنی مغربی بہنوں کے دوش بدوش چلنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اُنکو غالباً یہ معلوم نہیں کہ ہم مغربی عورتوں میں سے بھی اکثر اس قدر پابند رہتی ہیں جس قدر کہ کوئی زنانہ لیڈی۔

ہندوستان میں یہ تحریک پھیل رہی ہے کہ بہو بیٹیوں کو جدید ترین تعلیم دی جائے۔ اس تحریک کی بدولت انگریز عورتوں کو زنانہ مکانوں میں جانے اور مشرقی خواتین کے حالات اور خیالات معلوم ہونے کا موقع ملا اور فرضی افسانوں کے بجائے پردہ نشین زندگی کی حقیقت نظروں کے سامنے آئی۔ کسی انگریز خاتون کا زنان خانہ میں جانا اُن بچاریوں کے لئے ایک عجیب غریب اچنبا ہے۔ ہماری ٹوپیاں ہی اُن کے لئے اس قدر قابل تضحیک ہیں کہ ہنستے ہنستے اُن کی آنکھ سے آنسو نکل آتے ہیں اور واقعہ بھی یہ ہے کہ خوبصورت ہندوستانی دوپٹوں کے مقابلہ میں ہماری ٹوپیاں ہیں بھی خوفناک اور قابل تضحیک۔

کسی انگریز خاتون کے ورود کے معنی ہیں بہترین کپڑے بدلنا قیمتی جواہرات پہننا اور اپنے لباس اور زیورات کی تعریفیں سُننا یہ سُنکر غالباً آپ لوگوں کو تعجب ہوگا کہ اُن کی اپنی زنانہ مجلسیں ہوتی ہیں۔ جالی دار کھڑکیوں سے واعظوں کے واعظ اور شاعروں کی نظمیں سُنی جاتی ہیں۔ اُن کی اپنی سہیلیاں، یا خاندان والیاں آکر مہینوں تک مہمان رہتی ہیں۔ صرف ایک محرومی یہ ہے کہ وہ غیر مردوں کے سامنے نہیں آسکتیں۔ بلا کسی واقفیت کے بالکل اجنبی طور پر تھوڑے عرصے میں مرد حاکم اور عورت محکوم ہو جاتی ہے۔ ہندوستان جیسے گرم جذبات والے ملک میں پردہ حفاظت ہے یا قید؟ یہ سوال بڑا اہم ہے۔

ایک اور بات جو ہم لوگوں نے نظر انداز کر دی ہے یہ ہے کہ ہر مہارانی یا شریف خاتون اپنی بہو خود تلاش کر لیتی ہے میں نے اکثر شریف خواتین کی زبانی یہ اعتراض سُنا ہے " میں ایسی بہو کی خواہاں نہیں جو اپنا چہرہ اور جسم رذیل عورتوں کی طرح غیر مردوں کو دکھاتی پھرے "۔

ایک حسین تعلیم یافتہ ہندوستانی لڑکی نے ایک مرتبہ مجھ سے کہا کہ مغربیوں میں شادی، محبت کا آخری باب ہے اور مشرقی خواتین میں پہلا باب۔ میں نے اس کی رائے سے اختلاف کیا اور بحث کی لیکن میں اس کی قائل ہوگئی کہ اس کی رائے ایک بڑی حد تک معقولیت پر مبنی تھی۔

یہ فراموش کردہ عورتیں ـــــ فراموش کردہ اس لئے کہ حسن اور تعلیم سے محروم ہیں۔ یورپ میں اور زیادہ ناقدری کی نظر ہوتیں مگر ہندوستان میں غنیمت ہے کہ اُن کو شوہر اور اکثر بچے بھی مل جاتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اپنے شوہروں کی محبت کو عرصے تک قائم نہیں رکھ سکتیں۔

بیواؤں کی قسمت البتہ بہت خراب ہے۔ میرا مطلب ہے امیر طبقے کی بیوائیں ـــــ جنکو نکاح ثانی کی اجازت نہیں بیوگی کی طویل زندگی جاری رہتی ہے مگر محبت کی شیرینیوں سے محروم۔ موجودہ مہاراجہ جودھپور کی ماں۔ بوندی کوٹہ کی شہزادی تھیں۔ بیوہ ہونے کے بعد بھی اُن کو کافی آزادی حاصل تھی۔ .... اُنہوں نے بہت کافی سفر کیا اور جام نگر میں انتقال فرمایا۔ اُن کی سوکن نے جو اودے پور کی شہزادی اور نہایت شریف راجپوت خاندان سے ہیں اپنے شوہر کے مرنے کے بعد اب تک قلعہ سے باہر قدم نہیں نکالا۔ سرالکزنڈر رینھی ایک مرتبہ جودھپور آئے تو مہاراجہ سردار سنگھ نے اپنی سوتیلی والدہ کو بلا بھیجا وہ بہت ناراضامندی سے ایک بند گاڑی میں آئی۔ جس میں چاروں طرف نہایت سخت دبیز اور سیاہ پردے لگے ہوئے تھے۔ ایک خاص طریقے سے نیچے سے ہوا آتی تھی۔ اُنہوں نے عام زنانی پالکیوں میں بھی آنا پسند نہیں کیا۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اپنی مرضی کے خلاف مقفل کردی جاتی ہیں رسم ورواج طریقے مذہب، سب ملکر گھر کی عورتوں کو فرشتہ بنا دیتے ہیں۔ راجپوت شاہی خاندانوں میں جتنا سخت پردہ ہے۔ ویسا شاہی خاندانوں میں نہیں مسلمانوں میں پردے کا بڑا سخت رواج ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہندو فرمانرواؤں نے پردہ اپنے مسلمان فاتحین سے سیکھا یہ غلط ہے۔ راجپوتوں کو دیکھکر ہر شخص یہ نتیجہ نکال سکیگا کہ وہ اسلامی رسم ورواج سے کس درجہ متنفر ہیں۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ مغلوں سے پہلے ہندوستان میں پردے کا وجود نہ تھا۔

یہ پردہ مسلمانوں سے نہیں لیا گیا کیونکہ مسلمانوں میں تو صرف چہرہ اور جسم چھپانے کی ہدایت ہے۔ قرانی پردہ صرف اسی قدر ہے مسلمان عورتیں برقعہ پہن کر خرید و فروخت کر سکتی ہیں۔ لیکن راجپوتوں میں ناممکن۔ بیگم صاحبہ بھوپال اپنے برقعہ میں ملبوس، بالکل قرانی ہدایت کے مطابق پردے کی پابند معلوم ہوتی ہیں۔

(الیزبتھ شارپ)

عزیز احمد
(کلیہ جامعہ عثمانیہ)

جواہر ریزے

انعامی مقابلے کے مقولے

اقوالِ مہاتما بدھ

(۱) ایک آدمی صرف اسی لئے بزرگ نہیں کہ وہ سفید ریش ہو ممکن ہے کہ وہ پختہ سال ہو اور تجربہ میں بالکل خام ہو۔

(۲) ہمارے بھلے اور بُرے کام سایہ کی طرح ہمارے پیچھے لگے رہتے ہیں۔

(۳) انسان کو سب سے بڑھ کر جس چیز کی ضرورت ہے وہ محبت کرنے والا دل ہے

(۴) اپنی رعیت کو ایسا سمجھو جیسا کہ اپنے اکلوتے بچے کو اس پر عنایت کرو

(۵) چونکہ ہمارے لئے اپنے افعال سے بچنا ناممکن ہے پس جہاں تک ہو سکے ہر کام نیک کریں۔

(۶) جب مصیبت آتی ہے تو کوئی ساتھ نہیں دیتا جیسا کہ اندھیرے میں سایہ بھی جدا رہتا ہے۔

(۷) اپنے دل کو اعلیٰ بناؤ اور مستقل و مستحکم مقصد رکھ کر اپنا یقین حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

(۸) چھوٹے دل بہت تھوڑی بات سے بھر جاتے ہیں جیسے کہ چھوٹے نالے برسات میں بہت جلد اُچھل پڑتے ہیں۔

(۹) شاہی عزت اور منصب کا خیال مت کرو اور نہ خوشامدیوں کی چکنی چپڑی خوشامد آمیز باتوں کو سنو۔

(۱۰) جیسے ایک درخت پر جو آگ کے تیز جھونکوں سے جل رہا ہے پرند جمع نہیں ہو سکتے ویسے ہی دل میں خواہشات کی آگ جلتی رہتی ہو تو راستی کا گذر نہیں ہو سکتا۔ (۱۱) گیان کے بغیر ایک عالم شخص بھی خواہ لوگ سب داناؤں کی مانند عزت کرتے ہوں درحقیقت وہ جاہل ہے۔

ب۔ س۔ سید محمد حسین

حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کے سات مقولے۔

(۱) انصاف کی ایک صورت ہے اور ظلم کی بہت صورتیں ہیں۔ اس لئے ظلم بہت آسان اور انصاف بہت مشکل ہے۔ (۲) جو شخص اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے وہ ذلیل و خوار ہوتا ہے (۳) صحت سے لذت کامل اور زہد سے حکمت حاصل ہوتی ہے (۴) جو شخص اپنے مال سے لوگوں کو محروم رکھتا ہے وہ شفا اور تندرستی سے محروم رہتا ہے (۵) جو شخص تقدیرِ الٰہی کا مقابلہ کرتا ہے وہ مغلوب ہو جاتا ہے (۶) جو شخص لوگوں کے سامنے گناہوں سے پرہیز نہیں کرتا وہ تنہائی میں خدا کا خوف نہیں کرتا۔ (۷) جس شخص کے اخلاق بُرے ہوتے ہیں وہ اپنے آپ کو عذاب اور تکلیف میں مبتلا رکھتا ہے۔

افلاطون کے تین مقولے (۱) اکثر لوگوں کی رنجیدگی کا باعث یہ ہے کہ پیش از قسمت اور قبل از وقت چاہتے ہیں (۲) جو شخص مفلسی میں ازراہ تکلف امیروں کا طریقہ اختیار کرے وہ مانند صاحبِ ورم کے ہے کہ اپنے آپ کو جسیم و شحیم لوگوں میں سے سمجھے اور جو بیماری اس کے ورم کا سبب ہے اُسے چھپائے (۳) غربت اور وطن کی موت میں کچھ فرق نہیں ہے۔

لقمان کا قول ہے کہ غصے کی آگ اور غرور کی آندھی سے بچنا بڑی ہمت کا کام ہے۔

حسن بصری کا قول ہے کہ جو شخص بری جگہ جاتا ہے وہ برائی کے ساتھ متہم ہو جاتا ہے۔

عبداللہ انصاری کا قول ہے کہ سب ذخیروں سے بہتر جود و سخا ہے۔ **لقمان** کا قول ہے کہ طبیبوں سے اپنا مرض ۴

۴ چھپانا اپنے جسم کے ساتھ خیانت کرنا اور نقصان پہنچانا ہے

عبداللہ بن مبارک کا قول ہے کہ وہ شخص بہت بڑا گنہگار ہے جو مخلوق کی رضامندی خالق کی ناراضگی سے حاصل کرے۔

سائنس اور مذہب

آج ہر باخبر شخص جانتا ہے کہ سائنس کی روز افزوں اور حیرت انگیز ترقی نے دنیائے مذہب میں قیامت کی ہل چل مچا رکھی ہے سائنس اور مذہب کا مسئلہ ایک عالمگیر مسئلہ ہے جو نہ صرف مسلمانوں ہی کے لئے بلکہ دنیا کی تمام اقوام کے نزدیک یکساں اہمیت رکھتا ہے۔ زمین گول ہے۔ آسمان حد نظر کا دوسرا نام ہے۔ آفرینش کائنات ذروں سے ہے جو خود بخود یکجا ہو گئے ہیں۔ الحیات بعد الممات کی حقیقت اُس افسانہ سے زیادہ نہیں جو بوڑھی عورتیں بچوں کو ڈرانے کے لئے سنایا کرتی ہیں وغیرہ وغیرہ ہزاروں ایسی باتیں سائنس نے دریافت کی ہیں۔ جو ہندوؤں مسلمانوں، عیسائیوں، پارسیوں، یہودیوں، بودھیوں جینیوں سب کے مذہبی عقائد کے خلاف ہیں۔ برسوں سائنس اور مذہب میں جنگ رہی اور اب بھی جاری ہے۔ جہاں تک دلائل و براہین سے ہو سکا ایک نے دوسرے کو مغلوب کرنے کی کوشش کی۔ پھر جب یوں بھی کام نہ چلا تو لعنت و ملامت، گالی گلوچ، تمسخر و استہزا تک نوبت پہنچی لیکن کوئی مفید نتیجہ نہ نکلا۔ حامیان اسلام نے بھی ان معرکہ آرائیوں میں برابر کا حصہ لیا اور لے رہے ہیں۔ چونکہ یہ مختصر مضمون بالخصوص مسلمان بہنوں کے مفاد کے لئے لکھا جا رہا ہے۔ اس لئے اس مسئلہ پر بعض اسلامی نقطۂ نظر سے بحث کی جائے گی۔

ہندوستان میں سائنس اور مذہب کے مابین جو پہلی تاریخی معرکہ آرائی ہوئی وہ ۱۸۵۷ء کے غدر کی صورت میں نمایاں ہوئی اس میں کوئی شبہ نہیں کہ غدر کے اصل اسباب سیاسی تھے۔ لیکن اس واقعہ سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ باشندگان ہند نے اپنے اغراض کے حصول کے لئے مذہب کا دامن پکڑا۔ تار برقی اور ریل کی سڑکوں کے متعلق یہ مشہور ہوا کہ انگریز خدا کی زمین کو مقید کر رہے ہیں۔ انگریزی تعلیم کا مقصد ہندوستانیوں کو عیسائی بنانا خیال کیا گیا۔ حکومت کو لعنت و ملامت کرنے کا حق قرآن اور ویدوں سے ثابت کیا گیا۔ غدر کے اختتام پر اُس کا سیاسی پہلو تو باقی نہ رہا۔ لیکن مذہب اور سائنس کے درمیان جو جنگ چھڑ چکی تھی بدستور جاری رہی۔ جب سر سید نے علی گڑھ کالج کی بنیاد ڈالی اور قرآن مجید کی تفسیر لکھی تو مسلمانوں نے اپنی چیخ و پکار سے ہندوستان کا گوشہ گوشہ ہلا دیا۔ سر سید کو قدم قدم پر مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اور انہیں مطعون کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا گیا۔ اُن کی وفات کے بعد اگلا جوش و خروش نہ رہا۔ مگر جو آگ ایک دفعہ مشتعل ہو چکی تھی اس کے شرارے برابر سلگتے رہے۔

ہندوستان کے علاوہ جہاں کہیں مسلمان آباد ہیں وہاں وقتاً فوقتاً سائنس اور مذہب کے درمیان لڑائیاں ہوتی رہی ہیں۔ تازہ ترین مثالوں میں بالخصوص ٹرکی اور کابل قابل ذکر ہیں۔ لیکن بخوف طوالت میں اُن کا ذکر اس جگہ نہ کرونگا

پھر یہ کہ بہت کم ایسے لوگ ہوں گے جو ان ممالک کے جدید حالات سے ناواقف ہوں۔ اس امر کا فیصلہ کہ کہاں کہاں اور کس حد تک مذہب یا سائنس کو فتحیابی نصیب ہوئی میں مصلحتاً نہ کروں گا۔ کیوں کہ میری منشا کسی خاص طبقہ کی دلشکنی نہیں ہے

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ جنگ کیوں جاری ہے ؟ میری عقل ناقص میں اس کے دو خاص اسباب ہیں۔ زبردستی اور غلط فہمی۔ اول الذکر کی مثال غدر کے واقعات سے ظاہر ہے۔ آج کل ہر شخص ریل پر سفر کرتا اور تار برقی سے خبریں منگاتا ہے اور کوئی خدا کی زمین کو پابند سلاسل نہیں خیال کرتا۔ ہزاروں مسلمان انگریزی تعلیم پا رہے ہیں۔ لیکن کوئی عیسائی سمجھ کر اُن کا سوشل بائکاٹ نہیں کرتا۔ ان سب باتوں سے ثابت ہے کہ ایام غدر میں مذہب کو سیاسی یا غیر مذہبی اغراض کے حصول کے لئے ایک آلہ کار بنایا گیا تھا۔ ایسی صورت میں جو لڑائی سائنس اور مذہب کے درمیان ہوئی وہ زبردستی پر مبنی تھی۔ اس کے برخلاف جو لوگ نادانی سے مگر سچے دل سے مذہب کو خطرہ میں سمجھیں تو یہ لڑائی غلط فہمی پر مبنی ہوگی۔ زبردستی کا علاج سوا زبردستی اور ہٹ دھرمی کے دوسرا نہیں البتہ غلط فہمی کا ازالہ کسی حد تک افہام و تفہیم سے ممکن ہے اور یہی مضمون ہذا کا مقصد ہے۔

مذہب کی بنا عقائد پر ہے۔ مسلمان بحیثیت مسلمان ہونے کے جو کچھ کرے گا اس کے واجب العمل ہونے کے ثبوت میں آیات قرآنی یا احادیث نبوی پیش کر سکتا ہے اس کے پاس ہر کیوں کا عقلی جواب نہیں ہے۔ سائنس کا دار و مدار تجربات و مشاہدات پر ہے جن کی غایت عقائد کا اصول مقرر کرنا ہے۔ ان کے مقرر ہونے کے بعد حامیاں سائنس اور شیدائیاں مذہب میں بلحاظ عمل کوئی فرق نہیں رہتا۔ یعنی دونوں اپنے اصول یا عقائد پر کاربند ہوتے ہیں۔ احکامات مذہب کا جزو اعظم ہیں۔ نمازیں پڑھو۔ روزے رکھو۔ حج کرو۔ زکوٰۃ دو۔ شراب نہ پیو۔ چوری نہ کرو۔ جھوٹ نہ بولو وغیرہ وغیرہ ارکان مذہب ہیں۔ ان احکامات کی خلاف ورزی کا نتیجہ مذہب کی عمارت کا انہدام ہے سائنس کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے کوئی واسطہ نہیں۔ اُس کا کام قوانین قدرت کی توضیح و تشریح ہے جن کے مطابق عمل کرنا نہ کرنا افراد سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ قوانین ایسے ہیں جو کبھی بدل نہیں سکتے۔ ان میں نفع و ضرر دونوں پہنچانے کی اہلیت ہے۔ مثلاً بجلی کی مدد سے روشنی ہوتی ہے۔ پنکھے چلتے ہیں۔ خبریں آتی جاتی ہیں اور یہی بجلی ہے کہ ایک سکنڈ کے اندر انسان کو ہلاک کر دیتی ہے۔ یہ قوانین نظام قدرت کے ایک زبردست قانون کے تحت ہیں۔ جسے انگریزی میں Law of Causation کہتے ہیں اس کے مطابق ہر واقعہ کسی دوسرے واقعہ کی علت یا اس کا معلول ضرور ہوتا ہے اور کوئی علت ایسی نہیں ہو سکتی جو نیچر کی محکوم نہ ہو۔ چند مخصوص اسباب کے اجتماع سے جو نتائج ظاہر ہوں گے وہ بھی مخصوص ہوں گے۔ یعنی جب کبھی یہ نتائج ظاہر ہوں اُن کے اسباب دوسرے نہیں ہو سکتے۔ یہ قانون کسی کی رو رعایت نہیں کرتا۔ ہندوؤں کا وہ قانون جو کرما (   ) کے نام سے موسوم ہے اس سے ملتا جلتا ہے۔ اگر تم شراب پیوگے۔ جھوٹ بولوگے یا کوئی

اور گناہ کروگے تو تمہیں اس کی سزا مرنے کے بعد ضرور ملے گی۔ کیونکہ کرما کے قانون کے مطابق نہ کوئی تمہارا شفیع ہو سکتا ہے اور نہ پرمیشور خود تم پر رحم کر سکتا ہے۔ اس کے برخلاف اسلام کا یہ دعویٰ ہے کہ جس ذات نے قوانین بنائے ہیں اُسے یہ بھی اختیار ہے کہ بعض حالتوں میں بعض اشخاص کو کسی قانون کی گرفت سے مستثنیٰ کر دے۔ وہ اگر چاہے تو اپنے بنائے ہوئے قوانین کو کلیتاً منسوخ کر دے۔ اُسے قدرت ہے کہ آفتاب کو مغرب سے طلوع کر دے۔ ستاروں کو آپس میں ٹکرا دے بلکہ یوں کہئے کہ ہر محال اُس کے لئے ممکن ہے۔

سائنس کی تعلیم حاصل کرنا فی نفسہ کوئی بُری بات نہیں ہے کیونکہ وہ مذہب کی طرح تمہارے سامنے احکامات نہیں پیش کرتی اور نہ مذہب کی طرح کسی اصول پر کاربند ہونے کے لئے مجبور کرتی ہے۔ وہ خود اس بات کی مقر ہے کہ اس سے غلطی ہو سکتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اُس کی غرض نجات اُخروی نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد تمہیں دنیا میں بیدار مغز، ہوشیار اور صاحب فہم و ذکا بنانا ہے۔ اس کی ہدایت یہ ہے کہ ہر شخص اپنے عقائد کی بنا تجربات و مشاہدات پر قائم کرے۔ غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مذہب کی ابتدا بھی انہی دو باتوں سے ہوئی ہے۔ جب کوئی نبی دنیا میں آیا تو لوگوں نے تجربات و مشاہدات کی کسوٹی پر کسنے کے بعد اس کی تصدیق یا تکذیب کی۔ اگر بنی اسرائیل عقل اور حواس خمسہ کو بالائے طاق رکھ دیتے تو موسیٰ علیہ السلام لاکھ بلائیں لاتے اور اژدہے دکھاتے مگر فرعون ہمیشہ خدا خیال کیا جاتا اور اُنہیں کوئی خدا کا نبی نہ تسلیم کرتا۔ علاوہ ازیں اگر وہ خود تجربات و مشاہدات کے دشمن ہوتے تو اپنی قوم سے پہلے ہی کہہ دیتے کہ میں تمہیں خدا کی نشانیاں مطلق نہ دکھاؤں گا بلکہ تمہیں آنکھیں بند کرکے میرے اقوال پر آمنا و صدقنا کہنا ہوگا۔ موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ بھی جتنے انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں سب نے عوام کی عقل سے اپیل کی اور لا اکراہ فی الدین کا لحاظ رکھتے ہوئے کسی پر زبردستی اپنا دین منڈھ نہیں دیا۔ پیغمبر اسلامؐ نے جس قدر اہمیت تجربات و مشاہدات کی بتائی ہے غالباً اور کسی مذہبی پیشوا نے نہیں بتائی۔ قرآن مجید میں آیہ سیروا فی الارض کا مطلب محض دنیا کی زمین ناپنا نہیں ہے ورنہ "ہنوز خرباشد" سے زیادہ فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ ارشاد خداوندی یہ ہے کہ اپنی آنکھوں سے عجائبات قدرت کا مشاہدہ کرو، عقل کو کام میں لاؤ اور اس طرح اُن امور سے واقف ہو جاؤ جو پردۂ جہالت کے باعث تمہاری نظروں سے روپوش ہیں۔ اس ارشاد پر عمل کرنا اور سائنس پر عمل کرنا دو متضاد باتیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی بات ہے۔

تجربات و مشاہدات کے سلسلہ میں یہ امر بھی فیصلہ طلب ہے کہ آیا عقل انسانی محدود ہے یا غیر محدود؟ میرا خیال یہ ہے کہ عقل کو ایک اور محض ایک اعتبار سے محدود کہا جا سکتا ہے۔ اس کے سامنے کوئی مستقل حد سد سکندر یا دیوار چین کی طرح قائم نہیں با الفاظ دیگر یہ کہ حد عقل کا دوسرا نام جہل ہے جس کا غیر مستقل ہونا ہر شخص پر روشن ہے۔ تاریخ عالم اس بات کی شاہد ہے کہ حد عقل مرور ایام کے ساتھ گھٹتی بڑھتی ہے۔ میں صرف چند مثالوں پر اکتفا کروں گا۔ کسی زمانہ میں یہ بات خواب و خیال میں بھی نہ آسکتی تھی کہ انسان ہفتوں کا رستہ چند گھنٹوں میں طے کر سکتا ہے۔ لیکن جارج اسٹفنسن نے متحرک

انجن ایجاد کر کے عقل کو وسعت دی جس سے جہل کی حدود دور جا پڑی۔ اس کے بعد ایک عرصہ تک کسی کے ذہن میں یہ بات نہ آ سکتی تھی کہ انسان زمین سے اوپر بھی جا سکتا ہے لیکن بقول اکبر مرحوم

میسر خاکساروں کو بھی اب تخت سلیماں ہے

اگلے خیالات غلط ثابت ہوئے اور قیود عقل کا ایک بند اور ٹوٹ گیا۔ اسی طرح گراموفون۔ تار برقی۔ جر ثقیل۔ ایکسرے X-ray وغیرہ وغیرہ ہزاروں باتیں سائنس نے ایسی دریافت کی ہیں جن کی وجہ سے عقل کی مملکت بہت وسیع ہو گئی ہے علیٰ ہذا القیاس عقل کے حدود تنگ بھی ہو سکتے ہیں جیسا کہ قدیم یورپ کی تہذیب و تمدن کا موازنہ ازمنۂ وسطیٰ کی جہالت کے ساتھ کرنے پر معلوم ہوتا ہے۔ ان باتوں سے یہ ثابت ہوا کہ ہر مسئلہ سعی و محنت سے حل ہو سکتا ہے۔ یہ وہم کہ فلاں بات کبھی سمجھ میں نہ آئیگی بے بنیاد ہے۔ جہاں ایسا خیال پیدا ہوا کہ ترقی کا زینہ ختم ہو گیا۔ لیس للانسان الا ما سعیٰ۔ خدا نے انسان کو عقل سے ممتاز فرما کر اشرف المخلوقات کا خطاب عطا کیا۔ پھر عقل ایسی نعمت غیر مترقبہ پا کر اس سے متمتع نہ ہونا بہیمیت اور کفران نعمت نہیں تو اور کیا ہے سائنس اس امر کے متعلق جو کچھ کہتی ہے وہی مذہب کی بھی تعلیم ہے۔

لیکن یہ بات کبھی فراموش نہ کرنی چاہیئے کہ انسان خطا و نسیان کا پتلا ہے۔ ممکن ہے کہ ایک معمولی امر کی تحقیق میں تم نادانستہ غلطی کر بیٹھو۔ بڑے اور اہم امور کی تحقیق تو بہت ہی دشوار اور پر از خطر ہے اس غلطی کے امکان کو مذہب ہی نہیں بلکہ سائنس بھی تسلیم کرتی ہے۔ خود سائنس کی تاریخ ارتقا اس بات کی شاہد ہے کہ بڑے بڑے ماہرین سائنس اغلاط کے مرتکب ہو چکے ہیں۔ جن کی مقبول عام تھیوریاں یکبارگی خاک میں مل گئیں۔ آج کل چند زبردست سائنس داں یہ کوشش کر رہے ہیں کہ نیوٹن کی کشش اجسام اور ڈارون کی انتخاب فطری کی تھیوریاں غلط ثابت کر دیں۔ اُن کی کوششیں کسی بُری نیت سے نہیں ہیں۔ کوئی تعجب نہیں کہ ایک دن انہیں کامیابی حاصل ہو اگر ایسا ہو گیا تو دنیائے سائنس میں انقلاب عظیم پیدا ہو جائے گا اور بہت سی تھیوریاں جو متذکرہ بالا تھیوریوں پر مبنی ہیں نیست و نابود ہو جائیں گی۔ حاصل کلام یہ کہ قرآن مجید کی طرح سائنس کی کتاب لاریب فیہ نہیں کہی جا سکتی اور نہ سائنس کو اسکا دعویٰ ہے۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ مدتوں اصول مذہبیہ سے انکار کرنے کے بعد سائنس نے اُن کی تصدیق کی۔ صدیوں کی تحقیقات کے بعد سائنس اُسی نتیجہ پر پہنچے جس کی تصدیق مذہب نے ابتدا ہی میں کر دی تھی چنانچہ سر الیور لاج جو فی زمانہ انگلستان کے بڑے سائنس دانوں میں گنا جاتا ہے عالم ارواح کے متعلق تحقیقات میں مصروف ہے۔ اس نے بعض ایسی باتیں دریافت کر لی ہیں جو عرصہ سے مسلمانوں کی مذہبی کتابوں میں مذکور چلی آتی ہیں۔ جس طرح ماہرین سائنس اغلاط سے پاک نہیں اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ ہم اپنی مذہبی کتابیں سمجھنے میں غلطی کر بیٹھیں۔ اس لئے ہمیں لازم ہے کہ قرآن مجید اور احادیث نبوی کے مطالب بغور سمجھنے کی کوشش کریں محض سطحی معانی پر اکتفا نہ کر لینا چاہیں سائنس کو نفرت یا تعصب کی نگاہوں سے دیکھنا کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا ہمیں چاہیئے کہ اسلامی کتابوں کو عقل کی روشنی میں پڑھیں کیونکہ یہی ایک طریقہ ہے جو مذہب اور سائنس کے باہمی نفاق کو دور کر سکتا ہے اور جو مسلمانوں کی فلاح و بہبودی کا باعث ہو سکتا ہے۔ خدا کے فضل سے آج ہماری حالت ایسی ابتر نہیں ہے جیسی عیسائیوں کی مارٹن لوتھر کے زمانہ میں تھی لیکن بایں ہمہ ہماری حالت قابل اطمینان ہرگز نہیں ہے اگر دنیا میں رہ کر ترقی کرنا ہے تو ہمیں اپنے دماغوں کے دروازے کھول دینے ہوں گے۔ خدا اور اس کے رسول کے کلام سے بڑھکر دوسری کوئی چیز ہماری ہدایت کے لئے نہیں ہے مگر اس کے صحیح طور پر سمجھنے کے لئے روشن دماغی اور بیدار مغزی کی ضرورت ہے جنکی جانب توجہ دلانا سائنس کا مقصد اولین ہے۔

نعمان۔ بی۔ اے

دل کی دنیا

صبح کا وقت بھی کتنا سبق آموز نصیحت خیز ہوتا ہے جبکہ آفتاب نہایت آب و تاب شان و شوکت سے اپنی زریں شعاعوں کے تیروں کی بارش غافل بے ہوش مخلوق پر کرتا ہوا برآمد ہوتا ہے۔ شب بھر کا آرام آفتاب میں نئی تازی روح پھونک دیتا ہے جس سے وہ اپنے کام میں پھر سرگرمی سے معروف ہو جاتا ہے۔ باوجود موسم کی خرابیوں اند باوجود ابر غلیظ کے موٹے موٹے نقابوں کے آفتاب کی ضو ان سب کے پار نکل جاتی ہے۔ ندی سی جگہ تھوڑی سی آسانی بھی پا لیتا ہے تو دنیا کو اپنی رنگین سنہری شعاعوں سے منور کر دیتا ہے۔

اس موثر موقع پر میرے دل عبرت آشنا نے کہا انسان خلعت شرافت میں ملبوس ہونے والا انسان ذرا سی رکاوٹ تھوڑی سی تکلیف مصیبت میں ہمت ہار دیتا ہے۔ باوجود ہر قسم کی سہولت و آسانی اپنے شامل ہونے کے اپنے کار منصبی میں ناکام رہتا ہے۔ بایں ہمہ خلاق عالم کی نوازشوں، مہربانیوں کے اپنے آپ کو ناکارہ ثابت کرتا ہے۔ وہ زندہ کہلانے کا ہرگز مستحق نہیں۔

چھوٹا سا مٹر کا دانہ ابھی بویا ہی گیا تھا کہ ظالم برسات کے پے بہ پے جاں گسل حملے اس پر ہوتے گئے۔ مٹی نے اپنی عمیق آغوش میں چھپا لیا۔ انسانوں کے قدم نے بھی اس کو ملنے میں حصہ لیا۔ کیڑے مکوڑے نے بھی نیست و نابود کرنا چاہا لیکن ننھے سے دانہ نے ان سب مصائب آلام سختیوں کو اپنے نازک جسم پر دلیرانہ سہا۔ اُف نہ کی۔ بارش تھک ہار کر چپ ہو رہی۔ سورج کی شعاعوں نے مٹی کو خشک کر دیا۔ ہوا نے اپنا کام کرنا شروع کیا۔ بیچارہ ننھا مٹر جس کی ہستی قریب فنا کے پہنچ چکی تھی نئی آرزوں امنگوں کے ساتھ سربلند ہو کر سرسبز شاداب لہلہانے لگا۔

میرے دل ہمت آفرین نے کہا۔ اس مٹر کے دانے سے سبق حاصل کر۔ دنیا کی مصیبتوں اور آفتوں پر چیخ نہ اُٹھ صبر تحمل بردباری علو ہمتی سے کام لے۔ سب کچھ سہہ اپنی ہستی کو ناکارہ مت تصور کر۔ بحر فنا کے امواج گرداب سے نکلنے کی پیہم کوشش کر۔ یہی ہمت جرأت ایک دن تیری کامیابیوں کا زریں سہرہ بن جائے گی۔ اگر تجھ سے اتنا نہ ہو سکے تو آبادیوں کو خیرباد کہہ۔ کوہساروں اور ریگستانوں میں بے سر و سامان بھٹکتی پھر۔

شام کا پرلطف وقت عالی شان محلسرا کے پائیں باغ میں سنگ سرخ کے حوض میں سنگ یشب کے فوارے

ہے پانی اُچھل اُچھل کر زریں مورتی پر گر رہا ہے۔ بہار کا موسم اپنی تمام رنگینیوں دلکشیوں سے رونما ہوا ہے۔ آبشار اپنا نغمۂ شیریں گاتا ہوا گر رہا ہے ندی دھیمی لے میں گن گناتی بہتی ہے۔ دور سبز مخملی فرش خاکستری ہریالی عالم فرحت انبساط میں کلیلیں بھر رہی ہیں نسیم خوشگوار کے عنبریں جھونکوں سے مست ہو کر ایک عجیب کیف سرور کی مدہوشی میں اشجار جھوم رہے ہیں۔ ڈوبتے ہوئے آفتاب کا ارغوانی عکس مورتی پر پڑ کر قوس قزح کا دلفریب سماں پیش کر رہا ہے۔ حسین لڑکی اس فرحت انگیز اور روح پرور سین سے اتنی متاثر ہوئی کہ عالم بیخودی میں مورتی کے آگے سرنگوں ہو گئی۔

میرے دل حقیقت آشنا کی دنیا میں ایک طوفان برپا ہو گیا۔ ایک ہیجان مچ گیا۔ ایک نئی دنیا نظر آئی۔ اس مہ جبیں کے اس عقیدت مندانہ فعل پر میرا سر اس ہستی فوق الادراک اس حسن و رنگینی کے مبداء کے آگے ایک بے اختیاری کے عالم میں جھک گیا۔

مہرالنساء والئہ

گلے کے غدود

گلے کے غدودوں کی نسبت بہن بلقیس بیگم صاحبہ کا خط بزم عصمت میں دیکھا۔ ابھی تین ماہ کا عرصہ ہوا کہ میری دس سالہ لڑکی صابرہ بانو کے غدود اپریشن سے نکالے گئے یہ کوئی خطرناک اپریشن نہیں ہے اور خدا کے فضل سے اس میں کوئی اندیشہ کی بات نہیں ہے دو سال سے صابرہ کے گلے میں یہ شکایت تھی۔ اوپری علاج بہت کیا گیا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا، ہر ایک ڈاکٹر کی یہی رائے تھی کہ اپریشن کرایا جائے۔ لیکن مجکو اپریشن کراتے ہوئے خوف معلوم ہوتا تھا۔ آخرکار مجبور ہوکر میں اپریشن کے لئے راضی ہوئی۔ اس کے بہت سے خراب نتائج مجھکو بتلائے گئے۔ میں نے اس تکلیف کو آیندہ کی تکلیف پر ترجیح دی۔ ہم سب اندور گئے۔ میرے والدین بھی اس موقع پر ایک ہفتہ کی رخصت لیکر آگئے اور بہت سے عزیز بھی آئے کیونکہ سب کو فکر تھی۔

عیدالفطر کے ایک روز پہلے صبح سات بجے بچی کو اپریشن کے لئے طیار کیا اور ایک ہشیار ڈاکٹر کو بلایا اس نے بہت آسانی کے ساتھ لڑکی کو بٹھا کر بغیر کلورا فارم وغیرہ دیتے ہوئے دو منٹ میں غدود نکال لئے اس روز بچی کو ذرا تکلیف رہی شام کو خفیف سی حرارت بھی ہوگئی تھی۔ دوسرے روز خوشی خوشی عید منائی۔ گردن پر کچھ تھوڑا سا ورم بھی آگیا تھا جو کہ سینکنے سے رفع ہوگیا۔ دو روز تک ساگودانہ کی پتلی کھیر پلائی گئی۔ اس کے بعد کھچڑی دی گئی ایک ہفتہ کے اندر ہی حلق بالکل صاف ہوگیا۔ دو تین ماہ تک تیل کھٹائی وغیرہ سے پرہیز کرایا گیا۔ چار پانچ شیشی ٹین کاڈلیور آئل کی پلائی گئیں اب بفضلہ خدا کسی بات کی شکایت نہیں ہے۔

آج کل یہ مرض عام ہوگیا ہے۔ اس قسم کے ہزارہا اپریشن ہر ہفتہ ہوتے ہیں اور ان کا اثر نہایت تسلی بخش ہوتا ہے اپریشن سے یہ تکلیف ہمیشہ کے لئے دور ہوجاتی ہے۔ اس کے ہونے سے جو تکالیف محسوس ہوتی ہیں وہ جاتی رہتی ہیں۔ بعض اوقات یہ غدود بے شمار بیماریوں کے موجب ہوتے ہیں۔ بعض وقت جسم کی نشوونما بھی رک جاتی ہے اور قد پست ہی رہجاتا ہے غدود خواہ گلے کے ہوں یا تنفس کی نالی کے جسم کا ایک ضروری حصہ ہوتے ہیں اور جراثیم کے مضر اثرات کا مقابلہ کرتے ہیں لیکن اکثر اوقات ان میں بھی خرابی پیدا ہوجاتی ہے اور مضر اثرات کا مقابلہ کرنے کی بجائے کچھ مزید زحمت کا باعث بنتے ہیں۔ جب اُن کی جسامت بڑھ جاتی ہے تو آسانی سے سانس نہیں لیا جاتا۔ کیونکہ اُن کے ساتھ تنفس کی نالی کے غدود بھی متورم ہوجاتے ہیں اس سے یا تو منہ سے سانس لینے کی بیماری پیدا ہوجاتی ہے اور اگر بیماری پیدا نہیں ہوتی تو .... کافی طور پر سانس ہی نہیں لیا جاسکتا۔ بعض وقت یہ تکلیف بہت بڑھ جاتی ہے

اگر یہ غدود زیادہ متورم ہوں اور سوزش بھی اس کے ساتھ ہو تو تمام جسم میں ان کا زہر سرایت کر جاتا ہے اور قوت ہاضمہ میں بھی فتور آجاتا ہے۔ اس کی وجہ زیادہ تر یہ ہوتی ہے کہ غدودوں کا گندہ مواد غذا کے ساتھ معدے میں جانے لگ جاتا ہے۔ جسم میں اس کا اثر پھیل جانے سے سوءِ ہضمی کی شکایت ہی نہیں پیدا ہو جاتی ہے بلکہ بچوں کی تندرستی اور بڑھاؤ پر بہت نمایاں اثر ہوتا ہے۔

بہن بلقیس بیگم کی خالہ صاحبہ کو چاہیئے کہ فوراً ہی ڈاکٹر کی رائے پر عمل کریں بلا کسی خوف و اندیشہ کے انشاءاللہ تعالیٰ آپ کی لڑکی کو شفا ہوگی۔ (آمین)

ص۔ ق۔ بیگم مسز عبدالرشید خاں۔

خوشی کی قدر

دنیا میں خوش رہنا ہی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اگر تم یہ خیال کرتی ہو کہ میں خوش نصیب ہوں تو واقعی تم دنیا میں سب سے زیادہ خوش نصیب ہو۔ جو لوگ اپنے بچوں کو درازیٔ عمر کی دعا دیتے ہیں اس سے یہ کہیں بہتر ہے کہ وہ کہیں کہ خدا تم کو ہمیشہ خوش رکھے کیونکہ موت یقینی ہے پھر وہ زندگی ہی کیا جو بدمزگی سے کٹے۔ بقول شاعر۔؎

مصیبت اور لمبی زندگانی ۔۔۔ بزرگوں کی دعا نے مار ڈالا

ہمیشہ خوش رہنے کی کوشش کرو خواہ وہ تمہیں زبردستی ہی حاصل ہو کیونکہ تمہارے چہرے کی خوشی کا اظہار دوسرے کے فکر و تردد کو مٹا دے گا۔

اگر تم اپنے بچوں سے خوش خوش پیش آؤ گی تو وہ بھی ہمیشہ خوش رہیں گے۔ جس سے اُن کی صحت پر بہت اچھا اثر پڑیگا کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ جن بچوں کے والدین مزاج کے چڑچڑے اور غصیلے ہوتے ہیں اُن کے بچوں کی صحت بھی ٹھیک نہیں رہتی۔ اگر تم کسی بچے سے کہو کہ کیوں رے کم بخت تو نے آتے ہی اپنی

دنیا ان کا ہمدرد دوست بھی نہیں ہوتا۔ بچے ان سے خوف کھاتے ہیں اور خانگی معاملات میں ہمیشہ شکر رنجی رہتی ہے تو ہمیشہ خوش رہو خوش

واسکٹ اُتار کر یہاں پھینک دی چل اسے اُٹھا کر کھونٹی پر ٹانگ۔ اور اگر اسی جملہ کو اس طرح کہا جائے "بیٹا عبدالخالق تم سکول سے آکر اپنی واسکٹ اُتار کر اس طرح کیوں پھینک دیتے ہو اسے کھونٹی پر ٹانگ دینا چاہیئے نا"، تو سمجھ لیجئے کہ ان دونوں جملوں سے بچے پر کیا کیا اثر پڑیگا بچوں سے نرمی سے پیش آنے پر وہ ہمیشہ فرمانبردار رہیں گے طبیعت کے خوش مزاج ہوں گے۔ اُن کی صحت اچھی رہیگی۔ اور عادتیں مہذب۔ شوہروں کو بھی چاہیئے کہ جب وہ گھر میں آئیں تو اُن کا چہرہ بشاش ہو خواہ اس کے لئے اُنہیں بناوٹ سے ہی کام لینا پڑے کیونکہ جب اُنہیں بچے دیکھیں گے تو وہ بھی خوشی خوشی اپنے باپ سے میٹھی میٹھی باتیں کریں گے جس کی وجہ سے باپ کا تمام رنج و فکر دور ہو جائیگا اور وہ بیوی بھی جیتی مسرت کا مرکز تم ہو ہمیشہ خوش رہیگی۔ دنیا پہلے ہی غم سے بھری ہوئی ہے اسے اور غم نہ پہنچاؤ۔ خود بھی خوش رہو اور دوسروں کو بھی خوش رکھنے کی کوشش کرو۔ بہت سے [illegible] پیدا کرنے کی کوشش کرتے [illegible] گھر کے [illegible] حال [illegible] مگر ایسے لوگوں کی صحت اچھی نہیں رہتی لوگ اُن سے ڈرتے ہیں

چیچک اور اس کا علاج

چیچک ایک متعدی بیماری ہے جو دوسری تمام متعدی بیماریوں سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے چونکہ یہ بیماری ایک شخص سے بہت جلد دوسرے کو لگ جاتی ہے اس لئے جس گھر میں اس کا ایک مریض بھی ہوتا ہے تو بہت جلد دوسرے تندرست لوگ بھی اسی مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جس کی زیادہ تر تو یہی وجہ ہوتی ہے کہ کثرت سے پھیلنے والی بیماری ہے۔ لیکن بعض اوقات کافی احتیاط نہ کرنے سے بھی لگ جاتی ہے خصوصاً ایسے بوڑھے بچوں یا جوانوں کو جن کے چیچک کا ٹیکہ نہیں لگا یا ٹیکہ لگے بہت عرصہ ہو جاتا ہے۔ زمانہ قدیم سے لوگ اس موذی مرض سے ڈرتے چلے آرہے ہیں۔ کیونکہ ٹیکہ نہ لگنے کی حالت میں فی صدی ۲۵ سے ۵۵ تک تو ضرور موت کے گھاٹ اُتر جاتے ہیں۔ اس مرتبہ مارچ سنہ ء میں میری چھوٹی بہن کو بھی بیماری لگ گئی تھی تو میں نے اس کا جس طریقہ سے علاج اور پرہیز کیا اس سے بہت جلد بیچاری بہن تندرست ہو گئی۔ اور خدا کے فضل سے آنکھیں بھی بالکل درست رہیں اور چہرے وغیرہ پر نشان بھی نہ پڑے چنانچہ وہی تجربات اور علاج عصمتی بہنوں کی خدمت میں پیش کرتی ہوں امید کہ خاطر خواہ فائدہ ہوگا۔

علامات } جب اس بیماری کے جراثیم کسی میں داخل ہو جاتے ہیں تو قریب ۱۲ روز تک چیچک ظاہر نہیں ہوتی۔ بچوں کے ہاتھ پیر، پیٹھ اور سر میں درد ہوتا ہے اور اکثر پہلے روز ۱۰۴ تک بخار رہتا ہے۔ چوتھے دن پیشانی پشت اور ہاتھ پیر پر دانے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ پھنسیاں بیشتر سرخ ہوتی ہیں اور دو ایک دن میں بڑھ جاتی ہیں نیز صاف رطوبت سے بھر جاتی ہیں۔ یہی رطوبت دو ایک دن بعد پیپ بنجاتی ہے۔

بستر } ایسی حالت میں تیمار دار کو لازم ہے کہ مریض کا خاص بستر (جس پر وہ تندرستی کی حالت میں سوتا ہو) اُٹھا کر پرانا صاف ستھرا موسم کے لحاظ سے دوسرا بستر لگا دے اور اس پر مریض کو بآرام لٹا دینا چاہیئے۔

کمرہ } مریض کا کمرہ صاف ستھرا اور دیگر اشیاء سے سوا مریض کی ضرورت کی چیزوں کے خالی ہونا چاہیئے کمرہ کی کھڑکیاں بند کرکے اس کو تازی ہوا سے محروم نہ رکھنا چاہیئے۔

غذا } مریض کی غذا نمکین و مرچ دار چیزوں سے ہرگز نہ ہونا چاہیئے ورنہ پھنسیوں میں بیحد خارش ہوگی اور مریض مجبور ہو کر پھنسیاں پھوڑ دیگا۔ اس لئے غذا ہمیشہ زود ہضم و بے نمک مرچ کی ہونی چاہیئے۔ مثلاً دودھ ڈبل روٹی۔ خرنی یا ساگودانہ وغیرہ۔ چائے بھی دیجا سکتی ہے مگر عام طور پر جاڑے گرمی میں اضافہ ہونے کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ نہ دینا ہی بہتر ہے۔

علاج اس کا کوئی عمدہ علاج نہیں ہے۔ صرف اچھی تیمارداری و صفائی کی ضرورت ہے۔ اگر بخار شدت سے ہو تو ٹھنڈے پانی کا سپنج کرنا بہتر ہے اور دوسرے تیسرے دن اپسم سالٹ Epsom Salt وغیرہ کا مسہل دینا چاہیئے۔ پیپ اور سکھ نے کے متعلق ذیل کی تدابیر پر عمل کرنا چاہیئے۔ ٹھنڈا پانی جس میں فیصدی دو پونڈ کاربولک ایسڈ ملا ہو اس میں کپڑا بھگو کر ہاتھ اور چہرے پر پھیرنا چاہیئے اور جب پیپ خشک ہو کر کھرنڈ ہونے لگے تو اکثر اس پر ویسلین لگانا چاہیئے اور مریض کو پھنسیاں کھجلانے سے روکنا ضروری ہے ورنہ بدنما داغ پڑ جائیں گے۔

آنکھ کی حفاظت اس بیماری میں آنکھ کو نقصان پہنچنے کا بہت احتمال ہوتا ہے۔ چنانچہ ہر دو تین گھنٹہ بعد پپوٹوں کو بورک ایسڈ لوشن سے دھونا چاہیئے۔ آنکھ دھونے کے بعد پپوٹوں کو صاف کپڑے سے پونچھکر ویسلین لگا دینا بہتر ہے۔ اگر دوسرے تیسرے گھنٹے بورک ایسڈ لوشن کانوں میں بھی ڈالدیا جائے تو مفید رہے۔

منھ اور حلق کی صفائی منھ اور حلق کو صاف رکھنا بھی نہایت ضروری ہے ورنہ لاپرواہی کرنے سے پائریا ہو جانے کا بھی اندیشہ ہے چنانچہ مندرجہ ذیل نسخے سے دو دو گھنٹہ بعد کلی کرائیں تو نہایت مفید ثابت ہوگا۔

کاربولک ایسڈ	۱ ڈرام
گلیسرین	۱ آونس
سیٹوریٹیڈ بورک ایسڈ سولیوشن	۱۰ آونس

ان سب دواؤں کو ایک شیشی میں دکان سے بنوالیں اور مریض کو کلی کرائیں (یہ دوا جب کسی کا منھ آجائے تب بھی استعمال کرنا مفید ہے)

چند اور ضروری ہدایتیں جب مریض بالکل اچھا ہو جائے تو غسل کرائیں۔ بستر وغیرہ کو جلا دینا بہتر ہے۔ ورنہ خوب کھولتے پانی میں نصف گھنٹہ تک پکانا چاہیئے۔ بعد کو نکالکر فنیل گھلے پانی میں خوب نچوڑ کر چار پانچ روز تیز دھوپ میں سکھائیں۔ کمرہ اور پلنگ وغیرہ بھی خوب دھوئیں۔ شیشیاں اور برتن بھی اسی طرح کھولتے پانی سے صاف کرنا چاہیئے۔ نیز واضح ہو کہ جب مریض چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے تو مہینہ ڈیڑھ مہینہ تک گھر سے نہ نکلنا چاہیئے۔ چھوٹے بچوں میں بیدرہ بیس دن تک نہ نکلنا چاہیئے۔ اکثر اس بیماری سے اچھے ہوتے ہی کھانسی آنا شروع ہو جاتی ہے۔ لہذا مریض کو کافی دودھ۔ میٹھا دہی۔ تازہ مکھن یا بالائی استعمال کرائیں۔ میٹھے پھل بھی خوب کھلانا چاہئیں۔ بعض مریضوں کی رنگت خراب ہو جاتی ہے۔ مگر اس طرح علاج کرانے سے اتنا اندیشہ نہیں۔ پھر بھی اگر شکایت ہو تو کھرنڈ جھڑنے کے چار پانچ روز بعد تازہ مکھن (سفید جو نمکین نہیں ہوتا) اور کچے ناریل کا پانی باری باری سے چہرے اور ہاتھوں پر لگانے سے یہ شکایت بھی رفع ہو جاتی ہے۔

کشور مس یونس خاں لکھنو

کروشیا کی خوبصورت تھیلی

یہ تھیلی ہلکے رنگ کی ریشمی تاگے کی بہت خوبصورت بنتی ہے

اس میں روپیہ پیسہ وغیرہ رکھو تو گرتے نہیں ہیں۔

یہ نمبر ایک سے شروع کی جاتی ہے پہلے زنجیرہ
بن کر اس کو دوہرا کریں پھر گول بنتی چلی جائیں
اس کی تمام لائن سیدھی رہیں گی۔
نمبر ۲ تک بن کر اس کا آدھا حصہ چھوڑ کر
جو کہ پیچھے کی طرف رہیگا۔ اگلے حصہ میں
زنجیریں بنائیے اور ایک تاگے کا چھلا
الگ بنا کر اس میں زنجیروں کو آویزاں
کردیں۔ یہ کرنے کے بعد پیچھے والا حصہ بنائیں
پھر ایک خانہ میں دو دو زنجیریں بنتی جائیں
اور پھر بڑے کنگوروں تک لاکر ختم کردیں
یہ نمونہ بند تھیلی کا ہے۔ ہاں ختم کرنے سے
پہلے ایک چکر اسی تاگے کا یا دوسرے رنگ کے
تاگے کا چاروں طرف کریں اور نمبر ا والے
منہ کو بھی ملادیں۔ یہ بنی ہوئی بہت گف
ہوتی ہے۔ بیچ کے کنگورے میں ایک پریس
بٹن لگادیں بند کرنے کے لئے اور اوپر
کا چھلا بیچ والے کے برابر رکھیں۔

صابرہ بانو بیگم بنت شیخ عبدالرشید خاں لکھنؤ

عصمتی کشیدہ کی دو بیلیں

یہ بیل ریشمی ساڑھیوں اور دوپٹوں کے کناروں پر بڑے فراک جمپر کے دامن پر یا پائجاموں کی گوٹ پر ڈبیوں کی دیواروں پر جوتی کامدانی کٹوری شاروں کی کرمہت کے لئے موزوں ہے۔

سائرہ بنت عبدالرحمٰن از بمبئی

پہلا پھول

اس پھول کو تکیہ کے غلاف پر یا کرتہ کے آستین پر یا ساری کے کنارہ پر بنانا چاہئیے۔ ریشمی دھاگا استعمال کرنا زیادہ اچھا ہوگا۔ پھول [illegible] سرخ [illegible] سے پتیاں [illegible] سے اور پھول کے بیچ کی لکیریں گلابی دھاگے سے بنانا ہوگا اور پھول اس کے سرے پر موتیاں ٹانکنی ہوں گی۔

حاشیہ کے لئے بہترین نمونہ ہے شہر بانو

(کتاب عصمتی کشیدہ سے نقل کی گئیں)

مذہبی معلومات

میرے پاس عصمتی لڑکیوں کے جو بھی خطوط آتے رہتے ہیں اُن کے بعض جواب دوسری بہنوں کے لئے بھی مفید ہو سکتے ہیں اس کے علاوہ بعض ایک ہی قسم کے سوالات مختلف بہنوں کے ہوتے ہیں۔ اس لئے میں آیندہ سے اس قسم کے سوالات عصمت میں لکھکر جواب دوں گا تاکہ میرا وقت بھی کم صرف ہو اور سب لڑکیوں کو فائدہ پہنچے۔

راشد الخیری

(۱) حضرت مولینا۔ سلام علیکم۔ سُنا ہے کہ ساری باندھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں مہربانی فرما کر مفصل جواب تحریر فرمائیے ممنون ہوں گی۔ بیگم حشمت علی ڈپٹی کلکٹر

(۱) سب سے پہلے آپ کو یہ یقین کرلینا چاہیئے کہ اسلام گورکھ دھندا نہیں ہے ایک سیدھا سادہ مذہب جس میں کوئی پیچیدگی کوئی مشکل کوئی دقت نہیں مسلمانوں کے ہاتھوں کٹ پتلی بن گیا ہے۔ اس کا ہر فیصلہ۔ ہر حکم۔ ہر معاملہ ان کی معاشرت اور زندگی سے متعلق ہے۔ خدمتوں کا چھوٹا انبار اور قرآن کی غلط تاویلیں اور تفسیریں غریب مسلمانوں کو پریشان کر رہی ہیں۔ وہ گروہ جو آپکے سامنے قرآن و حدیث کا عالم و عامل بنکر آتا ہے اس کو چھوڑ کر خود غور فرمائیے کہ ساری میں کوئی خرابی ہے؟ اگر اس کی ممانعت ہوتی تو کیوں؟ مختلف ممالک میں مختلف قسم کا لباس استعمال ہوتا ہے اگر نماز صرف پاجامہ سے ہو سکتی ہے تو دنیا کے جن مقامات پر پاجامہ نہیں ہے اُن لوگوں کو نماز بھی نہ پڑھنا چاہیئے۔ پاجامہ کا استعمال تو سرور کائنات کے عہد زریں میں عرب میں بھی کم تھا اور خود سرور عالم تہمد کا استعمال فرماتے تھے جو بمقابلہ پاجامہ کے ساری سے زیادہ مشابہ ہے پھر یہ اعتراض بلا شبہ اور ڈر کیسا۔ اگر اسلام کو پاجامہ زیادہ مرغوب ہے تو میت کو بھی پاجامہ میں دفن کرنا چاہیئے۔ تہمد میں کیوں تاکہ حشر میں بھی پاجامہ پہنکر اُٹھیں اور خدا کے سامنے بھی پاجامہ سے نمودار ہوں۔ اگر یہ صحیح ہو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ غریب عورت جس کو پاجامہ میسر نہیں صرف ایک جامہ کی مالک ہے نماز نہ پڑھے تو گنہ گار نہیں۔ ساری اگر کسی خاندان میں ناپسندیدہ ہو یا کچھ لوگ اس کو پسند کریں تو وہ دوسری چیز ہے۔ مگر مذہب کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔

(۲) علامہ محترم۔ سلام مسنون۔ موسم سرما میں بچّہ کے پیشاب کر دینے سے کپڑے خراب ہو جاتے ہیں اور صبح کے وقت نماز ادا نہیں ہو سکتی۔ اتنی استطاعت نہیں کہ روز کپڑے تبدیل کریں۔ اس گناہ سے بچنے کا کیا علاج کیا جائے۔ ذکیہ ناگپور

(۲) رات کو سوتے وقت نماز کے کپڑے اُتار کر آرام فرمائیے۔ اگر اس میں کوئی دقت ہو تو جہاں تک ممکن ہو کپڑوں کو بچانے کی کوشش کیجئے اگر ناممکن ہو اور دوسرے کپڑے میسر نہ ہوں تو انہی کپڑوں سے نماز پڑھ لینا نہ پڑھنے سے بہتر ہے۔

راشد الخیری

خانہ داری

جھریاں دُور۔ انڈے کی سفیدی زردی سے علیحدہ کریں۔ سفیدی میں روغن زیتون نصف چمچہ اور دس قطرہ ٹنکچر بنیزائن ملا کے خوب پھانٹ لیں۔ چہرہ اچھی طرح صاف کرکے کوئی عمدہ ٹھنڈی کریم رگڑ لیں۔ پھر اسے پونچھ ڈالیں اور گرم پانی سے سینج کریں اور کھال کو خشک کر لیں۔ پھر اس انڈے کے مرکب کو نرمی سے چہرہ اور گردن پر پھیلائیں۔ باچھوں اور آنکھوں کے گرد اور جہاں جھریاں زیادہ ہوں۔ ذرا زیادہ لگائیں۔ خشک ہونے اور آدھ گھنٹے تک لگا رہنے دیں۔ روز واٹر (گلاب کا پانی) تیز گرم کرکے اس سے منہ تھپک تھپک کے دھو ڈالیں +

موٹی اور چکنی کھال فلرس ارتھ لگانے سے ٹھیک ہو جاتی ہے۔ ایک چمچہ فلرس ارتھ میں لکوڈ ایکسٹریکٹ آف وچ ہیزل کی ایک چھوٹی چمچیہ ملائیں۔ تھوڑا سا روز واٹر گرم کریں اور دونوں چیزیں ملا کے ملائم لئی بنا لیں۔ چہرہ صاف کرکے یہ لئی گلے اور چہرہ پر لگائیں۔ باچھوں اور ٹھوری سے کانوں کی طرف اور پیشانی پر ابروؤں سے بالوں کی جڑوں تک اور گلے پر ٹھوری سے گلے کے نیچے تک لگائیں۔ اسے خشک ہو جانے دیں اور ممکن ہو تو آدھ گھنٹے تک لگا رہنے دیں۔ کسی ملائم کپڑے کو گرم پانی میں بھگو کے اس سے چہرہ تھپک تھپک کر صاف کر ڈالیں +

صابن کے ٹکڑے۔ صابن گھس گھس کے ذرا سا رہ جاتا ہے جو گھسنے سے بھی نہیں گھستا۔ عام طور پر جھنجھلا کے اسے یونہی پھینک دیتے ہیں۔ ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ ایک مٹی کا برتن کسی کونہ یا مناسب مقام پر رکھ لینا چاہئے۔ جب کبھی صابن ذرا سا رہ جائے اُسے پھینکنے کی بجائے اس میں ڈالتے رہیں +

ان ٹکڑوں کو کسی برتن میں پانی میں گھول کے برتنوں کے صاف کرنے یا ادنیٰ کپڑوں کے دھونے میں کام میں لایا جا سکتا ہے منہ دھونے کے صابنوں کے ٹکڑے کسی برتن میں ڈالیں اور آنچ پر کھولتا ہوا پانی ڈالیں۔ صابن برتن کے اوپر آجائیگا۔ گرم حالت میں ان ٹکڑوں کو دبا دبا کے ایک ٹکیہ بنایا جا سکتا ہے۔ صابن تراش کے کسی تھوڑے سے پانی کے برتن میں ڈالیں اور اسے کسی گرم جگہ رکھ دیں اسے وقتاً فوقتاً ہلاتے رہیں۔ جب صابن گھل جائے اور پانی ٹھنڈا ہو جائے اس سے ملائم کپڑے خوب دُھلتے ہیں۔ صابن کو گھلا کے اس میں جسقدر بالو ریت ممکن ہو ملائیں۔ گولے بنا کے اس سے میز فرش وغیرہ خوب منجھتے ہیں۔ میٹھے تیل کے چند قطروں میں تھوڑا سا کافور حل کرکے بالو ریت کی بجائے گھلے ہوئے صابن میں ملائیں۔ کھردرے اور نا ملائم ہاتھوں کے لیئے یہ صابن نہایت مفید ہے۔ گھلے ہوئے صابن میں کھریا پیس کے ملائیں اور لئی بنا لیں۔ سفید چمکدار رکابیوں پر خوب ملیں اور گرم پانی سے دھو ڈالیں اور ملائم روئیں دار کپڑے سے چمکا دیں۔ کیواڑ سے چوں چوں کی آواز آتی ہو تو چول میں صابن رگڑنے سے یہ آواز بند ہو جاتی ہے۔

چکنائی کے دھبے۔ ایسے دھبے جنکا پتہ نہ چلے کہ کس چیز کے ہیں یوکلپٹس تیل ملنے اور پانی کا سپنج پھیرنے سے جاتے رہتے ہیں۔ انڈے یخنی اور دودھ کے دھبوں کو پہلے ٹھنڈے پانی سے خوب دھولیں۔ پھر صابن لگا کے گرم پانی سے دھوڈالیں۔ اگر انڈے یا دودھ کے بڑے بڑے دھبے پڑ گئے ہوں تو ٹھنڈے پانی سے دھونے کے بعد کوئی چکنائی دُور کرنیوالا مصالحہ وہاں لگانا چاہیئے۔ یخنی کے دھبوں پر ہیڈروجن پرو کسائڈ لگا کے کپڑا اسفید کیا جاتا ہے۔ ریشمی کپڑوں پر انڈے کے دھبوں پر مالٹ اکسٹرکیٹ بیس گنے شیر گرم پانی میں حل کر کے لگائیں۔ پندرہ منٹ بعد گرم پانی سے دھوڈالیں۔ چاکولیٹ اور کوکو کے تازہ دھبے گرم پانی کی دھار بلندی سے ڈالنے سے دُور ہو جاتے ہیں۔ دیر کے دھبوں کو صابن و گرم پانی سے خوب دھونا چاہیئے۔ بہتر طریقہ یہ ہے کہ دھبہ پر سہاگہ ملیں اور رات بھر ٹھنڈے پانی میں کپڑا پڑا رہنے دیں صبح کو دھوڈالیں۔ جو کپڑا دھلنے والے نہ ہوں اُنکے دھبوں پر متھلی لیٹیڈ سپرٹ جس میں چند قطرے ایمونیا کے ملے ہوں لگائیں۔ یوڈی کولون بھی سپرٹ کا سا کام کرتی ہے مچھلی کے تیل کے دھبے خشک ہو کے بڑا پریشان کرتے ہیں۔ کپڑا مقابلہ کر سکے تو سلفرک ایسڈ بیس گنے پانی میں ملا کے لگائیں۔ یہ احتیاط رکھیں کہ ایسڈ کو پانی میں ڈالیں۔ پانی ایسڈ میں ہرگز نہ ڈالیں۔ بیس منٹ کے بعد پانی سے دھوئیں۔ آخر میں ایسے پانی سے دھوئیں جس میں تھوڑا سا ایمونیا ملا ہوا ہو۔

چالیس سال کی عمر میں۔ چالیسواں سال قدرت کا اشارہ ہے کہ جوانی رخصت اور بڑھاپے کا راستہ شروع ہے۔ مغرب میں تو عورتیں چالیس سال کی عمر میں یہ خیال کر کے کہ جوانی کی دلکشی اب ہاتھ سے جا رہی ہے سنگھار کمروں میں دوڑ دوڑ کے جاتی ہیں اور جوانی کی خوبصورتی واپس لانے کے لیئے اپنے مقدور سے زیادہ خرچ کر ڈالتی ہیں۔ وہاں ایسی ہی ہیں اور ہمارے ملک میں تو تقریباً سب ایسی ہی ہیں کہ جوانی کی رعنائی نے جواب دیا اور صبر کر لیا کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ بڑھاپا آنا ہی تھا۔

لیکن سمجھدار عورت دونوں باتوں میں سے کسی کو پسند نہ کرے گی۔ وہ اپنے جسم و چہرہ کا بغور موازنہ کر کے اپنے مشاغل کو دیکھتے ہوئے روزانہ کچھ نہ کچھ وقت بڑھاپے کا اثر زائل کرنے کے لیئے وقف کر دے گی۔ ذرا سے صبر و استقلال سے حیرت انگیز نتائج برآمد ہونگے۔

چالیس سال کی عمر میں معدہ کی قوت ایسی نہیں رہتی جیسی بیسویں سال میں۔ لہٰذا غذا کا خاص خیال رکھنا چاہیئے۔ معدہ اُن چیزوں کو آسانی سے ہضم نہ کرے گا جو اس کے لیے جوانی میں ایک معمولی بات تھی۔ صاف و نرم جلد کا انحصار عمدہ ہاضمہ پر ہے۔

ورزش بھی نہایت ضروری ہے۔ ورزش معمولی ہونی چاہیئے۔ زیادہ اور سخت ورزش دل و دماغ پر خراب اثر ڈالے گی۔ جنھیں ورزش کرنا دو بھر ہو وہ آدہ گھنٹہ روزانہ سیر کیا کریں۔ بدن چسُت رہیگا۔

جوانی اور خوبصورتی برقرار رکھنے کے لیئے مالش ایک اچھی دوا ہے۔ اعصاب کو قوت دینے والی کریم

روزانہ چہرہ پر ملنی چاہیئے۔ جس بی بی کو نظر آئے کہ چہرہ کا تناسب غائب ہوتا جا رہا ہے اور کھال ڈھیلی ہوئی جاتی ہے وہ کھال کسنے والا لوشن روئی کی گدی سے تھپک تھپک کے کھال میں ملیں۔ زیادہ موٹی بی بی روئی سے مالش کرنے سے چہرہ و گردن کو درست کر سکتی ہیں اور پتلے جسم والیاں روغن زیتون میں خالص لینولائن ملا کے گردن اور بازوؤں پر آہستہ آہستہ ملیں۔ اس سے گڈھے دور ہو جائیں گے۔

جو جوان رہنا چاہیں جی بھر کے سویا کریں۔ کم از کم آٹھ گھنٹے سوئیں۔ دوپہر کا کھانا کھا کے آدھ گھنٹہ آرام کر لیا کریں خواہ سو جائیں۔ اگر نیند نہ آئے تو خاموش اندھیرے کمرہ میں قیلولہ کرنا تازہ دم کر دیگا۔ ہمیشہ ہوادار لیکن اندھیرے کمرہ میں سوئیں۔ روشنی کی چمک والے کمرہ میں آنکھ کا کھلنا آنکھوں کے لیئے مضر ہے۔ صبح کی روشنی نیند سے جاگنے والی آنکھوں کے گرد لکیریں ڈال دیتی ہے۔

سب سے آخر میں لیکن سب سے ضروری یہ ہے کہ جوان رہنے کی خواہشمند بی بی اپنے آپکو جوان کہے۔ اس خیال کا نہایت زبردست اثر پڑتا ہے۔ اپنے آپکو بڈھی سمجھے اور آئینہ میں دیکھے کہ بڑھاپا کیسا رپ رپ کرتا آرہا ہے۔

کپڑوں پر سیاہی۔ املی کا چھلکا اور بیج دور کر کے اس کا گودا پانی میں حل کر کے لئی سی بنائیں۔ سیاہی کے دھبے پر ہلکے ہلکے لگائیں۔ خشک ہو جانے دیں۔ اس پر سنلائٹ صابن گھس دیں اور اسے بھی خشک ہو جانے دیں پھر گرم کے پانی سے دھو ڈالیں۔ ضرورت پڑے پھر صابن لگائیں۔ دھبہ جاتا رہیگا۔ دوسری ترکیب یہ ہے کہ سالٹس آف سوارل لگا کے کپڑے کو پانی میں ڈبوئیں۔ یا دھبہ کو گیلا کر کے معمولی نمک لگائیں اور اس پر لیموں نچوڑیں اور اسے دھوپ میں رکھدیں۔ دھبہ دور ہو جائے تو پانی سے دھو ڈالیں یا سیاہی کے دھبہ پر نمک چھڑک کے تھوڑا سا دودھ ڈالیں اور آہستہ آہستہ ملیں پھر صاف پانی سے دھو ڈالیں۔

بازوؤں کی خوبصورتی۔ بازوؤں پر نظر ڈالتے ہی عمر کا پتہ چل جاتا ہے۔ شباب میں بازو بھرے بھرے رہتے ہیں۔ شباب کے بعد کھال میں کچھ ڈھیلاپن شروع ہو جاتا ہے۔ بڑھاپے میں کھال لٹک جاتی ہے۔

ہندوستان میں بہت جگہ ساڑی پہنی جاتی ہے اور اوپر کے جسم پر صرف انگیا یا شلوکہ رہتا ہے۔ ایسی حالت میں تو بازو بہت ہی جلدی چغلخوری کرنے لگتے ہیں۔ ڈھیلی آستینوں کے کرتوں میں بھی کہنی تک بانہہ کھل کھل جاتی ہے اسلئے بازوؤں کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے۔

انھوں کو گرم صابن ملے پانی میں ڈبو ڈبو کے دھوئیں اور ملایم تولیہ سے تھپک تھپک کے خشک کر ڈالیں۔ کرنی ٹھنڈی کریم چھالیا کے برابر ہتھیلی میں لیں اور دوسری بانہہ میں حلقہ کی شکل میں ملیں۔ کلائی سے شروع کرتے ہوئے کہنی کی طرف جائیں۔ کہنی سے پھر کندھے تک جائیں۔ ایک ہاتھ کی کلمہ کی انگلی اور انگوٹھے پر کریم لے کے دوسرے ہاتھ کی کلائی پر کڑے کی شکل میں گول گول خوب ملیں۔ جب سارے بازو پر یہ عمل ہو جائے اور مسام کریم جذب کر لیں تو بازو پر ٹھنڈے پانی کا چھینٹا پھیرند

اور ٹیلکم پوڈر چھڑک دیں۔ دوسرے بازو پر یہی عمل کریں۔ اس کے بعد ذیل کی ورزش کریں:-

(۱) سیدھی کھڑی ہو جائیں۔ مٹھیاں بند کریں لیکن بانہیں ڈھیلی چھوڑ دیں۔ انھیں آہستہ آہستہ کندھوں کے برابر پھیلائیں پھر ہاتھوں سے کندھے چھوئیں۔ انکو پھر اصلی جگہ پر لیجائیں اور دُہرائیں۔ اس عمل سے بانہہ کا اوپر کا حصہ خوبصورت بنتا ہے۔

(۲) بانہوں کو پہلو میں ڈھیلا چھوڑ کے کھڑی ہو جائیں۔ کہنیوں پر موڑتے ہوئے ہاتھوں کو کولہے تک لے آئیں اور ہتھیلیوں کو اوپر کی طرف کریں۔ کلائی کے پاس ہاتھوں کو ڈھیلے ڈھیلے اس طرح گھمائیں کہ بانہہ کسی اور جگہ سے نہ ہلے۔ اس سے بانہہ کا نچلا حصہ پتلا اور خوشنما ہو جاتا ہے اور کہنی سے کلائی تک وہ خوشنما خم پڑ جاتا ہے جس کی شاعر تعریف کیا کرتے ہیں۔

پڈنگ۔ ڈبل روٹی کے ٹکڑے۔ اندر کا گودا اور اوپر کا چھلکا آدھ سیر۔ میٹھے کی چربی چھلکوں کی طرح کتری ہوئی۔ میدا اور بورا ہر ایک ڈیڑھ چھٹانک۔ ایک انڈا۔ تھوڑا سا دودھ اور اگر چاہو تو ایک چٹکی نمک لو۔ انڈے کو پھانٹ کے الگ رکھ لو۔ روٹی کو ٹھنڈے پانی میں آدھ گھنٹے تک بھیگا رہنے دو۔ پھر نچوڑ کے خشک کر لو اور ایک کانٹے سے انہیں پھینٹ کے ہلاتے رہیں۔ میدہ نمک چربی اور پورا انڈا اور اتنا دودھ کہ سب جم جائیں ملاؤ۔ چکنائے ہوئے برتن میں اسے ڈالو اور اسے کسی چکنے کاغذ سے ڈھک دو اور تین گھنٹہ تک بھاپ دو۔ پڈنگ طیار ہو گئی پھر اس میں مندرجہ ذیل ایک مصالحہ ملاتے ہیں:-

(۱) دو چھٹانک کشمش اور ایک چمچہ مصالحہ (۲) دو لیموں یا دو سنگتروں کے چھلکے پسے ہوئے اور چھنا ہوا عرق (۳) تھوڑے سے کرے مغز (۴) ایک چمچہ پسا ہوا ادرک۔ آدھ پاؤ سنہری شربت (گولڈن سائرپ) آدھی چمچہ سوڈا بائیکارب۔ آدھ پاؤ دودھ سب کو ملا لینا چاہیئے۔

خانگی ٹوٹکے۔ استری کرتے وقت اگر کپڑے بہت خشک معلوم ہوں تو بچھا ہوا کپڑا گیلا کر دینا چاہیے۔ استری کے پھیرے جانے سے اس میں سے دھواں اُٹھ کے کپڑوں میں ایک نمی پیدا کر دیگا جو پانی چھڑکنے کے مقابلہ میں بہتر ہوگی۔

لیموں کو کاٹ کے نمک میں ڈبو کے ہمادار پر رگڑنے سے اس پر دیر تک آب رہتی ہے۔ جب خشک ہو جائے تو روغن زیتون میں کپڑا ڈبو کے پالش کر دینا چاہیئے۔

اگر سفید تنکے کی ٹوپی میلی ہو جائے تو لیموں کے عرق میں تھوڑا نمک ملائیں اور اسفنج کے ذریعہ ٹوپی پر لگائیں۔ دھوپ میں سکھانے کے بعد سادہ پانی کا اسفنج پھیریں اور پھر خشک کر لیں۔ سفید کپڑے پر میوے کے دھبے پڑ جائیں تو ان پر نمک چھڑک دیں۔ جب کپڑا دھوئینگے تو دھبے جاتے رہیں گے۔

پھٹی ہوئی جرابیں پھینکنے کی ضرورت نہیں۔ ان سے پالش کرنے کی گدیاں خوب بنتی ہیں۔ جرابوں کی ٹانگوں میں پُرانے چیتھڑے وغیرہ ٹھونس ٹھونس کے بھر دو۔ پھر دونوں سرے سی دو اور اس پر ایک پُرانی جراب پاؤں کا حصہ خوبصورتی سے اندر کر کے چڑھا دو۔ جب یہ باہر کا غلاف خراب ہو جائے اسے دھو ڈالو یا اسی قسم کی اور چڑھا دو۔ پُرانی ریشمی جرابوں کی گدیاں آئینوں اور نازک چیزوں کو خوب صاف کرتی ہیں۔

محمد ظفر

تربیت گاہ بنات دھلی

حیدرآباد دکن کی جن عصمتی بہنوں اور حضرات نے تربیت گاہ بنات کیلئے ۲۰ ستمبر تک روپیہ (سکہ عثمانیہ) عطا فرمایا ان کے اسمائے گرامی دلی شکریہ کے ساتھ شایع کیے جاتے ہیں:۔

بنت مولوی لیاقت اللہ صاحب حیدرآباد دکن مار
اہلیہ قاضی محمد فیاض الدین صاحب وکیل سے
محل مولوی محمد یونس صاحب صہ
بیگم ہمایوں علی بیگ صاحب انجنیر صہ
مولوی ولی داد خاں صاحب صہ
بنت خواجہ عبدالہادی صاحب سہ
نواب اکبر جنگ بہادر دسہ
خواجہ محمد فیاض الدین صاحب (ابکاری) دسہ
نواب عنایت جنگ بہادر دسہ
محل غلام محمود صاحب قریشی دسہ
محل نواب کرامت جنگ بہادر دسہ
مولوی جمال الدین صاحب دسہ
سید تراب علی صاحب (ریلوے) دسہ
بیگم پروفیسر ہارون خاں صاحب شروانی عسہ
محل سید علی رضا صاحب انجنیر عسہ
مولوی سید فضل اللہ صاحب ایچ سی ایس عسہ
مولوی محمد فیض الدین صاحب وکیل عسہ
نواب صمد جنگ بہادر عسہ

محل نواب مرزا یار جنگ بہادر مار
امتحانہ مرزا عبداللطیف خاں صاحب صہ
نواب بشیر یار جنگ بہادر صہ
بیگم آقا یادر علی صاحب صہ
محل نواب شہزور جنگ مرحوم للعہ
محل نزمیر ہادی علی خاں صاحب سہ
بشیر النسا بیگم صاحبہ بشیر دسہ
نواب لطیف جنگ بہادر دسہ
مسز ابو سعید مرزا صاحب ناظم دسہ
محمد شیخ حسین صاحب دسہ
محل سید عبدالقادر صاحب دسہ
بیگم عبدالرب صاحب تحصیلدار عسہ
بنت میر واجد بیگ صاحب میر مجلس عسہ
بیگم صمصام الدین حیدر صاحب عسہ
سید عارف الدین صاحب ناظم عسہ
بذریعہ خواجہ نصیر الدین صاحب لعسہ
نواب ہاشم جنگ بہادر عسہ

راشد الخیری

(باقی آیندہ)

بزمِ عصمت

مسہ دور کرنے کا نہایت ہی آسان اور کئی دفعہ کا آزمایا ہوا نسخہ حسب ذیل ہے۔ ایک ادرک کے ٹکڑے کو چھیل کر نوک دار بنا لیا جائے، مسہ پر چونہ لگا کر آہستہ آہستہ ادرک سے گھسیں، برائے نام سوزش ہوگی، مسہ کٹ کے غایب ہو جائیگا اور انشاء اللہ دوبارہ نہ نکلے گا، داغ بھی جلد پر نہ پڑے گا +

سعیدہ خانم۔ بانکوڑا

میں دلی مسرت کے ساتھ اطلاع دیتی ہوں کہ میری ہمشیرہ مسز علی احمد صاحب بی اے علیگ کو خدا تعالیٰ نے بتاریخ یکم عید الضحیٰ فرزندار جمند عطا فرمایا میں ممنون ہونگی اگر کوئی بہن بچہ کا تاریخی نام جو باپ کے نام کے ہموزن ہو تجویز فرمادیں۔

سائرہ بیگم الہ آباد

میری ہمشیرہ مسز عبد القدوس صاحب زبیری کے بتاریخ ۲۸ اگست ۱۹۳۰ء۔ پنجشنبہ ساڑھے نو بجے شب کو فرزند ارجمند تولد ہوا، بچے کے بھائیوں کے نام محمد عارف محمد خالد وغیرہ ہیں کوئی بہن اسی وزن پر کوئی تاریخی نام تجویز کر دیں تو مہربانی ہوگی۔

ظ۔ ج۔ اخلاق حسین زبیری

میں نہایت افسوس سے اطلاع دیتی ہوں کہ میری بھتیجی اقبال فاطمہ مرحومہ نے تین دن بیمار رہ کر ۳ جولائی ۱۹۳۰ء مطابق ۶ صفر کو اس دار فانی کو الوداع کہا اور ہم سب کو داغ مفارقت دے گئیں۔ مرحومہ کی عمر صرف ۸ ماہ تھی۔ بڑی پیاری بچی تھی۔ اگر مہربانی فرما کر کوئی بہن صاحبہ قطعہ تاریخ وفات لکھدیں تو بڑی عنایت ہوگی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ہ

پھول تو دو دن بہار جانفزا دکھلا گئے
افسوس ان غنچوں پہ جو بن کھلے مرجھا گئے

ہمشیرہ عبد المعبود خاں سب انسپکٹر

عصمت سالگرہ نمبر میں ایک بہن صاحبہ نے منجن کا نسخہ دریافت کیا ہے انکے لئے آزمودہ نسخہ حاضر خدمت ہے۔

بادام کے چھلکے۔ نمک لاہوری۔ پھٹکری۔ کالی مرچیں۔
آدھ سیر تین تولہ ایک تولہ ایک تولہ

کسی توے میں آگ ڈال کر بادام کے چھلکے جلائیں۔ جب اچھی طرح جل جائیں تو کوئلے نکال لیں اور پھٹک لیں کہ راکھ نہ رہ جائے۔ پھر پھٹکری کھیل کرلیں۔ پھر ان چاروں چیزوں کو باریک سل پر پیس لیں۔ پھر رات کو سوتے ہوئے اس منجن سے دانت صاف کریں۔ اور صبح بھی اس منجن سے دانت صاف انشاء اللہ ضرور فائدہ ہوگا +

ب۔ س۔ بنت سید محمد حسین لاہور

کچھ عرصہ ہوا میں نے کشیدہ کاری کی مشین "دی فیری آف دی ہوم۔ رایل سنبرنس کمپنی سے منگوائی۔ بہت کوشش کی مگر اس کے استعمال کا طریقہ نہیں سمجھ میں آیا لہذا التماس ہے کہ اگر کسی عصمتی بہن کو طریقہ استعمال معلوم ہو تو بذریعہ بزم عصمت مجھے مطلع فرمادیں مشکور ہونگی +

خاکسار نذیر رفیع اختر از ٹانڈہ

ماہ ستمبر کے پرچہ عصمت میں کسی بہن صاحبہ نے اپنے عزیز کی گندہ دہنی کا علاج دریافت کیا ہے HYDROGEN PEROXIDE. انہیں معلوم ہو کہ ہائڈروجن پر اکسائیڈ۔ یا لسٹرین LISTERINE. کی کلیاں بعد از طعام کرنا اس مقصد کے لئے یعنی بو کے تدارک کے لیئے مفید ہونگی۔ یہ دونوں چیزیں انگریزی دوا فروشوں کے ہاں سے دستیاب ہو سکتی ہیں نیز معدہ کی صفائی کے لیئے کوئی نہ کوئی مسہل ضرور کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ بو دو طرح سے پیدا ہوتی ہے ایک معدہ غلیظ ہونے کے باعث۔ دوسرے دانتوں کی خرابی کی وجہ سے۔ بہر صورت یہ دونوں تدبیریں مفید ثابت ہونگی +

گ۔ ن بنت ڈاکٹر شیخ ابو الفضل چیف ڈائرکٹر ویسٹرن ریزیڈنسی

ہمشیرہ فاطمہ بیگم صاحبہ کا مضمون جو پردہ نشین خواتین کی دستکاری پر ہے نظر سے گذرا واقعی بہت مفید مضمون ہے میں چاہتی ہوں نواڑ بننے کا کام شروع کروں میں ایک قصبہ میں رہتی ہوں نہ یہاں کوئی بتانے والا ہے اور نہ عزیز اسکو گوارا

کرتے ہیں کہ گھر سے باہر قدم رکھو۔ اس لیے میں چاہتی ہوں کہ نواڑ بننے کی ترکیب جن بہن کو معلوم ہو وہ ایسے آسان طریقہ سے تحریر کریں اور اوزار وغیرہ سب چھپوا دیں تاکہ نقشہ دیکھنے سے سمجھ میں آجائے میں بڑی ممنون ہونگی ؞

ایک پردہ نشین

شاہجہاں بیگم بدایونی صاحبہ نے چینی اور شیشے کے ٹوٹے برتن جوڑنے کی ترکیب پوچھی ہے اُنکو بتا دیجیے گا کہ تھوڑی سی پھٹکری لیکر کسی برتن میں آگ پر گلالیں اور جب وہ پگھل جائے تو ایک پھریری سے جو برتن جوڑنا ہو اُس پر لگادیں اور احتیاط کے ساتھ اسکا ٹکڑا بھی اسی طرح پھٹکری لگاکر جوڑ دیں مگر کم از کم ۲۴ گھنٹہ اُس برتن کو استعمال نہ کریں بعد ۲۴ گھنٹے کے اسکو استعمال کرسکتی ہیں ؞

محمود علی بیگ

۳۱ر جولائی سنہ۱۹۳۰ء مطابق ۴ر ربیع الاول سنہ۱۳۴۹ھ بروز پنجشنبہ بوقت صبح ۵ بجے میرے بھائی حامد علی خاں زبیری کے دختر پیدا ہوئی ہے اُسکا تاریخی نام مطلوب ہے ؞

خاک نشیں گم نام خریدار عصمت

ماہ اگست کے پرچے میں بہن شاہجہاں بیگم نے شیشہ کے برتن جوڑنے کی ترکیب پوچھی تھی سو اسکا ایک نہایت آسان اور آزمودہ علاج یہ ہے۔ کہ انڈے کی سفیدی اور چونا باہم ملاکر چینی یا شیشے کی ٹوٹی ہوئی چیزوں کو لگاکر جوڑلیں تو پھر کبھی نہیں ٹوٹتے یہ میرا آزمودہ نسخہ ہے۔ برائے مہربانی شائع کرا دیجیے۔ تاکہ اُنکا بھلا ہو ؞

حامد مرزا۔ قلعہ سیف اللہ

محترمہ بہن شاہجہاں بیگم بدایونی نے چینی کے برتن ٹوٹے ہوئے جوڑنے کا مصالحہ دریافت کیا ہے۔ جواب لتھیرج ۲ حصہ اُبلتا ہوا تیل تل ۲ حصہ۔ سفید سکہ ایک حصہ۔ کوپال ایک حصہ آنچ پر ان سب کو ملایا جائے اور گرماگرم شکستہ ظروف پر لگادیا جائے برتن اچھی طرح جڑ جائے گا؛ نسخہ کم قیمت ہے ؞

مس تاج سلطان

میری ایک عزیز بہن کی گردن کا رنگ بہت کالا ہے۔ مُنہ اور جسم کا رنگ سفید ہے۔ اگر کسی بہن یا بھائی کو۔ کوئی صابن یا دوائی۔ یا نسخہ معلوم ہو تحریر کریں۔ تاکہ مُنہ جیسا رنگ گردن کا بھی ہوجائے ممنون ہونگی ؞

ایک عصمتی بہن

میں نہایت افسوس کے ساتھ تحریر کرتی ہوں کہ میری پارۂ جگر نورِ نظر غنچۂ ناشگفتہ ایام طفلی میں یعنی ۳ سال کی عمر میں ۲۷ر ذی الحجہ سنہ۱۳۴۸ھ کو بوقت ۸ بجے شب کو اس عالم فانی سے راہی ملک عدم ہوئی۔ جس کی جدائی میرے جگر کو پارہ پارہ کیے دیتی ہے۔ عصمتی بہنوں سے استدعا ہے۔ کہ وہ تلاوت قرآن مجید کرکے رضیہ بیگم کی روح کو بخشدیں اور ایک قطعہ تاریخ وفات عصمت میں چھپوا کر مجھکو ممنون احسان کریں۔

راقمہ ک۔ ب لکھنوی

جولائی و اگست کے مشترکہ سالگرہ نمبر میں کسی عصمتی بہن خریدار ۳۵۸۹ نے اپنے بھائی کے لیے تاریخی نام طلب فرمایا ہے۔ اب ذیل کے چند نام میں نے تجویز کیے ہیں۔ ان میں جو نسا پسند خاطر ہو رکھ لیں اور دعائے خیر سے یاد فرمائیں۔ پسندیدگی سے مطلع فرمائیں تو نوازش سے خالی نہ ہوگا۔ افسوس کہ انہوں نے بجائے نمبر خریداری اپنا پورا پتہ درج فرمایا ہوتا تو براہ راست انہیں اطلاع دی جاتی۔ تاریخی نام یہ ہیں:۔

طیب حفیظ الرحمٰن، فاضل لطف الرحمٰن، خسرو جہاں عزیز الرحمٰن

مس جاں محمد بن اسمٰعیل سیٹھ جاتنی

میں بے انتہا مسرت و شادمانی کے ساتھ مطلع کرتی ہوں کہ میری پیاری ہمشیرہ رشیدہ خاتون کی شادی خانہ آبادی حیدرآباد سندھ کے مشہور ڈاکٹر شمس الدین صاحب کے صاحبزادے ڈاکٹر شیخ ضیاء الدین کے ساتھ ۱۱ر اگست سنہ۳۰ء بروز دوشنبہ کو بخیر و خوبی سرانجام ہوئی۔ اس خوشی میں تین روپیہ کی حقیر رقم تربیت گاہ بنات کے واسطے بذریعہ منی آڈر ارسال خدمت کرتی ہوں۔ قبول فرماکر مشکور فرمائیں ؞

زکیہ بنت شیخ محمد اسحاق۔ سرینگر۔ کشمیر

انعامی ادویہ

عطر اور تیل

(انعام) ہم اپنے گاہکوں کو ہر ماہ قرعہ کے ذریعہ سے پانچ، تین اور دو روپے کی جو چیزیں وہ پسند کریں انعام کے طور پر دیتے ہیں، آپ فوراً آرڈر بھیجدیں۔ شاید اس ماہ کا انعام آپ کو ہی مل جائے +

کناری ٹانک نہایت بیش قیمت کشتوں اور ادویہ سے مرکب دوائی ہے، سردی اور گرمی میں یکساں استعمال ہو سکتی ہے، دماغ کو طاقت دیتی ہے۔ آواز کو صاف کرتی ہے، رنگ کو نکھارتی ہے۔ دل کو فرحت بخشتی ہے، جسم کو مضبوط کرتی ہے، بھوک لگاتی ہے، اور کھانا ہضم کرتی ہے، کمزوریوں کا بے نظیر علاج ہے، عورتوں کے جملہ امراض میں مفید ہے، بچہ کا کمزور پیدا ہونا وغیرہ سب امراض کے لئے فائدہ بخش ہے، افسردگی، خفقان، وہم، کام سے نفرت، ان سب تکلیفوں کا علاج ہے اس کے استعمال سے عورتوں کا دودھ بڑھتا اور بچہ مضبوط پیدا ہوتا ہے۔ پرانے نزلہ اور بخار کے لئے مفید ہے، تھکان کو دور کرتی ہے۔ بینائی کو طاقت دیتی ہے اور جسم کو مضبوط کرتی ہے قیمت باوجود ان سب خوبیوں کے عہ/ فی شیشی معہ محصول ڈاک تین شیشی للعہ/ اور چھ شیشی عہ/

سُرمہ نورانی آنکھوں کے جملہ امراض میں مفید ہے، ککروں، بصارت کی کمزوری۔ آنکھوں کی سرخی، دھند، جالا، شب کوری، ناخنہ، زخم، پانی کا بہنا سب امراض کے لئے مفید ہے۔ قیمت فی تولہ عہ/ +

دلکشا سنون دانتوں اور مسوڑوں کو خرابی کو آج کل کی تحقیقات میں نصف بیماریوں کا موجب قرار دیا گیا ہے اور یہی درست تھی تو مذہب نے بھی مسواک پر اسقدر زور دیا ہے، دلکشا سنون دانتوں کی صفائی، مسوڑوں کی مضبوطی، منہ کی بدبو کے ازالہ اور دانتوں کے ہلنے اور ان کے کیڑوں کے دور کرنے کے لیے اور درد دنداں کے لئے نہایت مفید ہے۔ قیمت فی ڈبیہ ۸/

دلکشا کریم منہ اور ہاتھوں کے نرم رکھنے، رنگ کے نکھارنے، جلد کے پھٹنے، دانوں، داغوں، تلوں اور چھائیوں کا نہایت عمدہ علاج ہے قیمت فی شیشی ایک روپیہ (عہ) +

دلکشا ہیر آئیل بالوں کی صحت کا خیال نہ صرف عورتوں کے لیے ضروری ہے، بلکہ مردوں کے لیے بھی دلکشا ہیر آئیل نہ صرف بالوں کو خوبصورت ملائم اور لمبا کرتا ہے بلکہ یفہ یعنی سکری کے لئے بھی مفید ہے بس عورت اور مرد اس سے یکساں فایدہ حاصل کر سکتے ہیں، یہ تیل سائنٹفک اصول کے ماتحت بادام روغن، زیتون اور دوسرے تیلوں کو دیگر قیمتی ادویہ سے تیار کیا گیا ہے اور خوشبو کے لحاظ سے بھی عمدہ ہے قیمت عہ/ فی شیشی تین شیشی کے خریدار سے بجائے ساڑھے سات روپے کے صرف سات روپے لئے جائیں گے

دلکشا عطر ہمارے کارخانہ میں ہر قسم کے عطر نئی طرز سے تیار کیے جاتے ہیں ان عطروں کے بنانے میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ عطر پھول کی خوشبوؤں سے مشابہ ہو عہ/ تولہ سے لیکر آٹھ روپے تولہ تک ہر قسم کے عطر مل سکتے ہیں آرڈر دیکر خود ہمارے عطروں کی خوبی کا تجربہ کریں۔ فہرست دو پیسے کے ٹکٹ آنے پر ارسال کی جاتی ہے +

منیجر دلکشا پرفیومری کمپنی قادیان (پنجاب)

شریمتی ودیا دھری چودھری

آپ آگرہ کی ایک پر جوش
قومی کارکن ھیں۔

شریمتی ودیاوتی رتھور

آپ کو آگرہ میں پکٹنگ کرتے
ھوئے گرفتار کر لیا گیا۔

ماسٹر مدن

بچہ کی عمر صرف
۵ سال ھے مگر [illegible]

میں یہ اچھے اچھوں
سے بازی لے گیا ھے

جملہ حقوق محفوظ

رسالہ عصمت دھلی

جلد ۴۵ | بابت ماہ نومبر ۱۹۳۰ء | نمبر ۵

تصویریں

فہرست مضامین

چندہ سالانہ پیشگی مع محصول ڈاک وغیرہ قسم خاص (جو آرٹ کاغذ پر چھپتا ہے یعنی جس کاغذ پر تصاویر چھپتی ہیں) ۱۰ روپیہ رؤسا سے ۲۵ روپیہ والیان ریاست ۱۰۰ روپیہ - فی پرچہ ایک روپیہ (عہ) قسم اول - (جو دبیز چکنے کاغذ پر چھپتا ہے) ۵ روپیہ فی پرچہ ۷ر قسم دوم - (جس کے مضامین، تصاویر، ٹائٹل وغیرہ کا کاغذ معمولی ہلکا ہوتا ہے) ۴ر فی پرچہ ۷ر

ان قواعد کی پابندی کیجیے

تاکہ آپ کی اور ہماری سہولت ہو اور آپکو کبھی ہم سے شکایت کا موقع نہ ملے

(۱) عصمت ہمیشہ نہایت پابندیٔ وقت سے ۳۰ تاریخ کو شایع ہو کر تیسری چوتھی تاریخ تک ہندوستان کی تمام خریدار بہنوں کو پہنچ جاتا ہے۔ اشاعت میں خدا کے فضل سے کبھی دیر نہیں ہوتی۔ لیکن اگر ڈاکخانہ کی غلطی سے وقت پر پرچہ نہ ملے تو ۵ تاریخ کے بعد مگر ۱۵ تاریخ تک کارڈ لکھ کر نمبر خریداری کے حوالے سے دوبارہ پرچہ منگالیں اس کے بعد قیمتاً ملے گا۔

(۲) اگر ایک مقام سے دوسرے مقام تبادلہ ہو جائے تو خریداری نمبر کے حوالے سے فوراً دفتر کو تبدیلی پتہ کی اطلاع دیدی جائے۔ کئی کئی ماہ بعد پتہ بدلوانا دفتر کو نقصان پہنچاتا ہے۔ کیونکہ صحیح پتہ نہ ہونے کی وجہ سے پرچہ تلف ہو جاتا ہے اور خریدار بہن کو شکایت رہتی ہے کہ دفتر سے نہیں بھیجا گیا حالانکہ تمام خریداروں کو ۳۰ تاریخ کو رسالہ بھیجا جاتا ہے۔

(۳) ہمیں جب خط لکھیں خریداری نمبر ضرور لکھدیں ورنہ تعمیل میں کئی دن لگ جائیں گے۔ اگر آپکو خریداری نمبر یاد نہ رہا ہو یا آپنے نوٹ نہ کیا ہو تو جوابی پوسٹ کارڈ بھیجکر دفتر سے معلوم کر لیجے کیونکہ بغیر خریداری نمبر لکھے آپ کے خط کی تعمیل فوراً نہ ہو سکے گی۔

(۴) جواب طلب امور کے لئے جوابی پوسٹ کارڈ یا ارکا ٹکٹ بھیجئے۔

(۵) منی آرڈر کی کوپن پر خریداری نمبر اور پتہ بھی درج فرمائیے۔

(۶) اختتام سال کی اطلاع ایک ماہ پہلے دیدی جاتی ہے اگر کسی بہن کو آئندہ خریدار رہنا نہیں ہے تو دفتر کو مطلع کر دیں۔ اور اگر بدستور پرچہ جاری رکھنا ہے تو منی آرڈر کے ذریعہ آئندہ سال کا چندہ بھیجیں۔ جو بیبیاں اسکا جواب نہیں دیتیں انہیں وی پی بھیجا جاتا ہے۔ وی پی کی واپسی عصمت کو سخت نقصان پہنچاتا ہے اگر کوئی بات دریافت طلب ہو تو بھی وی پی

واپسی عصمت کو سخت نقصان پہنچاتا ہے اگر کوئی بات دریافت طلب ہو تو بھی وی پی ضرور وصول کر لینا چاہئے۔

(۷) عصمت کا سالانہ چندہ پیشگی مع محصولڈاک وغیرہ پانچ روپیہ ہے لیکن متمول ہمدرد بیبیاں عصمت کی مالی مدد کرتی ہیں انکے لیے قسم خاص آرٹ کاغذ پر چھاپا جاتا ہے جسکا عام چندہ ۱۰ ہے کم استطاعت بیبیوں کے لیے قسم دوم معمولی ہلکے کاغذ پر چھاپا جاتا ہے اسکا چندہ سالانہ صرف ۴ روپیہ ہے ممالک غیر سے سالانہ چندہ قسم اول ۱۰ شلنگ قسم دوم ۶ شلنگ۔

مضمون نگاری کے قواعد

مضمون نگاروں کو عصمت کے لیئے مضامین بھیجنے سے قبل ان باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے

(۱) مضامین کاغذ کے ایک ترخ پر، روشن سیاہی سے، نظرثانی، مناسب ترمیم، اصلاح و اضافہ کے لیے ایک سطر چھوڑ کر، خوشخط لکھنے چاہئیں۔

(۲) اڈیٹر کے نام خط میں مضمون نگار کا صحیح نام اور پورا پتہ درج ہونا ضروری ہے

(۳) مضمون جہاں تک ہو مختصر لکھنا چاہیئے لیکن بڑا مضمون ہو تو مکمل بھیجا جائے نامکمل مضمون کسی حالت میں شایع نہیں کیا جاتا۔

(۴) مضمون کسی کتاب یا رسالے سے نقل ہو یا ترجمہ یا اخذ ہو تو اسکا حوالہ ضرور دیدیا جائے۔

(۵) عصمت کیلئے صرف وہی مضامین بھیجئے جو عصمت کے لیئے لکھے جائیں۔

(۶) عصمت کے مضامین کے لیئے پامال پرانے عنوانات جن پر بارہا عصمت میں مضامین شایع ہو چکے ہیں انتخاب نہیں کرنے چاہئیں نئے نئے موضوعات پر چھوٹے چھوٹے مضامین جو اسلوب بیان۔ ندرت خیال وغیرہ کے اعتبار سے دلچسپ سمجھے جاسکتے ہیں خوشی کے ساتھ شایع کیئے جاتے ہیں۔

(۷) مضامین میں تہذیب و سنجیدگی کا پورا خیال رکھنا چاہیئے، جو مضامین فرقہ وارانہ ایات سے آلودہ ہوتے ہیں یا جن سے کسی مذہبی فرقہ کی دل آزاری ہو سکتی ہے، ردی کر دیئے جاتے ہیں۔ عصمت مذہبی جھگڑوں کا اکھاڑہ نہیں ہے عصمت کے لیئے ایسے مضامین بھیجنے چاہئیں جو ہندو مسلمان عیسائی پارسی سب کے لیئے مفید ہوں کیونکہ عصمت "شریف ہندوستانی بیبیوں" کا پرچہ ہے

(۸) مضامین کی زبان سلیس اور عام فہم ہونی چاہیئے۔ رنگین بے معنی عبارت ہمیں ناپسند ہے، فارسی عربی، انگریزی الفاظ ٹھونسنے سے مضمون بھدا ہو جاتا ہے۔

جو مضامین عصمت میں شایع ہوتے ہیں انکا دائمی حق اشاعت محفوظ ہوتا ہے مضمون نگار ان سے مالی فائدہ نہیں اٹھا سکتا

عصمت سال کے بہترین مضامین پر جولائی میں قریباً چار سو روپیہ کے انعامات مضمون نگار خواتین میں تقسیم کرتا ہے۔ نادار کم استطاعت مضمون نگار عورتوں کو معاوضہ بھی دیتا ہے غیر مسلم خواتین کے مضامین بڑی خوشی سے معاوضہ شایع کیئے جاتے ہیں۔

عصمت میں اشتہارات

مسلسل شایع کرا کے تاجر نہایت معقول منافع اٹھا سکتے ہیں۔ کیونکہ عصمت ملک کے اعلیٰ تعلیم یافتہ متمول طبقہ کا پرچہ ہے اور بفضل خدا ہندوستان بھر کے تمام زنانہ پرچوں میں سب سے زیادہ اشاعت رکھتا ہے۔ لیکن صرف ان ہی چیزوں کے اشتہارات شایع کیئے جاتے ہیں جو شریف بہو بیٹیاں خرید سکیں اشتہار کی عبارت میں کوئی لفظ غیر مہذب ہو اور [illegible] اور شرافت سے گرا ہوا نہ ہو (۲) اجرت اشتہار پیشگی بذریعہ منی آرڈر آنی لازمی ہے۔ جتنی مدت کا معاملہ کیا جائے اس کی اجرت یکمشت ادا کرنی ضروری ہے۔ اشتہار مسلسل شایع ہوگا۔ ۲۰ تاریخ تک دوسرا اشتہار بدلا جا سکتا ہے۔ ریڈنگ میٹر کے لیئے اشتہار نہیں لیا جاتا۔ اجرت پورا صفحہ یکبار ۱۵ روپیہ [illegible] ماہی ۴۰ روپیہ۔

منیجر عصمت دہلی

تربیت گاہ بنات دہلی

حیدر آباد دکن کی جن عصمتی بہنوں اور بھائیوں نے تربیت گاہ کیلئے روپیہ (سکہ عثمانیہ) مرحمت فرمایا انکے کچھ نام پچھلے پرچہ میں شایع ہوئے ہیں باقی یہ ہیں۔ نواب سالار جنگ بہادر صمامہ نواب معین الدولہ بہادر صمامہ بیگم صاحبہ نواب کمال الدین صاحب سماہ صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ مارسہ مظفر یار جنگ بہادر نواب مظفر الدین صاحب صہ محل عبد القادر صاحب رجسٹرار ما (ماہوار عہ ۱۰ قسطوں میں) بتوسط مسز ابو سعید میرزا صاحب ناظم المدرسہ (تفصیل آئندہ پرچہ میں) بذریعہ مسز منیر الزمان صاحبہ للعہ (تفصیل آئندہ پرچہ میں مع قسط دوم) بیگم نواب دوست محمد خانصاحب صعہ مسز سید جعفر علی خانصاحب مولوی عبد الصمد صاحب انجنیر صہ بیگم نواب محل سید عبد القادر صاحب (آبکاری) صہ خواجہ عبد العزیز صاحب وکیل صہ مسز منیر حبیب محسن صاحب صہ مسز ظہیر الدین احمد صاحب صہ ڈاکٹر اکبر خانصاحب صہ سید مظفر الدین صاحب عثمان آباد صہ بنت میر لیاقت علی صاحب صہ لاغدا علی شیخ فخر الدین صاحب صہ بنت محمد احمد صاحب ڈپٹی پوسٹ ماسٹر صہ سید چھنہ علی خانصاحب صہ محل مظہر اللہ صاحب انجنیر صہ دختر مظہر اللہ صاحب منجل صہ سید محمد یونس صاحب صہ ڈاکٹر عبد الرحمن صاحب صہ احمد محی الدین صاحب محکمہ مال صہ محمد میر خاں صاحب صہ ڈاکٹر خواجہ معین الدین صاحب صہ مولوی سید اعجاز حسین صاحب صہ محمد نواز جنگ صاحب صہ حاجی سید لطف اللہ صاحب صہ محل سید محمد اکرم صاحب صہ مولوی سید اللہ صاحب صہ محل سید محمد ہادی صاحب "مسکن" صہ مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی صہ مولوی خواجہ معین الدین صاحب انصاری صہ مزید النسا بیگم صاحبہ ایک اشرفی۔ بنت سید عبد الحی صاحب قادری صہ محل سید ناصر علی صاحب بیرسٹر صہ غلام غوث خاں صاحب صہ سید دست علی صاحب صہ غلام مصطفیٰ صاحب مددگار صہ بیگم جی اے مہدی صاحب صہ رحیم بخش صاحب کنٹرولر صہ نواب غلام محی الدین خانصاحب صہ محمد مولانا صاحب سیٹھ سکندر آباد صہ محمد امجد علی صاحب صہ بیگم حبیب احمد صاحب ٹھیکیدار صہ غوث محی الدین صاحب صہ ڈاکٹر مرزا حسن صاحب صہ مسز رفیق بیگ صاحب صہ محل نواب صاحب گیلانی صہ اللہ رکھی بیگم صاحب عثمان شاہی لعہ، از نافذ ایل مولوی رحمت اللہ صاحب تعلقدار صہ محل مولوی احمد اللہ صاحب ناظم صہ مولوی عارف خانصاحب صہ مولوی غلام غوث صاحب صہ، مولوی عبد المجید خانصاحب صہ مولوی عبد المجید صاحب تعمیرات صہ (باقی آئندہ پرچہ میں) انشاء اللہ

عصمت کی لاج

۲۵ جولائی سے ۱۵ اکتوبر تک جن معزز خواتین اور حضرات نے اپنے پرچہ کو خریدار دیئے انکے نام دلی شکریہ کے ساتھ درج ذیل کیے جاتے ہیں

بیگم ملک سید ابو صالح صاحب سررشتہ دار ویجاپور دکن ۸ خریدار ہمشیرہ خواجہ نصیر الدین صاحب چیچل گوڑہ حیدر آباد دکن ۵ خریدار۔

مولوی عبد الرحیم صاحب منصف جالنہ ۴ محترمہ آمنہ تسنیم صاحبہ ۴۔ محمد عبد الحکیم وکیل نانڈیڑ ۴۔ مسز شیخ رحمت اللہ خانصاحب رئیس لاہور ۳۔ مولوی لیاقت اللہ سولجین حیدر آباد دکن ۳۔ مسز سید حشمت علی صاحب سیتاپور ۳۔

دو دو خریدار دینے والوں کے نام

جناب صمصام الدین حیدر صاحب حیدر آباد دکن۔ سید ممتاز علی صاحب بیجاپور۔ سید سکندر علی صاحب وحید اورنگ آباد۔ اہلیہ مرزا علی احمد خاں اوورسیر مالاکنڈ۔ عبد الجبار صاحب انجنیر رانچی رضیہ بیگم صاحبہ۔ مسز سید صبغۃ اللہ۔ لڈونی۔ اہلیہ محمد مکرم صاحب حیدر آباد۔ محمد اخلاق حسین صاحب زبیری نانڈیڑ۔ اختر محمد احمد صاحب حیدر آباد دکن۔

جنہوں نے صرف ایک خریدار دیا

مس سید شمس الدین علی صاحب حیدر آباد دکن۔ زیب ہمشیرہ شیخ عتیق اللہ خانصاحب قلعہ بلور۔ بنت سید افتخار حسین صاحب جیپور۔ محمد امین خلف میاں محمد شریف صاحب امرتسر۔ حسن زاہد صاحب تونسکی۔ ایس بی طاہرہ صاحبہ خریدار نمبر ۶۱۸ اختر فاطمہ صاحبہ سیدان پور۔ مسز محمد صدیق صاحب کپورتھلہ۔ ایس کے مغزی بیگم صاحبہ بسنر مارسیہ کلکتہ۔ مسز مرزا محمد کاظم صاحب رئیس بنگلور۔ سید خورشید علی صاحب حیدر آباد دکن۔ بنت احمد عبد الرحیم صاحب ہلال حیدر آباد دکن۔ خلیل الرحمن خانصاحب مباسہ۔ فیض محمد صاحب انوری لدھیانہ۔ ہاجرہ خاتون صاحبہ جلپور۔ مسز عبد الباسط صاحب سیوہارہ۔ بیگم ڈاکٹر محمد اعظم صاحب احراری منجھن پور۔ مس ب صاحبہ بنت ایوب حسن صاحب انجنیر بہرائچ۔ مسز شاہ رحید امین احمد صاحب سہرام۔ مسز عبد السلام صاحب مونڈوالے کھام گاؤں۔ مسز ایم اے قیوم صاحب رائے پور۔ مسز رشید احمد صاحب کلکتہ۔ اہلیہ پروفیسر مسعود حسن صاحب رضوی لکھنؤ۔ سید محمد انور شاہ صاحب بارہ بنکی۔ مع ہیجر سید علی رضا حیدر آباد دکن۔ غلام نبی صاحب صدیقی حیدر آباد دکن۔ مسز خلیل داؤدی صاحبہ میسور۔ فاطمہ خاتون میرٹھ۔ اہلیہ رضیہ سلطانہ صاحبہ بہار۔ مسز شیخ رحمت اللہ خاں رئیس ڈلہوزی۔ منیجر

پیام حسرت

(جنت مکانی خاتونِ اکرم کی خدمت میں خواتین ہند کی طرف سے)

دردِ دل دور سے ہم تم کو سُنائیں کیونکر بھیج دیں خلد کو آہوں کی صدائیں کیونکر"

ہم کو نقصان جو پہونچا وہ اُٹھائیں کیونکر سختی و کلفت ایام نبھائیں کیونکر

حسرتیں مٹ گئیں اُمید کا سامان نہ رہا ولولے ختم ہوئے شوق فراواں نہ رہا

خاک ہونے سے ترے خاک ہی ارمان نہ رہا کیسی اُمید کہ اُمید کا امکان نہ رہا

دل کے ہر گوشہ میں ویرانی ہی ویرانی ہے کیا بتائیں کہ ہمیں کیسی پریشانی ہے

بزم سونی ہے دل زار کو حیرانی ہے ولولہ اب ہے نہ وہ شوق کی جولانی ہے

ایسی کچھ اوس پڑی دل کے شگوفے نہ کھلے ٹھیس لگنے سے ہرے زخم ہوئے سینہ کے

آنکھ روتی ہے مگر ہوتا ہے کیا رونے سے اب وہ ایام گذشتہ تو پلٹنے سے رہے

بزم خاموش پڑی ہے کوئی آواز نہیں کوئی مطرب نہیں نغمہ بھی نہیں ساز نہیں

پر شکستہ ہیں پڑے طاقت پرواز نہیں اب تو قسمت کے بدلنے کے کچھ انداز نہیں

تم گئیں ساتھ تمہارے دل مضطر بھی گیا حسرت دل گئی سودا بھی گیا سر بھی گیا

راہ اُمید کجا اپنا تو رہبر بھی گیا جستجو کیسی کہ وہ پائے سعی گر بھی گیا

بیچ منجدھار میں چھوڑی ہے ہماری کشتی بے وفائی کی ہمیں تم سے یہ اُمید نہ تھی

کس اڑے وقت میں اُف تم نے یہ بے مہری کی دل کے چھالوں کو لگی آہ یہ ٹھوکر کیسی

"جوئے خون می چکد از حسرتِ پارینہ ما می طپد نالہ بہ نشتر کدہ سینہ ما"

خاک آلود و مکدر شدہ آئینہ ما زندہ شد آہ جمالہ غم دیرینہ ما

بلقیس جمال

سلام برا وکہ بعد مردن بہ بزم عالم قیام دارد

فلک کی نیرنگیوں پہ قسمت۔ سرشکِ خون میں بہا رہی ہے ۔۔۔ مشیتِ ایزدی کی قوت۔ نقوشِ ارماں مٹا رہی ہے

بشر ہے مجبوریاں بداماں۔ کشاکشِ روزگار ساماں ۔۔۔ یہ شعبدہ زار حزن و حرماں۔ اثر کی تشنہ دعا رہی ہے

سکوں کا شیرازہ آہ برہم۔ بتِ مسرت کی چشم پُرنم ۔۔۔ عدم کی جانب رواں ہیں ہردم۔ حیات مشقِ فنا رہی ہے

قیام کی جس کو ہو ضرورت۔ ہو زندگی جس کی وجہ راحت ۔۔۔ اجل اُسے کھینچتی ہے حسرت۔ جفا بدامن قضا رہی ہے

ہیں حاملِ زیست سال خوردہ۔ نہ زمیں ہیں نہال تازہ ۔۔۔ شکستہ ہے ساغرِ تمنا۔ قضا سمِ غم پلا رہی ہے

نتیجہ ابتسامِ غنچہ۔ فسردگی۔ انتشار و گریہ ۔۔۔ طلوع مہر سراپا لمعہ۔ غروب در پر سدا رہی ہے

فنا کے آئین منضبط کا۔ اسیر دنیا کا ذرہ ذرہ ۔۔۔ ہے شمع وقتِ پگاہ کُشتہ۔ نہ انجمن جگمگا رہی ہے

کلام رنگین و نثر شیریں ولے بقائے دوام دارد
سلام بر او کہ بعدِ مردن بہ بزمِ عالم فنام دارد

کلی شبابِ جمال کی جو۔ ریاض عالم میں مُبتسم تھی ۔۔۔ شبیہ علم و کمال کی جو۔ ورق پہ دنیا کے مرتسم تھی

وہ مست صہبائے صد معانی۔ وہ پردۂ غیب کی مُغنی ۔۔۔ وہ نازشِ محفل نسائی۔ جو زخم پستی کی ملتزم تھی

وہ عندلیب ترانہ پیکر۔ تھی شاخ "خیری" پہ نغمہ گستر ۔۔۔ وہ ہستیٔ نورِ علم پرور۔ مثالِ نیر جو منسجم تھی

ہوئی سوئے باغ خلد دروا۔ روانِ بہارِ شباب میں آہ ۔۔۔ وہ شمع ضوبار و بزم آرا۔ جو صاحبِ عزم و محتشم تھی

ہمائے اوجِ علوم خاتون تھی عزم و ہمت کی ظرجیحون ۔۔۔ تھی سر بدگل یا درِ مکنون۔ فلک کی ناہید منغصم تھی

تخیلات بلند فنحوں۔ دماغِ عظمت مآب خاتون ۔۔۔ رسائیٔ فکرِ طبع موزوں۔ پرے فلک عرش منتسم تھی

تھا خامۂ دُرفروشِ رنگین۔ امینِ جانِ ادب مضامین ۔۔۔ اور دولت نثر شعریت گین۔ ازل سے خاتون کو منقسم تھی

خموش شد بُلبُل نواگر۔ اگرچہ در گلشنِ خواتین
ولیک خورشید ہست باقی۔ نوائے دلزین و لحن شیریں

[illegible]

خاتونِ اکرم آنجہانی

عصمت کے ہر پرچہ کو دیکھتے ہوئے مرحومہ بہن خاتون اکرم کی یاد حسرت ویاس کے ساتھ اس لیئے تازہ ہو جاتی ہے کہ کاش زنانہ لٹریچر کی یہ ہیروین آج اگر اس دُنیا میں زندہ ہوتیں تو عصمت کے صفحات کو بھی اور چند سال اپنے ادبی تخیل کی سحر بیانی سے مسحور و منور کرتیں۔ انھوں نے اپنی اوائل عمری کے سترویں سال یعنے ۱۹۱۰ء سے اپنی خداداد قابلیت و ذہانت پر ہر طرف سے خراج تحسین حاصل کرکے چوبیسویں سال میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اور ادبی دُنیا کی انجمنوں کے علاوہ اپنے گھر کی نشاط افزا محفل کو بھی سونا کر گئیں۔ خدائے حکیم کی ہر بات حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوتی۔ مرنا تو ہر متنفس کے لیئے لازمی ہے۔ مگر خوبیوں اور قابلیت کے ساتھ مرنا ہمیشہ زندہ رہنے والا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ دورِ حاضرہ کی ادبی دنیا میں ہماری مرحومہ بہن درخشاں ستاروں میں شمار ہوتی تھیں۔ جن کی قابلیت و لیاقت عمر کے لحاظ سے طبقہ نسواں کے سوا مردوں میں بھی بے مثل مانی گئی۔ جسکا ذکر میرے بیان کا محتاج نہیں۔ مگر اس وقت مرحومہ کی یاد میں قابل ذکر یہ بات محسوس ہو رہی ہے کہ ایسی قابل قدر و مایۂ ناز ہستیوں کے لیئے اُنکا ماحول بھی قدر شناس ہونا چاہیئے تاکہ مرنے کے بعد انکی یاد تازہ رہ سکے۔ جس طرح خدائے قدیر نے ہماری جانہار بہن خاتون اکرم کو کم سنی کے عالم میں ہی جو عام طور پر کھیل کود کا زمانہ مانا جاتا ہے۔ اعلیٰ پایہ کے مصنف کا سا دل و دماغ اور پُرزور قلم عطا فرمایا تھا۔ اسی طرح اُسے جگمگا دینے کے لیئے خوش قسمتی سے ایسے محبت شعار و قدر شناس ہستیوں سے زندگی بھی وابستہ کر دی تھی کہ آج مرحومہ کے مرنے کے چھ سات سال بعد بھی میاں تو میاں سُسرال کا ہر فرد اور علامہ راشد الخیری قبلہ ایسے خسر انکی یاد کس سوز و تڑپ کے ساتھ کر رہے ہیں اور کسی طرح مرحومہ کو بھلا نہیں سکتے۔ جسکا بین ثبوت جمال ہمنشیں اور پیکر وفا کے تمہیدی اوراق پر ہم کس پُرحسرت جملوں میں دیکھ رہے ہیں۔ کسی نے بالکل ٹھیک کہا ہے ؎

قدر زر زرگر بداند۔ قدر جوہر جوہری
قدر گل بُلبُل شناسد۔ قدر قنبر را علی

یہ کیا ہے۔ ہماری اس مرنے والی بہن کے جنتی ہونے کی دلیل۔ جو ایک حدیث کے مطابق کہ جسے میاں خوش اس سے اسکا خدا اور رسول خوش یہ اُخروی کامیابی کی کچھ کم نشانی نہیں۔ اور عورت کے لیئے دنیاوی کامیابی و سعادت۔ نعمت و راحت دولت و وقعت اس سے بڑھکر اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے میاں کی چاہتی اور سُسرال والوں کی لاڈلی ہو۔ پس اس کمال میں فتح و نصرت کا سہرا بلا شک وشبہ ہماری جنت مکانی بہن کے سر آج مرنے کے بعد بھی ہے۔ کہ ان سے محبت شعار و قدر دان شوہر اور خسر جیسی

بزرگ ترین ہستی کی یادکو زندہ وتازہ رکھنے کے لئے عملاً کوشاں ہیں۔ چنانچہ خاتون اکرم مرحومہ کی یادگار میں مختلف موضوعات کے بہترین مضامین پر عصمتی مضمون نگاروں کو ہر سال انعامات تقسیم کئے جاتے ہیں۔ اور بطور مستقل یادگار کے ان کے اعلیٰ پایہ کے مضامین مختلف اخبارات ورسائل سے منتخب کرکے جمال ہمنشین جیسی بے نظیر کتاب شائع کردی ہے دنیز پیکر وفا و بچھڑی ہوئی بیٹی جیسے سبق آموز افسانے جو مرحومہ کی زندگی میں غیر مطبوعہ تھے نہایت اعلیٰ کاغذ پر اعلیٰ کتابت میں طبع کرکے ملک کے سامنے مرحومہ کے ادبی تخیل کا نمونہ پیش کردیا ہے۔ علاوہ ازیں ابتک اوروں سے مرحومہ کی مدح توصیف سُننے کے متمنی ہیں۔ باوجودیکہ مرحومہ کے مرنے کے بعد انکے میاں نے پانچ چھہ سال یوں ہی مرحومہ کی یاد میں گزار دیئے اور بہ ہزار منت وسماجت والدین دوسرا عقد بھی کرلیا۔

گر ہم اسوۂ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تقلید کا کامل نمونہ یہاں دیکھ رہے ہیں ہمارے نبی کریم صلعم نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو انکے وفات کے بعد آپ نے کئی بیویاں کرلینے پر بھی آخر دم تک بھلا نہ سکے۔ جسکا اعتراف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جیسی کم سن دلاڈلی بیوی خود اس طرح فرماتی ہیں کہ "رسول اللہ صلعم کو بی بی خدیجہ رضؓ سے اتنی محبت انکے وفات کے بعد بھی تھی کہ جب کبھی آپ گھر میں تشریف لاتے تو ہمیشہ بی بی خدیجہ رضؓ کا ذکر تعریف کے ساتھ

کہا کرتے۔ ایک دفعہ میں نے بی بی خدیجہؓ کے شان میں یہ کہدیا کہ دنیا میں خدیجہؓ سے اچھی کوئی عورت نہیں۔ وہ تو ایک بوڑھی دبیوہ عورت تھیں۔ خدا نے آپ کو ان سے بہتر بیوی عنایت کی ہے۔ اب بار بار ان کا ذکر نہ کرنا چاہئے۔ یہ سُنکر حضرت کا چہرہ غصہ سے سُرخ ہوگیا اور فرمانے لگے کہ خدا کی قسم مجھے خدیجہؓ سے اچھی بیوی نہیں ملی۔ کہ سب سے پہلے وہ مجھپر ایمان لائیں اور میری رسالت کی تصدیق کی۔ اور اپنا تمام مال وزر مجھپر قربان کردیا۔ اور انھیں سے مجھے اولاد بھی ہوئی۔ اسی طرح جب کبھی آپ بکری ذبح کرتے تو حضرت خدیجہ رضؓ کے سہیلیوں کے پاس اس کے ٹکڑے بھیجدیا کرتے۔"

یہی اُسوۂ حسنہ آج ہم اپنی خلد آشیانی بہن خاتون اکرم کی یاد میں انکے شوہر اور سُسرال والوں کو دیکھ رہے ہیں۔ ورنہ مرحومہ کی ہم عصر کئی ہستیاں اس دورِ حاضرہ میں پیدا ہوئیں اور حتی الامکان اپنے فرض منصبی کے جوہر دکھلاکر چل بسیں۔ مگر ان کے اوصاف جمیلہ اور اخلاق حمیدہ کا ذکر تو کجا۔ ماحول کی بے حسی نے مرنے والی کے ساتھ ہی اس کے نام و یادکو بھی ایک لخت خاک میں ملا دیا۔ بلکہ زندگی میں ہی ناقابل التفات ہوگئیں۔ اور اپنی بدنصیبی پر کف افسوس ملتے ہوئے حسرت ویاس کے ساتھ انہیں دنیا کو خیر باد کہنا پڑا۔

غرض جہاں ہمیں اپنی اس پُر حسرت و ارمان جوانامرگ بہن خاتونِ اکرم کے بے وقت موت پر دلی رنج و قلق ہوتا ہے۔ وہاں مرحومہ کی کامیاب زندگی اور خوش نصیبی پر تسکین بھی ہوتی ہے۔ کہ وہ اپنے عرصۂ حیات کے تھوڑے دنوں کو تحسین و آفرین کی صداؤں میں ختم کر کے اپنے خاوند و خسر اور عزیزوں کے ہاتھوں جس شان سے دُلہن بنکر آئی تھیں انہیں کے ہاتھوں دُلہن کی دُلہن سہاگن چل بسیں۔ اور اپنی ۲۱ سنہ جولائی کی پیشین گوئی کو سچا کر دکھایا جو جمالِ ہمنشین کے صفحہ ۴۸ پر اپنے ایک مضمون "تعزیت نامہ" میں یہ جملہ لکھا ہے۔ کہ "دُنیا میں زیادہ رہنا گناہوں میں مبتلا ہونا ہے" جو بے شک انسان اکثر دُنیا کے جھمیلوں میں پڑکر خدا کو بھول جاتا ہے اور نہ دین کا رہتا ہے نہ دُنیا کا۔ اس لحاظ سے بھی مرحومہ کی موت زندوں میں زندہ ہے کہ آپ نے مذہبی اُصولوں کی پابندی کے ساتھ دُنیا کو بھی حاصل کیا ؎

تمہیں کہتا ہے مردہ کون۔ تم زندوں کی زندہ ہو
تمہاری نیکیاں زندہ۔ تمہاری خوبیاں باقی

سردار محمدی بیگم
بنت مرحوم نواب آف وائی ونگٹی۔ قلابہ

جنتی بہن کی یاد میں

پھر ہمارے واسطے ماہِ محرّم آگیا
آہ اے خاتونِ اکرم! رونقِ بزمِ جہاں
ہم تمہاری دید سے کس واسطے محروم ہیں
خوگرِ غم کر دیا ہے اُف! تمہاری یاد نے
آپ کا اسمِ گرامی دہر میں مشہور ہے
دل میں جا دیجئے ذرا اس پیکرِ تصویر کو
تم سراپا حور بنکر کیوں یہاں آئیں بہن
جب تمہیں باغِ ارم ہی دہر میں مطلوب تھا
طاہر روح وہاں ہر فکر سے آزاد ہے

موت انکی آئی کیا اک پیکِ ماتم آگیا
مضطرب رہتا ہے تیری یاد میں قلبِ تپاں
تم سے ہو کر دور ہم محروم ہیں مغموم ہیں
چشم سے آنسو بہائے نالہ و فریاد نے
یعنی وہ "عصمت" میں جو موجود شکل نور ہے
سیم و زر سے تولیے اس دلنشین تحریر کو
جب تمہیں بھاتا نہ تھا معمورۂ دارِ محن
کیوں یہاں آکر ہمارے قلب کو تڑپا دیا
دم قدم سے آپ کے باغِ جناں آباد ہے

حمیدہ خاتون الماس بنت اسلام حامد خانصاحب ڈپٹی کلکٹر

غدر کی ماری شہزادیاں

بیلہ میں میلہ

از مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری قبلہ

(سلسلے کے لئے سالگرہ نمبر دیکھئے)

قیصر جہاں بیگم کی داستان ختم ہوئی تو آدھی رات ختم ہو چکی تھی نیاز و مخبر پر چاروں طرف سے لعنت کے نعرے پڑنے لگے آخر گوہر آرا بیگم نے کہا "بیوی وہ مر گیا اب اس کو برا کہنے سے کیا فائدہ اس نے جیسی کی بھگت رہا ہوگا۔"

جب مجمع خاموش ہو گیا تو پھر وہی صدا گونجی "پلٹیں آرہی ہیں موتیا کی" بیگم کی سریلی آواز نے دلوں کی کلفت زائل کردی ادھر پھولوں کی مہک، ادھر تیموری بلبل کا نغمہ، آدھی رات کا وقت، سناٹے کے عالم میں دلوں کی عجیب کیفیت ہوگئی صاحب بزم یعنی گوہر آرا بیگم نے اپنی چچا زاد بہن برجیس دولہن کے سامنے شمع رکھی اور کہا۔

"بیگم اب مجلس آپ کی داستان سننے کی مشتاق ہے آپ جہاں پناہ کو سب سے زیادہ عزیز تھیں اور حضور اپنی آنکھ سے دم بھر کو اوجھل نہ فرماتے تھے۔ آپ اپنی بپتا سنائیے"

برجیس دولہن نے ادھر ادھر دیکھ کر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا "بیوی حضور ہم سے جدا ہو گئے اور سات سمندر پار بس رہے ہیں۔ ہم کو انکا دیدار نصیب نہ ہوگا۔ زندگی کے جو تھوڑے دن باقی ہیں وہ اسی آرزو میں کٹ جائیں گے۔ سب سے پہلے حضور کی سلامتی اور درازی عمر کی دعا کرو" برجیس دولہن کی زبان سے ادھر حضور کا نام نکلا ادھر آنکھ سے آنسو نکلے اور انکے ساتھ ہی مجمع پر رقت طاری ہوگئی عورتیں اور مرد سب اپنے بادشاہ کی یاد میں رو رہے تھے جب برجیس دولہن نے خاتمہ دعا پر یہ لفظ کہے۔

"الٰہی تو ہی نگہبان ہے اور ہم نے اپنے آقا کو تیری حفاظت میں دیا ہے"

لوگوں کی ہچکی بندھ گئی دعا ختم ہو چکی تو گوہر آرا بیگم کے تقاضے پر برجیس دولہن نے کہا۔

"جب گولیوں کی باڑ اور پھانسیوں کی قطار کا زور ہو رہا تھا تو میں بدنصیب شہر ہی میں تھی۔ ننھے دولھا کو موتیا جھرا نکل رہا تھا۔ گھر میں صرف ہم دو میاں بیوی ہی تھے اور کوئی اتنا نہ تھا کہ دوائی ٹھنڈائی تو در کنار دو گھونٹ پانی ہی کے لادے۔ پکڑا دھکڑی کا یہ عالم کہ جو باہر نکلا پھر نہ پلٹا۔ صبح کو گیا تو دوپہر کو اور دوپہر

نکلا تو شام کو پھانسی کی خبر آگئی۔ ہماری گلی میں کھاری پانی کا کنواں تھا رات کو میں چپکے سے جاگی اور دو لوٹے بھر لائی خدا بھلا کرے بیچارے احمد عطار کا کہ اس نے مجھکو خاکسیر اور عناب کے شربت کی ایک بوتل دیدی تھی۔ دونوں وقت بیمار کو وہی پلا دیتی دوسرے تیسرے وقت خالہ کبریٰ کچھ چنے دیدی تھیں۔ وہی کھاکر پانی پی لیتی۔ مہینہ سوا مہینہ اسی طرح کیا مگر ننھے دولہا کا بخار نہ اترا۔ صبح کو ہلکا ہوجاتا مگر دوپہر سے پہلے اور چڑھتا ہڈیاں ہی ہڈیاں رہ گئی تھیں مزاج ایسا چڑچڑا ہوگیا تھا کہ بات بات پر بگڑتے تھے۔ میرا محلہ خانم کے بازار سے ملا ہوا تھا۔ اور ابھی تک اللہ کا فضل تھا کہ حکیم بادلے کے داماد نے ایک دن نشہ میں کسی گورے کی ٹوپی اچھالی اور اس کی میم کو پکڑ لیا۔ اب کیا تھا شام تک تو چاروں طرف گورے ہی گورے تھے۔ گھروں میں گھس گھس کر مردوں کو پکڑا اور مارا لیکن آدھی رات کو جاکر امی جمی ہوئی۔ میں کنڈی لگائے جانماز پر بیٹھی اللہ اللہ کر رہی تھی اور ست ہی ست پر جان تھی۔ پچھلا پہر ہوگا کہ خالہ کبریٰ نے آواز دی۔ میں نے دروازہ کھولا وہ اندر آئیں اور کہا "جس طرح ہو ابھی یہاں سے بھاگ صبح کو سارا محلہ توپ سے اڑے گا۔"

میں سر پکڑ کر بیٹھ گئی اور کہا "بھلا خالہ میں کس طرح بھاگ سکتی ہوں ننھے دولہا کو کیونکر لوں۔ یہ نہ چل سکتے ہیں نہ اٹھ سکتے ہیں ان میں رکھا ہی کیا ہے ہڈیاں ہی رہ گئی ہیں" وہ بولیں "دیر کا موقعہ نہیں جس طرح ہو اٹھاؤ" سب پکڑ کرے چلیں گے میں تو جانوں تین بجے ہونگے کہ ہم سب بھرا گھر چھوڑ چھاڑ شہر سے نکلے۔ بیمار کو ڈنڈا ڈولی کیا اور ایک طرف کو چلے۔ صبح ہم کو نظام الدین میں ہوئی مگر ہم آگے بڑھے گئے۔ دن بھر کیا گذری رستہ کس طرح کٹا اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ کھیل کا دانہ بھی اڑ کر منہ میں نہ گیا پیاس کے مارے جان نکلی جاتی تھی مگر پانی کا پتہ نہ تھا کنوئیں تھے مگر رسی تھی نہ ڈول۔ شام کو خواجہ صاحب کے قریب ہم کالکا گایوں میں پہونچے پنہاریاں ایک کنوئیں میں پانی بھر رہی تھیں وہاں ٹھہر کر پانی پیا اور بیمار کو بھی پلایا۔ چاند نکل آیا تھا اور ہم بڑ کے نیچے پڑے تھے کہ جاٹ آئے اور دونو مردوں کو پکڑ کر لے گئے میں اور خالہ کبریٰ رہ گئے۔ سوچ رہے تھے کہ کیا کریں۔ اتنے میں دونو مرد خالہ کے میاں اور لڑکا خوش خوش آئے۔ خشکے کا بھرا ہوا تھال شکر اور دہی پڑا ہوا انکے پاس تھا دیکھ کر جان میں جان آگئی اور اس بڑی طرح لوٹے کہ کنگلوں کو بھی مات کیا۔ رات ہم نے وہیں گذاری اور صبح ہم پانچوں آگے بڑھے ٭

عورتیں ملک کی کیا خدمت انجام دے سکتی ہیں

اس دور میں جبکہ ہر طرف سیاسی ہلچل مچ رہی ہے ایک سوال اکثر میرے دل میں پیدا ہوتا رہا ہے کہ وہ کونسی سچی ملک کی خدمت ہے جو ہندوستانی خواتین انجام دے سکتی ہیں۔ میرے ناقص خیال میں بجائے شراب وتاڑی ولایتی کپڑوں کی دکانوں پر پکیٹنگ کرنے اور جیل خانے کی سیر کرنے کے عورتیں دوسرے طریقوں سے ملک کی اقتصادی وتعلیمی ومعاشرتی حالات کو درست کرنے میں اپنی حب الوطنی کا ثبوت دے سکتی ہیں۔ گو کہ اس قسم کے ٹھوس کام کرنے میں انکو اخباروں میں شہرت ونام نمود حاصل کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ تاہم میں اس ملک کی اُن خواتین کی جو خاموش طریقہ سے مادر وطن کی خدمت انجام دینا چاہتی ہیں توجہ چند نہایت اہم سوالات کی طرف مبذول کرنا چاہتی ہوں:-

اس ملک کی ۳۲ کروڑ کی آبادی میں ۲۵ کروڑ سے زیادہ گاؤں کے باشندے ہیں۔ شہر کے رہنے والوں کی تعداد قریب ۶ یا ۷ کروڑ سے زیادہ نہیں ہے۔ کبھی آپ بہنوں نے غور کیا ہے کہ ان گاؤں کے باشندوں کا کیا حال ہے۔ اس گاؤں کے ۲۵ کروڑ مردوں اور عورتوں میں قریب ۹۰ فی صدی جاہل مطلق ہیں۔ اُنکی معاشرتی و تمدنی حالت نہایت ابتر ہے۔ اُنکی اقتصادی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ مفلسی اور قرض ہمیشہ اُنکے جھونپڑوں میں مہمان رہتے ہیں۔ اُنکی عورتیں ایسی افسوسناک زندگی بسر کرتی ہیں کہ میری بہنوں کو یقین نہ ہوگا۔ گو ہم لوگوں کو مس میئو کا ہندوستانی عورتوں پر حملہ بہت بُرا معلوم ہوا مگر کیا ہم لوگوں کے تعلیم یافتہ طبقہ نے کبھی عام عورتوں کی حالت کی طرف توجہ بھی کی ممکن ہے میری بہتیری شہری بہنیں انکی مصیبتوں سے ناواقف ہوں۔ میں اپنے ذاتی تجربوں کے بنا پر دعوے سے کہتی ہوں کہ گاؤں کی عورتیں جانوروں سے بہتر زندگی بسر نہیں کرتیں۔ انہیں روزمرہ ایسے فرائض انجام دینے پڑتے ہیں جو کسی ترقی یافتہ ملک میں عورتیں انجام نہیں دیتیں اُنکے کپڑوں اور گھروں کی گندگی جو کہ سینکڑوں بیماریوں کو دعوت دیتی ہیں اظہر من الشمس ہیں۔ ولادت کے وقت کی مصیبتیں حسرتناک ہیں۔ ایسے نازک وقت میں گاؤں کی گندی و جاہل دائیوں کی خدمت انکو نصیب ہوتی ہے جو بوڑھی اور اکثر اندھی ہوتی ہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زچہ و بچہ دونوں قسم قسم کی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اُنکی

لڑکیوں کی شادی ۵ یا ۶ سال کی عمر میں عموماً انجام پاتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُن کمسن بچیوں کو قبل از وقت ولادت کا بوجھ اُٹھانا پڑتا ہے۔ اور اس طرح سے نہ صرف لاکھوں معصوم بچیوں کی جانیں تلف ہوتی ہیں بلکہ اس کم سنی کی ولادت کی وجہ سے مُلک کی نسل روز بروز کمزور ہوتی جارہی ہے۔ ایسی حالت میں یہ کیا کچھ تعجب کی بات ہے کہ اس افلاس زدہ ملک میں اموات کی تعداد سب ملکوں سے زیادہ ہے۔ شہری بہنوں! یہ ہے ہمارے گاؤں کی عورتوں کی زندگی کی دردناک تصویر۔

اِن حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا تعلیم یافتہ خواتین کا یہ فرض منصبی نہیں ہے کہ پہلے ان بدنما دھبوں کے رفع کرنے کی طرف توجہ کریں۔ میرے ناچیز خیال میں تو ان امور کی اصلاح کی طرف توجہ کرنا سیاسی شور وغل میں حصہ لینے سے کہیں زیادہ اہم و ضروری ہے۔ صوبہ پنجاب میں کچھ خواتین تحریک اتحاد باہمی کے ذریعہ سے عورتوں کی اقتصادی۔ تعلیمی۔ معاشرتی۔ تمدنی حالت درست کرنے میں مشغول ہیں۔ دوسرے صوبوں کی عورتیں بھی اس تحریک سے کافی فائدہ اُٹھا سکتی ہیں۔ اگر اس تحریک سے کوئی خاص دلچسپی نہ بھی ہو تو وہ عورتیں جو حب الوطنی کے جوش میں آکر پیکٹنگ وغیرہ میں مشغول ہیں اپنا وقت بے زبان گاؤں کی عورتوں کے تعلیم دینے اور اُن کی مصیبتوں کو دُور کرنے میں بڑے مُفید طریقہ سے صرف کرسکتی ہیں۔ کیا اس بڑے مُلک کی نصف آبادی کی جہالت۔ افلاس و بُرے رسم و رواج کو دور کرنا ملک کی ترقی کا باعث نہ ہوگا۔ میرا اعتقاد ہے کہ ہندوستان کی خواتین ان امور کی طرف توجہ کرکے مُلک کی اصلی خدمت انجام دے سکتی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ میرا تو ایمان ہے کہ اِن بے زبان کروڑوں خلق اللہ کے مصائب کے رفع کرنے میں ہم لوگوں کو ثواب دارین بھی نصیب ہوگا۔

اگر میری بہنوں نے اس قسم کی تحریکِ نسواں کی طرف توجہ فرمائی تو میرا ارادہ ہے کہ میں مسلسل کئی مضامین مفصل لائحہِ عمل کے متعلق "عصمت" میں تحریر کروں +

بیگم طاہرہ داؤدی (صوبہ بہار)

صنعت وحرفت خانگی

کسی کا کتنا اچھا مقولہ ہے کہ صنعت وحرفت خانگی امرا کے لیۓ باعث دل بستگی ہے متوسط لوگوں کے لیۓ باعث عزت اور غریبوں کے لیۓ انکی پرورش کا ذریعہ ہے کوئی شخص بیکار رہنے کی حالت میں کبھی سچی مسرت حاصل نہیں کرسکتا جس وقت کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام بھی ختم کیا جاتا ہے کتنی خوشی ہوتی ہے اس کا اندازہ وہی لوگ کرسکتے ہیں جو کچھ کرتے ہیں جس نے کچھ کیا ہی نہ ہو وہ نہیں سمجھ سکتا +

جو وقت ہم کسی چیز کے بنانے میں صرف کرتے ہیں وہ ہماری زندگی کے بہترین لمحے ہوتے ہیں اور ہم ان سے بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔ مشہور ہے کہ ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا سلائی اور دستکاری کرکے اس کی اُجرت غریبوں کو خیرات کیا کرتی تھیں اسی وجہ سے آپ کا لقب ام المساکین (غریبوں کی ماں) ہوگیا تھا۔ یہی بات سابق خلیفہ ٹرکی سلطان عبدالحمید خاں کے بہنوں کے متعلق بھی سُنی گئی ہے اور یادش بخیر میری ایک منہ بولی بہن جو بڑے آسودہ گھر کی لڑکی اور ایک ڈپٹی مجسٹریٹ کی بیوی تھیں اپنی دستکاری کا بہی مصرف کرتی تھیں انہوں نے میلاد شریف کے لیۓ ایک رقم جمع کرنی شروع کی تھی اور اس خیال سے کہ یہ محفل مبارک میں اپنے ہاتھ کی محنت سے کروں گی اس قدر خوش تھیں کہ بیان میں نہیں آسکتا۔ اب خیال کیجیۓ کہ دستکاری سے کتنے فائدے ہوتے۔ ایک کارآمد چیز۔ دلی مسرت۔ عزت اور ثواب۔ اور اس میں لگا کیا وہی تھوڑا سا وقت جو ہم بیکار خیالی پُلاؤ پکانے اور فضول باتیں بنانے میں ضایع کر دیتے ہیں۔ سُبحان اللہ کیا نفع کا سودا ہے ہم خرما وہم ثواب والا مقولہ اس سے بڑھکر اور کہیں چسپاں نہ ہوگا۔ کیونکہ اس قسم کے کام کرتے وقت محنت اور تکلیف تو ذرا محسوس نہیں ہوتی +

صنعت وحرفت کا ایک بہت بڑا فایدہ یہ بھی ہے کہ اس سے جوشِ عمل اور استقلال پیدا ہوتا ہے جو کسی کام کی تکمیل کے لیۓ ایک لازمی چیز ہے اور جس کے بغیر دُنیا کا کوئی کام انجام نہیں پا سکتا۔ صنعت وحرفت خانگی میں جہاں مصوری نقاشی اعلیٰ درجے کے زری اون اور ریشم کے کام ہیں

وہاں متوسط گھروں میں چکن کٹاؤ۔ کامدانی۔ مردانے زنانے ہر قسم کے کپڑوں کی سلائی۔ جانمازیں۔ دستر خوان۔ زردوزی اور پوتھ کے ر اور خوبصورت پنکھے اور ٹوکریاں بنانا بھی شامل ہے۔ ان کاموں کو گھر میں کر لینے سے خاص کفایت بھی ہو جاتی ہے اور گھر کی حیثیت اور سجاوٹ میں چار چاند لگ جاتے ہیں مختلف قسم کی مٹھائیاں۔ پکوان۔ حلوے۔ مربے۔ چٹنی اچار بنانا بھی خانگی صنعت کی ایک بڑی ضروری اور دلچسپ شاخ ہے جن کی طبیعت کا رجحان اس طرف ہوتا ہے وہ عجیب وغریب ایجادیں کیا کرتے ہیں اور بعض دفعہ ایسی نادر چیزیں تیار کرتے ہیں جنہیں کھا کر طبیعت خوش ہو جاتی ہے مگر بڑے بڑے مبصر بھی یہ نہیں بتا سکتے کہ یہ کیا ہے۔ رنگنا چھاپنا بھی گھریلو کاموں میں ایک مفید اور کارآمد ہنر ہے پڑیہ کے رنگ ارزاں ہونے کی وجہ سے اس کی بہت آسانی ہو گئی ہے کہ بغیر کسی دقت کے جیسا رنگ چاہیں منٹوں میں رنگ سکتے ہیں لیکن پختہ اور صوفیانے رنگوں کے لیے ذرا محنت اور استقلال کی ضرورت ہے۔ دو تین رنگ ملا کر نئے نئے رنگ بنانا ایک رنگ کا کپڑا خراب ہو جائے تو اس میں کوئی دوسرا رنگ دیکر درست کرنا تھوڑے تجربے اور مشق سے آ جاتا ہے مثلاً ماش اور سرخ رنگ ملا کر کھٹئی۔ عنابی اور سیاہ ملا کر کاکریزی بہت خوبصورت رنگے جاتے ہیں اور کپڑے کی حیثیت بالکل بدل جاتی ہے اس طرح جو کپڑا ایک سال کے استعمال کے بعد خراب ہو جاتا ہے وہ رنگ بدل کر اگلے جاڑوں میں پھرنے کا سا کام دیتا ہے کچے رنگ آسانی کے خیال سے اکثر یوں رنگ لئے جاتے ہیں کہ پہلے رنگ جوش کیا پھر اس میں کپڑا رنگ لیا لیکن زیادہ پختہ اس طرح ہوتا ہے کہ پہلے ہم وزن نمک یا سوڈے کے ساتھ رنگ کر گھولیں پانی اتنا زیادہ ہو کہ کپڑا آسانی سے ڈبو کر ملا جا سکے پھر کپڑا رنگ کر اسے پکالیں اور برابر الٹ پلٹ کرتے جائیں ورنہ دھبے پڑنے اور کپڑے کے جلنے کا اندیشہ ہے جس وقت کپڑا رنگ جذب کرے اور پانی دھودن کی طرح رہ جائے اتارلیں ٹھنڈا ہونے کے بعد اچھی طرح نچوڑ کر ایک پانی سے کھنگال ڈالیں یہ سوکھ کر بالکل پختہ ہو گا +

اسی قسم کا ایک کام یہ بھی ہے کہ پرانے کپڑوں سے جاڑوں کے استعمال کے روئی دار کپڑے بنائے جائیں کیونکہ روئی دار کپڑے ایک برس پہن کر پھر دوسرے سال استعمال کرنے کے قابل نہیں رہتے ہاں اگر مضبوط ہو اور رنگ اچھا رہے تو یہ ہو سکتا ہے کہ روئی بدل کر کام میں لائے جائیں۔ لیکن محنت اس میں بھی قریب قریب نئے ہی کے ہو جاتی ہے۔ زنانی رضائیاں عموماً برائے دوپٹوں کی بنائی جاتی ہیں جو بہت خوشنما اور آرام دہ ہوتی ہیں اسی طرح بچوں کے روئی دار

کرٹے۔ کنٹوپ۔ کمریاں صدریاں بھی اچھے بنتے ہیں اور بچوں ہی کے لیئے پُرانے کپڑے کا استعمال زیادہ مناسب بھی ہے کیونکہ انکے پاس کپڑے خراب بھی جلدی ہوتے ہیں اور چھوٹے بھی۔ اس لئے وہ ایسے ہی ہونے چاہئیں کہ آسانی سے انہیں علیحدہ کر دیا جائے ۔

اُونی سامان زیادہ قیمتی ہوتا ہے اور اس کے دُھلنے کی بھی مشکل رہتی ہے کتنی بھی احتیاط کی جائے دو چار دفعہ دُھلنے کے بعد ضرور خراب ہو جاتا ہے اس لئے وہ روزمرہ استعمال کرنا معمولی استطاعت والوں کا کام نہیں۔ مہین کپڑے خوش نما رنگ دیکر ابرے اور جھالر کے کام میں لائے جاتے ہیں اور جو دبیز ہوں ان کے استر اور گوٹ لگاتے ہیں۔ جن خواتین کو اس میں دلچسپی ہوتی ہے وہ چھوٹے بچوں کے لیئے بنیان اور موزے تک بڑے بنیان اور موزوں میں سے کاٹ کر بناتی ہیں اور کئی کئی برس ان کے لباس پر روپیہ خرچ کرنے کی بالکل ضرورت نہیں ہوتی ۔

ردی کاغذ بھی سلیقہ مند اور کفایت شعار بیبیاں خوب کام میں لاتی ہیں اور ان سے چھوٹی بڑی ٹوکریاں۔ پٹاریاں۔ پیالے۔ طشتریاں خشک چیزیں رکھنے کے لائق بہت اچھے بنتے ہیں ترکیب یہ ہے کہ کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے پانی میں بھگو دیتے ہیں اور چار پانچ دن بعد جب وہ خوب نرم ہو جاتے ہیں تو انہیں کوٹ کر دھوئی ماش کی دال یا میتھی مہین پیسکر ملا لیتے ہیں اس وقت وہ گندھے ہوئے آٹے کی طرح لوچ دار ہو جاتا ہے اور جو کچھ جی چاہے آسانی سے بنا سکتے ہیں۔ رنگین کاغذوں کے گلدستے۔ پنکھیاں۔ دیوارگیریاں اور زنجیرے بنانا بھی تفریح کا اچھا مشغلہ ہے۔ بالکل ذرا سے خرچ میں گھر گلزار ہو جاتا ہے اور احتیاط کی جائے تو بہت دنوں تک اچھا رہتا ہے۔ کچھ مشکل کام بھی نہیں ذرا غور کرنے سے فوراً سمجھ میں آ جاتا ہے۔ ہاں صفائی ہر کام میں مشق سے آتی ہے ۔

غرض انسان کو کام کرنے کا شوق ہو تو اس قدر مفید اور دلچسپ کام ہیں کہ شمار میں نہیں آ سکتے۔ یہ مختصر زندگی ہی اس کے لیئے کافی نہیں کہ ہر کام کو مکمل طور پر سیکھ کر اس سے فایدہ اٹھایا جا سکے۔ اس لیئے ہمیں ایک ایک لمحہ غنیمت سمجھنا اور اس کی قدر کرنی چاہیئے ٥

نوجوان ہیچکر بھی جو فضل و ہنر ملے   جس سے ملے جہاں سے ملے جس قدر ملے

یہ مضمون بھوپال کی ۱۹۲۳ء کی نمایش میں انعامی مقابلے میں شامل ہونے کے لیئے لکھا تھا اور حضور سرکار عالیہ مرحومہ و مغفورہ نے اسے پسند فرما کر اس پر ۵۰ روپیہ کا اول انعام عطا فرمایا تھا ۔

یادگذشتہ

اکثر رات کی پرسکون فضا میں جب کائنات پر موت کی سی خوفناک سیاہی چھا جاتی ہے اور انسان کی نظر سے عالم خواب میں ماضی یا حال یا مستقبل کے واقعات یکے بعد دیگرے گزرتے ہیں۔ قبل اس کے کہ نیند مجھے اپنی سنہری زنجیر میں باندھ لے میرا پرشوق و مغموم حافظہ مجھے عہد گزشتہ کی شیریں یادیں محو کر دیتا ہے۔ بچپن کی معصوم مسکراہٹ۔ بچپن کے بے گناہ آنسو۔ اور وہ پرمحبت باتیں۔ آہ۔ اب خواب و خیال ہوگئیں۔ وہ آنکھیں جو اس وقت محبت و ہمدردی سے چمکا کرتی تھیں اُف کس طرح دھندلا کر آخر کار بے نور ہوگئیں ٭

میرا وہ مسرور دل جو کسی شگفتہ پھول کے مانند جسے گلچیں کے بے درد ہاتھوں نے شاخ کے پھولوں سے جدا کر کے مسل ڈالا ہو اب کُملا گیا ہے اور انکی یادیں بے قرار ہے ٭

اکثر رات کے خاموش فضا میں جب سمندر میں جل پریاں محو رقص ہوتی ہیں اور انکے دلگداز نغموں کے سوا کائنات میں بلا کا سکون چھایا ہوتا ہے نیند کے خمار مجھ پر حملہ آور ہونے سے پیشتر میرا اداس حافظہ گزری ہوئی خوش آیند زندگی کے اوراق میرے سامنے بکھیر دیتا ہے۔ شب دیجور کی تاریکی میں جب آبشار کی پرشور صدا ہوا کی سرسراہٹ۔ درختوں کی باہم سرگوشیاں فضا میں ایک عجیب کیف پیدا کرتی ہیں۔ قبل اس کے کہ نیند کی حسین پری مجھے تھپک تھپک کر اپنے آغوش میں سُلا دے میرا الم ناک حافظہ میرے سامنے زمانہ گزشتہ کے خوشگوار واقعات دوہرایا کرتا ہے اور جب میں اُن دوستوں کو جو کہ زندگی کے مسرور لمحات ساتھ ساتھ گزارا کرتے تھے یاد کرتی ہوں۔ آہ۔ جنکو میں نے اپنی بدنصیب آنکھوں سے خزاں کے موسم کی پتیوں کی طرح مرجھاتے ہوئے دیکھا میں اپنے کو اس شخص کی طرح محسوس کرتی ہوں جو تنہا ضیافت کے کسی ویران ہال میں جس کی روشنی غائب ہو چکی ہے جس کے پھول کُملا گئے ہوں بیٹھا ہو اور اس کے سوا سب مہمان رخصت ہو چکے ہوں ۔ اکثر شب کی پچھلی تنہائیوں میں جب کوئل اپنی رسیلی آواز میں نغمہ بار ہوتی ہے اور پپیہا اپنی دلدوز آواز میں "پی کہاں" کی رٹ لگاتی ہے میرا غمناک حافظہ مجھ سے سرگوشیاں کرتا ہوتا ہے۔

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را ۔۔۔ گاہے گاہے باز خوان ایں قصۂ پارینہ را

عطیہ نصرت خانم

اِنتہائے تحقیقات

پہلا رُخ

یہ شاید محکمہ آثار قدیمہ مصر کی خوش قسمتی تھی کہ بہت طول و طویل خط وکتابت کے بعد گورنمنٹ مصر دنیا کے چند مشہور ترین اور قابل ترین ماہرین "مصریات" کی خدمات حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ جرمن پروفیسر ریخٹنخ مشہور ماہر مصریات تھے اور انکی امداد پر روح رواں عجائب خانہ تھے مصر مسٹر ڈ ینیخ مشہور ماہر مصریات اور پھر مسٹر لوڈ ایک انگریز ماہر مصریات۔ قصہ مختصر جہاں یہ تین ماہر مصریات یکجا جمع ہو کر مصری قبروں کو اکھیڑیں تو یہ ناممکن کہ "ممی" کی سات پشت تک نام معہ اعمال نامہ نہ پیش کر سکیں۔ آپ مصری کھنڈروں کا کتبہ کیسا ہی انکے سامنے پیش کر دیجئے وہ فوراً بتا دیں گے کہ اس میں کیا لکھا ہے اور پھر یہ بھی کہ کس سن میں اور کس دن اور کے بجکر کے منٹ پر لکھا گیا۔ ان تینوں حضرات کو مصری گورنمنٹ نے محض اس وجہ سے بلوایا تھا کہ سنٹرل عجائب خانہ کے پاس سینکڑوں پرانے کتبے اور برآمدہ شدہ اشیاء ایسی ہیں کہ جن کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کیسی ہیں اور کب کی ہیں لہذا یہ حضرات اس لیے آئے تھے کہ تمام چیزوں کا معائنہ کر کے اور جدید سائنٹفک اصول پر تحقیقات کر کے تمام کتبوں کو پڑھیں اور اُس کے ترجمہ سے دُنیا کو حیرت میں ڈالیں اور نیز مختلف اشیا کے بارہ میں کچھ ارشاد فرمائیں تاکہ اس زمانہ قدیم کی معاشرت پر کچھ روشنی پڑ سکے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ان تینوں حضرات نے اس کام کرنے کے عوض ایک ہزار پونڈ ماہانہ فی کس معاوضہ ٹھہرایا تھا۔

آخرش کام شروع ہوگیا۔ ایک لمبی چوڑی فہرست تھی جس کی امداد سے عجیب غریب چیزوں کو اور پتھروں کے ٹکڑوں کو اٹھا اٹھا کر طرح طرح سے دیکھا گیا اور پندرہ بیس روز تک ان ماہرین نے صرف یہ کام کیا کہ ہر ایک چیز جو وہاں موجود تھی اسکو اٹھا کر دوسری جگہ کسی دوسری کروٹ سے رکھدیا۔ اس کے بعد پھر اصلی کام کا نمبر آیا۔ کتبے تیزی سے پڑھے جانے لگے اور انکی تاریخیں مقرر کی جانے لگیں۔ اشیاء برآمدہ شدہ کی ساخت پر روشنی ڈالکر انکے نام رکھے جانے لگے۔

انگلش پروفیسر ڈاکٹر لوڈ نے اپنے کتے کی گردن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ایک خاص چیز کے بارہ میں رائے دی۔

"یہ کتوں کو دودھ پلانے کا برتن ہے۔" یہ محض اتفاق کی بات تھی کہ انھیں کتوں سے بیحد شوق تھا۔

"تو کیا آپ کی تھیوری یہ ہے کہ کتوں کو بھی مصری لوگ پسند کرتے تھے!" ڈاکٹر ریخٹیخ نے کہا۔

"میرا تو قطعی یہ خیال ہے کہ باوجودیکہ بلی کی پرستش ہوتی تھی اور بلی اور کتے سے سخت دشمنی ہے لیکن پھر بھی کچھ لوگ ضرور کتے پالتے ہونگے!"

"اور وہ چھپ کر پالتے ہونگے!" فرانسیسی ماہر نے کہا۔

"یا پھر ذی اختیار لوگ ایسا کر سکتے ہونگے!" جرمن پروفیسر بولے۔

"اجی صاحب" انگلش پروفیسر نے کہا۔ "بعض اور لوگ بھی پوشیدہ طور پر کتے رکھتے ہونگے۔ آپ اس برتن کو کتوں کا کونڈا ہی قرار دیجئے!" چنانچہ باتفاق رائے یہ تجویز پاس ہوگئی۔

اسی مہینہ میں ڈاکٹر رڈ کی جدید تحقیقات یعنی "قدمائے مصر اور کتے" کا مضمون لندن کے ایک اخبار میں بڑے زور و شور کا نکلا جس میں بتایا گیا تھا کہ کس طرح تین پروفیسروں نے کتوں کا ایک راتب کھانے کا کونڈا پایا ہے جس کی تصویر بھی دی گئی تھی۔

اسی طرح دوسری چیز ہاتھ لگی۔ "یہ تو صابن دانی ہے!" ڈاکٹر لوٹو بولے۔

جرمن پروفیسر نے کہا "صابن! صابن دانی نہیں۔ بھلا صابن کیسے......"

"اچھا پھر شمعدان لکھدیجئے!" فرانسیسی پروفیسر نے تجویز کیا۔

اگر اُس زمانہ میں سگرٹ نوشی رائج ہوتی تو بلا شبہ سگرٹ کا راکھ دان تو یہ بہترین ہے!" یہ جرمن پروفیسر نے کہا۔ تینوں پروفیسر اس عجیب شکل کے برتن کے کام کو غور سے دیکھ رہے تھے۔ فرانسیسی ماہر نے کہا "یہ عود دان ہے"

"عود دان! عود دان تو سینکڑوں ہر عجائب خانہ میں موجود ہیں۔ میری دانست میں تو اسے سنگار دان کا ایک خاص برتن قرار دیا جائے۔ کیوں ڈاکٹر لوٹو صاحب آپکی کیا رائے ہے؟" جرمن ماہر نے کہا۔

ڈاکٹر لوٹو اپنے کتے سے کھیل رہے تھے کچھ چونک سے پڑے اور بے سوچے سمجھے بول اُٹھے: "میرا بھی ایسا ہی خیال ہے مگر الائچی دان کیسا رہے گا؟"

الائچی دان ہی لکھدیجئے" جرمن پروفیسر نے لاپرواہی سے کہا۔ "یہی ٹھیک بھی معلوم ہوتا ہے!" چنانچہ لکھدیا گیا۔ اسی طرح ہر چیز کی تحقیقات کر کے فوراً بتادیا گیا کہ کیا چیز ہے اور پھر اٹکل پچو انکی تاریخیں بھی لکھدی گئیں کہ یہ کب بنے تھے۔ اس کے بعد پھر کتبوں کا نمبر آیا۔ سب سے پہلے تو جرمن پروفیسر ایک اینٹ کو یہ کہکر جرمنی لے دوڑے کہ وہاں برلن کے عجائب خانہ میں ایک نہیں بلکہ کئی کتبے ہیں جن کی امداد کے

بغیر یہ نہیں پڑھا جا سکتا۔ اسی طرح بقیہ دو پروفیسران بھی دو تین چیزیں لیکر اپنے اپنے گھروں کو بھاگے۔ واقعہ بھی دراصل یونہی تھا کیونکہ موجودہ مشہور عجائب خانوں کے بیش قیمت تحائف اکثر ایسے ہیں جو بعض اوقات مصری معاملات پر روشنی ڈال سکتے ہیں۔ لیکن ایک اور واقعہ بھی تھا کیونکہ موسم گرمی کا بھی آگیا تھا اور پھر مصر کی گرمی سے گھر کی گرمی کہیں زیادہ بہتر ہے "۔

جب سب لوٹ کر آئے تو ہر ایک کی دریافت اور تحقیقات کی دوسرے نے قدر کی۔ فرانسیسی نے جرمن اور انگریز ماہر کی تحقیقات کے بارہ میں ایک خاص بلیٹن شایع کیا اور اسی طرح انگریز اور جرمن ماہر نے کیا۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ان رسالوں نے ماہر مصریات کی آنکھیں کھول دیں۔

اسی دوران میں ایک امریکن ماہر مصریات بھی آنکلے اور انہوں نے ان میں اسے ایک کتبہ کا فوٹو لیکر ایک علیحدہ بلیٹن شایع کر دیا اور دنیا کو مخاطب کرکے کہا کہ ڈاکٹر لوٹو نے جس کتبہ کو پڑھ کر دنیا کے سامنے پیش کیا اس پر کوئی کتبہ ہی درج نہیں بلکہ اس پر تو محض کنگی کے باعث کچھ نشانات ہیں اور بس۔ بدقسمتی سے ان پروفیسر صاحب کی خدمات کو مصری گورنمنٹ نے قبول نہیں کیا تھا۔

دوسرا رُخ

"یہ امر پایۂ تحقیق کو پہونچ چکا ہے" پروفیسر آچاریہ نے اپنے لیکچر کے دوران میں کہا کہ "ہمارے آباو اجداد یعنی قدیم ہندو مصر و عرب و شام و چین نہیں بلکہ یونان و روما پر قابض تھے اور اسی ہندوستانی تہذیب کا دُنیا میں دَور دورہ تھا" (چیرز) ایک عرب سیاح خود کہتا ہے کہ دریائے نیل کا نام "نیل" دراصل ہندو نام ہے۔ باب المندب دنیا جانتی ہے کہ عربی مقام اور عربی نام ہے معنی یہ ہوئے کہ آنسوؤں کا دروازہ۔ وجہ اس کی یہ ہے اس آبنائے میں جہازرانی اس قدر کسی زمانہ میں دشوار تھی کہ وہاں جہاز اکثر ٹوٹ جاتے تھے۔ چونکہ پُرانے زمانہ کے ہندوؤں میں تصوف کا اثر زیادہ تھا اور وہ موت کو زیست سے کم نہیں سمجھتے تھے لہٰذا جب اُنکے جہازات وہاں شکست ہوتے تھے اور وہ مر جاتے تھے تو وہاں ہندو ملاحوں نے ایک ویران جزیرہ بدبابامن کا استھان بنا دیا تھا۔ ہوتے ہوتے وہ باب المندب ہوگیا اور مناسبت یوں پیدا ہوگئی کہ ملاحوں کے مرنے پر اُنکے عزیز آنسو بہاتے تھے۔ اسی طرح آپ دیکھ لیجئے کہ جزائر کے نام بھی آج تک ہندو ہیں۔ مثلاً سماترا۔ اصل میں یہ یاترا کا مقام تھا اور یہاں یاتری لوگ بہت جاتے تھے امتداد زمانہ سے سماترا ہوگیا۔ اور پھر یہ لفظ بھی دراصل ہندی ہے لہٰذا یہ قطعی امر ہے کہ

یاترا میں "سُم" ہی ہندوؤں ہی کے زمانہ میں لگ گیا۔ جیسے "سُمیکتا" جو مہاراج پرتھی راج کی رانی تھیں اسی طرح سماترا ہوگیا۔ اسی طرح لفظ بورنیو اصل میں لفظ برُن کا بگڑا ہوا ہے۔ ہندوؤں کے بعد جو اور قومیں وہاں آباد ہوئیں انہوں نے اسکو بورنیو کہا۔ اسی طرح بالی۔ یہ بالی ہی صرف ایک جزیرہ رہ گیا ہے جہاں آج تک ہندو دھرم موجود ہے۔ یا ہندوستان میں ہندو رہ گئے ہیں اور یا اُن جزائر میں سے بالی کے جزیرہ میں۔ اسی طرح جزائر برموڈس بھی ہندوؤں کی نو آبادیات تھیں اور مہاراج برہم داس کی بسائی ہوئی تھیں آج اسکا نام برموڈس کر دیا گیا ہے۔

امریکہ کو جسکو کولمبس نے دریافت کیا در اصل خود ہندوستان قدیم کی نو آبادی تھی۔ چنانچہ پروفیسر زیٹ نے ڈاکٹر عنب کی امداد سے یہ امر بایہ ثبوت کو اس طرح پہونچا دیا ہے کہ دریافت سے معلوم ہوا ہے کہ امریکہ کے جنگلوں اور پہاڑوں میں اب بھی اس قسم کی قومیں آباد ہیں جن کے الفاظ سنسکرت سے ملتے جلتے ہیں اور انکی عبادت گاہوں میں ہندو مندروں کے سگاسن وغیرہ سے ملتی ہوئی چیزیں اب بھی موجود ہیں اور پھر پُرانے زمانہ کی امریکن دیسی زبان اور سنسکرت اور پراکرت کے الفاظ بہت ملتے جُلتے ہیں۔ میں اس بارہ میں ایک تھیسس لکھکر خود برلن یونیورسٹی میں پیش کرنے والا ہو رہا ہوں"

تیسرا رُخ

تخم تاثیر صحبت کا اثر ان پروفیسر آچاریہ کے ساتھ ایک لدھیانہ کے رہنے والے سفید پوش مسلمان منشی ملازم بھی تھے پڑھے لکھے بھی تھے اور طاقتور بھی تھے۔ وضعدار و وفادار و نیک خو ایسے تھے کہ پروفیسر صاحب کے ساتھ ایسے ہوئے کہ پروفیسر اور ان کا یہ مضمون ہوگیا کہ تجھکو اور نہیں اور مجھکو ٹھور نہیں۔ کار آمد ملازم کو کوئی نہیں نکالتا تو مہربان آقا سے کوئی کیوں روگشی کرے۔ قصہ مختصر صحبت کا اثر کا یہ حضرت بھی اسی قسم کی تحقیقات کی طرف مائل ہوگئے۔ پروفیسر صاحب کے منہ چڑھے نوکروں میں سے اور پھر انگریزی بھی پڑھ چکے تھے تحقیقات کی کنجی تو انکے ہاتھ آہی گئی تھی اور یہ خوب جانتے تھے کہ جہاں الفاظ کے تلفظ میں در اصل وہیں پھر تحقیقات کی ابتدا اور انتہا بھی ہے۔ چنانچہ غور کرنا شروع کیا کیونکہ انکو کچھ سُبکی سی معلوم ہو رہی تھی کہ پُرانے زمانہ کے ہندو تو ایسے سورما نکلے کہ جہاں جہاں

مارا اور جگہ جگہ نوآبادیات قایم کیں اور ہم مسلمان کچھ نہیں۔ سُنتے آئے تھے کہ مسلمانوں نے بھی ساری دُنیا چھان ماری ہے اگر کوئی غور کرے تو عجب نہیں انکشافات کا ڈھیر لگ جائے۔ مینڈک کی دنیا کنواں اور ان خاں صاحب کے مسلمانوں کا منبع اور خزانہ لودھیانہ۔ انہوں نے جورات کو چائے پی کر حقہ پیتے میں اپنے دماغ پر زور ڈالا تو کام چل گیا۔ جزائر برمُوڈس اگر لاہور کے پنڈت پریم داس نے بسائے ہونگے تو شیخ چلی نے جن کے نام سے لودھیانہ کا ہر فرد و بشر آگاہ ہے ضرور اپنا جہاز آگے بڑھا کر امریکہ کے اُس صوبہ کو بسایا ہوگا جو آج تک اونکے نام سے "چلی" مشہور ہے اور امریکہ کی مشہور جمہوری سلطنت ہے۔ ٹھیک۔ بالکل ٹھیک۔ آگے چلئے۔ پیر بخش ایسا نام ہے کہ اس نام کے اگر آدمی تلاش کیئے جائیں تو صرف لدھیانہ ہی میں دس بیس نہیں بلکہ سو ڈیڑھ سو نکل آئیں۔ یہ نام ظاہر ہے نیا نہیں لہذا پتہ چلتا ہے کہ مہاراج برہم داس کے ساتھ ساتھ علاوہ شیخ چلی کے پیر بخش پنجابی عرف پیرو بھی تھے۔ جو پنڈت جی مہاراج کو جزائر میں چھوڑتے ہوئے شیخ چلی کے ساتھ ساتھ گئے شیخ صاحب کو وہیں چھوڑ کر خود یہ آگے بڑھ گئے اور چل کر شمالی ساحل پر اُترے اور وہاں اپنے نام پر اُس حصہ ملک کو "پیرو" مشہور کیا چنانچہ آج تک مملکت "پیرو" اُسی نام سے مشہور چلی آتی ہے۔

اتنے میں پروفیسر چہل قدمی کرتے آنکلے اور ان سے پوچھا کہ کیا کر رہے ہو۔ انہوں نے فوراً اپنی تحقیقات پیش کر کے داد و تصدیق چاہی۔ پروفیسر صاحب نے اس جہالت پر برافروختہ ہو کر کہا "یہ جہالت کی باتیں مت کرو" خانصاحب کا رشتہ پروفیسر صاحب سے ایسا نہ تھا کہ کچھ زیادہ حجت کرتے لہذا مجبور ہو گئے۔

نتیجہ

اس وقت تو خانصاحب خاموش ہو گئے تھے مگر حسن اتفاق کہ لاہور کے مشہور پرچہ "ہمایوں" کے جون کے پرچہ میں ایک مضمون اونکی نظر سے گذرا "کولمبس سے پہلے امریکہ میں عربیت" یہی کیا کم تھا آگرہ کا مشہور رسالہ پیمانہ بابتہ ماہ مئی ۱۹۳۰ء بھی یہ کہیں سے پاگئے جس میں پہلے مضمون کی سرخی "کیا سری کرشن جی اسرائیلی

کھے" انکے لئے جاذب نگاہ تھی۔ مضمون شروع سے آخر تک پڑھا اور پھر ہمایوں کا کولمبس والا
مضمون پڑھا۔ کئی بار دونوں کو پڑھا۔ پڑھکر ایک رائے قائم کی" خواہ نوکری رہے یا جائے آج پروفیسر
صاحب سے کھلکر باتیں کرونگا" یہ سوچکر پروفیسر صاحب کے پاس پہونچے۔ پروفیسر صاحب
اپنی لائبریری میں بیٹھے کیا تھے بلکہ اردگرد کتابوں رسالوں اور مسودوں کے انبار میں پوشیدہ تھے
خانصاحب نے دونوں مضمون دکھائے۔ پروفیسر صاحب نے غور سے پڑھے اور پھر پڑھے
بجائے بحث کرنے کے وہ خاموش سے ہوگئے۔ اُٹھکر ٹہلنے لگے۔ دیر تک سر کھجایا کئے۔ پھر میز
پر آئے "یہ سب حماقت ہے" کہکر اپنا وہ تحقیقاتی تھیس جو وہ خود برلن یونیورسٹی لیکر جارہے
تھے پھاڑکر ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔ خانصاحب کی طرف دیکھکر کہا" یہ رسالے تمہارے ہیں؟
انہوں نے کہا "جی نہیں" پروفیسر صاحب بولے" اگر تمہارے ہوں تو ان میں سے وہ دونوں
مضمون بھی پھاڑ ڈالو" خانصاحب نے کہا "کیوں"؟ پروفیسر صاحب بولے" یہ مرض ٹھیک
نہیں ہے" واللہ اعلم۔

مرزا عظیم بیگ چغتائی۔ بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی (علیگ)

ڈاکخانہ کا نیا قاعدہ

گذشتہ چند سال سے محکمۂ ڈاکخانہ نے نئے نئے
قواعد نکال کر اخبارات و رسائل کے لیے مشکلات بہت بڑھا
دی ہیں۔ چنانچہ اب یہ نئی اطلاع آئی ہے کہ رسالہ کے لفافہ
پر پتہ کے اوپر جو خریداری نمبر ۲۲ سال سے درج ہوتا تھا
اب قطعی نہ لکھا جائے۔

خریداری نمبر اتنی ضروری چیز ہے کہ اگر تبدیلی پتہ
اور رسالہ نہ ملنے کی شکایت کے خط یا منی آرڈر کوپن
پر درج نہ کیا جائے تو کئی کئی روز تک بلکہ بعض حالات
میں ہفتوں تعمیل نہیں ہوسکتی کیونکہ ہزاروں ناموں میں
سے ایک نام رجسٹر میں ڈھونڈھنے کے لئے دفتر کے
کلرکوں کے پاس وقت نہیں ہے۔ ایک ایک نام کے
درجنوں خریدار ہیں کئی مقامات میں ایک ہی نام کے ایک سے
زیادہ کئی خریدار ہیں ان حالات میں صرف خریداری نمبر
ہی ایسی چیز ہے کہ اگر تبدیلی پتہ یا اور کسی امر کے لیے خط پر
درج ہو تو فوراً تعمیل ہوجاتی ہے۔

چونکہ ڈاکخانہ کے نئے قاعدہ کی رو سے اب ہم رسالہ کے
لفافہ پر خریداری نمبر نہیں لکھ سکتے اسلئے جن جن بہنوں کو اپنا
خریداری نمبر یاد نہ ہو یا انھوں نے نوٹ بک میں نہ
لکھ لیا ہو وہ براہِ کرم فوراً خط لکھ کے ہم سے معلوم کریں اور جب
کبھی ہمیں خط بھیجیں یہ نمبر خریداری لکھدیں اور یقین کریں
کہ **بغیر خریداری نمبر کا حوالہ دئے انکے خط کی
تعمیل نہیں ہوسکتی**۔ یہ بھی یاد رکھئے کہ پرچہ نہ ملنے کی اطلاع
۱۵ تاریخ تک آجانی چاہئے اور جواب طلب امور کے لئے ٹکٹ یا جوابی کارڈ بھیجئے۔

منیجر

معیارِ زندگی

اے دوست! ہر روز۔ جبکہ نسیم سحر اٹکھیلیاں کرتی ہوئی پیام صبح دیتی ہے جس کی آہٹ
سے ذرہ ذرہ انگڑائی لیکر بیدار ہو جاتا ہے! عین اسی وقت ننھی ننھی حسین چڑیاں نازک ٹہنیوں پر "معبود
حقیقی" کی یاد و ستایش میں نغمہ ریزیاں کرتی۔ جس سے ایک ارتعاش پیدا ہوتا ہے تو بعینہ یہ معلوم
ہوتا کہ کوئی معتوب فرشتہ۔ دردناک سروں میں ندامت کا گیت الاپ رہا ہے غرضکہ ہر چیز میں
زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور ہر ہستی" اپنے فرائض" کی ادائیگی میں مست ہوتی ہے! لیکن تو۔ آہ تو
اس بہترین وقت سے بے خبر سب فرائض سے لاپرواہ۔ اپنی نازک بھری پر شبنم کے نیچے خواب ناز
میں مدہوش ہوتا ہے۔ تو کیا اے دوست اسی کا نام "معیار زندگی" ہے جب پیک سحر منادی
میں مشغول ہوتا ہے۔ خوبصورت چمیلی، نازک جوہی! ہلکے تبسم سے خوشبو ریزیاں کرتی ہیں۔
اور حسین "قمر" افسردہ مسکراہٹ کے ساتھ آہستہ آہستہ رخصت ہوتا ہے تو۔ تو اس بہترین
فضا سے اکتا کر اپنے کمزور۔ کندھوں پر بیش قیمت۔ بنفشی رنگ کی حسین شال ڈال کر
سب فرائض سے "بے حس" جنگل کا راستہ لیتا ہے جہاں کی ادائیں تجھے بہت بھلی
معلوم ہوتی ہیں یعنی۔ یعنی "وحشی ہرنوں" کی مست آنکھیں۔ آنکھیں۔ خوبصورت پرندوں کا
مسکرا مسکرا کر شرارت کرنا اور نازک لہروں سے۔ حسین دریا کا طویل خاموشی کے بعد شوخی
سے چھیڑ چھاڑ کرنا۔ بس اے دوست یہی تیرے عزیز ترین۔ دلپسند مشغلے ہیں۔ جن میں تو
محو۔ اور باتوں سے قطعی لاپرواہ ہو گیا ہے تو کیا میرے دوست بہترین ذی حیات کا "معیار
زندگی" صرف یہی ہونا چاہیئے۔ نہیں اے دوست نہیں انسان کی عظیم الشان ہستیوں کے رافع
مقاصد نہیں۔ اے دوست "خدمت قومی" ہی ہماری زندگی کا عظیم مقصدِ حیات ہے اور
جس کی تکمیل کی کوشش میں شب و روز منہمک رہتا ہے "معیار زندگی" ہے اور اے میرے
پیارے دوست عبادت الٰہی کی ادائیگی اور اس کی ستایش میں مدہوش انسان کو "بزرگ تر ہستی"
بنا دیتی ہے۔ اے میرے دوست ان اہم فرائض کی ادائیگی ہمارا "معیار زندگی" ہے۔

ادریس بیگم از شاہ جہان پور

میرے تجربے

سب سے بڑی کامیابی انسان کی ترقی کی یہی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے آپ کو خوش رکھنے کی کوشش کرے جو آدمی خوش رہتا ہے وہ دنیا میں کچھ نہ کچھ ضرور کرسکتا ہے۔ رنجیدہ اور غمگین آدمی کچھ کر ہی نہیں سکتا بلکہ اس کے وجود سے دوسروں کو تکلیف رہتی ہے اگر ایک آدمی رنجیدہ رہا تو اسکا اثر تمام گھر پر ضرور پڑتا ہے +

اپنے کاموں کا خود خیال رکھو دوسروں کے بھروسہ پر مت چھوڑو +

اپنا راز کسی سے مت کہو کیونکہ ممکن ہے کہ چند روز بعد تمہارے اس سے اچھے تعلقات نہ رہیں اور تمہارا راز وہ فاش کردے ۔

نیک چلنی کو ہر چیز پر ترجیح دینی چاہئیے +

دل کی پوری توجہ اور ثابت قدمی سے ہر کام مکمل ہو جاتا ہے۔

کسی کی برائی و غیبت مت کرو حسد و رشک مت کرو اگر کسی کی برائی سنو تو کبھی اعتبار نہ کرو جب تک کہ تم خود اس کی برائی اپنی آنکھ سے نہ دیکھو۔ لوگ نیک آدمیوں کو برا کہتے ہیں دیکھو کیسے کیسے بڑے بڑے پیغمبروں کو برا کہا ہے۔ سرسید احمد خاں مرحوم کو کیا کیا نہ کہا مولوی چراغ علی صاحب اعظم یار جنگ مرحوم کو طرح طرح سے بدنام کیا۔ ایسی بہت سی مثالیں ہیں اس سے ظاہر ہوا اچھے لوگوں کو بدنام کیا جاتا ہے تاکہ وہ ہمت ہار کر کچھ کام قومی نہ کریں چونکہ وہ خود نیک ہوتے ہیں اسلئے وہ کسی کے برا بکنے اور گالی دینے کی پروا نہیں کرتے اپنا کام کیئے جاتے ہیں۔

ڈایری روزانہ لکھا کرو ڈایری لکھنے سے بہت سے فایدے ہیں تمہاری زندگی کے حالات تمہارے بعد تمہاری اولاد کو اور تمہارے ورثہ کو معلوم ہونگے۔

یتیم اور یسیر بھائی بہن یا کوئی رشتہ دار مرد ہو یا عورت اسکو تعلیم و تربیت دو ہر طرح اس کی مدد کرو لیکن اس کی شادی تم نہ کرنا جب تک کہ وہ خود سن بلوغ کو نہ پہنچ جائے اور اس سے کہدینا کہ اگر تم فلاں کو پسند کرتے ہو تو شادی کردی جائے ورنہ تم جس کو پسند کرو شادی کرلو +

ہمت بلند رکھنی چاہئیے ہر ایک کام ہمت کے ساتھ کیا جائے ہمت بلند رہے تو کوئی کام مشکل ہی نہیں معلوم ہوتا ہر کام آسانی کے ساتھ ہو جاتا ہے +

صغرا ہمایوں مرزا

بچّہ کی واپسی

ٹیگور کا دلچسپ افسانہ

رائے چرن جب اپنے آقا کے ہاں نوکر ہوا تو صرف بارہ سال کا تھا چونکہ وہ اُسی قوم سے تھا جو اُس کے صاحب کی تھی۔ اس لئے وہ خاص طور پر اپنے صاحب کے چھوٹے سے بچے کی خبرگیری پر مامور کیا گیا۔ رفتہ رفتہ بچہ بڑا ہو کر اسکول جانے لگا۔ اور اسکول سے کالج۔ کالج کی تعلیم سے فراغت پانے کے بعد محکمۂ عدالت میں داخل ہو گیا۔ یہاں تک کہ لڑکے کی شادی کے وقت تک رائے چرن اُس کا خاص نوکر تھا۔

مگر جب ایک نئی مالکہ بیاہ کے گھر آئی تو رائے چرن کو معلوم ہونے لگا کہ اب وہ ایک صاحب کے عوض دو کا خادم ہے۔ اِسکا سارا اگلا اثر نئی مالکہ کی طرف منتقل ہو گیا۔ مگر بہت جلد اسکا عوض ایک نزائیدہ بچے کے ہونے سے مل گیا۔ یعنے انوکل کے ہاں ایک بچہ ہو گیا۔ اور رائے چرن کو بہت جلد اپنے مخصوص صفتوں اور توجہات کی وجہ سے نئے بچہ پر پُورا اثر و اقتدار حاصل ہو گیا۔ یعنی وہی اپنی پُرانی خدمات۔ وہ بچے کو اپنے کندھے پر اُٹھاتا۔ اور بچوں کی مہمل زبان میں باتیں کرتا۔ اپنا چہرہ بچے کے منہ کے پاس لیجاتا اور ہنس کر نکال لیتا۔

رفتہ رفتہ بچہ نے چلنا شروع کیا۔ گھر سے باہر نکل جاتا۔ جب رائے چرن اسے پکڑنے جاتا تو بچہ شرارت کی ہنسی سے چیخنے لگتا۔ اور اُس سے بچ کر نکل بھاگنے کی کوشش کرتا۔ اپنا پیچھا چھڑانے کی کوشش بہت پھرتی سے کرتا جسے دیکھ کر رائے چرن دنگ ہو کر رہ جاتا۔ اور نہایت خوف و حیرت سے اپنی مالکہ کی طرف دیکھ کر کہنے لگتا "بیگم آپ کا لڑکا ایک دن جج بنے گا!"

پھر ایک زمانہ آیا۔ اور رائے چرن کی زندگی میں ایک اور دلچسپ انقلاب ہوا۔ یعنے بچہ چھوٹی چھوٹی باتیں کرنے لگا۔ جب بچہ باپ کو بابا اور ماں کو اماں۔ رائے چرن کو 'چنا' کہتا تو رائے چرن کی خوشی کی انتہا نہ رہتی۔ وہ اپنی اس خوشی میں ساری دُنیا کو شریک کر لینا چاہتا تھا۔ کچھ زمانے کے بعد رائے چرن کو اپنی چالاکی دوسرے طریقوں میں بھی استعمال کرنی پڑی۔ یعنے اسے گھوڑا بننا ہوتا تھا

وہ اپنے منہ میں لگام ڈالے چوپائے کے مانند چلتا تھا۔ اُسے اپنے چھوٹے مدمقابل سے کشتی بھی کرنی ہوتی۔ تھوڑے وقت کی کش مکش کے بعد وہ ہار مان کر چت پڑ جاتا۔ جس سے اُسکا چھوٹا صاحب بیحد خوش ہوکر اُس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھتا۔

اسی اثنا میں انوکل دوسرے ڈسٹرکٹ کو تبدیل ہوگیا۔ جو دریائے پدما کے ساحل پر واقع تھا۔ اثنائے راہ میں کلکتہ سے ہوتے ہوئے اس نے اپنے بچے کے لئے ایک چھوٹی سی گاڑی خریدی اور زرد ساٹن کی شیروانی اور سُنہری لیس ٹنکی ہوئی ٹوپی بنوائی نیز ہاتھوں اور پاؤں کے لیئے سُنہرے کڑے بھی۔ رائے چرن کو یہ آرائشی اشیا بیحد پسند آئیں اور جب کبھی وہ بچے کو باہر لیجاتا تو ضرور یہ تمام اشیا پہناتا اور بڑے فخر و خوشی سے لیجاتا۔

برسات کا موسم آیا۔ اور دن رات موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ پیاسا دریا بھوکے سانپ کے مانند پاؤں کے چھوٹے راستوں۔ قریوں اور اناج کے کھیتوں کو اپنے بے پناہ طوفان کی لوٹوں سے ڈھانپ رہا تھا لمبے لمبے گھاس اور ستواں درخت بالو کے کناروں پر پڑے ہوئے نظر آتے تھے۔ ذرا ذرا وقت کے وقفے میں دریا کے ساحل کے کنارے ترق ترق کر گرتے اور پاش پاش ہوکر بہ جاتے تھے۔ اور انکی مہیب آوازیں فضا میں گونج کر رہ جاتیں۔ دریا کی روانی کا شور دُور دُور تک سُنائی دیتا تھا۔

ایک دوپہر برسات ٹھہر گئی۔ حالانکہ وہ دن ابر آلود تھا۔ مگر نہایت ٹھنڈا و چمکیلا نشاط آگین تھا۔ بھلا ایسی اچھی سہ پہر میں رائے چرن کا چھوٹا سرکار گھر کے اندر رہنا کیسے پسند کرتا۔ الغرض چھوٹے سرکار گاڑی میں چڑھ گئے۔ اور رائے چرن گاڑی دھکیلنے لگا۔ چلتے چلتے وہ ساحل کے کنارے کے دھانوں کے کھیتوں تک پہنچ گئے۔ اس وقت نہ اُن کھیتوں میں کوئی تھا۔ اور نہ دریا کے لوٹوں ہی میں کوئی کشتی ہی تھی۔ دریا کی دوسری جانب بادل منڈلا رہے تھے۔ اور ان میں شگاف بھی پڑ رہے تھے جو بہت دلکش نظارہ تھا۔ اس پر سورج اپنی ساری دلکشیوں کے ساتھ غروب ہو رہا تھا۔ یکایک ان خاموش لمحوں میں بچہ ایک طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے چلا اُٹھا " چناپنی فو! "

انکے بالکل قریب چکنی مٹی کے ایک ٹیلے پر ایک بڑا سا کدمبا، کا درخت تھا۔ اُدھر ہی بچہ اُس درخت کی طرف حریص نظروں سے دیکھتے ہوئے چلا رہا تھا۔ رائے چرن بچے کے دلی مطلب کو پاگیا۔ کیونکہ اس نے چند دن پہلے اس درخت کے پھولوں سے اپنے چھوٹے صاحب کے لیئے ایک گاڑی تیار کی تھی۔ جسے پاکر بچہ اتنا خوش ہوا تھا کہ تمام دن اُس پھولوں والی گاڑی کو ڈوری سے

باندھکر کھینچنے ہی میں گزار دیا۔ جس سے رائے چرن کو گھوڑا بننے کی زحمت نہ برداشت کرنی پڑی۔ نیز اُسے گھوڑا بننے کے عوض سائیس کے منصب کی ترقی بھی ہوئی۔ مگر رائے چرن اُس شام کیچڑ میں جانا پسند نہ کرتا تھا۔ اس لیئے وہ نہایت ہی عجلت سے دوسری طرف اشارہ کرکے کہنے لگا۔ "بچہ وہ دیکھو۔ وہ دیکھو چڑیا" یہ کہتے کہتے وہ عجیب وغریب آوازیں بناتے ہوئے گاڑی دھکیل کر پھولوں کے درخت سے دُور چلا گیا۔

مگر ایک بچہ وہ بھی جج بننے والا۔ اتنی آسانی سے کہیں مان سکتا تھا۔ اس کے علاوہ اس اثنا میں کوئی ایسی چیز نہ نظر آئی جو بچے کی توجہ کو اپنی طرف منعطف کر سکتی۔ اور وہ بھی ایک فرضی چڑیا۔

چھوٹے سرکار کو ضدسی آگئی۔ اور رائے چرن کی ساری تدبیریں بیکار ہوگئیں۔ "بہت اچھا بچے میں جاکر پھول لاؤنگا۔ تم گاڑی میں خاموش بیٹھے رہو۔ یا در کھو پانی کے پاس نہ جانا" کہتے ہوئے اس نے پاؤں سے پاجامہ اُونچا کرلیا۔ اور کیچڑ کے ٹیلے پر چڑھکر درخت کی طرف جانے لگا۔

اسی لمحے میں جبکہ رائے چرن چلا گیا تھا۔ چھوٹے سرکار کا خیال پانی کی طرف منتقل ہوگیا تھا۔ بچہ پانی کی آوازوں کو دیکھ اور سُنکر نہایت خوش ہوا۔ اُسے ایسا محسوس ہوتا تھا۔ گویا ہزار ہا بچے کسی بہت بڑے رائے چرن کی فرمانبرداری سے شرارتاً نافرمانی کرتے ہوئے دوڑ رہے ہیں۔ پانی کی آواز سے انسانی بچے کا دل بھی بیقرار ہوگیا۔ وہ نہایت آہستگی سے نیچے اُترا اور دریا کی طرف گیا۔ چلتے چلتے ایک چھوٹی سی چھڑی اٹھالی۔ ساحل کے کنارے جاکر جھک گیا۔ جس طرح مچھلیاں پکڑنے کے لیئے جھکنے کی ضرورت ہوتی ہے دریا کی شریر پریاں اپنی مسحور کُن آواز سے اُسے اپنے کھیل گھر میں داخل ہونے کے لیئے مدعو کررہی تھیں۔

رائے چرن ایک مٹھی بھر پھول توڑ کر کپڑے میں باندھ کر واپس ہوا۔ وہ خوشی وشادمانی سے مسکرا رہا تھا۔ مگر آہ جب وہ وہاں پہونچا تو گاڑی بالکل خالی تھی۔ چاروں طرف دیکھا مگر افسوس وہاں کوئی نہ تھا۔ دوبارہ گاڑی دیکھی مگر وہاں کیا رکھا تھا۔

چشم زدن میں اُسکا خون منجمد ہوگیا۔ اور اُس کے آنکھوں میں دُنیا ہنڈولے کے مانند ناچتی ہوئی معلوم ہورہی تھی۔ اور آنکھیں اندھیری ہورہی تھیں۔ پھر بھی ہمت کرکے اس نے آوازیں "صاحب صاحب چھوٹے صاحب" مگر افسوس کوئی جواب نہ ملا اور نہ کسی بچے کی شرارت آمیز ہنسی کی آواز آئی۔ ہنپتے ہنپتے کی صرف دریا معمول کے مطابق چیخیں مارتے ہوئے بہ رہا تھا۔ اسے اتنی فرصت نہ تھی کہ وہ ایک انسانی

بچے کی موت کا خیال کر سکے۔

جیسے جیسے شام ہوتی گئی۔ رائے چرن کی مالکہ کی فکر بڑھتی گئی۔ تلاش کے لیئے اس نے آدمیوں کو لالٹین دیکر روانہ کیا۔ متلاشی آدمی آخر دریائے پدما کے کنارے آئے جہاں انہوں نے رائے چرن کو وحشی جانور کے مانند نیچے اوپر دوڑتا ہوا دیکھا۔ وہ مثل طوفان چیخ رہا تھا۔ صاحب صاحب چھوٹے صاحب، جب متلاشی آدمی رائے چرن کو گھیرے گئے تو وہ اپنی مالکہ کے قدموں پر گر پڑا۔ وہ اُس سے سوالات کرتے رہے۔ اور مکرر سہ کرر کرتے رہے۔ کہ ”تو نے بچے کو کہاں چھوڑا ہے“۔ مگر وہ اس کے سوا کچھ کہتا ”مجھے کچھ نہیں معلوم“

حالانکہ ہر ایک کی یہی رائے تھی کہ دریائے پدما، بچہ کو نگل گیا۔ مگر ابھی ہر دل میں ایک ذرا سا شک تھا۔ کیونکہ خانہ بدوشوں کا ایک قافلہ اُسی دوپہر کو قریوں میں پھر رہا تھا۔ جن پر گمان ہو رہا تھا،

ماں تو مارے رنج و غم کے اتنی دیوانی ہو رہی تھی کہ اُسے رائے چرن پر ہی گمان ہو رہا تھا۔ آخر ماستا کی ماری تنگ آکر نہایت عاجزانہ التماس کرنے لگی ”رائے چرن میرا بچہ مجھے واپس دے۔ میرا بچہ واپس دے۔ مجھ سے جتنا روپیہ چاہے لے لے۔ مگر ہاں میرا بچہ واپس دے“!

جواب میں رائے چرن پیشانی پیٹ لیتا۔ مالکہ اور غصہ ہوئی اور اُسے گھر کے باہر دھکیل دینے کا حکم دیدیا“

انوکل اپنی بیوی کا شبہ دُور کرنے کی بہت کوشش کرتا ”کیا دُنیا میں ایسا گناہ ہو سکتا ہے“ بیوی جواب دیتی ”کون جانتا ہے؟ میرا بچہ تو سنہری زیورات پہنے ہوئے تھا“، اس کے اس سوال کا جواب دینا ہر ایک کے لیے ناممکن تھا۔

(۲)

رائے چرن وہاں سے رخصت ہو کر سیدھا اپنے وطن گیا۔ اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اور نہ ہونے کی اُمید ہی تھی۔ مگر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ابھی ایک سال کا عرصہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ اس کے ہاں بچہ اور اس کی بیوی رحلت کر گئی۔

نو مولود بچے کو دیکھتے ہی پہلے پہل رائے چرن کے دل میں ایک غرق کر دینے والی خفگی پیدا ہوئی اور دل ہی دل میں گمان ہونے لگا۔ کہ شاید میرے صاحب کے گم شدہ بچے کی روح اس بچے کے قالب میں آئی ہوگی۔ نیز اُسے اپنے مالک اور اس کے بچے کے واقعے کا خیال کرتے ہوئے اپنے بچے کے ساتھ خوش و خرم رہنا بڑا گناہ معلوم دیتا تھا۔ اگر اس کی بیوہ بہن نو مولود بچے کی نگرانی کے لئے گھر میں موجود نہ

تو یقیناً بچہ بہت دنوں زندہ نہ رہ سکتا۔

مگر رفتہ رفتہ رائے چرن کا خیال بدل گیا۔ کیونکہ تعجب انگیز بات یہ ہوئی کہ اس نئے بچہ نے اب چلنا شروع کیا تھا۔ جس کی چال ڈھال سب رائے چرن کے چھوٹے صاحب سے ملتی جلتی تھیں۔ بالکل اُسی طرح چالاکی سے بچ کر دوڑنے کی کوشش کرتا۔ اُس کی آواز، اُس کی ہنسی، اُس کے آنسو۔ غرض اُس کی ہر ادا اُس کے کھوئے ہوئے چھوٹے صاحب سے مشابہت رکھتی تھی۔ اکثر اوقات رائے چرن اس کی رونے کی آواز سنتا تو اسکا دل زور زور سے دھڑکنے لگتا اتنے زور سے گویا پسلیوں سے نکل جائے گا۔ اور اُسے ایسا محسوس ہوتا کہ گویا اُسکا چھوٹا صاحب اپنے چنا کو کھو دیکر کسی نا معلوم دُنیا میں بیٹھا رو رہا ہے۔

فیلنا نے (اس نو مولود بچے کا نام جو رائے چرن کی ہمشیرہ نے رکھا تھا) بہت جلد باتیں کرنی شروع کیں۔ بالکل اُس گم شدہ بچے کے مانند اُسی لب و لہجہ سے بابا اماں کہنا شروع کیا۔ جب رائے چرن کو یہ مانوس الفاظ سُنائی دیئے تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ وہ خیال کرنے لگتا شاید میرے چھوٹے صاحب کو میری جدائی پسند نہ آئی۔ اس لیے میرے ہاں جنم لیا ہوگا۔

اس کے خیالات کی تصدیق کے لیئے وہ اپنے دل ہی دل میں یہ تین ثبوت پیش کرتا۔

نیا بچہ چھوٹے صاحب کے کھوئے جانے کے بعد جلد پیدا ہو گیا تھا۔

دوسرے۔ اس کی بیوی جس کے ہاں ساری عمر اولاد نہ ہوئی تھی۔ اس واقعے کے بعد وہ بھی ادھیڑ عمر میں اس کے ہاں بچہ کا ہونا۔

تیسرے۔ اس بچہ کے چلنے پھرنے اور بولنے کا طریق بالکل اُسی بچے سے ملتا تھا۔ یہ تینوں باتیں ایسی تھیں۔ جن سے رائے چرن کو اس بات کا یقین ہوتا تھا کہ بیشک یہ آیندہ جج ہی ہے۔

ان خیالات کے ساتھ ہی یکایک اُسے مالکہ کا یہ کہنا یاد آجاتا۔ اور وہ کانپ کر رہ جاتا۔ وہ اپنے آپ کہنے لگتا۔ آہ بچے کی ماں کا خیال کتنا صحیح تھا۔ وہ جانتی تھی کہ میں نے ہی اُس کا بچہ چرایا ہے۔

آخر اس نے اپنے دل میں اپنی گذشتہ بے پرواہیوں کا بدلہ لینے کا پورا تصفیہ کر لیا اور دل و جان سے بچے کا دلسوز مخصوص نگراں بن گیا۔ اور وہ اُس کی پرورش ایک متمول آدمی کے بچے کے مانند کرنے لگا۔ اسنے بچے کے لئے ایک گاڑی لی۔ زر و ساٹن کا کوٹ اور زریں ٹوپی سلوائی۔ اور اپنی مرحومہ بیوی کے زیور گلا کر پاؤں اور ہاتھوں کے لیئے کڑے بھی۔ وہ رات دن بچے کو اپنی پوری نگرانی میں رکھتا۔ اور قریہ کے دیگر بچوں کے ساتھ بالکل نہ کھیلنے دیتا جب بچپن کا زمانہ گزر کر بچہ نے لڑکپن میں قدم رکھا تو اس کے عادات اطوار نہایت شستہ تھے۔ قریہ کے لڑکے اُسے بطور طعنہ حضور کہہ کہہ کر خطاب کیا کرتے تھے۔ اور دوسرے آدمی بھی بچہ کے متعلق یہ

باپ کی شکستہ حالی سے دل ہی دل میں ہنستے،

آخر لڑکے کو اسکول داخل کرانے کا وقت آیا۔ رائے چرن اپنی چھوٹی سی زمین فروخت کرکے لڑکے کو لیکر کلکتہ روانہ ہوگیا۔ جہاں پہنچکر وہ بمشکل نوکر ہوگیا۔ اور بچے کو اسکول میں داخل کرادیا۔ اس سے جہاں تک ممکن تھا بچے کے لیے اعلیٰ تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ عمدہ لباس اور غذا کا انتظام کردیا۔ مگر اپنے تئیں صرف ایک مٹھی چاول پر قناعت کرتا۔ اور دل میں کہتا "آہ میرے چھوٹے صاحب پیارے چھوٹے صاحب تم مجھے اتنا چاہتے ہو۔ کہ دوبارہ میرے ناچیز گھر میں جنم لیا۔ اب تم میری طرف سے کسی قسم کی کوتاہی نہ پاؤگے"

اسی طرح بارہ سال کا عرصہ گزر گیا۔ اب بچہ اچھی طرح لکھ اور پڑھ سکتا تھا، وہ نہایت خوبصورت تندرست اور ہونہار نظر آتا تھا۔ وہ بچہ اپنی نمود و نمایش پر پوری طرح توجہ دیا کرتا تھا۔ بالوں کو سنوار کر رکھتا۔ اور نہایت فراخدلی سے اپنی ضروریات رفع کیا کرتا تھا۔ اس نے رائے چرن کو کبھی باپ سمجھا ہی نہیں۔ کیونکہ اسکا برتاؤ اپنے لڑکے کے ساتھ بالکل نوکر کا سا تھا۔ حالانکہ دل میں محبت پدری جوش زن رہتی تھی۔ رائے چرن کی سب سے بڑی خطا یہی تھی کہ اس نے اپنے بچے سے اور ہر ایک سے یہ بات پوشیدہ رکھی تھی کہ وہ خود اُسکا باپ ہے۔

ہاسٹل کے لڑکے جس میں فلینا بورڈر تھا، رائے چرن کی قریہ کی اخلاق و عادات کو دیکھ دیکھ کر تماشا کرتے رائے چرن کے پیٹھ پھیرتے ہی فلینا بھی اُسکی ہنسی اُڑانے لگتا، مگر تمام لڑکے اس نیک بوڑھے مرد سے محبت کرتے تھے۔ خصوصاً فلینا کو اس سے بیحد اُنس تھا۔ مگر جیسا کہ آگے لکھا جاچکا ہے۔ ایک خاص قسم سے چاہتا تھا بیٹے کے مانند نہیں۔

جوں جوں رائے چرن بوڑھا ہوتا گیا۔ اسکا نیا آقا اس سے ناراض رہنے لگا۔ کیونکہ اُس سے آگے جیسی محنت اب نہ ہوسکتی تھی۔ اس نے اپنے لڑکے کی خاطر اپنی صحت کا ناس کرلیا تھا۔ جسمانی کمزوری کے ساتھ ساتھ اسکا دماغ بھی بیکار ہونے لگا۔ وہ باتیں بھول جاتا۔ اور کام کاج چھوڑکر ایک بیوقوف کے مانند بیٹھا رہتا۔ مگر اُسکا آقا اُس سے ویسا ہی کام لینا چاہتا تھا۔ جیسے کہ ایک تندرست جوان آدمی سے۔ اس کے علاوہ وہ روپے جو رائے چرن زمین فروخت کرکے اپنے ہمراہ للایا تھا۔ بالکل ختم ہوگئے تھے۔ اور لڑکے کے لباس وغیرہ کی ضروریات روز بروز بڑھ رہی تھیں۔ جس سے وہ ہر روز ناراضی سے اصرار کیا کرتا تھا۔

(۲)

آخرکار رائے چرن نے اپنے دل میں پکا ارادہ کرکے ملازمت سے استعفا دیدیا۔ نیز فلینا کو بھی چند روپے دیئے چھوڑکر جاتے سے پہلے فلینا سے وعدہ کیا کہ مجھے اپنے وطن میں بعض نہایت ضروری کام ہیں۔ انکو بہت جلد

انجام دے کر واپس آجاؤنگا۔ لڑکے سے یہ وعدہ کرکے وہ وطن کے عوض بُاراسٹ گیا۔ جہاں انوکل مجسٹریٹ تھا۔ انوکل کی بیوی ابھی تک گذشتہ حادثہ کی وجہ سے نہایت رنجیدہ رہتی تھی۔ کیونکہ اس کے ہاں کوئی دوسرا بچہ نہ ہوا تھا۔

ایک دن شام کے وقت انوکل تمام دن کی سخت دماغی محنت کے بعد آرام کرسی پر بیٹھا آرام لے رہا تھا۔ اور اُسکی بیوی کسی نیم حکیم سے نہایت گراں معاوضہ پر کوئی بوٹی خرید رہی تھی۔ جس کے متعلق اُسے یقین تھا کہ اس کے استعمال سے اُس کے ہاں بچہ ہوگا۔ یکایک مکان کے احاطے میں ایک آواز آئی جسے سُنکر انوکل کو خوشی ہوئی وہ اُٹھا اور دیکھنے کے لئے کہ کون ہے باہر گیا۔ وہاں اُس کے سامنے رائے چرن کھڑا ہوا نظر آیا۔ جب اُسنے اپنے بوڑھے نوکر کو دیکھا تو انوکل کا دل صاف ہوگیا۔ اور وہ اُس سے بہت سے سوالات کرتے ہوئے دریافت کرنے لگا "کیا تم دوبارہ اپنی پُرانی ملازمت پر آسکتے ہو؟" جس کے جواب میں رائے چرن مُسکرا کر کہنے لگا "نہیں صاحب میں صرف اپنی مالکہ کو سلام کرنے کی غرض سے آیا ہوں۔" انوکل رائے چرن کو ساتھ لیکر گھر کے اندر گیا مگر مالکہ اس کے ساتھ اتنی گرم جوشی سے نہ پیش آئی۔ جیسا کہ اِسکا مالک پیش آیا تھا۔ رائے چرن نے مالکہ کی اِس سرد مہری کی کچھ پروانہ کی۔ مگر اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا "دریائے پدما نہیں تھا جس نے آپ کا بچہ چرایا۔ بلکہ وہ میں ہی تھا"

"او خُدا!" کہتے ہوئے، انوکل متحیر ہوگیا۔ اور دریافت کرنے لگا۔ کیا؟ اب وہ کہاں ہے؟ رائے چرن نے جواب دیا "وہ اب میرے ساتھ ہے۔ میں اُسے پرسوں یہاں لے آؤنگا"

آج اتوار ہے۔ اس لئے مجسٹریٹ کورٹ کی آج تعطیل ہے۔ صبح سویرے ہی سے میاں اور بیوی دونوں چشم براہ منتظر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور رائے چرن کی آمد کا انتظار ہو رہا ہے۔

ٹھیک دس بجے وہ آیا فلینا کا ہاتھ پکڑے ہوئے۔ انوکل کی بیوی نے بغیر کچھ خیال کیے یا بغیر سوچے سمجھے لڑکے کو اپنی گودی میں لیلیا۔ کیونکہ وہ مدت سے دبے ہوئے جوش سے دیوانی ہو رہی تھی۔ وہ اُسے پکڑے ہوئے ہنس رہی تھی رو رہی تھی۔ اُس کے بالوں کو اور پیشانی کو جوش میں چوم رہی تھی۔ اور لڑکے کے چہرے پر نہایت جوش و خوشی سے نگاہیں جمائے ہوئے تھی۔ ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے وہ نہایت حرص سے دیکھ رہی ہے۔ لڑکا نہایت خوبصورت تھا۔ اور مہذب دولتمند آدمی کے بچے کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ انوکل کا دل بھی اِس یکایک خوشی سے لبریز ہوکر رہ گیا تھا۔ پھر بھی چونکہ وہ ایک مجسٹریٹ تھا۔ رائے چرن سے دریافت کرنے لگا "کیا تم کوئی ثبوت رکھتے ہو کہ یہی لڑکا میرا بچہ ہے۔"

رائے چرن نے جواب دیا "ثبوت؟ ایسی حرکت کا کہیں ثبوت ہو سکتا ہے؟ خدا کے اور میرے سوا کوئی تیسرا نہیں جانتا کہ میں نے آپ کا بچہ چُرایا تھا"

جب انوکل نے دیکھا کہ اس کی بیوی نہایت جوش سے لڑکے کو پیار کر رہی ہے تو اُسے ثبوت وغیرہ لاحاصل

معلوم ہوا۔ اس کے علاوہ یہ ماننا بھی قرین قیاس معلوم ہو رہا تھا کہ رائے چرن جیسا بوڑھا ایسا بچہ کیسے پا سکتا ہے۔ اب بھی اُس کے خیال میں آتا۔ کیا! ایک وفادار نوکر ایسی دغا کر سکتا ہے؟ اور اسکو اس سے حاصل کیا ہو سکتا تھا۔

انوکل کو اسوقت تک علم نہ تھا کہ اُسکا پُرانا نوکر کیوں اپنی پُرانی نوکری چھوڑ کر یکایک چلا گیا۔ اسیلئے اس نے کہا "رائے چرن تمہیں یہاں بہت وقت تک نہ رہنا چاہیے" رائے چرن نے جوابدیا "میں کہاں جاؤں صاحب" نہایت عاجزی وصدمے سے۔ ہاتھ جوڑ کر پھر اسنے کہا "صاحب میں بوڑھا ہوں۔ ایک بوڑھے کو کون اپنے ہاں نوکر رکھ لیگا؟" مالکہ کہنے لگی "اُسے رہنے بھی دیدیجئے۔ اس سے میرے بچے کا دل بہلتا رہیگا۔ میں اسکی خطا معاف کرتی ہوں"۔ مگر انوکل کا مجسٹریٹی دماغ اس پر رضامند نہ ہوا۔ اور وہ کہنے لگا "نہیں! اسکی خطا ایسی نہیں کہ معاف کر دی جائے"۔ رائے چرن جھک گیا اور انوکل کے قدم چوم کر کہنے لگا صاحب! "مجھے پڑا رہنے دیجئے۔ وہ میں نہیں تھا جسنے ایسا کیا۔ بلکہ خدا تھا"

جب رائے چرن نے یہ الزام خدا پر لگانے کی کوشش کی تو انوکل کے ضمیر کو بہت صدمہ ہوا اسنے جواب دیا "نہیں میں یہ معاف نہیں کر سکتا۔ میں تم پر آیندہ بھروسا نہیں کر سکتا۔ تم نے دغا کی ہے"۔

رائے چرن اُٹھا اور پھر کہنے لگا "صاحب وہ میں نہیں تھا جسنے ایسا کیا" انوکل نے دریافت کیا "پھر وہ کون تھا" رائے چرن نے جوابدیا "وہ میری قسمت تھی"۔

یہ جواب ایسا نہ تھا جو ایک تعلیم یافتہ کارآزمودہ مجسٹریٹ کیلئے اطمینان کا باعث ہوتا۔ لہٰذا انوکل ویسا ہی بے اثر رہا۔ جب فلینا نے دیکھا کہ وہ ایک دولتمند مجسٹریٹ کا لڑکا ہے رائے چرن کا نہیں تو اسے غصہ آگیا۔ کیونکہ اُسے اتنے طویل عرصے تک دغا میں رکھا گیا تھا۔ مگر جب رائے چرن کو بیحد پریشان دیکھا تو نہایت فیاضی سے اپنے باپ سے کہنے لگا "ابا جان اسے معاف کر دیجئے۔ اگر آپ اسکو اپنے ہمراہ نہ رکھنا چاہتے ہوں تو جانے دیجئے۔ کچھ ماہوار پنشن مقرر کر دیجئے"۔

ان الفاظ کے سننے سے رائے چرن کی زبان بند ہو گئی۔ اور اس نے آخری دفعہ اپنے بچے کے چہرے کو دیکھا۔ اور اپنے پُرانے آقا و بیگم کو تسلیم کرتے ہوئے نکل گیا۔ اور راستے میں آدمیوں کی بھیڑ میں مل گیا۔ اور غایب ہو گیا۔

مہینے کے آخر میں انوکل نے تھوڑے روپے اُس کے قریئے کے پتہ پر روانہ کیئے۔ مگر وہ روپے واپس آگئے۔ کیونکہ عرصے سے اُس قریہ میں رائے چرن نامی کوئی آدمی نہ تھا۔ اور نہ پایا گیا +

(انگریزی سے ترجمہ)

فاطمہ بیگم (بنگلور)

مُسکراہٹ

بچہ جب ہنستا، کھیلتا ہے۔ تو دیکھ کر سب کا دل خوش ہوتا ہے۔ ننھی کلی کے مسکرانے سے پھول بن جاتا ہے۔ تو بہ نسبت اپنی پہلی صورت کے زیادہ حسین و دلکش معلوم ہونے لگتا ہے۔ جس طرح شگفتہ پھولوں کو دیکھنے سے طبیعت خود بخود بشاش ہو جاتی ہے۔ اسی طرح کسی خندہ رو بشر کا کھلا ہوا چہرہ پیارا معلوم ہوگا۔

یہ ضروری امر ہے۔ کہ جب تک کوئی قوم اپنے اندر صحت و مسرت نہ رکھتی ہوگی۔ وہ زندہ رہکر ترقی کی شارع عام پر کیسے چل سکے گی۔ جبکہ ترقی کا مدار ہی صحت و مسرت پر موقوف ہو۔ انسان کی زندگی ناپائدار اور بہت تھوڑی ہے۔ نا معلوم کس وقت ختم ہو جائے۔ اس قلیل عرصہ کو خواہ رنج و غم کو اپنا شعار بناکر کھو دیں۔ خواہ اپنی عادت کو ایسا بنالیں۔ کہ باوجود یاس و ناامیدی کے ہر طرح بشاش نظر آئیں۔

خندہ پیشانی، خندہ چشمی، خندہ دہن، خندہ دلی، اور خندہ روی یہ مختلف ایسے جزو ہیں، بغیر جنکے صحت قایم نہیں رہ سکتی۔ حکما کی رائے کے مطابق ہنسی سے اکثر بیماریاں رفع ہو جاتی ہیں۔ بشاشت بہت سے مرضوں کا سستا علاج ہے۔ فراخی تنگی سے اور راحت مصیبت سے تبدیل ہو جاتے۔ لیکن یہ معصوم ہنسی نہایت صبر و تحمل سے ہمارے ساتھ نباہ کرے گی۔ بیمار اپنی اذیت کو اور ملول اپنی رنجش کو بھول جائے گا۔ اُداس و تاریک ساعتوں کو اکثر خوشی سے مبدل کر دے گی۔

مناظر قدرت میں ہر لمحہ خوشی و انبساط کے نئے نئے سامان پیدا ہوتے رہتے ہیں، دریا کی روانی۔ موجوں کی کشش، شفق کا پھیلنا، کوہسار و بیاباں کے دلفریب منظر، ننھے پرند کی دل لبھالینے والی حرکات کبھی کالی گھٹا کو دیکھکر طبیعت بشاش ہونے لگتی ہے۔ شام کے اندھیرے میں سطح آسمان پر ستارے مسکرا دیتے ہیں۔ تو ان معصوم نگاہوں میں۔ رسیلہ پوپہ رقص کرنے لگتا ہے۔ مسکرانے سے نہ صرف اپنی طبیعت شاد و بشاش رہتی ہے۔ بلکہ دوسروں کے خوش رکھنے کا یہ ایک مفید و عجیب اور آسان طریقہ ہے۔ یورپین لوگ اکثر بات کرتے وقت۔ خرید و فروخت میں موزوں طور پر مسکرا دینگے۔ سفر میں جب کسی سے واسطہ پڑے تو خفیف سی مسکراہٹ سے۔ گویا استقبال کر دینگے گھر پر آپس میں دوستوں، بچوں، ملازموں سے بشاش نظر آئیں گے۔ سچ ہے۔ ؎

زندگی زندہ دلی کا نام ہے ۔۔۔ مُردہ دل خاک جیا کرتے ہیں

ایس بی طاہرہ

میری صحت کس طرح قائم رہ سکتی ہے

یہ ہم جانتے ہیں کہ جسم اور دماغ کا ٹھیک کام کرنا صحت اور تندرستی کہلاتا ہے صحت سے ہی زندگی خوشگوار معلوم ہوتی ہے بہت سی آفتیں انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہیں جن سے صحت میں خلل پڑتا ہے لیکن اُن میں سے اکثر ایسی ہیں جن سے بچنا انسان کے اختیار میں ہے بشرطیکہ انسان اپنی عقل وتمیز کو کام میں کام میں لائے قدرتی قاعدوں کو سمجھے اور اونپر عمل کرے خدا نے انسان کے لیئے بہت سی چیزیں عطا کی ہیں اور اونھیں کے وسیلے سے صحت قایم رہتی ہے جہاں ان میں خلل آیا اور صحت خراب ہوئی ہمکو لازم ہے کہ احتیاط کریں ان دس چیزوں کا خاص خیال رکھیں جو حسب ذیل ہیں۔

غسل۔ ہوا۔ پانی۔ غذا۔ روشنی۔ لباس۔ ورزش۔ موسم۔ زمین۔ مکان۔

غسل۔ یعنی جسم کی صفائی۔ ہم کو معلوم ہے کہ اگر انجن کا دھواں کش بند کر دیا جائے اور بھاپ نہ نکلے تو انجن پھٹ جائے گا۔ ایسے ہی انسان کا جسم مثل انجن کے اور مسامات اس کے دھواں کش ہیں کیونکہ بدن کی کسافت انھیں کی راہ سے نکلتی ہے دیکھو مسامات کیسے باریک اور چھوٹے ہوتے ہیں جنکو ہم بغیر خوردبین کے نہیں دیکھ سکتے انکا کھُلا رہنا ضروری ہے اور یہ بات نہانے دھونے سے حاصل ہوتی ہے اس سے وہ کھل جاتے ہیں اور انکی صفائی ہو جاتی ہے اگر منہ صاف نہ رہے تو امراض پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے دانتوں اور مسوڑوں کا صاف رکھنا بھی صحت کے لیئے بہت ضروری کام ہے کیونکہ انکے میلے رہنے سے امراض پیدا ہوتے ہیں اور منہ سے بدبوسی آنے لگتی ہے اس لیے انکی صفائی کا زیادہ خیال رکھنا چاہیئے ناخونوں کا صاف رکھنا بھی زیادہ ضروری ہے اور یہ اسی وقت صاف رہ سکتے ہیں کہ جب ذرا بڑھیں فوراً تراش دیے جائیں خصوصاً ہاتھ کے ناخونوں کی صفائی کا بہت ہی خیال رکھنا چاہیئے کیونکہ جو میل ناخونوں کے اندر جم جاتا ہے اس میں زہریلاپن پیدا ہو جاتا ہے اور یہ زہر کھانا کھاتے وقت غذا میں شامل ہو جاتا ہے اس قسم کے زہر اگرچہ فوراً اثر نہیں کرتے لیکن رفتہ رفتہ انکا اثر ظاہر ہونے لگتا ہے اسی طرح آنکھ، ناک، کان وغیرہ کو جہاں میں پیدا ہوتا ہے اور جم جاتا ہے صاف رکھنا چاہئے۔ صفائی تندرستی کی مددگار ہے، صفائی دماغی کام میں بھی مدد دیتی ہے اور طبیعت کو شگفتہ رکھتی ہے۔

ہوا۔ اس ظاہری صفائی کے علاوہ تندرستی کے لیئے صاف ہوا بھی ضروری چیز ہے اور اس پر

انسان کی زندگی کا دارومدار ہے تازی صاف ہوا سے تازگی اور قوت حاصل ہوتی ہے اور سانس کی آمدو رفت خون کو صاف کرنے میں مدد دیتی ہے اور خراب ہوا اس میں زہر پیدا کرتی ہے جس قدر صاف اور تازہ ہوا ہمکو ملے گی اسیقدر جسم میں تازگی اور قوت پیدا ہوگی ہوا سب سے زیادہ ضروری چیز ہے دم بھر نہ ملے تو دم ہوا ہو جائے اسی لیئے قدرت نے اسکو ایسا بنایا ہے کہ ہمکو بے تردد ہر جگہ اور ہر وقت مل سکتی ہے یہ قدرتی قاعدہ ہے کہ آدمی اور جانوروں کی سانس لینے سے اور ہر طرح کی عفونت کے پھیلنے سے ہوا خراب ہو جاتی ہے اس خرابی کا علاج بھی رکھدیا ہے اور جب تازہ ہوا کے جھونکے چلتے ہیں تو خراب ہوا کو اڑا لے جاتے ہیں اس طرح اسکا نقص دور ہو جاتا ہے ہوا کے چلنے اور بدلنے کے راستہ کو ہرگز بند نہ کرنا چاہیئے درختوں سے بھی ہوا صاف ہوتی ہے لیکن رات کو درختوں کے پاس سونا نہایت مضر ہے ہوا صاف رکھنے کا سب سے اچھا طریقہ یہی ہے کہ گھر کو صاف رکھا جائے۔

پانی۔ ہوا کے بعد پانی کی زیادہ احتیاط کرنی لازم ہے اسی سے نباتات اور حیوانات کی حیات ہے خالص پانی تمام روے زمین پر ایک سا ہے مگر زمین کی چیزیں مل جانے سے پانی کا ذائقہ اور تاثیر بدل جاتی ہے کہیں کا پانی ہاضم اور بہترین ہوتا ہے کہیں کا خراب اور بدمزہ ہوتا ہے بڑے دریاؤں کا پانی چھوٹی ندی اور تالاب سے اچھا ہوتا ہے پانی ہر جگہ کا اچھا اور صاف ہوتا ہے لیکن انسان ہی اسکو خراب کر رہے ہیں مثلاً کپڑے دھونے جانوروں کو نہلانے بعض جگہ مُردوں کو اور غلاظت ڈالنے میں اس طرح سے دریا کا پانی بھی خراب ہو جاتا ہے پھر اسکو پینے میں اور بیماری پیدا ہو جاتی ہے اس لیئے انسان کو لازم ہے کہ جہاں تک ممکن ہو دریاؤں کو ان خرابیوں سے محفوظ رکھے تالابوں کا پانی اگر احتیاط نہ کی جائے تو بہت جلد خراب ہو جاتا ہے کیونکہ رُکا ہوا ہوتا ہے اور خراب پانی پینے سے صحت میں خلل آتا ہے اس لیئے ہمیشہ صاف پانی پینا چاہیئے، سب سے اچھا اور صاف پانی مینہ کا ہوتا ہے لیکن اسکا ملنا مشکل ہے اس لیئے ہم کو چاہیئے کہ پانی اوٹا لیا کریں تو بہت مناسب ہے کچھ تکلیف تو ضرور محسوس ہوتی ہے لیکن پانی صاف ہو جاتا ہے پھر اسکے پینے سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہو سکتی۔

غذا۔ غذا کی سادگی انسان کی زندگی ہے لیکن غذا ایسی ہونا چاہیئے جو بالکل سادہ ہو کیونکہ وہ تندرستی کے لیے مفید ہوتی ہے مرغن غذائیں جیسے بریانی زردہ وغیرہ جن میں زیادہ گھی و چربی وغیرہ ہو نقصان پہنچاتی ہیں جو چیزیں ہم کھاتے ہیں انکی خاصیتیں جدا جدا ہوتی ہیں بعض تو بدن کی پرورش کرتی ہیں اور طاقت بڑھاتی ہیں جیسے گیہوں چنا۔ دودہ بعض چیز صرف گرمی قایم رکھتی ہیں جیسے روغن شکر انسان کو چاہیئے کہ ہر قسم

کی چیزیں استعمال کرے جن سے ہرطرح کا فائدہ حاصل ہو میوے اور ہری ترکاریاں بھی اکثر کھانا چاہیئے اگر مدت
تک یہ چیزیں نہ ملیں تو خون فاسد ہو جاتا ہے بعض چیزوں کی کثرت بھی مضر ہے مثلاً گھی شکر چاول سے
چربی بڑھتی ہے چربی کے افزایش سے موٹاپن زیادہ اور طاقت کم ہو جاتی ہے جو غذائیں حرارت کو بڑھاتی ہیں
جیسے گھی گوشت اور مغزیات اور انکا کھانا بھی زیادہ تر سرد ملک اور موسم سرما میں مناسب ہے گرم ملک
اور موسم گرما میں غلہ ترکاری اور پھل زیادہ تر موافق آتے ہیں مصالحہ کی بھرمار سے بھی معدہ بگڑ جاتا ہے
مصالحہ صرف اتنا ہونا چاہیئے کہ جس سے کھانے کے ذائقہ اور تاثیر کی اصلاح ہو جائے کھانا اس وقت کھاؤ
جب کہ پہلا کھانا ہضم ہو جائے رات کا کھانا ایسی دیر کرکے نہ کھاؤ کہ کھاتے ہی جاؤ کچا اور سڑا بوسا کھانا
نہایت مضر ہے۔

روشنی۔ ہوا کے علاوہ ہمیں روشنی کی بھی ضرورت ہے مثلاً اگر کسی پودے کو اندھیرے
مکان میں رکھا جائے تو وہ زرد ہو جاتا ہے تم نے ہجریوں کو دیکھا ہوگا جو ساون میں ہندو عورتیں لیکر نکلتی ہیں
انکو اندھیرے میں رکھا جاتا ہے حالانکہ تم نے کھیتوں میں گیہوں دیکھے ہونگے کیسے سبز ہوتے ہیں لیکن اندھیرے
کی وجہ سے ہجریوں کی رنگت زرد ہو جاتی ہے ایسے ہی انسان، اگر انسان کسی اندھیری جگہ میں رکھا جائے
تو ضرور بیمار ہو کر مر جائے گا جب ہمکو صحت کے لیئے روشنی کی ضرورت معلوم ہوگئی تو ایسے مکانات میں
رہنا چاہیئے جس میں سورج کی روشنی کافی آتی ہو۔

لباس۔ گرمی سردی کی شدت سے بدن کو محفوظ رکھنا ضروری ہے تاکہ اس کی اندرونی حرارت اعتدال
کے ساتھ قایم رہے تمام جسم میں سر اور سینہ زیادہ حفاظت قابل بدن کی حفاظت کے لیئے انسان کو لباس
کی ضرورت ہے سردی کھانے سے ہم بہت جلد بیمار ہو جاتے ہیں بڑھاپے میں اصلی حرارت کم ہو جاتی
ہے اس لیئے جوانوں کی نسبت بوڑھوں کو لباس کی زیادہ حاجت ہے تر لباس پہنا ہمیشہ مضر ہے مثلاً کثیف
اور بدبودار لباس بھی صحت میں خلل ڈالتا ہے موٹے جھوٹے کم قیمت کا مضایقہ نہیں مگر صاف اور
ستھرا ضرور ہو لباس کی مقدار وضع حیا ادب کے بر خلاف ہرگز نہ ہونا چاہیئے بغیر آستین کے کپڑے
پہننا آجکل کے فیشن میں داخل ہے جس سے نہ بدن کی حفاظت ہوتی ہے اور نہ پردہ محض فضول اور
حماقت ہے آستین نہ لگانے سے کفایت ضرور ہے لیکن حد درجہ کی بیحیائی ہے اس لیئے ہمکو لازم
ہے لباس اچھا اور مناسب پہنے مثل مشہور ہے۔ پہنے جگ بھاتا۔ کھائے
من بھاتا۔ لیکن ہم ہندو اور مسلمان اس کے خلاف کرتے ہیں اور انگریزی فیشن کی پیروی کرتے ہیں
جو کہ سراسر حماقت ہے۔

ورزش - انسان وحیوان سب کے لیئے مفید ہے یہ اعضا کی قوت اور جسم کی صحت کو قایم وبرقرار رکھتی ہے جب اعضا بیکار رہتے ہیں تو انکی قوت روز بروز زائل ہونے لگتی ہے اسی طرح ایک قسم کی محنت کرتے کرتے انسان گھبرا جاتا ہے طبیعت سُست اور کند ہو جاتی ہے مگر ورزش کرنے سے اعضا کی قوت بحال رہتی ہے اور بجھی ہوئی طبیعت میں تازگی آجاتی ہے تازہ اور صاف ہوا میں ورزش کرنے سے ہاضمے کی قوت بڑھتی ہے۔ ہاضمے کی درستی سے تمام جسم چست اور قوی رہتا ہے جن لوگوں کو جسمانی مشقت یا ورزش کی عادت نہیں اونکو اکثر بھُوک کم لگتی ہے اسی لیئے وہ ضعیف اور ناتواں رہتے ہیں جو لوگ نفیس غذائیں کھاتے ہیں مگر جسمانی ریاضت نہیں کرتے وہ ان لوگوں سے کمزور ہوتے ہیں جو سادہ غذا کھاتے ہیں مگر ایسی مشقت کرتے ہیں جن میں تمام اعضا پر زور پڑتا ہے کاشتکار اور مزدور اسی سبب سے زیادہ مضبوط اور طاقتور ہوتے ہیں کہ وہ اپنے پیشے میں مصروف رہتے ہیں غرض تندرستی کی ایک دوا ورزش ہے

دوا کوئی ورزش سے بہتر نہیں یہ نسخہ کم خرچ بالا نشین

موسم - مُناسب درجہ کی گرمی سردی صحت کے لیئے مضر نہیں ہوتی زیادہ گرم وسرد یا زیادہ خشک یا تر موسم بھی تندرستی میں فتور ڈالتا ہے۔

زمین - بلند اور ڈھالو بہت اچھی ہوتی ہے اور مکان بنانے کے لیے اچھی ہے تالاب اور دلدل کے قریب کی جگہ میں تری رہتی ہے اور تری نمی سے ہوا خراب ہو جاتی ہے جس زمین کے نیچے گندگی دبی ہوئی ہو وہاں رہنا یا مکان بنانا ہرگز نہ چاہیئے کیونکہ زمین کے سوراخوں میں ہوا گھس جاتی ہے اس کے ساتھ کثافت باہر آتی ہے اور اس جگہ کی تمام ہوا کو بگاڑ دیتی ہے۔

مکان - مکان کے بنانے کی سب سے بڑی غرض یہ ہے کہ دھوپ بارش سردی کی نوعیت سے پناہ ملے مگر اس کے ساتھ روشنی اور حرارت کے اعتدال کا اور ہوا کی تبدیلی کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے اس مقصد کے واسطے دریچے روشندان مناسب طور سے رکھانا چاہیئے تنگ اور تاریک مکان میں جہاں ہوا کا گذر نہ رہے انسان وہاں تندرست نہیں رہ سکتا مکان کو ہمیشہ صاف رکھنا چاہیئے گندے اور میلے مکان میں کبھی تندرستی نہیں رہ سکتی ایسے مکان میں ہمیشہ بیماری رہتی ہے انسان کو چاہیئے مکان کی صفائی کا زیادہ خیال رکھے۔ اگر ہم مندرجہ بالا چیزوں کا کافی خیال رکھیں تو اُمید کی جاسکتی ہے کہ ہم ہمیشہ تندرست رہ سکتے ہیں ٭

بنت بلدیو پرشاد صاحب بھوپال

جمّن نے ٹٹّو خریدا

عرصہ سے میاں جمّن کے گھر ایک نئے گھوڑے کی خریداری کا مسئلہ زیر غور تھا۔ کھانے کے بعد جمّن اور جمّن بہو راتوں کو پہروں تک مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا کرتے تھے لیکن فیصلہ ابھی نہیں ہوا تھا۔ روپیہ کا سوال سب سے اہم تھا کیونکہ موجودہ گھوڑی ضعیفی کی وجہ سے کام سے مجبور تھی اور سلائی کے پیسوں پر زندگی کا دارومدار تھا لیکن اسکا مستقبل بھی اُمید افزا تھا کیونکہ گھروالی کو آنکھہ کی شکایتیں شروع ہوگئیں تھیں۔

خدا بھی بڑا رازق ہے۔ گھوڑی کا خریدار مل گیا اور سات روپیوں پر معاملہ طے ہوگیا۔ جمّن نے ایک ٹٹو بھی پسند کر لیا لیکن اس کی قیمت پندرہ تھی اور یہاں آٹھ روپیوں کی کمی پڑتی تھی۔ دو چاندی کے کڑے اور چند پتیلیوں کے فروخت سے اسکا بھی بندوبست ہوگیا۔

جمّن بفاتی کے یہاں ٹٹو کی خریداری کے لئے پہنچے۔ حقے کے چند کش لگانے کے بعد بفاتی نے ٹٹو دکھاتے ہوئے کہا "یہی جانور ہے۔ تم تو پرانے آدمی ہو لیکن اناڑی کی سنبھال میں مشکل سے آتا ہے۔ تمہاری وجہ میں اسکو الگ کرتا ہوں۔ دوسرے کو نہ دیتا اور پھر سستے داموں"۔

جمن پرانے یکہ بانوں میں سے تھے اور انکو اپنے کمال پر ناز تھا۔ مُسکراتے ہوئے انہوں نے کہا۔ "ارے میاں میں نے تو بازیاں جیتی ہیں"

ٹٹو کا سر سے پیر تک جائزہ لیا گیا۔ ٹٹو نے جمن کو سونگھا اور بوئے جنسیت جو مدت العمر گھوڑوں کے ساتھ رہنے سے ان میں پیدا ہوگئی تھی پا کر انکے ہاتھ چاٹنے لگا۔

"اس کی عمر کیا ہوگی" "ابھی تو بچہ ہے دودھ کے دانت ہیں" معاملہ طے ہوگیا اور ٹٹو میاں جمّن کی ملکیت میں آگیا۔ بفاتی نے روپیہ لیتے ہوئے کہا "تمہارے سوا کسی دوسرے کو نہیں دیتا"

جمن ٹٹو کو لیکر گھر چلے اور پہنچانے کے خیال سے بفاتی بھی ساتھ ہوئیے کیونکہ انہیں جمّن کے کمال میں شک تھا اور خوف تھا کہ ٹٹو انھیں راستہ میں پریشان نہ کرے۔

اندھیرا ہو چلا تھا اور بفاتی کو سوجھتا کم تھا الغرض جمن کو ٹٹو اور بفاتی دونوں کو لیجانا پڑا۔ گو انھیں تنہا کر کے

خرچ کی فکر پریشان کر رہی تھی کیونکہ بقاتی بغیر تنبا کو پئے اُٹھنے والے نہ تھے۔

دوسرے روز صبح کو جمن نے ٹٹو جوتا اور امتحان کے خیال سے اُسے نزدیک کے گاؤں کی طرف لے چلے۔ وہاں انھیں سلائی کے پیسوں کا تقاضہ بھی کرنا تھا۔

ٹٹو نہایت شان سے گردن اٹھاکر چلا لیکن آہستہ آہستہ کیونکہ یہ دونوں باتیں ایک جگہ ذرا مشکل سے ملتی ہیں۔ تھوڑے ہی دُور پر ایک کھیت میں ٹٹو یکہ سمیت اُتر گیا اور مار پڑنے پر بیٹھ گیا اور لگا لوٹنے۔ بمشکل اُٹھا اور اتنے زور سے بھاگا کہ جمن کا چابک وہیں رہ گیا۔ آفت یہ ہوئی کہ ایک کے مکان کے احاطہ میں گھس گیا اور دوسرے پھاٹک سے بھاگا۔ جمن کی کھوپری مالی کے ڈنڈے سے بچتے بچتے رہ گئی کیونکہ پہیوں سے روش کے کنارے ٹوٹ گئے تھے۔

سڑک پر پولیس کے افسر کی گاڑی سے یکہ نے ٹکر کھائی جس کی وجہ سے دوسرے ہی دن جُمن کو حوالات میں گھنٹوں بند رہنا پڑا۔

گاؤں کوئی دو میل کے فاصلہ پر تھا لیکن جمن نے یہ راستہ دو گھنٹوں میں طے کیا واپسی پر محلہ کے لوگ جمن کے نئے ٹٹو کو دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے۔

"جانے میں کتنی دیر لگی؟" ایک شخص نے پوچھا۔

"یہی پندرہ بیس منٹ کچھ گھڑی تو تھی نہیں" جمن نے جواب دیا۔ حقیقت کو اس لئے چھپایا کہ لوگ انکے کمال میں شک کرنے لگیں گے۔

"تو پھر اتنی دیر کیوں لگائی۔ کیا کھانا وہیں کھایا" بیوی نے پوچھا

جمن کو "ہاں" کے سوا دوسرا جواب نظر نہ آیا۔ لیکن دن کو روزہ رکھ لینا پڑا کیونکہ صبح کو بھی بغیر ناشتہ کے نکلے تھے۔

شام کو شہر جانا ضروری تھا کیونکہ گھر میں کوئی چیز نہ تھی کہ افطار کر سکیں۔ جمن نے پیدل ہی جانا مناسب سمجھا لیکن سب نے مل کے انکا ٹھٹھا اُڑانا شروع کیا اور بیوی بول اُٹھیں کہ گھوڑا پھر دیکھنے کے لیے خریدا ہے۔

مجبوراً ٹٹو پر زین کسنی شروع کی لیکن یہ عرصہ تو ان پر قیامت کی طرح گذرا۔ کبھی تو ٹٹو اُچھلتا۔ کبھی لات مارتا۔ گاہ زمین پر لیٹ جاتا اور گاہ دونوں پیروں پر کھڑا ہو جاتا پھر کان نیچے جھکا لیتا۔ دانت کھول دیتا اور پیٹھ کو کمان کی طرح موڑ لیتا۔

حبیب کی ماں اور دوسرے لوگوں نے جو درخت کے نیچے بیٹھ کر باتیں کر رہے تھے کہنا شروع کیا: "یہی پندرہ روپیہ کا گھوڑا ہے۔ ذرے سے ٹٹو کو قابو میں نہیں رکھ سکتے۔ جمن کو تیر سا لگا لیکن چُپ رہ گئے کہنے لگے۔

"جانور نیا ہے۔ شروع میں سب کا یہی حال ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ شایستہ ہوتے ہیں۔" لیکن سب ہنس پڑے اور کہنے لگے۔

"یہ کیوں نہیں کہتے کہ خود بوڑھے ہوگئے ہیں۔"

جمن ٹٹو پر سوار ہوئے اور ٹٹو اپنی خاص چال سے آگے بڑھا۔ شرح رفتار فی میل ایک گھنٹہ تھی جمن شہر میں بخیر و عافیت پہنچ گئے لیکن واپسی کا خیال سوہان روح تھا۔

شام کا وقت تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور فضا بہت خوشگوار تھی ٹٹو خلاف اُمید سرپٹ چلا۔ جمن نے کہا کہ شہر جاتے کے وقت ٹٹو سے سرپٹ کی اُمید کرنا غلطی تھی۔ ٹٹو کی چال تیز ہوتی گئی اور جمن کے چہرے پر مسکراہٹ نمایاں ہوئی۔ جمن اسی فاتحانہ انداز سے جارہے تھے کہ ٹٹو بھڑکا اور پھر اتنے زوروں سے بھاگا کہ جمن سجدہ میں آگئے اور لگام جس پر انھوں نے اپنی پوری قوت صرف کر دی تھی ٹوٹ گئی۔

بہزار مشکل جمن نے سر اُٹھایا اور کسی طرح گھر پہنچے۔ خیریت ہوئی کہ رستہ میں کسی نے دیکھا نہیں۔ گھر میں پہنچتے ہی بیوی نے صلواتیں سنانی شروع کیں کیونکہ جمن نے سودا راہ میں لیا نہیں تھا اور آج فاقہ کی خبر تھی۔

دوسرے روز بقاتی اور جمن میں خوب جنگ ہوئی اور لوگوں کے کہنے سے بقاتی نے آدھے روپے واپس کیئے آدھے انھوں نے خرچ کرڈالے تھے۔ ٹٹو تو انکے یہاں شام ہی کو پہنچ چکا تھا۔

جمن کی گھوڑی نے اپنے نئے مالک کے یہاں ستیاگرہ شروع کر رکھی تھی وہ آکر پانچ روپیہ میں انھیں واپس دے گیا۔ دو روپیہ نفع ہوئے جو جمن صاحب نے زخموں کے علاج میں صرف کیئے۔

پھر وہی سابق زندگی تھی اور جمن ٹٹو کے نام سے بیزار۔

شہر بانو از مظفر پور

شریمتی آسما دیوی

کپتان لیڈی والنٹیرس امرنسر جو حال ہی میں جیل سے رہا ہوئی ہیں۔

شریمتی کرتار کور

آپ بھی شریمتی آتما دیوی کے ہمراہ قید سے رہا ہوئی ہیں۔

ریشم کے کیڑے

اُن کو شوقیہ یا فائدے کے لئے پالنا

مختصر تاریخ اس میں کچھ شک نہیں کہ ہندوستان میں ریشم کی صنعت چین سے لائی گئی چینی قدیم روایتیں اس صنعت کو چین کے تیسرے شہنشاہ ہانگ ٹی سے منسوب کرتی ہیں۔ جو خود اور اسکی چالیس سالہ ملکہ سنگلی چی نامی کرم پیلے یعنی ریشم کے کیڑے محض شوقیہ پالتے تھے۔ ملکہ مذکورہ نے ایک دفعہ اس امر کا تجربہ کیا کہ آیا اُن کی کوکون (کویا) سے بُننے کے قابل تار کاتے جا سکتے ہیں یا نہیں۔ اس تجربہ میں وہ فوراً کامیاب ہوگئی۔ اس کے بعد اس نے کوکون سے نازک تار کاتتے اور اُن سے کپڑا بُننے کا طریقہ ایجاد کیا۔ اسی وجہ سے وہ چینی داستانوں میں "ریشم کے کیڑوں کی دیوی" مشہور ہے۔

ہندوستان میں ریشم کی صنعت سنہ ۶۰۰ء میں رائج ہوئی۔ اور اسی زمانے میں جاپان نے بھی اس کی طرف قدم بڑھایا۔ جب سے یہ دونوں ملک اس صنعت میں ایک دوسرے کے حریف بنگئے۔

تقریباً تین صدیوں سے بنگال نے خصوصاً اور مغربی سرحدوں نے عموماً اس صنعت میں بیحد ترقی کی اور تھوڑے ہی عرصے میں یہ مقامات تمام دنیا کے بازاروں میں اپنی ریشمی پیداوار کے لحاظ سے مقبول عام ہوگئے۔ ان صوبجات میں جہاں پر ڈچ فرانسیسی اور ارمنی سوداگروں سے مقابلہ کا سامنا ہوتا تھا ایسٹ انڈیا کمپنی نے بہت کچھ روپیہ کمایا۔ چنانچہ ہر سال یہ کمپنی کلکتہ کی بندرگاہ سے یہاں کا ساختہ ریشمی کپڑا لاکھوں روپئے کی مالیت کا اپنے ملک کو روانہ کرتی تھی۔ اب سے دوسو سال پیشتر ہندوستان کا بنا ہوا ریشمی و سوتی کپڑا یورپ میں ایسی ہی قدر و وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ جیسے سے کہ اس زمانے میں یہاں پر اُس ملک کا ساختہ کپڑا دیکھا جاتا ہے۔ مگر آہ دشمنوں نے ہندوستان کی مشہور پارچہ بافی کی صنعت کو اس طرح تباہ و برباد کردیا کہ اب اسکو دوبارہ زندہ کرنا قریب قریب بہت مشکل ثابت ہو رہا ہے۔

غور جو ہندوؤں کا ایک قدیم متبرک دارالسلطنت تھا۔ ریشمی کپڑوں کی برآمد کا ایک عظیم الشان مرکز تھا۔ جہاں پر اس صنعت کے مشہور شہر وساڈھاکہ سنارگاؤں۔ چٹگرام وغیرہ سے تیار شدہ کپڑا آکر جمع ہوتا تھا۔ وہاں سے اکٹھا ہوکر بندرگاہ پر پہنچتا اور ممالک غیر کو روانہ ہو جاتا تھا۔ غور جب مسلمانوں کے قبضہ میں آیا تو اس کی

تجارت گھٹنی شروع ہوگئی۔ کیونکہ مسلمان ریشم بوجہ حرام ہونے کے بہت کم پہنتے تھے۔ اس لیے وہ اس کی تجارت کی طرف بھی کچھ زیادہ توجہ نہ کرتے تھے۔ مگر جب دار السلطنت متھرے راج محل کو تبدیل ہوگیا تو اس کی تجارت پھر عروج پر آگئی۔ انہیں دنوں ایک مالدہی سوداگر روس کو جانے لگا تو یہاں سے ریشم کے کپڑوں سے بھرے ہوئے تین جہاز اپنے ساتھ لیگیا تھا۔ جن میں سے دو جہاز بدقسمتی سے خلیج فارس میں تباہ ہوگئے +

ریشم کے کیڑوں کا پالنا اور پرورش کرنا نہایت ہی دلچسپ اور فایدہ مند مشغلہ ہے۔ اور ہندوستان کے دیہاتوں میں یہ کام خاص کر عورتوں اور بچوں کے لئے اسی قدر آسان ہے۔ جس قدر مرغیوں کا پالنا اور پرورش کرنا۔ مندرجہ ذیل سطور اسی مقصد کے لیے حوالہ قلم کی جاتی ہیں۔

ریشم کے کیڑوں کی مفصلہ ذیل قسمیں ہیں:۔

"پُرانی"، "چھوٹا"، "بامُور"، "بڑا پالو"، "چینی پالو" اور "بلا پالو" ان میں سے پہلی اور دوسری قسمیں بہت زیادہ عام ہیں۔ "چینی پالو" موسم سرما میں کویا بناتا ہے اور "پرانی" جو "مندرازی" کے نام سے بھی مشہور ہے۔ موسم گرما میں ریشم کاتنا شروع کرتا ہے +

کرم پیلوں کی مختلف عادتوں کی پہچان

تتلیوں بھنگوں اور دیگر اسی قسم کے کیڑوں کے بچے جنکو انگریزی میں کیٹرپلر کہتے ہیں۔ جب اپنی خاص شباب کی حالت میں پہنچتے ہیں تو مضطرب حالت میں ادھر ادھر پھرنے لگتے ہیں۔ اور اپنے قدرتی پسندیدہ مقامات مثلاً پتوں ڈالیوں میں اپنے لیے کویا بنانے کی غرض سے چھپ جاتے ہیں۔ مگر کرم پیلہ کھلی ہوئی کشتی یا بکس میں ہی جس میں اس کی پسندیدہ غذا یعنی شہتوت کے پتے کافی مقدار میں موجود ہوں، اگر رکھا جائے تو صبر و سکون سے رہ سکتا ہے جب وہ شہتوت کے پتے سب ختم کرجاتا ہے تو فوراً ہی پھر تازہ غذا کی خواہش کرتا ہے۔ جب اس کے کوکون یا کویا بننے کا وقت آتا ہے تو اپنے ہم جنسوں کی طرح بجائے اس کے کہ وہ ادھر اُدھر دوڑتا بھاگتا پھرے۔ وہ اسی جگہ جہاں اسکا مالک یا پالنے والا رکھتا ہے۔ اپنا گھر یا کویا بُن لیتا ہے۔ بشرطیکہ وہ جگہ اس کی خواہش کے مطابق محفوظ و چوڑی چکلی اور ہوا دار ہو۔

جب کیٹرپلر پورا بڑھ جاتا ہے۔ تو اس کی لمبائی تین اینچ کے قریب ہوتی ہے۔ انڈوں کا رنگ ہلکا سلیٹی یا سیاہ بکائن (ایک پھولدار جھاڑی) کا سا ہوتا ہے۔ یہ بازار میں فروخت ہوتے ہیں۔ عام طور سے سرکاری زراعتی فارموں باغوں یا ممالک غیر میں ان کی مخصوص فرموں سے آسانی سے خریدے جاسکتے ہیں۔ انڈے بہت ہوشیاری سے مناسب رنگ کے خریدنے چاہئیں۔ کیونکہ جنکا رنگ ہلکا زرد ہوتا ہے۔ وہ ناقص ہوتے ہیں۔

جب ریشم کے کیڑے کا بچہ انڈے میں سے نکلتا ہے تو اسکا رنگ سیاہ ہوتا ہے۔ اور ایک چوتھائی انچ سے زیادہ لمبا نہیں ہوتا۔ پیدا ہوتے ہی وہ کھانے کی خواہش کرتا ہے اس وقت وہ نہایت سریع الاثر ہوتا ہے۔ پیدا ہونے کے دس روز بعد اس کا سر کافی بڑھ جاتا ہے۔ اور بیمار سا ہو جاتا ہے۔ کھانا چھوڑ دیتا ہے۔ اور تین روز تک غفلت کی حالت میں پڑا رہتا ہے۔ اسکی بیماری کی علامت یہ ہے کہ اگر اس کی پیٹھ کی کھال اٹھاکر اور ذرا آہستہ سے دباکر دیکھو تو بہت سخت معلوم ہوگی۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے بدن کی جسامت جلد بڑھ رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قدرت باری تعالیٰ کیڑوں کی جسامت بڑھانے اور انکی کھالیں تبدیل کرنے میں بیحد فیاض واقع ہوئی ہے۔ جس قدر جلد خالق کریم کی یہ ننھی مخلوق بڑھ کر اپنی طبعی حالت کو پہنچ جاتی ہے۔ اس طرح اس کی کوئی دوسری مخلوق نہیں پہنچتی۔

کیٹر پلر کے جسم پر تقریباً بارہ حلقے ہوتے ہیں۔ جو ایک دوسرے سے ملے ہوتے ہیں۔ جسم کے دونوں طرف سانس لینے کے لیے نو سوراخ۔ اور جبڑوں کے نیچے ہی ذرا ان سے بڑے دو سوراخ ہوتے ہیں۔ جن کے ذریعہ سے وہ اپنا مخصوص لعاب نکالتا ہے۔ جس سے ریشم کا کوکون یا کویا بنتا ہے۔

ریشم کے کیڑوں کے بچے نکالنا ان کی خوراک۔ اور درجہ حرارت

جب کرم پیلے کے انڈے مہیا کرلو جو اپریل کے آخر میں کرنے چاہیں۔ (انڈے عام طور سے غذا کی پٹیوں پر پھیلے ہوئے فروخت ہوتے ہیں) تو ان کو ایک مضبوط کشتی میں جو دصلی یا لکڑی کی بنی ہوئی ہو رکھنے چاہئیں اور اس کشتی کو ریشمی یا باریک ململ کے کپڑے سے بخوبی ڈھک دو۔ بعدازاں اسکو اٹھاکر جنوب کی طرف کی کسی ایسی کھڑکی میں رکھدو جہاں پر انڈے دھوپ سے بخوبی اکسپوز ہو سکیں۔ یعنی انکو دھوپ لگ سکے۔ جب تک انڈوں میں سے بچے نہ نکل آئیں۔ کشتی کو ساکن حالت میں رہنے دو۔ کپڑے کو خواہ موسم گرمی کا ہو یا سردی کا پانی سے ہمیشہ تر رکھو۔ اور احتیاط رکھو کہ کپڑا کسی وقت سوکھنے نہ پائے اور اس کی بھی احتیاط رکھو کہ کپڑا تر کرنے میں انڈوں پر پانی نہ پہنچنے پائے۔ چنانچہ کپڑا تر کرنے کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ ایک تھوڑی سی روئی پانی میں بھگو لو اور اس سے کشتی کا کپڑا تر کر دیا کرو۔ جب بچے نکل آئیں تو انکو دوسری کشتی میں جس میں پہلے سے ہی عمدہ کتری ہوئی شہتوت کی پتیاں بچھی ہوں، پنسل کی نوک یا اونٹ کے بالوں کی برش سے بڑی احتیاط کے ساتھ تبدیل کردو۔ شہتوت کے پتے جو چھوٹے بچوں کے لیے جمع کیے جائیں۔ وہ حتے الامکان تازہ اور نئے ہوں۔ اور عمدہ طریقہ سے چاقو یا قینچی سے کترے جائیں۔ کتری ہوئی پتیاں ایک سینٹی میٹر کی پہلی سے زیادہ بڑی نہ ہوں ٭

جیسے کہ ہر شخص جانتا ہے کرم پیلوں کی مرغوب غذا سفید شہتوت کے پتے ہیں۔ اگر یہ دستیاب نہ ہوسکیں تو سیاہ شہتوت کے بہتر ہیں۔ اگر ان کے ملنے کی بھی دقت ہو تو باغوں کے دوسرے چوڑے پتوں سے بھی بچوں اور بڑے کرم پیلوں کی پرورش کی جاسکتی ہے۔ مگر یہ یاد رکھو کہ جن کرم پیلوں کی پرورش دوسرے درختوں کے پتوں پر کی جائے گی۔ وہ اس قدر عمدہ اور نفیس ریشم پیدا نہ کرینگے جیسے کہ شہتوت کے پتوں پر پلے ہوئے کرینگے۔ پس یہی بہتر ہے کہ عمدہ اور یقینی کامیابی حاصل کرنے کے لئے ریشم کے کیڑوں کی پرورش شہتوت کے پتوں پر کرنی چاہیے۔ یہ درخت قریب قریب ہر جگہ تلاش کرنے سے مل سکتے ہیں۔ آسانی کے لئے اس درخت کا جوان پودا منگوا کر گھر میں کچی زمین میں یا کسی بڑے گملے میں لگایا جاسکتا ہے۔ جو متواتر بڑھتا رہیگا۔ جو پتے استعمال کے لئے توڑے جائیں وہ کافی پختہ اور اگر ممکن ہو تو ثمردار درخت کے ہوں۔ ان کے سمیٹنے اور جمع کرنے میں احتیاط مدنظر رہے مبادا ان پتوں میں کوئی کلی وار پتا کانٹا وغیرہ ہو جس سے بچوں کو نقصان پہنچ جائے۔

جس کمرے میں بچے پرورش پارہے ہوں وہ خشک اور گرد و غبار سے مبرا ہونا چاہیے۔ اور اسکی حرارت کی مقدار ۶۶ سے لیکر ۷۵ ڈگری تک ہونی بہتر ہے۔ نو مولود بچوں کو خاص طور سے گندگی اور گلے سڑے و مردہ پتوں سے قطعی پاک و صاف رکھنے چاہئیں۔ ان کو ایک کشتی سے دوسری کشتی میں تبدیل کرنے میں انگلیوں سے ہرگز نہ چھوؤ جیسے کہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ اس مقصد کے لئے اونٹ کے بالوں کا برش یا پنسل کی نوک استعمال کرنی چاہیئے۔ یا سوت کا ایک تاگا ان کے جسم کے نیچے سے گذار کر ان کو آہستہ سے اٹھانا چاہیے ۔

پیدایش کے دس روز بعد بچوں کے جسامت میں بڑھنے کے چار مرحلے شروع ہو جاتے ہیں۔ جن کو انگریزی میں Mountings بھی کہتے ہیں۔ ہر مرحلہ یا Mountings چار روز کا ہوتا ہے۔ بشرطیکہ کمرہ کا درجہ حرارت ۹۵ سے لیکر ۱۰۰ فارن ہائٹ تک ہو۔ ورنہ اگر ضرورت سے کم حرارت ہوتی ہے تو ان کے پہلے مرحلہ میں ایک یا دو روز کا اضافہ اور ہو جاتا ہے دوسرے میں بھی چار دن سے زیادہ لگ جاتے ہیں۔ اور تیسرے میں پانچ یا روز اور بھی صرف ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد آٹھ روز اور دیگر باتوں میں لگ جاتے ہیں۔ زندگی کے بڑھنے کے ان مرحلوں کی پہچان یہ ہے کہ وہ ہر مرحلے کے درمیان ساکن پڑا رہتا ہے۔ اور اس کے اختتام پر اٹھکے وہ خوب کھاتا پیتا ہے اور پھر وہ پہلے کی طرح غافل پڑجاتا ہے اور بڑھنا شروع ہوتا ہے۔ یہاں تک پیدایش سے تینتس دن بعد کیٹر پلر اپنی پوری جسامت اور قد کو پہنچ جاتا ہے۔

یا دوسرے الفاظ میں یوں کہنا چاہئے کہ بچہ پورے قد کا جوان ریشم کا کیڑا یا کرم پیلہ بنجاتا ہے۔ بچوں کی تمام تبدیلیوں کے دوران میں ان پر بخوبی غور و پرداخت کرنی لازمی ہے۔

کوکون یا کویا کی تیاری جب کیڑ پلہ یا بچہ اپنی پوری جسامت یا جوانی کو پہنچ جاتا ہے تو بالکل صاف گلابی یا سرخی مائل رنگ میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ اور نہایت خوبصورت و چمکیلا معلوم ہوتا ہے۔ اب وہ پھر اپنی خوراک کھانی چھوڑ دیتا ہے۔ اور اپنا طبعی اضطراب شروع کر دیتا ہے۔ یعنی قدرے عجلت کے ساتھ اِدھر اُدھر رینگنے لگتا ہے جو اس امر کی علامت ہے کہ اب اپنا مخصوص لعاب نکالنا یا بدیگر الفاظ اپنے لئے کویا بنانا چاہتا ہے۔ اس موقع پر بڑی ہوشیاری سے کام لینا چاہئے۔ کشتی کے چاروں طرف دیواریں اٹھا دو ورنہ وہ باہر نکل کر گم ہوجائیں گے۔ اب کویا یا کوکون کے لیئے تیاری کرنی چاہئے۔ اس مقصد کے لیئے معمولی لکھنے کے ذرا موٹے کاغذ کے کونے موڑ کر اور اس کے کنارے نیچے کی طرف جھکا کر ایک چھوٹی سی کشتی بنالو۔ جس قدر کیڑے ہوں اتنی ہی ایسی کشتیاں بنالو اور ان کو ایک کاغذ کی پٹی پر مسلسل جوڑ دو جب کیڑے کھانا چھوڑ دیں اور انکی ایسی اضطرابی حالت شروع ہوجائے جیسی کہ اوپر بیان کی گئی تو ہر ایک کیڑے کو ایک ایک تیار شدہ کشتی میں رکھ دو۔ ان میں وہ کویا بنانا یا ریشم کاتنا شروع کر دینگے۔

کویا یا کوکون میں تین حصے ہوتے ہیں۔ پہلے حصے میں جو ریشم ہوتا ہے وہ پھُسپھسا کہا جاتا ہے۔ جو قطعی ناکارہ ہوتا ہے دوسرے اندرونی حصے میں جو ریشم آڑی ترچھی شکل میں لگا ہوتا ہے کم کار آمد ہے۔ مگر تیسرے حصے میں جو ریشم ہوتا ہے وہ نفیس ترین ہوتا ہے اور باہم مضبوطی سے چپکا ہوتا ہے۔

جب کویا مکمل ہوجاتا ہے۔ تو کرم پیلہ اپنی سابقہ کھال اُتار پھینکتا ہے۔ اور معمولی بے پر کی تتلی کی مخروطی شکل میں ہوجاتا ہے۔ ابتدا میں کرم پیلہ کم زردی مائل لعاب نکلتا ہے۔ اور تین ہفتے بعد یہ لمبائی میں کچھ اور بڑھکر زیادہ تار نکالتا ہے۔ ان تاروں کا تانا بانا کر کے فاختہ کے انڈے کے برابر گولہ بنا لیتا ہے۔ جسکو کویا کہتے ہیں اور اسی میں چھُپ جاتا ہے۔ بعض اوقات کرم پیلے اپنے اسی گھر میں مر کر رہ جاتے ہیں۔ اور اگر زندہ رہے تو جلد اپنے کویا کے اندرونی حصے کو کھا کر اور اسکو پھاڑ کر اُڑ جاتے ہیں ۔

ریشم صاف کرنا کرم پیلے کو بہر حال اپنی کوکون (یا کویا) کو کھانے یا پھاڑنے سے باز رکھنا چاہئے۔ چونکہ اسکا جسم اندر پہنچکر سخت پڑ جاتا ہے۔ اس لیئے اگر کوکون کو اُٹھا کر آہستہ سے ہلاؤ اگر اندر سے کھڑکھڑانے کی آواز آئے تو اُس وقت ریشم کے گولے یا کوکون کو لپیٹ لینا چاہئے۔ کوکون کو ایک پانی سے بھرے ہوئے پیالے میں رکھو۔ اس طریقے سے جب کویا تھوڑا بہت کھلے گا تو

.ور ہو جائے گا۔ پھر ریشم کو خشک کرکے کارڈ کے ایک ٹکڑے پر لپیٹ لو۔ ایک کوکون کے تاروں کی ۶۰۰ سے ایک ہزار فٹ تک ہوتی ہے۔ اور وزن تین ساڑھے تین گرین سے زیادہ نہیں۔ ایک آونس میں سے چالیس ہزار کرم پیلے پیدا ہوتے ہیں۔ جو اپنی زندگی بھر میں ۱۰۷۳ پونڈ پتے کھا جاتے ہیں۔ اور ۵۰ سے لیکر ۱۰۰ پونڈ تک کوکون پیدا کرتے ہیں جنکا چھٹا ہوا کچا کارآمد ریشم ۸ پونڈ ہوتا ہے ؎

جب ریشم لپیٹ لیا جائے اور کرم پیلہ باقی رہ جائے تو اسکو علیحدہ کیس میں رکھو۔ بارہ دنوں تک وہ اس میں بیجان سا پڑا رہے گا۔ بعدہٗ وہ ایک ہلکا زردی مائل پتنگا (Moth) مع پروں کے ظاہر ہوگا۔ ایسی حالت میں وہ آہستہ آہستہ پروں کو جنبش دیتا ہوا اس جگہ تک رینگے گا۔ جہاں پر وہ پیدا ہوا یعنی انڈے میں سے نکلا تھا۔ اور کچھ نہیں کھائے گا۔ نر جلد مر جاتا ہے۔ مادائیں ایک عرصے تک بغیر اڑے ہوئے ادھر ادھر گھومتی پھرتی ہیں۔ بالآخر وہ کاغذ کی پٹیوں پر جو پہلے سے ہی اس غرض کے لیئے مہیا کردی جاتی ہیں انڈے ڈال دیتی ہیں۔ اور فوراً ہی مر جاتی ہیں۔ ایک مادہ تین سو سے لیکر چار سو تک انڈے دیتی ہے۔

آج کل گورنمنٹ اور بنگال سلک کمیٹی ہندوستان میں نہایت اعلیٰ پیمانہ پر ریشم تیار کرنے کے متعلق کوشش کر رہی ہے۔ کرم پیلے پالنے اور پرورش کرنے اور ریشم بنانے کے لئے تعلیم یافتہ اور تجربہ کار اورسیر قایم کیئے جا رہے ہیں۔ گورنمنٹ اور سلک کمیٹیاں لوگوں کو اس کام میں آسانیاں پیدا کرنے کے لیئے ہر قسم کی امداد دیتی ہیں ؎

سید رضا احمد جعفری (ترجمہ)

بادشاہ الفریڈ

اگر یہ دو سین ایکٹ کیے جائیں تو حسب ذیل اشخاص کی ضرورت ہوگی۔

(۱) بادشاہ الفریڈ (۲) ایک بوڑھا آدمی (چرواہا)

(۳) ایک بوڑھی عورت (چرواہے کی بیوی)

(۴) چھ آدمی (امرائے انگلستان) اور انکے ہمراہی

(آج سے ایک ہزار سال پہلے الفریڈ انگلستان کا ایک مشہور بادشاہ گذرا ہے۔ اس کی تخت نشینی کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ڈینوں نے (ایک شمالی قوم) انگلستان پر حملہ کر دیا۔ الفریڈ کو ان کے مقابلہ میں شکست ہوتی ہے۔ اپنی جان بچانے کے لیے وہ ایک چرواہے کے گھر میں پناہ لیتا ہے۔ یہاں اس پر جو کچھ گذری اسکو قابل مصنف فری مین FREEMAN نے اس طرح ادا کیا ہے)

پہلا سین۔

(ایک بوڑھا چرواہا اور اس کی بیوی ایک جھونپڑی میں آگ کے قریب بیٹھے باتیں کر رہے ہیں)

چرواہا۔ کس قدر خوفناک رات ہے۔ کیا تم ہوا کی آواز سن رہی ہو۔

بیوی۔ یقیناً سخت خوفناک رات ہے۔ ایسے وقت کوئی ایک بلی کو بھی گھر کے باہر نہ نکالیگا۔ آج ہمارا لڑکا کہاں گیا ہے۔ خدا کرے وہ کسی محفوظ مقام میں ہو۔

چرواہا۔ اگر اسوقت کوئی شخص گھر کے باہر نکل گیا ہو تو اسکی کیا حالت ہوگی؟

(کوئی شخص باہر دروازہ کھٹکھٹاتا ہے)

بیوی۔ کون ہے؟

(دوبارہ دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آتی ہے)

چرواہا۔ کوئی شخص باہر کھڑا ہوا ہے۔ بیوی ذرا اُٹھکر دروازہ تو کھول دو۔

(دروازہ کھلتا ہے اور الفریڈ باہر کھڑا نظر آتا ہے)

الفریڈ۔ کیا تم اس طوفانی رات میں ایک خانماں برباد کو اپنے ہاں ٹھہرنے کی اجازت دوگے۔

چرواہا۔ یقیناً! اے لڑکے اندر آؤ اور آگ کے قریب بیٹھ جاؤ۔

بیوی۔ تمہارا آنا مبارک ہو۔ آج رات کوئی میرے لڑکے کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرے جیسا میں تمہارے ساتھ کر رہی ہوں۔

چرواہا۔ آؤ ہمارے ساتھ کھانے میں شریک ہو جاؤ میری بیوی تمہارے لیے کسی کرنے میں پھونا کر دیگی۔

الفریڈ۔ آپ کی اس عنایت اور مہربانی کا شکریہ ادا کرنے کے لیئے مجھے موزوں الفاظ نہیں ملتے۔

بیوی۔ (دبی ہوئی آواز میں اپنے شوہر سے) خدا معلوم یہ مسافر کون ہے۔ اس کا لب و لہجہ ہم سے بالکل مختلف معلوم ہوتا ہے۔

چرواہا (دبی آواز میں) ٹھیک ہے۔ دیکھو اسکی

آنکھیں کس قدر چمکدار ہیں۔

مسافر سے۔ اے نوجوان آدمی کیا تمہیں ان سفاک ڈینوں کی بھی کچھ اطلاع ہے جو ہمارے ملک کو تباہ و برباد کر رہے ہیں۔

الفریڈ۔ ایک لانبی سانس کھینچکر۔ میں تمہیں کوئی اچھی خبر نہیں سنا سکتا۔ ایک گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں بہت ہی کشت و خون ہوا اور ہزاروں آدمی مارے گئے۔

دونوں ایک ساتھ ہوکر۔ افسوس! افسوس! آخر کس نے فتح پائی۔

الفریڈ۔ رات ہونے پر بھی لڑائی کا سلسلہ جاری رہا۔ ڈینوں کی تعداد انگریزوں سے کئی گنا زیادہ تھی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں وہ تمام مردہ نظر آئے اور تمام میدان دشمن کے ہاتھ تھا۔

دونوں۔ افسوس! افسوس!

چرواہا۔ ہمارے نوجوان بادشاہ کا کیا حال ہوا۔

الفریڈ۔ شام تک وہ زخمی نہیں ہوا تھا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ کہیں روپوش ہوگیا ہے اور جب اس کے جھنڈے کے نیچے کافی فوج جمع ہو جائے گی تو پھر وہ میدان میں نکل آئے گا۔

چرواہا۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ وہ عاجز آکر ڈینوں کے ساتھ صلح کرے گا۔

الفریڈ۔ نہیں، ہرگز نہیں۔

بیوی۔ اے مسافر! کیا تم کو میرے لڑکے کی بھی کوئی اطلاع ہے۔ کیا تم نے اسے دیکھا ہے۔ لڑتے وقت وہ یقیناً پہلی صف میں ہوگا۔

(وہ روتی ہے)

چرواہا۔ بیوی! بیوی! خاموش رہو۔ رونا بے سود ہے۔ یہ اجنبی آدمی ہمارے لڑکے سے بھلا کیسے واقف ہو سکتا ہے۔

بیوی۔ میرے لڑکے سے واقف نہیں! کیا معنی۔ کیا اسے سب نہیں جانتے؟

الفریڈ۔ مجھے افسوس ہے کہ میں تمہارے لڑکے کی کوئی اطلاع نہیں دے سکتا لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ زندہ ہے اور آیندہ جنگ میں ان ظالموں کی خوب خبر لے گا۔

(اسی طرح دو مہینہ گزر جاتے ہیں اور الفریڈ ایک ادنیٰ ملازم کی حیثیت سے چرواہے کی جھونپڑی میں کام کرتا ہے)

دوسرا سین۔ وہی جھونپڑی

بیوی۔ الفریڈ سے۔ میں نے آگ پر کیک رکھے ہیں۔ ذرا انہیں دیکھتے رہنا۔ میں ابھی گائے کا دودھ دوہ آتی ہوں۔ جونہی وہ سرخ ہوجائیں انہیں فوراً پلٹ دو۔ خبردار وہ جلنے نہ پائیں۔

الفریڈ۔ ہاں میں سمجھ گیا اور ایسا ہی کرونگا۔

(چرواہے کی بیوی جاتی ہے۔ الفریڈ تنہائی پاکر تیر و کمان اٹھاتا ہے اور خود۔ہی اس طرح گویا ہوتا ہے)

الفریڈ۔ اسی حالت میں دو مہینہ گزر گئے مگر کوئی خبر نہیں ملی۔ کسی نے بھی۔ مجھ سے یہاں ملنے کی

جرأت نہیں کی۔ آخر اس کا کیا مطلب ہے؟ کہیں وہ مار ڈالے تو نہیں گئے؟ (وہ اُٹھتا ہے اور ٹہلنا شروع کرتا ہے) تمام ملک برباد ہو رہا ہے۔ میری رعایا کے مکان نذر آتش کیے جا رہے ہیں۔ غریب عورتیں اور بچے بے رحمی کے ساتھ تہ تیغ کیے جا رہے ہیں۔ لیکن میں، آہ میں! بادشاہ! یہاں ایک ڈرے ہوئے ہرن کی طرح چھپا ہوا ہوں اور مجھے اپنی غریب، مظلوم رعایا کی کچھ بھی فکر نہیں ہے۔ لیکن اس مجبوری کے عالم میں مجھ سے کیا ہو سکتا ہے (بیٹھ جاتا ہے) جب تک تمام باتیں ٹھیک نہ ہو جائیں اس وقت تک کچھ کرنے کی جرأت کرنا حماقت ہے۔ انتظار کرنا کام کرتے رہنے سے زیادہ دشوار ہے۔ لیکن ایک بادشاہ کو اس طرح جلد بازی بھی نہ ہونا چاہیئے۔ ایک ہفتہ تک اور انتظار کرنا چاہیئے۔ اگر اس وقت تک کوئی اطلاع نہ ملے تو پھر خاموش بیٹھنا ٹھیک نہیں۔

(بیوی واپس آتی ہے اور جلتے ہوئے کیک دیکھکر آگ بگولا ہو جاتی ہے)

بیوی۔ کیک جل گئے، کیک جل گئے۔ تم یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو، کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ کیک جل کر کوئلہ ہو گئے ہیں۔ کھانے کے لیے ہمیشہ مستعد مگر اتنا کام نہ ہو سکا۔ بڑے کاہل ہو۔ تمہیں اس کی سخت سزا دینی چاہیئے۔

الفریڈ۔ اے خاتون! میں معافی کا خواستگار ہوں۔

بیوی۔ خاتون! ہاں خاتون! میں تو ایک غریب محنت کرنے والی عورت ہوں۔ مجھے اپنے گھر میں ایسے کاہلوں کی ضرورت نہیں ہے۔ چلو، اب میرے گھر سے رخصت ہو (دروازہ کی طرف اشارہ کرتی ہے)

چرواہا۔ بیوی! بیوی! یہ کیا کر رہی ہو۔ خبردار! یہ ہمارے بادشاہ ہیں۔ (بیوی متحیر کھڑی رہ جاتی ہے اور چھ آدمی اسی وقت اندر داخل ہوتے ہیں)

پہلا افسر۔ اے میرے بادشاہ! کورنش۔ بندگی عرض ہے۔

(تمام ہمراہی آداب بجا لاتے ہیں)

دوسرا افسر۔ انگریز سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد آپ کی منتظر کھڑی ہے اب ہمیں موت چاہیئے یا فتح۔

(چرواہا اور اس کی بیوی الفریڈ کے قدموں پر گر جاتے ہیں)

بیوی۔ میرے بادشاہ! مجھے معاف کر دے میں تجھ سے واقف نہ تھی۔

چرواہا۔ اے بادشاہ۔ اسے معاف کر دے محض لاعلمی کی وجہ سے اس سے یہ قصور سرزد ہوا۔

الفریڈ۔ اے میرے محسنو! اُٹھو۔ تم نے میری اس وقت مدد کی جب میں دشمن کے خوف سے پریشان پھر رہا تھا۔ اب میں تمہارے اس نیک سلوک کا شکریہ ادا کرتے ہوئے رخصت

کی درخواست چاہتا ہوں اور پھر اسوقت ملوں گا جب تخت پر میرا پورے طور سے قبضہ ہو جائے۔

خدا حافظ۔

الفریڈ۔ اپنے ساتھیوں سے۔ اب ہم مادر وطن کو دشمنوں کے پھندے سے چھڑانے کے لئے روانہ ہوتے ہیں۔ ہمیں فتح نصیب ہو یا موت۔

تمام سپاہی اپنی تلواریں میان سے نکال کر نعرے لگاتے ہیں۔ "فتح یا موت"

بوڑھی عورت انہیں جاتے ہوئے دیکھتی ہے۔ جب وہ نظر سے غائب ہو جاتے ہیں تو اپنے شوہر سے کہتی ہے۔ "وہ چاہے بادشاہ ہو یا غریب اسے چاہیئے تھا کہ میرے کیک نہ جلنے دے!"

(ترجمہ)

صالحہ خانم حیدرآباد دکن

ایک مُفید تجویز

بزم عصمت کے صفحات اس میں شک نہیں بہت دلچسپ ہوتے ہیں مگر شادی غمی وغیرہ کے جو خطوط درج ہوتے ہیں ان سے نہ تو بہنوں کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے نہ رسالہ کو۔ اگر کسی صاحب کی شادی ہوئی یا کسی بہن کے ہاں بچہ ہوا تو دوسری بہنوں کا کیا انھوں نے منہ میٹھا کرا دیا تھا جو رسالہ میں لکھا گیا یا اپنے رسالہ کی بھی کچھ مدد کی جو چار سطریں لے لیں۔ یہ معاملات بالکل نجی کے ہیں جن سے دوسری بہنوں کو عموماً کوئی خاص دلچسپی نہیں ہو سکتی ہاں جن بہن کے متعلق چھپا ہے وہ ضرور خوش ہو لیں کہ ہزاروں بہنوں نے یہ خوشی کی خبریں پڑھی ہونگی مگر میں پوچھتی ہوں وہ مفت میں یہ خوشی کیوں حاصل کرتی ہیں۔ کسی عزیز کے انتقال پر پھولوں میں اور چالیسویں میں تو روپیہ اُٹھایا جاتا ہے مگر ایصال ثواب کے لئے بیوہ نادار عورتوں کی مد در رسالہ مفت جاری کرا کے کیوں نہیں کی جاتی۔ بچہ کی ولادت، شادی، امتحان کی کامیابی، غسل صحت وغیرہ وغیرہ کے موقعوں پر قرض دام تک کر کے اُٹھایا جاتا ہے مگر یہ خوشی کی خبریں جو ہزاروں بہنیں پڑھتی ہیں رسالہ میں مفت کیوں درج کرائی جاتی ہیں؟ ایسے خوشی کے موقعوں پر علمی خیرات کیوں نہیں کی جاتی؟ میری رائے تو یہ ہے اس قسم کی ہر خط کے ساتھ کچھ نہ کچھ روپیہ بھی عصمت کے نادار فنڈ کے لئے ضرور بھیجا جائے اس سے پہلا فائدہ تو یہ ہوگا کہ غریب بہنوں کے نام رسالہ جاری ہوگا اور وہ مخیر بہن کے لئے دُعا کریگی۔ دوسرے ہمارے پیارے رسالہ کی مدد ہوگی جو ہماری وجہ سے ہزار ہا روپیہ کا نقصان اُٹھا رہا ہے تیسرے اس خیال سے بھی خوشی حاصل ہوگی کہ کم استطاعت نادار بہنوں کو علمی شوق اس خوشی کی یادگار میں پورا کیا۔ چوتھے شہرت ہوگی +

سعادت بیگم (بنارس)

مُہاسے دُور کرنے کے نسخے

فطرتی حُسن وہ چیز ہے۔ جس پر دُنیا کی تمام چیزیں قربان کی جاسکتی ہیں۔ اور ہر عقلمند کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اس فطرتی چیز کو برقرار رکھے۔ چہرہ کی رعنائی کو جسطرح مہاسے اور جھائیں ملیامیٹ کر دیتی ہے کہ وہ رخسارے جو گلاب کے مانند سُرخ اور مخمل کی طرح مُلایم ہوتے ہیں چند روز میں ایسے ہو جاتے ہیں کہ اُنکی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھنے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ عصمتی بہنوں کے فائدے کی غرض سے چند مہاسے اور جھائیوں کے مجرب نسخے لکھتی ہوں جو میرے بھائی حکیم شفقت علی صاحب نے عطا فرمائے تھے۔

نمبر (۱) مشقر [۲ تولہ]۔ شیر گاؤ میں خوب جوش دیکر سائے میں خشک کریں اُس کے بعد اُسکو پیسکر اسمیں زردچوب [۳ ماشہ] پھٹکری [۲ ماشہ]۔ ملاکر سفوف بنائیں۔ سفیدی بیضۂ مرغ میں ملاکر طلا کریں۔

نمبر ۲۔ حسن یوسف۔ آردِ نخود۔ دیریاں۔ صندل سفید۔ زرہ سفید۔ آگر۔ نگر [۳ ماشہ]۔ عود صلیب [۳ ماشہ]۔ تخم مولی [۵ ماشہ]۔ انکا سفوف کر لیا جاوے۔ اور تین ماشہ سفوف عرق گلاب میں ملاکر طلا کریں۔

نمبر ۳۔ لک مقسول۔ سفیدا کاشغری۔ دونو ہم وزن بالعاب بیدانہ خمیرہ کردہ فرص بسازند یک فرص با روح گلاب سائیدہ طلا کنند۔

همشیرہ حکیم شفقت علی صاحب آنولوی

کلی

نسیم صبح چمنستان کی فرحت افزا خوشبو کو دور دور پہنچانے کی کوشش کر رہی تھی بادِ صرصر کے جانفزا جھونکوں سے تمام چمن میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ پھول مسکرا مسکرا کر سرگوشیاں کر رہے تھے مگر ایک کلی اپنی شاخ پر اطمینان سے آنکھیں بند کئے "مسلم ہندی" کی طرح محوِ خواب تھی وہ بے خبر تھی کہ چمن زار میں کیا ہو رہا ہے۔ نسیم صبح اسے تھپکیاں دے دے کر سلا رہی تھی مگر وہ بے خبر تھی کہ یہی نسیم اسے اپنے مسکنِ اطمینان سے تپتی ہوئی زمین پر گرا دے گی۔

شام کا سہانا سماں ہے آفتاب کا چہرہ دن بھر کی جد و جہد سے سُرخ ہو رہا ہے آہستہ آہستہ دور وادیوں میں اپنا منہ چُھپا رہا ہے پھول اپنی شاخوں پر جھوم جھوم کر کھلکھلا رہے ہیں۔ ایک کلی گرم زمین پر مُرجھائی ہوئی پڑی ہے مگر اب بھی وہ اپنی حالت زار پر خوش ہے اور محوِ خواب!

شرافت بیگم بنت محمد سعید خاں

جواب طلب اُمور کیلئے جوابی کارڈ بھیجئے اور اگر تبدیلی پتہ کی ضرورت ہو فوراً ہمیں اطلاع دیجئے۔

منیجر

زچّہ خانہ

جن لوگوں نے اس انقلاب پذیر عالم اور ہر گھڑی متغیر ہو جانے والی دنیا میں تاریخ اقوام کو بغور مطالعہ کیا ہے۔ انھیں بخوبی معلوم ہے کہ ایک زمانہ وہ بھی تھا جب حضرت انسان وحشیانہ یا کم از کم نیم وحشیانہ حالت سے درختوں پر رہے۔ غاروں میں منہ چھپائے پھرتے تھے۔ برگ پوشی و نباتات خوری پر انکی گذران تھی۔ لیکن زمانہ کی تدریجی ترقی کے ساتھ اون میں ایک تغیر عظیم واقع ہوتا ہے۔ انکی جہالت کی تاریکی میں عقل کا چراغ روشن ہو جاتا ہے۔ اسی کی وجہ سے اونھیں اپنے گرد وپیش کی چیزیں نظر آنے لگتی ہیں۔ اور یہی عقل اونھیں قعر مذلت سے نکال کر صراط مستقیم پر چلنے میں رہنمائی کرتی ہے عقل ایک ایسی شے ہے جو خداوند کریم نے ازل ہی سے ہر فرد بشر کو عطا فرمائی ہے اور اسی کی بدولت اُسے تمام مخلوقات پر افضلیت بخش کر اشرف المخلوقات کے معزز لقب سے سرفراز کیا ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ انسان اسکا صحیح طور پر استعمال نہیں کرتا۔ بلکہ حالت یہ ہے کہ وہ عقل و سمجھ کو بالائے طاق رکھکر محض دقیانوسی و بوسیدہ خاندانی رسومات کا ایسا گرویدہ ہوتا ہے اور اس کی تعمیل اسقدر ضروری سمجھی جاتی ہے جس طرح مذہبی ارکان کی پابندی۔ اسکی تکمیل میں عقل کا وجود معطل مذہب کا خیال عبث۔ اخلاق کی صفت مسدود و رذائل اور احساس کی قوت کا خون کرنے میں کوئی رکاوٹ و تکلف نہیں ہوتا۔ مجھے نہایت افسوس کے ساتھ اظہار کرنا پڑتا ہے کہ تعلیم یافتہ گھرانوں میں خصوصیت کے اس قسم کا مرض جسے "خاندانی رسومات" کے نام سے نامزد کیا جاتا ہے عام طور پر رائج ہے۔ اسکا دائرہ اسقدر وسیع ہے کہ عقل حیران ہے۔ اور چنانچہ اسوقت میرا موضوع بحث انھیں رسومات و اصول کی طرف کچھہ روشنی ڈالنے کا ہے اور اس مضمون میں عورتوں کے اُن رسومات کی طرف توجہ مبذول کرانی ہے جو بچہ کی ولادت کے سلسلہ میں ظہور میں آتی عمل میں آسکتی ہے۔ بہرکیف ضرورت اس امر کی ہے لیکن قبل اس کے کہ میں اس کے متعلق کچھہ عرض کروں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زچہ خانہ کا مرقع بھی ناظرین کے سامنے پیش کر دوں۔

مکان میں ایک تنگ و تاریک کمرہ جس میں حتی الامکان کھڑکیوں کا وجود نہ ہو۔ ہوا کا گذر بھی کسی طرح ممکن نہ ہو۔ ایسی جگہ واقع ہو جہاں سے مکان بھی نہ دکھائی دے۔ زچہ کے لیئے جو دوستی کی محافظت

کے لئے قدرتاً مجبوراً ہے منتخب کیا جاتا ہے پیدایش وولادت کے وقت یہ اہتمام ہوتا ہے کہ بلا تکلف وبلا تخصیص موسم کمرہ کے اندر جس کے تمام دروازے، کھڑکیاں۔ کواڑ۔ حتیٰ کہ سوراخ تک بند کر دئے گئے ہیں۔ ہوا کا کہیں سے گذر ممکن نہیں ہے۔ کوئی روشندان بھی نہیں ہے۔ ایک مٹی کا برتن اوپلہ کی آگ سے پُر جس سے دھواں نمودار ہو رہا ہے زچہ کی چارپائی کے قریب رکھا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ زچہ کا باس و بستر بھی نہایت کثیف ہوتا ہے۔ غرضیکہ اس آرایش وزیبائش کے بعد بچہ کی آمد آمد کا نہایت شدومد کے ساتھ انتظار کیا جاتا ہے۔ بچہ اسی تنگ وتاریک کمرہ میں آنکھیں کھولتا ہے۔ کمرہ کا دھواں، آنکھ، کان، ناک منہ میں داخل ہوتا ہے وہ گھبراتا ہے۔ پریشان ہوتا ہے۔ اپنی پریشانی کا اعادہ رو کر، چیخ کر چلا کر کرتا ہے۔ لیکن گھر والوں پر اسکا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ وہ اگر اسکا کچھ علاج کرتے ہیں تو یہ کہ دھواں دار آگ چارپائی کے اور قریب کر دیتے ہیں۔ مزید تاکید اس امر کی ہوتی ہے کہ کمرہ کا کوئی دروازہ نہ کھلنے پاوے تاکہ اوپری خلل وغیرہ سے نجات رہے۔ روشنی بھی کسی طرح کمرہ میں نہ داخل ہو سکے۔ یہیں تک اکتفا نہیں ہوتی بلکہ اکثر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ مٹی کے تیل کا چراغ بھی زچہ خانہ میں جس کے تمام دروازے بند ہیں رکھا ہوا ہے۔ جس کی سیاہی اُڑ اُڑ کر تمام چہرہ پر پہونچتی ہے۔ اور ناک۔ منہ۔ کان میں داخل ہوتی ہے۔ جس وقت زچہ خانہ کے اندر سے کوئی باہر نکلتا ہے اس کی صورت دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ ایک جمائیں بھی جو گندگی کا مجسمہ ہوتی ہے اور سر سے پیر تک کثافت کی زندہ تصویر ہے پیدایش کے وقت زچہ کے تمام ضروری کام اپنے مُبارک ہاتھوں سے انجام دیتی ہے۔

نار کو ہنسوے ٹھیکرے یا اگر کچھ سمجھدار ہوئی تو زنگ آلودہ کُند قینچی سے تراشتی ہے۔ "جس قدر کپڑوں کی ضرورت ہوتی ہے تمام کثیف۔ میلے۔ خراب وگندے پارچہ جات استعمال میں لائے جاتے ہیں۔ غرضیکہ اس اہتمام وانتظام کے ساتھ نیز اس رسم کے زیر اثر بچہ دنیا میں قدم رکھتا ہے۔ اب میں اسقدر واقعات لکھنے کے بعد تعلیم یافتہ بہنوں سے انکی آزادانہ رائے لونگا۔ اور اُنسے اس امر کی درخواست کرونگا کہ وہ ذرا ٹھنڈے دل سے محض ایک سرسری نظر ڈال کر مجھے بتلائیں کہ اخلاقی، تمدنی، مذہبی کس حیثیت سے یہ فعل انکا کس حد تک حق بجانب ہے میرے خیال ناقص میں اسکا مختصر جواب تو یہی ہے کہ اخلاق، تمدن اور مذہب کوئی گندگی وکثافت کی اجازت نہیں دیتا۔ اب غالباً یہ سوال پیدا ہوگا اور اکثر گھرانوں میں اس قسم کے الفاظ سُنے گئے ہیں اور اسکا اعادہ کیا جا چکا ہے کہ آخر ان رسومات کے زیر اثر نقصان ہی کیا ہے۔ یہ تو خاندان میں ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ بھلا اس میں اصلاح کیونکر ممکن ہے۔ آخر قوم کے نونہالان اسی طرح بار آور ہوئے اور انکا زمانہ پیدایش انھیں رسومات کے

زیر اثر گذرا۔ میں سچ کہتا ہوں اور محض میں ہی نہیں بلکہ دُنیا کے بڑے بڑے حکما وڈاکٹروں کا قول ہے کہ ہندوستان میں ۸۰ فیصدی جانیں اسی لاپرواہی، گندگی اور بداحتیاطی کی بدولت ایک مہلک اور لاعلاج مرض کے زیر اثر ضائع ہوتی ہیں۔ یہ مرض جسے تپ کہنہ یا دق کے نام سے موسوم کرتے ہیں عام طور پر ہندوستان میں بلائے بے درماں کی طرح پھیلا ہوا ہے اور ہماری ہی غفلت سے ہمارے گھروں میں نشوونما پاتا ہے۔ عورتوں کا زچہ خانوں میں اس گندگی اور عدم صفائی کی وجہ سے شکار کرتا ہے۔ عورتوں سے بچوں پر اسکا اثر پڑتا ہے اور رفتہ رفتہ ان پر بھی اپنا تسلط جماتا ہے۔ کسی پر اس بیماری کا اثر فوراً زچہ خانہ ہی سے شروع ہو جاتا ہے اور کسی پر رفتہ رفتہ اپنا قبضہ کرتا ہے اور دو ایک ولادت کے بعد اپنا پُورا رنگ جما دیتا ہے۔ اِسے مدلل الفاظ میں یوں سمجھ لیجئے کہ اِنسان کے خون میں کچھ ایسے مادے ہوتے ہیں جو بیماری کے وقت بیماری کے جراثیم کا مقابلہ کرتے ہیں۔ قوی۔ توانا اور تندرست آدمی کا خون بیماری کے کیڑوں پر غالب آجاتا ہے اور اس طرح بیماری دفع ہو جاتی ہے۔ لیکن کمزور آدمی کے خون کی طاقت۔ کمزوری۔ گندگی اور عدم صفائی کی وجہ سے کم ہو جاتی ہے۔ اس لیئے بیماری کے کیڑے غالب آجاتے ہیں۔ پس اس طرح بیماری کا آغاز ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کمزور عورتوں پر بیماری کا اثر فوراً اول ہی ولادت میں رونما ہو جاتا ہے اور قوی عورتوں پر یہ مرض اپنا تسلط اس وقت جماتا ہے جب متواتر ولادت کے بعد۔ عدم صفائی۔ گندگی اور بدعنوانیوں کی وجہ سے ان کے قوی کمزور ہو جاتے ہیں۔

اس عالمگیر اور عام مرض کے علاوہ "زچہ خانہ کے بخار" کا نام بھی تجربہ کار اور سمجھدار عورتوں سے مخفی نہیں یہ مرض محض دائیوں کی ناتجربہ کاری اور ولادت کے بعد زچہ کے گندے وکثیف کپڑوں کے استعمال میں لانے سے نشوونما پاتا ہے۔ زیادہ دور نہ جایئے غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ آخر دوسری قوموں کے یہاں اُنکی عورتوں اور بچوں کی تندرستی وصحت کا راز کیا ہے۔ اُنکی تندرستی کیوں قابل رشک ہے آخر اسکا کیا باعث ہے۔ وہ کس چیز کے عامل ہیں۔ میرے خیال میں تو محض صفائی، ستھراپن۔ اور پابندی اوقات۔ یہی ایسے اوصاف ہیں جن کی وجہ سے اونکی نسل ہندوستانیوں سے زیادہ قوی وتندرست ہوتی ہے۔ دوسری قوموں کی مثال سے میرا یہ مقصد نہیں ہے کہ اونکی تقلید کی جاوے یا اُنسے اسراف بیجا کا سبق لیا جاوے لیکن جائز حمایت وصحیح اصول پر کاربند نہ ہونا دانشمندی کے خلاف اور عقل سے انحراف کرنا ہے کوئی عقل سلیم اسے ایک منٹ کے لیئے بھی تسلیم نہ کرے گی کہ صفائی وستھرے پن کے لیۓ رقم وزر کی ضرورت ہوتی ہے میرے خیال میں تو اِنسان محض سلیقہ وانتظام کی مَدد سے تھوڑی سی رقم کے ذریعہ

سے یہ اہم کام پایۂ تکمیل کو پہونچا سکتا ہے۔

ذیل میں ہم دوسری قوموں کے اس اصول یعنی زچہ خانہ کا نقشہ ناظرین کے سامنے پیش کرکے سوال کرونگا کہ انکی کس مدیاشق میں ایک معقول رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ عورتیں ادنے کم از کم اس مسئلہ میں سبق حاصل کرکے اپنی مدد آپ کریں گی اور اس بدانتظامی اور غلط اُصول کے تدارک میں اپنی کوشش بلیغ سے کام کو اس ہلاکت و تباہی سے بچائیں گی۔

۱۔ انکے یہاں زچہ کے لئے ایک ہوادار۔ صاف ستھرا۔ کشادہ اور تاریک کے بجائے روشن کمرہ منتخب ہوتا ہے۔

۲۔ زچہ خود اپنی صفائی کا خاص اہتمام رکھتی ہے۔ اسکا بستر صاف ستھرا ہوتا ہے۔ کپڑے قیمتی نہیں لیکن دُھلے اور صاف پہنائے جاتے ہیں۔

۳۔ دردِ زہ شروع ہونے پر زچہ یعنی (ماں) کے قبض کا انسداد بذریعہ امل (اینا) کیا جاتا ہے۔

۴۔ انکے یہاں چمائن کے بجائے ایک ہوشیار و تجربہ کار۔ صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے ایک دایہ موجود رہتی ہے جو زچہ خانہ کے تمام کام صفائی۔ ستھرے پن سے انجام دیتی ہے۔

نوٹ۔ اگر دائی کے بجائے تجربہ کار چمائن صاف ستھرے کپڑوں کے ساتھ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔

۵۔ جس وقت حاملہ عورت زچہ خانہ میں منتقل کی جاتی ہے۔ اس امر کا خاص اہتمام ہوتا ہے کہ زچہ کے کمرہ میں پہلے سے تمام ضروری سامان موجود رہیں۔ اس لئے کہ اسے نازک وقت میں نہ معلوم کیا ضرورت پیش آجائے۔ تلاش کرنے میں دیر کا احتمال اور اس پر جلدی میں خراب و گندی چیزوں کا دستیاب ہونا ممکن ہے۔ اسی لئے زچہ خانہ میں ولادت سے قبل مندرجہ ذیل چیزوں کا پہلے سے موجود رہنا لازمی ہے۔

ماں کے لیے

۱۔ ولادت کے بعد شکم پر بندش کے لئے چار سوا گز لانبے اور نصف گز چوڑے مضبوط ٹکڑے۔

۲۔ نصف درجن گدی نما۔ ملائم و صاف

۳۔ کچا دھاگا جو تہہ کرنے کے بعد نار کے باندھنے کے کام آوے۔

بچہ کے لئے

۱۔ ولادت کے بعد بچہ کے لئے فلالین خواہ پرانے کمبل کا مربع نما ٹکڑا۔

۲۔ بچہ کی آنکھ، منہ، صاف کرنے لئے کئی صاف۔ ملایم، چھوٹے ٹکڑے۔

۳۔ صاف روئی بچہ کی ناف پر رکھکر باندھنے کے لئے۔

۴۔ تھوڑی سی ویسلین۔

ماں کے لئے

۴۔ تھوڑی سی صاف روئی و اسلین۔

بچہ کے لیئے

۵۔ تھوڑا سا بورک ایسڈ ناف پر چھڑکنے کے لیئے۔
۶۔ روغن زیتون یا کری اور تیل جس سے بچہ کے جلد سے روغن دار چیز صاف ہو سکے۔ ۷۔ ایک صابن جس سے بچہ نہلایا جائے۔ ۸۔ مناسب کپڑا جو پیدایش کے بعد نہلاکر بچہ کو پہنایا جا سکے۔ ۹۔ آنکھ میں ڈالنے کی دوا جو پیدایش کے بعد نہلاکر بچہ کی آنکھ میں ڈالی جا سکے۔ کاسٹک لوشن ۲ گرین ایک اونس پانی میں ملاکر، آنکھ میں ڈالنے کے لیئے موزوں ہے۔

۱۔ مندرجہ بالا چیزوں کے علاوہ موسم سرما میں ایک انگیٹھی جس میں کوئلہ کی دہکتی ہوئی آگ ہو موجود رہنا لازمی ہے۔
۲۔ دو برتن جس میں گرم و ٹھنڈا پانی علٰحدہ علٰحدہ موجود رہے۔
۳۔ تین چار ظروف کا ہونا۔ ۴۔ کافی مقدار میں کھولتے ہوئے۔ نیز ٹھنڈے پانی کا موجود ہونا
۵۔ پیدایش کے بعد بچہ کے پلانیکے لیئے ایک چھوٹا سا برتن۔ ۶۔ ایک چھوٹا سا طشت جس میں بچہ نہلایا جا سکے۔
۷۔ تیز صاف قینچی سے نار کاٹی جا سکے۔

ان تمام آصول پر کاربند ہوکر دوسری قوموں کے بچے اس صفائی و ستھرے پن کے ساتھ دُنیا میں قدم رکھتے ہیں۔ صاف ہوا۔ اُنکی خوراک ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انکے یہاں زچہ و بچہ دونوں صحت و تندرستی کے ساتھ زندگی گذارتے ہیں۔

یہانتک تو میرے مضمون کا تعلق زچہ خانہ کے رسم و رواج میں اصلاح سے تھا۔ جس سے یہ نتیجہ نکلا کہ ہماری ہی غفلت و سستی نا عاقبت اندیشی کی بدولت اور عدم صفائی و گندگی کی وجہ سے ہزاروں جانیں تلف ہوتی ہیں۔ اسی ضمن میں خالی از علت و خلاف مصلحت وموقع نہ ہوگا۔ اگر میں اسوقت معمولی لیکن اہم۔ ضروری و قابل عمل اصول بچوں کے دودھ پلانے کے متعلق بھی پیش کردوں تاکہ اس قسم کی بدعنوانیاں جو عموماً بچوں کے دودھ پلانے کے متعلق برتی جاتی ہیں رفع ہوجائیں اور عورتیں اس اہم مسئلہ کی ضرورت و اہمیت کو محسوس کرکے اس پر کاربند ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ کچھ دنوں تک انھیں پابندی ضرور تکلیف دہ معلوم ہوگی لیکن بعد میں وہ اسے قدر و عزت کی نگاہ سے دیکھکر پسند کرینگی۔

میں تمام باتیں مدلل و دلچسپ طریقہ سے قلمبند کرنے کی کوشش کرونگا تاکہ عورتیں ہر اُصول کے سبب و غایت اصلی سے اچھی طرح واقف ہوجائیں۔ بچہ کی پیدایش کے بعد یہ تو امر مسلمہ ہے کہ بچہ کی صحت و تندرستی کے لیئے ماں کا دودھ اس کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ لیکن کچھ صورتیں ایسی

ہیں مثلاً ماں کا تندرست نہ ہونا۔ ماں کے دودھ کا نہ اُترنا۔ بچوں کے ہونٹ میں کسی بیماری کا ہونا یا بچہ کا ایسی بیماری میں مبتلا ہونا جسکا اثر دودھ پلانے کی حالت میں ماں پر پڑنے کا احتمال ہو۔ ایسی صورت میں ماں اپنے بچہ کو قدرتی نعمت (اپنے دودھ) سے محروم رکھنے پر مجبور ہوتی ہے۔ اب دو ہی صورتیں پیش نظر ہیں یا تو ایک تندرست دایہ مقرر کی جاوے یا گائے کا دودھ خواہ ڈبہ کا دودھ خاص طریقہ کے ساتھ استعمال میں لایا جائے۔

صورت اولیٰ یعنی دایہ کے تقرر میں طوالت اور زیر باری سے مفر نہیں جو عام طور پر معمولی حیثیت والے کے امکان سے باہر ہے پس صورت ثانی یعنی گائے کے دودھ ہی کا استعمال آسان و قابل عمل ہے۔

بچہ کو کسی قسم کا دودھ کیوں نہ دیا جائے ہر حالت میں انکے دودھ پلانے میں تین باتوں کا خیال لازمی ہے۔

۱- پابندی اوقات ۲- صفائی ۳- بچہ کے لئے مناسب غذا کا انتخاب

۱- پابندی اوقات۔ بچوں کو مقررہ وقت پر دودھ پلانا چاہیئے۔ اگر بچہ مقررہ وقت پر سوتا رہے تو اُسے جگا کر دودھ دیا جائے ایسا ہرگز نہ ہونا چاہیئے کہ جس وقت بچہ روئے اُسے دودھ پلا کر خاموش کرنے کی کوشش کی جاوے اگر ماں بالکل تندرست ہو اور کوئی امر بچہ کو دودھ پلانے میں مانع نہ ہو تو پیدایش کے دو تین گھنٹہ کے بعد ۲۴ گھنٹہ میں کم از کم تین مرتبہ بچہ کو ماں کے سینہ سے لگانا ضروری ہے۔ اسکا فائدہ اور اصلی سبب یہ ہے کہ دودھ ہونے سے قبل ایک ایسی چیز پیدا ہوتی ہے جس کے پینے سے بچہ کی تندرستی پر اچھا اثر پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ زخم سے لوتھڑے و خون کے منجمد ٹکڑوں کے نکلنے میں مدد ملتی ہے۔

اول ماہ میں دن کو ہر دو گھنٹہ کے بعد اور رات میں ہر چار گھنٹہ کے بعد دودھ دینا چاہیئے۔ یعنی اول ماہ میں دن میں ۶ مرتبہ اور رات میں ۳ مرتبہ بچہ کو دودھ دینا لازمی ہے۔ دوسرے ماہ میں دن میں ہر ۲½ گھنٹہ کے بعد اور تیسرے ماہ میں ہر ۳ گھنٹہ کے بعد یعنی دوسرے ماہ میں دن میں ۵ مرتبہ اور تیسرے مہینہ میں دن میں چار مرتبہ اور رات میں صرف دو مرتبہ دودھ دینا مناسب ہے۔ اسی طرح عمر کے تقاضہ کے ساتھ مقدار دودھ زیادہ ہوتی جاتی ہے اور دودھ پلانے کا درمیانی تفاوت بڑھتا جاتا ہے۔

۲- صفائی۔ اگر بچہ ماں کا دودھ پیتا ہے تو بہتر یہی ہے کہ ماں دودھ پلانے کے وقت صفائی کا خیال رکھے۔ اگر بچہ کسی وجہ سے ماں کا دودھ نہیں پیتا تو دودھ دانی دودھ رکھنے سے قبل خوب اچھی طرح صاف کر لینی چاہیئے۔ دودھ دانی کشتی نما ہونی چاہیئے۔ جس کے دونوں سرے کھلے ہوتے ہوں۔ اس سے خاص فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی صفائی میں آسانی ہوتی ہے۔ بچہ کو دودھ پلانے کے بعد دودھ دانی کو

فوراً ٹھنڈے پانی سے دھو ڈالنی چاہیے۔ اس کے بعد کھولتے ہوئے پانی سے خوب اچھی طرح صاف کر لینی چاہیے۔ جب تک استعمال میں رہے بہتر یہ ہے کہ اُسے ایک سوڈا ملے ہوئے پانی کے برتن میں ڈبو کر رکھ دی جائے۔ پھر ہر وقت استعمال ٹھنڈے پانی سے صاف رکھکر بچہ کو دیا جائے چسنے کے ربڑ کو بھی ۲۴ گھنٹہ میں ایک مرتبہ خوب گرم پانی میں چند منٹ کے لئے ڈال کر نکال لینا چاہیے۔

بچہ کو دودھ پلانے کا طریقہ یہ ہے کہ ماں یا دایہ کے گھٹنوں پر ایک ہاتھ کی مدد سے بچہ لیا جائے اور دوسرے ہاتھ سے دودھ دانی لیکر دودھ پلایا جائے۔ جب بچہ حسب خواہش دودھ پی چکے تو دودھ دانی کا بچا ہوا دودھ فوراً پھینک دینا چاہیے۔ ایک مرتبہ کا پسماندہ دوسری مرتبہ ہرگز استعمال میں نہ لانا چاہیئے۔

محمد اعظم احراری میڈیکل افسر

نا انصافی

اس ماہ کے سالگرہ نمبر میں صفحہ ۴۴ پر ایک مضمون محترمہ شریف خانم صاحبہ کا بعنوان "نتھ کی رسم" چھپا ہے۔ مجھے افسوس ہے بہن صاحبہ موصوفہ نے مضمون میں کئی مقامات پر بڑی نا انصافی سے کام لیا ہے۔ رسالہ عصمت بابتہ اکتوبر ۲۹ء کے صفحہ ۲۹۵ پر میرا ایک مضمون بعنوان "چوتھی کا جوڑا" چھپا تھا بہن صاحبہ نے جا بجا میرے مضمون سے جملے لیکر اپنے مضمون میں شامل کر دیئے ہیں۔ کہیں کہیں الفاظ بدل دیئے ہیں لیکن اکثر یہ کیا ہے کہ جملے بجنسہ میرے مضمون سے نقل کر لیئے ہیں۔ چنانچہ بہن صاحبہ کے جملے "ترقی ثانی غریب ہو یا امیر...... خوب جانتا ہے"۔ "نا عاقبت اندیش لوگ...... کر دیتے ہیں"۔ "میں جانتی ہوں ...... کریں گی" "میری عزیز بہنو!...... کوشش کریں" میرے مضمون سے بجنسہ یا تھوڑے تغیر و تبدل کیساتھ لئے گئے ہیں۔

مجھے اسکا چنداں افسوس نہیں کہ بہن صاحبہ موصوفہ نے میرے مضمون سے ناجائز فایدہ اُٹھایا۔ البتہ چونکہ عصمت کا ایک مقصد عظیم ہندوستانی خواتین میں انشاء پردازی کا ذوق پیدا کرتا ہے اس لئے جب تک مضمون طبع زاد نہ ہو کوئی فائدہ نہیں۔ علاوہ ازیں دوسرے کے مضمون پر بیجا دست اندازی کرنا اخلاقی نقطۂ نظر سے بھی نہایت معیوب ہے۔

ص خانم بنارس

برما کی عورتیں

برما کی عورتیں کیا بلحاظ اپنی نسائیت اور کیا بلحاظ اپنی انسانیت کے مشرقی تہذیب کا قابل نمونہ ہوتی ہیں۔ وہ اپنے قبیلہ کی سرتاج ہوتی ہے۔ برما کی عورت مردوں کے دوش بدوش ہر شعبہ زندگی میں گامزن رہتی ہے۔ مغرب کی طرح عورت مرد کی حریف نہیں ہے کہ اسے ہر میدان میں زک دے بلکہ وہ صحیح معنیٰ میں "شریک زندگی" ہوتی ہے اور مرد کی حلیف بنکر اس کے بوجھوں کو کم کرتی ہے اور صحیح معنوں میں عورت کے مفہوم اور مقصود تخلیق کو پورا کرتی ہے۔

مندر۔ مکان، بازار غرض ہر جگہ عورت ایک قابل لحاظ عنصر ہے۔ اگر آپ کسی جوہری کی دوکان پر جائیں تو عورت کو ایک ایسے رفیع کام پر مامور دیکھیں گے جو دوسرے ممالک میں کیسر مردوں کے لئے مخصوص ہے۔ چھوٹی چھوٹی دوکانوں پر پھل اور پھول بیچتی ہوئی نظر آئے گی۔ ریلوے سٹیشن پر ٹکٹ بھی فروخت کرتی ہوئی نظر آئے گی۔ ملک کی تجارت کا بیشتر حصہ عورتوں کی مستعدی سے سرانجام پا رہا ہے۔ اگر کوئی چاہے تو زود نویس اور ٹائپ نویس لڑکیاں بھی فوراً مل سکیں گی۔

برما کی عورتیں کوئی ایسا لفظ اپنے نام کے پیچھے نہیں استعمال کرتیں جس سے یہ ظاہر ہو کہ وہ شادی شدہ ہے یا ناکتخدا۔ وہ اپنے بچوں کی مشفق بننے پر ماں تصور ہوتی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ عام پبلک سے تعظیم کی مستحق ہے۔

افسوس کہ برما کے مرد قدر عیش پسند اور آرام طلب ہوتے ہیں۔ انکی عورتیں بہت عرق ریزی سے محنت کرتی ہیں اور اس ایثار سے کام لیتی ہیں کہ مشرق ہی کے شایاں ہے۔ مردوں کے جملہ تعیشات کے لئے عورت سامان فراہم کرتی ہے اور صرف اتنے صلہ کی خواہشمند ہوتی ہے کہ جسم و روح کا تعلق برقرار رہے۔

شادی کے موقع پر ان میں کسی رسم کا انعقاد نہیں ہوتا۔ دنیا میں سب سے سادہ رسم شادی صرف برمیوں میں ہوتی ہے۔ ایک کاٹ کے پیالہ میں دولہا دلہن چاول کھا لیتے ہیں جو ایک عام دعوت کے درمیان ہوتی ہے۔ سب لوگ چاول اور چٹ کھا پی کر چل دیتے ہیں۔ بس یہی شادی ہوتی ہے۔ وہاں کسی سرکاری اجازت یا مذہبی پروہت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

ظاہر ہے کہ وہاں کی طلاق بھی بہت سہل ہوتی ہوگی۔ چنانچہ جب کبھی میاں بیوی میں ناچاقی ہوجاتی ہے تو وہ اپنے گاؤں کے مقدم کے پاس جاتے ہیں۔ وہ نیک آدمی انھیں راضی کرنے کی انتہائی کوشش کرتا ہے اگر وہ نہ مانیں تو وہ کہدیتا ہے کہ آج سے تم دونوں کی شادی فسخ ہوئی اور پھر وہ اپنے اپنے جوڑے کے لئے آزاد ہوجاتے ہیں۔ پھر کوئی جھگڑا نہیں رہتا اور ہر ایک الگ الگ شادی کرکے اپنی اپنی جگہ مطمئن ہوجاتا ہے۔

وہاں کی عورتوں کو اپنے بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت میں بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے مگر وہ نہایت شفقت اور ہمدردی سے اپنے فرایض انجام دیتی ہیں۔ اپنے بچوں کو تعلیم سے آراستہ کرتی ہیں سب سے پہلے انہیں مذہبی نوشتے ازبر کراتی ہیں۔ گویا مذہبی زندگی کا سنگ بُنیاد ہوتے ہیں شروع ہی سے انکے دماغوں میں حبّ وطن، مذہب پرستی اور اخلاقی رفعت کے خیالات پیدا کیے جاتے ہیں۔

گو برما میں طلاق کا طریقہ بہت سہل ہے لیکن وہاں اس کی گرم بازاری نہیں ہے کیونکہ میاں بیوی کے درمیان وہاں بہت کم ناچاقی ہوتی ہے۔

برما کی عورتیں ظاہری محاسن میں بھی کسی طرح کم نہیں ہوتیں۔ خوبصورتی کا مجسمہ ہوتی ہیں۔ آنکھیں چمکیلی، کالی اور کبھی کبھی بھوری ہوتی ہیں۔ پیشانی اونچی اور گول ہوتی ہے۔ وہ اپنے سر کے اوپر بالوں کی چوٹی اسطرح گوندھتی ہیں کہ انکے سر کی بناوٹ انڈے کے مانند ہوتی ہے۔ اور وہ انکے تصور میں بہت خوبصورت ہوتی ہے۔ ان کے جسم کا رنگ زردی مائل ہوتا ہے جب انکے سُرخ لب ایک شیریں تبسم کے ساتھ ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں تو انکا چہرہ سُکڑ جاتا ہے اور بہت حسین معلوم ہوتا ہے۔

وہ طرح طرح کے غازے بھی استعمال کرتی ہیں۔ بالوں میں تزئین کے لیۓ طرح طرح کے پھول گوندھتی ہیں اور خوبصورت رومال باندھتی ہیں۔ چہرہ پر رنگ ملنے اور جسم گدوانے کی رسمیں قدیم ایام سے چلی آتی ہیں اور ان کے مرد اسے بہت عمدہ تصور کرتے ہیں۔

برما کی عورتیں زیورات کی زیادہ حریص نہیں ہوتیں۔ کبھی کبھی گلوبند، اور چوڑیاں پہن لیتی ہیں۔ ناک میں مرصع کیل کا بھی رواج ہے۔ چالیس برس کی عمر کے بعد عورت زیور کا استعمال بالکل ترک کردیتی ہے اور اپنے زیورات کسی اور کم عمر لڑکی کو دیدیتی ہے۔ مثلاً ماں اپنی بیٹی کو، خالہ اپنی بھانجی کو۔

وہ صحت کا بہت لحاظ رکھتی ہیں۔ ناخن خوب صاف رکھتی ہیں۔ جسم ہمیشہ صاف ستھرا رکھتی ہیں۔ ان کے گھروں سے نفاست پسندی کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ فطرتاً سادہ مزاج ہوتی ہیں اس لئے غیر ملکی لوگ انہیں اکثر دام تزویر میں پھنسا لیتے ہیں لیکن بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے مردوں

سے بیوفائی کریں۔

برما کی عورتیں تعلیم یافتہ ہوتی ہیں جس کی وجہ سے برمی قوم ایک بلند تعلیم یافتہ قوم بن رہی ہے۔ ان پر سکولوں کے دروازے عرصہ سے کھلے ہوئے ہیں۔ انھیں فنون لطیفہ سے از حد شوق ہوتا ہے اپنے گھروں کو خوبصورت تصویروں اور رنگین نقوش سے مزین کرتی ہیں۔ گانے میں بہت شغف کا اظہار کرتی ہیں۔ سنگار کرنے میں بھی وہ بہت انہماک سے کام لیتی ہیں مگر اس تمام عیش و آرام کے لئے وہ بہت محنت سے روپیہ کماتی ہیں۔

خواہ وہ غریب ہوں یا امیر وہ ہر حال میں خوش و خرم پائی جاتی ہیں۔

برما میں مرد، عورت حتیٰ کہ بچہ بچہ چرٹ کا بہت شائق ہوتا ہے۔ ان کے چرٹ خاص ساخت کے ہوتے ہیں۔ بعض بعض ۱۸ انچ لمبے اور چوتھائی انچ چوڑے ہوتے ہیں لیکن یہ خالص تمباکو کے نہیں ہوتے بلکہ ان میں خراب اجزا کی آمیزش بھی ہوتی ہے۔ وہاں کا تمباکو چونکہ بہت تیز ہوتا ہے اس وجہ سے اگر اس میں کھوٹ نہ ملائی جائے تو وہ مضر ثابت ہوتا ہے۔ اس چرٹ میں چوتھائی حصہ نباتات کا ہوتا ہے اس کے اوپر کیلے کا پتہ لپٹا ہوا ہوتا ہے۔

کاروباری زندگی کے علاوہ ان کی سوشل زندگی بھی کافی آزاد ہے ان پر بے جا قیود عاید نہیں ہیں۔ وہاں مرد و عورت کھیلوں میں برابر کا حصہ لیتے ہیں۔ پبلک مقامات پر ملتے جلتے ہیں مگر کہیں بد اخلاقی کا مظاہرہ نہیں ہوتا۔ وہاں کے مرد فطرتاً شریف النفس ہوتے ہیں اس وجہ سے وہاں کی عورتوں کی حفاظت کی زیادہ ضرورت پیش نہیں آتی۔ اپنے خاوند کے انتخاب میں بہت زیادہ دقتِ نظر کا ثبوت نہیں دیتیں کیونکہ محض ظاہری چیزوں کو دیکھ کر فریفتہ ہو جاتی ہیں لیکن یہ قابل تعریف ہے کہ مرتی بھرتی ہیں اور ہندوستانی عورت کی طرح اپنے انتخاب کرنا ہی ہیں کبھی اس سے ناخوش نہیں ہوتی ہیں۔

ان کا مذہب بدھ دھرم ہے جو اخلاق اور شوہر پرستی کی اعلیٰ تعلیم دیتا ہے۔ انکے گھر محبت اور ہمدردی کا نمونہ ہوتے ہیں۔ انکی زندگی قابل نمونہ ہوتی ہے کیونکہ بدھ دھرم کے اصول زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہیں۔

غرض برما کی عورت مشرق میں ایک قابل فخر نمونہ ہے اس نسائی عادات و اخلاق کا جس کی وجہ سے اسے ہمیشہ سے ایک فوقیت حاصل رہی ہے۔

ظفر قریشی دہلوی

مختلف ممالک میں مستورات کی زندگی

(۱) ملک روس کے علاقہ سائبیریا کے خطہ "سیمواں" کی عورتیں بیحد سادہ زندگی بسر کرنے کی عادی ہیں۔ کاہل اسقدر ہوتی ہیں کہ اپنے مکانات کو بھی روزانہ صاف کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتیں جب اُن کے خیموں کے فرش خاکی پر کوڑے کرکٹ کا انبار اسقدر زیادہ ہو جاتا ہے کہ اُسے اُٹھانا بھی مشکل ہوتا ہے تو وہ اپنے خیمے وہاں سے اُکھاڑ کر دوسرے صاف اور نئے قطعہ آراضی پر نصب کرتی ہیں۔ جس مقام سے خیمہ ہٹا لیا جاتا ہے وہ گندہ اور بالکل ناقابل استعمال سمجھا جاتا ہے اور پھر اُس جگہ اور آنے جانے والوں کو خیمہ نصب کرنے کا حق نہیں رہتا۔

(۲) **ترکستان** کی مستورات کی خانگی زندگی زیادہ تر کمبل بافی پر منحصر ہے۔ وہاں کے کمبل بیحد مضبوط، عمدہ اور مشہور ہوتے ہیں۔ اُنکی تیاری میں مصروفیت کا وقت عورت کے واسطے بہت بیش قیمت ہے اور اس لیئے خانہ داری کے دیگر حوائج ضروری کو نظر انداز کرنا مقابلتاً آسان اور منفعت بخش سمجھا جاتا ہے۔

(۳) **ترکمانوں** کے خام خس پوش جھونپڑے بالکل معمولی اور سادہ ہوتے ہیں۔ نہ اُن میں کھڑکیاں ہوتی ہیں اور نہ اندر زیب و زینت کا کوئی سامان ہوتا ہے۔ اس لیئے عورتوں کو کھڑکیاں دھونے یا دیگر سامان کو صاف رکھنے کی تکلیف گوارا کرنی نہیں ہوتی۔ مکان میں چند بنچوں اور میزوں کے علاوہ دوسرا سامان نہیں ہوتا ہے۔ اکثر اوقات "پستہ" کے بیج ہوا سے اُڑکر کچے مکانوں کی چھتوں اور چھپروں پر پہنچ جاتے ہیں مٹی میں جم جاتے ہیں اور برسات کے بعد چھتوں پر پستہ کے سبز لا تعداد جھنڈ لہراتے نظر آتے ہیں اور پھولنے پر دلکش نظارہ آنکھوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

(۴) **تبت** کی عورت اپنے گھر کی منتظمہ اور مختار کُل ہوتی ہے۔ نہ صرف معمولی روزمرہ کے جملہ خانگی کام ہی کرتی ہے بلکہ تعمیر مکان میں بھی کافی مَدد دیتی ہے۔ کھانا پکانا، گھر میں جھاڑو دینا، پانی بھرنا ہی اُس کے جسمانی قوٰے کی مضبوطی کے لئے کافی کام نہیں ہیں۔ بلکہ کھیتوں میں ہل چلانے، فصل بونے اور کاٹنے میں اپنے گھر کے مردوں کی کافی مدد کرتی ہے۔ صرف اسی پر بس نہیں۔ لکڑی کاٹنا اور بھاری گٹھڑوں کو سر پر رکھکر لیجانا عورت کے جسم کے اعضا اور رگ و پٹھوں کو مضبوط و قوی

بنانے اور اُس کی صحت وتندرستی کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری کام سمجھا جاتا ہے۔

(۵) **برما** میں عورت کھانا پکانے، باورچیخانہ میں اشیائے ماکولات ودیگر ضروری ظروف کے استعمال کے بارے میں اپنے آپ کو زیادہ پریشان نہیں کرتی ہے۔ موسم کے لحاظ سے اگر مطلع صاف ہوا تو کھانا گھروں کے باہر پکایا اور کھایا جاتا ہے۔ گھروں کے کرسی عموماً زمین سے آٹھ فیٹ اونچی ہوتی ہے۔ فرش بانس کے بید کا ہوتا ہے۔ اس طرح جتنا گرد وغبار فرش پر جمع ہوتا ہے اور کوڑا فرش پر گرتا ہے وہ سب بید کے خانوں میں سے زمین پر گر جاتا ہے۔ دری یا فرش کو جھاڑنے یا زمین کو صاف کرنے کی ضرورت واں ہوتی ہی نہیں۔

(۶) **جاپان**۔ میں زمانہ حال کے مطابق کچھ ترقی ہوئی اور ہو رہی ہے۔ مگر ابھی قدیم رسم ورواج دیہاتوں میں برابر جاری ہے۔ ہر عورت اپنا بستر صبح کو لپیٹ کر باندھتی اور علیحدہ رکھدیتی ہے۔ گھر کا سامان بھی جو زیادہ تر چٹائیوں اور گدّوں پر مشتمل ہوتا ہے اسی طرح لپیٹ کر روزانہ علیحدہ رکھدیا جاتا ہے۔ مکان میں نہ کھڑکیاں ہوتی ہیں جنکو دھونا پڑے اور نہ تصویریں ہوتی ہیں جن کے فریموں کو صاف کرنا پڑے۔ دیواریں اس طرح بنائی جاتی ہیں کہ گھروں میں صاف اور تازہ ہوا آنے کے لیے بوقت ضرورت دیوار کا کچھ حصہ اندرونی رُخ پر تہ کیا جا سکے۔ برتن اور کپڑے محض ٹھنڈے پانی میں دھوکر صاف کرلیئے جاتے ہیں پس مغربی دُنیا کی دو ضروری اشیاء یعنی صابن اور گرم پانی کی حاجت جاپان میں نہیں ہوتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ کپڑوں پر وہاں استری بھی نہیں کرنی پڑتی۔ اونی کپڑے بانس کے ڈنڈوں پر پھیلا کر خشک کرلیئے جاتے ہیں اور ریشمین کپڑے کو ہموار تختہ پر بچھاکر اُس کی شکنیں نکال کر دھوپ میں سکھا لیتے ہیں۔

(۷) **مصر** میں جو اقوام دریائے نیل کے ساحل پر آباد ہیں اُنکی عورتیں بستر تیار کرنے کے بارے میں دُنیا کی سب عورتوں سے زیادہ خوش قسمت ہیں۔ مکانات چکنی مٹی کے بنائے جاتے ہیں۔ کمرے کے وسط میں اور دیواروں سے ملحق کافی لمبے، چوڑے اور اونچے مٹی کے چبوترے مختلف پیمانوں کے تیار کرلیے جاتے ہیں جو حسب ضرورت میز، کرسی، اسٹول اور پلنگ کا کام دیتے ہیں۔

جزائر ہ ساموٗن میں بھی زمانہ قدیم کی سادہ زندگی کا بہت کچھ رواج ہے۔ وہاں غسل کرنے کے لیئے ٹب استعمال نہیں کیئے جاتے۔ مرد اور عورتیں روزانہ پہاڑی چشموں کے صاف اور ٹھنڈے پانی میں غسل کرتے ہیں۔ عورتوں کے پاس کدو یا ناریل کے دیگچے پیالے اور رکابیوں کے سوا

اور کوئی برتن نہیں ہوتا۔ تکیئے بھی عورتیں لکڑی کے بناتی ہیں۔ اُن پر نہ غلاف چڑھانے کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ اُن کو صاف یا چکنا کرنا پڑتا ہے۔ دری یا لکڑی کے فرش کے بجائے سُرخ وسفید چھوٹی چھوٹی صاف اور چکنی کنکڑیوں کا فرش تیار کرلیا جاتا ہے۔

(۹) **یمن** کے دیہات میں قہوہ کے پھل کے بجائے عورتیں اُس کے چھلکے کو جوش دیکر قہوہ تیار کرتی ہیں۔

(۱۰) **مغربی افریقہ** میں خانہ داری کے ضروری سامان کی قلت کے باوجود عورت کا زیادہ وقت عموماً گھر کے کسی نہ کسی کام ہی میں صرف ہوتا ہے۔ وہ قدیم طرز کے مطابق مکئی کو کوٹ چھان کر اُس سے طرح طرح کے کھانے تیار کرتی ہے "کساوا" کی جڑ سے بھی مختلف قسم کی غذا تیار کی جاتی ہے۔ اگر مرد کاشتکار ہے تو خانہ داری اور پرورش اطفال کے جملہ امور کے علاوہ عورت اپنی فصل کی تیاری میں بھی خاوند کا ہاتھ بٹانے میں اپنی ذمہ داری ضروری سمجھتی ہے"۔

عبدالرحمٰن علوی بی اے کاکوروی

مستقل عنوان

جملہ حقوق محفوظ

خانہ داری

جس میں سنگھار و آرائش

بھی شامل ہے

جو خوبصورتی کے لئے۔ جو کو دَل کے اس کی گول گری نکال لی جائے۔ ڈیڑھ چھٹانک گری ۱½ پاؤ پانی میں اسقدر اُبالیں کہ نشاستہ نکل آئے۔ اسے عمدہ باریک ململ میں چھان لیں۔ سادہ ٹنکچر بنزائن کے ۲۵ قطرے اس میں ملائیں اور اس مرکب کو بوتل میں ڈال لیں۔ چہرہ دھونے کے بعد جلد پر تھپکی دے کے تھوڑا تھوڑا لگائیں۔ خشک ہوجائے تو کریم اور پوڈر لگا لیا جائے۔

پسینہ زیادہ آتا ہو تو آش جو چھٹانک بھر میں ایسنس آف بارگمیٹ (bargamot) کے دس قطرے ملائیں۔ پانچ منٹ تک اس مرکب کو جلد میں جذب ہونے دیں۔ جو رہ جائے اسے پونچھ ڈالیں اور پھر خوب پوڈر چھڑک لیں۔

کھال پر عموماً چتیاں پڑ جایا کرتی ہیں۔ آش جو، سپرٹ آف وائن اور پانی ہموزن لے کے بوتل میں ملائیں۔ سنگترہ کے ڈھٹلہ پر پرانا ریشمی کپڑا لپیٹ کے اس سے چتیوں پہ لگائیں ہر چتی پر علٰحدہ علٰحدہ لگاتے جائیں۔ رات بھر لگا رہنے دیں۔ زیادہ عرصہ کی چتیاں جائیں گی تو نہیں لیکن زیادہ بدنما ہونے سے رُک جائیں گی۔ اس مرکب میں نئی چتیوں کو سفید کرنے کی خاصیت ہے۔ کچھ عرصہ بعد یہ چتیاں بالکل جاتی بھی رہتی ہیں۔

اگر کسی جگہ کا پانی جلد میں جلن پیدا کرے تو اس مرکب کی ایک چمچیہ ہر روز صبح کے وقت نہانے کے پانی میں ملا لی جائے۔

نفیس و نازک کپڑوں کی دُھلائی۔ دھوبیوں کی قلت کی وجہ سے عمدہ دُھلائی بہت کم میسر آتی ہے۔ ہر جگہ یہی رونا ہے کہ دھوبی نے کپڑا خراب کر دیا۔ فلاں چیز دھوبی نے کھو دی۔ افسوس یہ ہے کہ اس کا علاج سوچا ہی نہیں جاتا۔ یہاں کے رسم و رواج نے بہت سے عمدہ کام معیوب بنا رکھے ہیں۔ مغرب میں دُھلائی کا کام ایک سلیقہ شعار بی بی کے لئے ایک جوہر سمجھا جاتا ہے۔ وہاں یہ ایک فن ہے۔ پیرس میں جو دُھلائی کے بہترین کارخانے ہیں وہاں ملازمت کے لئے بیسیوں عورتیں درخواستیں دیتی ہیں۔ جب کوئی جگہ خالی ہوتی ہے۔ اُمیدواروں کا امتحان لیا جاتا ہے۔ اس کام میں سب سے زیادہ ماہر عورت کو نوکر رکھ لیا جاتا ہے۔ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ وہ اچھی استری بھی کر سکتی ہے کیونکہ استری کرنا ایک مشکل کام ہے۔ وہ استری کرنے کے لئے ایک رومال دیتے ہیں۔ اناڑی اور غلطیوں کے علاوہ دونوں طرف استری کرتے ہیں۔ اس سے کنارے سیدھے نہیں ہوتے اور سطح بھی ناملائم رہتی ہے۔

استری رومال کے حاشیوں پر البتہ دونوں طرف کرنی چاہیئے۔ پہلے اُلٹی طرف بعد ازاں سیدھی طرف

باقی حصہ پر سیدھی طرف ہی استری کرنی چاہئے۔

لیس اور عمدہ ریشمی کپڑوں کو ہاتھ سے دھونا چاہئے۔ پانی نہایت شیر گرم رکھا جائے اور خالص چربی کا صابن استعمال کیا جائے۔ تمام کپڑوں کو اُلٹ لینا چاہئے۔ صابن کے شیر گرم پانی میں جھاگ اُٹھاکے کپڑے اس میں اُلٹتے پلٹتے رہیں اور جہاں تک ممکن ہو بہت ہی کم مَلا دَلا جائے۔ اگر ان پر چکنائی کے دھبے ہوں تو کسی عام سوڈے سے پانی کو ملایم کر لیا جائے کسی موٹے اور ملایم کپڑے کو پھیلاکے ان کپڑوں پر گیلی حالت میں استری کی جائے۔ ساٹن پر ہمیشہ اُلٹی طرف استری کرنی چاہئے۔ سفید ریشمی کپڑے کو زیادہ گرم پانی میں دھونے سے اس کا رنگ خراب ہو جاتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کپڑا بہت پُرانا ہے۔ صابن کے جھاگ معمولی گرم پانی میں اُٹھاتے جائیں۔ اس میں کپڑا دھو لیا جائے۔ اس کے بعد ہر دفعہ گرم پانی کو ہلکا کرتے چلے جائیں۔ آخری دفعہ پانی میں لیموں کا رس نچوڑ دیں اور اس میں کپڑا دو چار منٹ پڑا رہنے دیں۔ اس سے کپڑے میں چمک آجاتی ہے اور سفیدی بحال ہو جاتی ہے۔ اگر تازہ لیموں کا موسم نہ ہو تو دو چمچہ سرکہ یا میتھلیٹڈ سپرٹ اس کی بجائے استعمال کر سکتے ہیں۔ ۱۴ چھٹانک پانی میں ایک بڑا آلو بیس کے ملا دیا جائے دو تین دن بعد ریشمی کپڑہ نتھرے ہوئے پانی میں اُلٹ پلٹ کریں۔ اس کے بعد سوکھنے کے لئے لٹکا دیں۔ یہ بہترین طریقہ ریشمی کپڑا صاف کرنے کا ہے۔

سیاہ ریشمی کپڑا صاف کرنا۔ الکحل شیر گرم پانی اور چھنا ہوا ٹھنڈا قہوہ لیں یا ایسا پانی لیں جس میں کوئی پُرانا چمکدار بکری کے چمڑہ کا دستانہ اُبال لیا گیا ہو۔ اس کا طریقہ یہ ہے۔ ڈیڑھ پاؤ پانی میں دستانہ ڈال کے اُبالیں حتےٰ کہ پانی آدھا رہ جائے۔ یہ دونوں قسم کے پانی صاف کرنے کی نہایت عمدہ خاصیت رکھتے ہیں۔

سیاہ ریشمی لباس کسی صاف شفاف میز پر پھیلائیں۔ کسی سیاہ ریشمی کپڑے کی ایک گدی بناکے اسپنج کے طور پر استعمال کریں۔ اس پانی میں اس گدی کو ڈبو ڈبو کے کپڑے پر نیچے کی طرف ہاتھ کا رُخ رکھ کے پھیرتے رہیں حتےٰ کہ سارا گیلا ہو جائے۔ اب اسے کسی الگنی پر لٹکا دیں تاکہ پانی رس رس کے نکل جائے۔ ابھی نمی باقی ہو اسے استری کرنے کے تختہ پر پھیلا دیں۔ اس پر ملایم سیاہ سوتی کپڑا یا سخت سیاہ ململ پھیلائیں اور اس پر معمولی گرم استری کریں حتےٰ کہ کپڑا خشک ہو جائے۔ پھر اسے تہ کئے بغیر کسی چیز پر لٹکا دیں۔

بعض آدمی ریشمی کپڑے پر استری نہیں کرتے بعض اس خیال سے کہ پانی رس رس کے کپڑا خود ہی ٹھیک ہو جائے گا لیکن استری جیسی خوبی اس میں پیدا نہیں ہوتی۔ استری اُلٹی طرف کرنی چاہئے اور ریشمی کپڑا سیاہ ہو تو سیاہ ہی کپڑا اس پر بچھا کے استری کرنی چاہئے۔

اگر ریشمی کپڑے پر چکنائی کے دھبے ہوں انہیں نپھتا یا پٹرول لگا کے دُور کر دیں لیکن ان چیزوں سے

آگ کافی دُور رکھنی چاہیے۔ یا فرنچ چاک ان پر اچھی طرح رگڑیں۔ رات بھر اسے لگا رہنے دیں۔ صبح کو برش سے اس پوڈر کو صاف کر دیں۔ اگر دھبہ اب بھی نظر آئے اس عمل کو دوبارہ کریں۔ فرنچ چاک ہر رنگ کے کپڑے پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ بنزین سے روغنی دھبے بھی دُور ہو جاتے ہیں لیکن بعض اوقات اس سے پانی سے دھبے پڑ جاتے ہیں جن کو فرنچ چاک سے دُور کیا جا سکتا ہے ٭

غسل حُسن افروز۔ پہلے زمانہ میں بھی عورتیں خوبصورتی بڑھانے کے لیے غسل کیا کرتی تھیں۔ آجکل یورپ کی عورتیں کلپ اور دودھ سے نہاتی ہیں۔ پیرس میں ایک رقاصہ سیروں کچے دودھ سے صبح ہی نہاتی تھی۔ اطبا کا خیال ہے کہ کلپ اور دودھ جلد کی خوبصورتی کو بڑھا دیتا ہے اور کوئی دوا ان دونوں کا اس اثر میں مقابلہ نہیں کر سکتی۔ کلپ (نشاستہ) سے جلد نرم اور مخملی ہو جاتی ہے اور دودھ سے پٹھوں میں جان آتی ہے اور کھال کو سفیدی مائل کر کے خوشنما بنا دیتا ہے ٭

غسل کے پانی میں نشاستہ کا ایک پیالہ گھول لیں اور غسل کر لیں۔ ابھی مساموں کا منہ کھلا ہو بہت گرم دودھ میں اسپنج ٹبو ڈبو کے جلد پر تھپک تھپک کے لگائیں ٭

دن بھر محنت کرنے کے بعد لیموں اور سرکہ کا غسل بہت تازگی بخشتا ہے۔ سرکہ کا ایک پیالہ اور چھ کٹے ہوئے لیموں پانی میں ڈال دیے جائیں۔ غسل سے چند منٹ پیشتر ایسا پانی طیار کیا جائے تاکہ یک جان ہو جانے کے لیے وقت مل جائے ٭

نیند نہ آتی ہو تو پانی میں روغن لیونڈر اور کچھ وِچ ہیزل ملا کے نہائیں۔ دماغ پر بڑا اچھا اثر پڑے گا۔ سمندر کے پانی میں غوطہ لگانا بڑی تازگی دیتا ہے۔ گھروں میں معمولی نمک شیر گرم پانی میں ملانے سے وہی اثر پیدا ہو جاتا ہے۔ آخر میں ٹھنڈے اسپنج سے جسم کو نیچے کے رُخ ملیں ٭

موزوں شانے۔ بعض جگہ لڑکیاں ٹینس وغیرہ کھیلتی ہیں یا جن گھروں میں بیبیاں محنت کے کام کرتی ہیں ان کے کندھے موٹے ہو جاتے ہیں۔ یہ بھدے معلوم ہوا کرتے ہیں۔ اس کا انتظام کرتے رہنا چاہیے ٭

بانہوں کو سر سے اوپر اٹھاؤ اور یک لخت پیچھے کی طرف لے آؤ اور ہاتھوں کی پشت باہم ملا دو۔ ہر روز صبح پانچ منٹ تک یہ مشق کیا کرو۔ ایک مہینہ کے اندر کندھوں میں موزونیت پیدا ہو جائے گی ٭

مونڈھے کی ہڈی پر بھی گوشت آ جایا کرتا ہے۔ اس کے لیے ہاتھ کولہوں پر رکھ کے کندھوں کو پیچھے کی طرف جھکاؤ۔ اس اثنا میں سر بالکل سیدھا رکھو۔ دایاں کندھا کان کی طرف ابھارو اور جہاں تک ممکن ہو پیچھے کی طرف لے جاؤ پھر جھکاؤ اور اسے اپنی جگہ پر لے آؤ۔ اس سے کندھے کا جوڑ گھوم کے کندھے

کے پٹھوں پر اثر پڑتا ہے۔ پانچ دفعہ اسیطرح کرو۔ اس کے بعد بائیں کندھے کو بھی اسیطرح ہلاؤ +

جن کے کندھے بہت اونچے اور بہت موٹے ہوں انکے لیئے یہ طریقہ مؤثر ثابت ہوگا۔ ایڑیاں ملا کے کھڑی ہو جاؤ۔ گھٹنوں کو بالکل سیدھے رکھو۔ باہوں کو کہنیوں کے پاس سے موڑ کے اور مٹھیاں بند کر کے کندھوں تک اُٹھاؤ پھر انھیں سینہ کے برابر نیچے لے جاؤ۔ اس اثنا میں کندھے کی ہڈیاں اتنی پیچھے کو جھکائی جائیں کہ وہ آپس میں قریب قریب مل جائیں +

بعض اوقات بعض لڑکیوں کے کندھے محض اُنکے انداز رفتار سے موٹے ہو جایا کرتے ہیں۔ لیٹتے وقت کندھے کی ہڈیاں کر کے بالمقابل بالکل سیدھی رکھی جائیں ورنہ لٹکتے ہوئے ہاتھوں پر نظر ڈالنے سے اُنکی پشت آگے کی طرف دکھائی دے گی۔ ہاتھوں کو اس طرح موڑ کر ہتھیلیاں آگے آجائیں۔ پھر دیکھو کہ کندھے میں کتنی اچھی سیدھ پیدا ہو گئی ہے +

نشاستہ کے فوائد۔ نشاستہ کے غسل کے فوائد اوپر درج ہو چکے ہیں۔ اسے کچل کے چاندی کے زیور پر خشک یا گیلے کپڑے سے ملیں آخر میں اسے کسی مخملی چمڑے سے جلا دیدیں +

میز کا سفید روغنی کپڑا میلا ہو جائے اس کی سطح پر مٹھی بھر نشاستہ چھڑک دیں اور بہت گیلے کپڑے سے رگڑیں پھر اسے دھو ڈالیں اور صاف کپڑے سے پونچھ ڈالیں +

دیوار پر لگے ہوئے کاغذ کے دھبے نشاستہ لگانے سے دور ہو جاتے ہیں۔ کھڑکیاں دھوتے وقت اس کے لگانے سے بہت صاف ہو جاتی ہیں۔ پرانی عمدہ لیس چند گھنٹے خشک نشاستہ میں رکھی جائے اور پھر تھوڑی دیر انگلی پر لٹکا دی جائے تو بالکل نئی ہو جاتی ہے +

بیویوں کے لئے ہدایات۔ امریکہ کی ایک زنانہ انجمن نے نو قواعد بیویوں کی رہنمائی کے لیے بنائے ہیں۔ وہ یہ ہیں (۱) کھانے کے وقت اچھے لباس میں نظر آؤ (۲) ہفتہ میں صرف دو مرتبہ شوہر کے ساتھ سیر کو جاؤ۔ باقی دنوں میں اسے گھر ہی پڑا رہنے دو (۳) نئی پوشاک خریدنے سے پہلے اپنے خانگی بل سب ادا کر دو (۴) اپنے شوہر کے لیئے خشک کھانے نہ پکاؤ (۵) اپنی ساس کو اتوار یا کسی چھٹی کے روز گھر نہ بلاؤ (۶) اگر تمہارا شوہر اپنی آواز پسند کرتا ہے تو اسکی طرف کان لگا دیا کرو (۷) ہر بات میں اس سے مشورہ لو (۸) گلے کا ہار بنی رہو لیکن بہت زیادہ نہیں (۹) اس کے ذہن نشین کر دو کہ تم ایک غریب ناتوان مخلوق ہو اور وہ ۹ فٹ اونچا ہے۔ اس میں شیر کی سی طاقت ہے اور نپولین کی سی جرأت +

چڑچڑی کھال۔ بعض کی کھال ایسی چڑچڑی ہوتی ہے کہ تیز صابن یا بعض قسم کے پانی پڑتے ہی اس پر دَدوڑے پڑ جاتے ہیں۔ نصف چمچہ بوریک ایسڈ چار چمچہ نشاستہ تھوڑے سے ٹھنڈے پانی میں ملا کے تین چھٹانک کھولتے پانی میں ڈالدو۔ یہ دوا کھال کو سکون دیگی۔ سارا جسم اگر اسی قسم کا ہو تو پانی میں ایک پیالہ ہائی پو سلفیٹ آف سوڈا ڈال کے ٹب میں بیٹھ جاؤ +

محمد ظفر

سیر بین

بدشکل و حسین جوڑا۔ ناٹنگھم کے ایک کارخانہ کے مزدور الگزنڈر نامی کو اس بات کا دعوے ہے کہ اس کے برابر دنیا بھر میں کوئی بدشکل نہیں۔ اُس کا ارادہ ہے کہ وہ بدشکلوں کی ایک انجمن قایم کرے جس میں سب سے زیادہ بدشکل کو انعام دیا جایا کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ وہ اپنے متعلق کہتا ہے کہ میں بدشکل پیدا ہوا اور جوں جوں میری عمر بڑھتی گئی میری بدشکلی میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ میرا چہرہ بدر جیسا ہے جسم انسانی ڈھانچ ہے اور ناک تو ماشاء اللہ سارے جسم سے الگ تھلگ نرالی ہی چیز ہے۔ میں نے اپنا یہ حلیہ آئینہ میں دیکھ دیکھ کے بیان کیا ہے۔ میرے چہرہ میں ذرا بھی خوبی نہیں +

اس کے مقابلہ میں اس کی بیوی نہایت حسین ہے اُسے ایک مرتبہ حُسن کے مقابلہ میں اول درجہ کا انعام ملا۔ وہ کہتی ہے کہ میرا شوہر بدشکل نہیں۔ میاں کی بات کاٹ کے کہا کرتی ہے کہ تم ایسے بدشکل نہیں جیسا تم اپنے آپ کو سمجھا کرتے ہو۔ تم بہت خوبصورت آدمی ہو۔ شوہر کہتا ہے کہ تم میرے چہرہ کے دیکھنے کی عادی ہو گئی ہو +

الگزنڈر کہتا ہے کہ میرے چہرہ سے لوگ گھبراتے نہیں بلکہ یہ ایک قسم کی سفارش ہے۔ لوگ بدشکل پر غالباً اعتبار کرتے ہیں۔ اُن کا یہ خیال ہوتا ہے کہ ایسی بدنما کھال کے اندر عمدہ دل ہوتا ہے ــ میرے بہت جلد دوست بن جاتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ بدشکلوں کو خوبصورت بیویاں ملجایا کرتی ہیں +

۱۵۶ برس میں بیوی کی تلاش۔ زارد آغا ایک ترک ہے اور اس کی عمر اسوقت ۱۵۶ سال کی ہے۔ اُس نے عمر بھر میں کبھی شراب نہیں پی۔ امریکہ والوں نے اُسے ترکی سے اس لئے مدعو کیا ہے کہ وہ اس ملک میں گشت لگا کے شراب نہ پینے کے عملی نتائج کے طور پر اپنے آپ کو پیش کرے۔ وہ ترکی سے یونان میں آیا۔ وزیر اعظم یونان اُس سے بے تکلفی سے ملا اور بغلگیر ہوا اور اس کی پیشانی کو چوما۔ ترک نے بھی گرمجوشی سے ایسا ہی کیا اور وزیر کے لئے اس کی سی عمر پانے کی آرزو کی۔ وہ امریکہ میں پہنچ گیا ہے۔ طبی معاینہ سے پایا گیا کہ اس پر صرف بڑھاپے کے آثار پائے جاتے ہیں۔ خون کی رگیں سخت ہو گئی ہیں اور سیدھی آنکھ میں موتیا آ گیا ہے ویسے وہ ہر طرح درست ہے۔ آغا نے بعض ملاقاتیوں سے کہا کہ اُسے سانولی عورت پسند ہے۔ اور ترجمانوں کے ذریعہ ہر بات کا جواب دیتا ہے۔ اُس نے بیان کیا کہ اسنے بڑے مزے کی زندگی بسر کی ہے۔ اس کی ساری عمر میں بارہ بیویاں ہوئیں جو اس کے ساتھ اچھی طرح رہتی سہتی رہیں۔ ان میں سے تیسری بیوی اس کی خاص منظور نظر تھی۔ ساتویں بہت حسین تھی لیکن باتونی بہت تھی۔ اسے اب بھی بیوی کی تلاش ہے۔ نیویارک میں پہلا سارا دن

اس نے سیر میں گذارا۔ علی الصباح اُٹھا اور کعبہ کی سمت معلوم کرنے میں اسے بڑی دقت ہوئی۔ اس نے غسل کیا اور نماز پڑھی۔ وہ بیوی حاصل کرنے کے علاوہ نئے دانت بھی لگوانا چاہتا ہے۔ وہ ۱۷۴۲ء میں پیدا ہوا تھا۔ دُنیا بھر میں اس کے برابر کوئی طویل العمر آدمی نہیں ہے ÷

بیرحم باپ۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ایک گیارہ سالہ لڑکی ہلڈا کا ۱۴۰ سو پونڈ کا بیمہ ہو رہا تھا اور اس کی ماں نے جو سال بھر پہلے مر چکی ہے بہت سامال و اسباب اُس کے نام چھوڑا۔ اس لڑکی کے باپ نے ایک عورت سے شادی کرنی چاہی چنانچہ کہا جاتا ہے کہ شادی سے ایک ہفتہ پہلے اس عورت نے اس لڑکی کے کپڑوں پر سوتے ہوئے پٹرول ڈال کے آگ لگادی اور وہ جل کے مرگئی۔ یہ سب اس لئے کیا ہے کہ بیمہ کی رقم اور مال و اسباب اخراجات کے لیئے مل جائے۔ اس کے ایک ہفتہ بعد لڑکی کا باپ ایک موٹر میں عورت سمیت بیٹھ کے پاس کے ایک قصبہ میں گیا اور اس سے شادی کرلی۔ دونوں پر مقدمہ ہوگیا ہے۔ عورت نے کہا کہ میں باورچی خانہ میں برتن میں پٹرول ڈالے کپڑے صاف کر رہی تھی کہ اس میں آگ لگی اور میں برتن باہر پھینکنے کے لیئے کھڑکی کی طرف بھاگی۔ راستہ میں لڑکی سے میں نے ٹھوکر کھائی اور وہ جل گئی۔ تفتیش کرنے والے نے بتایا کہ آگ سونے کے کمرہ میں لگی۔ باورچی خانہ میں نہیں لگی۔ پڑوسی کہتے ہیں کہ جب عورت باہر آئی تو اس کے چہرہ پر بہت اطمینان تھا اور کوئی گھبراہٹ نہ تھی حالانکہ لڑکی کمرہ میں جل رہی تھی اور پھر ہفتہ بھر بعد دونوں نے شادی رچالی۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ دونوں مجرم ہیں۔ اس عورت کا یہ چوتھا شوہر ہے ÷

عوج بن عنق کی بالشتن۔ ایک سکاٹلینڈ کا ایکٹر چھ فٹ لمبا ہے۔ اُس نے ایک ۴۳۔ انچ کی عورت سے شادی اس غرض سے کی کہ ٹریم میں بیٹھتے یا بائسکوپ دیکھنے کے وقت اس کا آدھا ٹکٹ لگے۔ لیکن اسے متعدد تلخ تجربے ہوئے ہیں۔ اس نے ایک دوست سے بیان کیا کہ میں نے ایک مرتبہ بے خیال ٹریم والے سے کہا کہ چار پیسے کے دو ٹکٹ دو۔ اس نے میری بیوی کی طرف دیکھا اور ڈیڑھ آنے کے دو ٹکٹ دیدیئے۔ میں دل میں بڑا خوش ہوا کہ یہ خوب ہوا۔ ٹریم آگے چل کے مسافروں سے بالکل بھر گئی۔ ایک بڈھے نے جو میری بیوی کے برابر بیٹھا تھا کہا کہ آؤ میری گود میں بیٹھ جاؤ تاکہ کسی شخص کے لیئے جگہ ہوجائے۔ اور اس نے بے تکلف اُسے اُٹھا کے اپنی گود میں بٹھالیا۔ اگر میں اسے بتاتا کہ بڑے میاں یہ کیا کرتے ہو۔ یہ تو میری بیوی ہے تو ٹریم چلانے والا میرے پاس آتا اور کہتا۔ لائیے حضرت دو پیسے اور دلوائیے ÷

اس اثنا میں اسکی بیوی آگئی۔ اس نے اپنے شوہر سے کہا کہ میں تمھارے لیئے عمدہ سگرٹوں کی ڈبیاں

خریدنے گئی تھی۔ دُکاندار نے کہا کہ میں تمہارے ہاتھ سگرٹ نہیں بیچ سکتا۔ بچی۔ تم بہت کمسن ہو تم اپنے باپ کو ہی بھیجدو ٭

سخت جان دُلہن۔ ایک لڑکی بارہ دفعہ موت سے بال بال بچی ہے۔ جب وہ آٹھ برس کی تھی۔ مدرسہ کی چھت پر چڑھ گئی۔ وہاں سے اتفاق سے کمر کے بل گلی میں جا پڑی۔ ڈاکٹروں نے کہا کہ وہ ضرور مرجائے گی لیکن آخر میں بچ گئی۔ تین سال بعد ایک ٹریم سے ٹکرا کے گر پڑی۔ لیکن پھر بھی بچ گئی۔ اس کے بعد فرانس میں اس ریل کی ٹکر ہوگئی جس میں وہ تھی۔ اس میں بارہ آدمی مر گئے۔ دو دفعہ سمندر میں جہاز ڈوبا اور وہ بچ نکلی۔ ایک دفعہ ایک سانڈ نے ٹکر ماری۔ اس کے بعد ایک مکان کی دوسری منزل سے زمین پر گر پڑی۔ دو سال ہوتے جس موٹر میں وہ بیٹھی تھی ٹکرا کے پاش پاش ہوگئی۔ اس کا رفیق اسی وقت مر گیا لیکن وہ پھر بھی بچ گئی۔ سال بھر ہوا وہ سمندر میں ڈوب ہی چکی تھی کہ سیلاب کی رَو نے اسے ساحل کے ریت پر پھینک دیا۔ دو مرتبہ آگ لگے ہوئے مکانوں سے نکلی اور ایک دفعہ ہوائی جہاز جس میں وہ تھی ٹوٹ کے زمین پر گر پڑا ٭

آسمان سے گوشت۔ فطرت بھی عجب سائنسداں ہے۔ وہ درختوں سے ہوا میں سے کاربن کھنچواتی ہے۔ صدیوں کے بعد یہ درخت مٹی میں رل کے کوئلہ بن جاتے ہیں۔ کوئلہ سے دوائیں مختلف رنگ ایندھن اور متعدد مختلف ضروری چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔ دنیا اس ترقی سے جارہی ہے کہ کچھ عرصہ بعد کوئلہ کی رسد ختم ہوجائے گی۔ سائنس اسوقت اس تجسس میں مصروف ہے کہ فطرت جن کاموں کے انجام دینے میں صدیاں لیتی ہے وہ گھنٹوں میں پورا کر دیا کرے۔ ہوا میں کافی کاربن ہے۔ اسے درخت کے توسط کے بغیر کوئلہ کی گیس کی شکل میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ آیندہ نسلیں ہوا سے کوئلہ کی رسد حاصل کیا کرینگی۔ اب یہ ضرب المثل غلط ہوجائے گی کہ آدمی محض ہوا پھانک کے زندہ نہیں رہ سکتا۔ ہماری نباتات ہوا اور زمین سے وہ شکل اختیار کرتی ہے جس پر ہم اپنی زندگی قایم رکھتے ہیں۔ جانور گھاس پات کھاکے ہمارے لئے گوشت کی غذا بہم پہنچاتے ہیں۔ دُنیا کی آبادی موجودہ رفتار سے ۷۰ سال میں دُگنی ضرور ہوجائے گی۔ اس وقت موجودہ زمین ہماری ضروریات کی فراہمی کے لئے کافی نہ ہوگی۔ چاروں عناصر ہوا پانی زمین آگ ہماری خوراک بہم پہنچاتے ہیں۔ سائنس کی مدد سے ہم ہوا سے گوشت منٹوں میں حاصل کیا کرینگے ٭

تیراک لڑکی۔ ایک ۱۹ سالہ انگریز لڑکی نے راس گرسنیز سے رات کے ۱۰ بجکے ۵۳ منٹ پر تیرنا شروع کیا۔ وہ رودبار انگریزی کو عبور کرنا چاہتی تھی۔ وہ نو گھنٹے کے بعد ساحل انگلستان سے ۱½ ۶ میل آ پہنچی۔ ساحل تین میل رہ گیا تھا اِدھر کہ اُسے کہرنے آلیا۔ اُس کی طاقت نے جواب دیدیا اور وہ رہ گئی ورنہ وہ

مس ایڈرلی سے بازی لے جاتی جو رودبار کو پہلے عبور کر چکی تھی۔ یہ لڑکی ۱۲ گھنٹہ پانی میں رہی +

مردہ ماں کے اشارے۔ ایک عورت کی مُردہ ماں غیبی اشاروں سے بتاتی رہتی ہے کہ گھر کا فلاں شخص مرنے والا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ پچھلے سال میں بیٹھی پڑھ رہی تھی کہ میری نظر بند دروازے کی طرف کسی مقناطیسی قوت سے کھنچی چلی گئی۔ میری ماں ٹہلتی ہوئی کمرہ کے سرے تک گئی اور پھر وہ میری طرف منہ کر کے کھڑی ہو گئی۔ اس کے ہونٹ ہلے اور مجھے انکی حرکات سے چچا ولیم کا نام بنتے نظر آیا۔ صبح کو میرے باپ کے پاس تار آیا کہ ان کا بھائی برسٹل کے پاس ایک گاڑی سے ٹکرا کے مر گیا۔ تین مہینے ہوئے میں خط لکھ رہی تھی کہ ایک کالی کالی چیز دھندلی سی روشنی میں لپٹی ہوئی کمرہ میں آڑتی ہوئی آئی۔ یہ کچھ صاف ہوئی تو مجھے ماں کی صورت نظر آئی۔ اس کے ہونٹوں نے چچی ایمیلی کا نام بتایا۔ اگلے روز شام کو تار ملا کہ وہ موٹر کے نیچے آ کے مر گئی۔ پندرہ دن ہوتے میری ماں پھر نظر آئی اور اس کے ہونٹ ہلتے ہوئے باپ باپ کہتے معلوم ہوتے تھے۔ اگلے روز صبح کو باپ کے ایک چوراہے پر ٹکر کھا کے مرنے کی خبر آئی +

مصنّف سے انتقام۔ ایک مصنف کا قصہ ایک رسالہ میں مسلسل نکل رہا تھا۔ ایک خریدار بڑے شوق سے اسے پڑھا کرتا تھا۔ وہ گویا اس قصہ کی ممدوحہ پر لٹو ہو گیا۔ آخری باب میں مصنف نے اس کی شادی قصہ کے ممدوح سے کر دی۔ اس سے اس پڑھنے والے کے حسد نے بھڑک کے انتقام کی صورت اختیار کر لی۔ مصنف بیچارہ اس کی شکل تک سے واقف نہ تھا۔ وہ بڈاپسٹ کے ایک قہوہ خانہ میں بیٹھا چاء پی رہا تھا کہ وہ داخل ہوا اور اس کے سر پر لکڑی ماری۔ اس طرح اس نے اپنا کلیجہ ٹھنڈا کیا +

چور سے شادی۔ ایک لڑکی کمرہ میں روشنی دیکھ کے اٹھی تو اس نے ایک چور کو اس کی الماری کھولتے دیکھا۔ چور اسے دیکھ کے مبہوت سا ہو گیا۔ لڑکی نے غل مچانا مناسب نہ سمجھا کیونکہ چور بھلا آدمی معلوم ہوا۔ اس نے اس سے اس حرکت کی وجہ پوچھی تو وہ ٹوٹی پھوٹی آواز نکالتا ہوا بیہوش ہو گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ تعلیم یافتہ تھا لیکن بیکاری نے اسے اس حرکت پر آمادہ کیا۔ اس نے اسے یہ وعدہ لے کے چھوڑ دیا کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کرے گا۔ وہ شکریہ ادا کر کے چلا گیا۔ چھ مہینے بعد اس کا ایک خط آیا اور وہ خود بھی آیا۔ کناڈا میں اسے اچھا عہدہ مل گیا تھا اس نے لڑکی سے شادی کی درخواست کی جو اس نے منظور کر لی +

محمد ظفر

کیمیائی اُصول سے صابن بنانا

خاص برائے عصمت

عمدہ صابن صرف کاسٹک سوڈا۔ پانی۔ اور تیل یا چربی سے بنتا ہے۔ اس کے علاوہ رنگ خوشبو وغیرہ ہوتی ہے۔ مفصلہ ذیل ترکیب سے نہایت عمدہ صابن بنتا ہے اور کپڑے دھونے نہانے وغیرہ کے کام لیئے طیار ہوسکتا ہے۔ اونی کپڑے بھی اس سے دھل سکتے ہیں۔

کاسٹک سوڈا ۱ پونڈ

پانی ۲½ پونڈ

۳½ پونڈ

میٹھا تیل ۷ پونڈ

ایک تام چینی کے برتن میں کاسٹک سوڈا پانی میں حل کریویں۔ ایک اور برتن میں تیل ڈال لیویں۔ کاسٹک سوڈا اور پانی کے ملنے سے محلول گرم ہو جائے گا۔ اسکو ٹھنڈا کر لیویں۔ یہ محلول آہستہ آہستہ تیل میں ڈالیں اور کسی لکڑی سے خوب ہلا دیں۔ کل محلول کو ایک ہی وقت نہ ڈالیں بلکہ تھوڑا تھوڑا کرکے پانچ پانچ یا دس دس منٹ کے بعد ڈالیں اس طرح سے کوئی آدہ گھنٹہ میں سب محلول تیل میں ملا دیویں۔ اگر آدہ گھنٹہ سے زیادہ وقت صرف کریں تو اور بہتر ہے۔ صرف ایک احتیاط لازمی ہے کہ تیل اور کاسٹک سوڈا بہت گرم نہ ہو جائیں کیونکہ ان دونوں کو ملانے سے گرمی پیدا ہوتی ہے ورنہ تیل علیحدہ ہو جائے گا اور کچھ صابن ذرہ ذرہ ہو کر علیحدہ ہو جائے گا جو کہ پھر آپس میں نہیں ملیں گے خواہ کتنا ہی کاسٹک سوڈا کیوں نہ ڈالا جائے۔ جب تمام کاسٹک سوڈا مل جاوے تو اس نیم ٹھوس مرکب کو جو کہ ابھی بہت نرم ہوگا اگر چاہیں تو سانچہ میں ڈال لیویں جو کہ عام طور پر لکڑی کا بکس ہوتا ہے یا اسی برتن میں پڑا رہنے دیویں۔

Saponification یعنی کہ صابن کا بننا کوئی ہفتہ عشرہ میں ٹھیک ہوتا ہے۔ اس کے بعد اسے نکال کر دھاگے سے کاٹ لیویں۔ یہ صحیح کیمیائی ترکیب ہے۔

اس طرح سے جو صابن بنایا جاتا ہے وہ پہلے دن بلکہ دوسرے اور تیسرے دن بالکل ٹھوس نہیں ہوتا ہے لوگ زیادہ کاسٹک سوڈا ڈال کر ٹھوس کر لیتے ہیں اور کاسٹک سوڈا کو رفع کرنے کے لئے میدا وغیرہ ڈالتے ہیں جس کی اچھے صابن میں ضرورت نہیں ہوتی +

میاں محمد شریف ایم۔ ایس سی (علیگ) پروفیسر کیمسٹری

چوری کے مضامین

۱۔ بعض لڑکیاں اپنے گھر والوں سے بلا لحاظ اپنی قابلیت و استعداد بلند پایہ نظمیں یا علمی مضامین جن کے معانی و مطالب بھی بخوبی ذہن نشین نہیں کر سکتیں لکھوا کر اپنے کو مضمون نگار مشہور کرتی ہیں۔ اگرچہ اس میں شک نہیں۔ اپنا نام کسی اخبار یا رسالے میں درج دیکھنا یقیناً بے انتہا مسرت کا موجب ہوتا ہے۔ لیکن یہ خوشی اسوقت اور بھی زیادہ ہوگی جبکہ یہ خاص اپنے دماغی کاوشوں کا نتیجہ ہو۔ خیر یہاں تک بھی غنیمت ہے۔ کیونکہ یہ راز صرف گھر ہی کے افراد تک محدود رہتا ہے۔ اور قلعی کھلتی بھی ہے تو ایک عرصہ کے بعد۔ لیکن بعض بہنیں شوقِ نمود میں اس درجہ بے خود ہوتی ہیں کہ کسی مشہور مصنف کا مضمون یا پسندیدہ نظم رسالوں میں کسی قدر تحریف و تصریف کے بعد اپنے نام سے درج کرواتی ہیں۔ مگر انکے ناجائز سرقے کا جلد پتہ چل جاتا ہے۔ اور انکو عارضی مسرت کے معاوضے میں حد درجہ نادم و شرمسار ہونا پڑتا ہے۔ رسالہ سہیلی بابتہ جون ۳۲ء میں مسز عبدالقیوم صاحبہ کی نظم "سہیلی کو خط" دیکھکر میں حیران رہ گئی۔ یہ نظم "بزم عصمت" کی ہر دلعزیز شاعرہ محترمہ م۔ ب لکھنوی مرحومہ کی ہے جو غالباً محترمہ بلقیس بیگم حصار کے نام بھیجی گئی تھی جو عصمت کے علاوہ "شکوہ شیریں" کے عنوان سے تہذیب مؤرخہ ۱۵ مئی ۳۲ء میں زینت اخبار ہو چکی ہے مسز عبدالقیوم صاحبہ نے چند اشعار حذف کر دیئے اور مقطع میں بھی تصرف کیا گیا ہے۔ اس سے قبل ایک مرتبہ مشہور افسانہ نگار منشی پریم چند صاحب کا افسانہ "بڑے گھر کی بیٹی" قمر جہاں بیگم کے نام نامی سے شرف اشاعت پا چکا ہے۔ کسی رسالے یا کتاب سے نقل کرنا فی نفسہ بُرا نہیں ہے لیکن بجائے کتاب کے حوالے یا مصنف کے نام کے اپنا ثابت کرنا نازیبا ہے۔ اور یقیناً چوری میں داخل ہے۔ جب "بڑے گھر کی بیٹی" سہیلی میں چھپ رہا تھا۔ اسیوقت میں نے اڈیٹر صاحبہ سہیلی کی توجہ اس طرف مبذول کرائی تھی۔ لیکن انہوں نے قمر جہاں صاحبہ سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ غالباً اڈیٹر موصوفہ کی چشم پوشی نے دوسری صاحبہ کو بھی اس قبیح بد اخلاقی کی ہمت دلائی +

مریم بانو حیدر آباد دکن

۲۔ کل رسالہ سہیلی بابت ماہ مئی میں مولانا راشد الخیری صاحب کی کتاب "موؤدہ" کے پہلے دو باب سفاک باپ کے نام سے ہمشیرہ محمد حسین کیرانوی نے اپنی طرف سے لکھے ہیں۔ نہ تو انہوں نے مولوی صاحب قبلہ کا نام لکھا ہے نہ کتاب کا حوالہ دیا ہے جس سے معلوم ہو کہ یہ مضمون مولوی صاحب کا ہے چونکہ یہ بات جرم ہے اس لیے آپکو اطلاع دیتی ہوں +

مسز سید الطاف حسین اسسٹنٹ کورٹ انسپکٹر

۳۔ جنوری کے عصمت میں ہماری عزیز بہن آمنہ نازلی صاحبہ کا ایک نہایت دلچسپ سبق آموز قصہ بعنوان "سید صاحب کی آمد" شایع ہوا تھا مجھے یہ دیکھ کر کسقدر حیرت ہوئی ہے کہ لفظ بلفظ یہی قصہ ایک اور بہن نے اپنے نام سے رسالہ سہیلی کے تازہ نمبر میں شایع کرایا ہے البتہ عنوان بدل دیا ہے یعنی "شہید مرد" سرخی رکھی ہے میں نے اڈیٹر صاحب سہیلی کو لکھا تھا کہ اس مضمون کی چوری کی اطلاع رسالہ میں ضرور درج کر دیں تاکہ دوسری بہنیں دھوکہ میں نہ رہیں مگر انھوں نے پرواہ نہیں کی۔

سلیمہ بیگم بنت امجد علی صاحب لکھنؤ

۴۔ رسالہ عفت کے اگست کے پرچہ میں ص بنت سید حسن عسکری صاحب ڈپٹی کلکٹر کی طرف سے ایک نظم دعوت عبادت کے عنوان سے چھپی ہے حالانکہ یہ وہی نظم ہے جو چار سال قبل اکتوبر ۲۶ء کے عصمت میں م صغرا بیگم صاحبہ بنت غلام سرور صاحب رئیس ریوت محل کے نام سے شائع ہوئی تھی۔ م ص صاحبہ نے صرف ایک شعر میں "سنو یہ صغرا کی تم نصیحت" کی بجائے "سنو یہ میری تم نصیحت" تو البتہ م م بدل دیا ہے باقی تمام کی تمام وہی نظم ہے ایک حرف کا بھی فرق نہیں۔ اسے چوری نہیں تو پھر کیا کہتے ہیں +

مسز یوسف علی اکولہ برار

جڑاؤ بیل

منقش بیاہ مخملی فیتہ پر چمکدار موتی سلمہ سے کڑھی ہوئی بیل کی۔ خوبصورتی و دلکشی کسی جڑاؤ زیور سے کمتر نہیں ہوتی۔ بلکہ رنگین فیتہ پر اور بھی زیادہ دلفریب ہوتی ہے۔ اس بیل کا کاڑھنا نہ وقت طلب ہے نہ دشوار ایک نو آموز دستکار بھی ماہر فن ثابت ہونگی اگر پر کاڑھیں تو بھی ناممکن نہیں جو فریم (چوکھٹے) پر کاڑھا جائے تو اور بہتر۔

اشیاء ضروری

فیتہ چھپا ہوا	۱	موتی سبز ہلکے گچھے	۶	فیروزی یا کاسنی	۳	تاگا سنہری نمبر	۵۰
سلمہ سنہری	تولہ ۱	موتی سرخ گہرے	۶	زرد رنگ	۵۰	سوئی	۱۰
سلمہ نقرئی	" ۱	موتی گلابی	۶	سرخ رنگ	۵۰	"	۱۴

۱۔ نمبر ۱۴ کی سوئی میں تاگا پرو۔ پتی کی نوک کے پاس سوئی نکالیئے ایک سرخ موتی ایک ہلکا سبز ایک گہرا سبز پرو کر پتی کی رالی کے پاس نیچے لگا لیجے۔ اسی طرح سب پتیوں پر موتی ٹانک لیں۔

۲۔ پھول کی پنکھڑی کی نوک کے قریب اسی مطابق پہلے ہلکا گلابی موتی پھر گہرا ایک سرخ پرو ہر پنکھڑی میں ٹانک لیجے۔ وسط میں زرد رنگ پیوست کر دیجئے۔

۳۔ کلی میں کاسنی موتی ٹانک میں نیچے کی دونو پتیوں میں سبز موتی ٹانکنا چاہیئے۔

۴۔ بو کے درمیانی لکیروں میں گلابی موتی ٹانکیئے۔ وسط میں سرخ رنگ جڑیئے۔

۵۔ ڈالیوں پر سنہری سلمہ پنکھڑیوں پتیوں کے دونو جانب اندازاً اس قدر لمبے ٹکڑے کاٹ کر لگا دیجئے۔ لیکن یہ خیال رہے کہ نوک کا شگاف نمایاں نہ ہو۔

۶۔ بو کے اطراف اوپری سلمہ لگایئے۔

اب آپ کو بیل کی خوبصورتی کا یقین خود بخود ہو جائے گا۔

خدیجہ بائی

بزمِ عصمت

> بزمِ عصمت کے لیئے جو خطوط بھیجے جائیں ان مضامین کے متعلق یا انتظامی امور کے بارے میں کچھ نہ لکھنا چاہئے۔ نیز خریداری نمبر ضرور درج ہو ورنہ خط ردی کردیا جائے گا۔

میری منجھلی بہن سعیدہ خانم سلمہا کی شادی سید نصیر احمد سلمہ متعلم ایم اے کلاس کے ساتھ ۵ اکتوبر بروز اتوار شرعی طریقہ سے انجام پائی کوئی قابل اعتراض رسم نہیں ہوئی اس خوشی میں دس روپیہ تربیت گاہ کی بچیوں کے لیئے اور پانچ روپیہ عصمت نادار فنڈ کے لیئے بھیجتی ہوں۔

حمیدہ خانم لکھنؤ

میرے بڑے بھائی جان میاں عبد اللطیف صاحب کو ٹائیفائڈ بخار آرہا تھا جس سے ہمارے گھر میں بڑی پریشانی تھی قربان جایئے خدا کی مہربانی کہ اس نے ۲۱ روز بعد شفا دی اس خوشی میں سات روپیہ کی حقیر رقم تربیت کے لئے ارسال ہے۔

ص بیگم بنت میاں عبد العزیز صاحب پٹنہ

میرے بھائی جان محمد اسلم صاحب انگلینڈ سے تعلیم حاصل کرکے بخیر و عافیت تشریف لے آئے اس خوشی میں ۵ روپیہ تربیت گاہ کے واسطے بھیجتی ہوں۔

سرور جہاں بہاولپور

ہمیں یہ معلوم ہوکر بے انتہا مسرت ہوئی کہ ہماری محترم بہن فاطمہ بیگم صاحبہ بنگلوری کی شادی مولوی انور علی صاحب بی اے انسپکٹر مدراس پولس کے ساتھ ماہ اگست میں بخیر و خوبی انجام پائی۔ دولہا دلہن اور انکے والدین کو ہم دلی مبارکباد دیتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ بہن فاطمہ بیگم کے لیئے انکی شادی دائمی مسرت کا باعث ہو اور وہ اپنی بہنوں کی علمی خدمات بدستور انجام دیتی رہیں۔ (اڈیٹر)

سال گذشتہ میں خداوندکریم نے جو بچہ سلمہ مجھے دیا تھا اس سال ۵ جمادی الثانی کو اس بچہ کی سالگرہ کی تقریب میں میلاد شریف کرایا تھا۔ اسی سلسلہ میں میرے شوہر کے ایک دوست سید اشتیاق حسین صاحب انجم نے ایک نظم حسب موقعہ پڑھی تھی چونکہ اسے بہت پسند کیا گیا تھا لہٰذا اس کے چند اشعار بہنوں کی دلچسپی کے لیئے لکھتی ہوں۔

سرور افزا ہوائیں ہیں طرب افزا فضائیں ہیں ۔۔۔ مسرت ریز یاں ہیں ہر طرف صحن گلستاں میں

تماشا دیدنی ہے بلبلانِ نغمہ پیرا کا ۔۔۔ خوشی کی ہو رہی ہے بات مرغانِ خوش ال[...]

سماں یہ دیکھکر مجکو تعجب کچھ ہوا ایسا ۔۔۔ نظر بھی لوٹ کر آئی ہیں ہر چشم حیران[...]

یکایک یہ کہا سوسن نے پھر مجھسے کہ سن انجم ۔۔۔ گل مختار احمد کی خوشی ہے اس گلستا[ں میں]

سلیمان بخت ہو اور نام بھی پیارا سلیماں ہے ۔۔۔ کہ جسکی سالگرہ آج ہے اس سازو سامان[...]

تصدق سے محمد کے رہے فضل و کرم اسپر ۔۔۔ ہے مسرور و شاداں آج یہ گلستاں میں

دوبالا اور بھی رونق ہوئی اسکی اسیجا ۔۔۔ مجلی محفل میلاد کی ہے بزم امکاں میں

بیگم مختار احمد صدیقی تحصیلدار

میں نہایت خوشی کے ساتھ اطلاع دیتی ہوں کہ ۴ جولائی ۱۹۳۰ء بروز جمعہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ننھا سا بھائی "اسلام حیدر خاں" عطا فرمایا ہے خدا تعالیٰ مولود مسعود کو صاحب عمر و نصیب کرے آمین۔ ۲۴ جولائی کو عقیقہ کی تقریب میں میلاد مبارک پر میرے اباجی کے دوست میرزا جعفر حسین قزلباش صاحب نے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ ولادت پڑھکر سُنایا۔

مخدوم بندہ آج بہت خوش ہیں کیوں نہوں ۔۔۔ اللہ نے دیا انھیں فرزند نازنیں

اسلام سے جو ربط ہے "بنی خاں" کو دیکھے ۔۔۔ ہو اسم پاک صاحب صوف و نشین

فائز ہیں وہ بعہدہ ڈپٹی کلکٹری ۔۔۔ ہیں خوش صفات صاحب اخلاق بالیقیں

طالع بھی سعد وقت ولادت بھی نیک ۔۔۔ جمعہ کا دن ہے اور صفر کی ہے ساتویں

پھولے پھلے جہاں میں خدا طول عمر ۔۔۔ ہو فخر خانداں بطفیل رسول دیں

وردِ زباں ہے سالِ ولادت دعا کے ساتھ
حسن جو ہو خوش نہاد ہو یہ طفلِ نازنیں

بنت اسلام نبی خاں

قطعہ تاریخ وفات معصومہ اقبال فاطمہ

اقبال فاطمہ نے کُل آٹھ ماہ رہکر ۔۔۔ دی جان اور سب کو غمگین کر گئی ہے

ماہ صفر کی بیستہ تھی تھا روز پنجشنبہ ۔۔۔ مرجھا گیا وہ غنچہ ہجری کا سن یہی ہے

تھی تیسری جولائی افسوس آہ پیدا ۔۔۔ دختر بسیر جنت ۱۳۴۹ھ یہ سال عیسوی ہے

۱۹۳۰

قطعہ تاریخ وفات معصومہ رضیہ بیگم

چارشنبہ کی اٹھائیسویں شب ذی الحجہ — دیگئی مادر مشفق کو جدائی کا غم
سال معصومہ سہ سالہ کی ہے فکر منیر — کہہ۔ جناں میں وہ گئی آہ رضیہ بیگم

۱؎ محترمہ بہن نے ۲۷ ذی الحجہ بعد مغرب ۴۸ تحریر فرمایا ہے۔ لیکن شب ۱۳ اٹھائیسویں شمار ہوگی کیونکہ قمری ماہ میں شب پہلے شمار کی جاتی ہے اس لئے اٹھائیسویں شب لکھی گئی ہے۔

از طبع ناقص کمترین نور الدین منیر (سورت)

میں نہایت رنج و قلق کے ساتھ اطلاع دیتی ہوں کہ میرا پیارا تھا بھائی حفیظ احمد نے بعمر ایک سال چار ماہ بخار آنے کی وجہ سے آٹھ روز علیل رہ کر ۳۔ ۴ ستمبر کی درمیانی شب میں اس دنیا ناپائیدار کو الوداع کہا۔ اگر بہن خورشید آرا بیگم امرائی قطعہ تاریخ وفات لکھدیں تو نہایت احسان مند ہونگی۔ پیدائش ۲۲ رجب ۱۹۲۹ء

عزیز فاطمہ بنت ڈاکٹر یار محمد صدیق

محترمہ بہن سعیدہ خانم بانکوڑا نے مسّہ دور کرنے کی ترکیب لکھی تھی تو وہ ٹھیک ہے۔ لیکن پیشانی پر جو مسّہ تھا اُسکو چونہ اور راکھ سے کاٹا تھا۔ مگر مسّہ تو کٹا اور ایک پیسہ کے برابر پیشانی کی کھال کٹ گئی اور ہلکے سیاہ رنگ کی ہوگئی۔ اُس کے مٹانے کے لئے کوئی بہن یا بھائی کوئی دوا بتادیں تو میں بہت مشکور ہونگی۔ نیز میرے پاس مور کے پر رکھے ہیں مجھے پنکھا بنانے کا شوق بہت ہے اگر کوئی بہن پنکھا بنانے کی ترکیب بزم عصمت میں شائع کردیں تو بہت ممنون ہونگی؟

راقمہ عصمتی بہن مئورانی پور

اگر کسی بھائی یا بہن کو بھاگلپوری کپڑوں کی آڑھت کا پتہ معلوم ہو تو بذریعہ عصمت تحریر کریں +

ع ص۔ اترار ی

اکتوبر ۱۹۳۰ء کے عصمت میں بہن ظ۔ ج صاحبہ اور ایک گمنام بزار عصمت نے اپنے برادر زادی اور ہمشیرہ زادہ کے لیے تاریخی نام طلب کیے ہیں۔ لہذا میرے خیال میں بیگم عبد القدوس صاحب برکا کے فرزند کا تاریخی نام "محمد زاہد ریاض زبیری" یا "خورشید زبیر"
۱۳۴۹ھ — ۱۳ — ھ — ۴۹
حامد علی خان صاحب زبیری کی دختر کا نام "حمیدا خاتون زبیری"
۱۳ — ھ — ۴۹
مناسب رہیں گے +

حفیظہ جمال بنت وردم تعلقدار صاحب

سالگرہ نمبر عصمت میں ایک بہن نے اپنے بھائی کا نام دریافت کیا ہے۔ میں تین نام تجویز کرتی ہوں۔ انیس الرحمن۔ نفیس الرحمن۔ فردوس الرحمن

عزیز فاطمہ — مئورانی

میری چھوٹی بہن کے پیشانی پر مسّہ تھا انہوں نے راکھ اور چونہ لگالیا جس سے مسّہ نہ کٹا اور وہاں ایک پیسہ کے برابر ہلکے سیاہ رنگ کا داغ پڑگیا ہے اگر کوئی عصمتی بہن یا بھائی دوا بتلائیں بیحد شکر گذار ہوں گی؟

بلقیس جہاں مئورانی پور

جن عصمتی بہن کے دانت زردی مائل ہیں انکو یہ استعمال کرنی چاہیئے۔ ملٹن اینٹی سیپٹک — گرے اینڈ کو الہ آباد سے طلب فرمائیں +

اختر جہاں بیگم پردیا

جن عصمتی بہن نے اپنے دانت قدرے زردی مائل رہنے کی شکایت کی ہے وہ یہ نسخہ استعمال کریں۔

نمک طعام آدھ پاؤ تین تولہ مرچ سیاہ۔ تین ماشہ سونٹھ کرملہ رتن جوت کی لکڑیاں ایک چھٹانک مولسری کی پسی ہوئی خشک چھال ایک چھٹانک ان پانچوں چیزوں کو پیس کر ملالو۔ یہ دانت صاف کرنے کا منجن تیار ہوگیا۔ جو دانت صاف کرے گا بالکل سفید نکال دے گا۔ منہ کی بادی پانی وغیرہ بھی خارج کرے گا۔ دانت کی جڑوں کو مضبوط کرے گا (۲) خالص سرسوں کا تیل کے اس میں قدرے نمک ڈال لیں اور ہر روز صبح کر اس سے دانت صاف کریں۔ انشاء اللہ بہت مفید ہے + کنیز فاطمہ از ڈنگ

مسز اوصاف صاحبہ کو معلوم ہو کہ میرے دانت بہت زردی مائل رہتے تھے مگر خداوند کریم کا شکر ہے کہ جب سے میں نے مسی منجن کا استعمال کیا اُس وقت سے میرے دانت بہت صاف ہوگئے ہیں۔ اور دانت کے درد کے لیئے بہت مفید ہے۔ اور جڑوں کو بھی مضبوط کرتا ہے۔ نسخہ حسب ذیل ہے

ریٹھری	پھٹکری	سیاہ مرچ	نمک لاہوری
۲ مار	۴ مار	۲ مار	۱۱ مار

ریٹھری کو جلاکر خاک کردیجے۔ اس کے بعد پھٹکری کا لیپا بناکر سیاہ مرچ اور نمک لیکر پیکر ایک جاکر کے استعمال کیجے۔ انشاء اللہ ایک ہفتہ میں دانت بہت صاف ہوجائینگے اگر کچھ فائدہ ہوگا تو براے مہربانی عصمت پرچہ میں شائع فرمادیجئے گا۔

ضمیر النساء بیگم

میری ایک بہن صاحبہ پارہ بہت کھایا کرتی تھیں کچھ عرصہ سے انکے دہانے کے دونوں طرف کالا ہو گیا ہے اگر کوئی بہن یا بھائی صاحب کوئی نسخہ یا کوئی دوا بتا دیں تو نہایت شکر گذار ہونگی لیکن نسخہ آزمایا ہوا ہو تو اچھی بات ہے +

قمر جہاں بیگم بنت شیخ سراج الدین صاحب از کلکتہ

میری ہمشیرہ جن کی عمر تقریباً ۱۹ سال ہے قریب دو سال سے بعارضہ سفید داغ مبتلا ہیں۔ انکو یہ مرض دماغ سے شروع ہوا ہے۔ کچھ بال بالکل سفید ہو گئے ہیں اور کچھ بال جڑ کے قریب سفید ہو گئے ہیں۔ سفید سیاہ ہیں۔ بحالت موجودہ قریب قریب آدھا سر سفید ہو گیا ہے۔ اس کے کچھ روز بعد سے پیر پر بھی سفید داغ ہو گئے ہیں۔ اور اب پنڈلی تک پہونچ گئے ہیں۔ ہاتھ کے پنجوں پر بھی سفید داغ ہیں۔ آنکھوں کے ڈھکنوں پر اور کانوں کے پیچھے بھی ہیں۔ اگر کسی عصمتی بہن یا بھائی کو اسکا علاج معلوم ہو تو بذریعہ عصمت مجھکو اطلاع فرما دیں مشکور ہونگی +

بیگم سید خادم علی کانپور

گوہانجنی اگر ایک دفعہ نکلے تو پھر متواتر نکلنا شروع شروع ہو جاتی ہیں۔ اور بے حد تکلیف دہ ثابت ہوا کرتی ہیں۔ فوری علاج ہونا چاہئے۔ ذیل میں ایک ماہر امراض چشم مشہور حکیم صاحب کا پتہ درج کرتی ہوں۔ بہن صاحبہ بذریعہ خط حقیقت مرض لکھ کر دوا طلب کریں۔ تجربہ سے انکی دوائیں اکسیر ثابت ہوئی ہیں۔ پتہ حکیم صاحب۔ چشمہ حق۔ ماہر امراض چشم جناب حکیم نبی بخش صاحب۔ محلہ قائم پورہ کلکتہ۔

خاکسار گ۔ ن بنت ابو الفضل کپورتھلہ

ستمبر کے پرچہ صفحہ ۲۵۸ تحریر ہے کہ ایک محکمہ ہے دیمک کا انتظام جن کے سپرد ہے۔ براہِ عنایت مولوی محمد ظفر صاحب مطلع فرمائیں کہ یہ محکمہ کہاں ہے ہمارے موضع میں دیمک بہت زیادہ ہے اور سخت نقصان ہو رہا ہے۔

خان بہادر حافظ زین العابدین چک ۶۹ منٹگمری

گندہ دہنی کے لئے زنگار۔ شہد۔ سرکہ۔ تینوں چیزوں کو پکا کر کلی کریں وزن تینوں چیزوں کا اپنی مرضی پر منحصر ہے جتنے کلی غرغرے کریں اوتنا ہی وزن رکھیں۔ از حد مفید ہے۔ راضیہ بانو فیروز

مہربانی فرما کر محترمہ لطیف بیگم صاحبہ لاہور یہ تحریر فرمائیں کہ ہڑی کے کروشیا کی کیا شناخت ہے ایک بہن صاحبہ نے جو منجن کی ترکیب عصمت ماہ اکتوبر میں تحریر کی ہے اس میں اگر چند چیزیں یہ اور شامل کر لی جائیں تو اور بھی فایدہ مند ہو گا۔ گلی چھالیہ۔ تمباکو کا گل۔ الائچی کلاں کے چھلکے ان تینوں چیزوں کو جدا جدا جلا لیں آدھ پاؤ آدھ پاؤ ۲ ماشہ آدھ پاؤ کافور ۲ ماشہ رومی مصطگی ۲ ماشہ عاقر قرحان سب چیزوں کو باریک پیس کر اس منجن میں شامل کر لیں جو بہت مضبوط اور آزمودہ ہے + ماجرہ خاتون ہمشیرہ سید محمد طاہر جلپور

برص کے لئے یہ نسخہ آزمودہ ہے۔ نوشادر اور لہسن دونوں ایک جا پیسکر پھر داغوں پر ملئے +

صغرا بنت محمد اکبر منگن گھاٹ

میری ایک عزیز سہیلی کے پسینہ میں بوخراب آتی ہے اگر کسی بہن یا بھائی کو کوئی دوا یا نسخہ یا صابن معلوم ہو تو تحریر کریں۔

صغرا

میری بہن کا رنگ بخار آنے سے سیاہ ہو گیا ہے اگر کسی بہن کو کوئی صابن یا نسخہ معلوم ہو تو عصمت میں چھپوا کر مجھکو ممنون کریں +

ایک عصمتی بہن

محترمہ حمیدہ خاتون صاحبہ نے جو عصمت کے سالگرہ نمبر میں پنجابی قمیض کی ترکیب تحریر فرمائی ہے وہ میری سمجھ میں اچھی طرح نہیں آئی علاوہ اس کے نمبر وغیرہ بھی صحیح نہیں معلوم ہوتے۔ لہٰذا بہن صاحبہ قمیص تراشنے کی ترکیب دوبارہ شایع کرا دیں تو بہتر ہو۔

ص۔ ب بنت خانصاحب منشی فضل حسین میرٹھ

جن بہن صاحبہ نے عصمت کے سالگرہ نمبر میں تیل کے بنانے کے وزن دریافت کیے ہیں انکی خدمت میں جواباً عرض ہے کہ ناریل کے ڈیڑھ پاؤ تیل میں رتن جوت۔ ادھی چھٹانک ترنبے کے بیج۔ آدھی چھٹانک دار چینی کی لکڑی۔ ایک چھٹانک ڈالیں۔ ترکیب مفصل عصمت کے جون نمبر میں ہے ملاحظہ ہو۔ کئی بہنوں نے تیل کے وزن اور دوائیں دریافت کرنیکے لیے خط بھیجے تھے انمیں سے دو بہنوں کے جواب نہیں جا سکے ہیں ایک تو محترمہ انیسہ خاتون صاحبہ بنت سید احمد سپرنٹنڈنٹ آگرہ۔ دوسری بیگم محی الدین راجپوران دونوں بہنوں کو بھی واضح ہو کہ مذکورہ بالا وزن سے قبل تیار کریں۔ بیگم محی الدین صاحبہ نے تحریر فرمایا تھا کہ وہ ریٹھہ سے سر دھوتی ہیں میرے خیال سے ہیر سوپ بالوں کے واسطے نہایت

مضامین کی رسید

یہ مضامین شائع کئے جائیں گے:-

قدامت پرستی	مرزا عظیم بیگ چغتائی
روپیہ سے شادی	صغرا بیگم سبزواریہ
ستیا دیوی	صغرا ہمایوں مرزا
فوٹوگرافی اور عورتیں	ستارخیری ام اے
رامائن کا ایک ورق	بلقیس جمال
دریا کے کنارے	عشرت رحمانی
سیر بین	محمد ظفر ام اے
شریف بیوی سے	رابعہ نیہاں
مسرت حقیقی	ادریس بیگم
چٹھی رساں کا انتظار	رشیدہ خاتون
رومال چوکور کیوں ہوتے ہیں	کنیز فاطمہ
کام آنیوالی باتیں	مسز تاج حسین
برقع پوش حسن	بنت ڈاکٹر محمد خاں
نمک ولیموں	سروز جہاں
شرف النسا بیگم	سید نصیر الدین
مستعار چیزیں	بنت نعمت الہی
تاریخ ہند کا فراموش شدہ ورق	شہر بانو
جاپانی عورت	سعیدہ بیگم
استقبال	ایس بی طاہرہ
مہر	مہر النسا
بہن کا بدلہ	کنیز فاطمہ
مہماں نوازی	مسز احمد حسن
استقلال	سرور جہاں
جنت کا محل	فاتنہ بیگم
کیڑا رنگنے کی ترکیبیں	گ ن
لطیفے	ایس کے صغرا
کثرت ازدواج	شہر بانو
موتیوں کا بیگ	راضیہ بانو
موتیوں کا بیڈ تنگ	صفیہ لودی
فوٹو فریم	ا ب
کروشیا میں گلدستہ	فاطمہ
میز پوش کا کنارہ	ساجدہ بیگم
کروشیا میں شعر	انور سلطان
گلزار طلا کاری	خدیجہ بائی
انگشتر کیلئے خوبصورت بوٹی	عزیز فاطمہ
عمق سمندر کی بلا	محمد ظفر ام اے
لندن پیرس کے سنیما تھیٹر	نصیر الدین ہاشمی
بیمار بچہ	
لڑکیوں کی صحت	سرور جہاں
کرشمیں	اسما سعید

یہ مضامین زیر غور ہیں

کوشش کی جائیگی بارچ عصمت میں ورنہ بنات میں شائع کردیئے جائیں۔

شریفا کی سرگذشت، سالگرہ نمبر کے مضامین، زندگی اور زندہ دلی باپ بیٹے کی گفتگو، سچی تفریح، مذہب سے غفلت کنٹسر، توبہ، نباس فسانہ جمیلہ، ہمایرند، ترانہ حمد (حیدرآباد دکن) زکیہ خانم (کنگشر) سلام میں عورت کا درجہ (حیدرآباد) وسائل حصول علم (بہاولپور) ہندی حالات، زنانہ ٹی پارٹی (جونپور) عورت و مرد (گیادی) بگناہوں پر ظلم، ساس بہو کے تعلقات (جونپور) صحت (ڈہلقہ) زن کے آنسو۔ ہوائی جہاز، بچپن کی شادی پر نظر (پٹنہ) معیار شرافت (الہ آباد) دو نظمیں (شیخوپور) زیب النسا کے دو شعر، باندسے، ٹرنیک (کانپور) نکتہ چینی۔ یادرفتگاں، تحریک نسواں راہ راست۔ مکافات (کھولاپور) سالگرہ نمبر کے دو مضامین حیدرآباد) ساس بہو کے جھگڑے (بھوپال) تاج، آئینہ غم میں ان کی تصویر، زرین مقولے (کپورتھلہ) پردہ اور میری مشکلات وہ کی فریاد۔ ہمدردی، اپنے پروردگار سے، تلاش مسرت

فراق رسول صلعم، عزیز حیدرآبادی کی نظمیں۔ مضمون بے عنوان از بیلی بھیت۔ سخاوت (رائے پور) نعت (کرنال) جسم اور مکان کی صفائی، رسوم شادی پر نظر، ترکیب رنگ سازی، چڑیاں۔ دلچسپ لطیفے (رائے پور) گڑیا، حمیدہ بانو بیگم (از کہیری) حمیدہ بانو بیگم (بہاولپور) طرز معاشرت (اجمیر) مرد عورت، تربیت اولاد، وعدہ خلافی، پراسرار واقعہ۔ زمانہ قدیم کے پردہ، علم تعلیم، زلزلے، مس ایمی جانسن، بچوں کو ڈرانے کے برے اثرات، لطائف غریبہ (لاہور) اپنی مدد آپ کشیدہ کا پھول، ویل کم، گنجاہ، شیرخوار بچوں کے لب (ابرار) ڈالی پر چڑیا (بہرائچ) کارچوبی بیل (کراچی) پھول (بمبئی) ایک خوبصورت پھول (ساگر) سلمہ کا قطب تارا (مارہرہ) سشں۔ خوبصورت ڈالی۔ (دہلی)
جھولا (نظم) احساس غفلت۔ رخصتانہ (نظم) (از دہلی)

سائنس (شاہجہانپور) بیوہ کی لوری) عصمت سے خطاب۔ مردوں سے اپیل۔ عورت۔ منظوم ہے گذارش احوال واقعی۔ جہالت کی

بھینٹ۔ عقد بیوگان۔ میرا انجام صابر لڑکی۔ چالوں کی رسم مطالعہ۔ پہلا بحری سفر، تربیت اطفال۔ رنج و راحت۔

ناقابل اشاعت مضامین

افسوس ہے مندرجہ ذیل مضامین عصمت میں شائع ہو سکتے ہیں نہ بنات میں (۱۵ نومبر تک ارکا ٹکٹ محصول ڈاک کے لئے آنے پر واپس ہو سکتے ہیں:

تمنائی جلوہ، تعلیم نسواں کیوں ضروری ہے۔ تصویر خواب، گردش روزگار جلوہ ہائے رنگین، والدہ مرحومہ کی یاد میں (میرٹھ) زبیدہ (ناتکمل افسانہ) ہنہ کے نام خط۔ مکتوب برادر، موسم برسات، کچھ حالات پردہ کے متعلق (از حیدر آباد) زیور کی خرابی۔ آسمانی انتقام، جیون (مونگیر) اتحاد نسواں، لکھنؤ کی ایک عجیب قبر، نماز (کانپور) نماز (گلبرگہ) بچپن کی شادی پر سرسری نظر (از کیرانہ) ہماری تخلیق کا مقصد، مریم عبداللہ بیگم کا مضمون، بے قراری، گردش تقدیر (رائے پور) ہندوستان کے مسلمان اور پردے کی رسم، افسانہ قسمت کا پھیر، کرشمہ عشق، شوہر سے بگاڑ، بائسکوپ اور ساری تعلیم یافتہ والدین۔ فرماں برداری، لائٹ بریگیڈ کا حملہ۔ انجمن دار الخواتین کا جلسہ بے پردگی کے شیدائی آنکھیں کھولیں، میری قسمت، موت، (دھوگڑی) موت۔ (سورت) حماقت (کہانی) انجام صبر (کہانی) تعلیم نسواں پر ایک نظر، حامد کی نسبت (کہانی) مرحومہ خاتون اکرم (الہ آباد) ایک بہن کی یاد (ہنگن گھاٹ) خاتون جنت مکانی سے (پشاور) ایک تجویز (م-ع) گندم کا گھیرا (دستکاری) عصمتی بہنوں سے ایک درخواست (بریلی) پابندی وقت (جاورہ) وقت کی پابندی (مدراس) آزادی کہانی از ص-ع، ڈالی (کہانی) عورتوں کے حقوق (دلہ) طبقہ نسواں کی بیداری، پردہ پر میرا خیال (دکن حیدر آباد) عجیب علومات (مظفر نگر) پرانی دہلی کے کھنڈروں کی سیر، آرزوئے محبت (حیدر آباد) ایک شکستہ افسانہ (از حیدر آباد) سوکن کا جلاپا۔ شادی میں لڑکیوں کی اجازت (پٹنہ) کالج لائف، طلسم اتحاد۔ شادی میں لڑکیوں کی اجازت (پٹنہ) کالج لائف، طلسم اتحاد، شادی کی غرض (مظفر پور) خلع کا حق، عورت کو ضرور دیا جائے، ساس اور بہو، فرانس کا حال۔ ایک تفریحی نتیجہ خیز کہانی از جاورہ، انجام ہستی، پردہ اور اہل ہنود، مظلوم دلہن۔ بلاؤ کا نوالہ، ہمارا وطن، انجام محبت، میران بائی۔ شہید وفا، حسن اتفاق، اعوذ باللہ، برسات کا موسم، اللہ میاں کا خط، مسلم خواتین کے نام، خزاں، شادی کے خیالات، زیور کا استعمال، تسکینہ دسعید۔ سب کا توڑ ہے پرورش کرنے والا۔ ڈائری کا ایک ورق۔ ساڑھے تیرہ سو سال سے لڑکیوں کی

حماقت، تصویر کا پہلا رخ، تعلیم نسواں پر ایک نظر۔ میری سوتیلی ماں۔ رفتار خیال، تربیت کے نتائج، مسلم خواتین کی تعلیمی پستی، عورت مرد کا موازنہ عورت کی زندگی کا نصب العین، خودکشی، مطالبات نسواں پر حقیقت کا انکشاف ناکام محبت، محزون بیوہ جستجوئے مسرت، ہماری حالت، درازی عمر کا راز نیلی ناتمکل افسانہ از صبح آباد، تاثرات، سچی کہانی، بلبل مغربی تہذیب اور پردہ دری، میر محمد تقی میر۔ یتیموں کی اپیل، کس کو کس کی ضرورت ہے لڑکیوں کی تعلیم پر مختصر خیال، پردہ میرے نقطۂ نگاہ سے (اہواز) پردہ پر خیالات (از حیدر آباد) خیالات ساحل سمندر پر، ایک معمہ تھا سوال، اے میرے مسیحا آجا، ہماری جہالت یا بیوقوفی، ناتمکل افسانہ محبت کی قربانگاہ

نظمیں رحمت برستی آگئی، عندلیب، شکستہ پر تا ساعت زندگی، رباعیات، موسم برسات، لوری واسطے سلیمان

میل کلا تھ کا پھول (دھوبال) پھول (عصمت النسا) دل کم، گھڑیال کلاں، دستکاری میں رومال، رومال کا کونہ میز پوش کا خاکہ (مارہرہ) خوشنما باسکٹ (بتیت ڈپٹی صاحب) میز پوش کروشیا میں (ناگر کوئل) کشید کا پھول (حیدر آباد) کروشیا کا کونہ (چاند اور بازار) تکیہ کے غلاف کا پھول (غازی پور) خوشنما پھول (بھادنپور) موتیوں کا پھول گونڈے میں پھول (مارہرہ) کشیدہ کاری (فاطمہ)

انجام جہالت۔ مذاق میرا پریشان خواب، کشتۂ جہالت، آمد سحر، کج ادا (میرٹھ) کے کا پھول، افسردہ دل، آج ل گئیں، نصب العین، رنگین شام چاند سہرے، آگ سے بچالیا، پھولوں کی کشتی، شمع، حمد الکلبیہ، سنگ دل رشتہ دار، ہمدردی زبانی بازار سے۔ نسیمہ کا خواب، چھوٹی بہن کی یاد، ذکیہ خانم دنیائے فانی، ڈاکوؤں کی سرگذشت، باسی پھول، تجسس موہوم، تلاش، عشقیہ افسانوں کے نتائج، دعا کی مقبولیت، کنجوس سوداگر، عہد نبوت کے تین چھوٹے نبی، سوتیلی ماں، توکل، بے گناہی میں لطف، میاں اختر کی شادی، کامیاب دلہن حمیدہ بانو، از عرش، شیطان کا جال، ترا سی سوال، تصویر حسرت، تعصب، نماز، قبہ پرستی، والدین کی محبت، سہیلی کا خط، محبت زیور کے نقصانات و فوائد استغفار، تعلیم نسواں، بہنوں سے اپیل، نمرود، نکاح، شادی ساتھ نہ ہونے کے نتائج مس ادہنری ہندوستانی خاتونوں کی رفتار، پھول، عالی ہمتی، بچھڑے دن، نا نفاق

مسز بی داس

یہ بھی مشہور خاتون ہیں جو
انڈین لیڈیز میگزین کی ایڈیٹر

شاہ جارج پنجم کے سینٹ جیمس محل کا وہ کمرہ جس میں گول میز کانفرنس کا اجلاس ہو رہا ہے۔

گھوڑے اور کتے کی ایسی تصویر جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔
کہ کتا گھوڑے کو تختۂ سیاہ پر تعلیم دے رہا ہے۔

رسالہ عصمت دہلی

جلد ۴۵ | بابت ماہ دسمبر سنہ ۱۹۳۰ء | نمبر ۶

فہرست مضامین

تصاویر صرف ۴ صفحوں کی

چندہ سالانہ پیشگی مع محصول ڈاک وغیرہ۔ قسم خاص (جو آرٹ کا غذ پر چھپتا ہے یعنی جس کاغذ پر تصاویر چھپتی ہیں) دس ۱۰ روپے روسار سے پچیس ۲۵ روپے والیان ریاست سے سو ۱۰۰ روپے ٭

قسم اول (جو دبیز چکنے کاغذ پر چھپتا ہے) پانچ روپے فی پرچہ ٭ قسم دوم (جس کے مضامین تصاویر ٹائٹل وغیرہ کا کاغذ معمولی ہلکا ہوتا ہے) ساڑھے تین روپیہ فی پرچہ

جمالِ ہمنشیں کا دوسرا حصہ

افسانوں کا مجموعہ

محترمہ خاتون اکرم جنت مکانی کے مضامین کا پہلا مجموعہ جمال ہمنشین حصہ اول (ادبی مضامین) کا شائع ہونا تھا کہ اس علمی شمع پر قدر دان بہنیں پروانہ وار ٹوٹ پڑیں۔ اخبارات و رسائل نے نہایت اچھے اچھے ریویو کئے اور اپنے ناظرین کو بتایا کہ جمال ہمنشین سے ادب اردو میں کیسا گراں بہا اضافہ ہوا ہے
خاتون اکرم مرحومہ محض اسوجہ ہی سے بزم نسواں کی شمع منور نہ تھیں کہ وہ اپنے جنس کی اصلاح اور حقوق پر درد میں ڈوبے ہوئے مضامین لکھنے میں خاص ملکہ رکھتی تھیں بلکہ اسوجہ سے بھی وہ سلک نسواں کی درِ شہوار تھیں کہ انکی انشا پردازی اور افسانہ نگاری زنانہ لٹریچر کو مالا مال کر رہی تھی۔ جمال ہمنشیں حصہ اول (ادبی مضامین) کے بعد جو اُن کی انشا پردازی کا بے نظیر نمونہ ہے۔ حصہ دوم۔ (افسانوں کے مجموعہ) کا عالم نسواں کو شدید انتظار تھا۔ الحمد للہ آج وہ بھی چھپ کر تیار ہے

خاتون مرحومہ کے ادبی، اور تاریخی۔ مذہبی اور اخلاقی اصلاحی اور تمدنی مضامین کی ہی ان کی زندگی ہی میں وہ دھوم مچی ہوئی تھی لیکن انکی تحریر کی پوری خوبیاں جس نے ہزاروں خواتین کے علاوہ سینکڑوں مردوں کو ان کا مداح بنا دیا تھا۔ افسانوں میں نظر آتی ہیں۔ ان کے دو چھوٹے چھوٹے قصے پیکر وفا اور بچھڑی بیٹی کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی طرح اس مجموعہ کے افسانے بھی اصلاح معاشرت پر ہی لکھے گئے تھے۔

کیونکہ مرحومہ کے سامنے دو ہی چیزیں تھیں۔ انکی بہنوں کی اصلاح و ترقی اور حقوق و آزادی۔ اس مجموعہ کے ہر افسانہ میں انہوں نے یہ بتا کر مردوں کے ہاتھوں ہندوستانی عورت کی مٹی کیسی پلید ہو رہی ہے۔ نہایت درد بھرے الفاظ میں مردوں کو انسانیت و شرافت کا برتاؤ کرنے کی درخواست کی ہے یا عورتوں کو فرائض کی ادائیگی میں غفلت و جہالت سے کام لینے کے دردانگیز و جگر خراش نتائج دکھا کر اصلاح پر متوجہ کیا ہے انکے

ہر افسانہ کا پلاٹ واقعیت پر مبنی ہوتا تھا۔ قرین قیاس اور خلاف عقل کوئی بات ان کے کسی افسانہ میں نہیں نظر آئیگی ان کے افسانوں کے کیرکٹر انتہائی عمیق ہوتے تھے۔ یہ ممکن نہیں کہ ہیروین کے ساتھ پڑھنے والے کو ہمدردی یا نفرت نہ ہوجائے ان کا اسلوب بیان بے حد دلاویز ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی موثر ہے۔ انہوں نے جہاں جہاں عورت کے حقوق غصب ہونے پر بحث کی ہے۔ اگر آنسو نہ گریں تو آنکھیں یقیناً نمناک ہو جاتی ہیں۔ اور تحریر کا ایک ایک فقرہ دل کے پار ہو جاتا ہے۔ روز مرہ ان کی زبان کی خصوصیت تھی۔ چھوٹے چھوٹے فقروں میں وہ درد و گداز کوٹ کوٹ کر بھر دیتی تھیں۔ ان کی تحریر کی روانی اس مجموعہ کے افسانوں میں خوب اچھی طرح نمایاں ہے۔ یہ کل گیارہ افسانہ ہیں جن میں سے بعض اس قدر مقبول ہوئے تھے کہ کئی کئی رسالوں نے شائع کئے افسانوں کے عنوانات یہ ہیں۔

شہید ظلم۔ سچ کی فتح۔ انوکھی توبہ۔ بالائی آمدنی۔ آرزو دُوں پر قربانی۔ تربیت اولاد۔ طرز زندگی۔ انقلاب زمانہ۔ جدت پرست۔ مرغ کی کہانی۔ اور دوسری شادی۔

جمال ہمنشیں حصہ اول اور مرحومہ کی دوسرے افسانوں کی طرح اس میں بھی شاندار آرٹ کا غذ ہی لگایا گیا ہے ضخامت ۲۰۰ صفحے اور قیمت صرف ؏

خاتون اکرم جنت مکانی کی تصانیف میں یہ کتاب سب سے اہم ہے اس لئے یقین ہے کہ ہندوستانی خواتین اپنی عزیز و محبوب مصنفہ کی اس یادگار کو ہاتھوں ہاتھ لینگی اور اسے پڑھکر جب انہیں معلوم ہوگا کہ مرحومہ نو عمری میں انکی کیسی غیر فانی خدمات کر گئیں تو ان کی جوانمرگی پر دو آنسو بہا کر فاتحہ کا تحفہ بھیجینگی۔

رازق الخیری

پچھلے پرچے اب قیمتاً ملیں گے

ایک ضروری اعلان

ظاہری خوبیوں میں بقول معزز معاصر نظام المشائخ "عصمت کی پابندی وقت ضرب المثل ہے" ممکن ہے اور کسی اعتبار سے کسی ماہ کے پرچہ میں کوئی کمی رہجائے لیکن اشاعت میں ایک دن کی بھی تاخیر کسی قیمت کسی صرف اور کسی محنت پر ہمیں گوارا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ہر ماہ کا پرچہ ٹھیک ۳۰ تاریخ کو شائع ہوجاتا ہے۔ ہمارے لئے یہ امر باعث مسرت ہے کہ ہزاروں بہنیں عصمت کی اس پابندی وقت کی قدر کرتی ہیں۔ مگر ساتھ ہی اس کے اس سے زیادہ اور کیا چیز ہمارے لئے سوہان روح ہوگی کہ بعض خواتین اور حضرات پتہ تبدیل ہونے کی بھی اطلاع نہیں دیتے اپنے خطوط میں خریداری نمبر نہیں لکھتے اور بے قاعدگی اشاعت کا الزام عصمت پر تھوپ کر پچھلے کئی کئی ماہ کے پرچے دوبارہ طلب کرتے ہیں یہ خیال کر دفتر کے کلرکوں نے جان کر پرچہ نہیں بھیجا سخت غلطی ہے کیونکہ جب نام درج رجسٹر ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ پرچہ دفتر سے نہ بھیجا جائے ہاں اگر وی پی واپس کردیا اور نام خارج ہوگیا تو پھر شکایت کیسی؟ روانگی سے قبل پتوں کے تمام لفافے رجسٹر سے ملا کر احتیاط کے ساتھ رکھے جاتے ہیں پھر اسکے بعد ۳۰ تاریخ کو رسالہ ڈاکخانہ کے سپرد کیا جاتا ہے اب اگر وقت مقررہ پر اگر کسی بہن کو رسالہ نہ ملے تو ہمارا کوئی قصور نہیں ہوسکتا شرارت ہوسکتی ہے ڈاکخانہ کی (جسکا انتظام کرنا چاہئے) یا غلطی ہوسکتی ہے خریدار بہن کی (جسے فوراً دور کرنا چاہیے) یا غفلت ہوسکتی ہے ملازموں کی جنہیں تنبیہ اور ہدایت کرنی چاہئے) کانپور سے ایک بہن لکھتی ہیں۔ سالگرہ نمبر کے بعد مجھے کوئی پرچہ نہیں ملا۔ کل ہی میری بہن کا خط آیا ہے (انہیں ٹھیک ٹھیک پرچہ پہنچتا ہے) مجھے تین ماہ سے آپنے رسالہ کیوں نہیں بھیجا۔ ستمبر اکتوبر نومبر کے پرچے فوراً بھیجئے۔ اور آئندہ اس پتہ پر بھیجا کریں کیونکہ اب ہم الہ آباد سے کانپور آگئے ہیں" اس خط کو پڑھکر بہنیں فیصلہ کریں انکی یہ شکایت کہاں تک صحیح ہے اگر یہ بہن پتہ تبدیل ہوتے ہی ہمیں مطلع فرمادیتیں تو انکا رسالہ سابقہ پتہ پر جاکر تلف نہ ہوتا ہم کو تین پرچہ دوبارہ بھیجنے کا نقصان نہ اٹھانا پڑتا۔ اور ان بہن کو رسالہ کی طرف سے شکایت نہوتی۔ پتہ تبدیل کرنیکے لئے کلرکوں کو خریدار نمبر معلوم ہونا ضروری ہے۔ پانچ منٹ میں دوسرا پتہ بدل سکتے ہیں مگر خریداری نمبر جب معلوم نہ ہو تو گھنٹوں سر کھپاتے ہیں اور پھر بھی نام نہیں ملتا۔ آخر ہزاروں ناموں میں ایک نام کا تلاش کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ پھر ایک ہی شہر میں ایک نام کے کئی کئی خریدار ہوسکتے ہیں اگر یہ بہن خریداری نمبر لکھ دیتیں تو ان کے خط کی تعمیل میں تین دن نہ لگتے خط ملتے ہی تعمیل کردیجاتی۔ کچھ ان ہی بہن پر منحصر نہیں ہر ہفتہ اس قسم کے کتنے ہی خطوط آجاتے ہیں ممکن اسکی وجہ یہ ہو کہ ہم دوسرے سالوں کے قواعد کے خلاف تین تین چار چار ماہ کے پرچے بھی دوبارہ بلکہ سہ بارہ بھیجدیتے ہیں اور اسکی ہمیں یہ سزا دیجاتی ہو اسلئے آئندہ کیلئے اعلان کیا جاتا ہے کہ جس ماہ کا پرچہ نہ ملے اسے دوبارہ بلاقیمت اس مہینہ کی ۱۵ تاریخ تک خریداری نمبر کا حوالہ دیکر منگا لیجئے دوسرے مہینہ میں قیمت لیجائیگی مثلاً جنوری کا پرچہ اگر ۵ یا ۱۰ جنوری تک نہ ملے تو جنوری کی ۱۵ تک ہمیں اطلاع دیدیجئے دوبارہ پرچہ بھیجدیا جائیگا ۱۵ تاریخ کے بعد بھی بھیجنے کی کوشش کیجائیگی۔ مگر ہم ۱۵ تاریخ کے بعد کا قطعی وعدہ نہیں کرتے کیونکہ پرچہ تعداد کے موافق ہی چھپوایا جاتا ہے دوسرے مہینہ یعنی فروری میں اگر جنوری کا پرچہ طلب کیا گیا تو قیمتاً بھیجا جائیگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ دوسرے یا تیسرے

چند باتیں

خدا معلوم بعض بیبیاں کیوں اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئی ہیں۔ کہ ہر خریدار کا مضمون شائع کرنا بھی رسالہ کے فرائض میں سے ہے وہ چندہ دیتی ہیں۔ اور اس کے معاوضہ میں انہیں سال بھر تک رسالہ ملتا ہے بے شک مینیجر کا فرض ہے کہ خریداری نمبر کے حوالہ سے جو جائز شکایت کیجائے اسے فوراً دور کرے لیکن اڈیٹر غریب کسی اعلان اور کسی معاہدہ کسی قانون اور کسی قاعدہ سے ہر خریدار کا مضمون شائع کرنیکا پابند اور مجبور ہے اگر کوئی بہن قسم اول کی بجائے قسم خاص منگاتی یا دس روپے کی بجائے پچاس روپے اور ایک دو سال سے نہیں آٹھ دس برس سے رسالہ کو عطا فرماتی ہیں۔ اور اکثر اپنے حلقہ اثر میں رسالہ کے خریدار بھی پیدا کرتی رہتی ہیں تو لاریب وہ عصمت کی سچی قدردان ہیں۔ محسن ہیں۔ مربی ہیں۔ مگر ان صفات کے ساتھ یہ ضروری نہیں کہ وہ مضمون نگار بھی ہوں عصمت کی مضمون نگاری کے جو قواعد وقتاً فوقتاً رسالہ میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ جو بہنیں انکی پابندی کرتی ہیں اور انہیں ملحوظ رکھکر مضامین بھیجتی ہیں۔ انہیں مضامین شائع نہونیکی شکایت بہت کم ہوتی ہے۔ کیونکہ اڈیٹر کے کئی گھنٹے روزانہ مضامین کی درستی و نظرثانی میں صرف ہوتے ہیں جو مضامین کسی اعتبار سے خواتین کے لئے مفید اور دلچسپ سمجھے جاتے ہیں بڑی خوشی سے درج رسالہ ہوتے ہیں۔ خواہ خریداروں کے ہوں یا ان بیبیوں کے ہوں جو رسالہ کی خریدار نہیں ہیں۔ پس خریداری رسالہ کا مضمون نگاری رسالہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ خریداری علیحدہ چیز ہے اور مضمون نگاری علیحدہ۔

فروری کے پرچہ میں چند خاص خاص موضوعات کے بہترین مضامین پر انعامات دینے کا اعلان کیا گیا تھا۔ اس کے بموجب سالگرہ نمبر میں نصف سے زیادہ کا نتیجہ شائع ہو چکا جو انعامات رہ گئے تھے انکا فیصلہ یہ ہے۔

بہترین لطائف کے انعام کی مستحق مسروری بیگم صاحبہ الہ آباد قرار پائی ہیں۔ اور سب سے اچھے مقولے بھیجنے والی بہن محترمہ مسز سید حمید الدین سکندرآباد ہیں۔ تندرست بچوں کی تصاویر میں کثرت رائے سے صاحبزادہ قمر حسین کانپور کی تصویر قابل انعام قرار پائی ہے۔ چنانچہ علی الترتیب ۱۰۔ ۱۰ اور ۲ روپے بطور انعام ان تینوں کو بھیجے جا چکے ہیں۔ اب صرف افسانہ کا فیصلہ رہ گیا جو کم سے کم ایک اور افسانہ شائع ہونے کے بعد کیا جائیگا۔

سالگرہ نمبر ۳۱ء حسب معمول جون میں شائع ہوگا۔ اور ہماری پوری کوشش ہوگی کہ نہ صرف سالگرہ نمبر ۳۰ء سے بلکہ جوبلی نمبر (۲۸ء) سے بھی زیادہ دلچسپ اور شاندار ہو۔ پہلے ہم آخر اپریل تک مضامین کا انتخاب کر کے شروع مئی میں پرچہ ترتیب دیتے تھے مگر اس میں ہمیں بڑی دقت اور الجھن کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اسلئے سالگرہ نمبر ۳۱ء کے لئے فیصلہ کیا گیا ہے کہ مارچ کے پہلے ہفتہ میں مرتب کر کے مارچ ہی میں کتابت شروع کرا دیجائے پس عصمت کی مخصوص مضمون نگار بہنوں سے درخواست ہے کہ وہ سالگرہ نمبر کے لئے زیادہ سے زیادہ آخر فروری تک مضامین بھیجدیں ۲۸ فروری کے بعد جو مضامین موصول ہونگے سالگرہ نمبر میں شائع نہ ہو سکیں گے۔ جو خواتین تصاویر سے اپنے پرچہ کے سالگرہ نمبر کی زینت بڑھانی چاہیں وہ بھی ۲۸ فروری سے پہلے ہی بھیجدیں۔

اڈیٹر

آمنہ کا لال

دربار رسالت کی تصویر

حضرت علامہ راشد الخیری قبلہ کی یہ بے نظیر تصنیف جسکا سال بھر سے انتظار ہو رہا تھا۔ بالکل تیار ہے۔ عصمتی بہنوں کی تجویز تھی کہ کتاب شائع ہوتے ہی فوراً سب کی خدمت میں بذریعہ وی پی بھیجدیجائے میں بھی جانتا ہوں کہ باوجود انتہائی احتیاط کے ہر نئی کتاب میں مجھے بعض بہنوں کے ارشاد کی تعمیل میں دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ مگر پھر بھی میں اس تجویز سے متفق نہیں ہوں۔ ہاں یہ میں نے انتظام کر دیا ہے کہ کسی کتب فروش کو اس ایڈیشن سے ایک جلد بھی ابھی نہ دیجائے

مسلمان بہنیں علامہ محترم کے لٹریچر کا لطف اٹھانے کے علاوہ دربار رسالت میں حاضر ہوں۔ ذوق و شوق کی تصویریں دیکھیں۔ عجز و انکسار کا رنگ ملاحظہ فرمادیں۔ اور بادشاہ دو جہاں کے ذکر سے آنکھیں روشن کریں۔ بزم مولود میں مسلموں کے علاوہ غیر مسلموں کو بھی بلائیں۔ آمنہ کے لال اور خدیجہ کے دولہا کی برات میں شریک ہوں۔ عقیدت کے پھول ادب سے پیش کریں اور دیکھیں کہ **حقیقی مولود شریف کس کو کہتے ہیں۔**

اس لاجواب کتاب میں عورتوں اور بچوں کی دعائیں پڑھنے والوں کو عجیب منظر دکھائیں گی اور سننے والے بیساختہ پڑھنے والے سے کہیں گے ؎ موذن مرحبا بر وقت بولا۔ تیری آواز مکے اور مدینے۔

علامہ محترم کی طبیعت پچھلے دنوں کچھ ناساز رہی (اب خدا کا شکر ہے اچھی طرح ہے) علالت کے باعث ان کا کوئی مضمون اس پرچہ کے لئے حاصل نہ ہو سکا۔ اسلئے تبرکاً "آمنہ کے لال" ہی سے چند صفحات نقل کرتا ہوں۔ یہ سدا بہار پھول جو آمنہ کے لال میں کھلے ہیں۔ ہر گھر کو معطر اور ہر دل کو مسخر کرینگے اور بتادینگے کہ طیبہ کی خاک میں آرام کرنیوالا ہادی کس شان کا رسول تھا۔

" اڈیٹر "

آمنہ کے لال پر زمین کائنات نثار ہونے کو آگے بڑھی۔ بارآور شاخوں نے ارض حجاز کو بوسہ دیا۔ نسیم نے ن سے قربان ہو کر بساط ارضی کو چوما۔ ہوا نے اس مقدس نام کی تسبیح پڑھی۔ خوشرنگ پھولوں نے مکہ کی خاک ے ملی۔ اور ملک کا چپہ چپہ اور ذرہ ذرہ اس مسرت میں لہلہاتی ہوئی کونپلوں کا ہم آہنگ ہوا۔

آسمان عرب نے عبدالمطلب کے گھر دار ابن یوسف کے در و دیوار پر روشنی کی بارش کی۔ چمکدار تارے لخت جگر پر قربان ہوئے۔ اور مخلوق فلکی نے شادمانی کا غلغلہ بلند کیا۔

آتش نمرود کے ذرات پھولوں کا لباس پہنکر زر و جواہر کی کشتی میں دعائے ابراہیمی کو سر پر رکھے عبد المطلب کے گھر پر نمودار ہوئے۔ دار ابن یوسف کی دیواریں تعظیم کو جھکیں۔ فرحت کی جھڑیاں برسیں۔ ہوا معطر ہوئی اور زمین و آسمان مبارکباد کے نعروں میں سرگرم ہوگئے۔

یہ بزم طرب اور خوشی کی گھڑی مسرت کی ہر سو لگی ہے جھڑی
عقیدت سے ہے یہاں دست بستہ کھڑی مگر آنکھ تجھ بن ہے سونی پڑی
فدا تجھ پہ سو بار صل علے

غلام اور تھوڑی سی یہ لونڈیاں بصد عجز و منت ہیں حاضر یہاں
کرم اپنے ہو لے شہ مرسلاں بنا انکی مجلس کو رشک جناں
شہ دو جہاں اپنا جلوہ دکھا

گنہگار آنکھوں میں طاقت نہیں یہ دو چار ہوں تجھ سے ہمت نہیں
ترے سامنے ہوں یہ جرات نہیں نگہ بھر کے دیکھیں یہ قدرت نہیں
شہ دوسرا جلد آ جلد آ

دل مضطرب پر یہ سی ہے بنی نظر آسماں پر ہے اسکی لگی
یہ بزم کنیزاں ہے خالی پڑی اسے جگمگا التجا ہے یہی
سما جا ان آنکھوں میں آ جلد آ

زمین و زماں تجھپہ قرباں ہو ملائک سے ارفع تیری شان ہو
تو دنیا کا بے مثل انسان ہو خدا تیرا حافظ نگہبان ہو
فدا تجھپہ جاں جلد آ جلد آ

حیات انسان کی تاریخ ان واقعات سے محروم نہیں۔ جب قدرت کے زبردست ہاتھوں نے اپنی طاقت پر فخر کیا ہے۔ صانع حقیقی نے اپنی صنعت کو سراہا۔ اور احسن الخالقین نے اپنی خلقت پر ناز کیا۔ آج کتاب زندگی کا یہ باب بند ہوتا ہے۔ اوصاف انسانیت ختم ہوتے ہیں۔ اور آدمیت کی تمام صنعتیں جمع ہو کر ایک ذات میں رونما ہوتی ہیں۔ رحم و کرم کی حسین دیویاں خلق و مروت کے تر و تازہ گلدستہ ہاتھ میں لئے عبد المطلب کے گھر میں نمودار ہوئیں۔ خلوص و صداقت کے کفش بردار چہرے راستی و ایثار کے جواہرات سے مزین ہو کر سامنے آئے۔ عبادت و دیانت کے علمبردار شرک و بت پرستی کو تاراج کرتے ہوئے خانہ کعبہ پر توحید کے جھنڈے گاڑنے لگے۔ آسمان فرط مسرت سے اچھل پڑا۔ زمین اپنی خوش نصیبی پر فخر کرنے لگی اور وہ وقت قریب آگیا۔ جب دنیا کے ہاتھ اس کچھ کو

آغوش میں لیں۔ جسکو روئے زمین کی اصلاح کرنی ہے۔ ارضی و سماوی کائنات کی نظریں اس جمال پر پڑیں جو ایک
پر منور کرے گا۔ اور وہ فخر موجودات ظہور پذیر ہوا جس کے مبارک قدموں میں سرکش گردنیں جھکیں گی۔ اور عدل حقیقی
کے پاؤں چومیگا۔

آمنہ کے لال! تیری پیدائش ایک نعمت ہے۔ جو خدا ہمکو عطا فرما رہا ہے۔ تیرا وجود جس نے کارخانۂ حیات
پر وزبر کر دیا۔ تیری مقدس ہستی جس نے دنیا کی تاریکی میں تہلکہ مچا دیا قدرتی انعام تھا۔ رسالت کے معنے تو نے بتائے
ت کی تفسیر تو نے کی۔ انسانیت کا عقدہ تو نے کھولا۔ اور بندگی کا راز تو نے بتایا۔ عبودیت کا مرحلہ تیری شان
۔ اور توحید کا ڈنکا تیری زبان۔ آمنہ کے پیٹ سے پیدا ہونے والے بادشاہ۔ ہم لونڈی غلاموں کا سلام قبول فرما
تان تخیل کو اپنے رحم سے تر و تازہ کر۔ ہمارا حقیر ہدیہ منظور کر اپنے رحم سے اور اپنے کرم سے

خدا کے نام سے ناآشنا ہر ایک انساں تھا — نہ قانون عبادت تہا۔ تعلق تھا نہ رستہ تھا
وجود پاک نے تیرے خدا کا رنگ دکھلایا — زبان پاک نے تیری خدا کا نام بتلایا

درود ہے تجھپہ اے مولا۔ سلام ہے تجھپہ اے آقا

قیامت خیز گھڑیاں کفر کی العظمۃ للہ — ستم کے سلسلے جاری مظالم کا تھا ایک تانتا
حقیقت تو نے دکھلائی بتایا راستہ سیدھا — خس و خاشاک کو تو نے صف اعلیٰ میں پہونچایا

درود ہے تجھپہ اے مولا۔ سلام ہے تجھپہ اے آقا

خدائے زندگی دی آدمیت تو نے اے آقا — قیاس زنگ آلودہ کو صیقل تو نے دلوایا
فنا انسانیت ہو کر بہیمیت کا دورہ تھا — ہدایت تو نے کی اور امتیاز نیک و بد بخشا

درود ہے تجھپہ اے مولا۔ سلام ہے تجھپہ اے آقا

دغا کا دور دورہ تھا گھڑی آفت کی آئی تھی — جو بارش تھی تو ظلموں کی گھٹا نخوت کی چھائی تھی
محو ہو کر خدا کا نام قوت کی خدائی تھی — مگر ہستی تیری نام خدا ساتھ اپنے لائی تھی

درود ہے تجھپہ اے مولا۔ سلام ہے تجھپہ اے آقا

حیا و خلق و ایماں سب ہوئے تھے یک قلم غارت — نہ تھی کمزور کی عزت نہ کچھ عورت ہی کی وقعت
بجائے کلفت و آفت کے دی آسایش و راحت — غلامی تو نے کی رخصت تو دی عورات کو وقعت

درود ہے تجھپہ اے مولا۔ سلام ہے تجھپہ اے آقا

یتیموں کی طرف تو نے بڑھایا ہاتھ اُلفت کا — دیا بوسہ سروں پر اُن کے تو نے رحم و شفقت کا

دکھایا رنگ انسانی بتایا طرز الفت کا غریبوں بیکسوں پر تو نے رکھا ہاتھ رحمت کا
درود ہے تجھ پہ اے مولا سلام ہے تجھ پہ اے آقا

خدا کا فضل تھا انعام تھا نور خدا تو تھا شمع توحید باری کی جو سچ پوچھو ضیا تو تھا
ترے احکام نے ختم رسل ساکت زباں کر دی نہ ہوتا قفل گر منہ پر تو بتلاتے کہ کیا تو تھا
درود ہے تجھ پہ اے مولا سلام ہے تجھ پہ اے آقا

زبان احسان اخلاقی کہاں تک تیرے گنوائے بکھیرے ہیں جو تو نے پھول کب تک انکو چنوائے
ترے احسان کا دنیا میں بدلا ہے تو اب یہ ہے کہ ذکر خیر تیرا خود سنے اوروں کو سنوائے
درود ہے تجھ پہ اے مولا سلام ہے تجھ پہ اے آقا

اغیار کا اعتراف صرف مسلمان نہیں ہر انسان نگاہ بلند کرے اور سامنے دیکھے موسوی عہد گزر چکا مسیحی دور ختم ہوا۔ نبوت رسالت کے جلوے اپنے اپنے رنگ دکھا کر فنا ہوئے اور وہ وقت آگیا کہ آمنہ کے لال پر پہلی مرتبہ خدا کا پیام نازل ہو۔ اعلان نبوت کوس لمن الملک کی طرح دنیا میں گونج رہا ہے۔ آسمانی کتابوں کے ماہر تلاش کے قدموں سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ اور تحقیق کی آنکھیں یتیم عبداللہ کے گھر مکہ کا طواف کر رہی ہیں۔ آفتاب نصف النہار پر ہے اور عرب کی قیامت خیز گرمی نے آفت بپا کر رکھی ہے۔ یروشلم کے دو یہودی توریت وزبور کے عالم جن کے دلوں کو آیات ربانی نے تعصب وکدورت سے صاف کیا تھا مکہ کی سرزمین پر داخل ہوئے۔ اور اپنے ایک ہم مشرب وہم مذہب یہودی بقال کی دکان پر ٹھیر کر کہا۔ "وہ شخص جس نے نبوت کا دعوی کیا ہے کہاں ہے بتا"

میزبان بقال اپنے مہمانوں کے شوق کا استقبال بلند قہقہہ کی صداؤں میں کر رہا تھا کہ غل غپاڑہ کی آواز کانوں میں آئی۔ اور اجنبی سیاحوں کی آنکھوں نے دیکھا کہ آدمیوں کا غول چیختا چلاتا ہو ہا کرتا چلا آرہا ہے۔ چشم زدن میں مجمع سر پر آپہنچا تو معلوم ہوا کہ سیاہ کمبل میں لپٹا ہوا ایک انسان بیچ میں ہے۔ جس کے قدموں کو نبوت اور رسالت چوم رہی ہے۔ سر سے خون کے فوارے جاری ہیں۔ لڑکے اور بچے بڈھے اور جوان چاروں طرف سے اس کے اوپر پتھر برسا رہے ہیں۔ اور سر کنڈے مارے جا رہے ہیں۔ یہودی دل تڑپ اٹھے۔ ہمدردی کا جذبہ بلند ہوا۔ اضطراب کی لہریں چہروں پر دوڑنے لگیں اور مکہ والوں کے ان مظالم پر لعنت کی بوچھاڑ کرتے ہوئے اٹھے تو عالم نے کہا جس کی آرزو تمکو یہاں تک کھینچکر لائی وہ محمدؐ یہ ہی ہے"۔ ذوق حیرت سے بدلا اور تعجب کے آثار نمودار ہوئے۔ اور دل نے جس کی ہمدردی میں رحم شامل ہو چکا تھا۔ فیصلہ کیا کہ آزمائش کا بہترین موقعہ ہے۔ یہ جگر خراش

مظالم خالی جانے والے نہیں۔ یہ خون رنگ لائیگا۔ اور اگر دعوے سچا اور رسالت برحق ہے تو اس کی بددعا مکہ کیا عرب کا کلیجہ توڑ دے گی۔ اور عذاب الہٰی ان ظالموں کا ناس کردے گا۔

یہودی مجمع کے ساتھ آگے بڑھے۔ چند قدم چلے تھے کہ ایک پتھر نے سرکار کی پیشانی زخمی کی۔ اور خون کی تللی جاری ہوئی۔ دونوں اس لئے کہ نتیجہ کی آرزو گدگدا رہی تھی۔ اور دل مظالم پر رو رہا تھا۔ قریب پہونچ گئے۔ تھرا اور کانپ رہے تھے۔ کہ ان کے سامنے ایک عجیب سماں آیا۔ عبداللہ کا یتیم جس کے حمایتی قبروں میں جا پہنچے تھے اور جس کا کوئی والی وارث زندہ نہ تھا۔ ٹھٹکا۔ کمبل کے کونہ سے پیشانی کا خون پونچھ کر ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور کہا۔

"معبود حقیقی میری قوم کی غلطیوں کو معاف کیجئیو۔ بے گناہ ہے۔ اس نے ابھی تک مجھکو پہچانا نہیں"۔

استعجاب کا خون رگوں میں بجلی کی طرح دوڑا اور عقیدت نے جسم میں لرزہ پیدا کر دیا۔ فضا شور و شغب میں یک متفقہ چیخ یہودیوں کی بلند ہوئی۔ اور دونوں سر یہ کہتے ہوئے قدموں میں گرے۔

"لاریب تو رسول برحق ہے"

زندگی کے اس خوشنما دربار میں اس ظلم و ستم پر نفس کو مغلوب کرنا ایسا معجزہ ہے جس کا جواب دینے میں عفو و تحمل کے فرشتہ خاموش ہیں۔ یہ رحم و کرم یہ ایثار و درگذر عدیم النظیر ہے۔ جو یائے حقیقت دریائے تاریخ میں لاکھ غوطے کھائے مگر یہ درشہوار میسر نہیں آتا۔ اور عقیل سلیم گردن جھکا کر صرف اتنا کہتی ہے۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

توسن قلم میدان تاریخ کو طے کر لینے کے بعد بیان سیرۃ میں سجدے کرتا ہوا آگے بڑھتا ہے۔ اور متعجب ہوتا ہے کیسے دل اور کیسے انصاف تھے ان لوگوں کے جنہوں نے یہ سب اپنی آنکھ سے دیکھا۔ مگر زندگی کی کشمکش نے ایمان واد ئیے۔ جانتے تھے اور سمجھتے تھے کہ معمولی انسان نہیں پیغمبر ہے۔ مگر ایسے کینہ دوز اور سیاہ قلب کہ دل حقیقت سے دماغ کو اور آنکھ کے تماشے سے زبان کو محروم رکھتے تھے۔

جشن معراج

تربیت گاہ کے یتیم سیکشن کی طرف سے جشن معراج کا اعلان کسی دوسری جگہ عصمتی لڑکیاں ملاحظہ فرمائینگی۔ اس میں شک نہیں کہ موسم سرد ہے اور شرکت تکلیف لازمی مگر مجھے امید ہے کہ محترم خواتین یہ دعوت منظور فرما کر شہنشاہ دوجہاں کے دربار میں حاضری کی کوشش کرینگی۔

بنت ضمیر الدین صاحب نے جو صندوقچہ مجھکو حیدرآباد میں محترمہ صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ کے مکان پر عطا فرمایا تھا وہ میں نے تربیت گاہ کو دیدیا۔ وہ بھی سامان آرایش میں شامل ہوگا۔ وہ تمام بہنیں جنکو تربیت گاہ کے یتیم سیکشن سے ابتک تعلق رہا۔ اگر ۱۰ دسمبر ۱۹۳۶ء کی شام کو ماحضر تناول فرما کر معراج میں شرکت فرما سکیں تو میرے اور تربیت گاہ کے دلی شکریہ کی مستحق ہونگی۔

راشد الخیری

عقد بیوگان

ہندوستان جو اکل الامم کے لقب سے ملقب ہے۔ اس میں ہزاروں قومیں آئیں اور یہیں کی ہو کے رہ گئیں آج کہیں ڈھونڈے سے ان کا پتہ نہیں چلتا۔ وہ خود اپنی اصلیت سے واقف نہیں۔ قومیت و وطن تو درکنار مذہب جیسی عزیز چیز کو کھو چکی ہیں اور سب ہندویت میں مدغم ہو گئی ہیں اور اپنے تئیں ہندو کہلانے کی دعویدار ہیں۔ اگرچہ ہندو ان کے سائے سے بھی کوسوں بھاگتے ہیں۔

اس سلسلے میں مسلمان سب سے بعد میں آئے اور فاتح ہو کر آئے۔ صدیوں یہاں پر سلطنت کی اور یہاں کی تہذیب و تمدن پر اپنے تہذیب و تمدن کا کافی اثر چھوڑا۔ لیکن خود بھی اثر پذیر ہونے سے نہ بچ سکے۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام یہاں آکر ابھی تک قائم ہے اور انشاء اللہ قائم رہے گا۔ لیکن دوسرے مذاہب کے جو مہلک اثرات اس پر روز بروز اثر ڈال رہے ہیں۔ اگر ہم نے ان کے دفعیہ کی تدابیر اختیار نہ کیں تو مجھے اندیشہ ہے کہ خاکم بدہن کہیں وہ روز بد دیکھنا نصیب نہ ہو، کہ ہم بھی اپنا نام کھو کر ہندو کہلانے لگیں۔ اس پورے موضوع پر بحث کرنا باعث طوالت ہوگا لہٰذا اس وقت میں صرف ایک شعبے کی طرف توجہ دلانے پر اکتفا کرونگا۔ جو عنوان بالا سے ظاہر ہے اور اگر خدا کی مدد شامل حال ہوئی تو انشاء اللہ باقی پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالنے کی کوشش کرونگا۔

اسلام نے بنی نوع انسان پر بیشمار احسان کئے ہیں اور اس کے بانی کو خود رب العزت نے رحمۃ للعالمین کے معزز لقب سے ممتاز فرمایا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ انکی رحمت کسی قوم کسی ملک کسی فرقے کسی صنف تک محدود نہیں بلکہ تمام بنی نوع انسان کے لئے عام ہے لیکن اس نے سب سے بڑا احسان عورت کی ذات پر کیا۔ اور اس کو قعر ذلت سے نکال کر ایک تعظیم و تکریم کی جگہ پر مرد کے برابر کھڑا کر دیا۔ اس حیوانیت سے نکالکر انسانیت کا درجہ بخشا۔ اور مردوں کے برابر حقوق عطا فرمائے۔ جب اسلام ہندوستان میں آیا تو یہاں کی تہذیب کو اس کا یہ مرتبہ ایک آنکھ نہ بھایا۔ اور یہاں کی آب و ہوا نے اس صنف نازک کی فطرتی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اس کے حقوق پر حملہ کرنا شروع کیا۔ اور ان کے سلب کرنے میں طرح طرح کے حیلے اور بہانے بنانے شروع کئے۔ کہیں خود ساختہ شرافت کا جال پھیلایا تو کہیں رسم و رواج کا دام بچھایا۔ اور ان پھندوں میں سے ایسا جکڑا کہ اغیار کو یہ کہنے کی ہمت ہو گئی کہ اسلام میں عورت کی عزت نہیں۔

یہ سب چیزیں ایسی ہیں جن کی بیخکنی کے لئے اسلام آیا تھا اور انکی بیخکنی کر کے دنیا کو دکھا دی تھی لیکن افسوس صد افسوس

کہ مسلمان ہندوستان میں آکر پھر انہیں چیزوں کا شکار ہو گئے اور جو کل تک دنیا کے ہادی تھے آج وہ اس قدر اندھے ہو گئے کہ انکی
آنکھیں ہلاکت کے گڑھوں کو نہیں دیکھتیں وہ اس قدر گمراہ ہو گئے ہیں کہ دوسروں سے ہدایت پذیر ہونے کی اہلیت بھی انمیں باقی نہیں
رہی۔ ہر مسلمان کے لئے شرافت و بزرگی کا معیار کیا ہو سکتا ہے۔ اور رشد و ہدایت کی مشعل کونسی ہستی ؟ مجھے یقین ہے کہ تمام کلمہ گو اس پر
متفق ہوں گے کہ وہی رحمۃ للعلمین کی ذات اور انہی کا اسوۂ حسنہ۔ ان کے بعد ان کے اہل بیت اور اصحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین۔ اب
دیکھنا یہ ہے کہ اس معاملہ میں انکی شرافت کا معیار یہی تھا جو کہ ہم سمجھے بیٹھے ہیں۔ کیا ان کا اسوۂ حسنہ یہی تھا جس پر ہم گامزن ہیں اور اگر
ایسا نہیں تو کیا ہم گمراہی میں مبتلا نہیں۔ اور کیا ہمیں اس گمراہی سے نکلنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ آؤ ذرا واقعات کی روشنی
میں اس کا مقابلہ کریں گے آج جتنا کسی کو شرافت کا دعوی ہے اتنا ہی اس کی شرافت کے منافی ہے کہ وہ ایک بیوہ کے عقد کا خیال دماغ
میں لائے۔ اگرچہ اس بدنصیب کو اپنے خاوند کی صورت بھی دیکھنا نصیب نہ ہوا ہو۔ اس وقت مجھے اس بدنصیب ہستی کا نقشہ جس کا اب
دنیا میں کوئی مصرف نہیں جس کی زندگی اس کے لئے ایک وبال ہے اور متعلقین کے لئے باعث بار جس کے جذبات واحساسات تو سب زندہ
ہیں لیکن کسی جذبہ کا ظاہر ہونا باعث ننگ وعار ہے جس کی خواہشات وآرزوئیں تو دفن کر دی گئی ہیں لیکن ان کا احساس کسی کے مٹائے
سے نہیں مٹتا۔ کیونکہ یہ انسانی طاقت سے باہر ہے۔ کا نقشہ کھینچنا مقصود نہیں۔ کیونکہ اس کا اندازہ میری بہنیں خود بہتر کر سکتی ہیں
مجھے صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ جس کو ہم شرافت سمجھے ہوئے ہیں۔ یہ محض خود ساختہ شرافت ہے۔ اسلامی شرافت سے اسکو دور کا بھی تعلق
نہیں۔ یہ غیر مسلموں کی شرافت ہے۔ اور ہندوستان کی آب و ہوا کا نتیجہ۔ اسلام ایسی شرافت کا دشمن ہے اور اسکو مٹانے کے
لئے دنیا میں آیا ہے۔ جو معیار شرافت میں نے قائم کیا ہے۔ میں نے نہیں بلکہ اسلام نے قائم کیا ہے اور جس سے کوئی مسلمان انکار نہیں
کر سکتا۔ اب اسکو دیکھئے۔ اس کا اس کے ساتھ مقابلہ کیجئے چشم بصیرت سے کام لیجئے اس کے ہر پہلو پر غور کیجئے اور پھر خود فیصلہ کیجئے کہ یہ
شرافت کہانتک شعار اسلام کے مطابق ہے اور کہانتک ہماری ہمدردی کی مستحق۔

سب سے پہلے اس فخر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو اس معاملہ میں دیکھئے اور غور فرمائیے کہ ہم کہانتک اس پر گامزن ہیں
سب سے پہلے جس ہستی کو ام المومنین ہونے کا فخر حاصل ہوا کیا وہ ایک بیوہ نہ تھیں۔ کیا وہ خود عرب کے متمول ترین گھرانے سے نہ تھیں کیا انہیں
کسی قسم کی کمی تھی۔ پھر جب عقد ثانی ان کے لئے باعث عار نہ تھا تو ہم کہاں سے بڑے شریف بن بیٹھے یہی ایک نہیں۔ آپ کو یاد ہو گا کہ متعدد
امہات المومنین میں سے صرف ایک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تھیں کہ وہ کنوارپنے میں آپ کے نکاح میں آئیں۔ باقی سب
کی سب بیوہ تھیں۔ کیا ان کا یہ فعل نعوذ باللہ شرافت سے گرا ہوا اور باعث عار تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں شریک
؟ نہیں ہرگز نہیں ایسا ہونا ناممکن ہے۔ اس ہادی برحق کو اپنا عملی نمونہ امت کے سامنے پیش کرنا تھا۔ اور مردوں اور عورتوں
دونوں اصناف کو یہ بتانا تھا کہ بیوہ کا عقد فریقین میں سے کسی کے لئے بھی باعث ننگ نہیں۔ بلکہ دونوں کے لئے باعث فخر وعزت ہے
ش مسلمان اس نمونہ پر عمل پیرا ہوں۔ خاندان سادات کو مسلمانوں پر فضیلت ہے۔ شرافت اور نجابت میں انہیں فوقیت حاصل
۔ رشد و ہدایت کے وہ دعویدار ہیں۔ اسوۂ حسنہ ان کو وراثت میں ملا ہے (ملنا چاہئے تھا۔ وہ اس کے مبلغ و منادی ہیں (یا نہیں
ہونا چاہئے تھا) لیکن افسوس صد افسوس کہ اس معاملہ میں وہی سب سے زیادہ اس سے ہٹے ہوئے ہیں۔ اور اپنے پیروؤں کو اس سے
ہٹانے کے جرم کے مرتکب ہیں۔ ان کے بعد علماء امت کا درجہ ہے وہ شریعت کے حامل اور سنت نبوی کے وارث ہیں۔ لیکن اس
معاملہ میں وہ بھی راہ راست سے اسی قدر دور ہیں جتنا کہ پہلا گروہ۔ یہاں میں اس بزرگ خاندان کے جداعلیٰ رضی اللہ عنہ کی مثال پیش
کرتی ہوں تاکہ وہ عبرت پکڑیں اور راہ راست اختیار کر کے مسلمانوں کی راہنمائی کا فرض ادا کریں۔

حضرت زینب کی بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزیز ترین نواسی وہ نواسی جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بھی اپنے مبارک کندھوں پر
بٹھائے رکھتے۔ کیا کوئی ان سے زیادہ شریف ونجیب ہونیکا دعوی کر سکتا ہے۔ ان کی مثال سنئے۔ جب ان کے والد ابوالعاص کا انتقال ہوتا ہے

تو وہ زبیر ابن عوام کو ان کے نکاح کی وصیت کرتے ہیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ان کا نکاح کر دیتے ہیں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شہادت پاتے ہیں تو آخری وصیت حضرت مغیرہ کو یہ کرتے ہیں کہ وہ ان کی پیاری بیوی سے نکاح کر لیں حضرت مغیرہ ان کی وصیت پر عمل پیرا ہو کر حضرت امامہ بیوہ شیرہ خدا کو اپنے نکاح میں لے آتے ہیں اور ایک بیٹے کے باپ ہوتے ہیں۔ یہاں مصنوعی شرافت کا شیرازہ تار تار ہو جاتا ہے اور اس خود ساختہ شریعت کے دعویداروں کے ہاتھ میں ایک تار بھی باقی نہیں رہتا جس کا وہ سہارا پکڑیں۔ ایک طرف تو حضرت علی جیسی جلیل القدر ہستی ہے جو یہ وصیت کرتی ہے کہ میری موت کے بعد میری بیوی سے نکاح کر لینا دوسری طرف بیوی بھی کونسی حضرت زینب کی نور العین۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری نواسی۔ یہاں سب مخالفین کی زبانیں بند ہو جاتی ہیں اور انہیں ماننا پڑتا کہ خاندان رسالت میں عقد بیوگان ایک مستحسن فعل سمجھا جاتا تھا۔ اور صرف مستحسن ہی نہیں بلکہ ضروری ورنہ حضرت علی اس کی وصیت نہ فرماتے۔ اب آپ ہی انصاف فرمائیے کہ محض رسمی شرافت کی آڑ میں بیگناہ عورتوں کو اس حق سے محروم کر دینا کہانتک جائز ہے اور کس حد تک اسلامی تعلیم کے مطابق ہے ایسی بہت سی مثالیں پیش کیجا سکتی ہیں لیکن میں طوالت کے خیال سے محض ایک واقعہ بیان کرنے پر اکتفا کروں گا جس میں بیوہ کے والدین اور متعلقین کے لئے رشد و ہدایت ہے اور خود ساختہ شرافت کے حامیوں کے لئے ایک تازیانہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جن کی شرافت شجاعت سطوت حمیت اور غیرت محض مسلمانوں ہی میں مسلم نہیں بلکہ اغیار بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہیں جب انکی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت خنس بن حذافہ غزوہ بدر میں شہید ہو جاتے ہیں تو فوراً ان کو اپنی لخت جگر کے نکاح ثانی کی فکر دامنگیر ہو جاتی ہے وہ اس کا اظہار حضرت عثمان اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما سے کرتے ہیں اور یکے بعد دیگرے ان سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ انکی صاحبزادی کو اپنے نکاح میں لے آئیں۔ وہ دونوں بزرگ ہستیاں سکوت فرماتی ہیں کیونکہ حضرت حفصہ کو ام المومنین ہونیکا فخر حاصل ہونا تھا فاروق اعظم ان کے اس سکوت پر افسردہ خاطر ہو جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حفصہ کو اپنے عقد میں لا کر ان کی اس افسردگی خاطر کو ہزار خوشیوں سے بدل دیتے ہیں اور حضرت حفصہ کو وہ عزت نصیب ہوتی ہے کہ جس کا احترام آجتک امہات المومنین کے پاک الفاظ سے کرتے ہیں کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ ان کا یہ فعل شرافت سے گرا ہوا تھا۔ باعث ننگ عار تھا۔ اگر اس کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو للہ ذرا غور فرمائیے کہ جس شرافت کے نام سے آپ نے ہزاروں بیگناہ ہستیوں کی زندگیاں دوبھر کر دی ہیں۔ بیکار کر دی ہیں بیزار کر دی ہیں بلکہ باعث ننگ و عار کر دی ہیں وہ کہانتک شرافت کہلانے کی مستحق ہو سکتی ہیں۔ آخر میں اپنی ان خوش نصیب بہنوں کی خدمت میں جنہیں اللہ نے اس مصیبت سے اس عذاب سے۔ اس ابتلاء عظیم سے محفوظ رکھا ہے پر زور درخواست کرونگا کہ وہ ان بدنصیب ہستیوں کی جو اس ابتلا میں مبتلا ہیں حالت پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور انکی مدد کو پہنچیں اپنی کوشش سے اپنے عمل سے قوت تقریر و تحریر سے اس رسم بد کو توڑنے کی کوشش کریں۔ انکو سمجھا دیں انکو بتا دیں کہ جسکو وہ شرافت سمجھے بیٹھی ہیں وہ اسلامی شرافت نہیں، بلکہ باعث ننگ اسلام ہے انکی یہ کوشش محض ان معصوم بہنوں کی مدد نہیں۔ قوم و ملت کی مدد ہے مذہب اسلام کی مدد ہے۔ شرافت و ناموس کی مدد ہے بلکہ احیاء سنت نبوی ہے جسکا اجر اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک بہت بڑا ہے۔ اور اپنی ان بدبخت بہنوں کی خدمت میں جو غلبہ رواج کی سخت زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہیں اور رسمی شرافت کی قتیل ہیں عرض کرونگا کہ وہ اپنے مقصد حیات میں غور فرمائیں کیا ان کی پیدائش کا مقصد یہی تھا کہ وہ بیکار اور بیزار زندگی بسر کریں اپنے اور اہل خاندان کے لئے بلکہ ملک و قوم کے لئے ایک بوجھ ہوں۔ اس دار عمل میں ان کا عدم و وجود برابر ہو۔ وہ اپنی زندگی کے دن سرد آہیں بھرتے بھرتے گذاریں جنکی آہوں کا اثر محض انکی ذات ہی تک محدود نہ ہو بلکہ سننے والوں کے دلوں کو ہلا دے۔ انکی حالت زار دیکھنے والوں کو خون کے آنسو رلا دے نہیں ہرگز نہیں انکی زندگی کا ایک مقصد تھا اور ہے جسکو وہ بھولے ہوئے ہیں وہ اسے یاد کریں اخلاقی جرأت سے کام لیں اپنے جائز حقوق کو کام میں لائیں ان آہنی زنجیروں کو توڑ دیں اور دنیا کو دکھا دیں کہ اسلام کا کوئی فرد بیکار نہیں مسلمانوں کا خدا رب العلمین رحمن اور رحیم ہے اس کی رحمت عام ہے صرف مردوں کے لئے مخصوص نہیں بلکہ عورتوں پر کچھ اس سے سوا ہے یہ نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعلمین ہی محض مردوں کے لئے مبعوث نہیں ہوئے بلکہ ذکور و اناث پر ان کا فیض برابر ہے اس نے جہاں مردوں کو ضلالت و گمراہی سے نکالا ہے وہاں عورتوں کی حالت پر بھی ترس کھایا ہے۔ اور انکو قعر مذلت سے نکالکر مردوں کے دوش بدوش کھڑا کر دیا ہے۔ اور انہیں وہ حقوق عطا فرمائے ہیں جو کسی مذہب نے ان کے لئے روا نہیں رکھے

چراغ دین

حکومتِ ہند

ڈاکٹر نصیر الدین احمد صاحب کے وہ خطوط جو انہوں نے میرے استفسار "سائمن رپورٹ" پر تحریر فرمائے ۔ موجودہ طرز حکومت ہند اور "سائمن کمیشن" کی تجاویز کی سادہ الفاظ میں اس طرح تشریح کرتے ہیں کہ میں نے مناسب سمجھا کہ میں اُن ناظرین وناظرات "عصمت" کے لئے کہ جو ملکی طرز حکومت سے ناآشنا ہیں یہ خطوط "عصمت" میں شائع کراؤں ۔ تاکہ سیاست ہند کے اس ابتدائی مسئلہ سے کم از کم "عصمتی بہنیں" بے خبر نہ ہیں ۔ اسکی اہمیت اس خیال سے اور بھی بڑھجاتی ہے کہ یہ موجودہ زمانہ کا سب سے ضروری واہم مسئلہ ہے اور ہندوستان میں عموماً اور اردو داں طبقہ میں خصوصاً ایسے لوگوں کی تعداد بہت ہی کم ہے کہ جو اس مسئلہ کو سمجھتے یا سمجھنے کی کوشش کرتے ہوں اور جو لوگ سمجھنا چاہتے ہیں ان کے لئے اردو زبان میں کافی معلومات موجود نہیں ۔ امید کہ ہمارے طبقہ کے ماہرین سیاست "عصمتی لٹریچر" میں ایسی سیاسی معلومات کی کمی نہ رہنے دیں گے اور آئندہ "عصمتی بہنوں" کی معلومات وتعلیم کے لئے ایسے مضامین جو تعلیمی حیثیت رکھتے ہوں ضرور شائع کرائے رہیں گے ۔ "نصیر بیگم"

سیاسی لحاظ سے ہندوستان مندرجہ ذیل حصوں میں منقسم ہوتا ہے۔

(۱) **گورنر کے قبضہ میں** ۹ حصے ہیں ۔ ان میں تین بنگال ، بمبئی و مدراس "پریذیڈنسی" کہلاتے ہیں اور باقی چھ حصے یہ ، آگرہ ، واودھ ، بہار واڑلیسہ ، متوسط ، آسام وبرما صوبے کہلاتے ہیں ۔ ان حصوں کی حکومت گورنر اور اس کے ماتحت دل اور حکام کے قبضے میں ہے ۔ یوں سمجھئے کہ صوبہ کا گورنر ایک بادشاہ کا درجہ رکھتا ہے ۔ اور قریب قریب خود مختا لائسرائے (لاٹ صاحب) ایک شہنشاہ کی حیثیت سے گورنر کی حکومت میں ضرورت کے وقت دخل اندازی کرسکتا ہے ۱۹ء تک حکومت کی باگ انگریزوں کے ہاتھ میں تھی ۔ عالمگیر جنگ کی خدمات کے اعتراف اور ہندوستانیوں کی خواہشات ل کرتے ہوئے برٹش گورنمنٹ نے ایک قانون بنایا جسکو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ" کہتے ہیں ۔ اس کی روسے ہمیں خود مختار ت اور اس کی ذمہ داریوں کی تعلیم کے لئے چند حکومت کے محکمے مثلاً سررشتہ تعلیم وعیغۂ طب وحفظان صحت وغیرہ ے سپرد کردئے ۔ تاکہ ہم ان کا انتظام خود مختارانہ طور پر کرکے تجربہ حاصل کریں اور اگر ایک زمانہ کے بعد انتظام کی حسن ا سے اپنے آپ کو خود مختار حکومت کا اہل ثابت کردیں تو صوبہ کی تمام حکومت ہمارے قبضہ میں دیدیجائے ۔ اور ایک ا تمام ہندوستان کی حکومت ، زیر تحت برٹش ، خود مختار ہو جائے ۔ ان حقوق کو جو ۱۹۱۹ء میں قانوناً ہمیں عطا کئے گئے ت" کہتے ہیں ۔ (اصلاحات REFORMS) گورنر کے صوبوں کو ۱۹۱۹ء میں رعایات عطا کی گئیں ۔

(۲) **چیف کمشنری** یہ چھ ہیں ۔ ان میں صوبہ سرحدی وبلوچستان بڑے بڑے حصے ہیں ۔ اور باقی دہلی ، اجمیر

میرواڑہ۔ کورگ، کالے پانی کے جزیرے۔ چھوٹی چھوٹی حکومتیں ہیں۔ ان رقبوں کے حاکم اعلیٰ کو چیف کمشنر کہتے ہیں۔ یہ وائسرائے کے نمائندے کی حیثیت سے کام کرتا ہے۔ یہاں کی حکومت حقیقت میں سیدھی وائسرائے اور اس کی کونسل کے قبضہ میں ہے۔ ان حصوں میں نہ کونسلیں ہیں اور نہ انکو "رعایات" دیگئی ہیں۔ یہ ضلع غیر آئین کہلاتے ہیں۔

(۳) **غیر متمدن مقبوضات ہند**۔ یہ پنجاب، مدراس۔ بنگال، بہار، اوڑلیسہ، برما اور آسام کے وہ حصے ہیں کہ جہاں بھیل، سنتال، گونڈ اور ہندوستان کی بالکل غیر متمدن جنگلی قومیں رہتی ہیں۔ گویہ حصے گورنر کے صوبے میں آتے ہیں لیکن انکی حکومت کے اختیارات سوائے وائسرائے کے اور کسی کو نہیں۔ یہاں کے قوانین ضرورت کے موافق بنائے جاتے ہیں، اور یہاں کی حکومت کے اصول وقتی ضرورت کے مطابقت میں بدلتے رہتے ہیں ان حصوں کو رعایات کا کوئی موقع ہی نہیں۔ ان کے متعلق کونسلوں میں کوئی بھی کسی قسم کا سوال نہیں کرسکتا۔ یہ صرف وائسرائے کے قبضہ میں ہے کہ وہ جس طرح چاہے ان سوا کروڑ لوگوں پر جو انگریزوں کے متحدہ ممالک سے دوگنی زمین میں آباد ہیں حکومت کرے۔

(۴) **ریاستہائے ہند**۔ ہندوستان کے ایک تہائی حصے سے زیادہ راجاؤں اور نوابوں کے قبضہ میں ہے۔ جس میں ہندوستان کے ایک چوتھائی لوگ آباد ہیں۔ کل ریاستوں کی تعداد ۵۶۲ ہے۔ ان میں حیدرآباد و کشمیر اتنی اتنی بڑی ریاستیں ہیں کہ ان کا رقبہ انگریزوں کے متحدہ وطن سے کچھ زیادہ ہی ہے۔ دکن میں میسور۔ راجپوتانہ میں جودھپور بیکانیر۔ اودے پور، جے پور۔ الور۔ ٹونک وغیرہ صوبہ متوسط ہند میں۔ گوالیار۔ اندور بھوپال بمبئی میں۔ بڑودہ۔ کولاہ پور، کاٹھیاواڑ کی ۲۸۶ ریاستیں۔ پنجاب میں پٹیالہ، بلوچستان میں قلات۔ آگرہ اودھ میں رامپور۔ بنگال و آسام میں کوچ بہار وغیرہ بڑی بڑی ریاستیں ہیں۔ ۴۰ ریاستیں ایسی ہیں جن سے انگریزوں کو صلاح کے باقاعدہ عہد و پیمان کرنے پڑے تھے۔ کچھ ایسی ہیں کہ جن کی حکومت سند وغیرہ کے ذریعہ تسلیم کی گئیں۔ اور باقی ایسی ہیں کہ جن کے حقوق ریاست کو برٹش گورنمنٹ نے رعایتاً یا کسی اور طرح تسلیم کرنا گوارا کرلیا ہے۔ ریاست کی اندرونی حکومت والئے ریاست کے قبضہ میں ہوتی ہے۔ خارجی تعلقات و حفاظت انگریزوں کے قبضہ میں ہے جس کے لئے ریاستیں خراج وغیرہ ادا کرتی ہیں۔ برٹش حکومت کو ضرورت کے وقت ریاست کے اندرونی معاملات میں دخل در اندازی کا حق حاصل ہے۔

ملکی اہمیت۔ ہندوستان کا سب سے بڑا صوبہ برما، یورپ کے سب سے بڑے ملک "فرانس" سے بڑا ہے، بمبئی و مدراس ہر ایک اٹلی سے کہیں بڑے ہیں۔ ہمارا سب سے چھوٹا صوبہ آسام بھی انگلستان سے کچھ بڑا ہی ہے۔ ہم محکوم ہندوستانیوں کے وطن کا رقبہ ہمارے حاکموں کے وطن سے بیس گنا زیادہ ہے۔ ہماری آبادی ۳۳ کروڑ کل دنیا کی آبادی کا پانچواں حصہ ہے۔ اور ہمارے ایک صوبہ مثلاً بنگال یا آگرہ و اودھ کی آبادی انگریزوں کے وطن کی آبادی سے کہیں زیادہ ہے۔ اگر ہم میں بھی وہی نظام و قوت پیدا ہوجائے۔ جو ہمارے حاکموں میں ہے تو آبادی و رقبہ کے لحاظ سے تو ہم برٹش حکومت جیسی

...ہیں حکومتیں قائم کرنیکے اہل ہو سکتے ہیں۔ لیکن ابھی تو یہ حالت ہے کہ ہندوستان میں فی چار ہزار ہندوستانی ایک انگریز رہتا ہے اور ہم ہماری عزت وحرمت، جان ومال اسکے اوراس کے نظام قوت کے قبضۂ قدرت میں نظر آتا ہے۔

سائمن کمیشن کی تجاویز (۱) صوبوں کی تقسیم پھر کیجائے تاکہ حکومت کی آسانی کے لئے چھوٹے چھوٹے اور مناسب صوبے قائم ہوجائیں۔ (۲) صوبہ اڑیسہ جداگانہ قائم کیا جائے۔ بہار سے اس کا کوئی تعلق نہ رہے۔ (۳) نئے صوبے سندہ علیحدہ ایک زمانہ کے بعد کردیا جائے، بمبئی میں شامل نہ رکھا جائے۔ (۴) صوبہ برما حکومت ہند کے قبضہ سے نکالدیا جائے۔

صوبہ کی طرز حکومت

ہرصوبہ کی حکومت، زیر تحت گورنر، دو خاص حصوں میں منقسم ہے۔

(۱) محکمۂ قانون سازی۔ "لیجسلیٹو" (LEGISLATIVE) اس کا کام لیجسلیٹو کونسل "کے ذریعہ ہوتا ہے۔

(۲) محکمۂ حکمرانی ۔ "ایگزیکیٹو (EXECUTIVE) اس کا کام ایگزیکیٹو کونسل" اور "وزراء" کرتے ہیں۔

مجلس وضع قوانین لیجسلیٹو کونسل

غرض عام لوگوں کی ضروریات، ملکی انتظام ورفاہ عام اور قومی بہبودی کے ذرائع وغیرہ پر بحث ومباحثہ کے بعد قانون ...حکومت کے کاموں پر آمد وخرچ کی روک تھام، نکتہ چینیاں اوران اخراجات کو جس پر کونسل مختار ہے منظور یا نامنظور کرنا۔ حکومت ...تعلق کسی بات پر استفسار، اعتراض اور حکومت سے جوابدہی کی درخواست کرنا۔ کونسل کی ذمہ داریوں میں سے چند ضروری ...یں۔ لیکن ہر قانون جو کونسل میں تمام ممبر ملکر پاس کردیں گورنر کی منظوری پر منحصر ہوتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو ایسے قانون کو ...لم مسترد کرسکتا ہے۔ اس طرح گو کونسل کو بڑے بڑے اختیارات ہیں۔ لیکن گورنر ... راس کے اٹل فیصلے کے مقابل اس کا ...ہونا برابر ہے بعض ایسے معاملات بھی ہیں کہ بغیر وائسرائے کی منظوری کے کونسل اسپر رائے زنی تک نہیں کرسکتیں۔ مذہب و ...ری کے معاملات پر سوائے وائسرائے کے کونسل تو کجا گورنر کو بھی قانون سازی کا اختیار نہیں۔

کونسل کی ترکیب کمپنی کے راج میں ہندوستان کے لئے قانون سازی صرف انگریزوں کے ہاتھ میں تھی۔ ...ءمیں "منٹو مورلے اصلاحات" ہوئیں تو آئین ساز جماعت میں کچھ ہندوستانی بھی شامل کرلئے گئے۔ لیکن یہ اصلی معنی ...ہمارے نمائندے نہ تھے۔ بلکہ گورنمنٹ کے انتخاب کردہ چند وفادار وباوقار لوگ تھے۔ ۱۹۲۱ءمیں جب مانٹیگو چیمسفورڈ ...حات" جنکو ہم "رعایات" کہیں گے عطا ہوئیں تو اس آئین ساز محکمہ کی ساخت میں ایک نمایاں تبدیلی واقع ہوئی۔ اب ...فی صدی قوم کے منتخب نمائندے، ۲۰ فی صدی گورنمنٹ کے مقرر کردہ حکام اور باقی حکومت کی طرف سے نامزد ...ستانی اس کونسل کے ممبر مقرر کئے جانے لگے۔ کونسل اپنا صدر بھی اپنے ممبروں میں سے خود انتخاب کرنے لگی۔

۱۹۱۹ء سے پیشتر گورنر ہمیشہ صدر ہوتا تھا۔ کونسل کے ممبروں کی کل تعداد ہر صوبہ میں مختلف ہے۔ مثلاً بنگال میں ۱۴۰۔
ممبر تک ہیں۔ اور آسام میں کل ۵۳ ممبر کونسل میں ہیں۔ مدراس میں ۱۳۲ بمبئی میں ۱۱۴۔ آگرہ اودھ میں ۱۲۳۔ پنجاب میں ۹۴
صوبہ متوسط میں ۷۰، بہار و اڑیسہ میں و برما میں ۱۰۳ ہیں

اقسام ممبران (مقررہ) ۲۰ فی صدی وہ گورنمنٹ کے افسران ہوتے ہیں جنکو گورنمنٹ کونسل کا ممبر اپنی
طرف سے انتخاب کرتی ہے۔ ان میں اگزیکٹیو کونسل کے ممبر بھی ہوتے ہیں۔

نامزد۔ نامزدوں کا نمبر ۱۰ فی صدی کے قریب ہوتا ہے۔ ان میں اُن اہم جماعتوں کے نمائندے جنکو عام انتخاب میں
کسی وجہ سے کامیابی کے متوقع نہوں مثلاً ہندی۔ عیسائی یوروپین اور یوریشین جہاں انکو آگرہ اودھ کی طرح انتخاب کا حق نہو
دوران مزدور پیشہ کے لوگ جو کارخانوں میں کام کرتے ہیں اور ایسی ہی کل جماعتوں کو حق حکومت دینے کے لئے گورنمنٹ بغیر عام
انتخاب کے خود ان کے نمائندوں کو نامزد کرکے کونسل کے ممبر بنا دیتی ہے۔

منتخب انکی تعداد ۷۰ فیصدی ہوتی ہے۔ ان میں سب سے بڑی تقسیم مسلم اور غیر مسلم ممبران کی ہے۔

مسلم مسلم ممبران کی تعداد آبادی کے لحاظ سے مقرر نہیں کیجاتی۔ سوائے پنجاب و بنگال۔ اور ہر صوبہ میں مسلمان ہندوں
سے تعداد میں کم ہیں لیکن مسلمانوں کی سیاسی اہمیت۔ فوجی خدمات قومی وقار اور تمدنی حالت کو مد نظر رکھتے ہوئے گورنمنٹ نے
ان کی تعداد کا اوسط اس درجہ پر رکھا ہے کہ دوسری قوم کے نمائندے انکے جائز حقوق و مطالبات و قومی خواہشات و ضروریات
کو پامال نہ کرسکیں۔ اسی طرح پنجاب و بنگال میں مسلم ممبران کی تعداد آبادی کے تناسب سے کم مقرر کی گئیں۔ تاکہ دوسری قوموں
کی حق تلفی نہ ہوسکے۔ مثال کے طور پر پنجاب میں آبادی کے لحاظ سے ۵۵ فی صدی ممبر مقرر ہونے چاہئیں لیکن صرف پچاس
فی صدی ہیں۔ آگرہ و اودھ میں صرف ۱۴ فی صدی ہونا چاہئیں لیکن ۳۰ فی صدی ہیں یعنی پنجاب میں آبادی کے تناسب
سے کم اور آگرہ و اودھ میں زیادہ ممبران منتخب کئے جاتے ہیں۔ آج کل جیسا کہ نہرو رپورٹ سے ظاہر ہے۔ ہندو صاحبان
کی یہ خواہش ہے کہ مسلمانوں کا جداگانہ اپنے ممبر انتخاب کرنے کا حق برقرار نہ رکھا جائے۔ بلکہ کونسل وغیرہ کے لئے جسے ہندو
مسلمان ملکر چاہیں انتخاب کرلیں۔ یہ مسلمانوں کے لئے فی زمانہ بیحد مضر بات ہے۔ لہذا مسلمانوں کی اس ہی بات پر ہندوں
سے سیاسی معاملات میں شدت کی مخالفت جاری ہے۔

غیر مسلم ہندوؤں میں چونکہ ہزارہا فرقے ہیں اور ذاتے ہیں۔ اسلئے مختلف صوبوں میں ان کے نمایندوں کی تقسیم
مختلف طور پر ہوتی ہے۔ مثلاً مدراس میں برہمن اور غیر برہمن فرقوں کے لئے جداگانہ تعداد ممبروں کی مقرر ہے۔ اور
بمبئی میں مرہٹوں کے لئے علحدہ نمایندگی کا انتظام ہے۔ پنجاب اور بنگال میں ان کی تعداد مسلمانوں سے کم ہونے کی
وجہ سے ان کے نمائندے انکی آبادی کے تناسب سے زیادہ بھیجے جاتے ہیں

سکھ۔ سکھوں کی فوجی خدمات اور زمینداری کی اہمیت کو مدنظر رکھکر گورنمنٹ نے پنجاب کونسل کے کل ۹۴ ممبروں
میں سے ۱۲ ممبروں کی جگہ ان کے لئے وقف کر دی ہے۔

یوروپین۔ پنجاب، متوسط اور آسام کے علاوہ ہر صوبے سے یوروپین بھی اپنے نمایندے کونسل میں انتخاب کر کے
بھیجتے ہیں۔

اینگلو انڈین اور ہندی عیسائی۔ ان طبقوں کے نمایندے عموماً گورنمنٹ کی طرف سے نامزد کئے جاتے ہیں
لیکن ان میں سے اول الذکر گروہ نمائندے بنگال اور مدراس و برما سے ایک ایک نمائندہ انتخاب کر کے صوبے کی کونسل
میں روانہ کرنیکا حق حاصل ہے۔ اسی طرح مدراس میں ہندی عیسائیوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ وہ اپنے ۵ نمائندے انتخاب
کر کے مدراس کونسل میں بھیجتے ہیں۔

زمیندار، یونیورسٹی و صنعت و حرفت۔ تینوں گروہ کونسل کے لئے اپنے نمائندے علحدہ انتخاب کرتے
ہیں۔ زمینداروں کی سب سے بڑی تعداد مدراس اور آگرہ و اودھ کی کونسل میں جاتی ہے۔ صنعت و حرفت کے ۱۵ نمائندے
بنگال سے جاتے ہیں۔ تمام یونیورسٹیوں کا بھی ایک ایک نمائندہ ہوتا ہے سوائے بنگال کے جس کے دو نمائندے منتخب ہوتے ہیں

کونسل کا نمائندہ۔ کونسل کی ممبری کے نمائندے کو ایک خاص حیثیت کا ہونا ضروری ہے۔ اسکو نمائندگی کی
درخواست کے ہمراہ ایک مقررہ رقم (کونسل کے لئے ۲۵۰ روپے) سرکار میں داخل کرنا پڑتے ہیں۔ دوسرے متمدن ملکوں میں
عوام کا نمائندہ کسی خاص سیاسی خیالات اور کسی پارٹی کے قومی جوش و خروش کی ترجمانی اور اپنی ملکی ضرورت کے کارناموں
کی وجہ سے منتخب کیا جاتا ہے۔ لیکن ہندوستان میں ذاتی عزت و وقار، اثر و رسوخ، شان و جاہت۔ غرضمندوں کی
دوڑ دھوپ اور روپیہ کو پانی کرنے سے انتخاب میں کامیابی کی امید ہوتی ہے۔ نہ کسی سیاسی خیال کو نمائندہ اپنے دماغ
میں رکھتا ہے اور نہ انتخاب کے بعد اپنے انتخاب کرنے والوں کی سیاسی اغراض سے کوئی زیادہ واسطہ رکھہ سکتا اور نہ رکھنے
کی پرواہ کرتا ہے۔ اپنے حلقہ کی سیاسی ضروریات کے احساس کا فقدان اور اپنی سیاسی ذمہ داری سے بےخبری و بےپرواہی
ہے کہ جو ہمارے کونسل کے نمائندوں کے بیشتر حصہ کو سیاست کی کسوٹی پر کھوٹا ثابت کرتی ہے۔

حق انتخاب۔ قریب قریب ہر ضلع اپنا نمائندہ منتخب کرتا ہے بعض جگہ کئی ضلع ملا کر اور کہیں ایک ضلع کے
کئی ممبر بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً آگرہ و اودھ کے ۴۸ ضلعوں کے ۴۴ ہندو اور صرف ۱۱ مسلم نمائندے ہوتے ہیں۔ اس طرح گو تقریباً
ضلع کے ہندوؤں کا ایک ممبر ہوتا ہے لیکن مسلمان ممبر چار ضلعوں سے زیادہ کی نمائندگی کرتا ہے۔ رعایا میں ہر وہ شخص جو بالغ ہو
وہیں رہتا ہو۔ اور خواہ صاحب جائداد ہو یا حیثیت پر ٹکیس دیتا ہو یا مالگذاری یا میونسپل وغیرہ میں مقامی محصول وغیرہ دیتا ہو
تاجر ہو یا پنشن یافتہ افسر ہو "ووٹ" (انتخاب کیلئے اظہار رائے۔ Vote) دینے کا حق رکھتا ہے "ووٹر" ہونے کے لئے

ملد[illegible] صاحب جائداد یا صاحب ثروت ہونا ضروری ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہندوستان کی تمام عورتیں کہ جو عموماً صاحب جائداد نہیں ہوتیں اور کروڑ ہا غریب مگر ذی علم شخص و مزدور پیشہ لوگ اور ایک ساتھ رہنے والے خاندان کے وہ لوگ جن کی مجموعی ملکیت جائداد خاندان کے کسی ایک بزرگ کے نام ہوتی ہے۔ حق انتخاب سے محروم رہتے ہیں۔ "ووٹر" کو یہ مکمل آزادی ہوتی ہے کہ وہ جسے چاہے اپنے صوبہ میں ووٹ دے۔ ہندوستان میں عورت و مرد دونوں کو ملا کر ووٹ دینے والوں کی تعداد صرف سو فیصدی سے بھی کم ہے۔ مرد ۱۰ فی صدی اور عورت نصف فی صدی یعنی سو مردوں میں دس کو اور دو سو عورتوں میں صرف ایک کو کونسل کے ممبروں کے انتخاب میں رائے زنی کا حق حاصل ہے۔

طریقۂ انتخاب جب تمام نمائندوں کے نام سرکار میں پہنچ جاتے ہیں تو ایک دن مقرر کیا جاتا ہے۔ اور مختلف ضلعوں اور حلقوں میں حکومت کی طرف سے "ووٹ" لینے والے افسر (پولنگ آفسر) مقرر کر کے بٹھا دئے جاتے ہیں اور ایک کاغذ جس پر نمائندوں کے نام و نشانات ہوتے ہیں (بیلٹ پیپر BALLOT PAPER) جسکو ووٹ دینا ہو ووٹر اس کے نام کے آگے نشان لگا دیتا ہے آخر میں جب تمام ووٹ ختم ہو جاتے ہیں تو حساب لگایا جاتا ہے۔ جس کو سب سے زیادہ ووٹ ملتے ہیں وہ اس ضلع سے منتخب ممبر شمار کیا جاتا ہے۔ ووٹ حاصل کرنے کے لئے چند اخلاقی و اصولی قاعدے مقرر ہیں۔ اگر کوئی نمائندہ بے قاعدگی کرے اور اسکا ثبوت ہو جائے تو وہ منتخب کئے جانے کے بعد بھی برطرف کر دیا جاتا ہے۔ جو نمائندے ناکامیاب ہوتے ہیں ان میں سے اگر کوئی اپنے حصے کے ووٹ میں سے آٹھویں حصہ سے کم ووٹ حاصل کرے تو اس کا جمع کیا ہوا روپیہ ضبط ہو جاتا ہے۔ اس طرح ہر وہ شخص جسکو اپنے انتخاب کی ایک حد تک امید نہ ہو کم از کم روپیہ ضائع ہونیکے خیال سے نمایندگی کی جرأت نہیں کرتا۔ اور اگر کرے تو اس کے ضبط شدہ روپے سے حکومت کے خرچ و حرج کی ایک حد تک تلافی ہو جاتی ہے۔ ممبروں کو انتخاب کے بعد اُس خرچ کا حساب جو انہوں نے ووٹ حاصل کرنے میں کیا ہو سرکار میں پیش کرنا پڑتا ہے۔

عورت و کونسل قوانین انتخاب کی رو سے عورت کو ووٹ دینے کا حق حاصل نہیں ہے لیکن مقامی حکومت کو اجازت ہے کہ وہ اپنے صوبہ میں عورت کو ووٹ کا حق دینا چاہے تو دے سکتی ہے۔ فی زمانہ ہر صوبہ کی کونسل نے سوائے بنگال و آسام کے عورتوں کو ووٹ کا حق دیدیا ہے۔ جہاں عورت کو ووٹ دینے کا حق ہے وہاں خود بھی ممبر انتخاب کیجا سکتی ہے۔ (مدراس میں ایک عورت ممبر کونسل موجود بھی ہے۔) ان عورتوں کی تعداد کہ جو یہ حق حاصل کر چکی ہیں نصف فی صدی کے قریب ہے۔ اس شرمناک حالت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ پنجاب میں صرف اکیس ہزار عورتوں کو یہ حق حاصل ہے اور باقی ایک کروڑ کے قریب عورتیں اس سے محروم ہیں، بنگال و آسام سے جہاں مسلمانوں کی سب سے زیادہ آبادی ہے۔ اپنی عورتوں کو یہ حق بالکل ہی نہیں دیا ہے۔ بعض صوبوں میں گورنمنٹ نے عورت کو نامزد کر کے ممبر بنایا ہے۔ مدراس کونسل کی ڈپٹی پریزیڈنٹ ایک عورت ہے۔ ایک تو بہت ہی کم عورتوں کو یہ حاصل ہے۔ دوسری تباہی یہ ہے کہ جنکو یہ حق حاصل ہے ان میں بہت ہی کم تعداد ایسی ہے جو اس حق سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ صوبہ کی حکومت میں عورت کا تقریباً بالکل ہاتھ نہیں ہے۔

قابل التفات باتیں (۱) کونسل ایک حد تک بیکار ہے کیونکہ گورنر کی مرضی پر ہر بات کا انحصار ہے (۲) ووٹ کا حق بہت ہی کم لوگوں کو ہے اور یہ عمداً محدود کر دیا گیا جس کی ایک وجہ یہ بھی پیش کیجاتی ہے کہ ووٹ لینے والوں افسروں کی تعداد بہت کم ہے عورت اور غریب و مزدور لوگ اس سے قریب قریب بالکل محروم ہیں (۳) ایک ممبر اتنی بڑی آبادی اور اس قدر وسیع رقبہ کی نمایندگی کرتا ہے کہ حقیقت میں وہ ان لوگوں کی سیاسی ضروریات سے کہ جنکی وہ نمایندگی کر رہا ہے کماحقہ ہرگز واقف نہیں ہو سکتا ہے۔ اور اسلئے وہ "ووٹرز" کے زیادہ کام کا ثابت نہیں ہو سکتا۔ (۴) اور ملکوں میں ووٹ دینے والے اپنے ہمخیال نمایندے منتخب کرتے ہیں۔ اور اس طرح ایسی حکومت پیدا کر لیتے ہیں جو ان کے ہمخیال ہو۔ ہندوستان میں اس ضروری و اہم بات کا ووٹ دینے والوں کو بہت کم بلکہ بالکل ہی خیال نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا عموماً کوئی سیاسی اصول نہیں ہوتا۔ اور اس لئے ہم اپنے نمائندے کو اپنے سیاسی خیالات کی وجہ سے نہیں بلکہ انکے ذاتی اثر و وقار و طرفداری کی وجہ سے چنتے ہیں۔ بمبئی و مدراس وغیرہ میں ووٹ دینے والے اپنی سیاسی ذمہ داری کو ایک حد تک سمجھنے لگے ہیں لیکن عام طور پر ابھی ووٹ کی اصلی اہمیت و معنی سمجھنے والوں کا فقدان ہے (۵) گورنمنٹ کی تقسیم میں مختلف گروہ کو جو نمایندگی ملی ہے وہ حیرت انگیز ہے۔ ہندوؤں کے اندازاً ہر چار لاکھ آدمیوں اور مسلمانوں کے دو لاکھ کو ایک ایک نمایندہ بھیجنے کا حق ہے اسکے مقابلہ میں عیسائیوں کے ہر پانچہزار اور یوروپین کے ہر ڈہائی ہزار ہی آدمیوں کو ایک نمایندہ بھیجنے کی اجازت ہے۔ جب صنعت و حرفت و تجارت اور زمینداروں کی نمایندگی پر نظر کیجائے تو حیرت کی کوئی انتہا ہی نہیں رہتی۔ چار لاکھ اور دو لاکھ کے مقابلہ میں صنعت و حرفت و تجارت کے ہر دو سو آدمی ایک نمائندہ انتخاب کرسکتے ہیں اور زمینداروں کے تو ہر چھ آدمیوں میں سے ایک کونسل کا ممبر ہوتا ہے۔ اسکریوں سمجھئے کہ صوبہ کے محکمے وضع قوانین کے اختیارات ہر ۶ (چھ) جاگیرداروں کو اس قدر ہی ملے ہوئے ہیں کہ جو عام پبلک کے چار پانچ لاکھ آدمیوں کو۔ منسلک نقشہ کو ایک نظر غور سے دیکھنے پر آپ کو صوبہ کی حکومت "کا ایک حد تک صحیح و کافی اندازہ ہو جائیگا۔

سائمن کمیشن کی تجاویز (کونسل کے اختیارات) وسیع کر دئے جائیں۔ اُسکو اپنے ممبروں، حلقے اور ووٹرز میں ترمیم و تنسیخ کرنے کی قوت دیدیجائے۔ گورنر صرف مندرجہ ذیل معاملات پر قانون سازی و اخراجات میں دخل در اندازی کرسکتا ہے۔ دیگر معاملات بالکل آزادی سے کونسل کرے گی۔ (۱) قیام امن و امان۔ (۲) مذہبی و قومی روایات کی نگہداشت (۳) گورنمنٹی اخراجات (۴) مرکزی احکام کی تعمیل (۵) مرکز کی طرف سے گورنر کے سپرد کردہ کام۔ مثلاً سول سروس وغیر متمدن حلقوں کا انتظام (کونسل کی ترکیب) کونسل کی زندگی ۳ سال سے بڑھا کر ۵ سال کر دیجائے۔ کل ممبروں کا نمبر دو سو سے ڈہائی سو تک کر دیا جائے۔ نامزد ممبر مقرر نہ کئے جائیں۔ بلکہ ان کو انتخاب عام کے ذریعے لیا جائے۔ جن جماعتوں کے لئے ضرورت سمجھی جائے چند "سیٹ" رزرو کر دیجائیں۔ افیشل ممبروں کو کونسل میں رائے زنی کا حق نہ دیا جائے منتخب ممبران میں مسلم غیر مسلم یوروپین اور سکھ کی تفریق باقی رکھی جائے۔ انگلو انڈین اور عیسائیوں کے ممبر بڑہا دئے جائیں۔ زمینداروں کا

جدا انتخاب کر کے ممبر آئندہ نہ بھیجنے دیا جائے۔ غیر مسلم اقوام غیر برہمنوں کے لئے ممبری مخصوص نہ کیجائے۔ (حق انتخاب) ووٹرز کی تعداد جو فی الحال آبادی کی ۳ فی صدی سے بھی کم ہے ۱۰ فی صدی کر دیجائے۔ زیادہ حلقے بنائے جائیں اور حلقوں سے زیادہ ممبر بھیجے جائیں صاحب جائداد کے علاوہ ان لوگوں کو بھی ووٹ دیا جائے جن کی عمر ۲۱ سال سے زیادہ ہے اور کم از کم ۵ درجے تک تعلیم حاصل کئے ہوئے ہیں۔ حق انتخاب کے لئے حیثیت کا معیار بھی کم کر دیا جائے۔

عورتوں کے لئے تجاویز۔ صاحب جائداد عورتوں کے علاوہ ان عورتوں کو بھی حق انتخاب دیا جائے جن کے خاوند ووٹرز ہوں۔ اور ۲۵ برس کی عمر سے زیادہ ہوں۔ ان بیواؤں کو بھی حق انتخاب دیا جائے کہ جن کے خاوند بوقت انتقال ۲۵ سال کی عمر کے تھے۔ اور ووٹ کا حق بھی رکھتے تھے۔ اس طرح کی ان عورتوں کی تعداد جو اس سیاسی حقوق کی مالک ہوں گی۔ بہت بڑھ جائے گی۔ عورتوں کو زیادہ تعداد میں حق انتخاب دئے جانیکی تجویز پیش کرنیکے وجوہات مندرجہ ذیل ہو سکتے ہیں۔ (۱) آئندہ ایک دم یادہ تعداد میں یہ حق نہ دینا پڑے۔ جو خرابیوں کا پیش خیمہ ہوگا (۲) سوشیل و تمدنی و اخلاقی تعلقات کے قوانین کونسل میں بہت ہی کم اس ہوتے ہیں۔ عورتیں ایسے قوانین پیش کرنیکی خواہش فطرتاً کرے گی۔ اور اس طرح یہ کمی پوری ہو جائیگی (۳) گو پردہ اور دیگر رکاوٹیں سیاست کے کاموں کے مانع ہیں لیکن خانہ داری، حفظان صحت و ابتدائی تعلیم بچوں کے متعلق سیاسی امور ایسے ہیں ہ جن میں حصہ لئے بغیر عورت اپنے مخصوص فرائض کو ہرگز کامیابی سے انجام نہیں دے سکتی۔

صوبہ کی حکومت

- گورنر
  - مرکزی سررشتہ جات (سنٹرل سبجکٹس) — مرکزی حکومت کے اختیار میں
  - محکمہ وضع قوانین
    - لیجسلیٹو کونسل
      - منتخب صدر
        - رعایا کے انتخاب کردہ ممبر (۷۰ فی صدی) (الیکٹیڈ)
          - تمام بڑی قوموں اور مذاہب کے نمائندے
            - اینگلو انڈین
            - یورپین
            - عیسائی
            - تجار
            - یونیورسٹی
            - زمیندار
            - سکھ
            - مسلم
              - شہری
              - دیہاتی
            - غیر مسلم
              - دیہاتی
              - شہری
                - برہمن
                - غیر برہمن
                - مرہٹے
        - نامزد کردہ ممبر (نومی نیٹڈ ممبر) (۱۰ فیصدی)
          - غیر متمدن اور غیر ترقی یافتہ جماعتیں
          - مزدور پیشہ
          - یورپین
          - ہندی عیسائی
        - مقرر کردہ ممبر (آفیشل ممبر) (۲۰ فیصدی)
          - دیگر حکام
          - ایگزیکٹیو کونسل کے ممبر
  - محکمہ حکمرانی
    - سپرد کردہ محکمے (ٹرانسفرڈ)
      - ہندوستانی وزراء خود مختار
        - پریزیڈنسی، آگرہ اودھ اور پنجاب میں (تین) وزراء
        - دیگر صوبوں میں (۲) وزراء
    - گورنمنٹ محکمے (ریزروڈ)
      - ایگزیکٹیو کونسل
        - گورنر (صدر)
          - پریزیڈنسیوں میں (۴) ممبر
            - ہندوستانی (۲)
            - انگریز (۲)
          - دیگر صوبوں میں (۲) ممبر
            - ہندوستانی (۱)
            - انگریز (۱)

محکمہ حکمرانی (ایگزیکیٹو ڈیپارٹمنٹ)

غرض لیجسلیٹو محکمہ کا کام ملک کے لئے قوانین بنانا اور آمد وخرچ پر نکتہ چینی و بجٹ کے بعد خرچ کی منظوری اور آمدنی کی تجویزوں کو قانونی صورت دینا ہے۔ ایگزیکیٹو محکمہ کا کام ان قوانین کا نفاذ، خرچ کا انتظام اور آمدنی کی تحصیل ہے۔ ان حکومت کے فرائض کی انجام دہی کے لئے امن وامان کا قائم رکھنا ضروری ہے۔ لہٰذا اس کا انتظام، رعایا کی جان ومال کی حفاظت اور ان کے جھگڑوں کا فیصلہ اور سرکش لوگوں کی سرزنش وغیرہ اس محکمہ کے ذمہ ہیں۔ دراصل یہ وہ محکمہ ہے کہ جس کے فرائض و ذمہ داریوں کو عام لوگ "اصل حکومت" سمجھتے ہیں۔

رزروڈ اور ٹرانسفرڈ محکمے RESERVED TRANSFERRED سنہ ۱۹۱۹ء میں خود مختار حکومت کی ابتدا کرنے کے لئے ہمیں چند "رعایات" عطا کی گئیں "رعایات" سے پیشتر یہ محکمہ تنہا گورنر کے اختیار میں تھا اور وہ اپنے ماتحت افسروں کی مدد سے حکومت کرتا تھا۔ "رعایات" کے بعد صوبہ کی حکمرانی کے کام دو حصوں میں تقسیم کر دئے گئے۔ ضروری واہم شعبہ جات گورنمنٹ نے اپنے لئے مخصوص رکھے۔ ان کو رزروڈ (RESERVED) یا "مخصوص" کہتے ہیں۔ ان کا انتظام گورنر اپنی ایگزیکیٹو کونسل کی صلاح سے انجام دیتا ہے۔ باقی چند حکومت کے محکموں کو ہمیں خود مختار حکومت کا اور تعلیم دینے کے لئے وقف کر دیا۔ اور ان کی ذمہ داری وزراء "منسٹر" (MINISTERS) کے سپرد کر دی۔ ان وزراء کو لیجسلیٹو کونسل کے منتخب ممبروں میں سے گورنر خود چن کر مقرر کرتا ہے۔

"سپرد کردہ" محکمے ان کے ذمہ دار وزراء ہیں۔ گورنر ان محکمات کے انتظام میں حتی الامکان دخل در اندازی نہیں کرتا۔ ان کے انتظام کی جواب دہی وزراء کو پبلک کے لیجسلیٹو میں نمائندوں کو کرنا پڑتی ہے۔ جو ان محکموں کے آمد وخرچ پر پورا قبضہ رکھتے ہیں۔ گویا ہندوستانی ان اپنے انتخاب شدہ وزراء کے ذریعہ اپنے ملک کے سپرد کردہ شعبوں کا انتظام خود کرتے ہیں۔ وزراء کے قبضہ میں مندرجہ ذیل محکمات ہیں۔

(۱) خود مختار و مقامی حکومت۔ میونسپلٹی، ڈسٹرکٹ بورڈ وغیرہ

(۲) شعبۂ تعلیم و لائبریری و میوزیم۔

(۳) محکمۂ طبی۔ حفظان صحت، صفائی، جانوروں کی صحت کی نگرانی۔ عام غذا وخوراک کی چیزوں کی حفاظت ونگرانی۔ اوزان کی قانونی نگہداشت وغیرہ۔

(۴) آبکاری، صنعت وحرفت، جنگلات، کاشتکاری و کواپریٹو سوسائٹی CO-OPERATIVE SOCIETY

(۵) محکمۂ انجنیرنگ۔ علاوہ چند مرکزی مخصوص کاموں کے۔

(۶) رجسٹریشن پیدائش و موت وشادی وطلاق۔ قانونی کاغذات و مذہبی عطیات وغیرہ کا انتظام۔

بی

مخصوص محکمے جن محکمات کو گورنمنٹ نے اپنے تحت میں رکھا ہے اور جن کی ذمہ داری کا ہمیں اب تک اہل نہیں سمجھا گیا وہ یہ ہیں
(۱) پولس۔ فوجداری و دیوانی، جیل و سزا دہی کے اختیارات وغیرہ (۲) اخبارات و پریس (۳) بندرگاہ اور بحری محکمے کی نگرانی
(۴) مالگذاری۔ ٹیکس۔ احتساب و خزانہ (۵) ملکی پیداوار، معدنیات، نہر اور محکمۂ آبپاشی (۶) قحط سالی کا انتظام، فیکٹری و صنعت و حرفت کے جھگڑوں میں دست اندازی اور مزدوروں کی رہائش وغیرہ کا انتظام۔

ایگزیکیٹو کونسل (EXECUTIVE COUNCIL)

ترکیب۔ پریزیڈنسی میں چار۔ دو ہندوستانی اور دو انگریز۔ اور دوسرے صوبوں میں دو دو ایک انگریز ممبر اور ایک ہندوستانی ممبر ہوتے ہیں۔ گورنر اس کونسل کا صدر ہوتا ہے۔ پبلک کو ان کے انتخاب کا حق حاصل نہیں ہے۔ یہ ممبر باعتبار عہدہ (Ex-officio) لیجسلیٹو کونسل کے ممبر بھی شمار کئے جاتے ہیں۔ اور ان کو اس طرح اس کونسل میں داخلہ تقریر و رائے زنی کا حق بھی حاصل ہے لیجسلیٹو کو ایگزیکیٹو کے ممبر کے تقرر یا برطرفی کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

ذمہ داریاں مخصوص شعبہ جات مثلاً مالگذاری، محصول، پولس و جیل و عدالت فوجداری و دیوانی کا انتظام اور اس کے اخراجات کی ذمہ داری ایگزیکیٹو کونسل پر ہے۔ ان اخراجات پر گو لیجسلیٹو نکتہ چینی کر سکتی ہے۔ لیکن اس کے علاوہ اور کوئی اختیار نہیں رکھتی۔ حکومت کے اس حصہ کی ذمہ داری گورنر اور اسکے ایگزیکیٹو کونسل کے ممبروں پر ہے اور اس کے سیاہ و سپید کی برٹش حکومت کے سامنے یہ ہی جوابدہ ہیں۔

تقسیم کار ہر ممبر کے اختیار میں چند مقررہ محکمے ہوتے ہیں۔ ان محکمات کے انتظام کے لئے ممبروں کو سکریٹری ملے ہوئے ہیں۔ ہر سکریٹری اپنے محکمہ کی رگ رگ سے واقف ہوتا ہے ممبر کو اپنے سکریٹری پر اپنے محکمہ کی حکومت کے لئے ہر طرح بھروسہ کرنا پڑتا ہے۔ صوبے کے ضلعوں اور بڑے شہروں کے سیاسی مسائل آمد و خرچ کا حساب وغیرہ تمام ان سکریٹریوں کے ذریعہ ممبروں تک پہونچتا ہے اور یہ ممبر اسکو کونسل میں پیش کر کے گورنر کی منظوری سے ضروری در عمل کرتے ہیں۔ کونسل بغیر گورنر کی منظوری کے کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ گورنر چاہے تو کونسل کی پاس شدہ تجویز کو نامنظور کر سکتا ہے۔

وزرار۔ تینوں پریزیڈنسیوں، صوبۂ آگرہ و اودھ اور پنجاب میں تین تین وزرا ہیں۔ اور باقی چار صوبوں میں دو دو۔ ان کو خود گورنر منتخب کر کے مقرر کرتا ہے۔ ان کا لیجسلیٹو کونسل کا بوقت تقرر یا چھ ماہ بعد ممبر ہو جانا ضروری ہے۔

ذمہ داریاں یہ وزرا گو حکومت کا انتظامی کام بالکل ایگزیکیٹو کونسل کے ممبروں کی طرح کرتے ہیں۔ لیکن اس کونسل کے ممبر شمار نہیں کئے جاتے۔ یہ سپرد کردہ "یا منتقل محکمات مثلاً سرشتۂ تعلیم و طب و حفظان صحت و آبکاری وغیرہ پر حکومت کرتے ہیں۔ ان کو بھی اپنے محکموں کی ذمہ داری کی انجام دہی میں سکریٹریوں سے مدد ملتی ہے۔ ان کے ذمے جو محکمے ہیں

ان کے آمد و خرچ پر لیجسلیٹو کونسل کو پورا اختیار ہے۔ اور اس کے سیاہ و سپید کے یہ وزرا لیجسلیٹو کے سامنے جواب دہ ہیں۔ گورنر جہاں تک ہو سکتا ہے ان وزرا کی حکومت میں دخل اندازی نہیں کرتا۔ وہ ہر اس مسئلہ کو جو اس تک لایا جائے وزرا کی رائے و مرضی سے طے کرتا ہے اور حکومت کی اہم ضرورت کے علاوہ انکے خلاف فیصلہ صادر کرنے کا قانوناً حق نہیں رکھتا ہے۔ گویا ایک وزیر اپنے محکمہ کی حکومت کا پورا خود مختار ہوتا ہے۔ وہ حکام جو صوبے کی حکومت و انتظام میں مقامی مدد دیتے ہیں مثلاً کمشنر و ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ و کلکٹر وغیرہ کونسل کے ممبروں کے علاوہ وزرا کی ماتحتی میں بھی کام کرتے ہیں۔ وہ جس طرح مخصوص محکموں کے مقامی انتظام کے لئے ایگزیکٹیو کونسل کے ممبروں کے سامنے جوابدہ ہیں۔ اسی طرح سپرد کردہ شعبہ جات کے لئے وزرا کے روبرو بھی ذمہ دار گردانے جاتے ہیں۔ بعض ایسے حکام بھی ہیں کہ جو صرف سپرد کردہ محکموں کے افسر ہیں۔ اور ان محکموں سے کوئی تعلق نہیں رکھتے جو گورنمنٹ کے قبضہ میں ہیں مثلاً افسران تعلیم و آبکاری و سول سرجن کے علاوہ افسران افسران محکمہ طب و حفظان صحت وغیرہ میونسپلٹی و ڈسٹرکٹ بورڈ وغیرہ کا انتظام اور چارج بھی وزرا کے قبضہ میں ہے

(باقی جنوری نمبر میں)

کپتان نصیر الدین احمد

(بقیہ صفحہ ۴۵۵) سکینہ بیگم کی وفات کے بعد ۱۷۹۰ء میں اچھی بیگم نامی ایک عورت نے سکینہ بیگم کی بہن ہونیکا دعوی کیا تھا۔ اور اسکی پنشن حاصل کرنے کے لئے گورنر جنرل کیخدمت میں درخواست دی تھی اس کے دعوی کی تائید نواب نصارت جنگ نے بھی تھی لیکن نتیجہ کیا ہوا۔ اس کے متعلق مجھے کوئی پتہ نہ مل سکا۔

اسوقت بھی ڈہاکہ میں ایک مختصر خاندان ہے جسے مرشد آباد سے پنشن ملتی ہے لیکن نواب سراج الدولہ سے یا لطیف النسا بیگم سے اس کے تعلقات کیا ہیں نہیں معلوم۔ اگر کوئی شخص ان لوگوں سے مل کر کے حالات معلوم کرنیکی کوشش کرے تو ممکن ہے کہ مزید معلومات کا اضافہ ہو۔ میری معلومات کا ذریعہ مرزا ممتاز حسن مہر کی داستانیں اور سیر المتاخرین کے صفحے ہیں۔ لیکن میں نے تمام تر اسبات کا خیال رکھا ہے کہ کوئی بات تاریخ کے خلاف نہ ہو

گاہے گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را ‌ ‌ ‌ تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

شہر بانو مظفرپور

سوگ

منجملہ اور خرابیوں کے سوگ بھی ایک تباہ کرنے والی رسم ہے۔ یہ رسم پرانے زمانہ کی یادگاروں میں سے ہے۔ حد سے زیادہ سوگ کسی حالت میں ٹھیک نہیں۔ اُس زمانہ کی بات تو دوسری تھی۔ جب برسوں میں کوئی موت ہو جاتی تھی لیکن آج کل تو اس رسم کی وجہ سے سینکڑوں گھرانے تصویر غم بنے ہوئے ہیں۔ بہت جلد جلد موتیں ہوتی ہیں ایک کا غم دل سے محو نہیں ہوتا کہ دوسرے کا پڑ جاتا ہے۔ کچھ لوگ تو صبر کرتے ہیں اور کچھ ہیں کہ ہمیشہ غم کی صورت بنے رہتے ہیں۔ ان کو دیکھکر دیکھنے والے بھی رنجیدہ ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ کسی جلسہ میں شریک ہوتے رہتے ہیں تو ان کا بھی سب لطف خراب ہو جاتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ "افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را" ہر موت کا دل پر ایک جدا اثر ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی جوان یا اچانک موت ہوئی تو سننے والوں پر بھی بیحد اثر پڑتا ہے۔ پھر عزیز تو عزیز ہی ہوتے ہیں۔ شوہر کی موت سب سے بڑھکر ہے۔ اس سے گویا بیوہ بالکل برباد ہو جاتی ہے۔ بچوں کی موت سے گھر سنسان معلوم ہوتا ہے۔ اور دل پر عجیب طرح کی وحشت ہوتی رہتی ہے۔ بزرگوں اور خصوصاً ماں باپ کی موت پر ان کی محبتیں اور شفقتیں یاد آ آکر دل بے چین کرتی ہیں اور یہ خیال کر کے کہ ہمارا بچھڑا ہوا عزیز اب کبھی ہم سے نہ مل سکے گا۔ دل بیقرار ہو جاتا ہے۔ یہاں تک تو خیر ٹھیک ہے۔ لیکن بعض لوگ تو حد سے بڑھ کر سوگ کرتے ہیں۔ بچوں کی موت پر بھی اتنا سوگ کرتے ہیں جس کا کچھ ٹھیک نہیں۔ ان کا تیجہ دسواں چالیسواں وغیرہ سب ہوتا ہے۔ بچہ کی ذہانت و فراست کا ذکر کر کے سب لوگ روتے ہیں۔ اسی طرح اور موتوں پر بھی ماتم ہوتا ہے اور مرنے والے کی خوبیاں بیان کر کے اپنے آپ کو خوب دھن دھن کر اور چیخیں مار مار کے روتے ہیں۔ کم از کم چالیسویں ورنہ برسی تک بیویاں گھر سے نہیں نکلتیں۔ چاہے کیسی ہی ضرورت کیوں نہ ہو۔ اگر ایسا ہی سب کرنے لگیں تو دنیا کے سب کام بند ہو جائیں اور جینا دشوار ہو جائے۔ ایک بہن صاحبہ کا قصہ ہے کہ ان کی جوان بیٹی مر گئی۔ ایک ہی اولاد تھی خوب روئیں اور کوٹھری میں گھسکر دروازہ بند کر لیا۔ سب لوگوں نے بہتیرا سمجھایا مگر انہوں نے جواب دیا کہ اب میں زندہ رہکر کیا کروں گی۔ میری زندگی کا سہارا ایک لڑکی تھی وہ بھی نہ رہی۔ اب تو میں یہاں سے مر کر ہی نکلوں گی۔ کئی دن کے بعد سب نے بڑھئی کو بلوا کر کواڑ کھلوائے۔ بہن صاحبہ بے ہوش پڑی ہوئی تھیں اور انکی آنکھیں چوہوں نے کھا ڈالی تھیں۔ علاج کرانے سے اچھی تو ہو گئیں لیکن یہ سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نے انکی ضد کا بدلہ دیا۔ مر بھی نہ سکیں۔ اور آنکھوں جیسی نعمت کھو بیٹھیں۔ اتنا رنج و غم تو شرع کے بھی خلاف ہے۔ شرع میں تو تین دن سے زیادہ سوگ کی ممانعت ہے

صرف بیوہ کو اپنے شوہر کا سوگ چار ماہ دس دن کرنا چاہئے۔ آنحضرت صلعم نے بھی حد سے زیادہ سوگ کی ممانعت کی ہے۔ میں نے ایک رسالہ میں پڑھا تھا کہ ام المومنین حضرت اُم حبیبہؓ کے والد ابو سفیان کا جب انتقال ہوا تو آپ نے تیسرے روز ایک خوشبودار چیز منگائی اور اسکو اپنے چہرہ مبارک اور ہاتھوں پر مل کر فرمایا مجھے خوشبو کی ضرورت نہ تھی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے کہتے سنا ہے کہ جو عورت اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے اسکے لئے حلال نہیں کہ وہ کسی میت کا سوگ تین دن سے زائد کرے۔ مگر شوہر کا سوگ چار ماہ دس دن ہے۔ اس روایت میں خوشبو کا ملنا صاف بتا رہا ہے کہ تیسرے دن کے بعد آنحضرت کے زمانے میں سوگ نہیں کیا جاتا تھا حالانکہ یہ موقع باپ کے انتقال کا تھا لیکن بیٹی نے حضور کے حکم پر تیسرے روز باپ کے سوگ کو ختم کر دیا۔ اور چونکہ سوگ میں خوشبو کی چیز کا استعمال کرنا بھی برا سمجھتے ہیں اس لئے اس کے استعمال سے انہوں نے سوگ کے خاتمہ کا اظہار کیا اس حدیث میں حضور نے عورت کی تخصیص اس لئے فرمائی ہے کہ عورتیں ہی ایسی باتوں میں زیادہ حصہ لیتی ہیں مسلمان خواتین کو ام المومنین کے اسوۂ حسنہ سے سبق حاصل کرنا چاہئے اور میانہ روی اختیار کرنی چاہئے افراط تفریط کسی بات میں اچھی نہیں اور یہی آنحضرت صلعم کا ارشاد مبارک ہے۔ آجکل لوگ جہاں اور باتیں اپنے پیغمبر صلعم کی تعلیمات کے خلاف کرتے ہیں وہاں سوگ بھی ہے۔ آنحضرت نے جا بجا صابروں کے بڑے بڑے درجے فرمائے ہیں۔ خود قرآن پاک میں جگہ جگہ صابرین کی تعریف آئی ہے بعض صابر لوگ میری بھی نظروں سے گذرے ہیں جنکو دیکھکر بہت مسرت ہوتی ہے کہ یہ اللہ کی رضا پر کیسے راضی ہیں۔ میری والدہ صاحبہ کی دادی صاحبہ مرحومہ بھی انہی لوگوں میں تھیں انکے شوہر کا تو پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا۔ ان کے دو لڑکوں میرے نانا صاحب اور والدہ صاحبہ محترمہ کے چچا کا انتقال ۸ دن کے اندر ہو گیا۔ دونوں بہت قابل اور فرمانبردار تھے سب کا خیال تھا کہ ان سخت و پیہم صدمات سے ان کا دماغ صحیح نہیں رہیگا۔ لیکن انکی آنکھوں سے آنسو بھی نہیں نکلے۔ اور لوگ جو ان کے سامنے روتے تھے انکو بھی منع کرتی تھیں کہ میرے سامنے نہ رؤو تمکو روتا دیکھکر کہیں میں بھی بے صبر نہ ہو جاؤں۔ اللہ کی یہی مرضی ہے۔ دوسری مثال میری خالہ جان صاحبہ مرحومہ کی ہے۔ انکی ایک ہی لڑکی تھی۔ اسکے انتقال خالہ جان صاحبہ نے اپنے داماد کی شادی (جو۔ پی۔ ایچ۔ ڈی اور بہت مشہور شخص ہیں) بہت اصرار سے انکو راضی کر کے کی۔ اس حالت میں کہ انکی بیٹی کے دو بچے موجود تھے (خدا زندہ رکھے) بیٹی کی جانشین سے بالکل بیٹی جیسا برتاؤ کیا۔ ایسے صبر و ایثار کی مثالیں ملنی مشکل ہیں کاش سب لوگ انکی پیروی اختیار کریں رنج و غم سے دنیا بھری ہوئی ہے۔ ہر شخص کو کچھ نہ کچھ رنج و غم ہے۔

کون ہے جس کو جہاں میں غم نہیں
تم نہیں آزردہ دل یا ہم نہیں

رنج و غم کا علاج صرف صبر ہی ہے اسکو اختیار کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

بنت محمد نعمت الہی زبیری۔

لطف النساء بیگم

نواب سراج الدولہ اور اس کے خاندان کے بارے میں تاریخ کے اوراق مختلف صورتوں میں بھرے پڑے ہیں بعض واقعات کا صحیح نقشہ پیش کرتے ہیں اور بعض مصلحتوں کے ماتحت حقیقت سے گریز کرتے ہیں۔ اس مضمون سے میرا مطلب ان واقعات کا اعادہ نہیں ہے بلکہ ناظرات عصمت کے سامنے تاریخ کے چند اوراق سے تاریکی کا پردہ چاک کرنا ہے اور نواب سراج الدولہ کی عزیز ترین بیوی کے متعلق واقعات کا انکشاف کرنا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نواب لطف النساءؔ بیگم کے نام سے زمانہ بالکل ناواقف ہے۔ اور سوائے سیر المتاخرین یا گورنمنٹ آف انڈیا ریکارڈس کے اس بدنصیب بیگم کے حالات زندگی کا اور کہیں پتہ نہیں ملتا ہے۔ ڈھاکہ میں نواب مرشد قلی خاں کے عہد کے چند شکستہ محلات کے نشان ابھی تک ملتے ہیں۔ شہر سے کچھ دور ہٹ کر بوڑھی گنگا کے کنارے اس نواب کا باغ ہے۔ اور اس کے متعلق چند مکانات ہیں۔ زمانہ نے اس باغ کو نیست و نابود کر ڈالا ہے۔ اور ان مکانات میں بھی شکستگی کے آثار پوری طرح نمایاں ہے۔

سراج الدولہ کے دل کی مالک بیگم اسی مکان میں اپنے پیارے شوہر کی اکیلی یادگار زہرہ بیگم کے ساتھ اپنے زوال کے ایام میں زندگی بسر کر گئی۔ اس حقیقت کا علم تو سب کو ہے۔ کہ سراج الدولہ کے بیرحمانہ قتل کے بعد جو محمد بیگ کے ناپاک ہاتھوں سے عمل میں آیا تھا۔ اس کے خاندان کے افراد جو میر جعفر کے ظلم کا شکار نہیں ہوئے ڈھاکہ بھیج دئے گئے۔ اس لئے ہوئے قافلہ میں نواب سراج الدولہ کی خالہ گھسیٹی بیگم اور اس کی ماں آمنہ بیگم اور اس کی بیوی اور بیوی لطف النساءؔ بیگم اور زہرہ بیگم تھیں لیکن آخر الذکر بیگمات کے نام زمانہ کو معلوم نہیں ہیں۔

میرے یہاں عظیم آباد کے ایک بزرگ مرزا مختار حسین صاحب تہ محرم کے ایام میں مجلس پڑھنے آتے ہیں جو مرشد آباد کی سرکار میں ملازم بھی ہیں۔ ممدوح کو مرشد آباد کی تاریخ سے اچھی واقفیت ہے اور گو ان کے بیانات تاریخی اصول کے مطابق نہیں ہوتے ہیں۔ اور ان کی صورت قصص اور حکایات کی ہوتی ہے لیکن پھر بھی بہت سے تاریخی واقعات ان حکایتوں کے دفتر میں پوشیدہ نظر آتے ہیں اور ان کی تائید کتب تاریخ سے ہوتی ہے ممدوح بیان کیا کرتے ہیں کہ میرن نے سراج الدولہ کی خالہ گھسیٹی بیگم اور ماں آمنہ بیگم کو ڈھاکہ سے بلوا کر دریا میں غرق کرا دیا۔ میرن نے پہلے تو یہ کوشش کی کہ ڈھاکہ کے حاکم نواب جسارت خاں کے ذریعہ ان کا کام تمام کروا ڈالا جائے۔ لیکن اس شخص نے اس حکم کی تعمیل سے جب انکار کر دیا تو اس کمینہ شخص نے اپنے آدمی کو بھیجکر ان بیگمات کو مرشد آباد بلوایا۔ خوش قسمتی سے اس قافلہ میں لطف النساءؔ بیگم اور زہرہ بیگم بعض وجوہ سے شامل نہ ہوسکیں، میرن کے آدمیوں نے جب مرشد آباد

ے ہوئے دریا کو کسی کے ذریعہ پار کرنے کے لئے کشتی میں بٹھا کر کشتی کو توڑ کر بیگمات کو غرق کرادیا۔ بیگمات کو جب دغا
شبہ ہوا تو انہوں نے نماز ادا کر کے میرن کے حق میں بددعا کی۔ اور اپنی جانوں کو قسمت کے سپرد کردیا۔ انکی دعا یہ تھی
رہ برق بن کر گرجائیں تاکہ وہ میرن پر قہر الٰہی بن کر گریں۔ چنانچہ چند ہی دنوں بعد میرن برق گرنے سے مرگیا۔ اور
ج محل کی پہاڑیوں میں جہاں میرن کی قبر ہے ہر سال بجلی گرتی ہے۔ ان واقعات کی تائید سیرالمتاخرین سے ہوتی ہے
بجلی کے متعلق عینی شہادتیں موجود ہیں جنکو باور نہ کرنے کی مجھکو وجہ نہیں معلوم ہوتی۔

قطع نظر ان واقعات کے لطف النساء بیگم کی زندگی بھی حد درجہ دلچسپ اور عبرتناک ہے۔ لطف النساء بیگم ہندوستان
کی بیٹی تھی۔ وہ اوائل زندگی ہی میں لونڈی بنا کر مرشدآباد کے شاہی محلات میں داخل کی گئی اور سراج الدولہ
ان کی خدمت میں رہنے لگی۔ سراج الدولہ کو اس سے محبت ہوگئی اور یہ الفت آخر تک قائم رہی اور سراج الدولہ
قتل کے بعد بھی اس عورت نے وفا کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اور مختلف قسم کی لالچوں اور ظلم و جبر کے باوجود بھی مرحوم
ب کی محبت سے نہ ہٹی اور آخر زندگی تک بیوگی کی حالت میں رہی۔ اس زمانہ میں اسکی زندگی کا سہارا اسکی اکلوتی بیٹی
رہ بیگم تھی۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ لطف النساء بیگم موہن لال کی بہن تھی اور سراج الدولہ کی خوشنودی حاصل کرنے
لئے موہن لال نے اسے سراج الدولہ کے سپرد کردیا تھا۔

لطف النساء بیگم ۱۷۶۵ء کے بعد تک زندہ رہی اور اس نے بہار و بنگال کی دیوانی کو اُس کے پیارے شوہر کے
ل میں پہلے تھی انگریزوں کے ہاتھوں میں جاتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ لطف النساء بیگم کو مبلغ چھ سو
پنشن ملتی تھی لیکن زندگی زیادہ تر غربت ہی کی حالت میں گذری کیونکہ پنشن پابندی وقت کے ساتھ نہیں ملتی تھی
محمد رضا خاں ڈھاکہ میں جب سے آئے بیگم کا برابر خیال کرتے رہے اور یہ زمانہ ان کا قدرے عافیت سے گذرا۔

زہرہ بیگم کی شادی میر اسد علی خاں سے ہوئی اور ان سے چار لڑکیاں ہوئیں جن کے نام شرف النساء بیگم، امانت النساء
کرامت المہدی بیگم ہیں۔ زہرہ بیگم اپنی ماں کی زندگی ہی میں قضا کر گئیں۔ لطف النساء بیگم کی پنشن میں سے سو سو روپیہ
ان چاروں لڑکیوں کو ملتا تھا اور خود لطف النساء بیگم کو سو روپے ملتے تھے۔

لطف النساء بیگم نے ۱۷۹۰ء میں مرشدآباد میں انتقال کیا۔ اسکے انتقال کے بعد اسکی نواسیوں نے اپنی نانی کے حصہ
کے لئے بھی دعوی کیا اور گورنر جنرل کے یہاں اپیل کرنے کے بعد یہ پنشن ان لڑکیوں پر تقسیم ہوگئی۔

لطف النساء بیگم کی نواسیاں برابر مرشدآباد میں رہیں لیکن انکی پنشن ڈھاکہ سے برابر آتی رہی سوا ان واقعات کے ان
کے اور حالات نہیں ملتے۔ یوں تو ہمارے مرزا صاحب چند حضرات کو جن سے انکی مرشدآباد میں ملاقات ہوئی تھی اسی
کی کردی بتاتے ہیں لیکن کتب تاریخ میں انکا کوئی ذکر نہیں ہے اسلئے اسکے متعلق کوئی رائے قائم کرنا مناسب نہیں ہے

(باقی صفحہ ۴۴ پر دیکھئے)

تاج محل چاند رات میں

بے مثل آثارِ جہاں ۔ آرام گاہ شاہجہاں | اے سکونِ جسم وجاں اور نشانِ بے نشاں

تیرے اوپر ضوفشاں ہے چودھویں کا ماہتاب | حسن در پردہ کو تیرے کر رہا ہے بے نقاب

تیرے نظارے نظر کو کتنے دل آویز ہیں! | نقش سب دیوار اور در کے تحیر خیز ہیں

یہ جواہر ہیں منور ماہ کی تنویر میں | بجلیاں بھر دی گئی ہیں یا تری تعمیر میں

تیری رعنائی کے یہ مینار بھی دلدادہ ہیں | اور تجھے سر پر اٹھا لینے کو بھی آمادہ ہیں

پاؤں دھونے کو ترے آیا ہے دریائے جمن | اور پئے زینت زمیں سے پھوٹ نکلے ہیں چمن

تو زمین ہند کی اک آخری تعمیر ہے
آسماں کے حاشیے میں اک جڑی تصویر ہے

رات کے بارہ بجے ہیں اور فضا خاموش ہے | دیدہ حیران ہے اور تجھ سے ہم آغوش ہے

اک زمانے کی بہاروں سے نظر پھیرے ہوئے | تجھ پہ جو مرتے ہیں بیٹھے ہیں تجھے گھیرے ہوئے

ہے کسی کے لب پہ تیری خوبیوں کی داستاں | کوئی حیرت میں کھڑا ہے اور کوئی ہے نغمہ خواں

ساحل دریا پہ بیٹھا گیت گاتا ہے کوئی | اور سرِ مینار جا کر تان اڑاتا ہے کوئی

حوض پر بیٹھا ہے کوئی پاؤں لٹکائے ہوئے | فرش پر لیٹا ہے کوئی پاؤں پھیلائے ہوئے

ہو سکے کس کی زباں سے تیری خوبی کا بیاں | یعنی روشن ہیں ترے سایہ کی بھی تاریکیاں

یہ تیری انوار پاشی اور یہ منظر دلفریب | کیوں نہ تجھ کو دیکھ کر جاتے رہیں صبر و شکیب

گرچہ دنیا بھر پہ روشن آسماں کا چاند ہے
تو ہمارے واسطے ہندوستاں کا چاند ہے

سرور۔ اکبر آبادی

توبہ

عربی کی ایک مشہور مثل ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ انسان خطا اور نسیان کا پتلا ہے۔ دنیا کے سب سے پہلے انسان
ی آدم وحوا علیہما السلام سے ایک ایسی خطا سرزد ہوئی جس کی سزا میں انہیں جنت کے عیش و راحت کو خیرباد کہنا
ا۔ ان کے زمانہ سے لیکر آجتک کوئی آدمی ایسا نہیں گزرا جو خطا و نسیان کے مرض سے بالکل محفوظ رہا ہو۔ خدا کے
ب بندوں سے قطع نظر کرکے اگر عام انسانوں کی حالت پر نظر کیجائے تو معلوم ہوگا کہ وہ آئے دن سینکڑوں گناہوں
ے مرتکب ہوتے رہتے ہیں۔ خدانخواستہ اگر بُرے کاموں کی تلافی ناممکن ہو تو امیدوں کا لہلہاتا ہوا چمن سوکھ جائے
گی عذاب ہوجائے اور ہر انسان کی زبان سے یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرَابًا کی المناک صدائیں بلند ہوں لیکن مستحق شکر
ں خالق کی ہستی ہے جس نے بندوں کو بے بسی کی حالت میں نہ رکھا۔ اس نے عقل سے انسان کو دیگر مخلوقات پر
ت بخشا تاکہ وہ نیک و بد کی تمیز کرسکے۔ اور اُسے اس امر کا مختار بنا دیا کہ چاہے وہ اچھی راہ چلے یا بُرا راستہ
یار کرے۔ علاوہ ازیں اس نے یہ بھی اچھی طرح بتا دیا کہ نیکی کا انجام نیک ہے اور بدی کا بد ہے۔ اس نے یہ بھی
ں کردیا کہ جو بندے راہ راست سے بہک گئے ہیں وہ اپنے قدم پیچھے ہٹا کر پھر راہ راست پر آسکتے ہیں۔ چنانچہ
ایت تسلی بخش الفاظ میں کہتا ہے "اے میرے وہ بندو جو اپنی جانوں پر ظلم کرچکے ہو۔ خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہوجاؤ
خدا تمام گناہوں کو معاف کردیگا" خطا کاروں کے لئے اس مغفرت کی جس کی امید دلائی گئی ہے صرف ایک سبیل ہے جسکا
بہ ہے۔ توبہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز سو بار توبہ کرتے تھے۔
سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ توبہ کہتے کسے ہیں بعض لوگ توبہ اور انفعال میں کوئی تمیز نہیں کرتے۔ اگرچہ حقیقت میں دونوں
چیزیں ہیں۔ ہاں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ توبہ کے لئے انفعال ضروری ہے۔ توبہ کا وجود بغیر انفعال کے ناممکن ہے
موخرالذکر کا وجود تنہا بھی ممکن ہے۔ یا یوں کہئے کہ جب تک ایک شخص نادم نہیں ہوتا تائب نہیں ہوسکتا لیکن
نادم ہونے سے کام نہیں چلتا۔ توبہ کی غایت یہ ہے کہ انسان آئندہ کے لئے اُس گناہ سے بچنے کا عہد کرلے جسکا
رف ہے اور جس پر وہ پشیمان ہے۔ اسے حقیقی توبہ یا توبہ نصوح بھی کہتے ہیں۔ ہمارے بعض مذہبی پیشواؤں
ی کہا ہے کہ صرف ندامت کافی ہے۔ مجھے اس قول کی تائید سے انکار نہیں لیکن اس سلسلہ میں چند الفاظ عرض
ضروری ہے۔ تاکہ ہماری بہنیں ندامت کے صحیح مفہوم کو سمجھ لیں آج کل یہ عام قاعدہ ہے کہ اگر نادانستہ کسی
معمولی دھکا یا ٹھوکر لگ جائے تو مغربی تہذیب کے مطابق اس کے سامنے افسوس و ندامت کا اظہار کیا

جاتا ہے۔ اس قسم کی رسمی ندامت اور اس انفعال میں جو توبہ کے لئے ضروری ہے زمین اور آسمان کا فرق ہے ایسی ندامت کوئی فائدہ نہیں پہونچا سکتی۔ وہ افسوس اور پشیمانی البتہ سودمند ہے جس کی بنا ضمیر کی بےچینی پر ہو۔ اور جو ضلالت سے بچا کر صراط مستقیم پر ہدایت کرے۔ صرف اس نقطۂ نظر سے کہا جا سکتا ہے کہ گناہوں سے شرمندہ ہونا مغفرت کے لئے کافی ہے۔ ایسی ندامت اور توبہ میں الفاظ کا فرق ہے۔ ورنہ دونوں کا ایک ہی مفہوم اور ایک ہی مقصد ہے۔ ان سب باتوں سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ خطا و نسیان سے بچنے کی کوشش کا نام توبہ ہے اس کے لئے پختگی عزم لابدی ہے اور پختگی عزم کا انحصار حقیقی انفعال پر ہے۔ ان تینوں باتوں کے مجتمع ہونے پر رحمت خداوندی مددگار ہوتی ہے۔ وعدہ مغفرت زندگی کی شاہراہ میں جو گناہوں کے باعث تاریک و پرآشوب ہے شمع ہدایت بنجاتا ہے اور نسیم لاتقنطوا کے جاں بخش جھونکے دلوں کے افسردہ باغوں کو ازسرنو سرسبز و شاداب کر دیتے ہیں۔

یوں تو کسی زمانہ میں توبہ کرنے والوں کی کمی نہیں رہی۔ اور نہ اب ہے لیکن سچی توبہ کرنے والے شاذ ہیں۔ جھوٹی توبہ کی تربیت زیادہ شاعروں کی آغوش میں ہوئی۔ رحمت خداوندی کی آڑ میں انہیں توبہ شکنی کی تبلیغ کا خوب موقع ملا چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے۔

میں اور کردوں توبہ عصیاں سے معاذاللہ ممکن نہیں کم کردوں قیمت تری رحمت کی

اگر محض شعرا تک یہ بات محدود ہوتی تو چنداں مضائقہ نہیں تھا۔ کیونکہ وہ تخیل اور نکتہ آفرینی کے دلدادہ ہیں۔ افسوس اس امر کا ہے کہ خواتین ہند بھی اس جھوٹی توبہ کے مرض کا شکار ہو رہی ہیں۔ میرا اشارہ جملہ خواتین کی جانب نہیں ہے۔ جو عورتیں سمجھدار ہیں احتیاط سے کام لیتی ہیں لیکن اکثریت ان کی ہے جو اپنے کلام کی طرف سے بالکل لاپرواہ ہیں اور جن کے دلوں میں توبہ کی اہمیت کا مطلق احساس نہیں ہے۔ اس قسم کے جملے بہت سننے میں آتے ہیں۔ کہ خدا سے توبہ کرتی ہوں فلاں میں تو یہ عیب ہے' اگر اس جملہ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں پر توبہ بالکل بے محل ہے۔ آخر کس بات سے توبہ کی گئی؟ کیا متکلم کا یہ خیال ہے کہ غیبت کرنے سے پہلے اگر توبہ کر لی جائے تو گناہ نہیں ہوتا۔ اگر ایسا خیال ہے تو بڑی نادانی ہے۔ کیونکہ وہی بات کی گئی جس سے بچنے کا وعدہ کیا گیا۔ شاید بعض لوگ یہ کہیں کہ متکلم کی منشا یہ ہے کہ خدا اسے اس عیب یا گناہ سے بچنے کی توفیق عطا کرے۔ جو کسی خاص شخص میں موجود ہے۔ یہ خیال بھی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ توبہ کا تعلق محض گزشتہ افعال سے ہے۔ یہاں مستقبل کے لئے دعائے خیر یا تمنا کا اظہار ہے۔ متکلم کئے ہوئے گناہوں کا معترف اور اپنے نادم نہیں ہے۔ توبہ کی اسوقت حاجت تھی جب خود متکلم میں وہ عیب موجود ہوتا جس کی برائی بیان کرنا اس کا مقصود ہے۔ اور وہ اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی نیت کا اظہار کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جہاں بہت سی باتیں تکیہ کلام میں داخل ہیں وہاں یہ جھوٹی توبہ بھی ہے جس کا

کوئی اعتبار نہیں۔ کسی نے ایسی ہی توبہ کو مدنظر رکھکر کہا ہے۔

کی توسوبار بہ اک بار نباہی توبہ   میں بھی کیا توبہ شکن ہوں کہ الٰہی توبہ

اگر زبانی توبہ حقیقی توبہ کے برابر سمجھی جاتی تو دلوں میں خدا کا خوف باقی نہ رہتا۔ اور سب کو یہ وہم ہوتا کہ جہاں ذرا زبان ہلائی اور زندگی بھر کے گناہ معاف ہوگئے۔ میرا خیال ہے کہ توبہ کے لئے زبان ہلانے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اس کا تعلق قلب سے ہے۔ دل میں کچھ اور زبان پر کچھ ہونا مکاری و دغابازی نہیں تو کیا ہے۔ خدا کو دھوکا دینے کی کوشش کرنا۔ اور پھر اس سے عفو کی امید رکھنا۔ ہوا پر محل تعمیر کرنا ہے۔ توبہ کے لئے ضروری ہے کہ گناہوں سے اجتناب کرنے کا خلوص نیتی کے ساتھ عہد کیا جائے کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک بار ایسا قحط پڑا کہ زمین کی پیداوار جل گئی۔ اور مویشی ہلاک ہوگئے۔ آخر عاجز آکر ایک دن وہ بنی اسرائیل کو لیکر دعا مانگنے کے لئے نکلے۔ ان لوگوں میں ستر آدمی ایسے تھے کہ جو پیغمبروں کی نسل سے تھے۔ انہوں نے خدا کے سامنے دست بدعا ہوکر بہت فریاد و زاری کی۔ اور تین دن تک اشکوں کے دریا بہاتے رہے۔ لیکن ایک بوند پانی نہ برسا۔ موسیٰ علیہ السلام کے استفسار پر خدا نے جواب دیا کہ ان لوگوں میں بعض حرام کھاتے ہیں۔ اور بعض چغل خور و غیبت گو ہیں۔ یہ لوگ تو میرے غضب کے مستحق ہیں اور تم ان کے لئے طالب رحمت ہو۔ بھلا ایک ہی موقع پر رحمت اور عذاب کیسے مجتمع ہو سکتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے دوسرے سوال کے جواب میں ارشاد ہوا کہ تم میں سے ہر ایک صدق دل سے تائب ہو تو شاید وہ لوگ تمہارے ساتھ توبہ کرلیں جن کی وجہ سے قحط ہے۔ پھر میں تمہیں اپنے انعامات سے فیضیاب کرونگا۔ جب بنی اسرائیل نے یہ خبر سنی تو فوراً وہ تائب ہوئے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ خوب مینہ برسا اور قحط دور ہوگیا۔ اس واقعہ سے حرام اور غیبت سے بچنے کی تاکید کے علاوہ ایک سبق یہ بھی ملتا ہے۔ کہ گریہ و زاری بیکار ہے۔ جب تک صدق دل سے توبہ نہ کیجائے گر بنی اسرائیل کی طرح ہماری توبہ بھی نیک نیتی پر مبنی ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ نا مقبول ہو۔ اور ہم جو خیر الامم کہے جاتے یں باران رحمت کے فیض سے محروم رہجائیں

مسز عبدالمنان خاں بنارس

بہنوں مجھ سے سبق لو

بہن کا بدلہ

ایک جگر خراش اور عبرت انگیز واقعہ

میں اپنا نام رسالہ میں نہیں چھپوا سکتی کہ مجھ پر اور مصیبت لوٹے گی۔ میرے والد بزرگوار ڈاکٹر تھے ان کی شادی جن سے ہوئی تھی وہ ان کی دور کے رشتہ سے بہن تھیں۔ اتفاق سے اسکی دوسری بہن کی شادی بھی میرے چچا جان سے ہوئی میرے والدصاحب کی شروع ہی سے بیوی کے ساتھ محبت نہ تھی۔ ہمیشہ لڑائی جھگڑا رہتا تھا۔ اسی طرح چار سال گزر گئے۔ لڑائی جھگڑے کی اول وجہ یہ تھی کہ میری سوتیلی ماں کے اطوار اچھے نہ تھے۔ عادت خراب تھی۔ اگر والدصاحب ایک بات کہتے تو وہ دس باتیں کہتی۔ دوسری بہن کی عادت بھی اسی طرح کی واقع ہوئی تھی۔ مگر میرے چچا صاحب کی عادت بہت نرم تھی اس لئے ان کا گذارہ اچھا ہوتا ہے۔ میرے والدصاحب کا ایک لڑکا بھی ہوا۔ مگر پہلی شادی کے چار سال بعد والدصاحب نے اور شادی کر لی جس سے میں ہوئی اور میرے اور بھائی بھی۔ مگر وہ مر گئے۔ والدصاحب کی صرف میں ایک لڑکی تھی۔ اور لڑکا جو پہلی بیوی سے تھا۔ وہ اپنی ماں کے پاس رہتا تھا۔ خرچ والدصاحب باقاعدہ بھیجتے تھے۔ اور میری سوتیلی ماں اپنی بہن کے پاس رہتی تھیں۔ میری والدہ صاحبہ کی طبیعت بہت نرم تھی۔ والدصاحب خواہ کچھ بھی کہتے کبھی اُلٹ کر جواب نہ دیتیں۔ میری عمر بارہ سال کی تھی جب میری والدہ فوت ہو گئیں۔ اور میں ساتویں جماعت میں پڑھتی تھی۔ والدصاحب نے مجھے سکول سے اٹھا لیا۔ کیونکہ میں سیانی ہو چلی تھی۔ چھ جماعت پڑھکر مجھے تھوڑا بہت لکھنا پڑھنا آ گیا تھا۔ اسی زمانہ میں میری والدہ صاحبہ بھی فوت ہو گئیں مگر والدصاحب پھر بھی اپنی پہلی بیوی کو نہ لائے۔ بلکہ اور شادی کر لی۔ میری یہ سوتیلی ماں بہت اچھی تھیں ان کا ایک لڑکا بھی تھا۔ جب میں جوان ہوئی تو کئی جگہ سے پیغام آئے۔ مگر والد نے کسی جگہ ہاں نہ کی۔ جب میں سولہ برس کی ہوئی تو میری شادی چچا کے بیٹے سے ہوئی جس کی ماں میری بڑی سوتیلی ماں کی بہن تھی۔ میرے چچا کا بیٹا بی۔اے۔ میں تعلیم پاتا تھا۔ جو مجھ سے چار برس بڑا تھا۔ مجھے شادی کی ذرا خوشی نہ تھی۔ کیونکہ میں جانتی تھی کہ بہت برا سلوک میرے ساتھ ساس نند کریگی۔ میری ایک خالہ زاد بہن تھی جس نے مجھے شادی سے پہلے ہی بتا یا تھا کہ تمہارے والدصاحب کا ارادہ ہے کہ تمہاری شادی بھائی کے ہاں کر دیں۔ تمہاری والدہ جب حیات تھیں تو وہ کہتی تھیں کہ میں اپنی لڑکی کی شادی کبھی چچی کے ہاں نہ کرونگی۔ کیونکہ چچی صاحبہ ہمیشہ لوگوں سے میرے بارے میں

کہتی تھیں کہ اگر اسکی شادی ہمارے ہاں ہوئی تو میں اپنی بہن کا بدلہ اچھی طرح لونگی۔ چونکہ اسوقت میری والدہ صاحبہ زندہ نہ تھیں جو میرے والدصاحب کو میری شادی کی بابت منع کرتیں۔ میرے والدصاحب نے دیدہ و دانستہ مجھ کو کوئیں میں دھکیل دیا۔ شادی کو ایک مہینہ بھی نہ گذرا تھا کہ ساس نند اور سوتیلی ماں نے لڑنا شروع کیا۔ اور طرح طرح کی تکلیفیں دینی شروع کیں۔ میرے شوہر کو مجھ سے بڑی محبت تھی۔ وہ مجھے ہروقت تسلی دیتے تھے۔ خیر چھ ماہ اچھے گزرے جب میرا شوہر چھٹیوں میں گھر آتا تو ساس نند میری طرف سے ایسی ایسی باتیں لگاتیں کہ وہ مجھ سے بدظن ہوجاتے۔ آخر انسان تھے۔ ماں بہن خالہ کے کہنے سے مجکو مارنے لگے۔ اب میرا کوئی بھی گھر میں ہمدرد نہ تھا

میری شادی کے دو برس بعد والدصاحب بھی فوت ہوگئے۔ بہت سی جائداد چھوڑی۔ میرے چچا نے تھوڑا سا رد پیہ میری چھوٹی ماں کو دیا۔ اور گھر سے نکال دیا۔ بچاری کا ایک لڑکا پانچ برس کا تھا۔ مجھے اپنے چھوٹے بھائی پر بہت ترس آتا تھا۔ مگر میں کیا کرسکتی تھی۔ میں تو خود مصیبت میں پھنسی ہوئی تھی۔ باقی سب جائداد اپنی سالی کو دیدی۔ میرے شوہر نے جب بی اے پاس کرلیا تو نوے روپے ماہوار کی ملازمت ملی۔ میری ساس نے اپنے بیٹے کی ایک اور شادی کی۔ میرا تمام زیور اور کپڑے جو میرے والدصاحب نے دئے تھے۔ سب اسکو دیدئے۔ میرا رنگ گورا اور نقش ایسے تھے کہ خوبصورت کہلا سکوں۔ میری سوکن کا رنگ سانولا اور نقش کچھ اچھے نہ تھے۔ ساس نند اسے بہت اچھا سمجھتی تھیں۔ میرا شوہر مجھ سے بات تک نہ کرتا۔ دوسری بیوی کو بہت اچھا سمجھتا ہے۔ سچ ہے وہی رانی جو خاوند کے من بھائی۔

میں سارے سارے دن نوکروں کی طرح کام کرتی ہوں اور ساس نند اور خاوند کی ہروقت جوتیاں کھاتی ہوں۔ میری سوکن پلنگ پر بیٹھی رہتی ہے۔ وہ پاخانہ جائے تو میں لوٹا بھر کردیتی ہوں۔ تمام آدمیوں کی مجھے روٹی پکانی پڑتی ہے۔ جب پکا چکتی ہوں تو مجھے دور بٹھا دیتے ہیں۔ جھوٹا کھانا مجھے دیتی ہیں۔ وہ بھی اتنا کہ کئی دفعہ بھوکی رہتی ہوں۔ سوکن کے پھٹے پرانے کپڑے مجھے ملتے ہیں جن کو میں پیوند لگا کر پہنتی ہوں۔ میں نے کبھی پیسہ کی شکل تک نہیں دیکھی۔ چنانچہ میں اپنی سرگذشت بھی لکھکر مولانا راشد الخیری قبلہ کو لفافہ میں بھیجونگی۔ انہیں کی تصانیف بچپن سے میری رفیق ہیں۔ پہلے میں سمجھتی تھی کہ مولانا صاحب نے عورتوں کی ذلیل حالت دکھانے میں مبالغہ بھی کہیں کہیں کیا ہے۔ مگر اب تو میں کہتی ہوں کہ مولانا صاحب نے میرے ہی واقعات لفظ بلفظ کتابوں میں لکھے تھے۔ جب مجھے کنوار پنے کا زمانہ یاد آتا ہے تو دل کی عجیب حالت ہوتی ہے جس کا میں کچھ بیان نہیں کرسکتی۔ وہ زمانہ مجھے خواب معلوم ہوتا ہے۔

میری ساس مجھے اتنی تکلیف دینے پر بھی خوش نہیں ہوئی بلکہ کہتی ہیں کہ اگر اتنی تکلیفیں سہہ سہہ کر مر بھی جائے

تب بھی میری بہن ۔۔ طرح نہ اتر سکے گا۔ ساس ہر وقت میرے والد بزرگوار کو اب بھی برا کہتی ہے۔ اور اپنی بہن کی کرتوتوں کا خیال نکہ نہیں آتا۔ میری عصمتی بہنوں ۔ میرے معزز بھائیو! یہ کوئی من گھڑت قصہ نہیں بلکہ میری آپ بیتی ہے۔ اسے پڑھ کر عبرت حاصل کرو۔ اگر میرے والد صاحب میری شادی کسی اور جگہ کرتے تو مجھے وہاں اتنی تکلیف نہ ہوتی۔ اگر ہوتی بھی تو مجھے اتنا افسوس نہ ہوتا۔ حالانکہ والد صاحب کو اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ لوگ میری لڑکی سے کیا سلوک کرینگے ۔ مگر افسوس انہوں نے اپنا بھتیجا سمجھکر مجھے دیدہ و دانستہ مصیبت میں ڈالدیا۔ آپ دنیا سے چھوٹ گئے۔ اور مجھے اپنی جگہ پھنسایا کہ ساری عمر والد صاحب کی روح کو دعا دیتی رہوں۔

میری پیاری بہنوں! لڑکی کے رشتہ کرنے میں جتنی بھی دور اندیشی سے کام لیا جائے اچھا ہے۔ آپکو چاہیے کہ اپنی لڑکیوں کے رشتہ کرنے میں یہ نہ دیکھیں کہ فلاں ہمارا بھانجہ ہے ۔ فلاں میرے بھائی کا لاڈلا ہے ۔ بلکہ اپنی لڑکی کی بہتری دیکھا کرو۔ جہاں لڑکی کو آرام ملے ۔ بہنوں! میری سرگذشت پڑھکر اپنی لڑکیوں پر رحم کرو۔ خدا رسول کا حکم ہے کہ جوان لڑکی سے شادی کے بارے میں رائے لینی چاہئے ۔ مگر والدین رائے لینی تو در کنار۔ کوڑے کی طرح پھینک دیتے ہیں۔ تم دو آنے کی ہانڈے لیتے ہو تو ٹھونک بجا کر لیتے ہو۔ مگر افسوس لڑکیوں کے رشتہ کرنے میں تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ ناظرین میری بپتی سے عبرت حاصل کریں۔ عبرت کا لفظ میں اسلئے بار بار لکھ رہی ہوں کہ اکثر جگہ ایسے رشتے پائے جاتے ہیں

"غمزدہ" از راولپنڈی

بے گناہوں پر ظلم

جبوقت میں اپنی دیہاتی اور قصبوں کی رہنے والی مسلمان بہنوں کی حالت پر غور کرتی ہوں تو اسوقت نہایت ہی
فسوس ہوتا ہے۔ کیونکہ موجودہ زمانہ میں جبکہ تعلیم و ترقی کا ہر طرف دور دورہ ہے اور ہر قوم و فرقہ کے عورت مرد چاہتے ہیں
کہ وہ تعلیم و ترقی میں ایک دوسرے پر سبقت لیجائیں تو ہماری قصبوں میں رہنے والی بہنیں یہ تک نہیں جانتیں
کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ اور انکو کیا کرنا چاہئے اور بیچاریاں جانیں بھی تو کس طرح جبکہ انکو عام طور پر معمولی اردو کی تعلیم
ی سے محروم رکھا جاتا ہے۔ اور اگر تعلیم کی طرف توجہ بھی کی گئی تو صرف اردو اور قرآن شریف پڑھا دیا مگر لکھنا سکھانا
ارد۔ زنانہ اخبارات و رسائل کی رسائی ان تک ایک ایسا ہی جرم ہے جسطرح مثنوی زہر عشق وغیرہ کا پڑھنا انکی
علومات و تجربہ کا خاتمہ صرف میلاد شریف جیسی دو ایک کتابوں پر ہوتا ہے اور بس۔ اگر انہوں نے اسکے علاوہ کچھ پڑھنا چاہا تو
رم قصوروار۔ پردہ کی نسبت اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ سوائے والدین اور گھر کے آدمیوں کے باقی سب خاندان والیوں سے پردہ اور وہ
ناہر وقت والدین کے سامنے بھی نہیں آسکتی ہیں۔ سوائے مقررہ اوقات کے۔ اپنے گھر میں چاہے سینکڑوں شادی بیاہ و دیگر تقریبات
جائیں تو انکو اس سے کچھ واسطہ نہیں کیونکہ انکی حالت تو اس کہاوت کے مطابق ہوتی ہے ع۔ ساون ہرے نہ بھادوں سوکھے
بیچاری غریب لڑکیاں ہیں اور انکی تنگ و تاریک کوٹھریاں یا علیحدہ مکان جنکی اونچی اونچی دیواروں سے دیوار چین کا شبہ ہوتا ہے
ے خود ایسی لڑکیوں سے ملاقات کرنیکا اتفاق ہوا ہے مگر میرا زیادہ تر روئے سخن جن لڑکیوں کی طرف ہے ان تک تو شاید
دہ پر بھی نہیں مار سکتا) میں نے اکثر معتبر ذرائع سے یہ بات معلوم کی تو معلوم ہوا کہ بیچاری لڑکیاں خود اپنی اس قید پر
ال ہیں۔ مگر سوائے برداشت کرنیکے اور کر ہی کیا سکتی ہیں۔ جن کے والدین نے اس قدر ظلم پر کمر باندھی ہے کہ کسی لڑکی کو کاغذ
پیر پنا کھینچنے سنکر بیدوں کی مار دیتے ہیں اور ہاتھ تک قلم کرنے کا فتویٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ میری رائے ناقص میں تو ان عقلمند والدین
ں ادھوری تعلیم دلانے سے کچھ حاصل نہ حصول کیونکہ عام طور پر تعلیم کا مقصد یہی سمجھا گیا ہے کہ مذہبی پابندی کے علاوہ لڑکی
مستقبل اور قوم و ملک کے لئے سوچ سمجھکر کچھہ خدمت کر سکے۔ مگر ایسی تعلیم جسکا ذکر میں دوران مضمون میں کر چکی ہوں بالکل
رہے۔ ایسی لڑکیاں جنکو شرعی آزادی کا تہائی حصہ تک نصیب نہیں کس طرح قوم و ملک کے لئے کچھ کام کر سکتی ہیں۔ وہ
ریاں تو خود اپنے مستقبل ہی پر کوئی عمدہ رائے ظاہر نہیں کر سکتیں۔ چنانچہ اس قدر بیجا ظلم و ستم کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ
طور پر لڑکیوں کی نشو و نما اور تندرستی پر بھی بہت برا اثر پڑتا ہے جن کے مواخذہ میں یقیناً ایسے ظالم والدین پکڑے
ں گے۔ جو انکو صریحاً زندہ در گور کر دیتے ہیں۔ اور دوسری خرابی یہ ہوتی ہے کہ بعد شادی ایسی لڑکیاں محفلوں میں

نکلتے اور دوسری عورتوں سے ملاقات کرتی بہت شرماتی ہیں اور عام طور پر آداب محفل و آداب گفتگو سے بالکل کوری رہتی ہیں۔ جو بعض اوقات سخت پشیمانی کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔

ہزار افسوس ایسے جاہل مسلمانوں پر جن کے دماغوں میں یہی سماگیا ہے کہ وہ غریب و لاچار لڑکیوں پر ستم ڈھا کے باعزت کہلا سکتے ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اے مسلمانو یاد رکھو یہ سب تمہاری بے عزتی اور بربادی کے سامان ہیں تم کسی بے گناہ اور ظلم کرکے بجائے باعزت ہونے کے ہمیشہ دنیا و آخرت میں ذلیل و خوار ہوگے۔ کیا تمکو تعلیم کے متعلق یہ یاد نہیں کہ تمہارے ہادی برحق کا کیا ارشاد ہے؟ اگر تم نہیں جانتے تو سن لو کہ تمہارا رہبر کامل کن الفاظوں میں عورت مرد کی تعلیم پر تلقین کر گیا ہے۔ "ہر مسلم عورت مرد پر تعلیم حاصل کرنا ضروری ہے۔ خواہ چین میں حاصل کیجائے۔" کیا تم اس حکم کو اپنے دلوں سے فراموش کر چکے۔ اور کیا تم کو شرع نے یہی حکم دیا ہے۔ کہ اس قدر سختی اور قید و بند سے مظلوم ہستیوں سے پیش آؤ جیسا کہ آجکل تمہارا دستور العمل ہے

کشور۔ مس یونس خاں لکھنؤ

رومال چوکور کیوں ہوتے ہیں

ہملوگوں میں سے کبھی کسی نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ رومال چوکور کیوں ہوتے ہیں۔ ایک زمانہ میں رومال ہر شکل کے بنتے تھے۔ یہانتک کہ ۱۷۸۴ء میں فرانس میں ایک قانون پاس کیا گیا جس کے ذریعہ سے رومال کے تاجروں کو حکم دیا گیا کہ رومال سوا چوکور کے اور کسی وضع کے نہ بنائے جائیں۔ جو تاجر اس قانون کی خلاف ورزی کرتا تھا اسکو سخت سزا دیجاتی تھی۔ اس قانون کے نفاذ کی ذمہ داری میری اینڈ ٹوئیٹی ملکہ فرانس تھی۔

ایک صبحکو جبکہ اس کا مزاج برہم تھا اور وہ ہر چیز میں نقص نکال رہی تھی وہ اپنے باغ میں چہل قدمی کرنے گئی اور ایک گلاب کی جھاڑی سے اسکی انگلی میں خراش ہوگئی۔ بادشاہ لوئی جو وہاں موجود تھا اس نے اپنا رومال جو کہ مستطیل شکل کا تھا ملکہ کی انگلی میں باندھنے کے لئے پیش کیا۔ ملکہ نے اس رومال کے مستطیل ہونے پر سخت اعتراض کیا۔ اور اسوقت اس نے اپنے دل میں یہ ارادہ کرلیا کہ اس کے رومال اور اس کی رعایا کے رومال آئندہ سے بجائے مثلث اور مستطیل ہونے کے چوکور ہوا کرینگے۔ ایک ماہ کے اندر اسکی یہ خواہش قانون بنگئی اور ایک شاہی قانون دار الخلافت فرانس سے ۲۳ ستمبر ۱۷۸۴ء پاس ہوگیا جسکی رو سے رومال چوکور بنائے جانے لگے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے رومال چوکور ہونے کا ذمہ دار ملکہ فرانس کا ایک وہم تھا۔ (ترجمہ)

کنیز فاطمہ (لکھنؤ)

شریف بیوی سے

آنکھوں میں روشن نورِ وفا ہے
سینہ میں پنہاں اسرارِ الفت
تصویرِ صدق و تنویرِ عفت
تری محبت ایثار کامل
بے لوث تیری ہر اک ادا ہے
دل میں حرارت الفت کی پنہاں
سینہ ہے تیرا باغِ محبت
بے مثل تیری قربانیاں ہیں
جذبات تیرے روشن ترین ہیں
خدمت میں تو ہے مصروف پیہم
جرأت عجب ہے سینہ میں تیرے
مونس حقیقی غم خوار اصلی
ڈرتی نہیں تو آفات سے بھی
ہستی ہے تیری ہر شے سے بڑھ کر

پتلی میں لرزاں ضوئے صفا ہے
دل میں نہاں ہے رازِ محبت
نورِ شرافت عنوانِ عصمت
تیری صداقت انوار کامل
بے باک تیرا جذبِ وفا ہے
آنکھوں میں تابشِ عصمت کی پنہاں
جس میں کھلے ہیں گلہائے خدمت
خدمات تیری محنت نشاں ہیں
ترے تخیل قدس آفریں ہیں
جانبازیوں میں مشغول ہر دم
طاقت نہایت جذبہ میں تیرے
آلام میں تو وجہِ تسلی
ہے مشکلوں میں ہمت بڑھاتی
لاریب تو ہی ہے سب سے بہتر

اے حسنِ کامل مدہوش کیوں ہے
سن گوشِ دل سے پیغامِ ملت
تجھ پر بنائے ملت ہے قائم
بن تو مداوا دردِ نہاں کا
ہو صدقِ دل سے سرگرمِ کوشش
پائے عمل کو آزاد کر دے
دورِ عمل ہے، درسِ عمل دے
بے کیفیوں کا کب تک فسانہ
جنسِ نسائی برباد غم ہے
سن گوشِ دل سے پیغام پنہاںؔ

اس غم کدہ میں خاموش کیوں ہے
اب دیکھ رنگِ آلامِ ملت
تجھ سے امیدِ راحت ہے قائم
سن لے فسانہ قلبِ طپاں کا
کھو دے اب دلوں سے رنج و کاہش
غمگیں دلوں کو پھر شاد کر دے
یہ بے حسی کی دنیا بدل دے
اُٹھ دیکھ بدلا رنگِ زمانہ
قلب پہ چھایا ابرِ الم ہے
مثلِ شمیم ہو جا یعنی پریشاں

رابعہ پنہاںؔ

ر آپ نے خط و کتابت کے وقت خریداری نمبر نہیں لکھا یا جواب طلب امور کیلئے ۔ ر کا ٹکٹ نہیں بھیجا تو ہم تعمیل سے معذور ہیں۔ منیجر

گاندھی جی زنانہ مکان میں

یوں تو گاندھی جی ہمیشہ ہی سے عوام الناس کی بحث کے لئے ایک دلچسپ موضوع رہے ہیں لیکن عورتوں میں ایک کثیر تعداد ابھی ایسی موجود ہے جسے مہاتما جی سے ایک خاص بغض ہے۔ گاندھی جی کو ساری دنیا چاہے کتنا ہی بڑا لیڈر یا ریفارمر کیوں نہ مان لے لیکن زنانہ مکان میں ان کی کچھ عجیب حیثیت ہوتی ہے اور بعض عورتیں تو اب تک انہیں اصلی معنوں میں انسان ماننے کے لئے بھی تیار نہیں۔ ان کا خیال ہے کہ گاندھی جی یا تو کوئی جن ہیں جو تمام ہندوستانیوں کے سر پر سوار ہے یا ان "اشرف المخلوقاتوں" کی جماعت سے الگ قدرت کی کسی ایسی جنس میں سے ہیں جس کو دنیا دیکھتی تو ہے۔ لیکن اس کی غیر محدود طاقت کو پوری طرح سمجھ نہیں سکتی۔ بہرکیف واقعہ کچھ بھی ہو لیکن ہے یونہی کہ بیچارے مہاتما جی عورتوں کے لئے ایک محیر العقول چیز ضرور ہیں۔ اور آج کل تو ہر گھر میں قریب قریب وہاں کی بی بی کی زیر صدارت ایک کونسل ہوتی رہتی ہے جس میں مہاتما گاندھی کی شخصیت یا ان کے وجود پر مختلف انداز میں بحثیں ہوا کرتی ہیں۔ گذشتہ تحریک ترک موالات کے موقع پر اور پھر آزادی کی موجودہ جنگ کے سلسلہ میں مجھے بھی اکثر دور سے کھڑے کھڑے زنانہ مکان کی ان کانسلوں کی کارروائیوں کو ایک تماشائی کی حیثیت سے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے اور اپنے ان متعدد تجربوں کی بنا پر میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ عورتیں جنکو مہاتما گاندھی کی کسی تحریک پر اظہار خیال کرنے سے ایک خاص دلچسپی ہے۔ تین حصوں میں تقسیم کیجا سکتی ہیں۔ ایک تو وہ جن کی اچھی تعلیم اور اعلیٰ تربیت ہوئی ہے۔ اور سوسائٹی بھی بری نہیں ملی۔ اور جو گاندھی جی کی ہر بات مان لینے کو تیار ہیں لیکن جب گاڑھا پہننے کا سوال آتا ہے تو وہ ذرا گھبرا کر، کچھ منہ بنا کر اور پھر ادہر ادُہر دیکھکر کہدیتی ہیں کہ "ہاں ...... تو ..... پھر ..... گاڑھا!.. نہیں بھئی۔ اس کی نہیں سہی ...... سودیشی کپڑوں سے مطلب ہے نہ؟ ..... اچھا تو ہم بنارسی ساڑیاں پہن لیں گے۔ چلو فرصت ہوئی!" دوسری جماعت ان کی ہے جو شریف ہیں پردہ نشین اور جاہل ہیں۔ یہ وہ ہیں جنہوں نے آجتک نہ کسی مسئلہ کو کبھی صحیح طور پر سمجھا ہے۔ اور نہ سمجھنا چاہتی ہیں۔ گاندھی جی کیا ساری قوم بھی جیل بھیجدی جائے تو انکی بلا سے اور اگر ہندوستان کو سوراج مل گیا تو اس سے بھی انہیں کوئی بحث نہیں۔ اس لئے کہ اپنے گھر کی مستقل حکومت تو انہیں حاصل ہی ہے۔ اس کے بعد تیسری انجمن ان معزز خواتین کی ہے جن کی فہرست اراکین میں میرے گھر کی حلیمن۔ نئے مکان کی شہیدن اور پانی ٹولی کی سکینن کے اسماء مبارک خاص طور پر لکھے جانے کے مستحق ہیں۔ ہاں یہ تو میں بھول ہی گیا۔ جمینا گوالن اور مکھولیا حلال خورن اس انجمن کی طرف سے "آنریری رپورٹر" کی خدمت

انجام دے رہی ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ اگر ایک سچ میں کم سے کم چار جھوٹ لگا کر باتیں نہ کریں تو پھر اراکین انجمن کو کسی خاص مسئلہ پر زور و شور کے ساتھ اظہار خیال کا موقع کیونکر ملے؟ اچھا اب میرے اس نوٹ کا اقتباس ملاحظہ ہو جو میں نے کتران کانسلوں کے موقع پر ادہر ادُہر سے نظر بچا کر لے لیا ہے۔

ایک عالیشان مکان میں چار بیبیاں اس شان سے جلوہ افروز ہیں کہ ایک کے ہاتھ میں کوئی اخبار ہے دوسری کروشیا ہاتھ میں لئے دستکاری میں مشغول ہیں۔ تیسری ترکاری بنانے میں کچھ ایسی منہمک ہیں کہ انکی ماما دیر سے کھڑی کھڑی چلی بھی گئی۔ لیکن وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ بچے کو یہاں سے لیجاؤ۔ بچے نے اس اثنا میں کئی بار پیشاب بھی کیا اور ان کے کپڑے بھی بھیگے۔ لیکن وہ جو کر رہی تھیں کرتی رہیں۔ چوتھی بی بی چھالیا کتر رہی ہیں لیکن آہستہ آہستہ شاید اس کام سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں آخر انہیں نے جنکا نام نسیم تھا اس طرح گفتگو شروع کی "بہن میں نے سنا اب "پکٹنگ" کے سلسلہ میں عورتوں کی بھی گرفتاریاں شروع ہو گئیں"۔

رفعت (جن کے ہاتھ میں اخبار رہا) ہاں میں نے خود اخبار میں دیکھا تھا۔

اختر (جو دستکاری میں مشغول تھیں یکایک چونک کر) ارے کیا کہا تم نے؟ عورتیں بھی گرفتار ہونی شروع ہو گئیں اچھا ہوا۔ مردوں کو اب یہ کہنے کا تو منہ نہیں رہا کہ عورتوں نے اس آزادی کی جنگ میں جیل کی سختیاں نہیں جھیلیں۔

زینت۔ (بچہ اور ترکاری کی ٹوکری ماما کو دیتے ہوئے) ایں کیا ہوا؟ یہ بچے کچھ سننے دیں تب تو۔ کیا کہا عورتیں بھی گرفتار ہو رہی ہیں؟ ہاں بھئی کیوں نہو۔ آدمی سچ پوچھو تو یہی ہیں۔ مردوں کے دوش بدوش کس مستعدی سے کام کر رہی ہیں ایک ہم ہیں کہ گھر کے دھندوں میں اور بچوں کی چیخ دپکار میں صبح سے شام ہو جاتی ہے۔ کام کرنا تو درکنار بات کرنیکا بھی موقع نہیں ملتا۔ خدا ہمارے ملک کو آزاد کرائے۔ آزادی واقعی بڑی نعمت ہے۔

نسیم:۔ "بھئی جو بھی ہو مہاتما گاندھی نے یہ کچھ عجیب تحریک نکالی ہے۔ وہ لوگ جو کسی وجہ سے اس میں شریک نہیں ہو سکتے ہیں وہ بھی تو دل سے ساتھ ہیں"

اختر:۔ "ہاں ہاں، اس میں کوئی شک ہے۔" "لیکن معاف کرنا ہر بات میں مہاتما جی کی ہمخیال نہیں۔ مثلاً وہ گاڑھے کی تلقین کرتے ہیں اور اس میں مرد اور عورت کا امتیاز قائم نہیں رکھتے۔ سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا چاہتے ہیں حالانکہ یہ طرح مناسب نہیں۔ مردوں کے جسم اللہ نے سخت بنائے ہیں۔ وہ موٹے کپڑے پہن سکتے ہیں اور دیکھتی نہیں ہو۔ یہ خود ہی اپنے لئے جو کپڑے پسند کرتے ہیں وہ کیسے لاجواب ہوتے ہیں۔ موٹے موٹے سوت۔ ٹاٹ جیسی بناوٹ، اور اس پر زیادہ تر خاکی رنگ۔ بس یہ کپڑے انہی کو مبارک ہوں۔ ہم لوگ جنہوں نے کبھی گاڑھی ململ کو بھی آنکھ میں نہ لگایا وہ یکایک کیونکر گاڑھا زیب تن کر سکتے ہیں۔؟

زینت۔ اور کیا۔ ایک مرتبہ جو چاہو کہ ہر شخص گاڑھا پہننا شروع کر دے تو یہ کیسے ممکن ہے۔؟ رفتہ رفتہ جسم اس کا عادی ہوگا۔"

رفعت۔ ہاں بہن اس سے تو مجھے بھی اختلاف ہے۔ گاندھی جی کی سب فرمائشیں سر اور آنکھوں پر لیکن یہ گاڑھے کی نہیں سہی۔ اور یہ جو کہو کہ دوسری عورتیں کیونکر پہنتی ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے یا تو اسے بچپن سے پہنا ہوگا یا اوپر کئی سال سے اس کی عادت ڈال لی ہوگی۔ پھر ان میں اور ہم میں بہت فرق ہے۔ وہ تو بہت سے کام ایسے بھی کر لیتی ہیں جو ہم سے ہو ہی نہیں سکتے۔

نسیم۔ سچ پوچھو تو میرا بھی یہی خیال ہے لیکن میں کہنے سے اس لئے ڈر رہی تھی کہ کہیں تم لوگ اس کی مخالفت نکرو۔ ہاں تو اب یہی بات رہی نہ کہ گاڑھا پہننا شریف بہو بیٹیوں کے لئے چنداں ضروری نہیں؟ بس ٹھیک ہے۔ ارے بھئی سودیشی سے مطلب ہے نہ؟ بنارسی ساڑیاں پہنیں گے۔ گھر میں اللہ کا دیا بہت کچھ ہے۔ کسی سے مانگنے تھوڑا ہی جاتے ہیں؟ ہاں ان کی بات اور ہے جو بیچارے بالکل مجبور ہیں۔ میں گاڑھے کو ہرگز برا نہیں کہتی۔ لیکن یہ تو اپنی اپنی عادت اور حیثیت پر منحصر ہے۔ اس میں گاندھی جی کا بھی کوئی قصور نہیں۔ وہ بیچارے کیا جانیں کہ ہم لوگ کن چیزوں کے ہمیشہ سے عادی رہے ہیں۔ انہوں نے سمجھا کہ شاید مردوں کی طرح ہم لوگوں کی خمیر بھی پتھر سے ہوئی ہے۔ بس جو چاہا کہدیا۔

نسیم کی سادگی پہ رفعت، اختر اور زینت کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔ اور یہ گفتگو ابھی کچھ دیر اور جاری رہتی لیکن یکایک زینت کے بچہ نے اپنی چیخ و پکار سے سارے گھر کو سر پر اٹھا لیا۔ اور مجبوراً یہ کانفرنس تھوڑی دیر کے لئے ملتوی کر دی گئی۔

میں یہاں سے نکلکر راستہ میں سب سے پہلا جو مکان ملا۔ اس میں داخل ہو گیا۔ یہاں دو عورتیں پہلے ہی سے مصروف کلام تھیں۔ اور جن کی گفتگو کو تھوڑی دیر سنکر میں نے بیساختہ کسی کا یہ مشہور مصرع "آسماں بدلا زمیں بدلی نہ بدلی خوئے دوست" پڑھکر جیب سے کاغذ اور پنسل نکال لی۔ اور نوٹ کرنا شروع کیا۔ ایک نے جنکا نام آمنہ بیگم تھا۔ کہا۔ اری بہن صغری۔ یہ میں کیا سن رہی ہوں کہ آج کل شہر میں آٹھ آٹھ دس دس آدمیوں کو تھانے والے روز پکڑ کر لیجاتے ہیں۔ اور دوپہر رات کو دیر تک برابر جے جے کی آوازیں بھی آتی رہتی ہیں۔ میں نے لڑکوں سے بہت ہی کہا کہ خدا کے لئے شام ہی سے گھر میں چلے آیا کرو۔ لیکن وہ لوگ بھلا کب سنتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ لوگ جنہیں گرفتار کیا جا رہا ہے یہ سب کہیں کے چور یا ٹھگ ضرور ہیں۔ جب ہی تو سرکار انہیں پکڑ کر جیل میں بند کر رہی ہے۔ تاکہ ملک میں امن قائم رہ سکے۔

اصغری بیگم۔ نہیں نہیں۔ یہ تم سے کس نے کہدیا ہے کہ یہ سب چور یا ٹھگ ہیں۔ یہ سب اُسی آندھی گاندھی کے ساتھی ہیں جس نے ساری دنیا میں اودھم مچا رکھی ہے۔ ارے تم نے ابھی کیا سنا ہے۔ جبتک یہ سارے ملک کو جیل نہ بھجوا لیگا۔ اسے چین تھوڑا ہی آئیگا۔ آج سے آٹھ نو سال پہلے لوگوں نے نوکریاں جو چھوڑی تھیں تو وہ آخر کس کے کہنے سے۔؟

اس وقت بھی اسی گاندھی کا زور تھا۔ اور اب پھر یہی سب ہنگامہ ہے۔ خدا جانے اس ہنگامہ وحشرات سے حاصل ہی کیا ہے
ارے بھئی تم اور ہم ادنٰی سی چیز کسی کو دیتے ہیں تو پس و پیش کرتے ہیں۔ پھر بتاؤ تو بھی کہ تمہیں خواہ مخواہ بھی وہ اتنا بڑا ملک
کیونکر حوالہ کر دینگے۔

آمنہ بیگم۔ آہا تو یہ کہو کہ یہ سب پھر وہی اس دفعہ والا ہنگامہ ہے۔ میں پوچھتی ہوں کہ یہ گاندھی یا ان کے چیلوں کے
دماغ میں آزادی کا کیا خبط سمایا ہے؟ اسوقت کیا کوئی ان کے ہاتھ پاؤں باندھے ہوئے ہے۔ اور یہ جو کہو کہ ملک ہمارا ہے
ہمیں ملنا چاہئیے، تو ارے عقل کے دشمنوں۔ کیا یہ بیچارے فرنگی تمہارے ملک کو ہوائی جہاز پر اڑا کر ولایت لیجائیں گے
میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سوراج آخر ہے کیا بلا۔ میں نے تو نہ کبھی کہانیوں میں اسے سنا اور نہ بڑی بوڑھیوں سے کوئی
بات معلوم ہوئی۔ بس کچھ نہیں۔ یہ سب پیٹ پالنے کا ایک طریقہ ہے۔ جس کو کوئی کام نہ ہو وہ ان جھگڑوں میں پڑے
اور سنا یہ گاندھی جی کیا کہتے ہیں؟ فرماتے ہیں۔ گاڑھا پہنو۔ چرخہ چلاؤ۔ جیل جاؤ۔ کیا خوب۔ اپنا اچھا خاصا گھر
رہتے ہوئے جیل کی سیر کریں۔ سنگر مشین کے ہوتے ہوئے چرخہ چلائیں۔ اور اچھے اچھے کپڑے چھوڑ کر نگوڑا موٹا کھدر
بدن پر چڑھالیں۔ واہ واہ واہ۔ اچھے ہندوستان کے ہی خواہ آئے۔ تم نے دیکھا نہیں حشمت علی صاحب کی
بی بی اور لڑکیوں نے جو مجھ سے گاڑھا پہننے کی فرمائش کی تو میں نے ان لوگوں کو کیسی بے نقط سنائی۔ بس کھسیانی
سی ہوگئیں۔ میں نے کہا جناب گاڑھا اور ٹاٹ پہننا آپ ہی کو مبارک ہو۔ اللہ نے مجھے اب رواں اور تنزیب پہننے
کی استطاعت دی ہے۔ پھر میں خدا کی ناشکری کیوں کروں۔ بس چپ ہی ہوگئیں۔ آخر میں کہا کچھ اپنے ملک کی بھی تو
نسبت ہونی چاہئیے؟ میں نے جواب دیا تو کیا میں اپنے ملک سے خدانخواستہ بھاگی جا رہی ہوں۔ اے جہاں اب ہوں
ہیں انشاءاللہ ہمیشہ رہوں گی۔

اصغری بیگم۔ بہن دیکھ لینا۔ یہ سب کچھ ہونے ہوانے کا ہے نہیں۔ عورتیں تو تم جانتی ہو ہمیشہ ہی سے بیوقوف
پری ہیں۔ ذرا مردوں نے کہا دیکھو فلاں عورت نے یہ کیا۔ تم بھی کرو۔ بس یہ بلا سوچے سمجھے کرنے کو تیار ہو گئیں۔ اب
ہی کپڑے کے متعلق دیکھو۔ بعض مردوں نے اپنے گھروں میں گاڑھے کے متعلق کچھ میدان بندی کی ہوگی۔ بس
اری بے وقوف بہنیں اس پہ لبیک کہنے کو تیار ہو گئیں۔ حالانکہ انکو اسکی خبر ہی نہیں کہ یہ ہمارے چند پرانے کرمفرما
مردوں کا زبردست فقرہ ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ چلو اسی طرح ان کم بختوں کے کپڑوں کی طرف سے تو اطمینان ہوا
گاڑھے کی چند ساڑیاں لا دینگے۔ ان کی زندگی کٹ جائے گی۔ اور یہ جو گاندھی جی بھی اس قدر زور شور سے
گاڑھے کا پرچار کر رہے ہیں تو آخر کیوں۔ وہاں بھی یہی مصلحت پوشیدہ ہے۔ وہ کوئی کام کرتے ہیں نہیں اور
لڑنا چاہتے ہیں۔ بال بچوں والے آدمی ٹھہرے۔ دیکھا اچھا ہے کفایت اسی میں ہے کہ انسان ستو کھائے اور

گاڑھا پہنے۔ دیکھتی ہو اپنی کیا شکل بنا رکھی ہے؟ ننگ دھڑنگ، ایک لنگوٹی باندھے ہوئے معلوم ہوتا ہے۔ برسوں کھانے سے ملاقات نہیں ہوئی ہے۔ میں کہتی ہوں انہوں نے بیرسٹری پاس کرکے کیا کیا۔ اور اگر خود کچھ نہیں کرتے تھے تو دوسروں کو پریشان کرنے سے کیا حاصل۔

آمنہ بیگم۔ بھئی۔ واہ! بیرسٹری کی بھی ایک رہی! ارے کہیں کے کسان ہونگے اور وہ تو لباس ہی کہے دیتا ہے۔ ہندوستانیوں کو تو کبھی عقل آئیگی نہیں۔ دیکھا ایک شخص کوئی نئی بات کہہ رہا ہے چلئے اسی کے ساتھ ہولئے اسی میں تو یہ لوگ تباہ ہوئے۔ ہاں اور کمال سنئے گا۔ کل کسی نے کہا کہ گاندھی جی جیل سے تین گھنٹوں کے لئے غائب ہوگئے تھے۔ اب جو سنتا ہے کہتا ہے کہ ہو نہ ہو یہ کوئی اوتار ہے۔ اور مسلمانوں کو تو دیکھو کہ وہ بھی انکی بزرگی کے قائل ہوئے جاتے ہیں۔ اللہ توبہ۔ اب تو اس گاندھی کی آندھی میں ایمان تک اڑا جارہا ہے۔ میں کہتی ہوں جب غائب ہی ہوسکتے تھے تو پھر پوری طرح کیوں نہ غائب ہوگئے۔ اور اپنے کل ساتھیوں کو جیل سے نکالکر کیوں نہ لیتے گئے۔ سچ ہے قیامت قریب ہے۔ اس زمانہ میں ایمان کا برقرار رہنا بھی بڑی بات ہے۔

ابھی ان خواتین کی گفتگو ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ سامنے سے جمینا گوالن آتی ہوئی دکھائی دی جس کو دیکھتے ہی (صغری بیگم بولیں "لئے لو جمینا بھی آگئی۔ اسی بیچاری سے تو یہ ساری باتیں معلوم ہوتی ہیں (جمینا سے) ہاں تو آج کل تیرے گاندھی جی مہاراج کہاں براجتے ہیں۔ میں نے سنا وہ سادہ جیل سے اکثر غائب بھی ہو جاتے ہیں۔

جمینا۔ لئے سرکار تو یہ کچھ جھوٹ تھوڑا ہی ہے؟ رشی ہی ٹھہرے۔ ان کے لئے یہ کونسی بڑی بات ہے۔ ارے آپ گائب ہوجانیکو کہتے ہیں۔ میرا بھائی کہہ رہا تھا کہ کسی جگہ لوگوں نے گاندھی جی کو سورج کے نیچے چرکھا چلاتے دیکھا۔ اور ایک جگہ انکو اپنے چیلوں کے ساتھ کوئی دریا پار کرنا تھا۔ اور سرکار نے جہاج اور کستی بند کردیا تھا تو بس گاندھی جی نے تین مرتبہ تالی بجائی اور اپنے چیلوں سمیت اس طرح دریا کو پار کردیا جیسے جمین پر چل رہے ہیں۔ میرا بھائی تو کہتا تھا کہ آج کل رات کو نیند میں صاحب لوگ گاندھی گاندھی پکارتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے مہاتما جی ان سب کو کھاب میں آکر ڈراتے ہیں کہ اگر تم لوگ سیدھے سیدھے بھارت سے نہیں بھاگوگے تو پھر ہم چرکھا چلا چلا کر جبردستی تم سب کو یہاں سے نکال دینگے۔

جمینا کی تائید یا تردید میں ابھی گھر کی بیبیاں کچھ بولنے بھی نہ پائی تھیں کہ مکھو لیا حلال خورن بھی مع اپنے ساز و سامان کے پہنچ گئی اور آتے ہی بولی "کل رات کو سراب کی دوکان پر سے دو سو آدمی کو سپاہی لوگ پکڑ کرلے گئے۔ اور کوئی پچاس ہجار آدمی ہُواں پر جمع تھے کہ ہم کو بھی جیل کھانہ لیچلو۔ سرکار کی طرپھ سے دو ہجار گورے کی پلٹن آئی مگر اسپر بھی کوئی نہیں ٹلا۔ تب مجسٹر نے گولی چلانے کا حکم دیا۔ جس سے چار پانچ آدمی گر گئے۔ ایک آدمی پر ایک گورے نے گھوڑا دوڑایا مگر پھر بھی اپنی جگہ سے وہ نہیں ہٹا۔

[illegible]

اصغری بیگم۔ بہن میری تو عقل گم ہے کہ آخر یہ کیا ہو رہا ہے۔

جمینا اور مکھولیا کی تقریروں کا یہ اثر ہوا کہ گھر کی سب مامائیں اپنے اپنے کام چھوڑ کر وہاں پر جمع ہو گئیں۔ اور ان تازہ خبروں کو ایک دلچسپی کے ساتھ سننے لگیں۔ اسوقت وہاں کی ماما حکیمن بازار سے واپس آئی اور دروازہ ہی سے اس نے یہ خبر سنائی کہ یہاں کل جرمن والا آئیگا اور تمام شہر میں گولی چلے گی اس وحشتناک خبر نے تو سب کے ہوش اڑا دئے۔ گھبرا کر چھوٹی بیگم نے پوچھا "ارے تم نے یہ کس سے سنا؟ جس کے جواب میں حکیمن نے کہا کہ "ابھی ابھی شہر میں میں نے ڈگڈگی پٹتے ہوئے سنا کہ کوئی آدمی اپنے بچوں کو گھر سے باہر نہ نکلے۔ جرمن والا آ رہا ہے۔ اس خبر کی تائید میں محترمہ حکیمن صاحبہ نے اتنا اضافہ اور کر دیا کہ اسے صرف میں نے ہی نہیں سنا بلکہ دجوا کی ماں۔ منّا کی خالہ۔ ابراہیم کی نانی اور بڑی حویلی کی ماماں۔ ہو لن نے بھی خود اپنے کانوں سے سنا ہے اور وہ لوگ بھی دوڑتی ہوئی اپنے اپنے ہاں خبر کرنے گئی ہیں۔ اب تو اس اطلاع کی تائید بلکہ مزید تائید بھی ہو گئی تھی۔ پھر بھلا کسے مخالفت کی مجال ہو سکتی تھی۔ چنانچہ یہ خبر پوری تصدیق کیساتھ مان لی گئی کہ کل شہر میں جرمن والا آنیوالا ہے اسلئے ہر شخص کو ہوشیار ہو جانا چاہیے۔ حکیمن کی اس خبر پر بھی جمنیا اور مکھولیا اپنے اپنے خیال کا اظہار کرنا چاہتی ہی تھی۔ کہ اصغری بیگم کے کسی عزیز کے ہاں سے ایک ماماں کچھ حصہ لیکر آئی۔ اور آتے ہی اس نے سبھوں کو مخاطب کر کے کہا کہ "ابھی راستہ میں ایک جگہ بڑی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ دریافت جو کیا تو معلوم ہوا کہ کسی باغ میں ایک آم ہوا ہے جس پہ گاندھی جی کی تصویر بنی ہوئی ہے اور اس باغ کا مالی کہہ رہا تھا کہ اس آم کے درخت کے پاس سے رات کے وقت کئی روز سے جے جے کی آواز بھی آتی تھی۔ میں نے خود اس آم کو دیکھا ہے بہت صاف تصویر ہے۔ پوچھنے سے پتہ چلا کہ سرکار اس آم کو بھی گرفتار کرنیوالی ہے۔ شاید کل تک اسے بھی جیل لیجائیں"

جرمن والے کی تشریف آوری کی اطلاع کے بعد اس عجیب و غریب خبر نے سب کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی اور تمام حاضرین جلسہ متحیر تھے کہ آخر یہ کیا قصہ ہے۔ فوراً باہر سے میاں بلوائے گئے اور بیک زبان آمنہ بیگم اور اصغری بیگم نے ان سے سوال کیا کہ "کیوں آپ نے بھی جرمن والے کی آمد یا اس کے متعلق کچھ سنا ہے جس پہ گاندھی جی کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ میاں نے سنا اور اس مجمع کو دیکھکر ان تمام باتوں کی تہ کو پہونچ گئے۔ کچھ جواب نہیں دیا اور آہستہ سے یہ کہتے ہوئے کہ "کن پاگلوں سے پالا پڑا ہے۔ باہر چلے گئے جمنیا اور مکھولیا "گاندھی مارکہ" آم دیکھنے کے اشتیاق میں فوراً روانہ ہو گئیں۔ اصغری بیگم اور آمنہ بیگم چھوٹے بچوں کو لیکر اسی وقت کمرے میں چلی گئیں کہ کہیں جرمن والا قبل از وقت پہنچگیا اور بچوں کو لے بھاگا تو پھر کیا ہوگا۔ میں بھی اب کیا کرتا۔ کاغذ اور پنسل جیب میں رکھی اور "خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے" کہتا ہوا اپنے گھر چلا آیا۔ اور یہاں پہنچکر اپنے نوٹ کا اقتباس لکھنے میں مشغول ہو گیا۔

شرف الدین احمد۔ بی اے۔ (علیگ) عظیم آبادی

تکمیل محبت

خون آلود آفتاب اندھیرے میں کھو گیا اور سمندر کی موجیں عالم مدہوشی میں غرق ہو گئیں۔

ادھر ماہتاب اپنی دلکش اور روپہلی شعاعیں رنگین اور صاف پانی کی سطح پر بکھیرنے میں مشغول اور خوابیدہ موجوں کے سازکو چھیڑنے میں مصروف ہوا حتیٰ کہ عالم محویت میں سطح آب کے اندر کبھی ڈوب جاتا اور کبھی ابھر آتا۔

نور کی بارش ہو رہی تھی۔ برف پوش پہاڑیوں پر قلعی پھر گئی اور سبزہ زار میدان چاند کی دھندلی روشنی میں ڈوب گیا۔

فضا پرکیف تھی اور نشۂ صہبا ترنم سے سراپا سرشار کائنات عالم ایک عالم مدہوشی میں جھوم رہا تھا۔ گویا کہ عروس فطرت نے بیخودی شباب میں اپنا آنچل ہوا میں اڑا دیا تھا۔

سکون اور پرکیف سکون جیسے ایستادہ تصویر میں تصویر کسی کی نظر سے دور، لب دریا، سفید بھک لباس میں دو نوخیز ہستیاں نظر آتی تھیں۔ گویا چنبیلی کے ڈھیر میں دو گلاب کے پھول پڑے ہنس رہے تھے۔ چاند کی اچھوتی کرنیں ان کے چمکدار چہروں پر نور برسا رہی تھیں اور نگاہیں دل میں اتری جاتی تھیں۔ ماہ لقا کی آنکھوں کی چمک دلبر کو لبھا رہی تھی کہ یکایک لبوں نے حرکت کی۔ سحر پاش بول اٹھی "دعوائے الفت غلط مگر غلط۔"

سنتے ہی دلبر کا دل بھر آیا۔ آنسوؤں کا طوفان منڈلانے لگا سہم کر کہا۔ کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے اور اگر اس پر بھی اعتبار نہیں تو امتحان لے۔

خوش اندام بولی، جا، گر دعوئ الفت سچ ہے تو اپنی مائی کا خزانہ دل حاضر کر۔ تاکہ میں اسکو اپنے چہیتے کتے کی نظر کر دوں۔

ان الفاظ نے نشتر کا کام دیا۔ دلبر سہم گیا۔ تمام جسم میں بجلی کی طرح لہر دوڑ گئی۔ بجلی سی رگ رگ تڑپنے لگی۔ اور روح جسم سے کشمکش کرنے لگی۔ خیالات کی گہرائی میں اتر گیا ڈگمگایا لیکن سنبھلا۔ غم سے نڈھال لڑکھڑاتا چلا۔ اور اندھے کی مانند چلا۔ جوانی کا طوفان اور جذبات کا تلاطم، ماں کی محبت کی پرکیف حس کو بہا لے گیا۔ اور پلک کی جھپک میں ماں کی محبت کو اپنی محبت پر نثار کر دیا۔

محبت میں جرأت خطرناک نتائج کا پیش خیمہ ہوتی ہے ایسی حالت میں انسان جو کچھ نہ کر گذرے بعید نہیں، انسان نامکمل تخلیق ہے لیکن ماں سراپا محبت اور محبت کی تکمیل ماں کی محبت روح کی گہرائیوں میں پرورش پاتی ہے۔

آخر کار خوش اندام کو نظر کرنے کی غرض سے ہاتھ میں ماں کا خون آلود دل لیکر دوڑا۔ ٹھوکر کھائی اور گرا۔ ہاتھ سے دل نکل کر زمین پر جا رہا اور تڑپنے لگا۔ تڑپ کے ساتھ اس خون کے لوتھڑے سے ایک صدا در آئی ہوئی "بیٹا کہیں چوٹ تو نہیں آئی" (ماخوذ از فرانسیسی)

صغرا حمید (لاہور)

مہمان نوازی

دنیا میں شاید ہی کوئی انسان ہو جس کے گھر مہمان نہ آتے ہوں۔ یا جو خود کبھی دوسرے کے گھر بطور مہمان نہ گیا ہو۔ لہذا ہر شخص خواہ مرد ہو یا عورت اتنا ضرور جانتا اور تسلیم کرتا ہے کہ میزبان کا فرض مہمان کو آرام پہنچانا ہے۔ اپنی دانست میں سبھی اس فرض کو اچھی طرح انجام دینے کی کوشش کرتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ اکثر بسبب نادانی میزبان سے ایسی حرکتیں سرزد ہو جاتی ہیں کہ مہمان بجائے خوش ہونے کے اور آرام حاصل کرنے کے رنجیدہ ہو کر جاتا ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ میزبان بیچارے کو اس کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ اس کے افعال مہمان کی مرضی کے خلاف ہیں۔ میں ذیل میں عصمتی بہنوں کو چند ایسے امور کی طرف متوجہ کروں گی جن کا لحاظ نہ کیے یا جن کے متعلق غلط فہمی کی وجہ سے مہمان کبیدہ خاطر ہو جاتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اگر علاوہ دیگر شرائط مہمانداری کے ان باتوں کا بھی خیال رکھا جائے جو بظاہر معمولی معلوم ہوتی ہیں لیکن جو فی الحقیقت بہت اہم ہیں تو مہمان کو اپنے گھر جانے کے بعد کسی قسم کی شکایت کا موقع نہ رہے۔

سب سے پہلی بات جو غور طلب ہے وہ مسئلہ تکلف ہے۔ اس مسئلہ پر لوگوں میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ جس قدر زیادہ تصنع اور غیر معمولی مدارات سے کام لیا جائے گا۔ اتنا ہی مہمان خوش ہوگا۔ دوسرا گروہ جو تعداد میں کم ہے دعوت شیراز کا دم بھرتا ہے لیکن فی الحقیقت دونوں گروہ راہ راست سے دور ہیں۔ تکلف ضرور ہونا چاہیئے۔ مگر اس قدر بھی نہیں کہ تکلیف کی حد کو پہنچ جائے۔ اور نہ اس قدر بے تکلفی برتنی چاہیئے کہ مہمان اور میزبان میں کوئی فرق نہ رہ جائے۔ افراط و تفریط دونوں سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ ایسے تکلف کی جس سے تکلیف پہنچے بہت مثالیں مل سکتی ہیں۔ محض کھانے کو لیجئے۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو عموماً بڑے شوق سے کھائی جاتی ہیں۔ لیکن بعض اشخاص انہیں ناپسند کرتے ہیں۔ میں خود چند ایسے آدمیوں کو جانتی ہوں۔ کسی کو انڈوں سے نفرت ہے کسی کو مچھلی نہیں بھاتی۔ کسی کو مرغ کا گوشت ناپسند ہے تو کوئی کریلا۔ کٹہل کی ترکاری اور مسور کی دال سے زہر کی طرح پرہیز کرتا ہے۔ اب اگر یہ چیزیں بڑے تکلف کے ساتھ پکا کر مذکورہ بالا قسم کے کسی مہمان کے سامنے لائی جائیں تو اس کے جذبات کیا ہوں گے۔؟ غالباً میزبان کی دل شکنی کا خیال کر کے وہ خاموش ہو جائے گا۔ اور طبیعت پر جبر کر کے کھا لیگا۔ لیکن دل میں اسے ضرور افسوس ہوگا کہ میزبان نے ناحق تکلیف اٹھائی۔ اور میری پسند کے خلاف کھانا پکایا۔ کیا ہی اچھا ہو اگر اس تکلیف دہ تکلف کو بالائے طاق رکھکر مہمان سے لوگ پوچھ لیا کریں کہ فلاں چیز جو گھر میں پک رہی ہے

اُسے ناپسند تو نہیں ہے۔ اگراب بھی وہ کسی شرم کی وجہ سے جسے میں جھوٹی شرم کہوں گی اپنی صحیح رائے کا اظہار نہ کرے تو یہ اسی کا قصور ہوگا۔ کیونکہ میزبان اپنے فرض سے سبکدوش ہو چکا۔ یہاں پر میں یہ واضح کردینا ضروری سمجھتی ہوں کہ میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ بغیر ضرورت مہمان سے پوچھا جائے کہ وہ فلاں چیز کھائے گا یا نہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ میزبان مہمان کی طبیعت سے واقف ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں اس سے پوچھنا محض فضول ہی نہیں بلکہ بُرا ہے بعض لوگوں کا قاعدہ ہے کہ مہمان سے پوچھتے ہیں کہ آپ کیا کھائیں گے۔ جیسا کھانا آپ پسند کریں تیار کرا دیا جائے ایسے سوالات اسی وقت مناسب ہیں جب میزبان اور مہمان آپس میں پہلے سے بہت بے تکلف ہوں۔ دوسرا اس قسم کے سوالات کو اظہار غرور خیال کرے گا۔

بے محل تکلف سے بھی اکثر بڑی کوفت ہوتی ہے۔ میرے بڑے بھائی صاحب کا واقعہ ہے کہ وہ کہیں رشتہ داری میں کسی ضروری کام سے گئے۔ جب کام ختم ہو چکا اور چلنے کا ارادہ کیا تو عورتوں نے کہلا بھیجا کہ ذرا رُک جائیے انہوں نے سمجھا کوئی کام ہوگا۔ اور ٹھہر گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک خوان میں بہت سی مٹھائیاں اور دوسری کھانے کی چیزیں سجا کر سامنے رکھدی گئیں اور اصرار ہوا کہ سب کھانا پڑے گا۔ اول تو ناشتہ کا وقت نہ تھا اور کچھ پہلے سے طبیعت مالش کر رہی تھی۔ لاکھ عذر کیا لیکن سماعت نہ ہوئی۔ گھر کی جو بڑی بوڑھی تھیں انہوں نے کہلا بھیجا کہ اگر نہ کھائیں گے تو ہمیں بڑا رنج ہوگا۔ خیر قہر درویش برجان درویش کھا تو لیا لیکن گھر آ کر متلی نے زیادہ پریشان کیا۔ ڈاکٹر کے یہاں گئے انہوں نے دوا دی اور تاکید کردی کہ رات کو کھانا نہ کھائیں۔ حاصل کلام یہ کہ میزبانی کی بیجا ضد سے مہمان کو کس قدر تکلیف ہوئی۔ یہ خیال غلط ہے کہ مہمان کو بغیر کھانا کھلائے جانے نہ دینا چاہیئے۔ ایسا سلوک تو فقیروں اور محتاجوں کے ساتھ کرنا مناسب ہے۔ جنہیں کھانے کو نہیں جُڑتا۔ مہمان کی مدارات محض عمدہ کھانے پر منحصر نہیں ہے بلکہ تپاک سے ملنا۔ عزت سے بٹھانا۔ توجہ اور خوش اخلاقی کے ساتھ گفتگو کرنا وغیرہ وغیرہ ہزاروں باتیں ایسی ہیں جن کے ذریعہ خاطر داری کیجا سکتی ہے۔ البتہ اگر کھانیکا وقت ہو تو اصرار کیا جا سکتا ہے۔ اور ایک حد تک کرنا بھی چاہیئے۔

میں نے اکثر بہنوں کو دیکھا ہے کہ جہاں ان کے یہاں مہمان آیا اور وہ گھر کے دھندوں میں اس قدر منہمک ہو گئیں کہ اس غریب کا خیال ہی نہ رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مہمان بی بی اکیلی بیٹھی رہتی ہیں۔ اور اُن سے کوئی بات کرنے والا بھی نظر نہیں آتا۔ مہمان داری کا لطف تو جب ہے کہ میزبان اِدھر اُدھر دوڑتا اور نوکروں پر چلاتا نظر نہ آئے اور پھر بھی مہمان کی مدارات خاطر خواہ ہو۔ جہاں تک ہو سکے پہلے سے انتظام کر لینا چاہیئے۔ تاکہ عین وقت پر یہ نہ ہو کہ دم لینے کی فرصت نہ رہے۔ اور مہمان بھی یہ خیال نہ کرے کہ میری وجہ سے گھر والوں کو

بڑی تکلیف پہنچی۔ اگر یہ ناممکن ہو تو مہمان کو تنہا چھوڑ دینے سے یہ بہتر ہے کہ تکلف میں کمی کر دی جائے۔ میں تو سمجھتی ہوں
کہ مہمان اچھے کھانوں کے مقابلہ میں میٹھی گفتگو اور حسن سلوک سے کہیں زیادہ خوش ہو سکتا ہے۔

دعوت شیراز کے اصول پر چلنا بھی برا ہے۔ اتنا بے تکلف نہ ہو جائے کہ مہمان سے گھر کا کام لے۔ بعض
عورتوں کی عادت ہے کہ مہمان کے سامنے ترکاری یا پیاز رکھ دیتی ہیں اور کہہ دیتی ہیں کہ آپ ذرا انہیں کتر دیجیے
میں دوسرے کام کر لوں۔ یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ مہمان اپنے گھر کس طرح زندگی بسر کرتا ہے بلکہ اپنی حیثیت کے
مطابق اس کی عزت اور خاطر داری کرنی چاہیے۔ بالخصوص جب ایک وقت میں کئی مہمان ہوں تو سب کے ساتھ
یکساں سلوک کرنا چاہیے۔ امیری اور غریبی کو مدنظر رکھکر کسی کے ساتھ زیادہ اور کسی کے ساتھ کم خاطر داری۔ بے پیش
انتہا پرلے درجہ کا کمینہ پن ہے۔ اس سے بڑھکر مہمان کا دل آزردہ کرنے والا دوسرا فعل نہیں ہو سکتا۔

گھر میں ہر وقت دو ایک زائد پلنگ کا موجود ہونا ضروری ہے۔ بعض مہمانوں کی عادت ہے کہ رات گئے
بلا اطلاع کے آدھمکتے ہیں۔ اس وقت سارے محلہ میں لوگوں کو جگا جگا کر پلنگ مانگنا پڑتا ہے۔ ایسا کرنے سے اپنے
علاوہ ہمسایوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ عین وقت پر پلنگ دستیاب نہ ہو سکے۔ جب مہمان
جانے لگے تو اسے روکنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ لیکن اس قدر ضد سے کام نہ لے کہ اسے ناگوار خاطر ہو۔
اکثر لوگوں کا قاعدہ ہے کہ ایک جگہ کچھ دن رہنے کے بعد اکتا جاتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی تکلیف
یا ناقدر شناسی کی وجہ سے وہ زیادہ ٹھہرنا مناسب نہیں سمجھتے بلکہ وہ اپنی طبیعت سے مجبور ہیں۔ ایسی صورت
میں انہیں زبردستی روکنا فضول ہے۔ کیونکہ ان کا جی نہ لگے گا بلکہ اور وحشت ہو گی۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ غیر مدعو مہمان کا کوئی حق میزبان پر عائد نہیں ہوتا لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے
ایسے مہمان کو گھر ہی میں گھسنے نہ دیا جائے تو یہ بھی ایک حد تک جائز ہے (اگرچہ میں سمجھتی ہوں کہ کسی کی غیرت
بہت ایسی بے مروتی گوارا نہ کرے گی) لیکن جب ایسے مہمان کو گھر میں جگہ دے دی گئی تو گویا وہ مدعو ہو گیا
اب اس کے ساتھ بھی اسی خاطر داری کے ساتھ پیش آنا چاہیے۔ جو دوسرے مہمانوں کے ساتھ برتی
جاتی ہے۔ اگر اپنے گھر اتفاق سے کوئی ایسا آدمی آجائے جس سے دوستانہ تعلقات منقطع ہو چکے ہیں
حتی المقدور اس کی خاطر داری اور عزت خوب کرنی چاہیے۔ شاید وہ خوش ہو جائے اور پرانے مخلصانہ تعلقات
قائم ہو جائیں۔ صرف اتنے ہی پر بس نہ کرنا چاہیے۔ بلکہ اگر ممکن ہو تو خود ان لوگوں کو اپنے گھر مدعو کرے جن سے
ہے۔ اور اپنے حسن سلوک سے انہیں راضی کرنے کی کوشش کرے۔ قدیم اہل عرب اپنی مہمان نوازی کیلئے ضرب المثل
۔ ان کے یہاں اگر کوئی شخص مہمان ہوتا تھا اور بعد میں یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ میزبان کے کسی قریبی رشتہ دار کا قاتل ہے تب بھی اسکی
داری میں کمی نہ کیجاتی تھی انکے نزدیک اس سے بڑھکر کوئی طعنہ نہ تھا کہ فلاں شخص مہمان نواز نہیں ہے۔ اگر ہم لوگ "با دوستاں تلف با دشمناں مدا"
ریں اصول کو مدنظر رکھیں تو بدخواہوں کے دل رام ہو جائیں اور دوستوں سے نااتفاقی نہ ہو۔ مسز احمد حسن خان - جون پور

لڑکیوں کی صحت

"خون کی کمی یا ANAMIA" دس سال سے پندرہ سال تک کی بہت سی لڑکیاں اس مرض کی شکایت کرتی ہیں۔ اور وہ بہت لاغر اور زرد دکھائی دیتی ہیں جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کی مائیں بچپن میں انہیں تازہ ہوا میں جانے کی اجازت نہیں دیتیں اور جب انہیں خفیف سا بخار ہو جاتا ہے تو ہفتوں بعد تک اس خیال سے کہ لڑکی پھر بیمار نہ ہو جائے بستر سے اٹھنے کی اجازت نہیں ملتی۔ اس کے کمرہ کے تمام دروازے اور کھڑکیاں بند کر دئے جاتے اور وہ شاذونادر ہی کھولے جاتے ہیں اور اگر کبھی اسے اپنے کمرے میں سے باہر جانے کی اجازت بھی دیجاتی ہے تو اس صورت میں کہ بچاری کو کپڑوں سے لاد دیا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ لڑکی کمزور ہو جاتی ہے۔ وہ کام کرنے کے قابل نہیں رہتی۔ مختلف امراض سے تکلیف اٹھاتی ہے۔ اس کا بہترین علاج ہے کہ کھلی ہوا میں خوب ورزش کی جائے۔ اس کے ساتھ کھیلنے کے لئے ہمجولیاں ہوں۔ خوراک اچھی اور عمدہ ملنی چاہئے۔ مچھلی کا تیل (COD LIVER OIL) اور TONICS OF IRON کا استعمال کرانا چاہئیے۔ علاوہ ازیں دس بوندیں ٹنکچر آف آرن تھوڑے سے پانی میں ملا کر تین دفعہ پی جائے۔ لیکن کھلی ہوا میں ورزش اور سیر کرنی لازم ہے۔ گھر میں ہر وقت بیٹھے رہنا ان پر برا اثر ڈالتا ہے۔ نیز FERROMALT بھی اس مرض کے لئے اچھی دوا ہے۔

غشی آج کل کثرت سے لڑکیاں بے ہوش ہو جاتی ہیں۔ اس مرض میں عمر کی قید نہیں۔ چھوٹی اور بڑی سب ہی اس سے تکلیف اٹھاتی ہیں۔ میں خود حیران ہوں۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ لیکن یہ واقعہ ہر وقت ارے پیش آتا رہتا ہے۔ اس لئے ہمیں اس کے متعلق کچھ جاننا لازم ہے۔ جب مریضہ بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے تو فوراً اسے اٹھا کر آہستہ سے آرام دہ صوفہ پر لٹا دو۔ لیکن سر کے نیچے تکیہ ہرگز نہیں رکھنا چاہئیے۔ اور اس بات کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہئے کہ سر جسم کے ہموار ہو۔ عام لوگ یہی غلطی عموماً کرتے ہیں کہ سر کے نیچے تکیہ وغیرہ رکھ دیتے ہیں۔

کمرے کے تمام دروازے اور کھڑکیاں کھول دو۔ تاکہ تازہ ہوا کی آمد و رفت ہو۔ مریضہ کے کپڑے ڈھیلے کر دو۔ برانڈی یا سپرٹ سے اس کے سینہ پر مالش کرو۔ لیکن نہایت آہستہ آہستہ۔ منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے دو۔ اور عطر سنگھاؤ۔ لیکن مریضہ کے پاس زیادہ آدمی نہ آنے دو۔ کیونکہ اس سے مریضہ کو تازہ ہوا نصیب نہ ہو گی۔ جس شخص کو بیہوشی کا مرض ہو۔ اس کی خوراک کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہئے۔ اور اس کے

ل بہلانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ کونین باقاعدہ طور پر پلانی چاہئے۔ ڈاکٹر سے رائے لیکر طاقت ور دوائیوں
مثلاً WINCARNIS کا استعمال کرانا چاہئے۔

بدہضمی بہت سی نوجوان لڑکیاں بدہضمی سے تکلیف اٹھاتی ہیں۔ اور یہی بدہضمی بہت سے خوفناک امراض کی ابتدا ہے۔ اس مرض سے بچنے کی بہت کوشش کرنی چاہئے۔

اس کی مریضہ کا چہرہ اترا ہوا ہوتا ہے اور آنکھیں چمکدار نہیں نظر آتیں۔ مریضہ کو چاہئے کہ سب سے
پیشتر بیماری کی وجہ خود دریافت کرنے کی کوشش کرے۔ اور اسکو اپنے دل سے مندرجہ ذیل سوالات پوچھنے
چاہئیے۔ کیا میں ورزش کرتی ہوں؟ کہ مجھے سویرے اٹھنے کی عادت ہے؟ کیا میں ہر روز سویرے غسل کرتی ہوں
کیا میں وقت پر کھانا کھاتی ہوں؟ کیا میں آہستہ آہستہ کھانا کھاتی ہوں؟ ہرگز نہیں۔ بدہضمی کی مریضہ کبھی ان باتوں پر
عمل نہیں کرتی۔ وہ نہ سویرے اٹھنے کی تکلیف گوارا کرتی ہے۔ نہ غسل کرتی ہے۔ بلکہ ہفتوں بعد غسل خانہ کی شکل دیکھتی
ہے۔ اور اسی طرح بہت بے قاعدہ کھانا کھاتی ہے۔

مریضہ کو بہت ہلکی خوراک ملنی چاہئے۔ دودھ۔ دلیا۔ کورن فلاور۔ بہترین غذائیں ہیں۔ کھانے کے وقت
سرکہ کا استعمال کرنا چاہئے۔ روٹیاں جتنی بھی ہوسکیں تھوڑی استعمال کرنی چاہئیں۔ نیم حکیم خطرہ جان پر عمل
کرتے ہوئے ہر ایک کی بتائی ہوئی دوائیاں نہیں استعمال کرنی چاہئیں۔ ہر روز صبح سویرے فروٹ سالٹ یا کریم
آف ٹارٹر کے ایک یا دو چمچے کاربونیٹ آف سوڈا پانی میں ملا کر دینا چاہئے۔ انشاء اللہ بہت فائدہ ہوگا۔

سرور جہاں (بہاولپور)

سلسلہ کیلئے نومبر کا پرچہ دیکھئے

بچہ کیلئے مناسب غذا کا انتخاب

اگر بچہ کسی وجہ سے ماں کا دودھ نہ پی سکے اور دایہ کا دودھ بھی نہ پا سکے تو ایسی صورت میں اس کے لئے بہترین بدل گائے کا دودھ ہے۔ قبل اس کے کہ میں گائے کے دودھ کو ماں کے دودھ کی خاصیت پر لانے کا طریقہ بتلاؤں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شیر مادر و شیر گاؤ کے خواص کا فرق بھی بتلا دوں۔ تاکہ عورتوں اور عوام کے سمجھنے میں آسانی ہو مختصر الفاظ میں یوں سمجھنا چاہئے کہ گائے کے دودھ میں ماں کے دودھ سے زیادہ پروٹین۔ نسبتاً کم روغنی چیز یا گھی اور مقابلۃً کم شکر ہوتی ہے۔ گائے کے دودھ میں ماں کے دودھ سے زیادہ پروٹین ہونے کے علاوہ اس کی خاصیت میں بھی فرق ہے۔ جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ جب گائے کا دودھ معدہ میں پہنچتا ہے تو اسپر معدہ کے زہر کا اثر پڑتا ہے جس سے دودھ منجمد ہونے کے باعث ہضم نہیں ہوتا۔

لیکن برخلاف اس کے ماں کے دودھ میں یہ بات نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے وہ آسانی سے ہضم ہو جاتا ہے اس کے علاوہ گائے کے دودھ میں جراثیم کا امکان ہوتا ہے جس سے بیماری پیدا ہونے کا احتمال رہتا ہے۔ لیکن ماں کا دودھ ان تمام باتوں سے پاک رہتا ہے۔

مندرجہ بالا باتوں کے اظہار کے بعد اب گائے کے دودھ کو ماں کے دودھ کی خاصیت پر لانے کا طریقہ درج کرتا ہوں۔ یہ تو میں بتلا چکا ہوں کہ گائے کے دودھ میں ایسی چیز ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ معدہ میں پہونچکر منجمد ہونے کے باعث ہضم نہیں ہوتا۔ پس اس کی مقدار کم کرنے کے لئے اس میں پانی ملانا لازمی ہے جس سے ایک طرف تو دودھ کے منجمد ہونے کی خاصیت کم ہونے کے باعث زود ہضم ہو جاتا ہے۔ لیکن دوسری طرف روغن و شکر میں نسبتاً کمی واقع ہو جاتی ہے۔ جس کا تدارک شکر کے اضافہ اور روغن کے بجائے مچھلی کے تیل کی آمیزش سے کیا جاتا ہے۔ یعنی مختصر یہ ہے کہ گائے کے دودھ کو ماں کی دودھ کی خاصیت پر لانے کے لئے اس میں پانی ملانا پڑتا ہے۔ اس کے بعد شکر اور مچھلی کا تیل ڈالکر کمی پوری کیجاتی ہے۔ اس جگہ پر یہ بھی بتلا دینا لازمی ہے کہ دیسی شکر دیر ہضم ہوتی ہے۔ اس لئے ایسے بچوں کو جنکا ہاضمہ خراب ہو بہتر یہ ہے کہ دیسی شکر کی بجائے دودھ کی شکر جسکو انگریزی میں "ملک شوگر" کہتے ہیں منگوا کر استعمال کرانا چاہئے۔ چونکہ میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ ماں کا دودھ تمام بیماری کے جراثیم سے پاک ہوتا ہے۔ اور گائے کے دودھ میں بیماری کے کیڑے موجود

رہتے ہیں۔ اس لئے استعمال میں لانے سے قبل گائے کے دودھ کا گرم کرلینا لازمی ہے۔ تاکہ جراثیم گرمی سے مرکر بیماری کا اثر نہ پیدا کرسکیں۔

گائے کے دودھ کے استعمال کا مفصل طریقہ

۱ گائے کے دودھ میں حسب ذیل مقدار میں صاف میٹھا پانی یا آشِ جو ملانا چاہیئے۔

(۱) تین ہفتہ کی عمر تک ایک حصہ دودھ اور تین حصہ پانی کا جزو۔

(۲) تین ہفتہ سے ۱½ ماہ کی عمر تک نصف دودھ۔ نصف پانی۔

(۳) ۱½ ماہ سے ۳ ماہ تک ۳ حصہ دودھ ایک حصہ پانی۔

اس کے بعد اگر بچہ کا ہاضمہ درست ہو تو بغیر پانی کی آمیزش کے دودھ دیا جاسکتا ہے

۲- پانی کی آمیزش کے بعد نوزائیدہ بچہ کے دودھ کو ۳۰ منٹ تک آگ پر رکھکر کھولانا چاہئے۔ لیکن جب بچہ کی عمر زیادہ ہو جائے یعنی ۳ ماہ کی عمر پر دودھ کو نصف گھنٹہ کی بجائے صرف دس منٹ تک آگ پر رکھنا چاہئے۔

۳- دودھ میں دودھ کی شکر ایک سیر دودھ میں ایک چائے کے چمچہ کے برابر ہونی چاہئے۔

۴- روغن یا گھی کی کمی مچھلی کے تیل کی آمیزش سے پوری کرنی چاہئے جس کی مقدار دو قطرہ فی خوراک ہو۔

اس کے علاوہ اس بات کا خاص اہتمام ہونا چاہئے کہ بچہ کے دودھ پلانے کا تمام سامان علیحدہ ایک مقررہ جگہ پر موجود رہے۔ بچہ کے دودھ پلانے کے لئے ان چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔

(۱) ایک دودھ رکھنے کا برتن (۲) ایک مختصر صاف ایلومینیم کی چھوٹی دیگچی معہ سرپوش جس میں دودھ کھولایا جاسکے (۳) ایک کشتی نما دونوں طرف کھلی ہوئی دودھ دانی۔ (۴) ایک چھوٹا چمچہ (۵) ایک شکر کا برتن معہ شکر۔ شکر کا برتن دودھ رکھنے کا برتن چوڑے منہ کا ہونا چاہئے (۶) ایک انگیٹھی جسپر دودھ گرم کیا جائے۔

اس طریقہ پر اوپر بتلائے ہوئے اصول یعنی پابندی اوقات و صفائی کے ساتھ دودھ پلانے پر کوئی وجہ نہیں کہ بچہ کی تندرستی اچھی نہ رہے۔

یہاں یہ بھی گوش گزار کردینا چاہئے کہ ۶ ماہ کی عمر تک بچہ کو دودھ کے علاوہ کسی قسم کی غذا نہیں دینی چاہئے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ چھ ماہ کی عمر سے پہلے تھوک پیدا نہیں ہوتا جس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ مائدہ۔ روٹی و بسکٹ وغیرہ کے ہضم کرنے میں مدد دیتا ہے۔ پس ۶ ماہ کی عمر سے پہلے دودھ کے علاوہ کسی اور چیز کے دینے سے بچہ کا ہاضمہ خراب ہوجاتا ہے۔ اور دست وغیرہ کے امراض شروع ہوجاتے ہیں۔ اکثر مائیں اس بات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے غلطی کرتی ہیں۔ اور ان کو نہیں اس بات کا خمیازہ اٹھانا پڑتا ہے۔

اس قدر لکھنے کے بعد اب میں مجموعی طریقہ سے ایک جگہ مختصر الفاظ میں "بچوں کے دودھ پلانے کا عملی طریقہ" درج کرتا ہوں:۔

(۱) دودھ تازہ ہونا چاہئے۔ اگر ممکن ہو تو صبح و شام تازہ دودھ حاصل کرنا چاہئے۔ (۲) دودھ کسی علیحدہ جگہ پر رکھنا چاہئے۔ زمین مرطوب نہو۔ (۳) دودھ استعمال سے قبل کھولدینا چاہئے۔ (۴) گائے کا دودھ اوپر بتلائے ہوئے طریقہ کے ساتھ دینا چاہئے۔ (۵) دودھ رکھنے کا برتن چوڑے منہ کا ہونا چاہئے۔ (۶) جو شخص بچہ کو دودھ پلائے اسے اپنے ہاتھ وغیرہ کی صفائی رکھنی لازمی ہے۔ (۷) دودھ پابندی اوقات کے ساتھ دیا جائے۔ (۸) ایک مرتبہ کا بچا ہوا دودھ دوسری مرتبہ ہرگز استعمال میں نہ لایا جائے۔ (۹) دودھ پلانے کے بعد دودھ دانی گرم و ٹھنڈے پانی سے اچھی طرح دھوڈالی چاہئے۔ (۱۰) اگر دودھ اس طرح ہضم نہو تو اس میں قدرے چونے کا پانی یا سوڈا سائٹریٹ ایک گرین نصف چھٹانک دودھ کے حساب سے ڈالدیا جائے۔ (۱۱) دودھ اصول کے ساتھ پلایا جائے۔ ۳ ماہ کی عمر سے پہلے دن میں چار یا پانچ مرتبہ اور رات میں دو تین مرتبہ لیکن ۳ ماہ کی عمر کے بعد دن میں چار مرتبہ و رات میں صرف ایک مرتبہ دودھ دینا چاہئے۔ (۱۲) جس وقت دودھ دیا جائے۔ تھوڑا سا نیم گرم لینا ہر حالت میں بہتر ہے۔

اگر ان تمام اصول کی پابندی کے ساتھ بچہ کی پرورش و پرداشت ہوگی تو بچے صحیح و سالم۔ تندرست و توانا رہیں گے۔ اس طرح وہ بچپن ہی سے صفائی و پابندی اوقات کے عامل ہو کر آئندہ زندگی کے لئے ایک بہترین و کارآمد نسخہ حاصل کر کے کامیابی و کامرانی کے ساتھ ایام زندگی بسر کرینگے۔ اس قدر لکھنے کے بعد مجھے امید ہے کہ ناظرین خصوصًا مستورات۔ اس کی اہمیت پر نظر کر کے ان تمام اصول پر غور کرینگی۔ اور اس کی اصلاح کی کوشش میں سرگرم کار ہونگی۔ میرے خیال ناقص میں تو ذرا سی توجہ اور تھوڑی سی محنت سے تمام کام باحسن و خوبی انجام کو پہونچ سکتا ہے۔ یہانتک تو میں نے زچہ خانہ کی قبیح و بُری رسومات کا نقشہ معہ اس کی اصلاح اور ساتھ ہی بچوں کے دودھ پلانے کا مفصل طریقہ پیش کیا ہے۔ اسی ضمن میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اوائل عمر کی تعلیم و تربیت کے متعلق بھی جس کا خاص تعلق ماں سے وابستہ ہے۔ مختصر الفاظ میں تذکرہ کر کے اس کی اصلاح کی بھی کوشش کروں۔

یہ تو امر مسلمہ ہے کہ ایام طفلی میں بچہ جو کچھ دیکھتا ہے۔ یا جو کچھ سنتا ہے۔ بلا امتیاز اچھائی یا برائی اُسے ذہن نشین کرلیتا ہے۔ ایسی حالت میں اس امر کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ بچہ کے سامنے کوئی اخلاق سے گری ہوئی بات یا کوئی عمل قبیح نہ کیا جائے۔ بچہ کے لئے ایام طفلی میں خاص معلمہ ماں ہے۔ اور شروع میں بچے ماں سے بہت کچھ حاصل کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بچہ کو دیکھکر اس سے بات چیت کرلینے کے بعد اس کی ظاہری حالت

یعنی صفائی پاکیزگی کو دیکھ کر اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ بچہ کی ماں کس قدر خوش سلیقہ ہے
بس ضرورت اس امر کی ہے کہ ماں خوش سلیقہ ہو۔ اس میں احساس کی صفت بدرجہ غایت موجود ہو۔
تاکہ بچہ کی تعلیم و تربیت کا خاص لحاظ رکھ سکے۔ اور اس کی اہمیت کو سمجھے اس لئے کہ بچہ کی تعلیم و تربیت کی ذمہ
داریاں ماں پر زیادہ تر منحصر ہیں۔ اور اس قدر اہم کام آغوش مادری ہی میں نشو و نما پا سکتا ہے۔ یہ ایک
عام رواج ہے کہ بچے کبھی آدم سے ڈرائے جاتے ہیں کبھی حوّا سے۔ انہیں نیند ہی نہیں آتی۔ جب تک کہ وہ
بہانہ دئے جائیں۔ ان کی تمام خواہشات محض اسی ایک آلہ کے ذریعہ سے رد کی جا سکتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا
ہے کہ اس پر خوف طاری ہو جاتا ہے۔ اور یہ کسی وقت ایام طفلی میں جس کے لئے کہا گیا ہے کہ۔

خوئے بد در طبیعتے کہ نشست ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ نرود جز بوقت مرگ از دست

۔ انہیں خیالات کی رہنمائی میں وہ میدان زندگی میں قدم رکھتے ہیں۔ اور تمام عمر اوہام پرستی میں مبتلا
رہتے ہیں۔ کاش ان پراگندہ بیانوں کے بجائے انہیں بزرگوں کے کارنامے سنائے جائیں۔ اولیائے
کرام و بزرگان دین کے حالات گوش زد کئے جاتے۔ اور اس طرح رگ حمیت کو جوش میں لایا جاتا۔
ان کے دل بجائے اس کے کہ جنوں کی غیر معمولی طاقت کے اظہار کرنے والے قصص بیان کرکے جھوٹ
طرف مائل کئے جائیں۔ خود بڑے بڑے مشاہیر عالم کے کارناموں سے بھرے جاتے۔ انہیں
اس امر کا یقین دلایا جاتا کہ وہ بھی انہیں جیسے ہو سکتے ہیں۔ اور وہ بھی اسی طرح دنیا میں کامیابی و کامرانی
کے تاج سے مزین ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ راستبازی یعنی سچائی اور اپنے مذہب کی پابندی اپنا
شعار بنائیں۔ جھوٹ سے پرہیز کریں۔ پڑھنے لکھنے سے جی چرائیں۔ بڑوں کا ادب کریں۔ والدین کی اطاعت
فرض سمجھیں۔ استاد کی فرمانبرداری اپنے لئے مقدم سمجھیں۔ زیادہ لہو و لعب یعنی کھیل کود میں اپنا وقت نہ
ضائع کریں لیکن یہ سب کام اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے اور اس کا اثر اسی صورت میں قابل پذیرائی ہو سکتا ہے
جب ماں اس کی طرف شروع سے خاص توجہ کرے۔ اس سے میرا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تمام ذمہ داریاں ماں
ہی پر عائد ہوتی ہیں۔ باپ اس سے بالکل بری ہے۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ بلکہ ایام طفلی میں یا یوں کہا
جائے کہ کم از کم سات برس کی عمر تک بچہ کی نشست و برخاست۔ بول چال۔ بلکہ تمام ضروریات کی ذمہ داری
ماں پر ہے۔ کیونکہ یہی زمانہ دیکھ بھال و خبر گیری کا ہے۔

محمد اعظم احراری مینیجر

عصمت کی اشاعت میں کبھی ایک دن بھی دیر نہیں ہوتی ہمیشہ ۱۳ تاریخ کو روانہ ہو جاتا ہے۔ اگر ڈاک خانہ کی غلطی سے آپ کو وقت پر نہ ملے
تاریخ تک خریداری نمبر کے حوالہ سے خط لکھکر منگا لیجئے۔ ۱۵ کے بعد قیمت لے لی جائیگی۔ "منیجر"

گذر نہیں ہوتی

رابرٹ سنگھ (کرسی پر بیٹھتے ہوئے) "آج بچے کی طبیعت کیسی ہے۔ اس ماہ اس قدر پریشان ہوں کہ باوجود کئی مرتبہ ارادہ کرنے کے حاضر نہ ہو سکا۔ چھ سو روپے تنخواہ پچہتر روپے موٹر الاؤنس۔ پچہتر کی متفرق آمدنی۔ سات ساڑھے سات سو روپے ماہوار ہیں اور پھر اس زمانہ کا خرچ کوئی کیسے زندگی گذارے۔ مصیبت کا سامنا ہے۔ تنخواہ آنے سے پیشتر انکم ٹیکس و بنگلہ کا سرکاری کرایہ وغیرہ ملا کر ڈیڑھ سو اور بڑھاپے کے لئے پس ماندہ رقم کا جبریہ چندہ پچاس روپے۔ یہ دو سو تو وہاں ہی کٹ جاتا ہے۔ ملازمت میں یہ جبریہ جمع کرنے کا طریقہ خوب ہے۔ پچپن برس کی عمر میں لاکھ سوا لاکھ روپیہ ملجائیگا۔ لیکن روپے کی ضرورت تو اب ہے۔ اسوقت ملا تو کیا ملا۔ موٹر پر پچاس روپے ملازمین کو سو۔ مالی و دھوبی بارہ بارہ روپے میں خوش نہیں بھنگی کو پندرہ لیکن وہ شراب کا شائق ہے اسکی کیا گذر ہو۔ چوری کرنے لگا ہے، بیرا بیس پاتا ہے۔ گندہ رہتا تھا تو کپڑے بھی وردی کی صورت میں دینے پڑے۔ خانسامہ کو پچیس ملتے ہیں لیکن کھانا بھی مار ہی لیتا ہے۔ آیا آگرہ کی کولن ہے۔ پندرہ وردی کپڑے پر بھی اکھڑی اکھڑی سی رہتی ہے۔ شراب و سگرٹ لوگوں کی خاطر و مدارات و ٹی پارٹی وغیرہ میں سو ڈیڑھ سو گھر بار اور بچوں کے ماہوار کھانے پینے کے خرچ میں ڈہائی سو روپے۔ متفرق اخراجات جنکا کبھی سراغ ہی نہیں لگتا۔ لیکن جنکا سلسلہ ایسا جاری رہتا ہے کہ ہمیشہ سوچتے رہنے پر بھی کہ اس مد میں کفایت شعاری ہو سکتی ہے کبھی کامیابی نہیں ہوتی۔ ہفتہ میں دو بار بھی اگر انسان سینما نہ جائے تو زندگی کیا قید ہو گئی۔ میم صاحبہ ساتھ ہوتی ہیں کبھی کوئی انکی دوست ملگئی یا کوئی نرس مل گئی یا بچہ کے انگریزی اسکول کی ماسٹرنی صاحبہ کبھی نکل آئیں تو ان لوگوں کا ٹکٹ بھی لینا ہی پڑتا ہے آخر انسانیت بھی کوئی چیز ہے! آئے دن ڈنر و ڈانس بھی ساتھ لگے ہیں۔ اس مہینہ میں گورنر آرہے ہیں کئی ڈانس و ڈنر اور درجنوں پارٹیاں ہونگی۔ ڈانس کا فی کس دس روپے ٹکٹ ہے۔ اور چندے بھی دینے پڑتے ہیں۔ افسر ہو کر ان سوشل معاملات میں حصہ نہ لے تو افسری ہی کیا رہی۔ اس کل سات سو روپے ماہوار کے مستقل خرچ پر کم از کم پچاس روپے کلب کے سمجھ لو۔ کوئی ماہ خراب بھی آجاتا ہے۔ اس ماہ میم صاحبہ بھی ہاریں اور ہم بھی ہارے صرف برج (تاش بازی) میں پچپن روپے ہار گئے۔ داخلہ کے پچاس روپے بھی دینے ہیں اس دفعہ کلب کا بل ڈیڑھ سو روپے سے کم کا نہیں آئیگا۔ آئندہ سال دو بچوں کو کسی انگریزی بورڈنگ ہاؤس میں بھیجنا ہے۔ اس کے لئے ستر پچہتر روپے ماہوار فی نفر ضرورت ہوگی۔ ہمارے سوٹ میم صاحبہ کی ساڑیاں۔ عقل حیران ہے۔ آخر انصاف کرو۔ چھ سو روپے ماہوار کی تنخواہ میں آدمی کیسے جیئے۔ اس گراں جگہ سے تو تبادلہ ہو جائے تو بہتر ہے۔ گذر نہیں ہوتی

کلرک - بیشک حضور ساٹھ ستر روپے ملتا ہے۔ لیکن ایک بیوہ بہن ایک بوڑہی ماں۔ چھوٹا بھائی کالج میں ہے اُس کے

بیوی بچے بھی میرے ہی پاس ہیں۔ میری بیوی دق میں مبتلا ہے۔ چار بڑے بچوں کو بخار آرہا ہے تین چھوٹے چھوٹے
ہیں۔ حضور کے قلم چلانے سے کام چل جائیگا۔ کس کس کو کھلاؤں کہاں کہاں خرچ کروں۔ غریب آدمی ہوں۔ گذر نہیں ہوتی
خانساماں ۔ حضور مسلمان نمازی پرہیزگار آدمی ہوں۔ دو جوڑے باورچی خانہ اور دو جوڑے کپڑا نماز کے لئے علیحدہ رکھتا ہوں
عید تہوار میں ہم لوگوں کا بہت خرچ ہوتا ہے۔ حضور کے ہاں خشک تنخواہ ملتی ہے۔ نمک چکھنا تک حرام ہے۔ عورت پردہ
میں ہے، یہاں چوبیس گھنٹے کا کام، ایک لڑکا بازار لانیکو رکھنا پڑا ہے۔ بچے کے بال اتروانے ہیں۔ سید کا کیا کرنا ہے
پچیس روپے اور سفید پوشی کیسے گذر ہو، حضور غریب پرور ہیں۔ دوسروں سے مانگتے شرم آتی ہے۔ ایک دو دن ہو تو گذر
جائے آج بیس ہے ابھی دس دن پڑے ہیں۔ لڑکے کو شاہ صاحب کے عرس میں جانا ہے جیب میں قسم کھانیکو بھی پیسہ
نہیں بے ایمانی ہم سے ہوتی نہیں۔ غریب پرور کچھ پیشگی دیدیجئے۔ گذر نہیں ہوتی۔

بیرا ۔ حضور! ہمارا عورت سے ہم بیزار ہے۔ سگرٹ شراب پیتا تھا ہم نکالدیا۔ وہ پادری صاحب سے جاکر بولا۔ ہم کو بارہ
روپے ماہوار اس کے خرچ کا الگ دینا پڑ گیا ہے۔ پانچ روپے میں دوسرے سے کھانا پکوا کر کھاتا ہے۔ چائے، پانی۔ بیڑی
پان کو بھی چاہیئے۔ دوست لوگ کا خاطر کرنا پڑتا ہے۔ ہم چائے پلائے گا تو وہ بھی چائے پلائے گا، تیس روپے اور مہینہ میں
تیس اور کبھی اکتیس دن کیسا چلیگا؟ اس دفعہ حضور کا پاس صاحب لوگ آیا۔ کچھ انعام بھی نہیں دیکر گیا۔ بیس روپے تنخواہ ملتی
ہے۔ گذر نہیں ہوتی۔

مالی ۔ صاحب چار روپیہ بال بچہ کو بھیج دیتے ہیں، چھوٹے بیٹا کا بیاہ کر دیں ہے پانچ سال بعد اپنے گھر بار کا ہو جائیں ابھی بچہ ہے
شادی کے خرچ پر قرضہ کا چھ روپے مہینہ ساہوکار کو دیت ہیں۔ دو روپے بچیت ہیں۔ آج تک دال دلیہ کر لیا۔ برکھا بعد کچھ اناج
بڑھ جائیں تو سکھ ہو۔ آپ ہمارا صاحب ہے۔ گذر نہیں ہوتی۔

دھوبن ۔ میم صاحب بیٹی کا تہوار دینا پڑا۔ ہولی ایسی آئی کہ چار اور آ بیٹھے تو انہوں نے دو روپیہ شراب پر خرچ کر دیا جھگڑا
ہو گیا۔ اب پنچایت ہے اسکا بھی سب خرچ دینا پڑیگا۔ حضور کے میل کچیل کی کہاتے ہیں کہاں جائیں۔ رات کو تو بچوں کو بھی بھاجی
ساتھ بنئے سے ادھار لائے تو پیٹ میں دانہ پڑا۔ کس کے گھر چوری کرنے جائیں۔ گذر نہیں ہوتی۔

چوکیدار ۔ حلال خور ہوں۔ حرام خور نہیں، حضور دشمن کی ہڈی توڑ دوں۔ بیرا بولتا ہے کہ شراب پی ہے۔ شرابی کو اپنا ہوش
نہیں رہتا۔ دوسرے کو کیا مار لیگا۔ حضور کا نمک کھاتا ہوں۔ تین دن سے بھوکا ہوں۔ حضور کا جھوٹا کھا کر گوشت
کھانے کا مزا پڑ گیا۔ پندرہ روپے تو پندرہ دن کے ہو جاتے ہیں۔ اب پانچ دن سے فاقہ ہے۔ حضور کا نمک خوار ہوں۔
بڑے افسر کا نوکر ہوں۔ بس دو روپے مل جائیں۔ آن داتا چلن سے چلونگا۔ دس دن اور گذر جائیں۔ تنخواہ میں سے کاٹ لینا۔ بھوکا
کیا تک مروں۔ گذر نہیں ہوتی۔

(کیپٹن) نصیر الدین احمد

بے لوث محبت

بے لوث محبت کا بیش بہا سین دیکھنا ہو تو اسوقت دیکھئے جبکہ ماں اپنے حسرت وآرزو کے مجسمہ کو آغوش تمنا میں لئے بیٹھی اور اسکی چلبلی اداؤں پر پیار بھری نظروں سے اظہار مسرت کرتی ہے تو بخدا اسوقت یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسکی آنکھوں میں محبت کا خوبصورت دریا سیلاب ہونے کے لئے بیتاب ہے

بے لوث محبت کا منظر دیکھنا ہو تو اسوقت دیکھئے جسوقت باپ پیاری اولاد کو زینہ ہائے ترقی پر دیکھکر محبت بھری آنکھوں سے بے طرح اظہار خوشی کرتا ہے۔ بعینہ اس کا چہرہ صبح کے تبسم نو وار د آفتاب کے مانند ہو جاتا ہے

بے لوث محبت کا لطیف جلوہ دیکھنا ہو تو اسوقت دیکھئے جبکہ بہن جان مادر بھائی کی معمولی خوشی سے مسرور ہو کر محبت کی حریص نظروں سے گھورتی ہے۔ اسوقت اسکی ہر بے تابانہ ادا سے شدید محبت کا اظہار ہوتا ہے۔

بے لوث محبت کا حسین تماشہ دیکھنا ہو تو اسوقت دیکھئے جبکہ ایک مخلص دوست اپنے عزیز دوست کی معمولی فکرمندی پر مجسم غم بنجاتا ہے۔ اور اس کی ایک ادنیٰ مسرت پر اس کا چہرہ نوخیز شگفتہ حسین پھول کے مثل ہو جاتا ہے۔ جو ابھی کمسنی کی وجہ سے باد خزاں کے نام سے ناآشنا تبسم ریز یوں میں محو ہو

بے لوث محبت کی بیش قیمت خوبصورت ادا دیکھنا ہو تو اسوقت دیکھئے جب عفت وعصمت کی حسین دیوی شوہر کی خوبصورت پجاری ہر خوشی وغم کی بابانی وحامل اپنے شریک زندگی کی جبین پر خوشی کے حسین نام کا شائبہ پاتے ہی اسکی مسرت میں چار چاند لگانے کے لئے اپنی ہر ادا سے رفیق کی ہمسر بنجاتی ہے اور اسوقت اسکو اپنی مسحور کن ادا دیکھلا کر دنیا وما فیہا سے بے خبر خوشی ومسرت کے وسیع سمندر کی نازک لہروں میں گم کر دیتی ہے۔

بخدا صنف نازک سے دنیا کی حقیقی مسرتیں زندہ ہیں یہ نورانی جلوے انہیں منظروں میں دیکھیے گا۔

ادریس بیگم (شاہجہانپور)

میرا دل

عرش کا ہی کبھی کعبہ کا ہو وہ کا اسیر کس کی منزل ہے الٰہی میرا کاشانۂ دل

بار بار دماغ میں یہی خیال آتا ہے کہ دل کیا چیز ہے اس کی اتنی دھوم دھام شہرت کیوں ہے آخر دل کے متعلق یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ یتیم کا دل نہایت نازک ناؤ کی طرح ہے۔ بیوہ کا دل غم کا پھوڑا۔ مرد کا دل قومی جذبات اولوالعزمی دلاوری جرات وکامیابی کے گوناگوں تاثیرات سے پر ہو جاتا ہے عورت کا دل نازک احساسات قومی عزائم پاکیزہ کیفیات مطہر خیالات کا مرکز ہے۔ یہی خیال ہر قوم مذہب ملت کے افراد کا ہے۔ لیکن میرا دل جسکو آبگینوں اور نازک شیشہ سے تشبیہ دی گئی ہے جس کے احترام کا حکم دیا گیا جس کے پاس لحاظ کو سراہا گیا جس کی دلداری کو حصول بہشت سمجھا گیا جسکی محبت کو فتح عظیم سمجھا جاتا تھا اب ٹوٹا ہوا کھلونا بیکار شے ہے اسیر کسی کو کعبہ کا دہو کا ہو سکتا ہے نہ عرش کی رفعت نصیب ہو سکتی ہے۔ خدایا آخر میرا دل کس کام میں صرف ہوگا

خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنا دیتی ہے یہ اثر رکھتی ہے خاکستر پروانۂ دل

معبود جانے یہ تاثیر میرے دل کے خاکستر سے کہاں چلی گئی۔ آہ نہ اب میں مسرتوں کا گذر ہے نہ ارمانوں کا۔ یہ جل کر پروانہ وار شمع ملت پر نثار ہو گیا۔ مگر شمع کو اس کا مطلق احساس نہ ہوا یہ نہوا۔ جہیر النساء کدیہ

بیوہ کی لوری

سوجا سوجا پیارے — سوجا سوجا پیارے
میری آنکھوں کے تارے — میرے دل کے سہارے
سوجا سوجا پیارے — سوجا سوجا پیارے

تیرا باپ سدھارا — جسکو تھا تو پیارا
اب ہے کون تمہارا — سوجا سوجا خدارا
سوجا سوجا پیارے — سوجا سوجا پیارے

میرے شوہر و جانی — میرے یوسف ثانی
میرے راز نہانی — تو ہے انکی نشانی
سوجا سوجا پیارے — سوجا سوجا پیارے

میرے لال نہ رو تو — منہ نہ اشکوں سے دھو تو
جاں رو کے نہ کھو تو — میری گود میں سو تو
سوجا سوجا پیارے — سوجا سوجا پیارے

تیرے ابا عدم میں — گئے ان کے الم میں
میرا سوکھا ہے دم میں — دود جتنا تھا غم میں
سوجا سوجا پیارے — سوجا سوجا پیارے

تیرے صدقے میں جاؤں — تجھے کیا میں پلاؤں
تجھے کیا میں کھلاؤں — تجھے بھوکا سلاؤں
سوجا سوجا پیارے — سوجا سوجا پیارے

ہٹ میں کردوں بچھونا — اس پہ لیٹ کے سونا
لے یہ پدری کھلونا[1] — چھوڑ چھوڑ یہ رونا
سوجا سوجا پیارے — سوجا سوجا پیارے

تیری ماں دکھیاری — زخم سینے پہ کاری
وقف گریہ و زاری — سوجا سوجا میں واری
سوجا سوجا پیارے — سوجا سوجا پیارے

دکھڑے کس کو سناؤں — رنج کن کو جتاؤں
صدمے کتنے اٹھاؤں — ان کو کیسے بھلاؤں
سوجا سوجا پیارے — سوجا سوجا پیارے

جب تو ہوگا سیانا — اور پوچھیگا بیٹا
اماں کون ہیں ابا — کیا بتاؤں گی اللہ
سوجا سوجا پیارے — سوجا سوجا پیارے

تو یتیم ہے فرزند — تو یتیم ہے فرزند
تو یتیم ہے دلبند — تو یتیم ہے دلبند
سوجا سوجا پیارے — سوجا سوجا پیارے
میری آنکھوں کے تارے
میرے دل کے سہارے

شیخ حفیظ الرحمٰن امرت سر

[1] پدری کھلونا۔ باپ کا لایا ہوا کھلونا۔

کپڑا رنگنے اور مختلف قسم کے رنگ بنانے کی ترکیبیں

کپڑا رنگنا اور ایک ایک رنگ میں دوسرے رنگ کی آمیزش سے مختلف اقسام کے رنگ بنانا بھی ایک مفید اور قابل عمل ہنر ہے جس کی عمل پیرائی سے ذی استطاعت بہنیں اپنے گھروں میں کفایت شعاری کو مدنظر رکھکر مستفید ہوسکتی ہیں اور کم استطاعت بہنیں ان پر عمل درآمد کرکے ذریعہ معاش بنا سکتی ہیں۔ ہندوستانی ملبوسات میں رنگ ایک ضروری اور لازمی جزو ہے۔ ہندوستانی حلقہ نسواں میں سوائے بڑی بوڑھیوں کے شاید ہی کوئی لڑکی یا بی بی ایسی ہوں جو رنگین کپڑے پہنتی ہوں۔ ورنہ بالعموم ہندوستانی مستورات رنگوں کو عزیز ترین سمجھتی ہیں۔ خواہ بہت ہی ہلکے اور خفیف رنگ پہنیں لیکن ان کے سوتی ریشمی اونی کپڑوں میں رنگ کی جھلک ضرور نمایاں نظر آئے گی۔ اور نہیں تو دوپٹہ تو ضرور ہی رنگین استعمال کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں دیگر ضروریات اور آرائش کی چیزوں میں بھی رنگوں کا جزو لازمی سمجھا جاتا ہے بلکہ ہر وقت اور ہمیشہ ان کی ضرورت پڑتی ہے۔ مثلاً لحافوں کے استر۔ اور تو شکوں کے غلاف دروازوں اور کھڑکیوں کے پردے وغیرہ رنگنے کے لئے مختلف قسم کے رنگین سوتی۔ ریشمی۔ اونی کپڑوں کی سلائی کے لئے ہم رنگ دھاگہ رنگنے کی ضرورت اکثر درپیش رہتی ہے۔ رنگریز پیشہ بازاری لوگ جس کپڑے پر ایک دمڑی لاگت صرف کرکے چار یا پانچ آنے اجرت لیتے ہیں۔ ذیل کی ترکیبوں سے ہم گھروں میں بہت کم لاگت صرف کرکے اس سے دس گنا کپڑے تیار کرسکتے ہیں اور رنگریزوں سے وقت پر حسب منشاء رنگ کا کپڑا میسر نہ ہوسکنے کی زحمت اور ان کی بیجا محتاجی سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

فی الحال رنگ بنانے اور رنگنے کی تراکیب درج ذیل کرتی ہوں۔ دوسری قسط میں اس امر کی وضاحت کیجائے گی کہ بازار کے کس رنگ میں کونسا رنگ ملانے سے مختلف رنگ بن سکتے ہیں۔

فاختی رنگ۔ تھوڑے سے ماز و کوٹ کر پانی میں جوش دو اور اس میں حسب دلخواہ کپڑا اتر کے بعد میں کسیس کا رنگ دے لیں۔ اور ماولے جو میدے میں پانی ڈالکر پکایا جاتا ہے حسب ضرورت لگا کر کپڑا سکھالیں۔ ماز و اور کسیس دونوں چیزیں پنساریوں کی دکان سے ارزاں قیمت پر مل سکتی ہیں۔ اور اس سے کتنے ہی کپڑے رنگے جاسکتے ہیں

طوطیا رنگ۔ پہلے کپڑے کو ہلدی کے رنگ میں پھر نیل میں رنگ کر بعدازاں پھٹکری کے پانی میں غوطہ دے لیں۔ اور ماوی لگا کر سکھا لیں

صندلی رنگ۔ اول برادہ صندل اور حنا کے خشک پتوں کا پانی ڈال کر جوشاندہ تیار کریں۔ بعد میں ٹھنڈا کر کے سفید کپڑے کو اسی میں تر کریں۔ اور ماوے لگا کر سکھا لیں۔ اوپر کی دونوں چیزیں ارزاں ہیں۔ اس میں بھی کتنی تعداد میں کپڑے رنگے جا سکتے ہیں

انگوری یا دھانی رنگ۔ پہلے کپڑے کو ہلکے نیل کے رنگ میں رنگو۔ پھر ہارسنگار کے تیز رنگ جو پانی میں پکا کر نکالا گیا ہو رنگیں۔ اور ماوا لگا کر نچوڑ کے سکھا لیں۔

کیسری رنگ۔ شہاب اور ہارسنگار کے پھول ہموزن لیکر ان کا رنگ نکالیں۔ پھر اس رنگ میں سفید کپڑے کو ماوی لگا کر رنگیں اور نچوڑ کر سکھا لیں۔

عنابی رنگ۔ ناسپال کے جوشاندہ میں سفید کپڑے کو ایک گھنٹہ بھر بھگو کر نچوڑیں۔ اور پھر مجیٹھ کا رنگ نکال کر رنگیں۔ اور ماوا لگا کر سکھائیں۔

گلابی یا پیازی رنگ۔ پہلے سفید کپڑے کو دو تولہ شہاب کے رنگ میں رنگیں۔ پھر کھٹائی کے پانی میں خواہ وہ پھٹکری کا ہو۔ یا کسی دوسری چیز کا۔ رنگ حسب دستور ماوا لگا کر سکھا لیں۔ یاد رہے کہ یہ رنگ سوتی کپڑوں کے لئے ہیں۔ خواہ کپڑا باریک ہو یا موٹا۔ بچے ہوئے رنگ بوتل یا کسی ایسے برتن میں ڈال کر کچھ دنوں کے لئے رکھے جا سکتے ہیں۔

گ۔ ن۔ بنت ڈاکٹر شیخ ابوالفضل

فوائد نمک و لیموں

چائے کے سٹ پر نمک مل کر دھونے سے تمام دھبے دور ہو جاتے ہیں۔
سلک کے رومال اور ربن دھوتے وقت پانی میں نمک ڈال لینا چاہیے۔
دانت نکلوانے کے بعد جبکہ خون نہ تھمتا ہو تو پانی میں نمک ملا کر منہ میں رکھنا چاہیے۔
اس بچہ کو (جس کی پیٹھ کمزور ہو) ہر روز نمک پانی میں ملا کر مالش کرنی چاہیے۔
اگر پارچہ جات پر سے سیاہی کے دھبے اتارنے مطلوب ہوں تو ان پر بڑی مقدار میں نمک جما دو۔ اور لیموں کا رس نچوڑ دو۔ بعد ازاں صابن سے دھو ڈالو۔ دھبے بالکل دور ہو جائیں گے۔
اگر لوہے کی اشیا کو زنگ لگ گیا ہو تو اس پر نمک چھڑک کر پانی سے دھو ڈالو۔ بہتر ہوگا اگر لیموں کا رس ملا لیا گیا
گرمیوں کے اختتام پر جبکہ ہاتھ بہت بدشکل ہو جاتے ہیں۔ اور بدرنگ نظر آتے ہیں تو بہترین طریقہ یہ ہے کہ لیموں کے رس سے ہاتھ دن میں کئی بار دھوئے جائیں۔ بعض بہنوں کے ناخن بہت سخت ہوتے ہیں۔ یا اچھی طرح سے اُگتے نہیں تو چاہیئے کہ لیموں تراش کر ناخنوں پر رس نچوڑا جائے۔ اور چھلکا بھی ملا جائے۔
پائیریا کے مریضوں کے لئے بہترین چیز لیموں ہے۔ انہیں چاہیئے کہ لیموں کا رس مسوڑوں پر ملیں۔ لیکن اس بات کا خیال رکھیں کہ رس دانتوں پر نہ لگے۔ علاوہ ازیں دو لیموں کا رس خالی پانی میں ڈالکر نہار منہ پیئیں۔ انشاء اللہ بہت فائدہ ہوگا۔ سیب کے قتلے کرتے ہی فی الفور لیموں کا رس ڈال دو۔ ورنہ تھوڑی دیر کے بعد سیب خاکی سا رنگ اختیار کرے گا۔ مچھلی پکانے سے پیشتر اس پر لیموں زور سے رگڑو۔ بساند دور ہو جائیگی۔ یا مچھلی ابالتے وقت پانی میں چھلا ہوا لیموں ڈالدیں۔ عرق گلاب میں تین چار لیموں کا رس ملا لو۔ اور ایک صاف اور ملائم کپڑے سے ہر روز چہرہ پر لگاؤ۔ آپ کا چہرہ کیلوں اور چھاسوں سے صاف ہو جائیگا۔
کپڑے دھونے سے پیشتر پانی میں لیموں ملا کر جوش دے لو۔ اور ان میں کپڑے ڈالدو۔ بہت صاف نکلیں گے۔
سبزی بنانیکے بعد ہاتھ داغ دار ہو جاتے ہیں اور بعض دفعہ وہ دھونے سے بھی دور نہیں ہوتے جب لیموں کا رس ملنا چاہیئے
پیتل کے برتن لیموں ملنے سے چمک جاتے ہیں۔
ملیریا کے موسم میں لیموں بہت تعداد میں کھانے چاہئیں

سرور جہاں (بھاولپور اسٹیٹ)

تربیت گاہ کا بجٹ

عصمتی بہنوں اور بناتی بچیوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ تربیت گاہ کے بجٹ کی تکمیل ان کی اپنی مدد اور میری کتابوں کے علاوہ اس دورہ سے ہوتی ہے جو میں ہر سال طویل چھٹیوں میں کرتا ہوں اور گو اس سفر میں بھی چندہ عام نہیں کرتا مگر قریب قریب سالانہ بجٹ کا چار پانچہزار روپیہ مل ملا کر پورا ہو جاتا ہے۔

گو میں اعلان یہ بھی کرتا ہوں کہ کوئی صاحب جن کو مجھ پر یا تربیت گاہ پر اعتماد نہ ہو ایک پیسہ نہ دیں مگر پھر بھی حساب برابر شائع کرتا ہوں۔ سنہ ۱۹۲۸ع تک کا حساب کتاب ناظرات کے ملاحظہ سے گذر چکا ہے جس سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ چار سو نو روپے مدرسے کے دینے تھے۔ سنہ ۱۹۲۹ع میں گو میں اس قابل تھا۔ مگر چونکہ ضرورتیں میرے سامنے تھیں میں روانہ ہو گیا لیکن ناگپور ہی تک پہنچا تھا کہ حالت خراب ہوئی اور واپس ہوا۔ سنہ ۱۹۳۰ع کا سشن کس طرح پورا ہوا اس پر میں نے آجتک زبان سے نہ نکالا۔ اور آج بھی نہیں کہتا۔ کیونکہ سوائے پندا اہل دل لڑکیوں کے سوا سب کے واسطے بے سود ہے۔ بحیثیت ایک مسلمان کے اپنی مسلمان بچیوں سے کیا یہ دریافت کرنا غلط ہو گا کہ انہوں نے اپنے گھر کے ہر مہینے سینکڑوں ہزاروں کا حساب دیکھنے کے باوجود کبھی یہ بھی خیال فرمایا کہ میرے دور افتادہ بھائی نے سے یتیم سیکشن پر کیا گذر رہی ہو گی۔ یہ ذکر چونکہ تکلیف دہ ہے اس کو ختم کرتا ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ سال بھی پورا ہوا۔ اور یتیموں نے مجھ سے اچھا کھایا اور پہنا اور اپنی محسن بہنوں اور مہربان بھائیوں کی بدولت خوش و خرم رہیں اور دعائیں دیں

اس سال میرا قصد مدراس یا حیدرآباد دکن کا تھا۔ اور میں سمجھتا تھا کہ ادائیگی قرض اور آئندہ سال کے بجٹ کے علاوہ میں تربیت گاہ کے واسطے ایک مکان خرید لونگا گو اس دورے میں بھی میں نے اپنا اصول ہاتھ سے نہ دیا اور حیدرآباد کی عصمتی بہنوں اور بچیوں ہی کو اس مقصد سے آگاہ کیا۔ مگر افسوس میری توقعات بہت زیادہ تھیں حیدرآباد دکن میرے واسطے قریب قریب ہر صوبہ کے برابر رہا اور میں یہاں کی عصمتی لڑکیوں سے بھی صرف اسی قدر فراہم کر سکا جتنا ہر سال ہر صوبہ سے کر لیتا ہوں تاہم خدا کا احسان ہے اور میری بہنیں اور بچیاں شکریہ کی مستحق ہیں کہ میری بہت سی مشکلات انکی توجہ سے رفع ہو گئیں۔ اور اگر صحت نے اجازت دی تو پندرہ روز کا ایک مختصر دورہ سنہ ۱۹۳۲ع کے بجٹ کی کمی کو پورا کر دیگا۔ مگر بظاہر دسمبر جنوری کی سردی سے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ٹھٹھر کر نہ رہجاؤں۔ اس لئے اب اس بجٹ کی تکمیل بہنوں اور بچیوں کے احساس پر منحصر ہے۔" راشد الخیری

عصمت کے ۳ خاص نمبر

جوبلی نمبر (سنہ ۱۹۲۸ع) عصمت کا وہ بے مثل پرچہ جس سے بہتر جس سے زیادہ شاندار جس سے زیادہ دلچسپ کسی اردو رسالہ کا کوئی خاص نمبر آجتک شائع نہیں ہوا۔ ۲۵۰ صفحوں سے زیادہ کے اعلیٰ درجہ کے مضامین۔ ۴۰ رنگین وسادہ نہایت قیمتی تصاویر ایک تہائی سے زیادہ رنگین چھپائی دوسری دفعہ چھپا ہے یہی اسکی مقبولیت کا ثبوت ہے قیمت ۲ مستقل خریداروں سے ۱ علاوہ محصول

سالگرہ نمبر سنہ ۲۹ع
۲۰۰ صفحوں کے مضامین ۔۴ رنگین وسادہ تصاویر قیمت دو روپے۔ رعایتی ایک روپیہ چار آنہ
محصول علاوہ [illegible]

سالگرہ نمبر سنہ ۳۰ع
۲۰۰ صفحوں سے زیادہ کے مضامین ۵۰ رنگین وسادہ تصاویر قیمت رعایتی ایک روپیہ چار آنہ۔ علاوہ محصول
مینیجر عصمت [illegible]

دکن کی سیاحت

از

مصورِ غم مولانا راشد الخیری مدظلہ

حیدرآباد پہونچنے کے بعد میں نے کام شروع کرنے سے پہلے آٹھ دس روز تک خاموشی سے حیدرآباد کا مطالعہ کیا چونکہ اس سے پہلے میں کبھی حیدرآباد نہیں آیا تھا اس لئے اعلیٰحضرت دام اقبالہ کے دیکھنے کا بھی ارمان تھا۔ میری یہ آرزو ایک روز شام کے وقت اس طرح پوری ہوئی کہ حضور پرنور جنکی حکومت صرف سرزمین دکن پر ہے مگر جو لاتعداد انسانی قلوب پر حکمرانی کررہے ہیں، سادہ لباس زیب تن فرمائے معمولی موٹر میں تشریف لیجارہے تھے میں نے گو ہلکی سی جھلک دیکھی اور مشتاق آنکھیں پوری طرح سیر نہ ہوئیں مگر ان چند لمحوں میں قلب و دماغ پر جو کیفیت گذری اس کا لطف میرا ہی دل جانتا ہے۔ دوسرے ہفتہ میں سب سے پہلے مولوی سید خورشید علی صاحب ناظم کی چار پر گیا۔ سید صاحب سے پہلی ملاقات نہ تھی۔ البتہ آج سے بیس سال پہلے جب میں مخزن و تمدن کو مرتب کررہا تھا اور عصمت کی ابتدائی حالت تھی، میری ان کی خط و کتابت متواتر تین چار سال رہی ہے، میں سمجھتا تھا کہ وہ بڈھے نہیں تو ادھیڑ ضرور ہوں گے۔ میر مہدی علی صاحب شہید اور مولوی عبدالرزاق صاحب بسمل سے بھی وہی مراسم تھے جواب عرصہ سے بند تھے مگر یہاں آکر دیکھا تو تینوں کے تینوں خدا ان کی عمریں دراز کرے ماشاءاللہ جوان ہیں درمضمون نگاری کا شوق طالب علمی کا زمانہ تھا۔ مگر میں بڈھا ہوکر آج بھی ان سے زیادہ جوان ہوں کہ قلم سے کچھ کام لیتا رہا ہوں۔ یہ تینوں کشاکش حیات پر قربان کرچکے اور جس طرح مخزن کے اہل قلم کی تمام جماعت اپنا جلوہ دکھا کر روپوش ہوگئی اسی طرح یہ دماغ بھی خاموش ہوگئے۔ پھر بھی بسا غنیمت ہے کہ اس چیٹک نے پیچھا نہیں چھوڑا۔ سید خورشید علی صاحب کے خالی وقت کا بیشتر حصہ قومی کاموں میں صرف ہوتا ہے شہید صاحب نے جناب سیدہ صلواۃ اللہ علیہا کے نکاح کی ایک نظم سنا کر خاموشی کی تمام شکایتوں کو رفع کردیا۔ بسمل صاحب نے بھی اپنی کتاب تذکرہ جمیل سے شکایت کا وزن ہلکا کردیا۔ دوسرے روز آقا یاور علی صاحب کی بچی کے عقد میں شریک ہونے کا اتفاق ہوا۔ یہ دعوت بیگم سید محمد تقی صاحب کی طرف سے تھی جن کی تشریف آوری کا تربیت گاہ کو فخر حاصل ہے۔ مجھے زنانہ رسوم اور جہیز کا تو حال معلوم نہیں البتہ ایک بات دیکھ کر میرا دل بہت خوش ہوا۔ اور وہ یہ کہ نکاح کے وقت کا جو اعلان کیا گیا اسی وقت نکاح پڑھا دیا گیا اگر حیدرآباد میں یہ پابندی عام طور پر ہے تو شمالی ہندوستان کے مسلمانوں کو اس سے سبق لینا چاہئے۔ جہاں عصر مغرب کے مابین کا قریب قریب ہر نکاح مغرب کے بعد ہی ہوتا ہے۔ اس شادی کے دولہا مولوی ہمایوں علی بیگ صاحب

انجینیر سے مل کر ان کے خیالات سے بہت دل خوش ہوا۔
نکاح کے بعد اس مجلس میں مجھے نواب معین الدولہ بہادر کی
ملاقات کا شرف حاصل ہوا عصمت کو نواب صاحب ممدوح اور
انکی والدہ محترمہ لیڈی آسمان جاہ کے ملاحظہ کا فخر حاصل ہے۔ چند
منٹ معمولی گفتگو کے بعد نواب صاحب موصوف نے مفصل
ملاقات کے لئے آئندہ ہفتہ مقرر فرمایا۔ تیسرے روز متواتر
کئی جگہ سے چاء اور کھانے پر طلبی ہوئی اور اس سے زیادہ کالج
کے طلبا اور مساجد کے خطیب اور انجمنوں کے ناظموں نے وعظ کی
خواہش کی اور یہ اصرار اتنا بڑھا کہ دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ میں نے
کھلے ہوئے الفاظ میں یہ عذر کیا کہ میں حیدرآباد میں دعوتوں
کے واسطے نہیں آیا اور یہ خیال کہ میں واعظ ہوں قطعاً غلط
ہے۔ میں نے (۴۰) (۴۵) سال صرف ایک موضوع یعنے
سلمان عورت پر بسر کئے ہیں۔ میرے سامنے سوا اس کے
وئی چیز نہیں ہے۔ دنیا متغیر ہو چکی قوم بدلی۔ اس کی
عاشرت بدلی۔ تمدن بدلا۔ خیالات بدلے۔ مگر میں اسی جگہ
ڑا ہوں جہاں (۴۰) سال قبل سب سے پہلی کتاب "صالحات"
ے کھڑا تھا۔ میں ممنون ہوں ان حضرات کا جنہوں نے سمجھا
وڑ دیا۔ اور مجھکو وعظ کا اہل نہ سمجھا۔ مگر دعوتوں کا سلسلہ گو
ہو گیا لیکن اب تک جاری ہے۔

۳ رستمبر کو ڈاکٹر ناظر یار جنگ اپنے ہمراہ کالج کلب کے
ـہ میں لے گئے۔ جہاں سر حیدر نواز جنگ، نواب اکبر یار
لک پروفیسر ہارون شروانی اور دوسرے حضرات سے
اتیں ہوئیں۔ مولوی محمد لیاقت اللہ صاحب سولین سے ملکر
ں قدر مسرت ہوئی ہے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔

انکی مرحومہ بیوی صغرا بیگم جب ٹریننگ کا امتحان دینے دہلی آئیں
تھیں تو تربیت گاہ میں ٹھیری تھیں میں سمجھا تھا مولوی لیاقت اللہ
صاحب پرانے تعلقات بھول چکے ہوں گے مگر جس سعادتمندی
اور محبت سے وہ ملے میں دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ وہ فوراً ہی
مجکو اپنی خوشدامن صاحبہ بیگم مولوی محمد یونس صاحب ڈپٹی ڈائرکٹر
جنرل پولیس کے پاس لے گئے۔ جو تربیت گاہ میں ہو آئی ہیں
وہ سنتے ہی باغ باغ ہوگئیں۔ ان کے گھر میں تھوڑی دیر ٹھیرا
کیونکہ محمد یونس صاحب دورہ پر تھے۔ لیاقت میاں نے تیسرے
دن مجھے چاء پر بلایا اور اپنے چند سولین احباب کو مدعو کیا۔
حقوق النسواں پر دیر تک تبادلہ خیالات ہوتا رہا۔ وہاں سے
فارغ ہو کر گھر آیا تو بشیر النسا بیگم صاحبہ کے شوہر غازی میاں اپنی بیگم صاحبہ
کی طرف سے دعوت کا پیام لئے بیٹھے تھے ان سے معلوم ہوا کہ وہ
تین دفعہ پہلے آ چکے تھے۔ عزیزہ بشیر النسا بیگم مولوی محمد اکرام علی صاحب
معتمد نواب خانخاناں بہادر کی بہو ہیں نثر اور نظم دونوں کا ذوق رکھتی
ہیں دوسرے روز انکے ہاں کھانے پر گیا یسین صاحب بھی ساتھ تھے۔
میاں شہید جنکا میں اوپر ذکر کر چکا ہوں قریب قریب روزانہ دونوں
وقت میرے پاس کام میں مدد دینے کے لئے آئے اور اب بھی آ رہے ہیں
ان کے چھوٹے بھائی سید رضا علی حسن عقیدت سے ملے خلوص سے
پیش آئے اور محبت سے استقبال کیا۔ صبح صمصام الدین حیدر صاحب
نواب بشیر جنگ بہادر کے پاس لے گئے اور یہاں آدھ گھنٹے کے قریب
مختلف مسائل پر گفتگو ہوتی رہی نواب بشیر یار جنگ بہادر نہایت خلیق
اور روشن خیال مسلمان ہیں واپسی میں خواجہ عبدالعزیز صاحب وکیل اور
شیخ رحیم بخش کنٹر اکٹر سے بھی ملا اور دونوں سے ملکر مسرور ہوا شام
کو نواب مرزا یار جنگ بہادر کی بیگم صاحبہ کے پاس گیا جو محترمہ مسز

ہمایوں مرزا کے ہاں جلسہ کی صدر تھیں، دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ ان کے دل میں اسلام کا سچا درد موجود ہے۔ باوجود ولایت ہو آنے کے روایت مشرق کے دلدادہ ہیں گھنٹہ بھر سے زیادہ باتیں ہوتی رہیں اور مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ قوم کی حالت کا کافی احساس ان کے دل میں موجود ہے نواب شمشیر زور جنگ مرحوم کی بچی نواب فریدالنسأ بیگم رسالہ عصمت کی اسوقت سے خریدار ہے جب انکی عمر پانچ چھ سال کی تھی میرے وہاں پہنچتے ہی معلوم ہوا کہ یہ عزیز بچی کئی دن سے میرے آنے کا انتظار کر رہی ہے۔ نواب صاحب مرحوم کے صاحبزادے بہت عقیدت و محبت سے ملے کھانیکا اصرار فرما رہے تھے مگر میں نے معذرت کی اور میں دونوں بہن بھائیوں کا ممنون ہوں کہ منظور فرمائی خلیل الزماں صاحب بیرسٹر سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے دعوت پر اس قدر اصرار فرمایا کہ انکار نہ ہو سکا یہ دعوت چونکہ انکی والدہ صاحبہ محترمہ کی طرف سے تھی وہاں حاضر ہوا بہت سے احباب موجود تھے نواب اختر یار جنگ بہادر مولوی غلام ربانی صاحب وغیرہ حضرات سے ملاقات ہوئی۔ بیرسٹر صاحب کی والدہ صاحبہ انجمن خواتین اسلام کی سکریٹری ہیں انہوں نے ایک جلسہ تجویز فرمایا جو مسز نواب امیر حسن صاحبہ کے مکان پر منعقد ہوا مسلم خواتین یہاں بھی کافی تعداد میں جمع ہوئیں اور میں نے پس پردہ تقریر کی اس جلسہ کا چندہ غالباً تین سو روپے کے قریب ہوگا۔ کیونکہ بہت سی خواتین پہلے جلسہ میں موجود تھیں اس کے علاوہ اس جلسہ کی عصمتی بہنیں علیحدہ شرکت کر چکی تھیں افسوس ہے کہ یہاں ایک غلط فہمی کیوجہ سے مکتبہ ابراہیمیہ کو مجھ سے شکایت پیدا ہو گئی نسیمل صاحب جو وقت مجھے بتا کر گئے تھے وہی وقت اس جلسہ کا تجویز ہوا اور چونکہ کارڈ میرے پاس چھپے ہوئے آئے تھے اور تقسیم ہو چکے تھے میں سمجھا کہ مکتبہ ابراہیمیہ اس سے باخبر ہوگا مگر بعد میں مجھے یہ معلوم ہو کر سخت افسوس ہوا کہ چالیس پچاس معزز حضرات مکتبہ ابراہیمیہ میں میرا انتظار فرما رہے تھے رات کو نواب ہاشم یار جنگ بہادر سے ملاقات ہوئی ان کا خلق و محبت دلی شکریہ کی مستحق ہے دوسرے روز مولوی نصیرالدین ہاشمی کے ہاں چاء پر گیا انکی والدہ صاحبہ صاحبہ محترمہ مسز عبدالقادر صاحب جیلر، عصمت کی قدیمی قدردانوں میں سے ہیں انکی فارسی عربی قابلیت بہت اچھی ہے اس خاندان کے سب بچے بتلا رہے ہیں کہ اچھی ماں کی گود کیا معنی رکھتی ہے اسی شام کو بیگم فیاض الدین صاحب وکیل کے ہاں دعوت تھی جو مولوی عبدالسلام صاحب وکیل کی خوشدامن ہیں میاں عبدالسلام صاحب چھ سات مرتبہ دعوت کے لئے آ چکے تھے بالآخر انکی محبت اور خلوص کھینچکر لے ہی گیا یہاں بھی کھانے پر بہت سے آدمی جمع تھے اور گیارہ بجے رات تک نہایت دلچسپ باتیں ہوتی رہیں۔

اورنگ آباد دکن کی ایک بچی
تربیت گاہ کے خوشحال سیکشن میں

مرزا رحیم بیگ صاحب وکیل اورنگ آباد دکن نے جو تعلیمی کوششوں میں کافی شہرت رکھتے ہیں اور دکن کے کامیاب وکیل ہیں اور جن کے دو صاحبزادے ولایت میں تعلیم پا رہے ہیں اپنی صاحبزادی حمیدالنسا بیگم عمر ۸ سال کو تربیت گاہ میں بھیجا ہے یہ بچی خدا اس کی عمر دراز کرے خوش و خرم تعلیم و تربیت حاصل کر رہی ہے۔

مرزا صاحب نے اس بچی کو اس سے پہلے ایک مشہور مدرسہ میں تعلیم کی غرض سے بھیجا تھا مگر صاحب موصوف کو وہاں کا انتظام اور بچی کی حالت مطمئن نہ کر سکی۔ تربیت گاہ کی انتہائی کوشش ہوگی کہ مرزا صاحب کی نگاہ میں مسلمانوں پر جو الزام عائد ہوا ہے وہ رفع ہو جائے۔

سیر بین

بیوی کی فروخت اٹلی میں ایک میاں بیوی نے زندگی سے تنگ آکر ارادہ کیا کہ اس قصہ ہی کو چکا دیں۔ دونوں اس بات پر رضامند ہوگئے کہ بیوی اپنے ایک پڑوسی کو جو اس کے شوہر کا دوست تھا اپنی محبت منتقل کر دے اور پڑوسی نے اس کے بدلہ میں سو لاٹر جو پندرہ روپے کے برابر ہوتے ہیں ایک درجن شراب کی بوتلیں چھ خرگوش اور چند مرغی کے بچے شوہر کو دینے منظور کر لئے۔

معاملہ خوشنودی سے طے ہوگیا اور ہر شخص خوش تھا لیکن بیوی کی ماں نے اس معاملہ کی خبر پاکے بیٹی کو اس کے نئے گھر میں جا لیا۔ اور اسے کھینچ لائی۔ اب دونوں مرد نقدی اور جانوروں کی ملکیت پر قیل و قال کر رہے ہیں۔

دن میں ۱۳ خودکشیاں۔ انگلستان ایک ایسا ملک ہے جہاں ایک دن ۱۳ خودکشیوں کی اوسط ہے بیکاری نے لوگوں کو پریشان کر رکھا ہے جب آدمی وہاں تنگ آجاتا ہے تو جان پر کھیل جاتا ہے۔ ایسے بھی ہیں جو کسی لاعلاج بیماری سے تنگ آکے موت کو پسند کرتے ہیں۔

پچھلے سال انگلستان میں ۴۸۴۴ آدمیوں نے خودکشی کی ۲۰۰ سو نے مرجانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے ان میں سے ۳۵۰ پر مقدمات چلے اور ۳۴ مرد و عورت کو مختلف میعادوں کی سزائیں دی گئیں اور تین پاگل خانے بھیجے گئے۔ یہ بارہا دیکھا گیا کہ قید سے چھوٹنے کے بعد یا ایک مرتبہ خودکشی میں ناکام ہو کے ایک شخص پھر موقع پا کے خودکشی کر لیتا ہے۔ وہاں پر اچانک واتفاقیہ موت پر ایک تحقیقاتی کمیٹی غور کرتی ہے۔ گو عام طور پر مرنے والے خط لکھ کے چھوڑ جاتے ہیں کہ وہ دیدہ و دانستہ مر رہے ہیں لیکن یہ عدالت عمومًا فیصلہ صادر کرتی ہے کہ متوفی نے دماغی خرابی کی وجہ سے خودکشی کی۔ پہلے زمانہ میں خودکشی کرنیوالے کے سینہ میں ایک نیزہ بھونک کے دفن کیا جاتا تھا۔ اب بھی بعض مقامات پر اصلی قبرستان میں ایسوں کو دفن نہیں ہونے دیتے۔

دماغی خرابی کا فتویٰ دینے سے بیمہ کی رقمیں پسماندگان کو ملجاتی ہیں ورنہ نہیں ملتیں عورتوں سے مرد دگنی تعداد میں خودکشی کرتے ہیں۔ مرد سختی سے جان دینے کے طریقوں کو پسند کرتے ہیں لیکن عورتیں کبھی ایسی صورت اختیار نہیں کرتیں جن سے ان کے بدن میں بدنمائی آئے۔

مصطفےٰ کمال کی حسن پرستی۔ ترکی کی طرف سے مُبدجل احمر ایک ۱۶ سالہ لڑکی حسین ترین لڑکی سے منتخب کرکے یورپ بھیجی گئی تھی۔ مگر اس براعظم کے مقابلہ حسن میں اسے کامیابی نہ ہوئی ہسپانیہ کی ایک لڑکی یورپ کی حسینہ قرار دیگئی۔ اس لڑکی کی ناکامی کی وجہ یہ دریافت ہوئی کہ ترکوں نے اپنے معیار حسن کے مطابق ایک فربہ اندام لڑکی کو منتخب کیا۔ اور یورپ چھریرے بدن کو لوازمہ حسن قرار دیتا ہے۔

ترکی کے فیصلہ کرنے والوں نے جب اس لڑکی کو اس ملک کی سب سے زیادہ حسین عورت قرار دیا تو مصطفےٰ کمال نے خود اسے مبارکباد دی۔ اس کا جلوس نکالا گیا۔ چند ماہ گذرنے کے بعد اس نے اس کے والدین کو دعوت دی کہ لڑکی کو یلوا کے مقام پر بطور مہمان بھیجدیا جائے۔ جہاں وہ اپنے کسی مرض کے علاج کے لئے حمام کر رہا تھا گو وہ بادشاہ نہیں ہے لیکن اس کی دعوت حکم کے معنوں میں لیجاتی ہے اور ترکی میں اس کے حکم کی تعمیل نہ کرنے کی کسی میں جرات نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ مصطفےٰ کمال کے اس قسم کے واقعات بہت سے ہیں۔ ملک کو اغیار سے بچانے اور ترکی کو مضبوط بنا دینے کی شہرت کی وجہ سے لوگ اس کی غلطیوں سے اعراض کر جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ انقرہ میں بڑی سلطنتوں کے مدبر آئے ہوئے تھے ان کے اعزاز میں دعوت دی گئی جس میں ایک رقاصہ نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرلی۔ جب اسپر واہ واہ کے دو ے برس لئے اس نے اس کے پاس جاکے اس کے رقص پر اسے مبارکباد دی۔ پھر سوچ کے کہا کہ اس کے مکان پر چل کے دعوت میں شریک ہو اس رقاصہ کو اس حکم کے ماننے کے سوا چارہ کار نہ تھا اسکو اپنے ہاتھ سے سہارا دیتا ہوا وہ اس جگہ سے چلا گیا۔ اور کسی سے رخصت بھی نہ چاہی۔

موسم اختیار میں۔ امریکہ کے ایک سائنسداں نے دعوی کیا ہے کہ وہ موسم کو اپنے قابو میں کرسکتا ہے۔ چنانچہ ایک گھوڑ دوڑ کی انجمن نے اس سے معاہدہ کرلیا ہے کہ ہر سورج چمکنے کے دن اسے دو سو پونڈ دئے جائینگے اور ہر دو ہفتہ کے روز پانچسو پونڈ ملیں گے۔ اگر بارش ہوگی تو اس سے دگنی رقم ضبط ہو جائے گی۔ اس معاہدہ کی وجہ یہ ہوئی کہ پچھلی گھوڑ دوڑ کے موقع پر ہفتہ بھر برابر بارش ہوتی رہی اور سارا مزا کرا ہوگیا۔ اس شخص کا دعوی ہے کہ وہ ایک آلہ کے ذریعہ بارش یا دھوپ پیدا کرسکتا ہے۔ اس دفعہ اس معاہدہ کرنیوالی کمپنی کی گھوڑ دوڑ کے موقع پر پہلے روز آسمان ابر آلود تھا۔ اس نے اپنا آلہ میدان میں قائم کیا۔ اور حقیقت میں بادل منتشر ہوکے دھوپ نکل آئی۔ اس نے امریکہ کے سرکاری محکمہ کو کہلا کے بھیجا کہ امساک باران کو وہ دور کرسکتا ہے لیکن وہاں سے جواب

صاف ملایا کہ اسے یقین نہیں کہ کوئی شخص موسم پر قابو پا سکتا ہے۔

سمندر کی تہ۔ علم الارض والوں کا خیال ہے کہ زمین پہلے ان مقامات میں بنی جہاں سمندر اب ہیں۔ چنانچہ وہ طرح طرح سے سمندر کی تہ کا مطالعہ کرنے کی کوششیں کرتے ہیں۔ ایک فولادی خول بنایا گیا ہے۔ جو قطر میں چھ فٹ اور جسامت میں ۱½ انچ ہے۔ اس میں ایک کھڑکی چھ انچ چوڑی لگائی گئی ہے۔ باہر زبردست روشنی کی شعاعیں نکلتی رہتی ہیں نیچے پانی کا دباؤ بہت زیادہ ہے۔ ان لباسوں کو پہن کے نیچے اترنے والوں کا تعلق سطح سمندر کے اوپر والوں سے ہر وقت رہتا ہے۔ آکسیجن ہوا کے عوض ان کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ سمندر کی تہ میں مچھلیاں اپنی روشنی بوقت ضرورت نکالتی رہتی ہیں۔ اسوقت ایک پر لطف نظارہ ہوتا ہے سمندر میں پہلے سرخ روشنی نظر نہیں آتی۔ اسکے بعد نارنجی۔ پھر زرد۔ سبز ذرا دیر تک نظر آتی ہے۔ نیلا رنگ بہت دیر تک نظر آتا رہتا ہے اتنی گہرائی پر عجیب قسم کا نیلا رنگ پھیلا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

اگر سمندروں کی تہ کا مطالعہ بخوبی کیا جا سکا تو ایک ارب برس پہلے کے حالات معلوم ہو سکیں گے۔ کھنڈرات پانی کی تہ میں نظر نہیں آئیں گے۔ کیونکہ پانی کے اتنے دباؤ میں ہر چیز گھل جاتی ہے۔

ایک عورت کا بہروپ تاریخ کئی ایسی مثالیں پیش کرتی ہے کہ عورتوں نے مردوں کا بھیس بدلکر بڑے بڑے کام کئے اور مرتے دم تک کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

ایک انگریز عورت نے مردانہ بھیس بدلکر اتنی ترقی کی کہ وہ فوج کے محکمہ طبابت کے انسپکٹر جنرل بنگئی۔ وہ ۱۷۹۰ء میں پیدا ہوئی۔ مردانہ ہاسپٹل اسسٹنٹ کے طور پر وہ فوج میں بھرتی ہوئی۔ ۱۸۱۰ء میں اسسٹنٹ سرجن ۱۸۲۷ء میں سرجن میجر ۱۸۵۱ء میں ڈپٹی اسسٹنٹ جنرل اور ۱۸۵۸ء میں انسپکٹر جنرل ہو گئی اور ۱۸۵۹ء میں نصف تنخواہ پر پنشن یاب ہو گئی وہ جیمس میری کے مردانہ نام سے مشہور تھی۔ شمالی انگلستان میں ہیضہ پھوٹ پڑنے کا ملکہ وکٹوریہ نے اپنے خطوط میں ذکر کیا ہے۔ وہاں اس کا بھی ذکر ہے۔ سرکاری کاغذات میں اسے نہایت لائق آدمی قرار دیا گیا ہے۔ آواز میں کچھ نسائیت پائی جاتی تھی جیسے وہ بہت کچھ چھپاتی تھی۔ اس کے بال سرخ تھے۔ رخسار کی ہڈی اٹھی ہوئی تھی۔ اس نے مالٹا اور کیپ کالونی میں بھی عمدہ کام کئے۔ ۱۸۶۵ء میں جب وہ مری تو اس نے وصیت کی کہ اسکی لاش کو چیرا پھاڑا نہ جائے لوگوں میں اسبات نے استعجاب پھیلایا۔ انہوں نے جستجو کی تو اس کا زنانہ پن ظاہر ہوا۔ اس کا ایک حبشی نوکر تھا اسے نہ اس کے عورت ہونے کی خبر تھی اور کسی کو اس کے سوا مرتے دم تک خبر نہ ہوئی۔

آدمی کی ابتدا۔ اب تک یہ پتہ نہیں چل سکا کہ آدمی کی ابتدا کس طرح ہوئی۔ علم ارتقا والے اسے بندر سے متعلق کرتے ہیں۔ چین میں ایک کھوپری ملی ہے جس کے متعلق خیال ہے کہ دس لاکھ سال پہلے کی ہے۔ ڈاکٹر سمتھ لندن

یونیورسٹی کا ایک ماہر علم ابدان چین کو روانہ ہو گیا ہے تاکہ وہ اس مسئلہ کی تحقیقات کرے۔ جاوا میں ۱۸۹۱ء میں ایک کھوپری ملی تھی۔ اور ایک انگلستان میں ۱۹۱۲ء میں ملی تھی۔ یہ بالکل بندر سے ملتی جلتی ہیں جس سے یہی نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ آدمی پہلے بندر تھا۔ چین والی کھوپری زیادہ پرانی ہے۔

ٹوٹے ہوئے تارے۔ ایک وقت تھا کہ لوگوں کو تاروں کے ٹوٹنے کا یقین ہی نہ آتا تھا۔ اب سائنسدان اسپر ایمان لے آئے ہیں۔ گریٹ نما کوالینڈ میں ایسے تاروں کے ڈھیر کے ڈھیر پڑے ہوئے ہیں۔ یہاں کسی زمانہ میں ایسے تاروں کی بارش ہوئی تھی۔ وہاں کے باشندے ان کے ہتھیار بنا کے رکھتے ہیں۔

دس سال ہوئے ڈمارالینڈ میں ایک بڑا تارا ٹوٹ کے گرا۔ وہ اب تک وہیں پڑا ہے۔ یہ مقام جنوب مغربی افریقہ میں گروٹ فونٹین سے ۱۲ میل مغرب میں ہے۔ اسکی ہموار سطح پر چاروں طرف بارہ آدمی ایک ساتھ چل پھر سکتے ہیں اس کا وزن ۵۰ سے ۷۰ ٹن بتایا جاتا ہے اس سے پہلے سب سے بڑے تارے کا وزن ۳½ ٹن تھا جو ملبورن کے نزدیک ۱۸۵۴ء میں ہوا تھا۔

۱۳ دسمبر ۱۸۹۵ء کو سکارپور کے نزدیک ۸۰ سیر وزنی تارا گرتا دیکھا گیا۔ وہ عجائب خانہ میں رکھ لیا گیا ہے عجائب خانہ میں اور تارے بھی ہیں جو انگلستان میں ۱۹۲۳ء ۱۹۱۴ء ۱۹۰۲ء ۱۸۳۵ء ۱۸۳۰ء میں گرتے دیکھے گئے

بعض اوقات ان تاروں کی بیک وقت بارش ہو جاتی ہے۔ ۳۰ جنوری ۱۸۶۸ء کو ایک لاکھ پتھر جو وزن میں ۲۰ گرین سے ۱۰ سیر تک تھے۔ پولینڈ میں پل ٹسک کے قریب پانچ مربع میل کے رقبہ پر گرے۔ اور ۱۹ جولائی ۱۹۱۲ء کو ۱۴ ہزار آدمی زدنہ میں گرے جن میں بعض کی جسامت انگور کے بیج کے برابر تھی۔ اری زدنہ امریکہ میں میکسیکو کے اوپر واقع ہے۔

اب تک ایسے موقعوں پر کسی اتلاف جان کی اطلاع نہیں ملی۔ البتہ ایک مرتبہ تین بچے بال بال بچے۔ بوہیمیا میں وہ ایک کمرہ میں پڑے سو رہے تھے کہ جولائی ۱۸۴۷ء میں دو لوہے کے ٹکڑوں میں سے ایک چھت توڑ کے اندر آیا اور ساری چھت کا ملبہ ان بچوں پر گر گیا۔

محمد ظفر

زادِ راہ

عصمت کی ناظرات ایک آنے کے ٹکٹ محصول ڈاک کے لئے بھیجکے یا بیرنگ۔ یہ رسالہ پتہ ذیل سے منگا سکتی ہیں۔ اس میں حسب معمول قصہ کے پیرایہ میں نماز کا فلسفہ نماز جنازہ اور تجہیز و تکفین کے طریقے بیان کئے گئے ہیں۔ انجمن رفیق الاسلام کا یہ آٹھواں رسالہ ہے۔ بڑی اچھی خاموش تبلیغ ہے۔ محمد ظفر ایم اے وکیل گوڑگانوہ

خواتین ہند

بیگم صاحبہ شاہ نواز کے خیالات

میاں سر محمد شفیع صاحب کی صاحبزادی بیگم صاحبہ شاہ نواز ولایت گول میز کانفرنس میں شرکت کی غرض سے بحیثیت نمائندہ کے تشریف لے گئی ہیں۔ لندن کے ایک اخبار ڈیلی ہیرلڈ کے نمائندہ سے دوران گفتگو میں آپ نے خواتین ہند کی موجودہ حالت پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ ناظرات عصمت کے لئے ترجمہ ذیل میں پیش کرتا ہوں۔

مشرق، مشرق ہی ہے اور مغرب، مغرب ہی ہے مگر ہند جدید میں بہت سی اہم تبدیلیاں ہو گئی ہیں دور حاضرہ میں ہماری ہندستانی خواتین کی حالت مغربی عورتوں کے مقابلہ میں چند اعتبار سے بہتر ہے۔ حقیقتاً یہ امر موجب استعجاب نہیں ہے کیونکہ ملکی تاریخ میں خواتین ہند کا نمایاں پہلو رہا ہے گو کہ ان کی نقل و حرکت ظاہرانہ رہی ہو مگر ان کی شخصیت کا اثر اہم ترین رہا ہے ہمیشہ وہ گھر کی حاکم رہی ہیں بمنزلت ملکہ کی مثل ہے کہ اگر شوہر نیک مزاج ہے تو عورت گھر کی ملکہ ہے۔ شوہر ہمیشہ اپنی بیبیوں سے کاروباری معاملات میں مشورہ لیتے ہیں بہتیری مغربی خواتین کو اس کا علم ہی نہیں ہے کہ ان کے شوہروں کی کیا آمدنی ہے۔ پر ہماری خواتین کی کیفیت بالکل جداگانہ ہے کیونکہ ہمارے یہاں بی بی خاندان میں وزیر مالیات کے فرائض انجام دیتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمامی اخراجات ایک ضابطہ کی تحت میں ہوتے ہیں۔ ہر خرچ کا علم عورت کو ہو جاتا ہے اس لئے مرد اسراف سے اجتناب کرتے ہیں، مغربیت سے متاثر ہو کر چند نوجوان اس خیال کے ہو گئے ہیں کہ خاندان کے آمد و خرچ کا حساب عورت کی نگرانی میں نہ رہے۔

مسرت و غم

مشترکہ ہندوستانی خاندان کے طریقوں کے متعلق ہندوستان میں لوگ بہت کم واقف ہیں۔ ہمارے ملک میں خاندان کا ہر فرد ایک دوسرے کے غم و مسرت میں شریک ہوتا ہے جبکہ ممبران خاندان میں خوشی و اتفاق کا ایک دریا بہتا نظر آتا ہے امور خانہ داری میں ہر شخص آزادانہ طور پر ایک دوسرے کو رائے دیتا ہے میری رائے میں وراثت اور جائداد کے معاملہ میں خواتین ہند کی حالت انگلستان کی عورتوں کے مقابلہ میں بہتر ہے انیسوی صدی میں شادی شدہ عورتوں کا قانون وجود میں آیا ہے اور اسلام نے ساڑھے تیرہ سو برس قبل عورت کی وراثت کے قوانین منضبط کر دیئے ان قوانین کے بموجب باپ کی جائداد سے لڑکی کو حصہ ملتا ہے۔ ہندوؤں میں بھی عورتوں کو معقول گذارہ ملتا ہے یہ ہمیشہ سے رواج چلا آتا ہے کہ عورت کے نام جائیداد شادی کے بعد بھی تا عمر رہتی ہے حال ہی سے مغرب کی تقلید میں عورتیں باپ اور شوہروں کے نام سے منسوب کی جاتی ہیں ورنہ وہ ہمیشہ یاد کی جاتی تھیں جو بوقت پیدائش رکھا جاتا تھا اس کے اندر نکتہ یہ تھا کہ تمام عمر اپنی ایک خاص شخصیت رہے۔ آج بھی بہت سے لوگ ہیں جو اپنی عورتوں کو "مسز" کہہ کر یاد کرنا معیوب جانتے ہیں۔ ہم نے جو انگلستانی پوشاک نہیں اختیار کی اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے قومی لباس کو ترک کرنا نہیں چاہتے۔ جو کہ ہمارے ملکی ضروریات کے لئے موزوں ثابت ظاہر کرتا ہے۔

ہمارے مسائل آج ہمارے سامنے بہت سے اہم معاشرتی مسائل ہیں منجملہ ان کے ایک پردہ ہے جو عورتوں پر قیود عائد کرتا ہے کہ وہ دنیا کو جھروکوں سے دیکھیں اور بجز اپنے اعزہ کے کسی کے سامنے بے نقاب نہ ہوں صغرسنی کی شادیاں اب بہت کم ہوتی ہیں۔ ایک سے زائد شادیاں اب بھی سننے میں آتی ہیں اور ابھی یہ رسم ترک نہیں ہوئی ہے۔

تعلیمی ترقی کے ساتھ مرد اور عورت دونوں اپنے فرائض ملک، سوسائٹی اور خاص کر آیندہ نسل کے متعلق سمجھتے ہیں۔ بہت سی اصلاحات عمل میں آگئی ہیں۔ پردہ تیزی کے ساتھ غایب ہو رہا ہے کیونکہ یہ ترقی کی راہ میں حارج ثابت ہو رہا ہے اس لئے نہیں کہ پس پردہ عورتوں کی زندگی ناخوشگوار تھی۔ امر حقیقت یہ ہے کہ جب عورت ایک اچھا شوہر، پیارے بچے اور خوش گھر رکھتی تو اس کی ذات کو کسی اور شے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ ہم ترقی کی راہ میں کسی سے پیچھے نہ رہیں گے۔ قانون کے نفاذ سے صغرسنی کی شادیاں معدوم ہو جائیں گی۔ جنوبی ہند میں یہ رسم کثرت سے جاری ہے۔ ایک سے زاید شادیاں بھی کم ہوتی ہیں۔ ہندوستان میں ہر نوشاہ سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ جہیز میں زیورات اور سامان عروس کو دے پس ایک سے زاید بی بی شوہروں پر بار ہو جائیں گی۔ نیز اکثر صوبجات میں عورتوں سے زاید مرد ہیں۔

معاشرتی خدمت تقریبًا ہر صوبہ میں عورتوں کو حق نیابت حاصل ہے۔ پبلک کاموں میں وہ عملی حصہ لیتی ہیں کونسلوں کی ممبر بھی ہیں۔ زچہ بچہ کے مرکز بھی بہت قایم ہو گئے ہیں۔ لیڈی چیمسفورڈ سابق وائسرائے کی اہلیہ صاحبہ نے اس سلسلہ میں ہندوستان کی بڑی خدمت کی ہے۔ آج ہماری خود انجمنیں ہیں۔ جن کی تحت میں فاضل ڈاکٹروں کی نگرانی میں دودھ و دیگر ضروریات کی فراہمی کا انتظام ہے۔

ہندوستان میں چھوٹے بچوں کی زیادہ اموات کے بہت سے اسباب ہیں۔ گرم آب و ہوا مختلف امراض۔ صغرسنی کی شادیاں۔ ماؤں کی جہالت۔ دودھ کی کم یابی۔ یہی ایک مسئلہ ہے جس کی طرف ہندوستانی خواتین کو خاص توجہ ہے ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے اچھی طرح نشو و نما پا کر اچھی صحت والے شہری ہوں۔

تعلیم کے جبریا کرنے کی سخت ضرورت ہے جس قدر جلد ہو اسی قدر بہتر ہے۔ بیشتر ہماری عورتیں اپنی مادری زبان میں خط و کتابت کر سکتی ہیں اعلی طبقہ فارسی اور عربی جانتا ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ ہمارا مشرقی ادب ترقی کرے۔ ملک میں متعدد اسکول اور کالج قائم ہیں جن میں ہر فرقہ و جماعت کے بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں مگر یہ ناکافی ہے۔ عام اور ہر شخص کے لئے تعلیم کی ضرورت ہے۔ جو کچھ بھی نتیجہ ہو۔ ہند جدید کی خواتین ملکی کام میں پورے طور پر ہاتھ بٹانے کے لئے تیار ہیں۔

عبدالحئی عباسی بی۔ اے

عصمتی دسترخوان کے دوسرے حصے

بچوں اور بیماروں کے کھانے

عصمتی دسترخوان کے دوسرے حصے شائع کرنے کا خیال میں نے جون کے پرچہ میں ظاہر کیا تھا مگر چھ مہینے گذر گئے اور دو سے زیادہ کتابیں میں مرتب نہ کر سکی۔ بڑی وجہ تو یہ ہے کہ کہ ان دنوں خانگی ذمہ داریوں میں مصروفیت زیادہ رہی پھر ایک یہ بھی وجہ ہے کہ گو ترکیبیں زیادہ تر ان ہی بہنوں نے بھیجی ہیں جو عصمتی دسترخوان حصہ اوّل کی تیاری میں حصہ لے چکی ہیں۔ تاہم اپنے اطمینان کے لئے جب میں نے دس بارہ ترکیبوں کا تجربہ کیا تو ان میں بھی دو ایک ترکیبوں میں کچھ نہ کچھ کسر نکلی۔ بہرحال عصمتی ہنڈ کلیا، اور ناشتہ یہ دو کتابیں تو اس ماہ کے آخر تک شائع ہو جائینگی۔ مگر بچوں اور بیماروں کے کھانے کی اشاعت کے لئے بہنیں ابھی ایک مہینہ اور انتظار کریں۔ ان دونوں کتابوں کے لئے میں نے درخواست کی تھی کہ صرف تجربہ کار بڑی عمر کی خواتین ترکیبیں بھیجیں۔ مجھے خوشی ہوئی کہ بہنوں نے اس کا خیال رکھا مگر انتخاب کرنے کے بعد یہ ترکیبیں نہ صرف تھوڑی بلکہ بہت ناکافی ہیں ہیں اس لئے اور جو جو **بڑی عمر کی تجربہ کار خواتین** بیماروں کے کھانوں اور (۲) بچوں کے کھانوں کے واسطے ترکیبیں یا مفید مضامین بھیجنا چاہیں **۱۵ دسمبر** تک بھیج سکتی ہیں۔ ان کتابوں کی اشاعت سے شہرت یا ناموری میرے پیش نظر نہیں ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ جن بہنوں کی مدد سے یہ کتابیں تیار ہو رہی ہیں وہ بھی صرف اپنی بہنوں کی خدمت کے لئے یہ تکلیف اٹھا رہی ہیں۔ اس لئے التماس ہے کہ جس چیز کی ترکیب بھیجی جائے خواہ پہلے سینکڑوں ہی دفعہ تجربہ کی گئی ہو مگر ان کتابوں کے لئے پھر تجربہ کر کے دیکھ لیں کیونکہ ذرا سی غلطی سے ہزاروں بہنوں کا روپیہ برباد اور وقت ضائع ہوگا بغیر تجربہ کی ہوئی پچاس ترکیبوں کے مقابلے میں صرف دو تجربہ کی ہوئی صحیح ترکیبوں اور صرف ایک کار آمد مضمون بھیج آپ اپنی صنف کی بڑی خدمت کر سکتی ہیں۔ جو وزن لکھا جائے اس کا بھی پورا خیال رکھئے کہ کمی بیشی کی مطلق ضرورت نہ پڑے اور اشیا کا نام عام فہم ہو۔ ترکیبوں کے ساتھ جو خط بھیجا جائے اس میں یہ الفاظ ضرور ہوں کہ "ترکیبیں تجربہ کرنے کے بعد بھیج رہی ہوں" خط میں اپنا نام اور پورا پتہ لکھئے ہر ترکیب الگ الگ کاغذ پر صرف ایک طرف ہو اگر ان ہدایتوں کا خیال رکھ کر تجربہ کار بڑی عمر کی بہنیں ۱۵ ر دسمبر تک ترکیبیں بھیجینگی تو کتابوں میں شامل ہو سکیں گی ورنہ نہیں۔

مجھے امید ہے کہ ہمارے محترم بھائی کپتان نصیر الدین احمد صاحب ریلوے سرجن، ڈاکٹر محمد اعظم صاحب جراحی میڈیکل افسر اور ڈاکٹر سعید احمد صاحب آئی ام ڈی بھی ان کتابوں کی تیاری میں حصہ لیں گے اور اپنے برسوں کے تجربہ سے ہزاروں خواتین کو ممنون فرمائیں گے۔ تیسری کتاب "مشرقی و مغربی کھانے" اگر خدا کو منظور ہوا تو آخر جنوری میں مرتب کر لوں گی۔ اور اس میں صرف وہی ترکیبیں درج کی جائینگی جو اس سے پہلے کے حصوں میں شائع نہیں ہوئیں گو اس حصہ کے لئے بہت کافی ترکیبیں آ چکی ہیں تاہم اور جو جو خواتین حصہ لینا چاہیں تجربہ کرنے کے بعد ۱۵ ر جنوری تک ترکیبیں اور مفید مضامین بھیج سکتی ہیں۔

آمنہ نازلی

وتیوں کا بیگ (نمبر۱)

از راضیہ بانو فیروز

ترکیب — جتنا چوڑا بھی بیگ بنانا چاہیں اس سے دوگنا
یادہ دھاگہ لے کر پوتھی پرولیں اور ایک ہار کی شکل میں بنالیں
یکھئے نقشہ نمبرا

پھر تین تین پوتھی لے کر ہر تیسرے موتی میں پروتی
جائیں اس طرح سے جتنا لمبا رکھنا چاہیں ایک موتی بیچ
ں چھوڑ کر ہر تیسرے میں پروتی جائیں پھر آخر میں لمبا ہو جانے
تم کر کے چھوڑ دیں بیگ تیار ہو گیا۔ دیکھئے نمبر۲

جو بہنیں موتیوں کے کام جانتی ہیں ان کے لئے تو بالکل
ان ہے۔ اگر عصمتی بہنوں نے ایسے موتیوں کے کام کو
ند فرمایا تو انشاء اللہ تعالے آیندہ بھی ایسے موتیوں کے
م کی چیزیں ارسال کروں گی۔

اون کی واسکٹ (نمبر۲)

عصمتی بہنوں کے لئے ایک ویسکٹ کی ترکیب ذیل میں تحریر کرتی
بہت آرام دہ اور آسان ہے اس کو ہر ایک بہن تیار کر سکتی ہیں
کٹ کے لئے ان چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ اون دو رنگ
موٹی سوئی۔ جالی مخمل برائے گوٹ (بقیہ صفحہ ۴۹۹ پر دیکھئے)

نمبر۲

(بقیہ مضمون صفحہ ۴۹۶)

اون دو قسم کی لینا چاہئے کیونکہ واسکٹ تیار ہونے
پر خانہ کے کونے پر چھوٹی چھوٹی بند کی ڈالی جاتی ہے
مگر اس میں بہت تھوڑی اون لگتی ہے سوئی اس قدر
موٹی رہے کہ اون آسانی سے ناکے میں جا سکے جالی
جیسا کہ نقشہ سے ظاہر ہے اس قسم کی رہتی ہے ۔
پہلے جالی میں جتنی بڑی کہ واسکوٹ بنانا منظور ہو پنسل
سے نشان کر لیا جائے تاکہ اون واسکٹ سے زیادہ
بڑھکر بیکار نہ ہو جائے اون کو سوئی میں ڈال کر ابتدا
مطابق نقشہ ج سے کریں ۔ اور ب سے دال تک د
سے س تک لادیں اور اسی طرح آخر میں مضبوط ٹانکہ دیکر
اون توڑ لیں۔ پھر ص کے پاس سے شروع کریں اور ف سے
ق تک لادیں اور اس طریقہ سے آخر تک ختم کریں ۔ پھر ط
سے ییکر ق اور ل تک لادیں غرض کہ اس طریقہ سے خانے بھر لیں
اور پھر اوپر سے جو خانے بھرے گئے ہیں خوب اس خانہ سے ملا کر
پہلے کی طرح شروع کریں لیکن یہ خیال رہے کہ اون خوب برابر کرتی
جائیں ورنہ جالی معلوم ہوگی تیار ہونے پر مخمل کی گوٹ یا حسب
پسند سادی ولسیکٹ سی لیں اور اگر بچوں کی واسکٹ بنانی
ہو تو بیچ میں جالی کے دس دس خانے چھوڑنا چاہئے بغیر خانے
کے ہرگز نہ بنائیں ورنہ اس طرح سے خراب ہو جائیگی ابتدا کرتے
وقت تمام خانے گن کر اون ڈالنا چاہئے اور بند کی کے پاس
کے پاس جیسے بخیہ کیجاتی ہے اسی طرح سے رہے یہ واسکٹ
بے آرام وہ اور خوبصورت ہے ۔ میں نے اپنے چھوٹے
بھائیوں کے لئے بنائی ہے ۔

سرور جہاں ۔ اعظم گڈھ

کیا شان احمدی کا چمن میں ظہور ہے
ہر گل و ہر شجر میں محمد کا نور ہے

کروشیا میں شعر اس کے بنانے کی ترکیب نہایت آسان ہے ٹمنگ کارڈ پر اون سے بنا کر کمرہ میں آویزاں کریں نیز تکیہ کے غلاف پر نہایت موزوں ہوگا ۔ **انور سلطان ۔ آگرہ**

دستِ کرم

تربیت گاہ کے لئے حیدرآباد کی عصمتی بہنوں اور بھائیوں کا چندہ (بقایا دسکہ عثمانیہ): حسبِ ذیل ہے :۔

محل احسن الزماں صاحب انجینیر عہ ازنانہ زیر سلیمان بھائی صاحب نیجرل عہ اہلیہ مولوی احمد عبدالقادر صاحب معہ / احمد محی الدین صاحب صہ / مولوی عبدالغنی صاحب صہ / مولوی نوح الحسن صاحب وکیل غہ / مولوی اخلاق حسین صاحب زبیری للعہ ۲۴ ۔ پنڈت دیوی داس راؤ صاحب غہ / مسٹر شیوراج کنٹریکٹر غہ / عبدالحکیم صاحب وکیل صہ / ۔ بیگم اخلاق حسین صاحب یک کرہ طائی ۔ متفرق عہ عامل پٹہ خانہ حبیب بھائی صاحب ہمشیرہ مسٹر اخلاق صاحب مولوی عبداللہ سید سلطان الدین صاحب عہ /

جالنہ ۔ مولوی محمد ایوب صاحب ۔ محبوب علی صاحب ۔ افضل علی صاحب ۔ مصطفیٰ علی صاحب ۔ مولوی عبدالحکیم صاحب عبدالوحد صاحب صہ ۔ صہ / کل ۳۰ / محمد خاں صاحب غہ /

اورنگ آباد ۔ احمد بادشاہ صاحب عہ / مولوی سید احمد صاحب وکیل عہ / سعیدہ بیگم صاحبہ عہ / مولوی محمد تقی نانڈیر صہ /

از دیجاپور ۔ مولوی ابرالحسن صاحب عہ ۔ مولوی غلام محی الدین صاحب ۱۲ / سید غلام معین الدین صاحب صہ از رجسٹریشن معرفت پیشکار صاحب صہ / متفرق معرفت پیشکار صاحب و سررشتہ دار صاحب غہ /

جلسہ انجمن خواتین دکن کا چندہ جو مسز ابو سعید مرزا صاحبہ نے وصول کیا ۔ بیگم نواب مرزا یار جنگ ، مسز ابو سعید مرزا صاحبہ عہ / مسز غلام محمود صاحب قریشی عہ وضع کرکے جن کا ماہ گزشتہ میں اعلان ہو چکا ہے للعہ ۱۴۲ ہوتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے : محل سید علی اکبر صاحب ۔ ۴۲

دس دس روپیہ از محلات سمیع اللہ شاہ صاحب ۔ حسین علی خانصاحب ۔ محمد احمد مرزا صاحب ۔ سید محمد تقی صاحب ۔ رحمتہ اللہ صاحب ۔ حسین علی مرزا صاحب ۔ عبدالکریم صاحب ۔ فخرالدین علی خانصاحب ۔ غلام مصطفیٰ صاحب ۔ اور **پانچ پانچ روپیہ** از محل قادر نواز جنگ مرحوم راجہ سعید صاحب ۔ عبدالحفیظ صاحب ۔ عبدالباقی صاحب ۔ سیف علی خان صاحب ۔ متفرق بذریعہ مسز ابو سعید مرزا صاحب للعہ ۱۴

جلسہ انجمن خواتین کا اسلام کا چندہ (جو محترمہ مسز منیر الزماں صاحبہ کے ذریعہ وصول ہوا) محل سید عبدالقادر صاحب کے عہ / وضع کرکے جس کا اکتوبر کے پرچہ میں اعلان ہو چکا ہے ۔ نیز مرزا مہدی علی خان کے للعہ / وضع کرکے جو سکہ انگریزی کی فہرست میں ہے للعہ ۱۷ ہوتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے ۔

دس دس روپیہ از محلات ڈاکٹر خورشید حسن صاحب ۔ نواب امیر حسن صاحب ۔ ابوالحسن سید علی صاحب ۔ سید عباس صاحب ۔ نواب سراج یار جنگ بہادر ۔ مرزا قربان علی صاحب جاگیردار ۔ سید محمد تقی صاحب انجینیر ۔ محبوب علی صاحب ۔ شمشاد حسین صاحب ۔ خلیل الزماں صاحب بیرسٹر ۔ **پانچ پانچ روپیہ** از محلات عبداللطیف خان صاحب ۔ سید علی محارب صاحب ۔ ڈاکٹر ارسطو یار جنگ ۔ مرزا محمد علی صاحب ۔ عزیز علی صاحب ۔ عبدالقادر صاحب ۔ انور علی صاحب ۔ سجاد حسین صاحب ۔ رضی الدین صاحب عبدالوحید صاحب آرمو ۔ عبدالحمید صاحب مددگار **چار چار روپے** از محلات ڈاکٹر لطیف سعید صاحب ۔ عبدالحمید صاحب تاجر ۔ سید عبدالقادر صاحب ۔ متفرق بذریعہ محترمہ مسز منیر الزماں صاحبہ للعہ /

سکۂ انگریزی ۔ سید علی اصغر صاحب بلگرامی حیدرآباد عہ ابوطالب سید عمر صاحب حیدرآباد عہ / مولوی محمد باقر صاحب معتمد فوج عہ ۔ بنت مرزا مصطفیٰ بیگ صاحب وظیفہ یاب عہ / مسٹر بنرجی فریدوں جی جالنہ عہ عبدالقادر صاحب غہ / حاجی موسیٰ صاحب غہ / عبدالغنی صاحب عہ / رحیم داد خاں صاحب صہ / متفرق از رحیم الدین صاحب ۔ تحصیلدار خانصاحب غلام محمد خانصاحب از جالنہ عہ / مولوی مرزا رحیم بیگ صاحب سہ / بیگم غلام احمد صاحب عہ / محل وقار الدین صاحب صہ / بنت مولوی ظفر علی صاحب صہ / از دیجاپور / مولوی عبدالکریم خانصاحب غہ / مولوی نذیر احمد صاحب صہ / مولوی بشیر الدین احمد صاحب صہ / مولوی سعید اللہ صاحب صہ / مولوی عیسیٰ خانصاحب عہ ۔ مولوی غلام محمود صاحب صہ / مولوی حبیب اللہ صاحب عہ / مدرسہ سلطانیہ بدست مولوی عبدالکریم خانصاحب غہ / متفرق بذریعہ سررشتہ دار صاحب دیجاپور عہ / **از بھساول** ۔ ہاشم سیٹھ دوکان بکوجان ۔ محمد صاحب عہ / حاجی ابوحاجی عمر صاحب عہ / رخان بہادر قمر الدین صاحب صہ / نور محمد عبداللہ صاحب صہ / ۴۲

۴۲ متفرق بذریعہ سیٹھ ہاشم صاحب بھساول عہ ۱۲ مرزا مہدی علی خانصاحب حیدرآباد دکن للعہ /

[illegible]

راشد الخیری

نئی کتابیں

عصمتی دسترخوان کے دو اور حصے

محترمہ آمنہ نازلی نے عصمتی دسترخوان جیسی بے انتہا کارآمد کتاب سے ہندوستانی خواتین کی ایک اشد ضرورت کو پورا کر کے حقیقتاً اپنی بہنوں کی بڑی خدمت انجام دی ہے عصمتی دسترخوان کے لئے یہ کہنا کہ ہندوستان کی کسی زبان میں اس سے بہتر کتاب شائع نہیں ہوئی بالکل صحیح ہے اول تو جن جن خواتین نے اس میں حصہ لیا ہے انہوں نے پورا یقین دلایا ہے کہ ترکیب تجربہ کرنے کے بعد لکھی گئی ہے اور وزن میں پوری احتیاط کی گئی ہے کہ کوئی غلطی نہ رہے۔

پھر دو معزز خواتین نے جن کے ہاتھوں یا جن کی نگرانی میں ہزاروں مرتبہ مختلف قسم کے کھانے تیار ہوئے ترکیبوں کے انتخاب میں محترمہ آمنہ نازلی کو مدد دی اس کے بعد محترمہ موصوفہ نے پھر ایک ایک ترکیب کو اچھی طرح دیکھا

اس کتاب کی دوسری خوبی یہ ہے کہ ہندوستان بھر کے ہر حصہ کی خواتین نے اپنے اپنے صوبہ کے کھانے بڑی احتیاط سے لکھے ہیں گویا اس کتاب کی موجودگی میں ہمارے ہاں ہندوستان کے جس شہر کا مہمان آ جائے ہم اس کے مذاق اور پسند کا کھانا تیار کر سکتے ہیں اور ہندوستان ہی کے نہیں انگریزی جرمنی ترکی ایرانی افغانی کھانے بھی درج کئے گئے ہیں۔ لیکن ان خوبیوں کے باوجود عصمتی دسترخوان مکمل کتاب نہیں کہی جا سکتی تھی اس لئے اب محترمہ آمنہ نازلی صاحبہ اس کے دوسرے حصے بھی مرتب کر رہی ہیں چنانچہ دو کتابیں اس وقت طیار ہیں۔

(۱) عصمتی ہنڈکلیا

عصمتی دسترخوان سے بچیاں پوری طرح فائدہ نہیں اٹھا سکتی تھیں ان کے لئے محترمہ آمنہ نازلی نے عصمتی ہنڈکلیا تیار کر دی اس میں ان کھانوں کی ترکیبیں درج کی گئی ہیں جو بچیاں آسانی سے تیار کر سکتی ہیں، شادی سے پہلے ایک لڑکی کو کم سے کم جو کچھ کھانے پکانے کے متعلق عملی طور پر جاننا چاہئے وہ ہنڈکلیا میں موجود ہے۔ بالکل عصمتی دسترخوان کے اصولوں پر مرتب کی گئی ہے چنانچہ شروع میں نہایت مفید ہدایات بھی لکھی گئی ہیں۔ قیمت ۱۰؍

ناشتہ

اس میں دوپہر اور رات کے کھانے سے قبل صبح اور تیسرے پہر کے ناشتہ کے لئے چاء، کوکو، شربت، آئس کریم، فالودہ کیک، بسکٹ اور کتنی ہی ایسی چیزیں جو ناشتہ کے لئے موزوں ہو سکتی تھیں ان کی ترکیبیں درج کی گئی ہیں۔ ہر حصہ ملک کی خواتین اس سے پوری طرح فائدہ اٹھا سکتی ہیں اس میں بھی وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو عصمتی دسترخوان میں ہیں۔ قیمت ۱۲؍

نامور خواتین اندلس

اندلس یعنی اسپین میں مسلمانوں نے آٹھ سو سال تک جس شان سے حکومت کی ہے تاریخ یورپ ہمیشہ ہمیشہ سنہری الفاظ میں اس کا ذکر کرے گی۔ اسی زمانہ میں سرزمین اندلس نے ایسی ایسی باکمال خواتین پیدا کی تھیں۔ جنہوں نے علوم و فنون کے دریا بہا دیئے تھے اور جن کی قابلیت مسلمانوں کے لئے مایہ ناز تھی عصمت کی مضمون نگار محترمہ مہر النساء ہمشیرہ مسٹر غلام دستگیر بی اے ایگزیکٹیو افسر نے بہت سی کتابوں سے بڑی تلاش و جستجو اور بعد محنت و جانکاہی سے ان خواتین کے حالات اخذ کر کے نہایت دلچسپ پیرایہ میں عصمت میں لکھنے شروع کئے تھے وہ مضامین نظر ثانی ہونے کے علاوہ بہت کچھ اضافہ کے بعد اب کتابی صورت میں شائع کئے گئے ہیں اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں طبقہ نسواں کیسی کیسی اعلیٰ پایہ کی شاعرہ ادیب مصور بذلہ سنج لطیفہ گو حاضر جواب خواتین سے مالا مال ہو رہا تھا۔ اس کتاب کی تالیف سے محترمہ مہر النساء نے صرف بہنوں ہی پر احسان نہیں کیا ہے بلکہ ادب اردو میں بھی یہ تذکرہ ایک قابل قدر اضافہ ہے طرز بیان بہت دلچسپ ہے کہیں کہیں تاریخ میں افسانہ کا سا لطف پیدا کیا گیا ہے ہم قابل مولفہ کو اس تذکرہ کی تالیف پر دلی مبارکباد دیتے ہیں اور ہمیں پوری امید ہے کہ تعلیم یافتہ خواتین اس مفید و دلچسپ کتاب سے بہت مسرت کے ساتھ اپنے کتب خانہ کی زینت بڑھائیں گی

قیمت صرف چھ آنہ (۶؍) ملنے کا پتہ دفتر عصمت دہلی

سرگذشت ہاجرہ

محترمہ صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ ایم آر اے ایس سابق اڈیٹر النساء اپنی بیش بہا تصانیف اور دلچسپ مضامین کی وجہ سے تعلیم یافتہ خواتین میں اس قدر شہرت حاصل کر چکی ہیں کہ اب کسی تعارف کی محتاج نہیں رہیں ان کی تصانیف موہنی، تحریر النساء وغیرہ عصمتی حلقہ میں نہایت وقعت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں ان کی دوسری تصانیف کی طرح یہ کتاب بھی اخلاقی جواہرات کا گرانبہا ذخیرہ ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ ازدواجی زندگی میں جو بدمزگی پیدا ہو جاتی ہے عورت انہیں کس طرح دور کر سکتی ہے۔ چار بہنیں ایک جگہ جمع ہو کر اپنی آپ بیتی سناتی ہیں مگر سب سے زیادہ موثر دلچسپ اور سبق آموز ہاجرہ کی سرگذشت ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کتاب کا مطالعہ نہ صرف لڑکیوں کے لئے بلکہ بڑی عمر کی خواتین کے واسطے بھی نہایت مفید ہے کیونکہ سرگذشت ہاجرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ میاں بیوی کے بگڑے ہوئے

گھر کس طرح سنوار سکتی ہیں - اور ہاتھ سے نکلے ہوئے شوہروں کو کس طرح دنیا کر سکتی ہیں - تھوڑے سے ہی عرصہ میں اس کا پہلا اڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا تھا اب قیمت ۱۲ ار منیجر عصمت سے منگائیے -

گلدستہ سوزن کاری

از محترمہ ش - اسیم ڈی ڈاکٹر شرف الدین بلڈنگ اڈہ ہوشیار پور جالندھر - خواتین میں دستکاری کا شوق خوشی کی بات ہے کہ روز بروز ترقی کر رہا ہے - اسے دیکھکر اب اردو میں بھی کئی اچھی اچھی کتابیں مختلف دستکاریوں پر شائع ہوئی ہیں ان ہی کتابوں میں سے یہ مفید کتاب بھی ہے جس میں سوزن کاری کے لئے پھول بوٹوں کے قریباً سو خوبصورت نمونے دیئے گئے ہیں - اس کی ضخامت ۲۸ صفحے ہے مگر دستکاری کی جتنی کتابیں شائع ہوئی ہیں غالباً اس کا سائز سب سے بڑا ہے اس لئے ہر نمونہ خوب واضح ہے جن بہنوں کو سوزن کاری کا شوق ہو وہ عمر میں یہ کارآمد کتاب محترمہ ش - اشمیم کے مندرجہ بالا پتہ سے منگاکر ان کی حوصلہ افزائی کریں -

ذائقہ

از محترمہ بہتر صاحبہ ملنے کا پتہ - سید ابوالحسن علی صاحب نمبر ۲۷ گوئن روڈ لکھنؤ -

خواتین کے لئے یہ بھی کارآمد کتاب ہے اس میں ہندوستانی کھانے مٹھائیاں، مربے، اچار، چٹنی وغیرہ بنانے کی ترکیبیں مفصل بیان کی گئی ہیں - ہمیں خود کسی ترکیب کے تجربہ کرانے کا موقعہ نہیں ملا لیکن ہمیں امید ہے کہ کھانے پکانے کی عام کتابوں کی طرح اس میں اٹکل پچو نسخے درج نہ کئے گئے ہوں گے - مصنفہ کی محنت قابل قدر ہے - ۸ ر قیمت پر مندرجہ بالا پتہ سے مل سکتی ہے -

رہنمائے صحت

مہاتما گاندھی نے گجراتی زبان میں حفظان صحت کے موضوع پر ایک نہایت مفید کتاب لکھی تھی اس کے انگریزی ترجمہ کو اردو کا لباس پہنا کر محمد اعظم خاں صاحب حیدرآباد دکن نے صحت کے لٹریچر میں گرانبہا اضافہ کیا ہے کیونکہ اردو میں اصول صحت کے متعلق عام فہم زبان میں حقیقتاً عمدہ کتابیں جن سے سب فائدہ اٹھا سکیں بہت کم ہیں - کتاب صحت کے معنی - انسان کا جسم ہوا پانی، غذا، ورزش، لباس، جیسے اہم ابواب پر منقسم ہے - طرز بیان سادہ اور موثر ہے اور ترجمہ میں اس کا پورا خیال رکھا گیا ہے - ہم عصمتی بہنوں سے سفارش کریں گے کہ وہ اس کتاب کا ضرور مطالعہ کریں چھوٹے سائز کے سوا سو صفحوں پر چھپی ہے ۱۲ر قیمت میں مترجم سے نصیر لاشان پورہ حیدرآباد دکن سے ملیگی -

تربیت گاہ کا جشن میلاد

پچھلے سال ہمکو بچیوں کے اس پاکیزہ جذبہ کا کہ وہ بہ ہجوم دھام سے جشن معراج منائیں اور عصمتی بہنوں اور بناتی بچیوں کو دعوت دیں اور شہنشاہ دوجہاں کی مہمان نوازی میں اپنی محترم ماؤں کو شریک کریں بہت دیر میں علم ہوا اور یتیم سیکشن کا بلاوا پرچوں میں شائع نہ ہو سکا مگر اب وقت کافی ہے اس لئے میں اپنی بچیوں کی طرف سے عصمتی بہنوں اور بناتی لڑکیوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ ۱۷ دسمبر ۳۶ء کو بعد نماز عشاء اس مقدس جلسہ میں تشریف لاکر ممنون فرمائیں -

دونوں جہان کا بادشاہ اس جشن میں تربیت گاہ کے یتیم حصہ کا مہمان ہے اسلئے امید ہے کہ باہر کی بہنیں پچھلے سال سے زیادہ تشریف لاکر رونق دربار کو دوبالا کریں گی اور حسن عقیدت کے ان سدابہار پھولوں سے گود بھر لیں گی جو اس محفل میں برسیں گے - براہ کرم بہنیں دو تین روز قبل اپنی تشریف آوری کے قصد سے مطلع فرماویں تاکہ قیام و طعام کے انتظام میں دقت نہ ہو - جو بہنیں شرکت کا قصد رکھتی ہوں وہ مفصل پروگرام طلب فرمالیں -

راشد الخیری

محمدی لوا

یہ چھوٹی تقطیع کے ۴۸ صفحوں پر نتیجہ خیز قصہ ہے - جسے مرزا نسیم بیگ صاحب چغتائی نے بچوں کے لئے لکھا ہے یہ آپ بیتی ہو یا کہانی سچی ہو یا جھوٹی مگر ہے سبق آموز اور دلچسپ - طرز بیان میں شگفتگی ہے - عبارت میں سلاست اور روانی ہے اور بچیاں پڑھینگی تو خوش ہونگی قیمت ۴ر نگارستان ادب کوچہ کمانگران موچی دروازہ لاہور سے ملیگی -

سلک مروارید

مولوی حافظ حکیم محمد حسین خانصاحب رباعیات کا مجموعہ جس میں جذبات بھی آزادی نسواں اور بے پردگی کے خلاف بھی ہیں - قیمت تین آنہ ۳ر ملنے کا پتہ - محمد احمد صاحب بدیور سیتاپور

بزمِ عصمت

میں دلی مسرت کے ساتھ آپ کو اطلاع دیتی ہوں کہ میرے چھوٹے بھائی عزیزی عبدالقادر بیگ بی اے کی شادی ہماری ایک عصمتی بہن عزیزہ سعیدہ بیگم بنت مرزا اکبر علی صاحب قبلہ کے ساتھ بتاریخ نو نومبر انجام پائی۔ اس خوشی میں دس روپیہ تربیت گاہ کی بچیوں کے لئے اور پانچ بدیۂ عصمت کے نادار فنڈ کے واسطے بھیجتی ہوں۔ نیز دو نام لکھتی ہوں ان پتوں پر رسالہ جاری کر دیجئے۔ خدا سے دعا ہے کہ یہ جوڑا ہمیشہ خوش اور شاد رہے۔

سکندر بیگم بنارس

نہایت رنج و قلق سے تحریر ہے کہ میرے والد حاجی مولوی شیخ احمد صاحب رئیس بدایوں نے بتاریخ ۱۲ ماہ اکتوبر ۱۹۳۰ء مطابق ۲۰ جمادی الاول بروز دوشنبہ چار بجے دن کے اس دنیا ناپائیدار سے عالم جاودانی کو رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون دعا کیجئے کہ خدا اپنے جوار رحمت بہترین مقام عطا فرمائے اور نیز جملہ عصمتی بہنوں سے استدعا ہے کہ وہ دعا مغفرت کریں اگر بہن خورشید آرا بیگم صاحبہ یا کوئی دیگر عصمتی بہن قطعہ تاریخ وفات بذریعہ عصمت لکھدیں تو نہایت احسان مند ہونگی تاکہ ان کے مرقد پر کندہ کرا دیا جائے والد مرحوم کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے پانچ روپیہ کی حقیر رقم تربیت گاہ کی یتیم بچیوں کے واسطے نیز عا نادار فنڈ عصمت کے لئے بھیجتی ہوں۔ انشاء اللہ ایک معقول رقم وقت مقررہ پر ہر سال تربیت گاہ کو دیا کروں گی۔

راقمہ اہلیہ محمد ریاض رسول حمیدی خریدار از بدایوں

میں نہایت خوشی سے لکھتی ہوں کہ ۲۴ ارجون کو خدا نے مجھکو بھائی عطا فرمایا ان کا نام مصطفیٰ علی رکھا گیا ہے کوئی بہن صاحبہ دو خوب اچھے اچھے قطعہ تاریخ ولادت ایک اردو میں دوسرا فارسی میں تحریر کریں تو بہت ممنون ہوں گی فارسی میں اگر بہن خورشید آرا بیگم صاحبہ لکھدیں تو مہربانی ہوگی۔

بنت سید فضل علی صاحب جعفری پٹنہ

(۱) ستمبر کے عصمت میں سید قیصر حسین صاحب نے فریٹ ورک کی مشین ملنے کا پتہ دریافت کیا ہے لہذا اس کے ملنے کا پتہ یہ ہے۔

بمبئی سپورٹ ڈپو۔ دھوبی تالاؤ جے محل۔ بمبئی

(۲) شاہجہانی بیگم صاحبہ کی خدمت میں عرض ہے کہ آپ کے نے سمنٹ بنانا مشکل ہے۔ دوسرے گھر پر بنانے سے عمدہ سیمنٹ گراں پڑے گا بہتر ہے کہ آپ بازار سے (Seccotine) مشہور سیمنٹ کا ایک ٹیوب جو چار آنے میں ملیگا منگا کر اپنے برتن جوڑ لیں یا اگر آپ کو خود ہی بنانے کا شوق ہے تو لکھنے میں کوئی عمدہ نسخہ سیمنٹ کا لکھکر بھیجدونگا۔ سیمنٹ مذکور العدر مندرجہ ذیل پتہ سے بھی مل سکتا ہے۔ ڈبلیو نیومین کمپنیز کلکتہ۔

راقم رضا محمد جعفری از شہر آگرہ

نومبر نمبر بزم عصمت میں میں نے ایک بہن کا یہ مضمون پڑھا ہے کہ جس کے لئے نوسادر [illegible] ایک جوڑا پیکر [illegible] عورں پر ملتے۔ بہن صاحبہ نے یہ لکھا ہے کہ یہ نسخہ آزمودہ ہے یہ تو بہت نقصان دہ ہے بجائے فائدہ کے مضر ہے

اے بی ایس ہینگن گھاٹ

جن بہن صاحبہ کے چہرے پر تل نمودار ہوتے ہیں ان کے مٹنے کی ترکیب لکھتی ہوں آزمودہ ہے۔ لیموں بڑا [illegible] عادت جس کو بجور کہتے ہیں۔ دال مسور اول لیموں کے عرق میں خوب تر کر کے سایہ میں خشک کر لیں۔ بعد کو چکی میں پسوا کر تھوڑا آٹا اس میں سے لیکر پانی میں گاڑھا گھول [illegible] روغن تل ملا کر استعمال کریں مفید ہوگا آزمودہ ہے۔

ہمشیرہ عبدالمعبود خان غازی پور

جن بہنوں نے راکھ اور چونا کی وجہ سے داغ پڑنے کی شکایت کی ہے انہیں چاہئے کہ اس جگہ (Venusa Cream) وینس کریم لگایا کریں۔ سیاہ داغ انشاء اللہ دور ہو جائے گا اور آئندہ ایسی [illegible] سے پرہیز کریں قدرت کی دی ہوئی کسی چیز کو بد صورت کرنے کی کوشش نہ کریں۔

ایس کے صغریٰ بیگم سبزی بیچ کلکتہ

عصمت کے سالگرہ نمبر میں کسی بہن نے لکھا ہے کہ میری [illegible] برس شروع ہے یکس پہلے مرطلہ کو جاتے ہیں کی جگہ سوالی ہوتی ہے۔ گر خون نکلے یا خون سے ہوئے بال کی شکل ہو تو مندرجہ ذیل پتہ [illegible] منگا کر استعمال کریں [illegible] شفا ہوگی اور گر خون کے [illegible] پانی نکلے تو [illegible] استعمال نہ کریں۔ پتہ [illegible] علی احمد صاحب [illegible] سید

[illegible] بیگم [illegible] ۵۶

اکتوبر ۱۹۳۳ء کے عصمت میں کسی بہن نے کشیدہ کاری کی مشین کی استعمال کی ترکیب دریافت فرمائی ہے اس مشین کے لئے بہت باریک اون کی ضرورت ہے جو کہ ایس احمد اینڈ کمپنی پوسٹ بکس نمبر ۱۴۵ لاہور سے بہت عمدہ مل سکتا ہے۔ مخمل کو فریم پر خوب اچھی طرح تان کر اون کو مشین کی سوئی میں ڈال کر مشین چلا دیں بہت آسانی سے کام دے گی۔ بشرطیکہ اون ٹھیک ہو۔

بنت سید اصغر حسن جج ہردوئی

بہن ظ۔ ج اخلاق زبیری صاحبہ کو معلوم ہو کہ ان بھانجے کے تاریخی یہ نام ہو سکتے ہیں:۔ محمد ظفر۔ محمد احمد۔ محمد حامد۔ محمد عابد۔ محمد زاہد نیز سائرہ بیگم صاحبہ الہ آباد ان میں جو نام چاہیں اپنے بھانجے کا رکھیں عزیز احمد۔ نذیر احمد۔ بشیر احمد۔ شبیر احمد۔

صفیہ سلطان علی گڈھ

خاک نشین گمنام کے لئے تاریخی نام عزیز فاطمہ۔ غفیر بانو۔ سالار خاتون وفادار خاتون۔ تواضع بیگم (۱۳۵۲ھ) اور سائرہ بیگم صاحبہ کے بھانجے کے لئے مسعود ظہیر احمد اور نظیر احمد۔ وسیع الاخلاق۔ منصور احمد موزوں ہوں گے۔

مس جان محمد بن اسمٰعیل سیٹھ کوچین

عرصہ تین سال سے میرے چہرے پر سرخ سرخ دانے نکلتے ہیں بعض کا تو سیاہ داغ پڑ جاتا ہے اور بعض سے ہمیں کیل جم جاتی ہے۔ کبھی سرسوں وغیرہ کا اُبٹنا ملتی ہوں تو دانے اور زیادہ ہو جاتے ہیں اس سے چہرہ بدنما معلوم ہوتا ہے میرا رنگ پہلے بہت صاف تھا لیکن جب سے یہ دانے شروع ہوئے رنگ روز بروز سیاہ ہوتا جاتا ہے اور خاص کر جاڑوں میں دانے زیادہ نکلتے ہیں اگر کوئی عصمتی بہن کسی اُبٹن یا کریم پاؤڈر وغیرہ سے مطلع فرمائیں تو ہمیشہ شکر گزار ہوں گی۔

راقمہ خریدار نمبر ۳۶۵۳

میری ایک سہیلی نے مذاق میں پارہ کھایا تھا پانچ سال کا عرصہ ہوا ہے ان کے سارے جسم میں کھجلی ہو گئی ہے اور مہین مہین دانے پیپ سے بھرے ہوئے نکلتے ہیں گرمیوں کم اور جاڑوں میں زیادہ نکلتے ہیں منہ میں مرچ زیادہ لگتی ہے کڑوی چیز گرمیوں میں نہیں کھا سکتیں ہیں اور جاڑوں میں منہ کے اندر چھالے پڑ جاتے ہیں اگر کسی عصمتی بہن یا بھائی کو اس کا علاج معلوم ہو تو بذریعہ عصمت مجھکو اطلاع دیں۔ بہن صاحبہ گ۔ ن کپور تھلہ بھی اس طرف توجہ فرمائیں۔ جس وقت پارہ کھایا تھا ان کی عمر ۱۵ سال کی تھی۔

عزیز فاطمہ بنت ڈاکٹر یار محمد صدیقی صاحب

نومبر کے پرچہ عصمت میں میری جانب سے ماہر امراض چشم حکیم صاحب کا پتہ چھپا ہے اس میں غلطی سے بجائے کپور تھلہ کے مقام کلکتہ درج ہو گیا ہے۔

گ۔ ن بنت ڈاکٹر شیخ ابوالفضل چیف ڈائرکٹر یونیورسٹی کپورتھلہ

میری بہن کے چہرہ پر چھوٹے چھوٹے سیاہ اور بھورے رنگ کے تل بکثرت نکل آئے ہیں جو کہ بہت بدنما معلوم ہوتے ہیں اگر کسی عصمتی بہن یا بھائی کو اس کا مجرب علاج معلوم ہو تو بذریعہ عصمت مطلع فرمائیں۔

ایک عصمتی بہن آگرہ

میری ایک قریبی رشتے کی بہن کو یہ شکایت ہمیشہ دامنگیر رہتی ہے کہ کسی کسی ہاتھ کی انگلی یا ہتیلی یا پاؤں کی انگلی یا تلوے میں پہلے پہل جلد سرخ ہو کر درد محسوس ہونے لگتا ہے پھر وہ بصورت زخم مبدل ہو کر بہنے لگتا ہے اور سخت تکلیف کا سامنا ہوتا ہے کئی دن کے بعد کسی علاج و معالجے سے شفا یابی حاصل ہوتی ہے تو چند دن کے وقفے کے بعد پھر دوسری کسی جگہ یہ شکایت نمودار ہوتی ہے۔ اس کی وجہ کیا؟ یہ کیا بیماری ہے؟ اگر کسی بھائی بہن کو اس کا مجرب علاج اور مرض کا نام معلوم ہو تو از راہ نوازش بذریعہ بزم عصمت مطلع فرما دیں۔

مس جان محمد بن اسمٰعیل سیٹھ جانی

میری نند کی ہاتھ کی ہتیلیاں موسم سرما میں پھٹ جاتی ہیں اور بہت سے باریک باریک خط پڑ جاتے ہیں جو بہت ہی بہت بدنما معلوم ہوتے ہیں اور تکلیف بھی ہوتی ہے اگر کسی بہن یا بھائی کو آزمودہ نسخہ یا صابن معلوم ہو تو بذریعہ عصمت مطلع کریں۔ نہایت ممنون ہوں گی میرے سر میں گردن سے درد شروع ہو کر تمام سر میں پھیل جاتا ہے۔ بہن ص ب صاحبہ نے ناریل کے تیل بنانے کی ترکیب تحریر کی تھی میں نے تیل تیار کیا لیکن اس کے استعمال سے درد اور زیادہ ہو گیا اگر بہن صاحبہ کو کوئی اور آزمودہ دوا معلوم ہو تو تحریر کریں۔ مشکور ہوں گی۔

مسز حافظ عبدالنعیم صاحب از ڈباکی

برائے نوازش کوئی بھائی یا بہن بذریعہ عصمت مطلع کریں کہ کتاب حصن حصین کا اردو ترجمہ بھی کہیں سے ملتا ہے۔

الف اے بنت خان ڈاکٹر محمد خان کٹشر

مجھے کسی ایسی کتاب کی ضرورت ہے جس سے کہ بآسانی کسی استاد کے بغیر فارسی پڑھ سکیں۔ اگر کوئی عصمتی بہن یا بھائی ایسی کتاب اور اس کے پتے سے واقف ہوں تو بذریعہ رسالہ عصمت خاکسار کو مطلع فرما دیں۔

نیز اگر کوئی بہن جالی میں سوئی سے تاگے کے پھول بیل وغیرہ بنانے کا کام جانتی ہوں تو براہ مہربانی اس کی ترکیب سے آگاہ کر دیں۔ عزیز

عصمت سالگرہ نمبر کے مستقل عنوان خانہ داری میں ہاتھوں کا
وان دور کرنے کے لئے سیپولائٹ دوا بتلائی گئی ہے۔ میں نے کئی
نگریزی دوا خانوں میں تلاش کرائی لیکن ملی نہیں۔ اگر کسی عصمتی
ہن یا بھائی کو معلوم ہو کہ سیپولائٹ کیا چیز ہے اور کہاں سے مل
کتی ہے تو مفصل تحریر فرمادیں۔

مسز عثمان حیدر للت پور

میں نہایت خوشی کے ساتھ اطلاع کرتی ہوں کہ میری منجھلی ہمشیرہ
تباریخ ۳۰ اکتوبر ۱۹۳۸ء وقت ۱۱ بجے رات کو خداوند تعالےٰ نے
سانی بچی عطا فرمائی۔ عصمتی بہنوں سے درخواست کرتی ہوں کوئی
چھا سا نام رکھدیں بہت شکر گزار ہوں گی۔

ضمیر النساء مس ممتازہ حسین

میری ایک رشتہ دار بہن کی جن کی عمر ۱۳ سال کی ہے اکثر یہ ہوجاتا ہے
پیشاب کرنے کے بعد ایسا معلوم کہ اب پھر ہوگا جس سے درد ایک گھنٹہ
قسم کی بھینی محسوس ہوتی ہے پھر ٹھیک ہوجاتا ہے۔ پھر جب پیشاب
تا ہے تو وہی بھینی پھر ہونے لگتی ہے یہ حالت پانچ چھ روز تک رہتی
موسم گرما میں جلد جلد ہوتا ہے جس سے ان کو بہت تکلیف ہے نیز
ن کے دنوں میں کبھی کبھی مجھکو یہ ہوتا ہے کہ جب شب کو سونے کے
یٹتی ہوں تو نیند بالکل نہیں آتی حالانکہ میں سب خیالات نکال دیتی ہوں
لیٹے لیٹے کبھی ایک کبھی دو بج جاتے ہیں تب کہیں نیند آتی ہے
جب نیند آجاتی ہے تو آنکھ نہیں کھلتی چپ چاپ لیٹے رہنے سے
بہت بہت گھبراتی ہے مہربانی کرکے کوئی بہن ان دونوں کا آسان
آزمودہ نسخہ تحریر کریں بہت زیادہ مشکور ہوں گی۔

ح - ج بیگم

دانتوں کی صفائی کے لئے یہ منجن مفید ہوگا:۔
لجبر ۲ ماشہ خاکستر صدف ۲ ماشہ نمک شاخ گوزن سوختہ ۲ ماشہ
کو پیسکر منجن بنا کر استعمال کریں۔ اور اس کا غرارا کریں۔
خ کبر ۲ ماشہ فیتن ۲ ماشہ مصطگی ۲ ماشہ عاقرقرحا ۲ ماشہ
س کو جوش دیکر کلیاں کریں۔ انشاء اللہ مفید ہوگا

ہمشیرہ شفقت علی الہ آباد

م عصمت کے لئے جو خط بھیجئے اُس میں خریداری نمبر ضرور درج کیجئے

ایک ہی قسم کا پھوڑا

نہایت رنج و قلق سے تحریر کرتی ہوں کہ میری پیارے گھر کا کھلونا
بھتیجی بنام اقبال فاطمہ بعمر ۹ ماہ ۳ جولائی کو ۲ بجے دن راہی ملک بقا
ہوئیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہم سب کو اپنی مفارقت میں مبتلا چھوڑا
اللہ ہم سب جمیع اعزہ کو صبر عطا فرمائے

یوں تو جہاں ندار بقا ہے سب فنا اللہ اللہ ہے

مگر صدمہ جانکاہ اس کے ہونیکے انوکھے حیلے پر ہے۔ میرے بھائی
اپنے وطن ہم سب کو لیکر مرزاپور ۲۹ جون کو گئے۔ ۳۰ کو بخیریت پہونچے
سب آرام سے رہے اہل وطن و عزیزوں کو بیحد خوشی ہوئی۔ یکم جولائی کے
روز شام کو بچی کو حرارت معلوم ہوئی۔ صبح کو اس کی ماں کی اجازت سے
حکیم کا علاج شروع کیا ۲ جولائی کو جانگھ میں معلوم ہوا۔ ڈاکٹر کا
علاج پھوڑے پر کیا جانے لگا ۳ جولائی کو صبح دورہ سا معلوم ہوا
سول سرجن و اسسٹنٹ سرجن کو بلوایا دونوں نے متفق رائے ہو کر ۸ بجے
دن کو اپریشن کیا ڈھائی پاؤ مواد نکلا بعد ۴۵ یا ۵۰ منٹ کے مریضہ
جنت نشین ہوئی۔ چوبیس گھنٹہ میں پھوڑا ظاہر بھی ہوا اپریشن بھی ہوا
ڈاکٹروں کو حیرت تھی کہ یہ انوکھا پھوڑا تھا ایسا کبھی اپریشن نہیں کیا،
عصمتی بہنوں کی خدمت میں استدعا ہے کہ کوئی بہن صاحبہ قطعہ
تاریخ لکھدیں ثواب عظیم ہوگا۔ مبلغ ۵ روپے کی حقیر رقم ارسال خدمت ہے
یتیم سیکشن کو تقسیم کردیجئے قرآن شریف پڑھکر بچی کو بخشدیں

ہمشیرہ عبد المسعود خاں غازی پور

گیارہ بارہ برس میں منہ کے مرض میں مبتلا ہوں بہت علاج
یونانی ڈاکٹری کئے کوئی فائدہ نہیں اور اب تک علاج سے
غافل نہیں ہوں کیونکہ تکلیف از حد ہے اور بہت ہی پریشان ہوں
اسی وجہ سے برابر علاج اور پرہیز کرتی رہتی ہوں کہ شاید کوئی دوا لگ
جائے اور اس تکلیف سے نجات پاؤں۔ مگر افسوس ہر علاج کے
بعد مایوس ہوجاتی ہوں۔ میں کھانے سے لاچار ہوں اندر منہ کے
دونوں طرف جبڑوں میں اور تالو، حلق میں زخم ہیں اور تالو جبڑوں
میں نیلے داغ ہیں اور گوشت جابڑوں کا مردار کھال کی شکل ہے
اور کبھی کبھی جبڑوں میں سے گوشت گل کر ذرا ذرا گر پڑتا ہے اور
اندر جبڑوں کا گوشت تڑخ جاتا ہے۔ سمٹ کر ڈورے سے پڑ جاتے
ہیں تالو حلق جبڑوں دونوں ہونٹوں میں اور چاروں طرف ہونٹوں کے

بہت خارش ہوتی ہے اور ہونٹوں میں ہروقت زیادہ خارش رہتی ہے ہونٹوں کی دونوں کھاٹیاں اوپر سے کالی ہوگئی ہیں۔ یہاں سب سے زیادہ خارش رہتی ہے اور سب منہ صاف ہے۔ صرف گھائیاں کالی ہوگئی ہیں۔ چہرہ کی زیبائش خراب ہوگئی ہے آدھا چہرہ صاف اور آدھا کالا بہت برا معلوم ہوتا ہے۔ مجھے اس کا بہت رنج ہے یہ مرض مجھے ۱۵ سال کی عمر سے ہے اب میری عمر ۲۶ سال کی ہے اگر کسی ہمدرد عصمتی بہن کو کوئی ایسا آزمودہ مجرب نسخہ معلوم ہو تو بذریعہ عصمت مطلع کریں۔ عمر بھر احسانمند رہوں گی اور دُعا دوں گی

والدہ عبدالجبار آگرہ

ایک بہن کی تکالیف

میری ایک نہایت ہی عزیز سہیلی کو عرصہ سے مختلف امراض و تکالیف نے گھیر رکھا ہے۔ ان کی تکالیف کی ابتدا ر بچے کے پیدا ہونے سے شروع ہوئی ہے۔ اوپر تلے تین چار بچے دو دو سال کے وقفہ بعد ہوئے پھر ایک سال کے اندر ہی دوسرا ہو گیا چونکہ زچہ خانہ ہر دفعہ گرمی ہوتا رہا۔ اس لئے ٹھنڈا پانی برف لیمونیڈ۔ عرق وغیرہ پیتی رہیں۔ نہ معلوم ان سے رگ پٹھوں میں سردی بیٹھ گئی یا کوئی اور وجہ ہوئی اب گذشتہ زچہ خانے کے بعد سے ان کے تمام جسم میں درد رہتا ہے خصوصًا ٹانگوں میں بے حد ہوتا ہے کبھی کبھی سر میں درد بھی شدت کا اٹھتا ہے اور تقریبًا غشی کی سی حالت ہو جاتی ہے کسی دن چہرہ پر سوجن ہوتی ہے کسی دن پاؤں سوجکر کپا ہو جاتے ہیں کسی دن ہاتھ، کبھی کبھی دست لگ جاتے ہیں اور ڈکار اتنے زور زور سے آتی ہیں کہ دوسرے گھر تک آواز جائے۔ پیٹ بھی بڑھ گیا ہے اب انہیں کسی نے بتایا ہے کہ یہ ریاحی بواسیر ہے۔ بواسیر کا مرض تو ان کے تمام خاندان ہی میں ہے مگر خونی ہے۔ ان کو بواسیر کا خون کبھی نہیں آیا۔ مگر تکالیف ریاحی البتہ معلوم ہوتی ہیں ممکن ہے بواسیر ریاحی ہی ہو اور اسکی وجہ سے ہی یہ رنگا رنگ امراض پیدا ہو رہے ہیں مگر وثوق سے نہیں بتا سکتیں کہ کیا ہے بعض دفعہ دل پر گھبراہٹ ایسی ہوتی ہے کہ چیخیں مار کر رونے کو جی چاہتا ہے سر پر بوجھ اور بھاری معلوم ہوتا ہے ہسٹریا کے فٹ کی طرح دورہ پڑتا ہے بیچاری بہت ہی پریشان ہیں بعض دفعہ سانس

راقمہ ایک عصمتی بہن

مصنفہ حضرت علامہ راشد الخیری مرحوم کے اصلاحی و معاشرتی مختصر افسانے
تمغۂ شیطانی
حضرت علامہ راشد الخیری نے اسلام کو جن سائنٹفک اصولوں پر بتایا ہے۔ اردو لٹریچر میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی جن مسلمانوں نے سمجھ کر علامہ محترم کی تصانیف کو پڑھ لیا۔ صحیح اسلام ان کے ذہن نشین ہو گیا۔ اور ہزاروں گمراہی سے بچ گئے۔ تمغۂ شیطانی میں امت شیطانی کے آٹھ کیرکٹر دکھائے گئے ہیں۔ ان لوگوں کے جو نیک انسان سمجھے جاتے تھے۔ مگر ان کے ایک فعل سے جو بظاہر بہت معمولی بات تھا۔ حلقۂ شیطانی میں داخل ہوئے جہاں ناک کٹے والی بیوی۔ ملاجی۔ خانصاحب کے حالات پڑھ کر ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں۔ دہان شمس۔ پیرجی، شیرازی کے واقعات آنکھوں سے آنسو گرا دیتے ہیں۔ بے حد موثر اور بہت مفید افسانہ ہے یہ وہی سبق آموز اور عبرت انگیز افسانہ ہے جس کی رسالہ عصمت میں شائع ہو کر دھوم مچ چکی ہے۔ قیمت صرف ۱۲ر
سات روحوں کے اعمالنامے
جسے تمغۂ شیطانی کا جوڑ کہا جاتا ہے۔
دنیا کی سات عجیب و غریب روحیں ایک شیطان کی مغفرت کے لئے پیش کی جاتی ہیں۔ آخری روح کے کارنامے اس قدر درد انگیز ہیں کہ ہچکی بندھ جائے۔ کنواری لڑکیاں نہ منگائیں ۶ مرتبہ چھپی ہے قیمت ۸ر
ستونتی
نہایت دلچسپ سبق آموز قصہ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ مرد کے لئے بیوی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہو سکتی اور شریف عورت شوہر کے لئے سب کچھ قربان کر کے اور وفاداری ایثار کے جوہر دکھا کے دنیا کو محو حیرت کر دیتی ہے اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس سے کر لیجئے کہ دو سال میں چار مرتبہ چھپ چکی ہے۔
قیمت صرف آٹھ آنے۔
ولایتی ننھی
باتصویر نانی عشو کی جوڑ کا
نہایت پر لطف افسانہ ہے جس کے ہر فقرہ پر ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں۔ بی ننھی نے بڑھاپے میں وہ سوانگ بھرے ہیں کہ بس پڑھنے ہی سے تعلق رکھتے ہیں عصمت میں اس کی تین ہی قسطیں چھپی تھیں کہ چاروں طرف سے کتابی صورت میں شائع کرنے کا اصرار ہونے لگا۔ ہاف ٹون بلاک کی تصویر بھی ہے قیمت
بنت الوقت
ہماری مستورات کی تعلیم و تربیت کا بے مثل مرقع۔ وقت کا اندھا دھند ساتھ دینے والی ایک ناعاقبت اندیش لڑکی کا عبرت انگیز انجام ۶ بار چھپ چکی ہے قیمت ۸ر
تفسیر عصمت
یہ وہی دلاویز افسانہ ہے جس نے رسالہ عصمت کے مشہور جوبلی نمبر میں چار چاند لگا دیئے تھے۔ عبدل کا کیرکٹر اس قدر پر لطف ہے کہ ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں اور واقعات اس قدر دردانگیز کہ بے ساختہ آنسو نکل آتے ہیں خلع اور ارتداد پر اس سے بہتر افسانہ آج تک اردو زبان میں شائع نہیں ہوا ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت کی نظر سے گذرنا چاہئے قیمت ۶ر
انگوٹھی کا راز
جدید ایڈیشن حضرت مصنف سے نظر ثانی کرا کر اور بہت کچھ اضافہ کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ یہ تین مختلف الخیال لڑکیوں کا سبق آموز افسانہ ہے رابعہ کا عبرت انگیز انجام۔ اسلامی کی جگر خراش داستان اور صفیہ کی مشکلات انگوٹھی کا راز اس خوبی سے حل کرتا ہے کہ پڑھنے والے محو حیرت ہو جائیں۔
قیمت آٹھ آنہ
سراب مغرب
غیر مسلم مدارس میں لڑکیوں کا تعلیم پانا کہاں تک جائز ہے اس بحث پر یہ مشہور کتاب تقلید مغربی کے دردناک نتائج پارٹیز کا حشر۔ ماں باپ کی ناعاقبت اندیشی اور لڑکی کی تباہی۔ یہ کتاب بھی چھ مرتبہ چھپ چکی ہے۔ کنواری بچیاں نہ منگائیں۔
قیمت صرف آٹھ آنہ
منازل ترقی
اس عبرت انگیز افسانہ میں دکھایا گیا ہے کہ انسان ترقی کی دھن، لیڈری کے شوق اور دولت کے نشہ میں اخلاق انسانیت رند سب کو تج کر عزیز رشتہ داروں پر کیسے کیسے ظلم ڈھاتا ہے ولی اور شیریں نو میاں بیوی کے کیرکٹر نہایت عجیب ہیں۔ قیمت ۴ر
بچہ کا کرتہ
ایک عاشق زار بد نصیب ماں اپنے جوان بچہ کی بدولت وہ وہ مصیبتیں اٹھاتی ہے کہ کلیجہ منہ کو آتا ہے دنیا اس کی محبت اور ایثار کا وہ عبرت انگیز جواب دیتی ہے کہ آنکھ سے آنسو نکل پڑتے ہیں بہت موثر افسانہ ہے کئی بار چھپ چکا ہے۔ قیمت چار آنہ
ویڈیا کی سرگذشت
اگر آہ دہ ہوتی تو دہاں بھی نہ تھا! فیشن اور جدت کی دلدادہ ایک انگریز خاتون کی کہانی اسی کی زبانی مغربی معاشرت کا ایک نہایت کامیاب مرقع یورپین میاں بیوی کے تعلقات کا ہو بہو فوٹو قیمت چار آنہ
مودودہ
ہندوستان کے کئی صوبوں میں رواج کو غالب کر کے ترکہ پدری سے لڑکیوں کو محروم کر رکھا ہے اس موضوع پر نہایت اچھی موثر کتاب ہے۔ پڑھ کر آنکھیں ڈبڈبا آتی ہیں۔ چوتھی بار چھپی ہے
قیمت صرف آٹھ آنے
علاوہ محصول ڈاک
مینیجر عصمت دہلی